جدید کمپیوٹر ایڈیشن



تفسیر کمالین

شرح اردو

تفسیر جلالین

تفسیر

علامہ جلال الدین محلی و علامہ جلال الدین سیوطی

شرح

حضرت مولانا محمد نعیم دیوبندی صاحب

استاذ تفسیر دار العلوم دیوبند

دار الاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 021-32213768

تفسیر کمالین

شرح اردو

تفسیر جلالین

جلد پنجم

پارہ ۲۱ تا پارہ ۲۴

بقیہ سورۃ العنکبوت
تا
سورۃ فُصِّلَتْ (حٰمٓ السجدۃ)

تفسیر

علامہ جلال الدین محلیؒ و علامہ جلال الدین سیوطیؒ

شرح

حضرت مولانا محمد نعیم دیوبندی صاحب مدظلہم

استاذ تفسیر دار العلوم دیوبند

مکتبہ
دار الاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

طباعت : ایڈیشن جنوری ۲۰۰۸ء

ضخامت : ۶ جلد صفحات ۳۲۲۴

تصدیق نامہ

میں نے ''تفسیر کمالین شرح اردو تفسیر جلالین'' کے متن قرآن کریم کو بغور پڑھا جو کمی نظر آئی اصلاح کردی گئی۔ اب الحمدللہ اس میں کوئی غلطی نہیں انشاء اللہ۔

23/08/06  محمد شفیق (فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن)
نمبر مجاریہ R.ROAUQ 2002/338
رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ اوقاف سندھ

﴿........ ملنے کے پتے ....﴾

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 دیپ روڈ لسبیلہ کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW

یہ پاکستانی طبع شدہ ایڈیشن صرف انڈیا ایکسپورٹ نہیں کیا جاسکتا

اجمالی فہرست

پارہ نمبر ۲۱ تا ۲۴

عنوانات	صفحہ نمبر

پارہ نمبر ﴿۲۱﴾

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ

فہرست پارہ ۞اتل ما اوحی۞

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ اَلْقُرْاٰنَ **وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ** شَرْعًا اَیْ مِنْ شَانِهَا ذٰلِكَ مَادَامَ الْمَرْءُ فِیْهَا **وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ** مِنْ غَیْرِهٖ مِنَ الطَّاعَاتِ **وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾** فَیُجَازِیْكُمْ بِهٖ **وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ** اَیْ بِالْمُجَادَلَةِ الَّتِیْ **هِیَ اَحْسَنُ ۖ** كَالدُّعَاءِ اِلَى اللّٰهِ بِاٰیَاتِهٖ وَالتَّنْبِیْهِ عَلٰى حُجَجِهٖ **اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ** بِاَنْ حَارَبُوْا وَاَبَوْا اَنْ یُّقِرُّوْا بِالْجِزْیَةِ فَجَادِلُوْهُمْ بِالسَّیْفِ حَتّٰى یُسْلِمُوْا اَوْ یُعْطُوا الْجِزْیَةَ **وَقُوْلُوْٓا** لِمَنْ قَبِلَ الْاِقْرَارَ بِالْجِزْیَةِ اِذَا اَخْبَرُوْكُمْ بِشَیْءٍ مِّمَّا فِیْ كُتُبِهِمْ **اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْكُمْ** وَلَا تُصَدِّقُوْهُمْ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ فِیْ ذٰلِكَ **وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾** مُطِیْعُوْنَ **وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ ؕ** اَلْقُرْاٰنَ اَیْ كَمَا اَنْزَلْنَا اِلَیْهِمُ التَّوْرٰةَ وَغَیْرَهَا **فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ** التَّوْرٰةَ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَغَیْرِهٖ **یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ** بِالْقُرْاٰنِ **وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ** اَیْ اَهْلِ مَكَّةَ **مَنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ** بَعْدَ ظُهُوْرِهَا **اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾** اَیِ الْیَهُوْدُ وَظَهَرَ لَهُمْ اَنَّ الْقُرْاٰنَ حَقٌّ وَالْجَائِیُ بِهٖ مُحِقٌّ وَجَحَدُوْا ذٰلِكَ **وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ** اَیِ الْقُرْاٰنِ **مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا** اَیْ لَوْ كُنْتَ قَارِئًا كَاتِبًا **لَّارْتَابَ** شَكَّ **الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾** اَیِ الْیَهُوْدُ فِیْكَ وَقَالُوا الَّذِیْ فِی التَّوْرٰةِ اِنَّهٗ اُمِّیٌّ لَا یَقْرَاُ وَلَا یَكْتُبُ **بَلْ هُوَ** اَیِ الْقُرْاٰنُ الَّذِیْ جِئْتَ بِهٖ **اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ** اَیِ الْمُؤْمِنِیْنَ یَحْفَظُوْنَهٗ **وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾** اَلْیَهُوْدُ جَحَدُوْهَا بَعْدَ ظُهُوْرِهَا لَهُمْ **وَقَالُوْا** اَیْ كُفَّارُ مَكَّةَ **لَوْلَآ** هَلَّا **اُنْزِلَ عَلَیْهِ** عَلٰى مُحَمَّدٍ **اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ** وَفِیْ قِرَاءَةٍ اٰیَاتٌ كَنَاقَةِ صَالِحٍ وَعَصَا مُوْسٰى وَمَائِدَةِ عِیْسٰى **قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ** یُنْزِلُهَا كَمَا یَشَاءُ **وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۰﴾** مُظْهِرٌ اِنْذَارِیْ بِالنَّارِ اَهْلَ الْمَعْصِیَةِ **اَوَلَمْ یَكْفِهِمْ** فِیْمَا طَلَبُوْهُ **اَنَّآ**

اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ القرآن **یُتْلٰی عَلَیْهِمْ** فهو اٰیة مُسْتَمِرَّةٌ لاانقضاء لها بخلاف ماذکر من الاٰیات **اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ** الكتاب **لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰی** عظة **لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴿۵۱﴾**

ترجمہ: ۔ جو کتاب (قرآن) آپ پر وحی کی گئی، اس کو پڑھا کیجئے اور نماز کی پابندی کیجئے۔ بے شک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روکتی ہے (جو شرعاً برے ہوں۔ یعنی زمین میں جب تک انسان رہے اس وقت تک اس کی یہ حالت رہتی ہے) اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے (بہ نسبت دوسری طاعات کے) اور اللہ تمہارے سب کاموں کو جانتا ہے (لہٰذا اس پر تمہیں بدلہ دے گا) اور تم اہل کتاب سے مباحثہ مت کرو۔ بجز اس (مباحثہ) کے جو مہذب طریقہ ہے (جیسے آیات و دلائل کی روشنی میں خدا کی طرف دعوت دینا) ہاں! جو لوگ ان میں سے زیادتی کریں (لڑنے لگیں اور جزیہ نہ دیں تو تم بھی تلوار سنبھالو۔ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں یا جزیہ گزار نہ بن جائیں اور یہ کہو (اس غیر مسلم سے جو جزیہ مانتے ہوئے اپنی مذہبی کتابوں میں سے کوئی بات بیان کرے) کہ ہم اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی اور ان کتابوں پر بھی جو تم پر نازل ہوئی (اہل کتاب کی اس بارے میں تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو) اور ہمارا اور تمہارا معبود تو ایک ہی ہے اور ہم تو اسی کے فرمانبردار (مطیع) ہیں اور اسی طرح ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی (قرآن۔ جیسے کہ پہلے انبیاء پر توریت وغیرہ نازل کیں) سو جن لوگوں کو ہم نے کتاب (تورات) دی ہے (جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ) وہ اس (قرآن) پر ایمان لے آتے ہیں اور ان لوگوں میں سے بعض اس پر ایمان لے آتے ہیں اور ہماری آیتوں کا (ان کے ظاہر ہونے کے بعد) بجز کافروں کے کوئی انکار کرنے والا نہیں (مراد یہود ہیں اور نشانیوں سے ان کے لئے یہ بات ثابت ہوگئی کہ قرآن برحق ہے اور اس کا لانے والا بھی برحق ہے۔ مگر یہودی پھر بھی نہیں مانتے) اور آپ اس (قرآن) سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے۔ اس وقت (جب کہ آپ پڑھ یا لکھ سکتے) ناحق شناس لوگ شبہ نکالنے لگتے (مراد یہودی ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ تورات میں تو یہی ہے کہ وہ نبی امی ہوں۔ نہ پڑھنا جانیں گے اور نہ لکھنا) بلکہ یہ کتاب (قرآن جو آپ پیش کر رہے ہیں) خود بہت سی واضح دلیلیں ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جن کو علم عطا ہوا ہے (مسلمان حفاظ) اور ہماری آیتوں سے بس ضدی لوگ ہی انکار کئے جاتے ہیں (یہود جو دلائل واضح ہو جانے کے بعد بھی انکار کئے جاتے ہیں اور یہ (کفار مکہ) کہتے ہیں کہ ان (محمد) پر کوئی نشان ان کے پروردگار کی طرف سے کیوں نہیں اترا (ایک قرأت میں لفظ آیات ہے جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور عصائے موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے دسترخوان) آپ کہہ دیجئے بس نشانیاں تو اللہ کے قبضہ میں ہیں (وہ جب اور جیسے چاہے اتارے) اور میں تو بس ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں (کھلے بندوں نافرمانوں کو جہنم سے) کیا (ان کی فرمائشوں کے سلسلہ میں) ان کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ (ﷺ) پر کتاب (قرآن) اتاری ہے جو ان کو سنائی جاتی رہے۔ (یہ نشانی تو ایک دائمی اور مسلسل نشانی ہے برخلاف دوسری نشانیوں کے) بے شبہ اس (کتاب) میں بڑی رحمت اور نصیحت (وعظ) ہے ایمانداروں کے لئے۔

تحقیق وترکیب: ان الصلوٰۃ تنھی مفسر علام اس شبہ کا دفعیہ کر رہے ہیں کہ بہت سے نمازی تو برائیوں کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں؟ حاصل جواب بقول ابن عوف یہ ہے کہ مطلق اور دوام فواحش سے بچنا مراد نہیں بلکہ نماز میں مشغول ہونے تک برائیوں سے بچنا مراد ہے اور وہ صحیح ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ نماز کے بچانے سے مراد حسی بچانا نہیں ہے کہ نماز ڈنڈے کے زور سے بچاتی ہو۔ بلکہ معنوی بچانا مراد ہے۔ یعنی نماز کی ہیئت اس کی متقاضی ہے کہ نمازی برائیوں سے بچے، جیسے کہ قانون کی تعریف کی جائے کہ وہ برائیوں سے بچانے والا ہے۔ یعنی اس کی رعایت برائیوں سے محفوظ رکھے گی۔ لیکن کوئی اس کی پرواہ نہ کرے تو اس سے نماز

یا اس قانون پر شبہ نہیں ہوگا۔

تیسری توجیہ لفظ صلوٰۃ سے سمجھ میں آتی ہے اس میں الف لام عہد کا ہے حقیقی نماز مراد ہے۔ جسے نماز حضوری یا نماز دائمی کہنا چاہئے۔ وہ انسان کو برائیوں سے محفوظ رکھتی ہے، لیکن نماز جب خشوع وخضوع سے خالی ہو یا پابندی سے نہ ہو۔ اس پر ان ثمرات کے مرتب ہونے کا وعدہ نہیں ہے۔ ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ **ان الصلوة تنهى وتزجر عن معاصى الله فمن لم تامره صلوته بالمعروف ولم تنه عن المنكر لم يزدد بصلاته من الله الا بعدا.** اور قتادہؓ اور حسنؒ سے منقول ہے۔ **من لم ينه صلوته عن الفحشاء والمنكر فصلاته وبال عليه.**

چوتھی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ یہ قضیہ مہملہ ہے قضیہ کلیہ نہیں ہے اور مہملہ حکم میں جزئیہ کے ہوا کرتا ہے۔ پس بعض صورتوں میں بھی اگر نماز برائیوں سے حفاظت کا ذریعہ بن گئی تو ارشاد ربانی صحیح رہے گا۔ اس کی صداقت کے لئے سو فیصدی پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ مقصد یہ بتلانا ہے کہ نماز برائیوں سے بچانے کا بہت ہی بڑا ذریعہ ہے۔

لذکر اللّٰہ اکبر. ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت سے افضل عبادت کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔ **الذاكرون الله كثيرا.** صحابہؓ نے عرض کیا مجاہد فی سبیل اللہ سے بھی ذاکر کا مرتبہ بڑھا ہوا ہے؟ فرمایا کہ اگر مجاہد کی تلوار کفار ومشرکین کو قتل کرتے کرتے ٹوٹ بھی جائے اور وہ خون میں نہا تا بھی رہے تب بھی ذاکرین اس سے بلند تر ہوں گے۔ اکبر بمعنی افضل ابوالسعودؒ سے مروی ہے کہ ذکر اللہ سے مراد نماز ہے۔ یعنی نماز جملہ عبادات وطاعات سے افضل ہے۔ کیونکہ نماز اول سے آخر تک ذکر اللہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ البتہ ابن زیدؒ اور قتادہؒ نے یہ قید لگائی ہے۔ کہ ذکر اللہ ان طاعات سے افضل ہے جن میں ذکر اللہ نہ ہو۔ لیکن ابن عطیہ مطلقاً طاعات سے ذکر اللہ کو افضل کہتے ہیں۔ اور بعض حضرات اس کے یہ معنی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو یاد فرمانا بندوں کے اسے یاد کرنے سے بڑھا ہوا ہے۔

لا تجادلوا. قتادہؒ اور مقاتلؒ اس کو آیت **قاتلوا الذين لا يؤمنون بالله** سے منسوخ مانتے ہیں۔

الا الذين ظلموا. یہ استثنائے متصل ہے۔ ایک معنی تو یہ ہوں گے۔ **فلا تجادلوهم بالخصلة الحسنة بل جادلوهم بالسيف** اور دوسرے معنی ہوں گے۔ **جادلوهم بغير التى هى احسن** یعنی جس طرح وہ تم سے سختی سے پیش آتے ہیں تم بھی درشتی سے پیش آؤ۔ اور ابن عباسؓ نے الا حرف تنبیہ پڑھا ہے۔ مفسر علامؒ نے **بان حاربوا** کہہ کر اشارہ کردیا کہ ظلم سے مراد یہاں مطلقاً کافر نہیں۔ بلکہ وہ کافر مراد ہیں جو مقابل آتے ہیں۔

امنا بالذى. بخاری نے ابوہریرہؓ کی روایت مرفوعاً نقل کی ہے۔ **لا تصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبوهم وقولوا امنا الخ.**

كعبد الله بن سلام حالانکہ یہ سورت مکی ہے اور حضرت عبداللہ مدینہ طیبہ میں مسلمان ہوئے ہیں۔ مگر جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ مکہ ہی میں پیشگوئی فرمادی گئی ہوگی۔ یا کسی سورت کے مکی یا مدنی ہونے سے لازم نہیں کہ اس کی ہر آیت مکی یا مدنی ہو۔

بيمينك. یہ تاکید کے لئے ہے جیسے **رأيت بعينى** وغیرہ۔

المبطلون خواہ یہود ونصاریٰ ہوں یا مشرکین وکفار۔ مفسر علامؒ نے جو **اليهود** کہا ہے وہ تخصیص کے لئے نہیں۔ بلکہ **كاليهود** کے درجہ میں ہے اور قتادہ **مبطلون** سے اہل مکہ مراد لیتے ہیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ نبوت کے بعد آنحضرت ﷺ پڑھنا لکھنا جانتے تھے یا نہیں؟ بعض نے اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ بخاری میں صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں یہ الفاظ ہیں۔ **فاخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم الكتاب وليس يحسن يكتب فكتب** اور بعض نے انکار کیا ہے۔ ارشاد ہے۔ **نحن امة امية لا نكتب ولا نحسب** اور

منکرین نے **فکتب** کی تاویل امر بالکتابۃ کی ہے اور قائلین **لا یکتب** کی تاویل اکثر امت کے ساتھ کرتے ہیں۔

وقالوا الذین فی التوارة. یعنی آنحضرت ﷺ میں یہود کے خیال کے اعتبار سے یہ علامت نہیں تھی۔ اس لئے وہ آپ کے منکر رہے۔

فی صدور الذی. یہ قرآن اور امت محمدیہ کی خصوصیت ہے کہ کتاب اللہ سفینوں کی طرح سینوں میں ہی محفوظ ہے۔ جیسا کہ پچھلی کتابوں میں بھی ان الفاظ کے ساتھ اس کا ذکر ہے۔ **صدورھم انا جیلھم**. اس طرح قرآن تحریف سے مکمل طور پر محفوظ ہو گیا برخلاف دوسری کتابوں اور دوسرے مذاہب کے ان میں ایک بھی حافظ نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہوتا ہے وہ محض سفینوں پر ہوتا ہے اسی لئے ان میں بکثرت تحریفات ہوتی رہیں۔

ایة. ابن کثیرؒ، حمزہؒ، علیؒ، ابوبکرؒ کی قرأت مفرد لفظ سے اور باقی قراء کے نزدیک جمع کے صیغہ سے ہے۔ چونکہ معجزہ خلاف عادت ہے۔ اس لئے تمام تر مشیت اور فضل کے تابع ہوتا ہے۔

یتلی علیھم. قرآن کریم ایک علمی معجزہ ہے اور دوامی معجزہ ہے برخلاف دوسرے معجزات کے کہ وہ عملی تھے اور وقتی تھے۔ آج ان میں سے کوئی بھی دنیا میں نہیں ہے۔ بلکہ مصدقہ طور پر ان کا معجزہ ہونا بھی آنحضرت ﷺ سے معلوم ہوا ہے۔ لفظ **یتلی** مضارع سے استمرار معلوم ہوا۔

ربط: پہلے توحید کا ذکر تھا۔ آگے توحید و رسالت کا اس ترتیب سے بیان ہے کہ پہلے **اتل ما اوحی** سے آپ ﷺ کو تبلیغ قولی اور **اقم الصلوة** سے تبلیغ فعلی کا حکم ہو رہا ہے اور بعد کے جملوں میں اعمال کی فضیلت اور علم الٰہی کے بیان سے ترغیب و ترہیب شرائع ہو رہی ہے۔ جو تبلیغ کے لئے معین ہے۔ اور **لا تجادلوا** سے منکرین رسالت سے کلام ہے پہلے اہل کتاب سے پھر دوسروں سے۔

﴿**تشریح**﴾: **اتل ما اوحی** سے جہاں تبلیغ قولی کا حکم ہو رہا ہے وہیں آپ ﷺ کی تسلی بھی مقصود ہے۔ کہ اگر آپ کو اپنے بھائی بندوں کے کفر پر تاسف ہے تو ذرا انبیاء سابقین کی سیرت اور ان کی بداطوار قوموں کا کردار ملاحظہ فرمائیے کہ یہی سب کچھ ہوا یا نہیں۔ تو بس اپنے دل کو مضبوط رکھئے۔ تلاوت کا ثواب حاصل کیجئے۔ اس کے معارف و حقائق میں غور کیجئے۔ دوسرے بھی سن کر اس سے منتفع ہوں اور نہ ماننے والوں پر حجت تمام ہے۔

ان الصلوة تنھی پر جو مشہور اشکال ہے کہ بہت سے پابند نماز بھی برے کاموں میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس کی مختلف توجیہات اوپر ذکر ہو چکی ہیں۔ اسی کے ساتھ کہا جائے گا کہ نماز کا یہ روکنا زبان حال سے ہے کہ اے نمازی! جس خدا کی تو اتنی تعظیم بجا لاتا ہے۔ پس فواحش و منکرات کر کے اس کی بے تعظیمی کس طرح روا ہے اور نماز کی طرح دوسرے اعمال خیر بھی پابندی کے لائق ہیں۔ کیونکہ ان سب میں زبان یا عمل سے اللہ ہی کی یاد رکھی ہوئی ہے۔

نماز برائی سے کیوں کر روکتی ہے: بہر حال شبہ کا منشاء دراصل یہ ہے کہ کسی چیز کے روکنے اور منع کرنے سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ رک جانا لازم ہو جاتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ روکنا اور چیز ہے اور رک جانا دوسری بات ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے بڑھاپے کو نذیر کہتے ہوئے ارشاد ربانی ہے **وجاء کم النذیر**۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں بہت سے بوڑھے ڈرتے نہیں۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ زبان حال کی اس نہی پر اگر بار بار نظر ڈالی جائے تو اکثر اس پر انتہا یعنی برائیوں سے باز آ جانا مرتب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جابرؓ و ابوہریرہؓ وغیرہ کی روایت ہے۔ **قیل لہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فلانا یصلی فاذا اصبح سرق قال سینھاہ ماتقول** آپ کو بذریعہ وحی یا

الہام معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ شخص نماز کی برکت سے چوری چھوڑ دے گا اور نماز کی نہی مؤثر ہو جائے گی۔ اس سے عموم نکال کر اشکال کر دینا صحیح نہیں ہوگا۔

بہت سے نمازی برائیاں کرتے ہیں: ...... خلاصہ یہ ہے کہ نماز کے برائیوں سے روکنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بطور اقتضاء کے ہو کہ اس کی ہر ہیئت اور ہر ذکر اس کا متقاضی ہے کہ بارگاہ خداوندی میں اس طرح بندگی اور نیازمندی بجالانے والا شخص ہمہ وقت اس حالی عہد کا پابند رہے اور سر مو بھی حکم عدولی نہ کرے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی کی نماز ہی اس شان کی نہ ہو۔ قلب لاہی کے ساتھ یا ریاکاری کے ساتھ ادا کی جائے یا پھر نماز تو صحیح پڑھ رہا ہے۔ آداب ظاہری و باطنی کے ساتھ مگر اس کے اقتضاء پر دھیان نہیں دیتا۔ اس پر نماز اگر مؤثر نہیں تو یہ نماز کا قصور نہیں بلکہ نماز کا اپنا فتور ہے وہ خدا ہی کے روکنے سے نہیں رکتا تو نماز کے روکنے سے کیا رکے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ نماز کو ادا کی طرح بالخاصہ مقید مانا جائے کہ وہ گناہوں سے بالخاصہ بچاتی ہے۔ مگر جس طرح دوا کی ہمیشہ ایک ہی خوراک کافی نہیں ہوتی۔ اسی طرح نماز بھی پوری پابندی کے ساتھ اور بد پرہیزی سے مکمل بچتے ہوئے ادا کی جائے تو ضرور مؤثر اور کارگر ہوتی ہے۔ لیکن جس درجہ نماز کی صورت، حقیقت میں کوتاہی ہوگی وہ لازمی طور پر اس کی تاثیر پر بھی اثر انداز ہوگی۔ اور فواحش کی تصریح میں نکتہ یہ بھی ہے کہ دوسرے مذاہب اور قوموں میں بے حیائی کو اگر جزو عبادت بنایا گیا ہے۔ اور فواحش ومنکرات کو ان کی عبادت گاہوں میں اگر پناہ ملتی ہو۔ جیسا کہ مغربی مفکرین کا نقطہ نظر اور زاویہ نگاہ ہے تو ہوا کرے اسلام تو اس کے جواز کا روادار ہی نہیں۔ چہ جائیکہ جزو عبادت بنانے کی نوبت آئے۔

اللہ تعالیٰ کی یاد ہی سب سے بڑی دولت ہے: ...... ولذکر اللّٰہ اکبر. کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد وغیرہ تمام عبادات، دیانات، اخلاقیات، معاشرات، تعزیرات کی روح کہنا چاہئے۔ یہ ہے تو سب کچھ ہے یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ ہر عبادت جسد بے روح اور لفظ بے معنی ہے۔ ابو الدرداءؓ کی روایت کے پیش نظر تو کہنا چاہئے کہ اللہ کی یاد سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں اس کی فضیلت اصلی اور ذاتی ہے۔ عارضی طور پر اگر کوئی دوسری چیز اس پر سبقت لے جائے تو وہ الگ بات ہے۔ پھر بھی غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس عمل میں بھی فضیلت ذکر اللہ ہی کی وجہ سے آئی ہے اور ذکر اللہ جب نماز کے ذیل میں ہو تو افضل ترین ہوگا۔

ایک صحابی نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ احکام اسلام تو بہت ہیں مگر مجھے کوئی جامع مانع چیز بتلا دیجئے آپ ﷺ نے فرمایا۔ لایزال لسانک رطبا من ذکر اللّٰہ.

ولذکر اللّٰہ اکبر کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ بڑائی تو بس اسی کے ذکر کی ہے نہ کسی اور کے ذکر کی۔ بلکہ بہت سے صحابہؓ اور تابعین سے۔ حتیٰ کہ خود آنحضرت ﷺ سے بھی یہ معنی منقول ہیں لذکر اللّٰہ ایاکم افضل من ذکرکم ایاہ. یعنی اللہ کا بندوں کو یاد فرمانا بندوں کے اللہ کو یاد کرنے سے بڑھ کر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ذاکر اور غافل سب سے باخبر ہے وہ ہر ایک سے اسی اعتبار سے جداگانہ معاملہ کرے گا۔

مباحثہ اور مناظرہ کی حدود کیا ہیں: ...... ولا تجادلوا میں یہ بتلانا ہے کہ قرآن کی تلاوت اور تبلیغ کے سلسلہ میں مباحثے اور مناظروں کے مواقع بھی آئیں گے ان میں موقع محل کا لحاظ ضروری ہوگا۔ اہل کتاب کا مذہب اصل میں چونکہ سچا تھا وہ توحید و رسالت کے فی الجملہ قائل ہیں برخلاف مشرکین کے انکار دین جڑ سے ہی غلط ہے۔ لہٰذا دونوں کو ایک لاٹھی مت ہانکو۔ اہل کتاب سے اس طرح مت جھگڑو کہ جڑ سے ہی ان کی بات کٹنے لگے۔ بلکہ نرمی، متانت، صبر وتحمل کے ساتھ بات سمجھاؤ۔ تاکہ انہیں اسلام کی ترغیب ہو۔

البتہ ان میں جو صریح بے انصاف، ضدی اور ہٹ دھرم ہوں تو ان سے مناسب سختی کے ساتھ نبٹو۔ غرض کہ بحث کے وقت فریق مقابل کی دینی، علمی حیثیت کا خیال ضرور رکھو۔ جوش مناظرہ میں سچائی اور اخلاق کا دامن ہاتھ سے جانے نہ پائے۔ بدزبان، ضدی، ہٹ دھرمی لوگوں کو حسب مصلحت ان کے رنگ میں ترکی بہ ترکی جواب بھی دیا جا سکتا ہے۔

قولوا امنا یعنی ہمارے تمہارے درمیان بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ اس لئے بہ نسبت اوروں کے تم ہم سے زیادہ قریب ہو۔ مثلاً توحید ہی کو لیا جائے اور لوگ تو ملکی یا قومی یا قبائلی خداؤں کو مانتے ہیں۔ لیکن ہم تم تو ایک پروردگار عالم کے قائل ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ ہم تنہا اللہ ہی کو پروردگار عالم مانتے ہیں اور اسی کو آمر کائنات سمجھ کر اسی کے حکم پر چلتے ہیں۔ یہ ہمارا امتیازی نشان ہے۔ تم اس سے ہٹ کر اوروں کو بھی خدائی کے حقوق واختیارات میں شریک سمجھتے ہو۔ حضرت مسیحؑ، حضرت عزیرؑ یا ان کے احبار ورہبان کو شریک خدائیت گردانتے ہو۔ اس لحاظ سے تم ملائکہ پرست، کواکب پرست لوگوں یا علاقائی، قومی، ملکی، دیومالائی نظریات والوں کی لائن میں آ جاتے ہو۔ اسی طرح دوسرا بنیادی مسئلہ نبوت ورسالت کا ہے۔ اس میں بھی ہم سب سلسلہ وحی ونبوت کے قائل ہیں۔ ہم تمہارے سارے نبیوں اور اصلی کتابوں کو مانتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ تمہاری کتابیں تمہاری دست برد سے محفوظ نہیں رہیں مگر جہاں تک اصل کتابوں کا تعلق ہے وہ بلا ریب مسلمہ ہیں تو اب بات ہی کیا رہ جاتی ہے جو تم ہمارے آخری پیغمبر اور آخری صحیفہ آسمانی کا انکار کرتے ہو۔

دنیا کی مشترک حقیقت: غرض کہ ہمارے تمہارے درمیان یہ جھگڑا نہیں کہ ہم فلاں فلاں دیوتا کو مانتے ہیں اور تم فلاں فلاں دیوتا کے پجاری ہو۔ دونوں ایک پروردگار کو مانتے ہیں۔ تھوڑا بہت جو فرق رہ گیا ہے غور وتامل سے وہ بھی دور ہو سکتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی نہیں کہ تم جن رسولوں کو مانتے ہو ہم ان سے منکر ہیں یا تم جن کتابوں کو آسمانی صحیفے مانتے ہو ہم ان کو رد کرتے ہوں بلکہ بلا تفریق ہم سب کو تسلیم کرتے ہیں۔ اب بات صرف پیغمبر آخر الزماں، وحی آخر قرآن کی رہ جاتی ہے۔ جب ان کی صداقت اتنی کھلی ہوئی ہے کہ عرب کے ان پڑھ مشرک بھی انہیں مانتے چلے جا رہے ہیں۔ تو تم تو پھر اہل علم ہو اس لئے ان باتوں کو نہ ماننا انصاف سے بعید ہے۔ بجز حق پوشی اور باطل کوشش کے کسی کو بھی مجال انکار نہیں ہے۔

الذین اتینا هم سے مراد منصف مزاج اہل کتاب یہود ونصاریٰ ہیں۔ لیکن امام رازیؒ اس کی تفسیر انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ کرتے ہیں جنہیں براہ راست کتابیں عطا ہوئی ہیں۔ اسی طرح **من هولاء** اور **الا الکافرین** سے ہٹ دھرم اور ضدی مشرکین مراد ہیں۔ لیکن امام رازیؒ **من هولاء** کی تفسیر بعض اہل کتاب سے کرتے ہیں اور اسی کو عقل ونقل سے قریب تر قرار دے رہے ہیں۔

اہل وطن کو چیلنج:...... قرآن آنے سے پہلے آپ ﷺ کی عمر کے چالیس سال مکہ والوں میں ہی گزرے، سب جانتے ہیں کہ اس مدت میں نہ آپ ﷺ کسی استاد کے پاس بیٹھے، نہ کوئی کتاب پڑھی، نہ ہاتھ میں کبھی قلم پکڑا۔ اگر ایسا ہوتا تب بھی ان باطل پرستوں کو شبہ نکالنے کی کچھ گنجائش رہتی۔ کہ شاید اگلی کتابیں پڑھ پڑھ کر یہ باتیں نوٹ کر لی ہوں گی۔ اس وقت کچھ تو منشاء اشتباہ ان لوگوں کے پاس ہوتا اور کہہ سکتے کہ پڑھے لکھے آدمی ہیں۔ دوسری آسمانی کتابوں سے مضامین چرا لئے ہوں گے۔ حالانکہ قرآن کے وجوہ اعجاز اتنے کھلے ہوئے ہیں کہ اس وقت بھی ان کے دعویٰ کو چلنے نہ دیتے۔ کیونکہ کوئی پڑھا لکھا انسان بلکہ دنیا کے تمام لکھے پڑھے آدمی مل کر بھی ایسی بے نظیر کتاب تیار نہیں کر سکتے۔ لیکن بہر حال کچھ تو گنجائش ہوتی اور جھوٹوں کو بہانہ بنانے کا موقع ہاتھ آتا۔ مگر اب تو انگلی رکھنے کی بھی جگہ نہیں رہی۔ کیونکہ آپ کا امی ہونا مسلمات میں سے ہے۔ اب تو اس سرسری شبہ کی جڑ بھی کٹ گئی۔ لیکن ناانصاف لوگوں کا گروہ اور پادریوں کا ایک ٹولہ آج تک برابر اس پر مصر چلا آ رہا ہے اور کتابیں رسالے چھپتا چلا آ رہا ہے کہ آپ ﷺ ضرور پڑھے لکھے تھے۔ آخر

باطل پرستی کی بھی کوئی انتہاء ہے۔

اعجاز قرآنی: اور عجیب بات ہے کہ امی پیغمبر سے جس طرح قرآن محفوظ چلا۔ اسی طرح ہمیشہ بن لکھے سینوں میں محفوظ رہے گا۔ دوسری آسمانی کتابیں صحیفے یاد ہوں یا نہ ہوں۔ مگر قرآن کا یہ بھی اعجاز ہے۔ کہ غیر زبان والوں کو بلکہ معصوم بچوں کو قرآن نوک زبان رہتا ہے۔ یہ کتاب حفظ ہی سے باقی ہے۔ لکھنا مستزاد برآں ہے اسی لئے تحریف کے دروازے بند ہو گئے۔ لیکن ضد بندی اور ناانصافی کا کیا مدح۔ ایک شخص اگر یہ ٹھان لے کہ میں کبھی تچی بات نہ مانوں گا تو وہ روز روشن کا انکار بھی کرسکتا ہے کوئی کیا کرے۔

بہر حال حاصل یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا باطل ہونا آپ کی تلاوت وکتابت نہ کرنے ہی کی صورت میں نہیں۔ بلکہ آپ کے پڑھے لکھے ہونے کی صورت میں بھی ہوتا اور درمنثور میں ہے کہ اہل علم سے مراد اہل کتاب اور ھو کی ضمیر آنحضرت ﷺ کی طرف راجع ہے۔ یعنی آنحضرت ﷺ اپنے امی ہونے کے ساتھ اہل کتاب کے سینوں میں بھی ہیں۔ پچھلی کتابوں میں جو علامات آئی ہیں وہ آپ میں صاف موجود ہیں۔ یہ ضمیر ھو قرآن کی طرف راجع کی جائے تب بھی حاصل یہی نکلے گا۔

فرمائشی معجزات: وقالوا لولا انزل میں فرمائشی معجزات جن کا منشا طلب حق نہیں۔ بلکہ صرف بہانہ جوئی اور کٹ حجتی ہے۔ اس کا رد ہے کہ آپ فرما دیجئے کہ تمہاری مطلوبہ نشانیاں میرے قبضہ میں نہیں کہ میں جب چاہوں اور جس کو چاہوں دکھلا دوں اور کسی نبی کی تصدیق کسی خاص نشان پر موقوف بھی نہیں ہے۔ میرا کام تو صرف نتائج عمل سے صاف لفظوں میں آگاہ کر دینا ہے جو تشریعی پہلو ہے۔ جس کا میں داعی ہوں۔ تکوینیات میں میرا دخل نہیں وہ حق تعالیٰ کی مشیت کی چیز ہے میری تصدیق کے لئے جو چاہے نشان دکھلا دے میری صداقت کی جانچ کرنا ہے تو میری تعلیمات کو دیکھو۔ کیا یہ کافی نہیں جو کتاب دن رات انہیں سنائی جاتی ہے اس سے بڑا نشان اور کیا ہوگا؟ اس کتاب کے ماننے والے اللہ کی رحمت سے کس طرح بہرہ ور ہوتے ہیں۔

لطائف سلوک: اتل ما اوحی الخ میں اعمال سلوک کے سب اصول آگئے۔ تلاوت، نماز، ذکر، مراقبہ، باقی اعمال اشغال سب انہیں کے تابع ہیں۔ ولا تجادلوا سے معلوم ہوا کہ اہل اللہ کو اول مخالفین کے ساتھ نرمی برتنی چاہئے اور عناد ظاہر ہو تو خشونت کی اجازت ہے۔ البتہ طالبین کے ساتھ دوسرا طرز رکھنا چاہئے۔ یعنی جب تک ناواقفیت کا عذر ہے نرمی کرنی چاہئے اور جب یہ عذر نہ رہے تو سختی کی جائے۔ حضرات صحابہؓ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا یہی طرز عمل تھا۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ بصدقی **يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ** ومنه حالی وحالکم **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ** وھو ما یعبد من دون اللہ **وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ** منکم **اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ** ﴿۵۲﴾ فی صفقتھم حیث اشتروا الکفر بالایمان **وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۗ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى** لہ **لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ۗ** عاجلاً **وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ** ﴿۵۳﴾ بوقت اتیانه **يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۗ** فی الدنیا **وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ** ﴿۵۴﴾ **يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ** العذاب من فوقھم **وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ** فیه بالنون ای نامر بالقول وبالیاء ای

يَقُولُ الْمُوَكَّلُ بِالْعَذَابِ **ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ** ﴿۵۵﴾ اَىْ جَزَاءَهُ فَلَا تَفُوتُونَنَا **يٰعِبَادِىَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِىْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّاىَ فَاعْبُدُوْنِ** ﴿۵۶﴾ فِى اَىِّ اَرْضٍ تَيَسَّرَتْ فِيْهَا الْعِبَادَةُ بِاَنْ تُهَاجِرُوْا اِلَيْهَا مِنْ اَرْضٍ لَمْ يَتَيَسَّرْ فِيْهَا نَزَلَ فِىْ ضُعَفَاءِ مُسْلِمِىْ مَكَّةَ كَانُوْا فِىْ ضِيْقٍ مِنْ اِظْهَارِ الْاِسْلَامِ بِهَا **كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ** ﴿۵۷﴾ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ بَعْدَ الْبَعْثِ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ** نُنْزِلَنَّهُمْ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالْمُثَلَّثَةِ بَعْدَ النُّوْنِ مِنَ الثَّوٰى اَلْاِقَامَةُ وَتَعْدِيَتُهُ اِلٰى غُرَفٍ بِحَذْفِ فِىْ **مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ** مُقَدَّرِيْنَ الْخُلُوْدَ **فِيْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ** ﴿۵۸﴾ هٰذَا الْاَجْرُ لَهُمْ **الَّذِيْنَ صَبَرُوْا** عَلٰى اَذَى الْمُشْرِكِيْنَ وَالْهِجْرَةِ لِاِظْهَارِ الدِّيْنِ **وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ** ﴿۵۹﴾ فَيَرْزُقُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُوْنَ **وَكَاَيِّنْ** كَمْ **مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا** لِضُعْفِهَا **اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ** اَيُّهَا الْمُهَاجِرُوْنَ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ مَعَكُمْ زَادٌ وَلَا نَفَقَةٌ **وَهُوَ السَّمِيْعُ** لِقَوْلِكُمْ **الْعَلِيْمُ** ﴿۶۰﴾ بِضَمِيْرِكُمْ **وَلَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **سَاَلْتَهُمْ** اَىِ الْكُفَّارَ **مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ** ﴿۶۱﴾ يُصْرَفُوْنَ عَنْ تَوْحِيْدِهٖ بَعْدَ اِقْرَارِهِمْ بِذٰلِكَ **اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ** يُوَسِّعُهُ **لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ** اِمْتِحَانًا **وَيَقْدِرُ** يُضَيِّقُ **لَهٗ** بَعْدَ الْبَسْطِ اَوْ لِمَنْ يَّشَآءُ اِبْتِلَاءً **اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ** ﴿۶۲﴾ وَمِنْهُ مَحَلُّ الْبَسْطِ وَالتَّضْيِيْقِ **وَلَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ** فَكَيْفَ يُشْرِكُوْنَ بِهٖ **قُلِ** لَهُمْ **الْحَمْدُ لِلّٰهِ** عَلٰى ثُبُوْتِ الْحُجَّةِ عَلَيْكُمْ **بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ** ﴿۶۳﴾ تَنَاقُضَهُمْ فِىْ ذٰلِكَ **وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ** وَاَمَّا الْقُرَبُ فَمِنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ لِظُهُوْرِ ثَمَرَتِهَا فِيْهَا **وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِىَ الْحَيَوَانُ** بِمَعْنَى الْحَيَاةِ **لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ** ﴿۶۴﴾ ذٰلِكَ مَا اٰثَرُوا الدُّنْيَا عَلَيْهَا **فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ** اَىِ الدُّعَاءَ اَىْ لَا يَدْعُوْنَ مَعَهٗ غَيْرَهٗ لِاَنَّهُمْ فِىْ شِدَّةٍ وَلَا يَكْشِفُهَا اِلَّا هُوَ **فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ** ﴿۶۵﴾ بِهٖ **لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ** مِنَ النِّعْمَةِ **وَلِيَتَمَتَّعُوْا** بِاجْتِمَاعِهِمْ عَلٰى عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِسُكُوْنِ اللَّامِ اَمْرُ تَهْدِيْدٍ **فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ** ﴿۶۶﴾ عَاقِبَةَ ذٰلِكَ **اَوَلَمْ يَرَوْا** يَعْلَمُوْا **اَنَّا جَعَلْنَا** بَلَدَهُمْ مَكَّةَ **حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ** قَتْلًا وَّسَبْيًا دُوْنَهُمْ **اَفَبِالْبَاطِلِ** الصَّنَمِ **يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ** ﴿۶۷﴾ بِاِشْرَاكِهِمْ **وَمَنْ اَظْلَمُ** اَىْ لَا اَحَدَ اَظْلَمُ **مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا** بِاَنْ اَشْرَكَ بِهٖ **اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ** النَّبِىِّ اَوِ الْكِتَابِ **لَمَّا جَآءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى** مَاْوًى **لِّلْكٰفِرِيْنَ** ﴿۶۸﴾

اَیْ فِیْهِ ذٰلِكَ وَهُوَمِنْهُمْ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا فِيْ حَقِّنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ اَیْ طُرُقَ السَّيْرِ اِلَيْنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾ اَلْمُؤْمِنِيْنَ بِالنَّصْرِ وَالْعَوْنِ

ترجمہ:.......... آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان (میری سچائی پر) بطور گواہ کے، اسے ہر چیز کی خبر ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (میرا اور تمہارا حال بھی اسی میں ہے) جو لوگ ایمان لائے باطل پر (جو غیر اللہ کی پوجا کرتے ہیں) اور اللہ کے منکر ہو گئے (تم میں سے) تو یہ لوگ بڑے زیاں کار ہیں (ٹوٹے میں پڑے ہوئے ہیں۔ کہ کفر کو ایمان کے بدلہ خرید لیا) اور یہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں اور اگر میعاد مقرر نہ ہوتی تو ان پر (جلد) عذاب آچکا ہوتا۔ اور وہ عذاب ان پر دفعۃً آپہنچے گا اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔ یہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضہ کرتے ہیں (دنیا میں) اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جہنم ان کافروں کو گھیرے گا جس دن کہ عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے نیچے سے انہیں گھیرے گا۔ اور حق تعالیٰ فرمائے گا (نقول نون کے ساتھ یعنی ہم حکم دیں گے۔ اور یا کے ساتھ بھی ہے یعنی مؤکل عذاب فرشتہ کہے گا) کہ جو کچھ تم کرتے رہے ہو چکھو (اس کی سزا بھگتو بچ نہیں سکتے) اے میرے ایماندار بندو! میری زمین فراخ ہے سو خالص میری ہی عبادت کرو (جس سر زمین میں بھی عبادت کرنا ممکن ہو یعنی جہاں عبادت ممکن نہ رہے وہاں سے ہجرت کر جاؤ اس جگہ جہاں عبادت ہو سکے۔ یہ آیات ان کمزور کی مسلمانوں کے متعلق نازل ہوئیں جو وہاں اظہار اسلام سے عاجز تھے) ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے پھر تم سب کو ہمارے پاس آنا ہے (قیامت کے دن۔ ترجعون تا اور یا کے ساتھ ہے) اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ہم ان کا قیام کرائیں گے (مکان دیں گے۔ ایک قراءت میں لنثوئنهم نون کے بعد ثا کے ساتھ ہے ثوی سے ماخوذ ہے اور غرف کی طرف متعدی ہے فی محذوف ہے) جنت کے بالا خانوں میں جن کے نیچے نہریں چلتی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے (ان میں ہمیشہ رہنے کی تجویز کر لی گئی ہے) کیا ہی اچھا اجر ہے نیک کام کرنے والوں کا (مذکورہ اجر والے وہ لوگ ہیں) جنہوں نے صبر کیا (مشرکین کے ستانے پر غلبہ دین کے لئے ہجرت کرنے پر) اور اپنے خدا پر توکل کرتے رہے (لہذا ان کو ایسی صورتوں سے رزق ملا جن کی طرف ان کا وہم و گمان بھی نہیں تھا) اور کتنے جانور ہیں جو اپنی غذا اٹھا کر نہیں رکھتے (کمزور ہونے کی وجہ سے) اللہ ہی انہیں روزی پہنچاتا ہے اور تمہیں بھی (اے مہاجرین! اگر چہ فی الحال تمہارے پاس سامان نہیں ہے) اور وہی خوب سننے والے ہے (تمہاری باتوں کو) خوب جاننے والا ہے (تمہاری پوشیدہ چیزوں کو) اور یقیناً (لام قسمیہ ہے) آپ اگر (کفار سے) دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا ہے؟ تو وہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے، تو پھر یہ الٹے کدھر چلے جا رہے ہیں (توحید کا اعتراف کرنے کے بعد پھر اس سے پھر رہے ہیں) اللہ ہی روزی فراخ کر دیتا ہے اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے (بطور آزمائش کے) اور تنگ کر دیتا ہے جس کے لئے چاہے، بلاشبہ اللہ ہی سب چیز سے واقف ہے (منجملہ ان کے فراخ اور تنگ کرنے کے مواقع کا جانتا ہے) اور اگر آپ (لام قسمیہ ہے) ان سے پوچھئے کہ آسمان سے پانی کس نے برسایا۔ پھر اس سے زمین کو خشکی کے بعد تروتازہ کر دیا۔ تب بھی یہ لوگ کہیں گے اللہ نے (پھر کیسے اس کے ساتھ شرک کر رہے ہیں) آپ کہئے الحمد للہ (کہ تم پر حجت قائم ہو چکی ہے) لیکن اکثر لوگ ان میں سے سمجھتے بھی نہیں (اس بارے میں اپنے تضاد کو) اور یہ دنیاوی زندگانی بجز کھیل تماشہ کے کچھ بھی نہیں ہے (البتہ قرابت والیاں سو وہ آخرت میں داخل ہیں۔ کیونکہ ان کے ثمرات آخرت سے تعلق رکھتے ہیں) دراصل زندگانی آخرت کی ہے (حیوان بمعنی حیاۃ ہے) کاش انہیں اس کا علم ہوتا (تو یہ دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دیتے) اور یہ لوگ جب کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں (دین بمعنی دعا ہے یعنی اس کے ساتھ کسی اور کو نہیں

پکارتے۔ کیونکہ وہ ایسی سختی میں مبتلا ہوتے ہیں جس سے اس کے سوا کوئی نجات نہیں دے سکتا) پھر جب وہ انہیں نجات دے کر خشکی طرف لے آتا ہے تو پھر ایک دم شرک کرنے لگتے ہیں۔ یعنی جو (نعمت) ان کو دی ہے اس کی ناشکری کرنے لگتے ہیں۔ یہ لوگ چندے ورحظ اٹھا لیں (بت پرستی پر جمع ہو کر اور ایک قرأت میں ولیتمتعوا لام کے سکون کے ساتھ بصیغہ امر تہدید کے لئے آیا ہے) پھر تو انہیں عنقریب معلوم ہوا ہی جاتا ہے (اس کا انجام) کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی (انہیں معلوم نہیں) کہ ہم نے (ان کے شہر مکہ کو) امن والا حرم بنایا ہے۔ حالانکہ ان کے گردوپیش لوگوں کو نکالا جا رہا ہے (مار دھاڑ کرنے اور گرفتار کر کے اور یہ لوگ محفوظ ہیں) کیا یہ لوگ جھوٹے معبود (بتوں) پر ایمان رکھیں گے اور اللہ کی نعمت کی ناشکری ہی کرتے رہیں گے (شرک کر کے) اور اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے؟ (کوئی نہیں) جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرے۔ یا سچی بات (پیغمبر یا کتاب) کو جھٹلائے جب اس کے پاس آئے۔ کیا کافروں کا ٹھکانہ جہنم میں نہ ہوگا (یہ مکہ والے بھی انہیں میں ہوں گے) اور جو لوگ ہمارے (حق) میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے (تک پہنچنے کے) راستے ضرور دکھلائیں گے اور بلاشبہ اللہ خلوص والوں کے ساتھ ہے (مدد اور اعانت کے لئے)

تحقیق وترکیب: .... **لولا اجل** بمعنی وقت۔ اور ضمیر اگر قوم کی طرف راجع ہو تو بمعنی مدت ہے۔

لا یشعرون. یہ بغتۃً کی تاکید بھی ہو سکتا ہے اور مستقل جملہ بھی ہو سکتا ہے۔

یستعجلونك اس میں ان کی انتہائی بلادۃ کی طرف اشارہ ہے۔

یوم یغشٰھم. اس کا تعلق **لمحیطة** کے ساتھ ہے۔

من فوقھم صرف اوپر نیچے کی جہتیں بیان کرنے میں جہنم اور دنیا کی آگ میں امتیاز کرنا ہے۔ کیونکہ دنیا کی آگ نیچے سے اٹھتی ہے اور پاؤں کے روندنے سے بجھ جاتی ہے۔ مگر جہنم کی آگ اوپر سے لگے گی اور پاؤں سے روندی نہیں جا سکے گی۔

نقول ابوعمرؒ، ابن کثیرؒ، ابن عامرؒ کے نزدیک نون کے ساتھ ہے اور نافع اور کوفیین کے نزدیک یا کے ساتھ ہے اول صورت میں قائل اللہ اور دوسری صورت میں فرشتے قائل ہوں گے۔

ان ارضی واسعة دار الکفر و المعصیة سے دار الاسلام و الطاعة کی ہجرت مراد ہے۔ حدیث میں ہے۔ **من فربدینه من ارض الیٰ ارض و ان کان شبرا من الارض استوجب الجنة.**

فایای. یہ منصوب ہے اعبدو امضمر کی وجہ سے اور فاعبدون دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ فایای میں ف شرطیہ ہے۔ **ای ان ضاق بکم موضع فایای فاعبدون.**

کل نفس یعنی موت کا ڈر ہجرت میں رکاوٹ نہیں بننا چاہئے۔ موت تو ہر جگہ اپنے وقت پر آ کر رہے گی۔

لنبوئنھم. یہ لفظ اگر ثواء سے ماخوذ ہے بمعنی اقامۃ۔ تو اس قراءت پر غرفا مفعول بہ ہو جائے گا۔ نثوی کو بمعنی ننزل لے کر مجرد میں رہتے ہوئے یہ لفظ لازم ہے۔ اس پر ہمزہ تعدیہ کے لئے آئے گا اور مفعول منصوب ہوگا۔ تشبیہ ظرفیت کی وجہ سے اور یا توسعاً جار کو محذوف مان لیا جائے ای **فی غرف** لیکن پہلی قرأت پر **غرفا** مفعول ثانی ہوگا۔ کیونکہ بوء متعدی بدو مفعول ہے جیسے **تبوی المؤمنین مقاعد** میں ہے اور کبھی لام کے ذریعہ بھی متعدی ہو جاتا ہے۔ جیسے **اذبوأ نالا براھیم** اور **تجری** **غرفا** کی صفت ہے۔

اللہ یرزقھا. اس کا منشاء ترک اسباب نہیں ہے۔ بلکہ اسباب عادیہ یقینیہ ظنیہ اختیار کرتے ہوئے اللہ پر اعتماد و توکل کرنا مقصود ہے۔

السمیع العلیم. صفات الٰہی میں ان دو صفتوں کی تخصیص توکل کے حکم میں زیادہ مؤثر ہونے کی وجہ سے ہے۔

خلق السمٰوات. آسمان و زمین کے ساتھ لفظ خلق اور شمس و قمر کے ساتھ لفظ سخر میں اشارہ ہے کہ آسمان و زمین کی پیدائش ہی

میں منافع ہیں۔ برخلاف شمس وقمر کے کہ ان کے منافع کا تعلق ان کی تسخیر میں ہے۔

ویقدر له خواہ روزی کی وسعت اور تنگی ایک شخص پر ہو یا دونوں کا محل الگ الگ ہو۔ چنانچہ **بعد البسط** کہہ کر مفسرؒ نے پہلی صورت کی طرف اور **اولمن یشاء** کہہ کر دوسری صورت کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس وقت **له** کی ضمیر **من یشاء** کی جگہ ہوگی۔ یہ ایسا ہی ہے۔ جیسے **وما یعمر من معمر ولا ینقص من عمره** ہے ای **لا ینقص من معمر اخر**. یا کہا جائے **عندی درهم ونصفه ای نصف درهم اخر**. یہ بات صنعت استخدام کے قریب قریب ہوگی۔

بکل شئ علیم. یعنی کون غنی اور کون فقیر بنانے کے لائق ہے۔ ورنہ امیر کو غریب اور غریب کو امیر بنا دینے سے مفاسد لازم آئیں گے۔

الحمد لله. اس کے متعلقات مختلف نکالے گئے ہیں۔ مفسر علامؒ نے **علی ثبوت الحجة** اور قرطبیؒ نے **علی ما اوضح من الحجج والبراهین علی قدرته** اور بعض نے **علی اقرارهم بذالک** اور بعض نے **علی انزال الماء و احیاء الارض بالنبات** نکالے ہیں۔

لایعقلون. یعنی ایک طرف تو صرف اللہ کو مبدئ عالم، مانتے ہو اور دوسری طرف اس کا شریک ٹھہراتے ہو یہ تضاد بیان کیسی؟

الالهو. امام رازیؒ نے دنیاوی لذت کے سننے کو لہو کہا ہے اور بعض نے لایعنی۔ یعنی اور چیزوں میں پڑنے کو لہو اور بے کار چیزوں میں پڑنے کو عبث کہا ہے۔

الدار الاخرة. موصوف صفت ہے۔

الحیوان. یہ حی کا مصدر ہے۔ اصل قیاس کے مطابق **حییان** تھی۔ دوسری یاء کو واؤ سے تبدیل کرلیا اور **حیوة** کی بجائے **حیوان** لانے میں اشارہ ہے کہ **فعلان** کا وزن حرکت واضطراب میں مبالغہ کے لئے ہے ورنہ حیوۃ صرف حرکت اور موت سکون کو کہتے ہیں اور لفظ حیوان پر وقف کیا جائے گا۔ کیونکہ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ **لو کانوا یعلمون حقیقة الدارین لما اختاروا اللهو الفانی علی الحیوان الباقی** اور وصل کرنے کی صورت میں **وصف الحیوان** کو معلق کرنا پڑے گا شرط علم پر حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔

فاذا رکبوا. اس کا تعلق محذوف کے ساتھ ہے۔ **ای هم علی ما وصفوا به من الشرک والعناد فاذا رکبوا الخ**. کچھ لوگ دریائی سفر میں بتوں کو ساتھ رکھتے تھے۔ لیکن جب مصائب میں زیادہ گھر جاتے تو بتوں کو سمندر کی نذر کر کے خدا کے نام کی دہائی دیتے تھے۔

ولیتمتعوا سکون لام امر کی قرأت جمہور کی ہے اور مفسر علامؒ کی عبارت **امر تهدید** اس اشکال کے ازالہ کے لئے ہے کہ اس سے امر بالکفر لازم آتا ہے؟ حاصل جواب یہ ہے کہ یہ حقیقت امر نہیں ہے۔ بلکہ بطور تہدید کے فرمایا ہے۔ جیسے **اعملوا ماشئتم** میں ہے اور لام امر کو مکسور پڑھنے کی صورت میں لام کے ہوگا یا لام عاقبۃ ہے جو مسبب پر داخل ہے اور مسبب قائم مقام سبب ہے۔

یتخطف. اختلاس اور اچکنے کے معنی ہیں۔

الیس مفسر علامؒ نے **فیه ذالک الخ** عبارت نکال کر استفہام تقریری کی طرف اشارہ کیا ہے اور منجملہ کفار کے یہ مکذبین بھی جہنم میں ہوں گے۔

والذین جاهدوا. بقول مفسرین یہ آیت اگر مکی ہے تو جہاد سے بالنفس مراد ہوگا۔ اور بقول فضیلؒ بن عیاض جہاد سے طلب علم مراد ہے اور **لنهدینهم سبلنا** علم کے مطابق عمل کی راہیں آسان کرنا ہے اور سہیل بن عبداللہؒ جہاد سے طاعت اور سبل سے ثواب مراد

لیتے ہیں اور بعض کے نزدیک جہاد سے علوم معلومہ اور سبلنا سے غیر معلومہ مراد ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ من عمل بما علم، علمه الله علم مالم یعلم اور مفسر علامؒ نے فی حقنا تفسیری عبارت میں تقدیر مضاف کی طرف اور فی کے تعلیلیہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ای من اجل حقنا۔

مع المحسنین. اسم ظاہر بجائے ضمیر، احسان کی شرافت ظاہر کرنے کے لئے ہے اور لام تاکیدیہ ہے۔اور لفظ مع اسم ہے یا حرف ہے۔ پہلی صورت میں لام کا داخل ہونا واضح ہے۔ کیونکہ لام تاکید اسماء پر داخل ہوتا ہے اور دوسری صورت میں بھی معنی استقرار کی حیثیت سے لام کا داخل ہونا صحیح ہے۔ جیسے ان زیداً لفی الدار اور لفظ مع سکون عین کے ساتھ حرف ہے اور فتح عین کے ساتھ اسم وحرف دونوں ہوسکتا ہے۔

ربط:............ آیت قل کفی باللّٰہ الخ اگرچہ دلیل کا انکار کرنے والوں کے مقابلہ میں ہے۔تاہم اس میں بھی دلیل ہی کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے نبوت ورسالت کی سچائی پر جو دلائل قائم کئے ہیں وہ بھی ایک طرح سے خدائی شہادت ہے اور باطل کے عموم میں تمام خواہشات اور جھوٹے معبود بھی داخل ہیں اور پچھلی آیات میں چونکہ کفار کی عداوت کا اور توحید ورسالت کے ذیل میں بھی اہل حق اور حق سے ان کی عداوت کا بیان تھا۔اور وہ بعض اوقات ہجرت کی متقاضی ہوجاتی ہے۔اس لئے آیت یا عبادی الذین میں ہجرت کا حکم ہورہا ہے۔ پھر اس ہجرت میں عزیز واقرباء کی محبت اور خیال آئندہ فقر وفاقہ اندیشہ رکاوٹ بن سکتا ہے۔ان دشواریوں پر قابو پانے کے لئے صبر وتوکل اور اقامت دین کی تلقین کی جارہی ہے۔آیت ولئن سألتھم میں توحید کا بیان ہے اور شروع سورت سے مختلف پریشانیوں اور مصائب کا ذکر چلا آرہا ہے۔اس لئے خاتمہ سورت پر آیت والذین جاھدوا میں برداشت کرنے والوں کو بشارت عظمیٰ دی جارہی ہے۔

﴿تشریح﴾:.......... قل کفی باللّٰہ کا حاصل یہ ہے کہ قرآن پاک جو رات دن انہیں سنایا جاتا ہے اس سے بڑھ کر اور کیا نشان ہوگا۔ کیا دیکھتے نہیں کہ اس کے ماننے والے کس طرح سمجھ حاصل کرتے جارہے ہیں۔ خدا کی اس سرزمین پر اس کے آسمان کے نیچے علانیہ طور پر میں رسالت ونبوت کا دعویٰ کررہا ہوں۔ جسے اللہ دیکھتا سنتا ہے۔ پھر روز بروز میرے ماننے والوں میں اضافہ ہورہا ہے۔ اور اسی کے ساتھ میرے ذریعہ ایسے خوارق ظاہر کئے جارہے ہیں جس کی نظیر لانے سے ساری دنیا عاجز ہے۔ کیا میری صداقت پر اللہ کی یہ عملی گواہی کافی نہیں؟

انسان کی بدترین شقاوت:............ایک سچے مذہبی شخص کے پاس اس سے بڑھ کر اور کیا واسطہ رہ جاتا ہے کہ وہ خدا کو درمیان میں ڈال کر کسی بات کا یقین دلائے اور انسان کی یہ کتنی بڑی شقاوت ہے کہ جھوٹی سے جھوٹی بات کو فوراً قبول کرلے اور سچی بات کو خواہ وہ کتنی ہی روشن ہو جھٹلاتا رہے اور خدائی عذاب کا مذاق اڑائے۔ انہیں سن لینا چاہئے کہ ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے اس لئے گھبراؤ نہیں وہ عذاب دنیا ہی میں آنے والا ہے اور اب تمہاری درگت بنا ہی چاہتی ہے اور ممکن ہے عذاب سے اخروی عذاب مراد ہو۔ جیسا کہ جواب کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ اور یوں بھی دیکھا جائے تو دنیا میں ہی آخرت کا عذاب شروع ہوجاتا ہے۔ یہ کفر اور گناہ دوزخ نہیں تو اور کیا ہے۔ جس نے انہیں ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔ مرنے کے بعد حقیقت کھل جائے گی کہ دوزخ کیا ہے۔ جب اعمال کے سانپ بچھو جسم کو چمٹیں گے۔ اس وقت حق تعالیٰ فرمائیں گے یا عذاب ہی بول اٹھے گا۔ کہ اب اپنے کئے کا مزہ چکھو۔

ارض خدا تنگ نیست، پائے مرا لنگ نیست:۔۔۔۔۔۔ آیت یا عبادی میں یہ بتلانا ہے کہ اگر مکہ کے لوگ تمہیں تنگ کر رہے ہیں تو خدا کی سرزمین تو تنگ نہیں ہوگئی کہیں اور جاکر عبادت کرو۔ اور وطن چھوڑ دو۔ کیونکہ یہ زندگی کوئی (کتنی) دن کی ہے۔ وطن اصلی تو دوسرا ہے اس کی فکر کرو ایک جواب تو یہ ہوا۔ جس سے مصیبت زدہ مسلمانوں کی تسلی مقصود ہے۔

گھربار، روٹی ٹکڑہ ہجرت میں حائل نہ ہونے چاہئیں:۔۔۔۔۔۔ دوسرا جواب کل نفس الخ سے دیا جارہا ہے کہ جن چیزوں کا چھوڑنا آج شاق گزر رہا ہے ان سے دوری اور مجبوری ایک دن تو بہر حال ناگزیر ہی ہے تو آج ہی اپنے ارادہ اور اختیار سے کیوں نہ حاصل کرلی جائے۔ وطن، خویش واقارب، دوست واحباب آج نہیں کل چھوٹیں گے۔ مان لو کہ اس وقت مکہ سے ہجرت نہ کی تو ایک دن دنیا سے ہجرت کرنا ضروری ہے۔ فرق اتنا ہے کہ وہ بے اختیاری کے ساتھ ہوگی۔ مگر بندگی اس کا نام ہے کہ اپنی خوشی اور اختیار سے مرغوبات ومالوفات کو چھوڑ دے جو پروردگار عالم کی بندگی میں حارج ہوں۔ جو لوگ دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں۔ وہ بالکل نیست و نابود نہیں ہوجاتے۔ بلکہ حساب کتاب کے لئے ان کی پیشی ہوگی اور وہ پیشی صرف بارگاہ خداوندی میں ہوگی کسی دوسرے کے یہاں نہیں۔ اس لئے جو صبر واستقلال کے ساتھ ایمان کی راہ پر جمے رہیں گے۔ اور وطن سے نکل کھڑے ہوں گے۔ انہیں وطن کے بدلے وطن، گھر کے بدلے گھر ملیں گے۔

رہا روزی کا معاملہ، سو جانوروں کو دیکھ کر اکثر کے پاس اگلے دن کا سامان نہیں ہوتا۔ پھر کیا انہیں بے روزی چھوڑ دیا جاتا ہے۔ پھر جو خدا جانوروں کو روزی پہنچاتا ہے وہ کیا اپنے وفادار عاشقوں کو نہ پہنچائے گا۔ رازق حقیقی تو وہی ہے۔ کتنے جانور ہیں جو اپنی روزی کمر پر لادے نہیں پھرتے۔ پھر بھی رازق حقیقی روزانہ انہیں روزی پہنچاتا ہے ہر ایک کا ظاہر وباطن اس کے سامنے ہے۔ وہ سب کی سنتا اور سب کو دیکھتا ہے۔ پس جو لوگ اس کی راہ میں نکلے ہیں وہ انہیں ضائع نہیں کریگا۔ ہاں مگر اللہ کے جو نیک بندے ہیں ضروری نہیں کہ سارے تکوینی حالات ان کی اپنی مرضی کے مطابق ہی پیش آئیں۔ اس لئے وہ بے صبری کے بجائے صبر سے کام لیتے ہیں۔ اور ہر چھوٹے بڑے کام میں وہ اللہ ہی پر پورا بھروسہ رکھتے ہیں۔ وہ سب کو دیتا ہے۔ مگر جتنا وہ چاہے نہ جتنا کہ تم چاہو۔ اور یہ پتہ اسی کو ہے کہ کس کو کتنا دینا چاہئے۔ یہ ناپ تول اسی کے پاس ہے۔ اس کا اپنے بندوں سے تعلق صرف معاد ہی کا نہیں۔ بلکہ ناسوتی زندگی کی ایک ایک جزئی اس سے وابستہ ہے۔

دنیا کی چمک دمک ایک خواب ہے:۔۔۔۔۔۔ وہ بارش برساتا ہے مگر ہر جگہ برابر نہیں۔ ایک ایک قطرہ کی ضرورت اور مصلحت اس کے سامنے ہے۔ اسی طرح سے اسے لوگوں کی حالت بدلتے دیر نہیں لگتی۔ ذرا سی دیر میں وہ تاج تار کر سر پر ٹوکری رکھ دے اور ٹوکری اتار کر تاج رکھ دے۔ تخت سے تختہ پر اور تختہ سے تخت پر پہنچادے۔ اس لئے دانشمند کو چاہئے کہ یہاں کی چند روزہ چمک دمک کا اعتبار نہ کرے۔ اخروی زندگی کی فکر کرے جو دائمی اور پائدار ہے۔ دنیا کے کھیل تماشہ میں گم نہ ہوجائے۔ بلکہ دنیاوی زندگی کو آخرت کا توشہ بنائے۔ یہ لوگ تکوینیات میں اس کی یگانگت کو اس کی معبودیت اور الوہیت میں یگانگت کا وسیلہ کیوں نہیں بنالیتے۔ جب اس کے سوا کوئی خالق، مالک اور پالنہار نہیں۔ تو اس کے سوا الٰہ کیوں ہو۔ پس تمہارے اقرار خالقیت سے اس شرک کی تو جڑ کٹ جانی چاہئے۔ کہ بارش کا ایک دیوتا ہے اور زراعت کا ایک دیوتا ہے۔

دنیا کے عیش میں پڑ کر آخرت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ مگر لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب جہاز طوفان میں گھر جائے تو پکے سے پکا ملحد بھی اللہ کو پکارنے لگتا ہے اور طوفان سر سے ٹلا اور خشکی پر قدم رکھا۔ پھر اللہ سے منہ موڑ کر لگے جھوٹے معبودوں کی پوجا پاٹ کرنے، اس

سے بڑھ کر کفران نعمت اور کیا ہوگا۔ اچھا دنیا کے مزے اڑا لو۔ جلد ہی پتہ لگ جائے گا۔

آیت اولم یروا الخ. میں مکہ والوں کی احسان فراموشی کا ذکر ہے کہ سارا عرب فتنہ وفساد کی آماجگاہ بنا رہتا ہے مگر اللہ کا گھر ان کی مکمل پناہ گاہ ہے۔ پھر بھی اللہ کے سچے احسان سے مکر کر بتوں کے جھوٹے احسانات کے تلے دبے رہتے ہیں۔ دنیا میں سب سے بڑی ناانصافی یہ ہے کہ کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرائے اور اس کی طرف ایسی باتیں منسوب کرے جو اس کے شایان شان نہیں۔ یا پیغمبروں کی سچائی کو سنتے ہی جھٹلانا شروع کردے۔ کیا ان ظالموں کو معلوم نہیں کہ ان منکروں کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ ہاں! یہ لوگ اللہ کے لئے محنت ومشقت اٹھاتے ہیں، سختیاں جھیلتے ہیں۔ اللہ انہیں ایک خاص نور بصیرت عطا فرماتا ہے اور اپنے رضوان وجنت کی راہیں سمجھاتا ہے۔ اللہ کی حمایت ونصرت نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

لطائف سلوک: آیت وما ھذہ الحیٰوۃ الدنیا. دنیا سے زہد اور آخرت کی رغبت میں واقع ہے اور یہ کہ جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دے وہ جاہل ہے۔

آیت فاذا رکبوا الخ میں یہ دعا اگر خلوص دل سے نہیں تو معلوم ہوا کہ عمل کی نری صورت کافی نہیں ہے۔ اور خلوص دل سے اگر دعا ہے تو معلوم ہوا کہ کوئی عمل بلا استقامت کافی نہیں۔

آیت الذین جاھدوا سے معلوم ہوا کہ مجاہدہ مفتاح مشاہدہ ہے۔

تتمہ از روح المعانی: احسب الناس الخ ابن عطا فرماتے ہیں کہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ کی محبت کا دعویٰ کرنے والے یہ گمان نہ کریں کہ انہیں آزمایا نہیں جائے گا۔ اور انہیں ظاہری اور باطنی بلاؤں میں ڈالا نہیں جائے گا۔

ومن الناس من یقول میں جھوٹے دعوائے محبت کرنے والوں کی حالت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگوں کی تکالیف سے گھبرا کر محبت سے دستبردار ہو جاتے ہیں۔

فابتغوا عنداللّٰہ الرزق سہل فرماتے ہیں کہ رزق کو کسب کی بجائے توکل میں تلاش کرنا چاہئے۔ کیونکہ کسب میں رزق کی تلاش عوام کا مشغلہ ہے۔

انی مھا جر الٰی ربی. یعنی خودی کو چھوڑ کر خدا ملتا ہے۔

وتاتون فی نادیکم المنکر. حضرت جنیدؒ کا ارشاد ہے کہ ذکر کے علاوہ کسی چیز پر لوگ جمع ہوں تو وہ منکر ہے۔

مثل الذین اتخذوا ابن عطاؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ کے سوا کسی چیز پر اعتماد کرے گا تو اس میں اس کی ہلاکت ہے۔

وتلک الامثال نضربھا. میں اشارہ ہے کہ دقائق معارف کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو صاحب حال اور اللہ کی ذات وصفات اور شیون سے باخبر ہوں۔

بل ھو ایات بینات. میں اشارہ ہے کہ حقائق قرآن کے محاسن صرف عارفین اور علمائے ربانیین کی ارواح پر منکشف ہوتے ہیں۔

یاعبادی الذین. حضرت سہلؒ فرماتے ہیں کہ برائیوں کے اڈوں کو چھوڑ کر نیکیوں کے مقامات کی طرف چلا جانا چاہئے۔

کل نفس ذائقۃ الموت. معلوم ہوا کہ موت کے ڈر سے سفر چھوڑنا نہیں چاہئے۔

وکاین من دابۃ. زادراہ اور توشہ نہ ہونے یا نہ اٹھا سکنے کی وجہ سے بھی سفر ترک نہ کرنا چاہئے۔

سُوْرَةُ الرُّوْمِ

سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتُّوْنَ اَوْتِسْعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهِ **غُلِبَتِ الرُّوْمُ** ﴿۲﴾ وَهُمْ اَهْلُ كِتَابٍ غَلَبَتْهَا فَارِسٌ وَلَيْسُوْا اَهْلَ كِتَابٍ بَلْ يَعْبُدُوْنَ الْاَوْثَانَ فَفَرِحَ كُفَّارُ مَكَّةَ بِذٰلِكَ وَقَالُوْا لِلْمُسْلِمِيْنَ نَحْنُ نَغْلِبُكُمْ كَمَاغَلَبَتْ فَارِسُ الرُّوْمَ **فِيْ اَدْنَى الْاَرْضِ** اَيْ اَقْرَبَ اَرْضِ الرُّوْمِ اِلٰى فَارِسَ بِالْجَزِيْرَةِ اِلْتَقٰى فِيْهَا الْجَيْشَانِ وَالْبَادِيْ بِالْغَزْوِ الْفُرْسُ **وَهُمْ** اَيِ الرُّوْمُ **مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ** اُضِيْفَ الْمَصْدَرُ اِلَى الْمَفْعُوْلِ اَيْ غَلَبَةُ فَارِسَ اِيَّاهُمْ **سَيَغْلِبُوْنَ** ﴿۳﴾ فَارِسَ **فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ** هُوَمَا بَيْنَ الثَّلَاثِ اِلَى التِّسْعِ اَوِالْعَشْرِ فَالْتَقَى الْجَيْشَانِ فِي السَّنَةِ السَّابِعَةِ مِنَ الْاِلْتِقَاءِ الْاَوَّلِ وَغَلَبَتِ الرُّوْمُ فَارِسَ **لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ** اَيْ مِنْ قَبْلِ غَلَبَةِ الرُّوْمِ وَمِنْ بَعْدِهِ الْمَعْنٰى اَنَّ غَلَبَةَ فَارِسَ اَوَّلًا وَغَلَبَةَ الرُّوْمِ ثَانِيًا بِاَمْرِ اللّٰهِ اَيْ اِرَادَتِهِ **وَيَوْمَئِذٍ** اَيْ يَوْمَ تَغْلِبُ الرُّوْمُ **يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ** ﴿۴﴾ **بِنَصْرِ اللّٰهِ** اِيَّاهُمْ عَلٰى فَارِسَ وَقَدْ فَرِحُوْا بِذٰلِكَ وَعَلِمُوْا بِهِ يَوْمَ وُقُوْعِهِ يَوْمَ بَدْرٍ بِنُزُوْلِ جِبْرَئِيْلَ بِذٰلِكَ فِيْهِ مَعَ فَرْحِهِمْ بِنَصْرِهِمْ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ فِيْهِ **يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ** الْغَالِبُ **الرَّحِيْمُ** ﴿۵﴾ بِالْمُؤْمِنِيْنَ **وَعْدَ اللّٰهِ** مَصْدَرٌ بَدَلٌ مِنَ اللَّفْظِ بِفِعْلِهِ وَالْاَصْلُ وَعَدَهُمُ اللّٰهُ النَّصْرَ **لَايُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ** بِهِ **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ** اَيْ كُفَّارَ مَكَّةَ **لَايَعْلَمُوْنَ** ﴿۶﴾ وَعْدَهٗ تَعَالٰى بِنَصْرِهِمْ **يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** اَيْ مَعَايِشَهَا مِنَ التِّجَارَةِ وَالزِّرَاعَةِ وَالْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ **وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ** ﴿۷﴾ اِعَادَةُ هُمْ تَاكِيْدٌ **اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ** لِيَرْجِعُوْا عَنْ غَفْلَتِهِمْ **مَاخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَابَيْنَهُمَآ اِلَّابِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى** لِذٰلِكَ تَفْنٰى عِنْدَ انْتِهَائِهِ وَبَعْدَهُ الْبَعْثُ

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ اَىْ كُفَّارُ مَكَّةَ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ﴿۸﴾ اَىْ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ مِنَ الْاُمَمِ وَهِىَ اِهْلَاكُهُمْ بِتَكْذِيْبِهِمْ رُسُلَهُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً كَعَادٍ وَثَمُوْدَ وَاَثَارُوا الْاَرْضَ حَرَثُوْهَا وَقَلَّبُوْهَا لِلزَّرْعِ وَالْغَرْسِ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا اَىْ كُفَّارُ مَكَّةَ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ بِالْحُجَجِ الظَّاهِرَاتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ بِاِهْلَاكِهِمْ بِغَيْرِ جُرْمٍ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۹﴾ بِتَكْذِيْبِهِمْ رُسُلَهُمْ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى تَانِيْثُ الْاَسْوَءِ الْاَقْبَحِ خَبَرُ كَانَ عَلٰى رَفْعِ عَاقِبَةُ وَاِسْمُ كَانَ عَلٰى نَصْبِ عَاقِبَةَ وَالْمُرَادُ بِهَا جَهَنَّمُ وَاِسَاءَتُهُمْ اَنْ اَىْ بِاَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ الْقُرْاٰنِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع

ترجمہ: سورۃ الروم مکی ہے جس میں ۶۰ یا ۵۹ آیت ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

الم (اس کی قطعی مراد اللہ کو معلوم ہے) رومی لوگ مغلوب ہو گئے (یہ اہل کتاب تھے جن پر فارس کے لوگ غالب آ گئے تھے جو کتابی نہیں تھے بلکہ آتش پرست تھے جس پر کفار مکہ نے خوشیاں منائیں اور مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ جس طرح فارسی رومیوں پر غالب آ گئے ہم بھی تم پر غالب آ کر رہیں گے) قریب ہی کی سرزمین میں (یعنی یہ رومی خطہ بہ نسبت فارسیوں کے عرب سے قریب تر تھا جو ایک جزیرہ کی صورت میں تھا۔ وہاں دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی اور حملہ کی ابتداء فارسیوں کی طرف سے ہوئی) اور وہ (رومی) اپنے مغلوب ہونے کے بعد (غلب مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے یعنی فارسیوں کے رومیوں پر غلبہ کے بعد) عنقریب (فارسیوں پر) غالب آ جائیں گے چند سال میں (تین سال سے لے کر نو یا دس سال کے عرصہ میں۔ چنانچہ ساتویں سال پھر آویزش ہوئی اور رومی فارسیوں پر غالب آ گئے) اللہ ہی کے لئے پہلے بھی اختیار تھا اور بعد میں بھی اسی کا اختیار ہے (یعنی رومیوں کے غلبہ سے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ حاصل یہ ہے کہ پہلے حملہ میں فارسیوں کی کامیابی اور دوسرے حملہ میں رومیوں کی کامیابی اللہ ہی کے حکم اور ارادہ سے ہوئی ہے) اور اس روز (جب رومی کامیاب ہوں گے) مسلمان خوش ہوں گے اللہ کی امداد پر (جو رومیوں کی فارسیوں کے مقابلہ میں ہوئی ہے۔ چنانچہ غزوۂ بدر کے موقع پر جب مسلمانوں کو مشرکین مکہ کے مقابلہ میں فتح ہوئی تو جبرائیلؑ رومیوں کے غلبہ کی خبر لائے تو مسلمانوں کو بڑی شادمانی ہوئی) اللہ جسے چاہے غالب کر دیتا ہے وہ زبردست (غالب) ہے (مسلمانوں پر) بڑا مہربان ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے (یہ مصدر لفظی طور پر بجائے فعل کے ہے۔ اصل عبارت وعدھم اللہ النصر تھی) اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کیا کرتا۔ البتہ اکثر (کفار مکہ میں سے) نہیں جانتے (اللہ کے وعدہ مدد کو) یہ لوگ صرف دنیاوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں (یہاں کی معاشیات، تجارت، زراعت، عمارت، باغبانی وغیرہ کو) اور آخرت سے یہ لوگ بے خبر ہیں (لفظ ہم کا تکرار تاکید کے لئے ہے) کیا انہوں نے اپنے دلوں میں غور نہیں کیا (تاکہ غفلت سے باز رہتے) کہ اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے کسی حکمت ہی سے اور ایک مقررہ میعاد تک کے لئے پیدا کیا ہے (اسی لئے مدت پوری ہونے پر دنیا ختم ہو جائے گی اس کے بعد قیامت ہے) اور کثرت سے (مکہ کے باشندے) اللہ کی ملاقات کے منکر ہیں (یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو نہیں مانتے) کیا یہ لوگ زمین پر چلتے پھرتے نہیں۔ جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا کیا انجام ہوا؟ (پچھلی قوموں کو ان کے پیغمبروں کے جھٹلانے کی وجہ سے تباہ کر دیا گیا) وہ ان سے طاقت میں بڑھے ہوئے تھے (جیسے قوم عاد و ثمود) انہوں نے زمین کو بویا جوتا (کاشت کی اور زمین کو زراعت اور باغبانی کے لئے گاہا) اور اسے آباد کیا تھا اس سے زیادہ جتنا انہوں نے (کفار مکہ نے) آباد کر رکھا ہے اور ان کے پاس بھی ان کے پیغمبر معجزے (کھلی نشانیاں) لے کر

آئے تھے۔ سو اللہ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم کرتا (بے قصور انہیں ہلاک کر دیتا) لیکن وہ تو خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے (اپنے پیغمبروں کو جھٹلا کر) پھر ان لوگوں کا انجام جنہوں نے برا کیا تھا برا ہی ہوا (لفظ سوء ا۔ اسوء کا مؤنث ہے بمعنی اقبح اور عـاقبة کو مرفوع پڑھنے کی صورت میں اسوء۔ کان کی خبر ہوگا اور عاقبة منصوب پڑھنے کی صورت میں کان کا اسم ہوگا اس سے مراد جہنم اور اس کی برائی ہے اور یہ برائی) اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اللہ کی آیات (قرآن) کو جھٹلایا اور ان کا مذاق اڑاتے رہے۔

تحقیق وترکیب: .... **سورة الروم.** یہ مبتداء ہے اور ستون خبر اول اور مكية خبر ثانی ہے۔

بالجزيرة. جزیرۂ عرب مراد نہیں۔ بلکہ دجلہ اور فرات کے درمیان ایک ٹاپو مراد ہے۔ **اى ارض الروم الكائنة بالجزيرة. البادى بالغزو.** یعنی حملہ میں پہل فارسیوں نے کی تھی۔

من بعد غلبهم اى من بعد مغلوبيتهم اور فعل مقدر کی طرف مفسر علامؒ نے **غلبة فارس اياهم** سے اشارہ کر دیا ہے۔

عـن الا لتـقـاء الاول اگر رومیوں اور فارسیوں کے درمیان پہلی جنگ ہجرت سے پانچ سال پہلے مانی جائے تو دوسری جنگ غزوۂ بدر کے موقعہ پر ہوئی ہے اور پہلی جنگ ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی ہوگی۔ تو دوسری جنگ صلح حدیبیہ کے موقع پر ہوئی ہوگی اور دوسری جنگ میں ڈیڑھ ہزار فوج سے رومیوں نے حملہ کر کے فارسیوں پر کامیابی حاصل کی ہے۔

من قبل اى من قبل كل شئ ومن بعد كل شئ اوحين غلبو او حين يغلبون بہر حال کلی اختیار اللہ کو ہے

تلك الا يام ندا ولها بين الناس اور **المعنى** سے مفسر علامؒ ایک شبہ کا جواب دے رہے ہیں۔ اشکال یہ ہے کہ **غلبت الروم** کی بعد **سيغلبون** کہنے سے خود سمجھ میں آ گیا کہ فارسیوں کی مغلوبیت ان کے غلبہ کے بعد ہوگی۔ پھر **من بعد اى من بعد غلبة الروم** کہنے سے کیا فائدہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس میں خاص اللہ کی قدرت کے کرشمہ کو بیان کرنا ہے کہ رومیوں کا غلبہ ان کی اپنی شوکت کے سبب نہیں ہوا۔ وہ تو ضعیف ہی تھے۔ مگر اللہ نے پہلی کمزوری کے وقت شکست دی اور بعد میں کمزوری کے باوجود انہی کو فتح عنایت فرما دی۔ حضرت ابن عمرؓ، ابوسعید خدریؓ اور حسن نے **غلبت الروم** اور **سيغلبون** پڑھا ہے۔ اب معنی یہ ہوں گے کہ رومی اگر چہ دوسری جنگ میں فارسیوں کے مقابلہ میں غالب آ گئے۔ مگر عنقریب چند سال میں مسلمانوں کے مقابلہ میں پھر شکست کھائیں گے اور مسلمان غالب ہو جائیں گے۔ چنانچہ غزوہ موتہ کے موقع پر ۸ھ میں مسلمان رومیوں کے مقابلہ میں فاتح بنے۔ اور ان دونوں قراءتوں میں تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ یہ آیت دو مرتبہ نازل ہوئی ہو۔ مکہ میں تو غُلبت ضمہ کے ساتھ اور غزوۂ بدر کے موقعہ پر غَلَبَت کے لفظ سے۔

وعد الله یعنی لفظی طور سے یہ مصدر بجائے فعل کے ہے۔ جیسے کہا جائے۔ **على الف عرفاً اى اعترفت له بها. اعترافاً.**

لا يـعـلـمـون یہ بمنزلہ لازم کے بھی ہو سکتا ہے کہ مفعول کی حاجت نہ ہو۔ نیز مفعول عام بھی فعل متعدی ہونے کی صورت میں مانا جا سکتا ہے **اى لا يـعـلـمـون شيئاً** مفسر علامؒ کی عبارت **وعـده تـعـالى بنصر هم** بھی اسی قبیل سے ہے اور مفعول محذوف کی یہ تقدیر استدراک کے مناسب ہے۔

هـم غـفـلـون یہ تکرار مفید تاکید لفظی ہے کہ یہ لوگ معدن غفلت ہیں مقصود تاکید لفظی سے مجاز یا تخصیص کو دفع کرنا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرا ہم مبتدا اور غفلون خبر پھر جملہ پہلے ہم کی خبر ہو۔

مـا خـلـق الله ما نافیہ ہے اور اس جملہ میں دو توجیہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ جملہ مستانفہ ہو پہلے جملہ سے بے تعلق دوسرے یہ کہ **يتـفـكـر** سے متعلق ہو اور حذف جار کے ساتھ محل نصب میں ہو اور ما کو استفہامیہ بمعنی نفی ماننا ضعیف ہے۔ تاہم دونوں مذکورہ وجوہ اس میں بھی جاری ہو سکتی ہیں اور **بالحق** سبب ہے یا حال بمعنی امر واقعی۔

اثاروا۔ اثارہ کے معنی پلٹنے اور تغیر کرنے کے ہیں۔

فما کان اللہ لیظلمهم یعنی اللہ حقیقۃً تو ظالم ہے ہی نہیں۔ صورۃً بھی ظالم نہیں ہے۔ بالفرض اگر وہ بلاقصور سزا بھی دے دے کیونکہ وہ مالک مختار ہے۔ جو کچھ اپنے اوپر پابندی اللہ نے عائد کررکھی ہے وہ ازراہ فضل وکرم ہے۔

السوائی۔ یہ اسوء کا مؤنث ہے جیسے حسنیٰ احسن کا مؤنث ہے۔ نافعؒ، ابن کثیرؒ، ابوعمروؒ نے عاقبۃ کو مرفوع پڑھا ہے اس وقت کان کا اسم ہوگا۔ اور فعل مذکر لایا گیا ہے۔ کیونکہ السوای مؤنث مجازی ہے۔ کان کی خبر میں دوصورتیں ہوں گی۔ ایک یہ کہ السوای خبر ہوای الفعلة السوء کی۔ دوسرے یہ کہ ان کذبوا خبر ہوای آخر امر هم التکذیب لیکن پہلی صورت میں پھران کذبوا میں دوصورتیں ہوجائیں گی۔ ایک یہ کہ لام علت یا سببیہ حروف جر محذوف ہوں۔ دوسرے یہ کہ السوی سے بدل ہو اور سوی اس صورت میں اساء کا مصدر ہوگا اور مصدر محذوف کی صفت بھی بن سکتا ہے ای اساؤا الفعلة اور عاقبة منصوب ہے باقی قراء کے نزدیک کان کی خبر ہونے کی وجہ سے پھر اسم میں دوصورتیں ہوں گی۔ ایک السوی ای کانت الفعلة السوی عاقبة لمسیئین وان کذبوا دوسرے یہ کہ ان کذبوا اسم ہو اور السوی میں سابقہ دونوں صورتیں ہوں۔

اساء تهم ان کذبوا۔ ای حصلت لهم الاساءۃ بسبب تکذیبهم الایات۔ مفسر علامؒ نے اشارہ کیا ہے کہ تقدیر محذوف کی خبر ہے اور بعض کے نزدیک علت یا عطف بیان یا سوء کا بدل بھی ہوسکتا ہے۔

ربط:.........سورۂ روم میں متعدد مضامین بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ پچھلی سورت کے آخر میں کفار سے مسلمانوں کو جو تکالیف پیش آئیں اس مجاہدہ کی فضیلت بیان ہوئی تھی۔ یہاں پہلے مسلمانوں کی خوشی کے لئے رومیوں کی فتح کی پیشگوئی کی جارہی ہے جس میں رنج کا ازالہ بھی ہے اور ساتھ ہی مسلمانوں کی فتح کی بشارت بھی ہے اور یہ پیشگوئی ایک شان عظیم ہے آنحضرت ﷺ کی رسالت کا۔

۲۔ کافروں کا عناد اور ضد اور کفر وتکذیب پر ڈانٹ ڈپٹ اور اس کو مؤثر بنانے کے لئے پچھلے مکذبین کی بدانجامی۔

۳۔ قیامت اور اس کے احوال واہوال کا تذکرہ جس سے مضمون ثانی کی تقویت ہورہی ہے۔

۴۔ توحید اور اس کے دلائل۔

۵۔ حقوق توحید سے متعلق بعض ضروری اعمال فرعیہ کا ذکر ہے۔ پھر آخر میں ان بلیغ مضامین سے کفار کے متاثر نہ ہونے پر آنحضرت ﷺ کی تسلی کی جارہی ہے۔

شان نزول: آیت الم کا زمانہ نزول ہجرت سے پہلے ۶ھ یا ۷ھ یعنی ۶۱۵ھ یا ۶۱۶ھ ہے۔ "روم" سے مراد "قدیم" رومن امپائر کا وہ مشرقی حصہ ہے جو ۳۹۵ء کو اس سے کٹ کر خود ایک مستقل سلطنت بن گیا تھا۔ مسیحیوں کے قبضہ میں یہ سلطنت ۱۴۵۳ء تک رہی۔ اس کے بعد ترکوں کے قبضہ میں آگئی۔ جس کا دارالسلطنت استنبول یا قسطنطنیہ تھا اور اس کا قدیم نام "جدید رومہ" بھی ہے۔ ایشائے کوچک کے علاقے سب اسی میں شامل تھے۔ ۶۱۴ء میں مسیحی رومیوں کو ایرانی مجوسیوں کے مقابلہ میں سخت ہزیمت اٹھانی پڑی تھی۔ آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ ایرانی مجوسیوں کا مذہب چونکہ مشرکین عرب سے ملتا جلتا تھا اور دونوں رسالت کے قائل نہ تھے۔ اس لئے قدرتاً اہل مکہ اپنے ہم مذہب لوگوں کی فتح کو اپنی فتح سمجھ کر بڑے خوش ہوئے اور چرچے کرنے لگے کہ جس طرح ایرانی دیوتاؤں کے ماننے والوں کو رومی عیسائیوں کے مقابلہ میں فتح ہوئی ہے اسی طرح ہم مسلمانوں کے مقابلہ میں کامیاب ہوں گے۔ مسلمانوں کی

ہمدردی قدرتاً رومی عیسائیوں کے ساتھ اور مشرکین کی ہمدردی ایرانیوں کے ساتھ تھی۔ لیکن قرآن کریم نے دعویٰ کے ساتھ یہ پیشگوئی کر دی کہ کافر اس نتیجہ جنگ پر خوش نہ ہوں۔ نو سال کی قلیل مدت کے اندر اندر پانسہ پلٹنے والا ہے۔ آج جو فاتح نظر آرہے ہیں وہ مفتوح ہو کر رہیں گے۔ یہ پیشگوئی اگرچہ اس وقت کی جنگی صورت حال کے بالکل منافی تھی۔ کیونکہ ادھر تو فرمانروائے روم کا عہد حکومت بے تدبیری و بداقبالی کا شکار تھا۔ افسران فوج نااہل، خزانہ خالی، بہادر اور تجربہ کار فوج کا قحط۔ اور ادھر شہنشاہ ایران خسرو دوم کی اقبال مندی عروج پر تھی۔ اور ملکی، سیاسی، اقتصادی، معاشرتی حدت اوج پر تھی۔ غرض ظاہری اسباب وحالات تمام رومیوں کے خلاف تھے اور بڑے بڑے جنگی مبصروں کی پیشگوئیاں اور قیاس آرائیاں رومیوں کے خلاف ہی تھیں۔ مگر ایسے میں قرآن نے ڈنکے کی چوٹ پر نقشہ جنگ پلٹنے کا اعلان کر کے تہلکہ مچا دیا اور مخالفین کی صفوں میں کھلبلی مچادی۔ چنانچہ شکست سے ساتویں سال ۶۲۲ء میں ایکا یک حالات نے پلٹا کھایا۔ ہرقل سنبھلا اور بجائے مدافعانہ کاروائی کے اب ایران میں جارحانہ کارروائی شروع کر دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایران کی قسمت پلٹ گئی ۶۲۴ء میں اس کی قوت بالکل ٹوٹ کر رہ گئی۔ یہاں تک کہ ایرانیوں کے مقدس ترین آتش کدے برباد ہونے لگے اور خود شہنشاہ کو بھاگنا پڑا۔

تشریح: ... **الم** مقطعات قرآنیہ کے سلسلہ میں یہاں امام رازیؒ نے ایک اچھی بات لکھی ہے کہ عام طور سے مقطعات قرآنیہ کے فوراً بعد قرآن یا کتاب یا تنزیل کا ذکر آیا ہے۔ لیکن تین مقام اس سے مستثنیٰ ہیں۔

نکتۂ نادرہ: منجملہ ان کے ایک موقعہ یہ ہے۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ قرآن کتاب یا تنزیل کے الفاظ اس کی شان اعجاز ظاہر کرنے کے لئے لائے گئے ہیں۔ مگر یہاں چونکہ خود پیشگوئی کا حرف بحرف پورا ہونا ایک عظیم الشان اعجاز ہے۔ اس لئے ان لفظ کے لانے کی چنداں حاجت نہیں رہی۔

ادنی الارض سے مراد "اذرعات وبصریٰ" کے درمیان کا خطہ ہے جو شام کی سرحد پر حجاز سے ملتا ہوا مکہ کے قریب پڑتا ہے یا فلسطین مراد ہے جو رومیوں کے ملک سے قریب تھا۔ یا "جزیرہ ابن عمر" مراد ہے جو ایران سے قریب تر تھا ابن حجرؒ پہلے قول کی تصحیح کر رہے ہیں۔

جانبین سے شرط لگانا قمار ہے: ... حدیث میں بضع کا لفظ تین سے نو تک بولا گیا ہے۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے سلسلہ میں ابی بن خلف نے حضرت ابوبکرؓ سے شرط کرنی چاہی۔ اس وقت چونکہ ایسی شرط لگانا جائز تھا۔ اس لئے صدیق اکبرؓ نے جوش یقین میں اپنی رائے سے دس اونٹوں کی شرط تین سال مدت کے لئے کر لی۔ مگر آنحضرت ﷺ کو جب معلوم ہوا تو فرمایا تم نے تین سال کی کم مدت کیوں رکھی۔ زائد مدت مدت نو سال کیوں نہ رکھی۔ بالآخر مدت بھی بڑھائی گئی اور مقدار انعام بھی سو اونٹ ہوئے۔ ادھر ہرقل شاہ روم نے نذر اور منت مانی کہ اگر اللہ نے مجھے ایران پر فتح دے دی تو حمص سے پیدل چل کر ایلیا۔ بیت المقدس حاضری دوں گا۔ امام طحاویؒ اور امام ترمذیؒ نے انہ کان قبل تحریم القمار کے الفاظ فرمائے ہیں۔ اس لئے اس واقعہ سے دارالحرب میں عقود فاسدہ کے جواز پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

رومیوں اور ایرانیوں کی جنگ کا انجام: ... واقعہ یہ ہے کہ اس زمانہ کی دو بھاری سلطنتیں ایران وروم زمانہ دراز سے آپس میں ٹکراتی چلی آرہی تھیں ۶۰۲ء سے ۶۱۴ء تک ان کی حریفانہ نبرد آزمائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ ادھر ۵۷۰ء کو آنحضرت ﷺ کی ولادت ہوئی اور ۶۱۰ء میں چالیس سال بعد آپ ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا۔ روم وفارس کی جنگی اطلاعات مکہ میں آتی رہتی تھیں۔ اسی دوران اسلامی تحریک نے ان جنگی خبروں میں اہل مکہ کے لئے ایک خاص دلچسپی پیدا کر دی۔ مشرکین ایرانی مجوسیوں کو مذہباً اپنے قریب سمجھ کر ان کی فتح سے شادماں ومسرور ہوئے اور اس سے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے غلبہ کی فال لینے لگے اور خوش آئند خواب دیکھنے لگے۔ جس سے مسلمانوں کو ایک گونہ طبعی صدمہ ہوا کہ وہ مذہباً بہ نسبت مشرکین کے ان سے قریب تھے اور یوں بھی انہیں مشرکین

کے ہدف کا نشانہ بننا پڑے گا۔ آخر ولادت نبوی کے پینتالیس سال بعد اور ہجرت سے پانچ سال پہلے ۶۱۵ ء سے ۶۱۶ ء میں خسرو پرویز نے روم کو ایک تباہ کن اور فیصلہ کن شکست دے دی۔ ایشیائے کوچک کے تمام ممالک رومیوں کے ہاتھ سے نکل گئے اور شاہ روم کو قسطنطنیہ میں پناہ گزین ہونے پر مجبور کر دیا۔ بڑے بڑے پادری مارے اور پکڑے گئے۔ عیسائیوں کی سب سے مقدس صلیب بھی ایرانی فاتحین بیت المقدس سے لے اڑے اور رومیوں کا اقتدار بالکلیہ فنا ہو گیا اور پھر ان کے ابھرنے کے لئے امید کی بظاہر کوئی کرن بھی باقی نہ رہی۔

بدر کی کامیابی اور رومیوں کی فتح سے مسلمانوں کی دوہری خوشی: ... مگر خدا کی قدرت کہ قرآنی پیشگوئی کے مطابق نو سال کے اندر اندر عین بدر کے دن ایک طرف مسلمان مشرکین کے مقابلہ میں نمایاں کامیابی حاصل کر رہے تھے اور خوشیاں منا رہے تھے۔ دوسری طرف اس خوشی نے ان کی مسرت میں اضافہ کر دیا اور آنحضرت ﷺ اور قرآن کی حیرت ناک صداقت کا ظہور ہو گیا۔ بہت سے لوگوں نے یہ دیکھ کر اسلام قبول کر لیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے شرط کے مطابق سو اونٹ وصول کر لئے اور آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق صدقہ کر ڈالے۔ لیکن اسی کے ساتھ اس واقعہ میں ایک اور بشارت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ گو آج رومیوں کو ایرانی فوج پر فتح ہو رہی ہے اور مسلمانوں کو مشرکین پر لیکن وہ وقت دور نہیں کہ ان رومیوں کو پھر شکست سے دوچار ہونا پڑے گا اور مسلمان ان کے مقابلہ میں فاتح بنیں گے۔ ترتیب کیا خوب کہ پہلے مذہباً دور کے دشمنوں سے فراغت حاصل ہوگی۔ پھر نیم ہم مذہب لوگوں سے نبٹا جائے گا۔ چنانچہ دور فاروقی میں مسلمانوں نے رومیوں پر فوج کشی کر کے سارا شام و فلسطین قبضہ میں لے لیا۔ کوئی اس انقلاب کو دیکھے کہ پہلے ایرانی پھر ان پر رومی پھر ان پر مسلمان درجہ بدرجہ غالب آتے چلے گئے۔

مادی کامیابی معیار حق نہیں: ... اور فاتح مفتوح اور مفتوح فاتح بنا دیئے گئے تو اسے للّٰہ الامر کا عین الیقین اور حق الیقین ہو جائے گا۔ مگر محض اتنی سی بات سے کسی قوم کے مقبول یا مردود ہونے کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ یہ کبھی تکوینی مصالح اور حکمت مشیت کے تقاضے سے بھی ہوتا ہے۔ تلک الایام نداولها بین الناس. لیکن حقیقی نصرت و قبولیت کا مدار ایمان اور عمل صالح پر ہے۔ عزیز اور رحیم دونوں شانیں مقام کے نہایت مناسب ہیں۔ یعنی وہ جسے چاہے مغلوب کر دے کوئی روک ٹوک نہیں کر سکتا اور جس کو چاہے از راہ مہربانی غالب کر دے۔ کس کی مجال ہے کہ چوں کرے۔ اکثر لوگ انسان کے غالب مغلوب کرنے کی مصلحتیں نہیں جانتے۔ وہ اپنی سرسری اور ظاہر بین نظر سے یہی سمجھتے ہیں کہ غالب مقبول الٰہی ہوتا ہے اور مغلوب مردود۔ آخرت تو دور کی بات ہے۔ اتنی دور کیوں جایا جائے۔ قریب دنیا ہی میں دیکھ لیجئے کہ ایک قوم شروع میں عروج حاصل کرتی ہے مگر آخر میں ذلت و نکبت کا شکار ہو جاتی ہے۔ پس کیا اس کو مقبول اور مردود کہہ کر تضاد کو جمع کیا جائے گا؟ اس ظاہری اور عارضی غلبہ کا اعتبار نہیں۔ حقیقی اور پائیدار غلبہ پر نظر رہنی چاہئے۔

دنیا ہی سب کچھ دولت نہیں ہے: یعلمون ظاهرا یہ لوگ دنیوی زندگی اور اس کی ظاہری سطح ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ ان کی ساری عقلیں ساری کوششیں بھی اسی مادی کائنات اور اس کے آئین و قوانین تک محدود ہیں۔ یہاں کا کھانا پینا، پہننا اوڑھنا، بونا جوتنا، کوٹنا پیسنا، پیسہ کمانا، مزے اڑانا بس یہی ان کے علم و تحقیق کی انتہائی پرواز ہے۔ اس کی خبر ہی نہیں کہ اس زندگی کی تہہ میں ایک دوسری زندگی کا راز چھپا ہوا ہے۔ اس مادی زندگی سے آگے اپنے ذہن کو لے جاتے ہی نہیں۔ حالانکہ دائمی زندگی وہی ہے جہاں پہنچ کر اس دنیوی زندگی کے بھلے برے نتائج سامنے آئیں گے۔ ضروری نہیں کہ جو یہاں خوشحال رہا وہ وہاں بھی خوش حال رہے۔

دنیا کی بناوٹ ہی دلیل آخرت ہے: اولم یتفکروا میں دعوت فکر دی جا رہی ہے کہ دیکھو اس کائنات کا اتنا زبردست نظام اللہ نے بیکار نہیں پیدا کیا جو اس سے مقصود ہے وہ آخرت میں جا کر نظر آ جائے گا۔ اس کے تغیرات اور حالات میں

غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ اس کی حد اور انتہا ضرور ہے۔ یہ سلسلہ ہمیشہ چلتا رہتا تو ایک بات تھی۔ مگر یہ عالم ایک مقررہ وعدہ پر فنا ہوجائے گا۔ پھر دوسرا عالم نتیجہ کے طور پر قائم کیا جائے گا۔ کائنات کی بناوٹ خود اس کی مقتضی ہے کہ اس کے سلسلہ کی ہر کڑی اختتام کو پہنچے اور انجام کے طور کے لئے ایک دن ہو انسان خود اپنی خلقت میں ہی اگر غور کرتا رہے تو وہ اسے نتیجہ تک پہنچا دینے کے لئے کافی ہے۔ مگر وہ سمجھتا ہے کہ کبھی خدا کے سامنے جانا ہی نہیں جو حساب وکتاب دینا پڑے۔

اولم یسیروا. میں یہ بتلانا ہے کہ دنیا میں بڑی بڑی طاقتور قومیں جنہوں نے اپنے دماغ، عقل، ہاتھ، پاؤں کے زور سے طرح طرح کی ایجادات کر کے دنیا کو چار چاند لگائے۔ مکہ کے باشندوں سے زیادہ تمدن کو ترقی دی۔ لمبی عمریں پائیں۔ مگر آج وہ کہاں ہیں؟ ان کا نام ونشان بھی کہیں ہے؟ انہوں نے اللہ کے پیغمبروں، ان کے کھلے کھلے نشانات اور صاف صاف احکام کا مقابلہ کیا۔ تو کس طرح برباد ہوئے۔ ان کے ویران کھنڈرات آج بھی ملک میں چل پھر کر دیکھ سکتے ہو۔ کیا ان بے فکروں کے لئے ان داستانوں میں کوئی عبرت نہیں؟ یہ لوگ خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہے ہیں اور وہ کام کر رہے ہیں جس کا نتیجہ بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ یہ تو اپنی جان پر خود ہی ظلم کرنا ہوا۔ ورنہ اللہ کے عدل وانصاف کا حال تو یہ ہے کہ رسول بھیجے بغیر اور پوری طرح ہوشیار کئے بغیر کسی کو پکڑتا بھی نہیں۔

ثم کان. یعنی یہ تو دنیاوی نتیجہ تھا۔ اب آخرت میں جو اس جھٹلانے اور ٹھٹھہ کرنے کی سزا بھگتنی ہوگی وہ الگ رہی۔ غرض کہ قوموں کے احوال سے سبق لینا چاہئے۔ سزا کے معاملے میں بھی اور فنا ہونے میں بھی، ایک قوم کو جو سزا ملی سب کو وہی مل سکتی ہے۔ ایک قوم فنا ہوئی تو سب قومیں بھی فنا ہوسکتی ہیں۔

لطائف سلوک: **یعلمون ظاهرا.** میں ان لوگوں کی برائی ہے۔ جو دنیاوی لذات اور مادی حسی چمک دمک تک ہی نظر محدود رکھتے ہیں اور آخرت جو مقصود اصلی ہے اس سے غافل رہتے ہیں ایسے لوگوں کو بقول صاحب روح المعانی محجوبین کہا جاتا ہے۔ ہر یک چیز کا ایک ظاہر ہوتا ہے۔ جس کا ادراک ظاہری حواس کے ذریعہ ہوجاتا ہے اور دوسرا باطن ہوتا ہے۔ جو بذریعہ عقل ادراک کیا جاتا ہے اور ادراک کا ایک طریقہ عقل سے بھی بالا ہوتا ہے۔ یعنی مکمل تہذیب نفس کے ساتھ مبداء فیاض کے فیضان سے انکشاف ہوجائے۔ یہ ایک ایسی صورت حال ہوتی ہے جسے نہ تو استنباط عقلی کہا جاسکتا ہے اور نہ محال عقلی۔ جیسا کہ بعض حضرات کو وہم ہوگیا ہے۔ بلکہ عقل اس کو تسلیم کر لیتی ہے مگر براہ راست عقل اور اک نہیں کرسکتی۔ یعنی اس باطنی ادراک میں ظاہری ادراک واسطہ نہیں ہوتا بلکہ فیضان الٰہی ہوتا ہے اور یہ سب سے اعلیٰ قسم ہے۔ مگر اس ظاہر سے ظاہر شرع مراد نہیں ہے۔ کیونکہ باطنی ادراکات بالاتفاق ظاہر شرع پر موقوف مانے گئے ہیں۔

اولم یسیروا سے بعض مشائخؒ کے اس طریقہ کی راہ نکلتی ہے کہ وہ مصالح دینیہ کے پیش نظر سیر وسیاحت کرتے رہتے ہیں۔ البتہ محض حظ نفس کے لئے سیر وسیاحت کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ اَیْ یُنْشِئُ خَلْقَ النَّاسِ **ثُمَّ يُعِيْدُهٗ** اَیْ خَلْقَهُمْ بَعْدَ مَوْتِهِمْ **ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴿۱۱﴾** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ﴿۱۲﴾** يَسْكُتُ الْمُشْرِكُوْنَ لِانْقِطَاعِ حُجَّتِهِمْ **وَلَمْ يَكُنْ** اَیْ لَا يَكُوْنُ **لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ** مِمَّنْ اَشْرَكُوْهُمْ بِاللّٰهِ وَهُمُ الْاَصْنَامُ لِيَشْفَعُوْا لَهُمْ **شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا** اَیْ يَكُوْنُوْنَ **بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ﴿۱۳﴾** اَیْ مُتَبَرِّئِيْنَ مِنْهُمْ **وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ** تَاكِيْدٌ **يَّتَفَرَّقُوْنَ﴿۱۴﴾** اَیِ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْكَافِرُوْنَ **فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ** جَنَّةٍ **يُّحْبَرُوْنَ﴿۱۵﴾** يُسَرُّوْنَ **وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا** الْقُرْاٰنِ **وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ** الْبَعْثِ وَغَيْرِهٖ **فَاُولٰٓئِكَ فِي**

الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ **فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ** اَیْ سَبِّحُوا اللّٰہَ بِمَعْنٰی صَلُّوْا **حِيْنَ تُمْسُوْنَ** اَیْ تَدْخُلُوْنَ فِی الْمَسَاءِ وَفِیْهِ صَلَاتَانِ الْمَغْرِبُ وَالْعِشَاءُ **وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ** ﴿۱۷﴾ تَدْخُلُوْنَ فِی الصَّبَاحِ وَفِیْهِ صَلٰوۃُ الصُّبْحِ **وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** اعْتِرَاضٌ وَمَعْنَاہُ یَحْمَدُہٗ اَھْلُھُمَا **وَعَشِيًّا** عَطْفٌ عَلٰی حِیْنٍ وَفِیْهِ صَلٰوۃُ الْعَصْرِ **وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ** ﴿۱۸﴾ تَدْخُلُوْنَ فِی الظَّھِیْرَۃِ وَفِیْهِ صَلٰوۃُ الظُّھْرِ **يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ** کَالْاِنْسَانِ مِنَ النُّطْفَةِ وَالطَّائِرِ مِنَ الْبَیْضَةِ **وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ** النُّطْفَةَ وَالْبَیْضَةَ **مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ** بِالنَّبَاتِ **بَعْدَ مَوْتِهَا** اَیْ یُبْسِھَا **وَكَذٰلِكَ** الْاِخْرَاجِ **تُخْرَجُوْنَ** ﴿۱۹﴾ مِنَ الْقُبُوْرِ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَلِلْمَفْعُوْلِ **وَمِنْ اٰيٰتِهٖ** تَعَالٰی الدَّالَّةِ عَلٰی قُدْرَتِهٖ تَعَالٰی **اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ** اَیْ اَصْلَکُمْ اٰدَمَ **ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ** مِنْ دَمٍ وَّلَحْمٍ **تَنْتَشِرُوْنَ** ﴿۲۰﴾ فِی الْاَرْضِ **وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا** فَخُلِقَتْ حَوَّاءُ مِنْ ضِلَعِ اٰدَمَ وَسَائِرُ النِّسَاءِ مِنْ نُطَفِ الرِّجَالِ وَ النِّسَاءِ **لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا** وَتَاْلَفُوْھَا **وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ** جَمِیْعًا **مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ** الْمَذْکُوْرِ **لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ** ﴿۲۱﴾ فِیْ صُنْعِ اللّٰهِ تَعَالٰی **وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ** اَیْ لُغَاتِکُمْ مِنْ عَرَبِیَّةٍ وَّعَجَمِیَّةٍ وَّغَیْرِھِمَا **وَاَلْوَانِكُمْ** مِنْ بَیَاضٍ وَسَوَادٍ وَغَیْرِھِمَا وَاَنْتُمْ اَوْلَادُ رَجُلٍ وَاحِدٍ وَامْرَاَۃٍ وَاحِدَۃٍ **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ** دَلَالَاتٍ عَلٰی قُدْرَتِهٖ تَعَالٰی **لِّلْعٰلِمِيْنَ** ﴿۲۲﴾ بِفَتْحِ اللَّامِ وَ کَسْرِھَا اَیْ ذَوِی الْعُقُوْلِ وَاُولِی الْعِلْمِ **وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ** بِاِرَادَتِهٖ تَعَالٰی رَاحَةً لَّکُمْ **وَابْتِغَآؤُكُمْ** بِالنَّهَارِ **مِّنْ فَضْلِهٖ** اَیْ تَصَرُّفُکُمْ فِیْ طَلَبِ الْمَعِیْشَةِ بِاِرَادَتِهٖ **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ** ﴿۲۳﴾ سَمَاعَ تَدَبُّرٍ وَاعْتِبَارٍ **وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ** اَیْ اِرَاءَتُکُمْ **الْبَرْقَ خَوْفًا** لِلْمُسَافِرِ مِنَ الصَّوَاعِقِ **وَّطَمَعًا** لِلْمُقِیْمِ فِی الْمَطَرِ **وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا** اَیْ یُبْسِھَا بِاَنْ تُنْبِتَ **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ** الْمَذْکُوْرِ **لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ** ﴿۲۴﴾ یَتَدَبَّرُوْنَ **وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ** بِاِرَادَتِهٖ مِنْ غَیْرِ عَمَدٍ **ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْاَرْضِ** بِاَنْ یَنْفُخَ اِسْرَافِیْلُ فِی الصُّوْرِ لِلْبَعْثِ مِنَ الْقُبُوْرِ **اِذَاۤ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ** ﴿۲۵﴾ مِنْھَا اَحْیَاءً فَخُرُوْجُکُمْ مِنْھَا بِدَعْوَۃٍ مِنْ اٰیَاتِهٖ تَعَالٰی **وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** مِلْکًا وَخَلْقًا وَعَبِیْدًا **كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ** ﴿۲۶﴾ مُطِیْعُوْنَ **وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ** لِلنَّاسِ **ثُمَّ يُعِيْدُهٗ** بَعْدَ هَلَاکِھِمْ **وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ** مِنَ الْبَدْءِ بِالنَّظَرِ اِلٰی مَا عِنْدَ الْمُخَاطَبِیْنَ مِنْ اَنَّ اِعَادَۃَ الشَّیْءِ اَسْھَلُ مِنْ اِبْتِدَائِهٖ وَاِلَّا فَھُمَا عِنْدَہٗ تَعَالٰی سَوَاءٌ فِی السُّھُوْلَةِ **وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** اَیِ الصِّفَةُ الْعُلْیَا

وَهِيَ أَنَّهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَهُوَ الْعَزِيزُ فِي مُلْكِهِ الْحَكِيمُ ﴿٢٧﴾ فِي خَلْقِهِ

۳ ع ۸ ۲

ترجمہ:... ... اللہ ہی خلق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے (یعنی لوگوں کی پیدائش کی ابتداء وہی کرتا ہے) پھر وہی اسے دوبارہ بھی پیدا کر دے گا (یعنی لوگوں کے مرنے کے بعد انہیں جلائے گا) پھر اسی کے پاس تم لائے جاؤ گے (یہ تا اور یا کے ساتھ دونوں طرح ہے) اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز مجرم بے آس ہوکر رہ جائیں گے (ان کے پاس دلیل نہ ہونے کی وجہ سے چپ رہ جائیں گی) اور نہیں ہوگا ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں سے (جنہیں ان لوگوں نے خدا کا ساجھی ٹھہرایا تھا یعنی بت تاکہ وہ ان کے سفارشی ہوں) کوئی ان کا سفارشی اور ہو جائیں گے۔ یہ لوگ اپنے شرکاء سے منکر (یعنی ان سے الگ تھلگ) اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز (یہ تاکید ہے) سب لوگ جدا جدا ہو جائیں گے (یعنی مومن اور کافر) چنانچہ جو لوگ ایمان لائے تھے اور انہوں نے اچھے کام کئے تھے وہ تو باغ (جنت) میں مگن (مسرور) ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا تھا اور ہماری (قرآنی) آیات کو اور آخرت کے پیش آنے (بعث وغیرہ) کو جھٹلایا تھا سو ایسے لوگ عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ پس تم اللہ کی تسبیح کیا کرو (اللہ کی تسبیح پڑھتے رہو یعنی نماز پڑھا کرو) شام کے وقت (یعنی جب تم شام کرو۔ اس میں مغرب اور عشاء کی نمازیں آگئیں) اور صبح کے وقت (صبح ہونے پر اس میں نماز فجر آگئی) اور تمام آسمانوں اور زمین میں اس کی حمد ہوتی ہے (یہ جملہ معترضہ ہے یعنی آسمان و زمین میں رہنے والے اسی کی حمد کرتے ہیں اور زوال کے بعد (اس کا عطف لفظ حین پر ہے اس میں نماز عصر آگئی) اور ظہر کے وقت بھی (ظہر میں جب آؤ۔ اس میں نماز ظہر آئی) اور وہ جاندار کو بے جان سے باہر نکالتا ہے (جیسے انسان نطفہ سے اور پرندانڈے سے) اور بے جان (نطفہ اور انڈے) کو جاندار سے باہر لاتا ہے اور زندہ کرتا ہے زمین کو (سبزیوں سے) اس کے مردہ (خشک) ہونے کے بعد، اس (نکالنے) کی طرح تم بھی باہر لائے جاؤ گے (قبروں سے۔ تخرجون معروف اور مجہول دونوں طرح ہے) اور اسی کی نشانیوں میں سے (جو اللہ کی قدرت پر رہنمائی کرنے والی ہیں) یہ ہے کہ تمہیں مٹی سے پیدا کیا (یعنی تمہارے باپ آدم کو) پھر تھوڑے ہی روز بعد تم (خون گوشت سے) آدمی بن کر (زمین میں) پھیل گئے اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی ہم جنس بیویاں بنائیں (چنانچہ حوا کو آدم کی پسلی سے اور باقی عورتوں کو مردوں اور عورتوں کے نطفوں سے پیدا کیا تاکہ تم کو ان کے پاس سکون حاصل ہو (ان سے الفت ہو) اور تم میاں بیوی میں (باہمی) محبت اور ہمدردی پیدا کی۔ اس (بیان کردہ بات) میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو (اللہ کی صنعت میں) فکر سے کام لیتے رہتے ہیں اور اسی کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا بنانا ہے اور الگ الگ ہونا ہے تمہاری زبانوں کا (عربی، عجمی وغیرہ زبانیں) اور رنگتوں کا (سفید، سیاہ وغیرہ حالانکہ تم سب ایک جوڑہ کی پیداوار ہو) اس میں نشانیاں (اللہ کی قدرت کی دلیلیں) ہیں دانشوروں کے لئے (یہ لفظ لام کے فتح اور کسرہ کے ساتھ ہے یعنی عقلمند اور اہل علم کے لئے) اور اسی کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا لیٹنا ہے رات اور دن میں (اللہ کے ارادہ سے تمہیں آرام پہنچانے کے لئے) اور (دن میں) تمہارا اللہ کی روزی کو تلاش کرنا ہے (اللہ کے حکم سے طلب معاش کے لئے تمہارے وسائل اختیار کرنا ہے) اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ جو سنتے ہیں (غور اور عبرت کا سننا) اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو دکھلاتا ہے بجلی جس سے (مسافروں کو کڑک سے) ڈر بھی معلوم ہوتا ہے اور (مقیم لوگوں کو بارش کی) امید بھی نظر آتی ہے اور وہی آسمان سے پانی برساتا ہے اور اس سے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے (یعنی سوکھ جانے کے بعد اس میں پیداوار کرتا ہے) اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں (تدبیر کرتے ہیں) اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں (بلا ستون محض اس کے ارادہ پر) پھر جب وہ تمہیں پکار کر زمین سے بلائے گا (اس طرح کہ اسرافیل قبروں سے اٹھنے کے لئے صور پھونکیں گے) تو تم یکبارگی نکل پڑو گے (زمین سے زندہ ہوکر۔ سو اللہ کے حکم سے تمہارا زمین سے نکل پڑنا اللہ کی نشانیوں میں سے ہے) اور اسی کے ملک ہیں جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں (مملوک اور مخلوق اور بندے ہیں) سب اسی کے تابع (مطیع) ہیں اور وہ وہی ہے جو اول بار مخلوق (لوگوں) کو پیدا

کرتا ہے پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا (مرنے کے بعد) اور یہ تو اس کے لئے بہت آسان ہے (بہ نسبت ابتدائی پیدائش کے۔ مخاطبین کے اس نقطہ نظر کی رو سے کہ کسی چیز کا دہرانا بہ نسبت پہلی دفعہ کے سہل ہوا کرتا ہے ورنہ خدا کے لئے تو ابتداء اور اعادہ دونوں سہولت میں یکساں ہیں) اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی شان اعلیٰ ہے (بلند صفت ہے۔ یعنی یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور وہ (اپنی سلطنت میں) زبردست اور (پیدا کرنے میں) حکمت والا ہے۔

تحقیق وترکیب:

یبدء الخلق. مضارع قیامت تک فعل خلق کے تجدد کے لئے لایا گیا ہے۔

یبلس چنانچہ بولتے ہیں ناظرتہ فابلس. یعنی میں نے اس سے مناظرہ کیا۔ تو ناامید اور لاجواب ہوگیا۔

لمن یکن. مفسر علامؒ نے اشارہ کیا ہے کہ یہ معنا ماضی ہے۔ مگر مراد مضارع ہے اور ماضی سے تعبیر کرنا تحقق وقوع کے لئے ہے اور یہی نکتہ بعد کے جملہ یکونون کی بجائے کانوا سے تعبیر کرتے ہیں اور چونکہ ماضی منفی بلم کو مضارع کے معنی میں لیا ہے اسی لئے مضارع پر بجائے لم کے لا کے ساتھ نفی کی گئی ہے۔

یوم تقوم. لفظ یوم دوبارہ تعدیل کے لئے اور سہ بارہ تاکید لفظی کے لئے لایا گیا ہے یا بدل ہے تعدیل کے لئے ہے اور یومئذ پر تنوین جملہ کے عوض میں لائی گئی۔ ای یوم اذ تقوم الساعۃ.

روضۃ یحبرون روضہ باغ کو کہتے ہیں۔ جس میں سرسبزی وشادابی ہوتی ہے اور یحبرون بمعنی یکرمون و ینعمون بما تشبہ الانفس والاعین قاموس میں ہے۔ والحبرۃ بالفتح السرور جیسے حبور والحبرۃ والحبرۃ محرکۃ واحبرہ روایت میں آتا ہے کہ اہل جنت کو جب سماع کا شوق ہوگا تو ایک ہوا چلے گی۔ اس سے درختوں کی شاخیں لڑیں گی اور چاندی کی گھنٹیوں سے زمزمہ سنجی ہوگی۔

فسبحان اللہ یبدء الخلق میں مخلوق چونکہ عام ہے۔ خواہ جنتی خواہ جہنمی۔ اس لئے اس میں اشارہ ہے کہ تسبیح وتحمید ایک کے لئے جنت میں پہنچنے کا اور دوسرے کے لئے جہنم سے نجات کا وسیلہ ہوگی اور ان پانچ اوقات میں چونکہ نعماء الٰہیہ کا خاص طور سے بندوں پر ورود ہوتا ہے۔ اس لئے ان میں پنجگانہ نمازیں مشروع ہوئیں۔ مفسر علامؒ نے فسبحوا سے اشارہ کیا ہے سبحان کے مفعول مطلق اور اس کے عامل ناصب کے واجب الحذف ہونے کی طرف اور بمعنی صلوا سے اشارہ کیا ہے جملہ خبریہ کے معنی انشاء ہونے کی طرف۔ حاکم نے تخریج کی ہے کہ نافع بن ازرق نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا کہ پنجگانہ نمازوں کا ذکر قرآن میں ہے؟ انہوں نے استشہاد میں یہی آیت تلاوت فرمائی۔

ولہ الحمد جملہ معترضہ ہے اور فی السموات حال ہے حمد سے۔

عشیا مفسر علامؒ تو اس کا عطف حین پر کر رہے ہیں اور بعض کے نزدیک اس کا عطف فی السموات پر ہے تو اس صورت میں حمد کا عطف ماقبل پر ہوگا۔ البتہ اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ عشیاً ظرف زمان ہے اور فی السموات ظرف مکان اور ان میں سے ایک کا دوسرے پر عطف نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے بہتر یہ ہوگا کہ اس کا عطف مقدر پر کیا جائے ای لہ الحمد فیہا دائماً وعشیاً رہی یہ بات کہ عشاء کا ظہر سے پہلے کیوں ذکر کیا گیا جب کہ اوراوقات کی ترتیب واقعی ہے تو کہا جائے گا کہ یا تو رعایت فاصلہ کی وجہ سے ایسا کیا اور یا پھر کہا جائے کہ چونکہ عصر، ظہر کی نسبت ایسا ہے جیسے مساء بہ نسبت صبح۔ پس جیسے ترتیب وجودی کے لحاظ سے مساء کو صبح پر مقدم کیا گیا ایسے ہی اس نکتہ نسبت کی وجہ سے عشاء کو ظہر پر مقدم کیا گیا ہے۔ البتہ لفظ عشیاً میں اسلوب کی تبدیلی اس لئے ہے کہ اس سے کوئی فعل نہیں آتا جس سے دخول فی العشی کے معنی سمجھ میں آجائیں برخلاف مساء، صباح، ظہیرہ کے۔

وفیہ صلوۃ الظہر. ضمیر فیہ کا مرجع ظہیرہ بمعنی حین ہے۔

ثم اذا انتم بشر. لفظ ثم کی مہلت اور ترتیب سے تخلیق کے مراحل اور ادوار کی طرف اشارہ ہے۔

تنتشرون. حال ہے اذا مفاجاتیہ سے اکثر یہ فاتعقیبیہ کے بعد آیا کرتا ہے۔ لیکن یہاں ثم کے بعد ا نہی تخلیقی ادوار کی طرف

اشارہ کرنے کے لئے لایا گیا ہے یعنی مرحلہ وار اس ترتیب سے گزرتے ہی ایک دم بشریت اور آثار زندگی مرتب ہو جاتے ہیں۔ گویا تراخی رتبی اور مفاجاۃ حقیقی ہے یا دونوں حقیقی ہوں مگر انتقال دفعی ہو زمانہ دراز کے بعد۔

من ضلع ادم. من تبعیضیہ ہے اور انفس حقیقی معنی میں ہے اور من ابتدائیہ ہو تو پھر انفس مجاز ہوگا بمعنی جنس جیسے **لقد جاء کم رسول من انفسکم.**

تسکنوا. یہ انفسکم کے ساتھ مقید کرنے کی رعایت ہے کیونکہ مجانست ہی اصل موانست ہے۔

بینکم. اس میں تغلیب ہے۔

مودة. بقول ابن عباسؓ اس میں جماع اور اولاد کی محبت بھی داخل ہے۔ یا میاں بیوی کا آپس کا میل ملاپ مراد ہے۔

یتفکرون. یعنی حظ نفس مقصود نہ ہونا چاہئے۔ بلکہ ان دلائل ربوبیت اور نشانات قدرت میں تامل کرنا چاہئے جس سے معرفت حق حاصل ہو۔ اسی لئے بعض عرفاء کا مقولہ ہے۔ **لذت الجماع ربما کافت من ابواب الوصول الی اللہ.**

اختلاف زبان اور رنگت کا اختلاف اگرچہ آیات نفسیہ حقیقیہ میں سے ہے جن کا ذکر پہلے آچکا ہے آیات آفاقیہ میں سے نہیں ہے جن کا ذکر یہاں ہو رہا ہے۔ لیکن پہلی مسلک کی بجائے دوسری مسلک میں لانے میں اشارہ کرتا ہے۔ ان آیات کے مستقل ہونے کی طرف اور یہ وہم نہ ہو کہ یہ متممات تخلیق میں سے ہے۔

للعالمین. مفسر علامؒ نے عالم بکسر لام کے معنی **ذوی العقول و اولی العلم** سے کئے ہیں۔

منامکم اس تقدیم میں تاخیر ہوگئی۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ **منامکم باللیل و ابتغائکم من فضلہ بالنھار** ہے۔ **النھار** سے جار حذف کر دیا **اللیل** پر داخل ہونے کی وجہ سے اور حرف عطف کو قائم مقام جار کے کر لیا گیا ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ یہ تکلف اختیار نہ کیا جائے۔ بلکہ عبارت بدستور رہنے دی جائے۔ کیونکہ رات کے سونے کی طرح دن میں بھی قیلولہ ہوتا ہے جو عرب کو بہت مرغوب ہے۔

یریکم. مفسر علامؒ نے اشارہ کیا ہے کہ فعل معنی حدثی مصدری میں استعمال ہو رہا ہے۔ جیسے **تسمع بالمعیدی خیر من ان تراہ** میں ہے۔

خوفا و طمعا اس کے منصوب ہونے کی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ فعل مذکور کے لازم فعل کا مفعول لہ مانا جائے یعنی **رؤیتھم جوار تکم** کا لازم ہے **ای تجعلکم رائین للخوف والطمع.** دوسری صورت یہ ہے کہ فعل مذکور اراءۃ کی وجہ سے بتقدیر مضاف نصب ہو **ای ارءۃ خوف وطمع.** تیسری صورت یہ ہے کہ اراءۃ کو اخافت اور اطماع کی تاویل میں کر کے اس کا مفعول مطلق بنایا جائے۔ **ای یخافون خوفا ویطمعون طمعا.**

اذا انتم. یہ اذا مفاجاتیہ ہے جو فا جزائیہ کے قائم مقام ہے۔

قانتون. تکوینی اطاعت مراد ہے کہ اللہ زندہ کرے تو زندہ، بیمار کرے تو بیمار، بھوکا رکھے تو بھوکا رہے۔ یا اطاعت سے شرعی فرمانبرداری مراد ہے۔

وھو الذی یبدء. مفسر علامؒ نے اس کو مصدر قرار دیا ہے۔ **للناس** کو متعلق کر کے اس صورت میں **ثم یعیدہ** کی ضمیر اسی کی طرف صنعت استخدام کے طور پر راجع ہوگی اور "**ھو اھون**" کی ضمیر اعادہ کی طرف راجع ہے جو **یعیدہ** سے مفہوم ہو رہا ہے اور ضمیر کا مذکور ہونا بمعنی رد ہونے کی وجہ سے ہے یا خبر کی رعایت سے ہے۔

اھون علیہ. اگر اھون کو اسم تفضیل مانا جائے تب تو مفسر علامؒ کی تقریر رفع اشکال کے لئے کافی ہے دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو تفضیل نہ مانا جائے۔ بلکہ یہ صفت بمعنی **حین** ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ **علیہ** کی ضمیر اللہ کی طرف راجع نہ کی جائے بلکہ خلق کی طرف راجع ہو۔ گویا پہلی توجیہ کے قریب قریب یہ تیسری توجیہ رہے گی اور ابتداء بہ نسبت اعادہ اس لئے مشکل ہے کہ ابتداء میں تدریجی مراحل طے کرنے پڑتے ہیں برخلاف ارادہ کے اس میں تدریجی کی بجائے دفعی اثر ہوتا ہے۔

لہ المثل الاعلی. بقول زجاجؒ اس کا تعلق اھون علیہ کے ساتھ ہے اور بعض نے اگلے جملہ ضرب حکم کے ساتھ کہا ہے تیسری صورت یہ ہے کہ مثل بمعنی وصف اور فی السموات دونوں لفظ اعلی سے متعلق ہوں یعنی اللہ ان دونوں جہتوں میں اعلی ہے۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ محذوف کے متعلق کرتے ہوئے لفظ اعلیٰ سے یا مثل یا ضمیر اعلی سے حال کہا جائے۔ مثل الاعلیٰ کی تفسیر قتادہؒ نے کلمہ توحید اور صفت وحدانیت ہے اور بقول ابن عباسؓ اس سے لیس کمثلہ شئی مراد ہے۔ مثل شریک فی الوصف کو کہتے ہیں اور مثل شریک فی النوع کو کہتے ہیں۔

ربط: غلبہ روم کی پیشگوئی جو دلیل نبوت تھی اس کے بعد لا یعلمون فرمایا تھا۔ جس سے کفار کا جہل نبوت معلوم ہوا۔ اس کے بعد آیت یعلمون ظاھرا سے جہل آخرت کا بیان ہوا مع زجر جو جہل نبوت کی فرع ہے۔ اس کے بعد آیت اللہ یبدء سے آخرت کا واقع ہونا اور انکار و تکذیب اور ایمان و تصدیق کے مآل کا ذکر ہے۔ ایمان و عمل صالح کی فضیلت یعنی جنت کے ذیل میں تسبیح و تحمید کا ذکر آیت فسبحان اللہ میں ہے۔ جس میں سب سے بڑی عبادت نماز کا تذکرہ ہے اور اس کے خواص کا بیان ہے اور کفار چونکہ قیامت کے امکان ہی کو نہیں مانتے تھے۔ اس لئے آیت یخرج الحی سے قیامت کا امکان و صحت کا ثبوت دلائل قدرت سے دیا جا رہا ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ قیامت فی نفسہ ممکن ہے۔ کیونکہ اس کے ناممکن ہونے کی کوئی دلیل آج تک بھی کوئی نہیں لا سکا اور نہ عقلاً کوئی دلیل ہے۔ رہا قیامت کا مستبعد ہونا۔ سو قدرت کے اور بہت سے کام ایسے ہیں جن سے زیادہ قیامت مستبعد نہیں ہے۔ پس وجود قبول کرنے میں قیامت اور دوسری سب چیزیں برابر ہیں۔ ادھر اللہ کی قدرت بھی ذاتی ہے۔ جس کا تعلق تمام مقدورات سے برابر ہے کوئی امتیاز نہیں ہے۔ پس جب قیامت عقلاً ممکن ہے اور مستبعد بھی نہیں ہے اور سچے مخبر نے اس کا واقع ہونا بیان کر دیا تو اس کا ماننا ضروری ٹھہرا۔

﴿ تشریح ﴾: .... اللہ یبدء میں یہ بتلانا ہے کہ خلق کی ایجاد اور آخرت کے حساب کتاب کے لئے دوبارہ زندہ کر کے بارگاہ خداوندی میں پیشی۔ ان سب کا تعلق صرف اللہ کی ذات سے ہے۔

بشرکاء ھم کافرین. یعنی جنہیں دنیا میں شرکاء سمجھتے رہے جب وقت پڑنے پر وہ کام نہ آئیں گے تو شرک کرنے والے بول اٹھیں گے بخدا ہم مشرک نہ تھے۔

اچھے بُرے لوگوں کا امتیاز: ...... یتفرقون. اچھے برے لوگ چھانٹ دیئے جائیں گے اور دونوں کا ٹھکانہ بھی الگ الگ کر دیا جائے گا۔ نیک لوگ ہر طرح کے انعام و اکرام، راحت و آرام سے ہمکنار ہوں گے اور برے لوگ مصائب اور شدائد سے دوچار رہیں گے۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ اہل جنت کے بیان میں محبرون کی بجائے یحبرون فرمایا۔ جس میں نعمتوں کے تجدد کی طرف اشارہ ہے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر ہے۔ جس میں دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ کوئی عمل بغیر ایمان معتبر نہیں ہے۔ دوسرے ایمان کے ساتھ اعمال ہوں تو مراتب عالیہ کا مستحق ہوگا۔ گویا نفس ایمان پر استحقاق جنت ہے ایمان بھی دائمی ہے اور جنت بھی دائمی۔ لیکن نیک اعمال باعث مراتب اور سونے پر سہاگہ برخلاف کفر کے وہ دوامی ہونے کی وجہ سے دوام جہنم کا استحقاق رکھتا ہے۔ تاہم اس میں بدعملی شرط نہیں ہے۔ کفر پر بھی ابدی عذاب کا استحقاق ہے بداعمالیاں "کریلے نیم چڑھے" کا مصداق ہیں۔ اب رہ جاتی ہے ایک تیسری قسم کہ ایمان کے ساتھ بداعمالیاں ہوں۔ اس کا ذکر ان آیات میں نہیں ہے۔ مگر علماء اہل سنت نصوص کی بنیاد پر فرماتے ہیں کہ اولاً بداعمالیوں کی اسے سزا ہوگی اور پھر اصل ایمان کی وجہ سے نجات ہو جائے گی دوام عذاب اس کے لئے نہیں ہے۔

پنجگانہ نماز ہر قسم کے اذکار کی جامع ہے: .... فسبحٰن اللّٰہ. یعنی اللہ کی یاد دل، زبان، جوارح سب سے کرو۔ نماز میں چونکہ یہ تینوں یادیں جمع کردی گئی ہیں۔ اس لئے اس کی ادائیگی ہر قسم کے اذکار کی ادائیگی سمجھی جائے گی۔ نماز کے پنجگانہ اوقات آیت میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ ان اوقات میں حق تعالیٰ کی رحمت، قدرت، عظمت کے آثار بہت زیادہ نمایاں ہیں۔ سورج جیسا عظیم کرہ جس سے سارا عالم بلاواسطہ اور بالواسطہ مستنیر و مستفید ہوتا رہتا ہے اور جس کی عظیم تاثیرات سے مبہوت ہوکر بڑی بڑی قومیں اس کو سب سے بڑا دیوتا ماننے لگیں اور اس کے نام کے بڑے بڑے مندر بناڈالے۔ ان پانچ اوقات میں چونکہ اس کی کھلی عاجزی اور بے چارگی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اس لئے موحدین کو حکم ہوا کہ ان پانچ اوقات میں خدائے اکبر کی عبادت کریں۔

۱۔ صبح کو جب تک سورج طلوع نہ ہو۔

۲۔ اور دوپہر ڈھلنے پر جب اس کے عروج کا زوال ہونے لگے۔

۳۔ اور پھر جب اس کی چمک دمک اور تیزی ماند پڑ جائے۔

۴۔ اور غروب کے بعد ہی جب اس کے بیچاری اس کی نورانی شعاعوں سے محروم ہوجائیں۔

۵۔ اور پھر اس کے بعد جب شفق اور سورج کے آثار تک غائب ہوجائیں۔ بندگان خدا اپنی نیازمندیوں کا اظہار کریں۔

آیت لہ الحمد میں یہ بتلانا ہے کہ جس ذات کی خوبی ساری کائنات زبان حال وقال سے بیان کررہی ہے۔ وہی تسبیح وتنزیہہ کے لائق ہے کوئی مجبور و عاجز مخلوق خواہ وہ کتنی ہی بڑی دکھائی دیتی ہو یہ استحقاق نہیں رکھتی۔

آیت یخرج الحی الخ میں اللہ کی شیون عظیمہ اور صنعات کاملہ کا بیان ہے اور اس ذیل میں مسئلہ بعث پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

زندگی اور موت کا چکر: .... آیت و من ایاتہ میں یہ ظاہر کرنا ہے کہ زندگی اور موت حقیقی ہو یا مجازی حسی ہو یا معنوی سب کی باگ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ انسان سے نطفہ کو اور نطفہ سے انسان کو، جانور سے انڈا، انڈے سے جانور، مومن سے کافر، کافر سے مومن وہی پیدا کرکے اپنی قدرت کا اظہار کرتا ہے مٹی سے آدم کا پتلا بنایا اور اس ایک جان سے عالم میں کیا کچھ باغ و بہار آئی۔ اس طرح کہ اولاً اس سے اس کا جوڑا نکالا تاکہ تنہائی کی وحشت دور ہوکر باہمی الفت اور خاص قسم کا پیار پیدا ہو۔ جس سے انسانی نسل پھیلے۔ چنانچہ وہ پھیلی اور خوب ہی پھیلی۔ اولاد مختلف جگہ چلی گئی۔

بھانت بھانت کی بولیاں: .... سب کی بولیاں الگ الگ ہوئیں۔ حتی کہ ایک ملک کی زبان دوسرے ملک کے لئے تو اجنبی ہوئی ہی لب ولہجہ کا اختلاف اتنا بڑھا کہ اب کوئی دو آدمی ایسے نہیں ملیں گے۔ جن کا تلفظ، طرز گفتگو، لب ولہجہ بالکل یکساں ہو۔ اسی طرح رنگتوں کا اختلاف اتنا بڑھا کہ کوئی دو آدمی ایسے نہیں ہیں جو ہم رنگ وہم روپ ہوں۔ دونوں کی شکل وصورت بالکل ایک ہو۔ ابتدائے عالم سے آج تک برابر نئی صورتیں اور بولنے کے نئے نئے طور طریق نکلے چلے آرہے ہیں۔ اس خزانہ میں کبھی ٹوٹا نہیں آیا۔ پھر جانوروں کی بولیاں اسی طرح الگ الگ جنسی، نوعی، صنفی اختلافات تو خیر ظاہر و باطن ہی ہیں۔ ممکن ہے یہاں بھی فردی اختلافات زبان اور رنگت کے انسان ہی کی طرح ہوں۔

غرض یہ کہ آیت گویا اسلام کے مجلسی اور خانگی نظام زندگی میں سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں تین باتیں بطور اصل کے بیان ہوئی ہیں۔

۱۔ من انفسکم. تمہاری بیویاں تمہاری ہی ہم جنس مخلوق ہیں۔ تمہاری ہی جیسی خواہشات، جذبات واحساسات رکھتی ہیں۔ بے جان

مخلوق نہیں ہیں۔

۲۔ **تسکنوا الیھا** ان کی غایت آفرینش یہی ہے کہ وہ تمہارے لئے سرمایہ راحت وتسکین اور باعث سکون خاطر ہوں۔ تمہارا دل ان سے لگے جی بہلے۔

۳۔ **بینکم مودۃ ورحمۃ** میاں بیوی کے تعلقات کی بنیاد باہمی الفت واخلاق اور ہمدردی پر ہونی چاہئے۔ اسلام میں عورت کی حیثیت کنیز کی نہیں۔ جیسا کہ بعض مذاہب میں ہے۔ بلکہ رفیقہ حیات، جیون ساتھی، انیس وصاحب کی ہے۔ ماہرین اجتماعیات انہی اصول اور کلیات سے چاہیں تو ایک پورا فلسفہ تیار کر سکتے ہیں۔

عائلی زندگی کا نظام: ومن ایاتہ منامکم انسان کی دو حالتیں ہیں جو بدلتی رہتی ہیں۔ سویا تو بے خبر کی طرح اور روزی کی تلاش میں لگا تو ایسا کہ اس سے زیادہ ہوشیار کوئی نہیں۔ اصل رات ہے سونے کو اور دن تلاش روزی کے لئے ہے۔ پھر دونوں کام دونوں وقت ہوتے رہتے ہیں۔

یسمعون میں نکتہ یہ ہے کہ اپنے سونے کا حال نظر نہیں آیا۔ مگر لوگوں کی زبانی سنتے رہتے ہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ نصیحتیں محض سنتے ہی نہیں بلکہ سن کر محفوظ بھی رکھتے ہیں۔

طوفانِ بادوباراں: یریکم البرق بجلی کی چمک دیکھ کر لوگ ڈر جاتے ہیں کہ کہیں کسی پر گر نہ پڑے۔ یا بارش زیادہ نہ ہو جائے جس سے آبادیاں برباد ہو جائیں۔ اور بارش سے امیدیں بھی باندھتے ہیں۔ کاشت کاروں کے چہرے کھل جاتے ہیں۔ غلہ، پھل، پھلاری کی ریل پیل ہوتی ہے۔ مسافر بھی کبھی اندھیرے میں اس کی چمک کو غنیمت سمجھتا ہے اور کبھی خوف کے مارے کانپ جاتا ہے۔ غرض کہ موسم اور مناسب وقت اور مناسب مقدار میں بارشیں جہاں زمین سے سونا اگلتی ہیں اور ماحول کو جنت بداماں کر دیتی ہیں۔ وہیں طوفانی بارشیں کھیتوں، باغات کی تباہی، آبادیوں کی بربادی کا پیش خیمہ بھی ہوتی ہیں۔ زمانہ حال کی ساری برقی ترقیات اور برقی آلات کی مدد سے جہاں انسان طرح طرح کی امیدیں قائم کر سکتا ہے۔ وہیں ان سے ہلاکت آفرینی کا خطرہ بھی لگا رہتا ہے۔ غرض کہ **خوفاً وطمعاً** کا پورا پورا مظاہرہ اول سے آخر تک ہے۔ ماہرین بارش کے لئے اس میں اشارات ہیں۔

ھی الارض۔ چونکہ بعث کا ذکر ہے اور زمین کی سالانہ پیداوار اور اس کا ایک خاص نمونہ ہے۔ اس لئے یہ جملہ دوبارہ لایا گیا ہے۔

یعقلون۔ یعنی دانشمند سمجھ لیں کہ مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا اللہ کو کیا مشکل ہے۔ الفاظ **یتفکرون، للعالمین، یسمعون، یعقلون** میں فواصل کا اختلاف تفنن عبارت کے لئے ہے جو وجوہ بلاغت میں سے ہے۔

ان تقوم السماء۔ یعنی کائنات کی پیدائش کے لئے نظام عالم کا قیام بھی اللہ ہی کے حکم سے وابستہ ہے۔ مجال نہیں کہ کوئی اپنے مرکز ثقل سے ہٹ جائے، یا ایک دوسرے پر گر کر یا سبقت لے جا کر نظام کائنات کو درہم برہم کر دے۔

سلسلہ اسباب کی تان کہاں ٹوٹتی ہے: پھر جب دنیا کی میعاد پوری ہو جائے گی۔ اللہ کی ایک پکار پر تم سب قبروں سے میدان حشر کی طرف نکلے چلے آؤ گے۔ مادی علوم، اسباب کا جال جتنا بھی پھیلاتے جائیں آخر کہیں تو ان کا سلسلہ ختم ہوگا اور اسی آخری سبب کا نام امر الٰہی ہے۔ پھر خود ہر قریبی اور ظاہری سبب بھی بغیر حکم الٰہی کے سرتا سر غیر مؤثر ہے۔ کائنات میں کسی کی مجال نہیں کہ ایک ذرہ بھی بلا مشیت حرکت کر سکے۔

تخرجون۔ یہ تکرار تاکید کے لئے ہے۔

یبدء الخلق میں قدرت الٰہی کے سامنے تو ابتداء اور اعادہ سب برابر ہیں۔ لیکن تمہارے محسوسات کے لحاظ سے ایجاد سے زیادہ آسان کسی چیز کا دہرانا اور دوبارہ بنانا ہے۔ پھر یہ کیا تماشہ ہے کہ اول پیدائش پر اسے قادر مانتے ہو اور دوسری بار پیدا کرنے کو ناممکن یا مستبعد سمجھو حالانکہ اس کی شان نرالی اور اس کی اعلیٰ سے اعلیٰ صفات ہیں آسمان وزمین میں کوئی چیز حسن وخوبی میں اس سے لگا نہیں کھا سکتی۔

اللّٰہ کا علوا ضافی نہیں بلکہ مطلق ہے۔ وہ اعلیٰ اس وقت سے ہے۔ جب کہ علو کے مقابل دُنوّ کا وجود بھی نہیں تھا۔ اسی لئے اللہ کو دنی صفات سے ذکر کرنا جائز نہیں ہے۔ جیسے عالم، عاقل، شجاع کہنا اور اللہ یبدی الخلق جو پہلے آیا ہے وہ بطور دعویٰ کے ہے اور یہاں جو آیا ہے وہ مطلوب پر تفریع کے لئے ہے۔

لطائف سلوک: ...... فسبحن اللّٰہ مومن اور کافر کے ذکر کے بعد فسبحٰن اللہ کا ترتب بتلا رہا ہے۔ کہ اللہ جس طرح صفات جمالیہ کی وجہ سے مستحق ثناء ہے۔ اسی طرح صفت جلالیہ کی وجہ سے بھی وہ ثناء کا مستحق ہے۔

ومن ایاته ان خلق لکم سے معلوم ہوا کہ بیویوں کی طرف میلان حق تعالیٰ کے احسانات میں سے ہے۔ لہٰذا منافی کمال نہیں۔ جیسا کہ زاہدان خشک سمجھتے ہیں۔ بلکہ عارفین اس میں شیون قدرت کا مشاہدہ کر کے عرفان حاصل کرتے ہیں من آیاته منامکم سے معلوم ہوا کہ سونا اور اسی طرح دوسرے معاشی اسباب ووسائل اختیار کرنا منافی کمال نہیں ہے۔ البتہ ان میں انہماک بلاشبہ ممنوع ہے۔

خوفا و طمعا سے معلوم ہوا کہ طبعی خوف وطمع کمال کے منافی نہیں ہے۔

له المثل الا علی مثل بمعنی مثال ہے۔ اس آیت میں مطلقاً اثبات ہے اور دوسری آیت مثل نوره کمشکوة الخ میں ایراد جز یا ہے۔ لیکن آیت لیس کمثله شیء میں مثل کی نفی کی گئی ہے۔ پس وضاحت کے لئے حق تعالیٰ کو کوئی مثال پیش کرنا بشرطیکہ خلاف شان نہ ہو جائز ہے اور مثل کا استعمال جائز نہیں ہے۔

ضَرَبَ جَعَلَ **لَكُم** اَيُّهَا الْمُشْرِكُوْنَ **مَّثَلًا** كَائِنًا **مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۚ** وَهُوَ **هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ** اَیْ مِنْ مَمَالِيْكِكُمْ **مِنْ شُرَكَآءَ** لَكُمْ **فِیْ مَارَزَقْنٰكُمْ** مِنَ الْاَمْوَالِ وَغَيْرِهَا **فَاَنْتُمْ** وَهُمْ **فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ط** اَیْ اَمْثَالَكُمْ مِنَ الْاَحْرَارِ وَالْاِسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى النَّفْيِ الْمَعْنٰى لَيْسَ مَمَالِيْكُكُمْ شُرَكَاءَ لَكُمْ اِلٰى اٰخِرِهٖ عِنْدَكُمْ فَكَيْفَ تَجْعَلُوْنَ بَعْضَ مَمَالِيْكِ اللّٰهِ شُرَكَاءَ لَهٗ **كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ** نُبَيِّنُهَا مِثْلَ ذٰلِكَ التَّفْصِيْلِ **لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾** يَتَدَبَّرُوْنَ **بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا** بِالْاِشْرَاكِ **اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ج فَمَنْ يَّهْدِیْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ط** اَیْ لَا هَادِیَ لَهٗ **وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾** مَانِعِيْنَ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ **فَاَقِمْ** يَا مُحَمَّدُ **وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ط** مَائِلًا اِلَيْهِ اَیْ اَخْلِصْ دِيْنَكَ لِلّٰهِ اَنْتَ وَمَنْ تَبِعَكَ **فِطْرَتَ اللّٰهِ** خِلْقَتَهُ **الَّتِیْ فَطَرَ** خَلَقَ **النَّاسَ عَلَيْهَا ط** وَهِیَ دِيْنُهٗ اَیْ اَلْزِمُوْهَا **لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ط** لِدِيْنِهٖ اَیْ لَا تُبَدِّلُوْهُ بِاَنْ تُشْرِكُوْا **ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ق** اَلْمُسْتَقِيْمُ تَوْحِيْدُ اللّٰهِ **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ** اَیْ كُفَّارُ مَكَّةَ **لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ قلے** تَوْحِيْدَ اللّٰهِ **مُنِيْبِيْنَ** رَاجِعِيْنَ **اِلَيْهِ** تَعَالٰى فِيْمَا اَمَرَ بِهٖ

وَنَهٰى عَنْهُ حَالٌ مِنْ فَاعِلِ اَقِمْ وَمَا اُرِيْدَ بِهٖ اَىْ اَقِيْمُوْا **وَاتَّقُوْهُ** خَافُوْهُ **وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَاتَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴿۳۱﴾ مِنَ الَّذِيْنَ** بَدَلٌ بِاِعَادَةِ الْجَارِ **فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ** بِاخْتِلَافِهِمْ فِيْمَا يَعْبُدُوْنَهٗ **وَكَانُوْا شِيَعًا** فِرَقًا فِىْ ذٰلِكَ **كُلُّ حِزْبٍ** مِنْهُمْ **بِمَا لَدَيْهِمْ** عِنْدَهُمْ **فَرِحُوْنَ﴿۳۲﴾** مَسْرُوْرُوْنَ وَفِىْ قِرَاءَةٍ فَارَقُوْا اَىْ تَرَكُوْا دِيْنَهُمُ الَّذِىْ اُمِرُوْا بِهٖ **وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ** اَىْ كُفَّارَ مَكَّةَ **ضُرٌّ** شِدَّةٌ **دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ** رَاجِعِيْنَ **اِلَيْهِ** دُوْنَ غَيْرِهٖ **ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً** بِالْمَطَرِ **اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ﴿۳۳﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ** اُرِيْدَ بِهِ التَّهْدِيْدُ **فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴿۳۴﴾** عَاقِبَةَ تَمَتُّعِكُمْ فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ **اَمْ** بِمَعْنٰى هَمْزَةِ الْاِنْكَارِ **اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا** حُجَّةً وَكِتَابًا **فَهُوَ يَتَكَلَّمُ** تَكَلُّمَ دَلَالَةٍ **بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ﴿۳۵﴾** اَىْ يَاْمُرُهُمْ بِالْاِشْرَاكِ لَا **وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ** كُفَّارَ مَكَّةَ وَغَيْرَهُمْ **رَحْمَةً** نِعْمَةً **فَرِحُوْا بِهَا** فَرَحَ بَطَرٍ **وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ** شِدَّةٌ **بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ﴿۳۶﴾** يَيْئَسُوْنَ مِنَ الرَّحْمَةِ وَمِنْ شَاْنِ الْمُؤْمِنِ اَنْ يَّشْكُرَ عِنْدَ النِّعْمَةِ وَيَرْجُوْرَبَّهٗ عِنْدَ الشِّدَّةِ **اَوَلَمْ يَرَوْا** يَعْلَمُوْا **اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ** يُوَسِّعُهٗ **لِمَنْ يَّشَآءُ** اِمْتِحَانًا **وَيَقْدِرُ** يُضَيِّقُهٗ لِمَنْ يَّشَآءُ اِبْتِلَاءً **اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴿۳۷﴾** بِهَا **فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى** اَلْقَرَابَةِ **حَقَّهٗ** مِنَ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ **وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ** الْمُسَافِرَ مِنَ الصَّدَقَةِ وَاُمَّةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبَعٌ لَهٗ فِىْ ذٰلِكَ **ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ** اَىْ ثَوَابَهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ **وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴿۳۸﴾** اَلْفَائِزُوْنَ **وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا** بِاَنْ يُّعْطٰى شَيْئًا هِبَةً اَوْ هَدِيَّةً لِيَطْلُبَ اَكْثَرَ مِنْهُ فَسُمِّىَ بِاسْمِ الْمَطْلُوْبِ مِنَ الزِّيَادَةِ فِى الْمُعَامَلَةِ **لِّيَرْبُوَا۠ فِىْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ** اَلْمُعْطِيْنَ اَىْ يَزِيْدُ **فَلَا يَرْبُوْا** يَزْكُوْا **عِنْدَ اللّٰهِ** اَىْ لَا ثَوَابَ فِيْهِ لِلْمُعْطِيْنَ **وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ** صَدَقَةٍ **تُرِيْدُوْنَ** بِهَا **وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ﴿۳۹﴾** ثَوَابَهُمْ بِمَا اَرَادُوْهُ فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ **اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ** مِمَّنْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ **مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَىْءٍ** لَا **سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴿۴۰﴾**

ترجمہ: ...... اللہ بیان فرماتا ہے (اے مشرکین) تمہارے لئے ایک عجیب مضمون جو تمہارے ہی حالات میں سے ہے (اور وہ یہ ہے) کیا تمہارے غلاموں میں (جو تمہارے مملوک ہوں) کوئی شخص تمہارا شریک ہے (اس مال وغیرہ میں جو ہم نے تم کو دیا ہے کہ تم اور وہ آپس میں برابر ہوں جن کا تم ایسا ہی خیال کرو۔ جیسا کہ تم اپنے آپس والوں کا خیال رکھتے ہو؟ (یعنی جو تم جیسے آزاد ہوں۔ اس میں استفہام بمعنی نفی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ تمہارا کوئی غلام بھی تمہارے برابر کا تمہارے نزدیک شریک نہیں سمجھا جاتا۔ پھر اللہ کے کچھ بندوں کو تم اس کا شریک کیسے گردانتے ہو) ہم اسی طرح صاف صاف دلائل بیان کیا کرتے ہیں (جیسے یہاں کھول کر بیان کر دیا ہے)

سمجھداروں (تدبیر کرنے والوں) کے لئے۔ بلکہ (شرک کرنے والے) ان ظالموں نے اتباع کر رکھا ہے بلا دلیل اپنے خیالات کا، سو جس کو اللہ گمراہ کرے اس کو کون راہ پر لا سکتا ہے (یعنی کوئی اس کا راہنما نہیں ہو سکتا) اور ان کا کوئی حمایتی نہ ہوگا (عذاب الٰہی کو روکنے والا) سو (اے محمد) تم اپنا رخ اس دین کی طرف یکسو رکھو (دین کی طرف متوجہ ہو کر یعنی اپنا دین آپ اور آپ کے پیروکار اللہ کے لئے خالص رکھیے) اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو (جو اس کی پیدا کردہ ہے) جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے (اور اس کا دین ہے۔ یعنی تم اسے لازم پکڑو) اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں (یعنی اس کے دین میں۔ تم اسے شرک کر کے تبدیل مت کرو) یہی ہے سیدھا دین (راہ مستقیم اللہ کی توحید ہے) لیکن اکثر لوگ (کفار مکہ) نہیں جانتے (اللہ کی توحید) تم اسی کی طرف رجوع ہو (جس چیز کا اس نے حکم دیا اور جس بات سے منع کیا۔ منیبین حال ہے اقم کے فاعل سے اور جو اقم کی مراد میں داخل ہوں۔ یعنی تم سب متوجہ ہو جاؤ) اور اسی سے ڈرو اور نماز کی پابندی رکھو اور شرک کرنے والوں میں مت رہو۔ یعنی ان لوگوں میں (یہ بدل حرف جار کو لوٹاتے ہوئے) جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا (طریقہ عبادت یا معبود میں اختلاف کی وجہ سے) اور بہت سے گروہ ہو گئے (دین میں فرقے بن گئے) ہر گروہ (ان میں سے) اس طریقہ پر (جو ان کا بنایا ہوا ہے) نازاں ہے (خوش ہے اور ایک قراءت میں لفظ فارقوا ہے۔ یعنی انہوں نے اپنے اس دین کو چھوڑ دیا جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا) اور جب (کفار مکہ میں سے) لوگوں کو کوئی تکلیف (مصیبت) پہنچ جاتی ہے تو اپنے پروردگار کو پکارنے لگتے ہیں اسی کی طرف رجوع ہو کر (دوسری طرف نہیں) پھر اللہ تعالیٰ جب اپنی عنایت (بارش) کا کچھ مزہ چکھا دیتے ہیں تو پھر ان میں سے بعض لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ شرک کرنے لگ جاتے ہیں کہ ہم نے انہیں جو کچھ دے رکھا ہے اس سے ناشکری کریں (اس کا مقصد دھمکی ہے) سو کچھ اور حظ حاصل کر لو پھر جلد ہی تمہیں پتہ چل جائے گا (اپنے مزے اڑانے کا انجام، اس میں غائب کے صیغہ سے التفات ہے) کیا (ہمزہ انکار کے معنی میں ہے) ہم نے ان پر کوئی سند اتاری ہے (حجت اور کتاب) کہ وہ کہہ رہی ہو (زبان حال سے) جو یہ لوگ شرکیہ کام کر رہے ہیں (یعنی ان کو شرک کرنے کا حکم دیتی ہو؟ ایسی نہیں ہے) اور جب ہم (کفار مکہ وغیرہ کو) کچھ عنایت (نعمت) کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتے ہیں (مستی سے اتراتے ہیں) اور اگر ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے ان کے اعمال کے بدلہ میں جو پہلے کر چکے ہیں تو بس وہ لوگ ناامید ہو جاتے ہیں (رحمت سے مایوس، حالانکہ مومن کی شان تو یہ ہے کہ نعمت پر شکرگزار رہو اور مصیبت میں اللہ سے امید باندھے رہے) کیا ان کی نظر اس پر نہیں (جانتے نہیں) کہ اللہ ہی کھول کر روزی دیتا ہے جسے چاہتا ہے (آزمائش کے طور پر) اور تنگ کر دیتا ہے (جسے چاہے آزمائش کے لئے گھٹا دیتا ہے) بے شک اس میں نشانیاں ہیں ایمان داروں کے لئے۔ سو قرابت داروں کو اس کا حق دیا کرو (بھلائی اور نیک سلوک کر کے) اور مسکین اور مسافر کو بھی (راہ گیر کو خیرات میں سے آنحضرت ﷺ کی امت بھی اس حکم میں آپ کے تابع ہے) یہ ان لوگوں کے حق میں بہتر ہے جو اللہ کی خوشنودی کے طلبگار ہیں (اپنے اعمال کے ثواب کے) اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں (کامیاب) اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ وہ زیادہ ہو جائے (اس طرح سے کہ کوئی ہبہ یا ہدیہ کے طور پر کسی کو اس لئے دے کہ اس سے زیادہ حاصل ہو جائے۔ اس لئے معاملہ میں زیادتی کو مطلوب کا نام دیا گیا ہے) لوگوں کے مال میں شامل ہو کر (جو مال دینے والے ہیں یعنی مال بڑھ جائے) سو یہ اللہ کے نزدیک بڑھتا نہیں ہے (یعنی اس میں دینے والوں کو ثواب نہیں ملے گا) اور جو تم صدقہ دو گے اور جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہو گے۔ سو ایسے لوگ اللہ کے پاس بڑھاتے رہیں گے (اس میں خطاب سے التفات ہے) اللہ ہی وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ پھر تمہیں روزی دی۔ پھر تمہیں موت دیتا ہے۔ پھر تمہیں جلائے گا۔ کیا تمہارے شرکاء میں بھی کوئی ایسا ہے (جنہیں تم نے اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے) جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے؟ (کوئی نہیں ہے) وہ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔

تحقیق وترکیب: ...... من انفسکم ای کائنا۔ اس میں من ابتدائیہ ہے دوسرا من تبعیضیہ ہے اور من شرکاء میں من

زائد ہے اور انتم فیه سواء جواب استفہام ہے جو متضمن معنی نفی کو ہے۔

هل لکم. یہ مبتداء ہے اور لکم خبر ہے فما ملکت ایمانکم متعلق ہے محذوف کے شرکاء سے حال ہے کیونکہ اصل میں یہ نعت ہے نکرہ کی جو مقدم کر دی گئی ہے اور اس جار میں عامل خبر ہے جو مبتداء کے بعد مقدر ہے۔ فسما رزقنکم متعلق ہے شرکاء کے اور ماملکت کے ما سے مراد نوع مملوک ہے۔ پوری عبارت کی تقدیر اس طرح ہے۔ هل شرکاء فیما رزقنا کم کائنو ن من النو ع الذی ملکت ایمانکم مستقرون لکم اور بعض نے مماملکت کو خبر اور لکم کا متعلق وہی کہا ہے جو خبر کا متعلق ہے۔ اور فانتم الخ جواب استفہام ہے بمعنی نفی اور فیہ متعلق ہے سواء کے اور تخا فو ھم خبر ثانی ہے انتم کی۔ ای فانتم مستوو ن معهم فیما رزقنا کم خائفو ھم کخوف بعضکم بعضا اور مراد تینوں باتوں کی نفی کرنا ہے۔ شرکت برابری غلاموں کی اور ان سے ڈرنا۔ یہ نہیں کہ شرکت کا ثبوت اور دونوں چیزوں کی نفی کرنا مقصود ہو۔ جیسا کہ ما تاتینا فتحدثنا میں منجملہ دونوں توجیہوں کے ایک توجیہ ماتا تینا محدثانا بل تاتینا و لا تحد ثنا ہے بلکہ سب کی نفی مقصود ہے۔

کخیفتکم. ای خیفة مثل خیفتکم مصدر مضاف الی الفاعل ہے۔

کد لک. ای مثل هذا التفصیل.

بل اتبع الذین. یہ ماقبل سے اعراب ہے۔ یعنی ان کے پاس شرکت کی کوئی دلیل وحجت نہیں ہے صرف خواہشات کی پیروی ہے۔

اقم. لفظاً افراد ہے معنیً جمع ہے۔ شاید اس میں ہر ایک کے لئے بالاستقلال مامور بالتوحید ہونے کا اہتمام مقصود ہے یعنی ظاہراً باطناً صرف ہمت کیجئے۔ مقصداً آنحضرت ﷺ کی تسلی ہے۔

حنیفا. مفسر علامؒ نے اشارہ کیا کہ یہ ضمیر اقم سے حال ہے اور یہ کہ فعیل بمعنی فاعل ہے اور بمعنی مفعول ہو کر دین سے بھی حال بن سکتا ہے۔ حنف کے معنی گمراہی سے استقامت کی طرف میلان ہے اس کی ضد جنف ہے ای اخلص کہہ کر مفسرؒ نے بطور کنایہ معنی مرادی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ اخلاص دین کے لئے توجہ لازم ہے۔

فطرة الله. حدیث میں ہے۔ کل مولود یولد علی الفطرة وانما ابواہ یهود انه وینصرا نه ویمجسا نه مراد عہد الست ہے جو ہر انسان کی فطرت میں ودیعت ہے۔

التی فطر. یہ وصف وجود امتثال حکم کی تاکید کے لئے ہے الزموھا سے مفسرؒ اشارہ کر رہے ہیں منصوب بطور افراد ہونے کی طرف اور علیکم محذوف ہوگا اگر عوض معوض کا حذف ہونا جائز ہو۔

لا تبدیل. مفسرؒ نے اشارہ کیا کہ نفی بمعنی نہی ہے اور مجاہدؒ اور ابراہیمؒ سے ماینبغی کی تاویل بھی منقول ہے۔ لیکن اگر فطرة کے معنی طبیعت سلیم اور جبلت مستقیم لئے جائیں تو پھر جملہ خبریہ بحالہ رہے گا تاویل کی حاجت نہیں۔ کیونکہ خلقی طبیعت اور فطرت ناقابل تبدیل ہوتی ہے۔ "جبل گردد جبلت نہ گردد" پہلی تاویل پر گویا لزوم فطرت اور وجوب امتثال کی علت ہے اس میں بجائے ضمیر اسم ظاہر ہے۔ پہلی توجیہ کا حاصل یہ نکلے گا کہ شرعاً عقلاً تبدیل فطرت کی اجازت نہیں ہے۔ واقعہ کی نفی نہیں بلکہ نہی اور ممانعت کرنی ہے اور بصورت خبر مبالغہ کی وجہ سے بیان فرمایا گیا ہے۔

لایعلمون مفسرؒ نے اس کے مفعول محذوف کو استدراک کے قرینہ سے نکال ہے۔

منیبین. فاعل اقم سے حال ہے اور اقم کا خطاب بلاواسطہ آنحضرت ﷺ کو اور بالواسطہ آپ کی امت کو ہے۔ جسے مفسرؒ نے یاارید سے تعبیر کیا ہے حال ذوالحال کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

ای اقیموا. سے مفسرؒ نے اقم کے فاعل معنوی کی طرف اشارہ کیا جوذ الحال ہے۔ یعنی امت اور امام امت اور یہ کہ واتقوہ کا یہ معطوف علیہ ہے اگر چہ بظاہر اقم معطوف علیہ ہے۔

من الذین. یہ من المشرکین سے بدل ہے باعادۃ الجار اور پہلے جار مجرور سے بھی بدل ہوسکتا ہے۔

ترکوا. مراد عدم اختیار اور اعراض کرنا ہے۔

اذا مس الناس یہ شرط ہے دعوا ربھم جزاء ہے اور الناس لفظاً عام ہے۔ مگر شان نزول کی وجہ سے خاص کر دیا ہے۔

ضر. لفظ ضر و رحمت میں تنکیر تقلیل مبالغہ کے لئے ہے۔

لیکفروا. لام امر ہونے کی طرف مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے۔ فتمتعوا اس کا قرینہ ہے جو بمعنی لیتمتعوا ہے اور بعض نے لام عاقبہ مانا ہے۔

سلطانا. ابن عباسؓ حجت مراد لیتے ہیں اور قتادہؒ کتاب مراد لیتے ہیں۔

یتکلم. جیسے دوسری آیت میں ہے۔ ھذا کتابنا ینطق مراد شہادت ہے بطور استعارہ مدحیہ یا کنایہ کے۔

فرحوا. اظہار شکر کے لئے اور منعم پر نظر کرتے ہوئے فرحت مطلوب و مستحسن ہے۔ جیسے قل بفضل اللہ الخ مگر نفسانی فرحت اور اترانا ممنوع ہے۔

فات ذا القربی. مستحقین کے بقیہ اصناف کا ذکر نہ کرنا قرینہ ہے کہ زکوۃ مراد نہیں۔ بلکہ صدقات وخیرات مراد ہے۔ اسی لئے امام اعظمؒ نے اس آیت سے نفقہ محارم کو واجب کہا ہے اور امام شافعیؒ اصول وفروع کے علاوہ تمام اقرباء کو چچازاد بھائی پر قیاس کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ان میں ولادت کا تعلق نہیں ہوتا۔

من ربا. رباء حقیقی سود بھی مراد ہوسکتا ہے جو حرام ہے اور ربائے حلال بھی مجازاً مراد ہوسکتا ہے۔ یعنی وہ ہدیہ اور ہبہ جس میں خلوص نہ ہو صرف ریاکاری ہو یا بعینہ اس کی واپسی کی امید پر دیا جائے۔ جیسا کہ آج کل شادیوں میں نیوتہ دینے کا رواج اور دستور ہے۔ اس سے اس کا ناپسند ہونا معلوم ہوگیا اور آنحضرتؐ کو تو خصوصیت سے لا تمنن تستکثر فرما کر منع اور حرام کر دیا۔ اگر واپسی کی شرط پر ہبہ یا ہدیہ کیا جائے تو واپس کر دینا ضروری ہے ورنہ اس کی قیمت بشرطیکہ مثلی ہو ادا کرنی چاہئے۔

زکوۃ. صدقہ کو زکوۃ اس لئے کہہ دیا کہ اس سے مال، بدن، اخلاق کی تطہیر ہوجاتی ہے۔

المضعفون. الحسنة بعشر امثالھا کی وجہ سے تضعیف ہوئی اور التفات میں تعمیم ہوجانے کی وجہ سے حسن آگیا ہے۔ ای من فعل ھذا فسبیلہ سبیل المخاطبین.

ربط:.... پچھلی آیات میں بعث کا بیان تھا اور استدلال میں حق تعالیٰ کے افعال اور صفات کمال کو بیان کیا گیا تھا۔ آیت ضرب لکم مثلاً سے توحید کا بیان ہے۔ نیز عام طور سے توحید و بعث کا مضمون قرآن میں متلاصق رہتا ہے۔ پھر صفات الٰہیہ اور توحید یوں بھی متناسب ہیں۔ اس لئے دو وجہ سے ربط ہوگیا۔ پورے رکوع میں یہ مضمون پھیلا ہوا ہے۔ البتہ دلائل توحید کے ذیل میں رزاقیت کی مناسبت سے ضمناً انفاق مالی کی بعض فروع وران کی اغراض کا ذکر آگیا ہے۔

﴿تشریح﴾:.... شرک کی قباحت بیان کرنے کے لئے آیت ضرب لکم میں اللہ تعالیٰ نے انسانی احوال کو سامنے رکھ کر ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ کوئی اپنے نوکر، غلام، ملازم کو اپنے مال وجائداد میں برابر کا شریک کرنا گوارا نہیں کرسکتا۔ جیسے اپنے بھائی بند

شریک ہوتے ہیں کہ ہر وقت ان سے یہ کھٹکا لگا رہتا ہے کہ مشترک چیز استعمال کرنے پر برہم ہو جائیں یا کم از کم سوال کر بیٹھیں کہ ہماری اجازت اور مرضی کے بغیر فلاں کام کیوں کیا۔ یا زمین، جائداد، مال ومتاع تقسیم کرانے لگیں۔ حالانکہ انسان نہ پورا مالک ہے اور نہ نوکر ملازم مملوک ہیں۔ مگر انسان انسان ہونے میں برابر، کوئی اونچ نیچ نہیں ہے اور اللہ نہ صرف یہ کہ مالک اور مالک بھی کامل بلکہ وہ خالق اور رب بھی ہے۔ پس جب ایک جھوٹے مالک کا یہ حال ہے کہ اس سچے مالک کو اپنے غلام کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔ جس کو تم حماقت سے اس کا ساجھی گنتے ہو۔ ایک غلام تو آقا کی ملک میں شریک نہ ہو سکے۔ حالانکہ دونوں خدا کی مخلوق ہیں اور اس کی دی ہوئی روزی کھاتے ہیں۔ مگر ایک مخلوق بلکہ مخلوق در مخلوق، خالق کی خدائی میں شریک ہو جائے۔ ایسی اجہل بات کوئی عقلمند سن سکتا ہے؟ ایک طرف غلام آقا، دونوں انسانوں میں اضافی فرق ہے حقیقی نہیں۔ پھر جو نعمتیں آقا کی ہیں وہ ذاتی نہیں۔ بلکہ عطیہ الٰہی ہیں۔ دوسری طرف خدا میں کمال ذاتی ہے۔ کوئی چیز اس کے مماثل نہیں۔ وہ مالک علی الاطلاق ہے اور معبودان باطل مملوک بلکہ مخلوق بلکہ مخلوق کی مصنوع۔ مگر بے انصاف لوگ ایسی واضح اور صاف بات کو کیا سمجھیں اور وہ سمجھنا بھی نہیں چاہتے۔ انہیں تو ہوا پرستی اور اوہام وخیالات کے تانے بانے سے ہی فرصت نہیں اور جسے اللہ نے ہی اس کی بے انصافی اور ہوا پرستی کی بدولت راہ حق پر چلنے اور سمجھنے کی توفیق نہ دی۔ اب کون طاقت ہے جو اسے سمجھ کر راہ حق پر لے آئے۔ اس لئے آپ ان کی طرف ملتفت نہ ہو جائے۔ ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ ہو جایئے اور دین فطرت پر جمے رہئے۔ فطرت کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص میں اللہ نے خلقۃً یہ استعداد اور صلاحیت رکھی ہے کہ اگر حق کو سن کر سمجھنا چاہے تو وہ سمجھ میں آ جاتا ہے اور اس کی پیروی کا مطلب یہ ہے کہ اس استعداد اور قابلیت سے کام لے اور اس کے مقتضیٰ یعنی ادراک حق پر عمل پیرا ہو۔ اسلام جو ایک دین فطرت ہے یعنی انسانی فطرت سلیمہ کے عین مطابق ہے اور فطرت انسانی میں تبدیلی ممکن نہیں۔ پس اس میں یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ اس دین میں کسی قسم کی تبدیلی وترمیم کی خواہش کرنا سرتا سر بے عقلی اور نادانی ہے۔ یہ دین قدیم خلقی اور ازلی ہے۔ اس کے قبول کی صلاحیت بشر میں رکھ دی گئی ہے۔ یہ بدل نہیں سکتا۔

حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں کو "حنفا" پیدا کیا۔ پھر شیاطین نے انہیں سیدھے راستے سے اغوا کر کے بھٹکا دیا۔

بہر حال دین حق، دین حنیف، دین قیم وہ ہے کہ اگر انسان کو اس فطرت کی طرف مخلی بالطبع چھوڑ دیا جائے تو اپنی طبیعت سے اسی کی طرف جھکے۔ تمام انسانوں کی فطرت، ساخت، تراش وخراش اللہ نے ایسی ہی بنائی ہے جس میں کوئی تفاوت اور تبدیلی نہیں۔ گردو پیش اور ماحول اگر اثر انداز نہ ہو اور خراب اثرات سے انسان متاثر نہ ہو اور اصلی طبیعت پر چھوڑ دیا جائے تو یقیناً دین حق اختیار کرے گا۔ فرعون اور ابو جہل میں اگر صلاحیت نہ ہوتی تو ایمان کا مکلف کیوں بنایا جاتا۔ آخر ت اینٹ، پتھر، درخت جانوروں کی طرح شرائع سے غیر مکلف کیوں نہ رکھا گیا۔ فطرت انسانی کی اسی یکسانیت کا اثر ہے کہ دین کے اصول مہمہ کسی نہ کسی رنگ میں تقریباً سب انسان تسلیم کرتے ہیں۔ گویا ان پر ٹھیک ٹھیک نہیں رہتے اور حضرت خضر علیہ السلام نے جس بچہ کو قتل کیا تھا اور حدیث میں اس کے لئے **طبع کافراً** کے الفاظ ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس میں قبول حق کی صلاحیت اور استعداد نہیں تھی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کی قسمت میں یہ تھا کہ وہ آئندہ چل کر کافر ہوگا اور یہی مفہوم ہے پیدائشی کافر ہونے کا۔

لا تبدیل لخلق اللہ. اصل پیدائش کے اعتبار سے کوئی فرق اور تغیر نہیں۔ ہر انسان کی فطرت قبول حق کے لئے مستعد بنائی ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے جس فطرت میں پیدا کیا تم اپنے اختیار سے بدل کر خراب نہ کرو۔ ہم نے تم میں بیج ڈال دیا ہے اسے بے توجہی یا بے تمیزی سے ضائع مت کرو۔ علماء نے ڈاڑھی منڈانا، کنانا، شملہ کرنا، ناشروع خضاب کرنا، مردوں کو عورتوں کی ہیئت اور عورتوں کو مردوں کی ہیئت بنانا، ناک کان چھیدنا، کریم پوڈر لگانا، بھبوت ملنا وغیرہ سب اسی میں داخل کئے ہیں۔ البتہ شریعت نے

جس تغیر کی اجازت دی ہے جیسے زیر ناف، زیر بغل بال صاف کرنا، مونچھیں کم کرنا، ختنہ کرنا، عقیقہ کرنا، عورتوں کو زیب وزینت وغیرہ وہ اس سے مستثنیٰ ہیں حکم شارع کی وجہ سے۔ایک دوسری آیت لا تبدیل لکلمات اللہ کا مفہوم بھی یہی ہے۔کلمات اللہ سے مراد کلمات تکوینی اور خلقی ہیں یا کلمات تشریعی اور احکام شرعی ہوں۔تو اصول وکلیات مراد ہوں گے جو اٹوٹ ہیں۔لہٰذا یہ آیت نسخ احکام کے خلاف نہیں ہے۔

منیبین الیہ الخ. اصل دین تھامے رہو اور دین فطرت کے اصول مضبوط پکڑے رہو۔مثلاً خدا کا ڈر، نماز کی اقامت ہر قسم کے ادنیٰ تک شرک سے مکمل بیزاری، اور مشرکین کی طرح دین ومذہب میں پھوٹ نہ ڈالنا۔جنہوں نے گروہ بندی اور پارٹی بازی کر کے مختلف فرقے بنالئے۔ہر ایک کا عقیدہ الگ، مذہب ومشرب جدا۔جس کسی نے عذر کاری یا ہوا پرستی سے کوئی عقیدہ قائم کر دیا یا کوئی طریقہ ایجاد کر لیا ایک جماعت اس کے پیچھے ہوگئی۔بہت سے فرقے ہوگئے۔پھر ہر فرقہ اپنے ٹھہرائے ہوئے اصول وعقائد پر خواہ کتنے ہی مہمل کیوں نہ ہوں ایسا فریفتہ اور مفتون ہے کہ اپنی غلطی کا امکان بھی اس کے تصور میں نہیں آتا۔البتہ اہل حق کے مختلف طبقے اس میں داخل نہیں ہیں۔کیونکہ وہ نفسانیت کا شکار نہیں ہیں۔بلکہ سب جویائے حق اور طالب منشاء خداوندی ہیں۔ہاں فرحت کا مفہوم عام لیا جائے کہ سچی خوشی ہو یا جھوٹی تو پھر اہل حق بھی کل حزب میں داخل ہو جائیں گے۔

واذا مس الناس ضر میں خوف اور سختی کے وقت بڑے سے بڑا سرکش مصیبت میں گھر کر خدائے واحد کو پکارنے لگتا ہے۔اس وقت جھوٹے سہارے سب ذہن سے نکل جاتے ہیں۔وہی سچا مالک یاد رہ جاتا ہے۔مگر افسوس کہ انسان دیر تک اس حالت پر قائم نہیں رہتا۔جہاں خدا کی مہربانی سے مصیبت دور ہوئی۔پھر اس کو چھوڑ کر جھوٹے دیوتاؤں کے بھجن گانے لگتا ہے۔گویا سب کچھ انہیں کا دیا ہوا ہے خدا نے کچھ نہیں دیا۔اچھا چند روز مزے اڑا لو آگے چل کر معلوم ہو جائے گا۔کہ اس کفر وناشکری کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔اگر آدمیت ہوتی تو سمجھتا کہ اس کا ضمیر جس خدا کو سختی اور مصیبت کے وقت پکار رہا تھا وہی اس لائق ہے کہ ہمہ وقت یاد رکھا جائے۔

امر انزلنا. یعنی دلائل تو ہزاروں ہیں۔مگر شرک پر کوئی ایک دلیل بھی آج تک قائم کر کے دکھلائی ہے عقل سلیم اور فطرت انسانی شرک کو صاف طور پر رد کرتی ہے۔تو کیا اس کے خلاف وہ کوئی حجت اور سند رکھتے ہیں؟اگر نہیں تو انہیں معبود بننے کا استحقاق کہاں سے ہوا؟

واذا اذقنا الناس. یعنی لوگوں کی حالت عجیب ہے کہ اللہ کی مہربانی سے جب عیش میں ہوتے ہیں تو پھولے نہیں سماتے۔ایسے اترانے لگتے ہیں اور آپے سے باہر ہو جاتے ہیں کہ محسن حقیقی کو بھی یاد نہیں رکھتے۔اور کسی وقت شامت اعمال کی وجہ سے مصیبت کا کوئی کوڑا پڑا تو ایک دم ساری ہیکڑی بھول گئے اور آس توڑ کر بیٹھ رہے۔گویا اب کوئی نہیں جو مصیبت کو دور کرنے پر قادر ہو۔لیکن مومن کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے۔وہ عیش وآرام میں منعم حقیقی کو یاد رکھتا ہے۔اس کے فضل ورحمت پر خوش ہو کر زبان ودل سے شکر گزار رہتا ہے۔اور مصیبت میں پھنس جائے صبر وتحمل کے ساتھ اللہ سے مدد مانگتا ہے اور امیدوار رہتا ہے کہ کتنی ہی مصیبت ہو اور ظاہر اسباب کتنے ہی مخالف ہوں اس کے فضل سے سب بادل چھٹ جائیں گے۔

پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ لوگ سختی کے وقت خالص خدا کو پکارنے لگتے ہیں اور یہاں فرمایا کہ برائی پہنچتی ہے تو آس توڑ کر بیٹھ رہتے ہیں۔بظاہر دونوں میں اختلاف معلوم ہوتا ہے۔مگر کہا جائے گا کہ خدا کو پکارنا مصیبت کی پہلی منزل میں ہوتا ہے۔پھر جب مصیبت سخت ہو جاتی ہے تو گھبرا کر مایوس ہو جاتا ہے۔یا بعض لوگوں کی وہ حالت ہوتی ہے اور بعض کی حالت یہ ہو جاتی ہے۔

اسی طرح فرحت فرحت میں بھی فرق ہوتا ہے۔مومن کی فرحت محمود ومطلوب ہے۔قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالک فلیفرحوا میں اس کی طلب ہے اور لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین میں نافرمانوں کی اتراہٹ ہے۔جس سے منع کیا گیا ہے۔

او لم یروا ان اللہ. میں مومنین کی حالت کا بیان ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کی سختی، نرمی، روزی کا بڑھانا گھٹانا، سب اسی رب قدیر کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا جو حال آئے بندہ کو صبر وشکر سے راضی برضا رہنا چاہئے۔ نعمت کے وقت شکر گزار رہے اور ڈرتا رہے کہ کہیں چھن نہ جائے اور سختی کے وقت صبر کرے اور امید رکھے کہ اللہ اپنی رحمت سے سختیوں کو دور فرما دے گا۔ پس جو لوگ اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اس کے دیدار کے آرزومند ہیں۔ انہیں چاہئے۔ کہ اس کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کریں۔ غریب محتاج، رشتہ داروں، قرابت داروں کی خبر لیں، درجہ بدرجہ خاندان والوں کے حقوق ادا کریں، مسافروں کی خبر گیری کریں۔ ایسے لوگوں کو دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب ہوگی۔ فقہائے حنفیہ نے حاجت مند قریبی عزیزوں کا نفقہ اسی آیت سے مستنبط کیا ہے۔ اسلامی نظام معاشیات کے بہت سے اصول وضوابط اسی روشنی میں مرتب ہیں۔

ما اٰتیتم من ربا. سود بیاج سے گو بظاہر مال بڑھتا دکھائی دیتا ہے۔ مگر حقیقت میں وہ گھٹ رہا ہے جیسے بیماری سے کسی آدمی کا بدن پھول جائے اور وہ ورم ظاہر نظر میں طاقت دکھائی دینے لگے۔ مگر دراصل وہ پیام موت ہے۔ اسی لئے اسلام نے سود اور مہاجنی نظام کو معاشیات اور اقتصادی ڈھانچہ کے لئے ناسور اور سرطان قرار دیا اور سختی سے پورے رخنے بند کر ڈالے۔ حتیٰ کہ محققین نے نیوتہ کی رسم کو اسی میں داخل کر کے ممنوع قرار دیا ہے۔ برادری کی تقریبات میں ہدایا اور تحفوں کا لینا دینا اس نیت سے کہ وہ رقم بعینہٖ یا اس سے زائد ہو کر واپس آئے گی۔ چنانچہ نہ آنے کی صورت میں حکایت شکایت ہوتی ہے۔ بلکہ بعض برادریوں کے کھاتوں میں اس کا اندراج بھی ہوتا ہے۔ غرض کہ یہ بھی ایک لعنت ہے۔

ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ العطیۃ التی تعطی للاقارب للزیادۃ فی اموالھم اور ابن عباسؓ مجاہدؒ وغیرہ اکابر سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں۔ ھو الرجل رب الشیٔ یرید ان ینیاب افضل منہ فذالک الذی لا یربوا عند اللہ ولا یرجوا صاحبہ فیہ ولا اثم علیہ (حصص) قال عکرمۃ الربا رجوا ان ربا حلال وربا حرام فامرا لربوا الحلال فھو الذی یھدی یلتمس ماھوا فضل منہ (حصص) ہاں کوئی واپسی کی نیت سے نہ دے۔ بلکہ یک طرفہ سلوک کرے وہ اس میں داخل نہیں ہے اور خصوصیت سے پیغمبر علیہ السلام کے لئے تو لا تمنن تستکثر فرمادیا گیا ہے۔ یعنی گو امت کے حق میں اس ربا حلال (نیوتہ) کی اباحت ہے مگر آپ ﷺ کے لئے ممانعت ہی ہے۔

آیت ما اتیتم من زکوۃ اگر مکی ہے تب تو زکوۃ بمعنیٰ مطلق صدقہ ہے ورنہ مدنی ہونے کی صورت میں زکوۃ متعارف ہوگی۔

لطائف سلوک: بل اتبع الذین ظلموا سے خواہشات نفسانی کی پیروی کا مذموم ہونا واضح ہے۔

لا تبدیل لخلق اللہ. سے معلوم ہوتا ہے کہ فطریات میں تبدیلی نہیں ہو سکتی تمام شریعت اور طریقت کی ریاضتوں کا حاصل تبدیلی نہیں۔ بلکہ امالہ کر کے تعدیل مقصود ہوتی ہے اور یہ فن کا بہت بڑا مسئلہ اور نکتہ ہے۔

واذا مس الناس ضر. میں اشارہ ہے کہ انسانی طبیعت ہدایت وگمراہی سے مرکب ہوتی ہے مصیبت کے وقت ہدایت کا ظہور اور مصیبت کے بعد گمراہی کا ظہور ہوتا ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ اي القفار بقحط المطر وقلة النبات **وَالْبَحْرِ** اي البلاد التي على الانهار بقلة مائها **بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ** من المعاصي **لِيُذِيْقَهُمْ** بالنون والياء **بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا** اي عقوبته **لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ** ﴿۴۱﴾ يتوبون **قُلْ** لكفار مكة **سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ** ﴿۴۲﴾ فاهلكوا باشراكهم ومساكنهم ومنازلهم خاوية **فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ** دين الاسلام **مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ** هو يوم القيمة **يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ** ﴿۴۳﴾ فيه ادغام التاء في الاصل في الصاد يتفرقون بعد الحساب الى الجنة والنار **مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ** وبال كفره هو النار **وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ** ﴿۴۴﴾ يوطئون منازلهم في الجنة **لِيَجْزِيَ** متعلق بيصدعون **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ** يثيبهم **اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ** ﴿۴۵﴾ اي يعاقبهم **وَمِنْ اٰيٰتِهٖ** تعالى **اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيٰحَ مُبَشِّرٰتٍ** بمعنى لتبشركم بالمطر **وَلِيُذِيْقَكُمْ** بها **مِّنْ رَّحْمَتِهٖ** المطر والخصب **وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ** السفن بها **بِاَمْرِهٖ** بارادته **وَلِتَبْتَغُوْا** تطلبوا **مِنْ فَضْلِهٖ** الرزق بالتجارة في البحر **وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ** ﴿۴۶﴾ هذه النعم يا اهل مكة فتوحدونه **وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ** بالحجج الواضحات على صدقهم في رسالتهم اليهم فكذبوهم **فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ** اهلكنا الذين كذبوهم **وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ** ﴿۴۷﴾ على الكافرين باهلاكهم وانجاء المؤمنين **اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا** تزعجه **فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ** من قلة وكثرة **وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا** بفتح السين وسكونها قطعا متفرقة **فَتَرَى الْوَدْقَ** المطر **يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ** اي وسطه **فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ** بالودق **مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ** ﴿۴۸﴾ يفرحون بالمطر **وَاِنْ** وقد **كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ** تاكيد **لَمُبْلِسِيْنَ** ﴿۴۹﴾ آيسين من انزاله **فَانْظُرْ اِلٰٓى اَثَرِ** وفي قراءة آثار **رَحْمَتِ اللّٰهِ** اي نعمته بالمطر **كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ** اي يبسها بان تنبت **اِنَّ ذٰلِكَ** المحيي الارض **لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** ﴿۵۰﴾ **وَلَئِنْ** لام قسم **اَرْسَلْنَا رِيْحًا** مضرة على نبات **فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا** صاروا جواب القسم **مِنْ بَعْدِهٖ** اي بعد اصفراره **يَكْفُرُوْنَ** ﴿۵۱﴾ يجحدون النعمة بالمطر **فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا** بتحقيق الهمزتين وتسهيل الثانية بينها وبين الياء **وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ** ﴿۵۲﴾ **وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ** ما **تُسْمِعُ**

سَمَاعُ اَفْهَامٍ وَقَبُوْلٍ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الْقُرْاٰنِ فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ مُخْلِصُوْنَ بِتَوْحِيْدِ اللّٰهِ ع ۱۳ ۸

ترجمہ: بلائیں پھیل پڑی ہیں خشکی میں (یعنی جنگلات میں بارش کے قحط اور پیداوار نہ ہونے سے) اور تری میں (یعنی ساحلی علاقوں میں پانی کی کمی کی وجہ سے) لوگوں کے اعمال کے سبب (یعنی گناہوں کے) تاکہ اللہ ان کے بعض اعمال کا مزہ (بدلہ) چکھائے (نون اور یا کے ساتھ دونوں طرح ہے) تاکہ وہ لوگ باز آجائیں (توبہ کرلیں) آپ فرما دیجئے (کفار مکہ سے) کہ ملک میں چلو پھرو، پھر دیکھو جو لوگ پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیا ہوا۔ ان میں اکثر مشرک ہی تھے۔ (چنانچہ وہ شرک کی پاداش میں تباہ ہوگئے۔ ان کے گھر، محلات کھنڈرات بنے پڑے ہیں) سو آپ اپنا رخ دین قیم (اسلام) کی طرف رکھئے قبل اس کے کہ ایسا دن آجائے جس کے لئے پھر اللہ کی طرف سے ہٹنا نہیں ہوگا (یعنی قیامت کا دن) اس دن سب لوگ جدا جدا ہو جائیں گے (**يصدعون** کی اصل تا کا صاد میں ادغام ہوگیا ہے۔ حساب کتاب کے بعد جنت وجہنم میں الگ الگ بٹ جائیں گے) جو شخص کفر کر رہا ہے اس پر تو اس کا کفر پڑے گا (کفر کا وبال۔ جہنم) اور جو نیک عمل کر رہا ہے سو یہ لوگ اپنے لئے سامان کر رہے ہیں (جنت میں اپنے لئے محل تیار کر رہے ہیں) منشاء یہ ہے کہ اللہ جزا دے (یہ متعلق ہے **بصدعون** کے) ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اپنے فضل سے (انہیں ثواب عطا فرمائے گا) واقعی اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا (یعنی انہیں سزا دے گا) اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوشخبری دیتی ہیں (یعنی وہ ہوائیں بارش کا پیغام لاتی ہیں) اور تاکہ تم کو ان ہواؤں کے سبب اپنی رحمت (بارش اور سرسبزی) کا مزہ چکھائے اور تاکہ کشتیاں (جہاز ہواؤں کے سبب) چلیں اللہ کے حکم (ارادہ) سے اور تاکہ تم تلاش کرو (ڈھونڈو) اس کی روزی (سمندری تجارت کے ذریعہ معاش) اور تاکہ تم شکر کرو (اے مکہ والو! ان نعمتوں کا لہٰذا توحید بجالاؤ) اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر، ان کی قوموں کے پاس بھیجے اور وہ ان کے پاس دلائل لے کر آئے (کھلی حجتیں اپنی رسالت کی سچائی پر۔ لیکن انہوں نے ان کو جھٹلا دیا) سو ہم نے ان لوگوں سے انتقام لیا جو جرائم کے مرتکب ہوئے تھے (ہم نے رسولوں کے جھٹلانے والوں کو برباد کر دیا) اور ایمان داروں کو غالب کر دینا ہمارے ذمہ تھا (کافروں کے مقابلہ میں۔ کفار کو ہلاک کر کے اور مسلمانوں کو نجات دے کر) اللہ ہی وہ ہے کہ ہوائیں بھیجتا ہے۔ پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں (ہنکاتی ہیں) پھر اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا تا ہے (کم یا زیادہ) اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے (**کسفا** سین کے فتحہ اور سکون کے ساتھ۔ متفرق ٹکڑے) پھر تم بارش (مینہ) کو دیکھتے ہو کہ اس کے اندر (بیچ) سے نکلتی ہے۔ پھر وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے (بارش) پہنچا دیتا ہے۔ تو بس وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں (بارش کی وجہ سے خوش ہو جاتے ہیں) درواقعہ یہ ہے (**ان** بمعنی **قد**) کہ وہ لوگ قبل اس کے کہ ان کے خوش ہونے سے پہلے (لفظ **من قبله** تاکید ہے) ناامید تھے (بارش سے مایوس) سو دیکھو اثر (ایک قراءت میں آثار ہے) رحمت الٰہی کا (یعنی بارش کی نعمت) کہ اللہ کس طرح زندہ کرتا ہے مردہ زمین کو ہونے کے بعد (یعنی خشک ہونے کے بعد قابل پیداوار کر دیتا ہے) کچھ شک نہیں کہ وہی ہے (زمین کو زندگی بخشنے والا) مردوں کو جلانے والا اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور یقیناً اگر ہم (لام قسم ہے) ان پر اور ہوا چلا دیں (کھیتوں کو نقصان پہنچانے والی) پھر یہ لوگ کھیتی کو زرد ہوا دیکھیں تو ہو جائیں (**ظلموا** بمعنی **صاروا** ہے۔ یہ جواب قسم ہے) اس کے بعد (زرد ہونے کے بعد) لوگ ناشکری کرنے والے (بارش کی نعمت کا انکار کرنے لگیں) سو آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو آواز سنا سکتے ہیں جب کہ (تحقیق ہمزتین کے ساتھ اور دوسری ہمزہ کی تسہیل کرتے ہوئے ہمزہ و یا کے درمیان) یہ لوگ پیٹھ پھیر کر چل دیں اور آپ اندھوں کو ان کی بے راہ روی سے راہ پر نہیں لا سکتے بس آپ سنا سکتے ہیں (**ان** بمعنی **ما** ہے۔ سمجھ کر اور قبول کر کے سننا) انہی لوگوں کے جو ہماری آیتوں (قرآن) کا یقین رکھتے ہیں (توحید میں مخلص ہیں)

تحقیق وترکیب: ... القفار. بکسر القاف جمع قفر کی ہے۔ ایسا جنگل جس میں گھاس پانی کچھ نہ ہو اور بفتح القاف بغیر سالن

روئی کو کہتے ہیں۔

البحر مراد ساحلی علاقہ۔ بحر سے قرب کی وجہ سے اس کو بھی بحر کہہ دیا ہے۔ اور عکرمہؒ سے منقول ہے۔ کہ عرب شہروں کو بھی بحر کہتے ہیں ان کی وسعت کی وجہ سے اور جس طرح بارش نہ ہونے سے خشکی میں قحط سالی کا نقصان ہے اسی طرح سمندروں میں بھی نقصان ہوتا ہے۔ سیپیاں خشک رہتی ہیں۔ موتی نہیں بنتے۔ مچھیاں وغیرہ کم ہوجاتی ہیں۔ اور بقول ابن عباسؓ، عکرمہؒ، مجاہدؒ خشکی کا فساد قابیل کا ہابیل کو قتل کرنا اور سمندر کا فساد واقعہ خضر میں ظالم بادشاہ کا کشتیوں کو غصب کرنا ہے۔ ممکن ہے یہ بطور تمثیل فرمایا ہو۔ ورنہ وجہ تخصیص کچھ نہیں ہے۔

لیذیقھم. ابن کثیرؒ نون کے ساتھ اور باقی قراء یاء کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

بعض الذی مفسر علامؒ نے عقوبة نکال کر تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ای عقوبة بعض الذی سبب ہونے کی وجہ سے اطلاق کیا گیا ہے۔

اقم امام ہونے کی وجہ سے خطاب آنحضرت ﷺ کو ہے۔ مگر مراد سب ہیں۔

یتصدعون. برتن کا پھٹ جانا۔ مگر یہاں مطلقاً تفریق کے معنی ہیں۔

فلا نفسھم. یعنی ان کے اعمال کی وجہ سے انہیں جنت عطا ہوگی۔ مگر خود ان کی طرف اضافت کردی گئی ہے۔ اور دونوں جگہ ظرف اس لئے مقدم کیا گیا۔ کہ ایمان وکفر کے نفع نقصان کا اصل تعلق مومن وکافر کے ساتھ معلوم ہوجائے۔

لیجزی. لام عاقبت کا ہے یا تعلیلیہ اس کا تعلق اگر یصعدون سے بقول مفسرؒ اگر کیا جائے تو صرف مومن کی جزاء پر اکتفاء کرنے میں یہ نکتہ ہوگا کہ وہ مقصود بالذات ہے۔ لیکن اگر یمھدون کے متعلق کیا جائے تو پھر اس توجیہ کی حاجت نہیں رہے گی۔

الریاح. جنوبی شمالی ہوا کو کہتے ہیں اور صبا رحمت کی ہوا پچھوا ہوا دبور عذاب کی ہوا پروا ہوا۔ ریاح اور ریح کے فرق پر یہ حدیث ہے۔ اللھم اجعلھا ریاحا ولا تجعلھا ریحا.

ولقدار سلنا. آنحضرت ﷺ کی تسلی مقصود ہے۔

وکان حقا. بعض حضرات حقاً پر عطف کرتے ہیں اور بعد میں کان کا اسم مضمر مان کر اور حقا کو اس کی خبر مان کر علیحدہ جملہ کر لیتے ہیں ای وکان الا نتقام حقاً. اور بعض حقاً کو مصدر کی بناء پر منصوب مانتے ہیں اور کان کا اسم ضمیر شان اور علینا خبر مقدم اور نصر مبتداء مؤخر اور پھر جملہ کو کان کی خبر کہتے ہیں اور بعض حقا کو مصدریت کی وجہ سے منصوب مانتے ہوئے اور علینا خبر مقدم اور نصر کو مبتداء مؤخر کہتے ہیں۔ لیکن اچھا یہ ہے کہ نصر کان کا اسم اور حقاً خبر اور علینا یا حقا سے متعلق ہو یا محذوف سے متعلق ہوکر خبر کی صفت ہو۔

تزعجه. متحرک اور برانگیختہ کرنا۔ اپنی جگہ سے ہٹا دینا۔

کسفا. کسف بمعنی قطعہ جمع کسفٌ و کِسْف.

ان کانوا. بقول بغویؒ ان بمعنی قد ہے۔ لیکن دوسرے مفسرینؒ ان مخففہ مانتے ہیں۔ اسم ضمیر شان محذوف ہے ای وان الشان کانوا. چنانچہ لمبلسین کا لام اس کی تائید کرتا ہے۔

من قبله. اس تاکید میں اشارہ ہے کہ انتہائی مایوسی کے بعد انہیں کامیابی ہوئی۔

فانظر. اس میں فاسرعۃ پر دلالت کررہی ہے۔

کیف یحیی. حذف جار کرتے ہوئے محل نصب میں ہے ای فانظرا لی احیائه البدیع للارض بعد موتھا. اور بعض نے کیف کو حال کی وجہ سے منصوب مانا ہے۔

لظلوا چونکہ یہاں شرط اور قسم دونوں ہیں اور شرط مؤخر ہے۔ اس لئے اس کا جواب حذف کردیا گیا جواب قسم کے دلالت

کرنے کی محبت ہی ہے۔ ولئن ارسلنا ریحا حارۃ او باردۃ حضرت مزرعھم بالصفرۃ فراوہ مصفرا لظلوا من بعدہ یکفرون

فانک یہ مت ہے ماقبل کے مفہوم کی ای لا تحزن لعدم تذکیرک فانک لا تسمع الموتی۔ ابن ہمامؒ اور بہت سے مشائخ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے سماع موتی کے منکر ہیں۔ اسی لئے تلقین میت کے بھی یہ حضرات قائل نہیں۔ نیز اگر کوئی شخص حلف کرے "لا اکلم فلانا" اور اس کے مرنے کے بعد بات چیت کرے تو حانث نہیں ہوگا۔ البتہ واقعہ "قلیب بدر" سے ان حضرات پر اعتراض ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے "ما انتم باسمع منھم" فرمایا جس سے سماع موتی ثابت ہے۔

اس کے دو دو جواب ہوسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت عائشہؓ اس کی منکر ہیں۔ دوسرے یہ کہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کے خصائص اور معجزات میں سے ہو یا بطور تمثیل ارشاد فرمایا ہو جیسا کہ حضرت علیؓ سے منقول ہے۔ نیز ان حضرات پر مسلم کی روایت سے بھی اعتراض ہوسکتا ہے۔ ان المیت یسمع قرع نعالھم اذا انصرفوا مگر ممکن ہے قبر میں نکیرین کے سوال وجواب کی ابتدائی حالت پر یہ روایت محمول ہو اور بعد میں مردہ کی یہ کیفیت نہ رہتی ہو۔ اس طرح آیت اور روایت دونوں میں تطبیق ہوسکتی ہے۔ قائلین سماع موتی اس آیت کو مجاز پر محمول کرتے ہیں اور یہ کہ موتی اور من فی القبور سے مراد مردے نہیں ہیں بلکہ کفار ہیں۔ نفع سے محرومی کی وجہ سے انہیں موتی کہا گیا ہے اور یا حقیقی معنی اگر لئے جائیں تو ممکن ہے کہ سماع خاص کی نفی مقصود ہو۔ یعنی ایسا سننا جس پر اثرات مرتب ہوں یعنی اجابت اور تکلم ایسا سننا مردوں میں نہیں ہوتا۔ مطلق سماع کی نفی مراد نہیں ہے۔ اس پر کچھ کلام پہلے سورہ نمل کے آخر میں بھی گزر چکا ہے۔

ربط: پچھلی آیات میں توحید کو ثابت اور شرک کو باطل کہا گیا تھا۔ آیت ظھر الفساد سے گناہوں کا جس میں شرک وکفر سب سے برا اور بڑا گناہ ہے۔ دنیاوی وبال اور آخرت کی شامت اعمال بیان کی جارہی ہے اور اس کے مقابلہ میں توحید اور نیکیوں کا اچھا مآل مذکور ہے۔

آیت ومن ایاتہ ان یرسل سے کچھ تھوڑے سے اختلاف سے وہی مضمون ہے جو پہلے بھی گزر چکا ہے۔ مگر پہلے دلائل توحید کی حیثیت سے بیان ہوا تھا اور یہاں انعامات خداوندی ثمرہ اعمال ہونے کے لحاظ سے مذکور ہے۔ حاصل مجموعہ کا یہ ہے کہ یہ تصرفات کونیہ دلائل ہونے کے اعتبار سے بھی توحید کا ثبوت فراہم کررہے ہیں اور انعامات الہیہ ہونے کی رو سے بھی مقتضی توحید ہیں کہ توحید باعث شکر ہوتی ہے اور شرک اعلیٰ درجہ کی ناشکری ہے اور چونکہ مشرکین اس کے باوجود اپنے طور طریق پر مصر ہیں جس سے آپ کو بے حد رنج وملال تھا۔ اس لئے آیت ولقد ارسلنا اور آیت انک لاتسمع الموتی میں آپ کو تسلی مقصود ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ آیات الٰہی میں ان کا تدبر نہ کرنا تو اس لئے ہے کہ یہ مردوں بہروں، اندھوں کے مشابہ ہیں۔ اس لئے ان سے امید نہ رکھی جائے۔ اور چونکہ عنقریب ان سے انتقام لیا جائے گا اس لئے ان کی ناشکری اور مخالفت حق کی طرف بھی التفات نہ کیجئے اور چونکہ ضرب لکم مثلاً سے شروع میں توحید پر استدلال کیا گیا تھا اس لئے عدم تدبر کے مضمون پر کہ استدلال سے متعلق ہے کلام اختتام مناسب ہوا، گویا مبداء اور منتہا ایک ہوگیا جو ابلغ ہے۔ اس لئے انک لا تسمع آخر میں لائے اور ولقد ارسلنا کو جو کہ عدم تشکر کی تسلی کو متضمن ہے احوال ریاح کے درمیان بطور جملہ معترضہ لے آئے ہیں پس ذکر میں مقدم مضمون کی تسلی مؤخر اور مؤخر مضمون کی تسلی مقدم ہوگئی۔

﴿تشریح﴾: بندوں کی بدکاریوں کی وجہ سے خشکی وتری میں خرابی پھیلنا تو ہمیشہ ہوتا رہا اور ہوتا رہے گا۔ لیکن جس خوفناک عموم کے ساتھ بعثت محمدی سے پہلے یہ تاریک گھٹا مشرق ومغرب اور بحر وبر پر چھا گئی تھی۔ دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ شاید اس عموم فتنہ وفساد کو پیش نظر رکھ کر قتادہؒ نے آیت کا محمل زمانہ جاہلیت کو قرار دیا ہے۔

انسان کی بداعمالیاں ساری دنیا کی مصیبت کا ذریعہ ہیں: یہ سب اللہ تعالیٰ نے اس لئے چاہا کہ بندوں کی بداعمالیوں کا تھوڑا سا مزہ دنیا میں بھی چکھادیا جائے۔ پوری سزا تو آخرت میں ملے گی۔ ممکن ہے یہ لوگ ڈر کر راہ راست پر آجائیں۔ نظام عالم قائم ہی طاعت الٰہی سے ہے اور اسلام کی راست روی سے کجروی کا نتیجہ یہ ہے کہ اخلاقی عمارت کے ستون گر جائیں۔ اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ آخر زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام کی عہد حکومت میں زمین عدل وانصاف سے بھر جائے گی۔ اس کا راز بھی یہی ہے کہ اس وقت شریعت اسلام کا سکہ چل رہا ہوگا۔ اسلام آنے سے پہلے دنیا میں بڑی تہذیبیں دو ہی تھیں۔ ایک رومی مسیحی، دوسرے ایرانی مجوسی۔ یہ دونوں اخلاقی انحطاط کی آخری پستیوں تک پہنچ چکی تھیں۔ یہاں تک کہ قرآن نے آکر اعلان کیا کہ ہر مرض کا مداوا میرے ہی شفاخانہ میں ہے۔ عن ابن عباس وكان ظهر الفساد برا و بحرا وقت بعثة رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان الظلم عم الارض فاظهر الله به الدين. غرض کہ الف لام البر والبحر میں عموم ہے زمانا بھی اور مکانا بھی۔

تکوینی مصائب اصلاح خلق کا ذریعہ ہیں: اکثر دفعہ تو یہ شامت کفر وشرک کی وجہ سے آئی اور بعض پر دوسرے گناہوں کی وجہ سے بھی آئی ہوگی۔ اور ان حوادث تکوینی کا راز یہی ہے کہ یہ بلائیں اس لئے آتی ہیں کہ انسان ان کی وجہ سے اپنی طرف توجہ کرنا سیکھے۔ ان بلاؤں کا مقصود بھی اصلاح خلق ہی ہے۔ علامہ آلوسی نے صحیح لکھا ہے کہ شر مقصود بالذات نہیں ہوتا۔ اس کی حیثیت نشتر کی ہے جو محض آلہ ہوتا ہے حصول صحت وشفا کا جو مقصود اصلی ہے دین قیم پر رہنا ہی سب خرابیوں کا علاج ہے اور یہ دنیا میں رہ کر اس دن کے آنے سے پہلے ہی ہوسکتا ہے کہ جس کا آنا اٹل ہے نہ کوئی طاقت اسے پھیر سکتی ہے نہ خود اللہ میاں ملتوی کریں گے اور جو کفر کر رہے ہیں اس کا وبال خود ہی کو بھگتنا پڑے گا اور جو نیک کام کر رہا ہے وہ اپنے ہی لئے جنت کی تیاری کر رہا ہے۔

امام رازیؒ نے اس میں یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت چونکہ غضب سے وسیع تر ہے۔ اس لئے بدی کا بدلہ تو بدکاری تک محدود رکھا۔ مگر نیکی کا دائرہ وسیع کرکے فلا نفسهم يمهدون فرمایا۔ جس میں عزیز واقربا بھی آجائیں گی۔ نیز فرمایا کہ "من كفر" کے مقابلہ میں من آمن کی بجائے من عمل فرمایا تاکہ عمل صالح کی ترغیب ہوجائے۔ اور ایمان کی تکمیل ہوسکے اور من كفر کی علت میں فعليه كفره اور من عمل صالحا علت کی بجائے من فضله فرما کر اشارہ کردیا کہ سزا تو بلاعلت نہیں ہوتی مگر رحمت بلاعلت محض فضل سے ہوتی ہے۔

عربوں کی جہاز رانی: ان يرسل الرياح. قرآن کے پہلے مخاطب اہل عرب تھے اور عرب میں برساتی ہواؤں کی خوشگواری خود ایک مستقل نعمت ہے لیکن عام طور سے دوسرے زراعتی ملکوں کے لئے بھی مون سون کسان کے لئے کیا عظیم بشارت نہیں۔ اول ٹھنڈی ہوائیں باران رحمت کی خوشخبری لاتی ہیں۔ پھر خدا کی رحمت سے مینہ برستا ہے اور زمین سونا اگلتی ہے۔ بارش کے علاوہ انہی ہواؤں کا ایک کام یہ بھی ہے۔ کہ وہ بحری سفر کو ممکن بنادے۔ بادبانی جہاز اور کشتیاں تو خیر ہوا سے چلتی ہی ہیں۔ دخانی جہاز اور اسٹیمر میں بھی ہواؤں کی مدد شامل رہتی ہے۔ آج دنیا کی متمول ترین قوموں کا راز بھی تجارت ہے جسے عربوں نے قرآنی اشارات سے بہت پہلے سمجھ لیا تھا۔ "عربوں کی جہاز رانی" مشہور ہے۔

پہلے خشکی وتری میں فساد پھیلنے کا ذکر تھا۔ یہاں بشارت ونعمت کا تذکرہ ہوا۔ شاید اس میں یہ بھی اشارہ ہو کہ آندھی اور غبار پھیلنے کے بعد امید رکھو کہ باران رحمت آیا ہی چاہتی ہے۔ ٹھنڈی ہوائیں چل پڑی ہیں۔ جو رحمت وفضل کی خوشخبری سنا رہی ہیں۔ کافروں کو چاہئے کہ کفران نعمت اور شرارت سے باز آجائیں اور خدا کی مہربانیاں دیکھ کر شکر گزار بندے بنیں۔ یہی اس کتاب مبین کا امتیاز ہے کہ قدم قدم پر ساری مادی نعمتوں اور ترقیوں کے بعد انسان کو حدود عبدیت کے اندر رہنے کا درس دیتی رہتی ہیں۔

انتقام خداوندی: …… فانتقمنا. بعض کم فہموں کوانتقام کے لفظ پر شبہ ہو گیا کہ یہ شان الٰہی سے بعید ہے؟ لیکن بنیاد اس شبہ کی تمام تر "کینہ پروری اورانتقام" کے درمیان فرق نہ کرنا ہے۔ انتقام کے معنی مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے ہیں جو قیام عدل کا ایک لازمہ ہے ورنہ پھر نظام عدل ہی کو سرے سے خیر باد کہہ دیا جائے اور کینہ پروری محض ذاتی پرخاش کا نام ہے جو بلا سبب ہو۔

نیز اصل آیت میں مومنوں اور کافروں کی عام آویزش کا بیان نہیں اور نہ ہر حال میں مومنین کی نصرت کا کوئی عام وعدہ ہے۔ بلکہ کہنا یہ ہے کہ جب پیغمبروں کی تکذیب اور براہ راست مقابلہ کیا جائے اس وقت آخری شکست منکروں کی ہوتی ہے۔ آگے پھر ہوا کا ذکر ہے کہ جس طرح باران رحمت سے پہلے ہوائیں چلتی ہیں۔ اسی طرح دین کے غلبہ کی نشانیاں روشن ہوتی جاتی ہیں۔

الله الذی یرسل. یعنی پہلے لوگ ناامید ہو رہے تھے۔ حتیٰ کہ بارش آنے سے ذرا پہلے تک بھی امید نہ تھی کہ مینہ برس کر ایک دم رت بدل جائے گی۔ مگر انسان کا حال بھی عجیب ہے ذرا دیر میں ناامید ہو کر منہ لٹکا لیتا ہے پھر ذرا دیر میں خوشی سے اچھل کود کرنے لگتا ہے اور کھل جاتا ہے۔ کاشت کاروں کی نفسیات سے جو واقف ہوں گے وہ قرآنی فقروں کی دل کھول کر داد دیں گے۔

انسان کی خودغرضی اور قدرت کی نیرنگی: …… فانظر الی اثار. کچھ دیر پہلے ہر طرف خاک اڑ رہی تھی اور زمین خشک بے رونق مردہ پڑی تھی۔ ناگہاں اللہ کی رحمت سے زندہ ہو کر لہلہانے لگی۔ بارش نے اس کی پوشیدہ قوتوں کو کتنی جلدی ابھار دیا۔ یہی حال روحانی بارش کا سمجھو۔ اس سے مردہ دلوں میں جان پڑے گی اور انہیں روحانی زندگی عطا کرے گا اور قیامت کے دن مردہ لاشوں میں دوبارہ جان ڈال دے گا۔ اس کی قدرت کے آگے کچھ مشکل نہیں۔ بارش نہ ہونے سے پہلے انسان ناامید ہوتا ہے۔ بارش آئی زمین جی اٹھی۔ خوشیاں منانے لگے۔ اس کے بعد اگر ہم ایک ہوا چلا دیں جس سے کھیتیاں خشک ہو کر زرد پڑ جائیں تو یہ لوگ ایک دم پھر بدل جائیں اور اللہ کے احسانات ایک ایک کر کے بھلا دیں۔ انسان تو اپنی غرض کا بندہ ہے اسے بدلتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ اللہ کی قدرت رنگا رنگ ہے۔ معلوم نہیں نعمت کب چھین لے اور شاید اس میں اس طرف بھی اشارہ ہو کہ دین کی کھیتی سرسبز ہو کر پھر مخالف ہواؤں کے جھونکوں سے مرجھا کر زرد پڑ جائے گی اس وقت مایوس ہو کر ہمت ہارنی نہیں چاہئے۔

مردے سنتے ہیں کہ نہیں: …… فانك لا تسمع الموتی. اس موقعہ پر مفسرینؒ نے سماع موتی کی بحث چھیڑ دی ہے۔ یوں تو صحابہؓ کے زمانہ سے اس مسئلہ میں اختلاف چلا آ رہا ہے اور دلائل دونوں جانب ہیں۔ یہاں تو صرف اتنی بات سمجھ لینی چاہئے۔ کہ ارشاد ربانی ہے کہ تم یہ نہیں کر سکتے کہ کچھ بولو اور اپنی آواز مردے کو سنا دو۔ کیونکہ اس طرح مردوں کو سنانا اسباب عادیہ کی رو سے انسان کا کام نہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے تمہاری کوئی بات مردے کو سنوا دے تو ممکن ہے۔ کسی مسلمان کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ پس جن نصوص سے مردوں کا سننا ثابت ہے وہ غیر معمولی ہے۔ ہمیں اسی حد تک تسلیم کرنا چاہئے۔ خواہ مخواہ سننے کے دائرے کو وسیع نہیں کر سکتے کہ وہ ہر بات کو ہر وقت ہر جگہ سن سکتے ہیں۔

غرض کہ آیت میں سنانے کی نفی کی گئی ہے اس سے سننے کی نفی لازم نہیں آتی۔ تاہم بزرگوں کی قبور کی نسبت جو جاہلوں میں بد عقیدگیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان کو دیکھتے ہوئے سکوت اور توقف بہتر ہے۔

لطائف سلوک: …… ظهر الفساد. میں اشارہ ہے کہ تکوینی شرور و آفات مقصود بالذات نہیں ہوتے۔ بلکہ مواد فاسد نکالنے کے لئے نشتر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مقصود اصلی صحت روحانی ہے۔

فانظر الی آثار اس میں حق تعالیٰ کے افعال کی تجلی کے مشاہدہ کا حکم ہے۔

فانك لا تسمع تینوں جملوں سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ گمراہی اور ہدایت نہ کسی نبی کے قبضہ میں ہے اور نہ کسی ولی کے بس میں ہے۔ پس کچھ لوگوں کا یہ گمان کہاں تک درست ہے کہ کسی کو کامل بنا دینا مشائخ کے اختیار میں ہے۔

ان تسمع الا. اس آیت میں یہ کہا گیا کہ آپ صرف مومن کو سنا سکتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ سننے کی شرط ایمان ہے۔ حالانکہ معاملہ برعکس ہے کہ سننا ایمان لانے کی شرط ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ایمان سے مراد استعداد کا درجہ اور بالقوۃ مرتبہ مراد ہے جس سے فعل کا استعداد پر موقوف ہونا ثابت ہوا۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ ضُعْفٍ مَاءٍ مَّهِيْنٍ **ثُمَّ جَعَلَ مِنْ ۢ بَعْدِ ضُعْفٍ** اٰخَرَ وَهُوَ ضُعْفُ الطُّفُوْلِيَّةِ **قُوَّةً** اَيْ قُوَّةَ الشَّبَابِ **ثُمَّ جَعَلَ مِنْ ۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً ؕ** ضُعْفُ الْكِبَرِ وَشَيْبُ الْهَرَمِ وَالضُّعْفُ فِي الثَّلَاثَةِ بِضَمِّ اَوَّلِهٖ وَفَتْحِهٖ **يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ** مِنَ الضُّعْفِ وَالْقُوَّةِ وَالشَّبَابِ وَالشَّيْبَةِ **وَهُوَ الْعَلِيْمُ** بِتَدْبِيْرِ خَلْقِهٖ **الْقَدِيْرُ** ﴿۵۴﴾ عَلٰى مَا يَشَاءُ **وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ** يَحْلِفُ **الْمُجْرِمُوْنَ ۙ** الْكَافِرُوْنَ **مَا لَبِثُوْا** فِي الْقُبُوْرِ **غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ** قَالَ تَعَالٰى **كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ** ﴿۵۵﴾ يُصْرَفُوْنَ عَنِ الْحَقِّ الْبَعْثِ كَمَا صُرِفُوْا عَنِ الْحَقِّ الصِّدْقِ فِيْ مُدَّةِ اللُّبْثِ **وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ** مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَغَيْرِهِمْ **لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ** فِيْمَا كَتَبَهٗ فِيْ سَابِقِ عِلْمِهٖ **اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ** الَّذِيْ اَنْكَرْتُمُوْهُ **وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ** ﴿۵۶﴾ وُقُوْعَهٗ **فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ** فِيْ اِنْكَارِهِمْ لَهٗ **وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ** ﴿۵۷﴾ لَا يُطْلَبُ مِنْهُمُ الْعُتْبٰى اَيِ الرُّجُوْعُ اِلٰى مَا يَرْضَى اللّٰهُ **وَلَقَدْ ضَرَبْنَا** جَعَلْنَا **لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ** تَنْبِيْهًا لَهُمْ **وَلَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **جِئْتَهُمْ** يَا مُحَمَّدُ **بِاٰيَةٍ** مِثْلِ الْعَصَا وَالْيَدِ لِمُوْسٰى **لَّيَقُوْلَنَّ** حُذِفَ مِنْهُ نُوْنُ الرَّفْعِ لِتَوَالِي النُّوْنَاتِ وَالْوَاوُ ضَمِيْرُ الْجَمْعِ لِاِلْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ **الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا** مِنْهُمْ **اِنْ** مَا **اَنْتُمْ** اَيْ مُحَمَّدٌ وَاَصْحَابُهٗ **اِلَّا مُبْطِلُوْنَ** ﴿۵۸﴾ اَصْحَابُ اَبَاطِيْلَ **كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ** ﴿۵۹﴾ التَّوْحِيْدَ كَمَا طَبَعَ عَلٰى قُلُوْبِ هٰؤُلَاءِ **فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ** بِنَصْرِكَ عَلَيْهِمْ **حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ** ﴿۶۰﴾ بِالْبَعْثِ اَيْ لَا يَحْمِلَنَّكَ عَلَى الْخِفَّةِ وَالطَّيْشِ بِتَرْكِ الصَّبْرِ اَيْ لَا تَتْرُكْنَهٗ

ع ۶ / ۹

ترجمہ: .... **اللہ** ہے جس نے تم کو ناتوانی کی حالت میں بنایا (حقیر پانی سے) پھر ناتوانی (بچپن کی کمزوری) کے بعد (جوانی کی قوت) توانائی عطا کی۔ پھر توانائی کے بعد ضعف اور بڑھاپا دیا (بڑھاپے کی کمزوری اور انتہائی کمزوری اور لفظ ضعف تینوں جگہ ضمہ اول اور فتحہ اول کے ساتھ ہے) وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے (کمزوری اور قوت، جوانی اور بڑھاپا) اور وہ (اپنی مخلوق کی تدبیر) جاننے والا (جو چاہے اس پر) قدرت رکھنے والا ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی قسم کھا بیٹھیں گے (حلف اٹھالیں گے) مجرم (کافر) کہ وہ

(قبروں میں) ایک گھڑی سے زیادہ رہے ہی نہیں (خدا فرمائے گا) اسی طرح یہ لوگ الٹے چلا کرتے تھے (قیامت کے حق ہونے سے ایسے ہی پھر گئے جیسے ٹھہرنے کی مدت سے سچائی سے منہ موڑ رہے ہیں۔) اور جن لوگوں کو علم اور ایمان عطا ہوا ہے (فرشتے وغیرہ) وہ کہیں گے کہ تم نوشتہ الٰہی کے مطابق (جو اس نے علم ازلی کے موافق لکھا ہے) قیامت کے دن تک رہے ہو۔ سو قیامت کا دن یہی ہے (جس کا تم انکار کیا کرتے تھے) لیکن تم یقین نہ کرتے تھے (اس کے ہونے کا) غرض اس روز نفع نہ دے گا (تا اور یا کے ساتھ ہے) ظالموں کو ان کا عذر کرنا (قیامت کے انکار کے سلسلہ میں) اور نہ ان سے خدا کی خفگی کا تدارک چاہا جائے گا (خدا کی ناراضی دور کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ یعنی خدا کی خوشنودی کی طرف رجوع کرنے کے لئے) اور ہم نے بیان کئے (بنائے) لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر طرح کے عمدہ مضامین (ان کی تنبیہ کے لئے) اور اگر (لام قسمیہ ہے) آپ (اے محمد ﷺ) ان کے پاس کوئی نشان لے آئیں (جیسے عصائے موسیٰ اور ید بیضاء) تب بھی یہی کہیں گے (لیقولن سے نون رفع حذف کر دیا گیا ہے تین نون جمع ہو جانے کی وجہ سے اور واؤ ضمیر جمع بھی حذف کر دی گئی ہے۔ التقاء ساکنین کی وجہ سے) وہ لوگ جو (ان میں) کافر ہیں کہ تم سب (اے محمد ﷺ اور ان کے ساتھیو) محض باطل پر (غلط کار لوگ) ہو اسی طرح اللہ مہر کر دیتا ہے ان کے دلوں پر جو یقین نہیں کرتے (توحید پر جیسے ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے) سو آپ صبر کیجئے۔ بے شک اللہ کا وعدہ (ان کے مقابلہ میں آپ کی مدد کا) سچا ہے اور بے یقین لوگ آپ کو بے برداشت نہ کرنے پائیں (جو قیامت کے منکر ہیں۔ یعنی وہ آپ کو ہلکے پن اور طیش میں مبتلا کر کے بے قابو ہونے پر آمادہ نہ کرنے پائیں یعنی صبر کا دامن نہ چھوڑ دیجئے۔

تحقیق وترکیب: خلقکم من ضعف. ای ابتداء کم ضعفاء وجعل الضعف اساس امر کم. دوسری آیت میں خلق الانسان ضعیفاً فرمایا گیا ہے اور ضعف کہتے ہیں استعارہ کنایہ ہے کہ ضعف کو بنیاد اور مادہ سے تشبیہ دی گئی۔ اور لفظ من استعارہ تخییلیہ کے طور پر داخل کیا گیا ہے مبتدا خبر سے مل کر جملہ خبریہ ہے۔

من بعد ضعف. مفسر علامؒ نے صفت اس لئے کہا ہے کہ نکرہ جب دوبارہ لایا جاتا ہے تو اس سے پہلے کے خلاف مراد ہوتا ہے۔ اگرچہ اس قاعدہ اکثریہ کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں قوتوں سے مراد بھی الگ الگ ہو۔ مگر چونکہ ان کے اتحاد کا قرینہ ہے اس لئے تغایر نہیں کیا۔

ضعفا وشيبة لفظ شیبہ یا تو ضعف کا بیان ہے اور یہ دونوں لفظوں سے اندرونی اور خارجی قوتوں کا تغیر مراد ہے اور یا لفظ ضعف سے ابتدائی درجہ اور شیبہ سے انتہائی درجہ مراد ہوگا۔ شیبہ کہتے ہیں سیاہ بالوں کا سفید ہو جانا جو عموماً تینتالیس سال کی عمر میں شروع ہوتا ہے جو ابتدائی سن کہولت ہے اور پچاس کے بعد سے تریسٹھ سال تک زمانہ نقصان ہے اور یہ ابتدائے سن شیخوخت ہے جس میں جسمانی اور عقلی نقصان شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن اہل صلاح وتقویٰ کی عقل البتہ بڑھتی ہے اور "زمانہ ہرم" بڈھے کھوسٹ ہونے کا وقت ہوتا ہے۔ جس میں انسان ہر طرح دوسرے کا محتاج ہوتا ہے۔ حدیث میں اس حالت سے استعاذہ کیا گیا ہے۔ **اللهم انی اعوذبک من الهرم۔** یہ وقت قابل رحم ہوتا ہے۔ تاویلات نجمیہ میں ہے۔ **يتحلق في السعيد قوة الايمان وضعف البشرية وفي الشقي قوة البشرية بقول الكفر وضعف الروحانية يقول الايمان.**

ما لبثوا غير ساعة قیامت کی ہولناکیوں کے آگے یہ زمانہ ہیچ معلوم ہوگا۔ جیسے کسی کو پھانسی کا حکم ہو جائے اور ایک ماہ کی میعاد ہو جائے تو مہینہ گزرنے پر ایسا معلوم ہوگا کہ مہینہ گزرا ہی نہیں کل ہی کی بات ہے۔ لفظ **الساعة** یہ قیامت کا نام ہے تغلیباً جیسے **النجم** ثریا کا اور **الكوكب** زہرہ کا علم ہو گیا ہے۔

فيومئذ يوم منصوب ہے لا ینفع کی وجہ سے اور اذ پر مضاف الیہ کے عوض تنوین آ گئی اور معذرۃ بمعنی عذر چونکہ مؤنث غیر

حقیقی ہے اور لا ینفع اور معذرۃ کے درمیان فصل بھی ہو گیا ہے۔ اس لئے ینفع مذکر اور مؤنث دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

یستعتبون. **الا ستعتاب طلب العتبی** اور عتبیٰ، اعتاب کا اسم ہے بمعنی ازالہ عتب، عتب بمعنی غضب ہے۔ جیسے **استعطاء** طلب عطا کے معنی میں۔ استعتاب خدا کی خوشنودی طلب کرنا اور توبہ کر کے غصہ دور کرنا۔ کہا جاتا ہے۔ **استعتبنی فلان فاعتبته ای استر ضانی فار ضیته.**

لیقولن. مفسر علامؒ کی عبارت **حذف منه الخ** سبقت قلم کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے فعل کا مضموم اللام ہونا اور رفع کا واؤ محذوف ہونا معلوم ہوتا ہے جو التقاء ساکنین کی وجہ سے گر گئی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ **یقولن** فعل مضارع نون تاکید کی وجہ سے مبنی بر فتحہ ہے۔ پس لام بالاتفاق قراء مفتوح اور رفع اسم موصول از قبیل اسم ظاہر ہے۔

ان انتم. لئن جئتهم. میں واحد مخاطب تو ظاہر کے مطابق ہے لیکن ان انتم میں جمع لانا اس میں نکتہ یہ ہے کہ کفار اپنے گمان میں یہ سمجھتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کو تنہا مدعی بنانے میں صحابہ کے شاہد ہونے کا احتمال رہتا ور جب آپ کے دعوے پر بہت سے شاہد ہوتے تو کفار کا کہنا غلط ہو جاتا۔ اس لئے انہوں نے سب کو ملا کر اہل باطل کہہ دیا۔ تاکہ گواہوں کی بجائے سب کو مدعی کی لائن میں کھڑا کر دیا جائے۔

لا یستخفنك. یہ نہی ایسی ہے جیسے کہا جائے۔ **لا ار ینك هنا.** یعنی اگرچہ بظاہر ممانعت آپ کو ہو رہی ہے۔ مگر مقصود دوسروں کو سنانا ہے۔

ربط: .... توحید کے بعد پھر بعث اور قیامت کی بحث چھیڑ دی اور یہ مضمون مکرات ومرات آ چکا ہے۔ شروع میں انسانی تغیرات بیان کرتے ہوئے **الله الــــذی** ما نا گیا ہے۔ جس سے ایک طرف فاعل کا صاحب قدرت اور مؤثر ہونا معلوم ہوا۔ اور دوسری طرف منفعل یعنی انسان کا متاثر ہونا معلوم ہوا۔ اس لئے بعث وقیامت کے ہونے میں کیا اشکال رہ جاتا ہے۔

اس کے بعد آیت **ولقد ضربنا** میں دو مضمون بطور نتیجہ سورۃ کے بیان کئے جا رہے ہیں۔ ایک سورت کے مفصل مضامین کی تعریف اور بلاغت کا اجمالی ذکر جس سے اس کا بے حد مؤثر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اس شدت تاثیر کے باوجود کفار کا محروم ہونا آپ کے لئے باعث رنج وملال تھا۔ اس لئے آپ کی تسلی کے لئے جہالت اور معاندت بیان کر دی گویا ان میں انفعالیت کا فقدان ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... آیت **الله الــــذی** کا حاصل یہ ہے کہ اللہ ہر تصرف میں آزاد وخود مختار ہے۔ وہی جب چاہے نیست کو ہست کر دے ضعیف سے قوی اور قوی سے ضعیف بنا دے۔

طاقت کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے: .... کسی کی مجال نہیں کہ چون وچرا یا روک ٹوک کر سکے۔ زندگی اور موت، قوت وضعف کا اتار چڑھاؤ سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ پہلی ضعت سے مراد حالت جنین یا نطفہ کی کمزوری ہے ور دوسری ضعت سے عہد طفولیت اور بچپن کی ناطاقتی اور بے بسی مراد ہے اور قوت سے جوانی کی طاقت مراد ہے۔ شاید اس میں اشارہ اس طرف بھی ہو کہ جس طرح تمہیں کمزوری کے بعد زور دیا مسلمانوں کو بھی کمزوری کے بعد طاقت عطا کی جائے گی جو دین بظاہر اس وقت کمزور نظر آتا ہے کچھ دنوں بعد وہ زور پکڑ جائے گا۔ اس کے بعد ہو سکتا ہے کہ پھر مسلمانوں پر کمزوری کا دور آئے۔ خاص اسباب کے ماتحت اگرچہ مدوجزر ہوتا ہے مگر اصل سرچشمہ اللہ کی ذات ہے۔

دنیاوی زندگی یا برزخ کا واقعہ محشر کی ہولناکی کے آگے ہیچ ہے: ...... ویقسم المجرمون. فی نفسہ اگرچہ دنیا کی مدت طویل رہی۔ مگر منکرین کے سامنے جب قیامت کا منظر آیا۔ تو انہیں اچانک معلوم ہوا کہ جیسا کہ خلاف توقع کوئی بات پیش آجانے پر ایسا ہی معلوم ہوا کرتا ہے برخلاف اس کے اگر پہلے سے کسی چیز کا شوق وانتظار ہو تو انسان گھڑیاں گنتا رہتا ہے اور تھوڑا وقت بہت معلوم ہوا کرتا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ قیامت کے ہولناک مناظر کے آگے دنیا کی پہاڑ سی زندگی بھی خواب وخیال نظر آئے گی۔ یا یہ مطلب ہے۔ کہ برزخ اور قبر کا واقعہ حشر سامانیوں کے آگے گرد معلوم ہوگا۔ جب مصیبت سر پر کھڑی نظر آئے گی۔ تو کہیں گے افسوس بڑی جلدی یہ وقفہ ختم ہوگیا کچھ بھی مہلت نہ ملی۔ جو ذرا دیر اس مصیبت سے بچے رہتے۔ اس طرح کی مغالطہ آمیز باتیں کرنا ان کی پرانی عادت ہے۔ دنیا میں بھی حقائق کے ادراک میں اسی طرح کی کج اندیشیاں کرتے رہتے تھے۔ فرشتے، انبیاء، علماء، مؤمنین یہ کہہ کر ان کی غلط بیانیوں کا پردہ چاک کردیں گے کہ تم جھوٹ بکتے ہو یا دھوکہ میں پڑے ہوئے ہو۔ تم ٹھیک اللہ کے علم کے مطابق دنیا یا برزخ میں رہے۔ ایک منٹ کی کمی بھی نہیں ہوئی۔ اگر پہلے سے اس دن کا یقین کرتے اور تیاری کرتے تو تمہیں شوق میں محسوس ہوتا کہ اس دن کے آنے میں بہت دیر لگی۔ اس کا ان کے پاس کوئی معقول جواب نہیں ہوگا۔

توبہ تلا کا وقت بیت چکا اب تو سزا بھگتنی ہے: ...... اس وقت ان سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ چلو اب توبہ کرلو اور اللہ کو راضی کر کے معافی تلافی کرلو۔ کیونکہ اس کا وقت گزر چکا ہوگا اب تو سزا بھگتنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہوگا۔ اس وقت پچھتائیں گے۔ مگر پچھتانے سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ دنیا میں رہ کر ان سب باتوں کا موقعہ تھا۔ کیونکہ وہ دار العمل ہے۔ اس کو تو گنوا دیا اور قرآن کی صاف صاف دلیلوں کو جھٹلا دیا۔ واضح معجزات کا انکار کیا، پیغمبروں کا مذاق اڑایا، قرآن کو جادو اور من گھڑت بتلایا۔ ظاہر ہے کہ جو شخص نہ سمجھے اور نہ ہی سمجھنے کی کوشش کرے، اور ہٹ دھرمی سے ہر بات کا انکار کرتا رہے تو قبول حق کی فطری استعداد بھی کھو بیٹھتا ہے۔ اس کے دل پر آخر کار مہر لگ جاتی ہے۔ اور جب یہاں درجہ میں پہنچ گئے تو ظاہر ہے کہ آپ کے لئے پیغمبرانہ حوصلہ اور برداشت کے سوا اور کوئی راستہ نہیں۔ آپ ان سے ہٹ کر اپنے کام میں لگئے اور رنج وملال کی بجائے اصلاح ودعوت کے مشغلہ میں بدستور لگے رہئے۔

یہ لوگ آپ کا بال بیکا نہیں کرسکیں گے۔ اور نہ آپ کو آپ کے مقام سے بال برابر جنبش دے سکیں گے۔ اللہ کے وعدہ نصرت وفتح میں ظاہر ہے تفاوت یا تخلف نہیں ہوسکتا۔

نفسانی انتقام گو جائز ہے۔ مگر صاحب تبلیغ کے لئے بالخصوص ابتداء اسلام میں مناسب نہیں سمجھا گیا اور جہاد کو نفسانی انتقام نہیں کہا جائے گا کہ دونوں میں تعارض مان کر ناسخ منسوخ ماننا پڑے۔

لطائف سلوک: ...... فاصبر ان وعداللہ حق. اس میں اہل ارشاد کو جو آنحضرت ﷺ کے سچے پیروکار ہیں۔ منکرین کے انکار کرنے پر صبر کرنے کا اشارہ ہے۔

سُـــورَةُ لُقْـمَانَ

سُوْرَةُ لُقْمَانَ مَكِّيَّةٌ اِلَّا وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ الْاٰيَتَيْنِ فَمَدَنِيَّتَانِ وَهِيَ اَرْبَعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ **تِلْكَ** اَیْ هٰذِهِ الْاٰيٰتُ **اٰيٰتُ الْكِتٰبِ** الْقُرْاٰنِ **الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾** ذِی الْحِكْمَةِ وَالْاِضَافَةُ بِمَعْنٰی مِنْ هُوَ **هُدًی وَّرَحْمَةً** بِالرَّفْعِ **لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳﴾** وَفِیْ قِرَاءَةِ الْعَامَّةِ بِالنَّصْبِ حَالًا مِنَ الْاٰيَاتِ الْعَامِلُ فِيْهَا مَا فِيْ تِلْكَ مِنْ مَعْنَی الْاِشَارَةِ **الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ** بَيَانٌ لِلْمُحْسِنِيْنَ **وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾** هُمُ الثَّانِیْ تَاكِيْدٌ **اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾** الْفَائِزُوْنَ **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ** اَیْ مَا يُلْهِیْ مِنْهُ عَنْ مَا يَعْنِیْ **لِيُضِلَّ** بِفَتْحِ الْيَاءِ وَضَمِّهَا **عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** طَرِيْقِ الْاِسْلَامِ **بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا** بِالنَّصْبِ عَطْفٌ عَلٰی يُضِلَّ وَبِالرَّفْعِ عَطْفًا عَلٰی يَشْتَرِیْ **هُزُوًا** مَهْزُوًّا بِهَا **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۶﴾** ذُوْ اِهَانَةٍ **وَاِذَا تُتْلٰی عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا** الْقُرْاٰنُ **وَلّٰی مُسْتَكْبِرًا** مُتَكَبِّرًا **كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِیْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا** صَمَمًا وَجُمْلَتَا التَّشْبِيْهِ حَالَانِ مِنْ ضَمِيْرِ وَلّٰی اَوِ الثَّانِيَةُ بَيَانٌ لِلْاُوْلٰی **فَبَشِّرْهُ** اَعْلِمْهُ **بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۷﴾** مُؤْلِمٍ وَذِكْرُ الْبِشَارَةِ تَهَكُّمٌ بِهٖ وَهُوَ النَّضْرُ بْنُ الْحَارِثِ كَانَ يَاْتِی الْحِيْرَةَ يَتَّجِرُ فَيَشْتَرِیْ كُتُبَ اَخْبَارِ الْاَعَاجِمِ وَيُحَدِّثُ بِهَا اَهْلَ مَكَّةَ وَيَقُوْلُ اِنَّ مُحَمَّدًا يُحَدِّثُكُمْ اَحَادِيْثَ عَادٍ وَثَمُوْدَ وَاَنَا اُحَدِّثُكُمْ حَدِيْثَ فَارِسَ وَالرُّوْمِ فَيَسْتَمْلِحُوْنَ حَدِيْثَهٗ وَيَتْرُكُوْنَ اِسْتِمَاعَ الْقُرْاٰنِ **اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ﴿۸﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا** حَالٌ مُقَدَّرَةٌ اَیْ مُقَدَّرًا خُلُوْدُهُمْ فِيْهَا اِذَا دَخَلُوْهَا **وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا** اَیْ وَعَدَهُمُ اللّٰهُ ذٰلِكَ وَحَقَّهٗ حَقًّا **وَهُوَ الْعَزِيْزُ** الَّذِیْ لَا يَغْلِبُهٗ شَیْءٌ فَيَمْنَعُهٗ عَنْ اِنْجَازِ وَعْدِهٖ وَوَعِيْدِهٖ

الْحَكِيْمُ الذي لا يضع شيئا الا في محله **خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا** اي العمد جمع عماد وهو الاسطوانة وهو صادق بان لاعمد اصلا **وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ** جبالا مرتفعة **اَنْ** لا **تَمِيْدَ** تتحرك **بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَاَنْزَلْنَا** فيه التفات عن الغيبة **مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ** صنف حسن **هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ** اي مخلوقه **فَاَرُوْنِيْ** اخبروني يا اهل مكة **مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ** غيره اي الهتكم حتى اشركتموها به تعالى وما استفهام انكار مبتدأ وذا بمعنى الذي بصلته خبره وأروني معلق عن العمل وما بعده سد مسد المفعولين **بَلِ** للانتقال **الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ** بيّن باشراككم وانتم منهم ع ۱۰

ترجمہ: سورۂ لقمان مکی ہے۔ بجز آیت ولو ان مافی الارض من شجرۃ اقلام دو آیتوں کے وہ مدنی ہیں۔ اس سورت میں ۳۴ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم الم (حقیقی مراد کا اللہ کو علم ہے) یہ (آیتیں) آیات ہیں کتاب (قرآن) حکیم کی (جو حکمت والی ہے آیت الکتاب میں اضافت بواسطہ من ہے۔ وہ قرآن) جو کہ ہدایت اور رحمت ہے (رفع کے ساتھ ہے) نیکوکاروں کے لئے (عام قرأت میں رحمت نصب کے ساتھ آیات سے حال ہے اور اس میں عامل تلک کے معنی اشارہ ہیں) جو نماز کی پابندی کرتے ہیں (محسنین کا بیان ہے) اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ آخرت کا پورا یقین رکھتے ہیں (دوسرا ھم تاکید ہے) یہی لوگ ہیں اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت کے راستہ پر، اور یہی لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں (کامیاب) اور ایک آدمی ایسا بھی ہے جو اللہ سے غافل کرنے والی باتیں خریدتا ہے (جو ضروریات چھوڑ کر فضولیات میں لگا دیتی ہیں) تاکہ گمراہ کردے (فتحہ یا اور ضمہ یا کے ساتھ) اللہ کی راہ (اسلام) سے بے سمجھے بوجھے اور اڑائے اس کی (لفظ یتخذ نصب کے ساتھ یضل پر عطف ہوگا اور رفع کے ساتھ یشتری پر عطف ہوگا) ہنسی (مذاق) ایسے ہی لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے (اہانت آمیز) اور جب اس کے سامنے ہماری (قرآنی) آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے تکبر کرتے ہوئے جیسے اس نے سنا ہی نہیں گویا اس کے کانوں میں ثقل ہے (بہرا پن اور دونوں تشبیہی جملے ولی کی ضمیر سے حال ہیں یا دوسرا جملہ پہلے جملہ کا بیان ہے) سو آپ اس کو خبر سنا دیجئے (بتا دیجئے) دردناک عذاب کی (جو شدید ہوگا اور بشارۃ کا لفظ بطور مذاق کے ہے۔ اور وہ شخص نضر بن حارث تھا جو تجارت کی غرض سے مقام حیرہ میں آیا کرتا اور وہاں سے عجمی تاریخ کی کتابیں خرید کرلے جاتا اور جا کر مکہ والوں کو سنایا کرتا اور کہا کرتا کہ محمد (ﷺ) تو تمہیں عاد وثمود کے قصے بیان کیا کرتے ہیں۔ لیکن میں فارس اور روم کے حالات سناتا ہوں۔ چنانچہ لوگوں کو اس کی داستان سرائی میں مزہ آتا اور قرآن سننا چھوڑ دیتے) البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے ان کے لئے عیش کی جنتیں ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے (یہ حال مقدرہ ہے۔ یعنی یہ لوگ اس حال میں جنت میں جائیں گے۔ کہ ان کے لئے دوام تجویز ہوگا) یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے (یعنی اللہ نے ان سے یہ وعدہ کیا ہے اور سچا وعدہ کیا ہے) اور وہ زبردست ہے (اس پر کوئی غالب نہیں کہ اسے اپنے وعدہ اور وعید کے پورا ہونے سے روک سکے) حکمت والا ہے (ہر چیز ٹھیک برمحل رکھتا ہے) اس نے آسمانوں کو بلا ستون کے بنایا ہے۔ تم ان کو دیکھ رہے ہو (یعنی ستون کو دیکھ رہے ہو؟ عمد جمع

عماد کی ہے ستون کو کہتے ہیں۔ یہ فرمانا اس صورت میں بھی صحیح ہو سکتا ہے کہ بالکل ستون ہی نہ ہو) اور زمین میں پہاڑ ڈال رکھے ہیں (اونچی اونچی چٹانیں) کہ وہ تم کو لے کر ڈانواڈول (ڈگمگانا) نہ ہونے لگے اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا رکھے ہیں۔ اور ہم نے برسایا (اس میں غیبت سے التفات ہے) آسمان سے پانی۔ پھر اس زمین میں ہر طرح کے عمدہ اقسام اگائے (اچھی قسمیں) یہ تو اللہ کی بنائی ہوئی چیزیں (مخلوق) ہیں۔ اب تم مجھ کو دکھاؤ (اے مکہ والو! مجھے بتلاؤ) کہ اللہ کے علاوہ جو ہیں انہوں نے کیا کیا چیزیں پیدا کی ہیں (غیر اللہ یعنی تمہارے معبودوں نے حتی کہ تم انہیں خدا کا شریک تجویز کرنے لگے ہو اور ما استفہام انکار کے لئے مبتداء ہے اور ذا بمعنی الذی مع اپنے صلہ کے اس کی خبر ہے اور ارونی عمل سے متعلق ہے اور اس کے بعد دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے) بلکہ (لفظ بل انتقال کلام کے لئے ہے) یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں (جو ان ظالموں کے شرک سے واضح ہے۔ تم لوگ بھی انہی ظالموں میں سے ہو۔)

تحقیق وترکیب: ولوان مافی الارض ایک رائے یہ ہے۔ دوسرا قول پوری سورت کے مکی ہونے کا ہے اور تیسرا قول "ولو ان مافی الارض" سے تین آیات مدنی ہیں باقی سورت مکی ہے۔

تلک یعنی تلک بمعنی ھذہ ہے جو قریب کے لئے آتا ہے علو مرتبہ کی وجہ سے۔ قرآن میں اسم اشارہ بعید رایا گیا ہے۔

الحکیم۔ قرآن کی صفت بتقدیر المضاف ہونے کی طرف مفسر نے اشارہ کیا ہے۔ اور کشاف میں زمخشری نے کہا ہے کہ اللہ کی صفت سے مجازاً قرآن کو متصف کیا گیا ہے۔ اصل عبارت یہ تھی الحکیم فائللة مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو قائم مقام کر دیا گیا یعنی ضمیر مجرور اس کے بعد ضمیر مجرور مرفوع ہو کر صفت مشبہ حکیم میں مستتر ہوگئی۔ یہ حسن صناعت کا طریقہ ہے۔

معنی الا شارة. ای اشار الی ایات الکتاب الحکیم.

من الناس خبر مقدم اور من مبتداء مؤخر ہے۔ یہ لفظاً مفرد اور معنی جمع ہے۔ چنانچہ ضمائر میں اس کی لفظی حیثیت کا لحاظ کیا گیا اور اولئک الخ میں معنی کی رعایت کی گئی۔ نضر بن الحارث تاریخ کی کتابیں خرید کر رستم واسفندیار کے قصے سنایا کرتا۔ یا بعض کی رائے کے مطابق اس نے دو باندیاں خرید کر انہیں بیسوا بنا دیا تھا۔ تاکہ نوجوان مسلمانوں کو پھنسا کر ورغلائیں۔ اور ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ عنہما دونوں حافیہ غنا اور گانے کو لہو الحدیث میں داخل فرماتے تھے۔ اور اشتراء سے مراد یہ ہے کہ قرآن کی بجائے غنا اور مزامیر سنے جائیں۔ لہو الحدیث میں لہو کی اضافت حدیث کی طرف بواسطہ من کے ہے اور یہ اضافت الخاص الی العام ہے۔ کیونکہ لہو کبھی قولی کی بجائے فعلی ہوتا ہے۔ غنا ومزامیر۔ خرافات وفضولیات سب اس میں داخل ہیں۔

لیضل حفص، حمزہ، علی نصب کے ساتھ اور باقی قراء رفع کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

من ضمیر ولی. ای ولی مشابها حاله بحال من لم یسمعه ومشابها کمن فی اذنیه وقرٌ لا یقدران یسمع. دوسرا جملہ پہلے جملہ کا بیان بھی ہو سکتا ہے اور حال متداخلہ بھی۔ اور زمخشری نے دونوں جملوں کو مستانفہ بھی کہا ہے۔

بشره. مطلق خبر کے معنی میں ہے بطور تجرید کے۔ اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ بشری بجائے تہکماً بشارۃ کہا ہے۔ مفسر علامؒ کے لئے مناسب تھا کہ لفظ او کے ساتھ بیان کرتے۔

وعد اللہ حقا پہلا جملہ مفعول مطلق تاکید نفسہ ہے۔ کیونکہ وعدہ سے مراد جنت النعیم ہی ہے اور حقاً تاکید لغیرہ ہے۔ کیونکہ ہر وعدہ حق نہیں ہوتا۔ بعض وعدے ناحق بھی ہوتے ہیں۔ دونوں جملوں کی تقدیر مفسر علام نے بیان فرمادی۔

بغیر عمد ترونها یہ وجود موضوع اور عدم موضوع دونوں صورتوں میں صادق آتا ہے یعنی آسمان ستون پر ہے۔ مگر ستون نظر نہیں آتا۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ ستون ہی نہ ہو۔ پس ستون اور دیکھنے دونوں کی نفی ہو جائے۔ صرف اللہ کے حکم اور

قدرت سے آسمان قائم ہیں۔ مگر یہ توجیہات آسمانوں کی کرویت کے منافی نہیں ہیں، کیونکہ مقصد تو یہ ہے کہ اتنا عظیم کرہ بلا سہارے کے قائم کر رکھا ہے۔

جبالا۔ بقول ابن عباسؓ سترہ پہاڑ ہیں۔ منجملہ ان کے کوہ قاف، جبل ابوقبیس، جودی، لبنان، طور سینا ہیں اس کا مقصد زائد کی نفی نہیں ممکن ہے اس وقت ان کو اتنے ہی تحقیق ہوئے ہوں یا خاص حصہ زمین کے اعتبار سے یہ تعداد ہو۔ ساری دنیا کے لئے نہیں کہا۔

ان تمید زمین کی حرکت ذاتی کی نفی سے مقصود نہیں۔ بلکہ حرکت عرضی کی نفی مقصود ہے۔ یعنی پانی پر ڈگمگا رہی تھی۔ پہاڑوں کی وجہ سے وہ بند ہو گیا۔ رہی اس کی ذاتی حرکت اس کی نفی اور اثبات سے بحث نہیں۔ یہ فلسفہ کا موضوع قرآن کا موضوع نہیں ہے۔

ارونی ماذا تعلیق نحویوں کی اصطلاح میں لفظاً ابطال عمل کو کہتے ہیں۔ یہاں استفہام کی وجہ سے ارونی کا عمل معلق ہو گیا۔ لیکن بعد کے جملہ کو مفعولوں کے قائم مقام کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں عمل جاری ہے۔ چنانچہ علامہ رضیؒ کو اس میں کلام ہے اور ماذا استفہامیہ کو خلق کی وجہ سے بھی منصوب کہا جا سکتا ہے۔

ربط: ...... پچھلی سورت کے اختتام پر قرآن کی تعریف کی گئی تھی۔ اس سورت کا آغاز بھی مدح قرآن سے کیا جا رہا ہے اسی کے ساتھ قرآن کی تصدیق کرنے والوں کی تعریف اور جھٹلانے والوں اور اعراض کرنے والوں کی برائی اور سزا بیان ہوئی۔ پھر ان الذین امنوا میں قرآن کی تصدیق کرنے والوں کی جزا اور خلق السموات سے کل ختار کفور تک توحید کا بیان ہے اور درمیان میں تکمیل کے لئے حضرت لقمانؑ کا واقعہ اور اس ذیل میں بعض احکام فرعیہ اور و اذا قیل لھم اتبعوا سے متمسک مشرکین کا ضعف اور متمسک موحدین کی قوت اور من کفر سے مشرکین کی وعید اور آنحضرت ﷺ کی تسلی کا بیان ہے۔ پھر یا ایھا الذین سے وعظ کے پیرایہ میں آیت نمتعھم قلیلا سے مشرکین کی وعید اور اس کے واقع ہونے کے وقت۔ قیامت کی تقریر کی گئی ہے اور آخری آیت ان اللہ عندہ میں علم غیب کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہونا مذکور ہے۔

شان نزول: ...... آیت ومن الناس الخ نضر بن الحارث کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ عجمی تاریخی کتابیں خرید کر لوگوں کو رستم واسفندیار وغیرہ کے قصے سناتا تھا اور قرآن کریم سے لوگوں کو ہٹانے کی کوشش کرتا۔ اسی طرح کچھ بیسواؤں کے ذریعہ بھی سادہ لوح نومسلموں کو ورغلانے کی سعی کرتا تھا۔

﴿تشریح﴾: آیت تلک آیات میں قرآن مجید کی اہمیت وعظمت کا بیان ایک عجیب لطیف انداز سے ہے۔ محسن وہی لوگ کہلائیں گے جو قرآن پر عمل کر کے کمال اخلاق تک پہنچ گئے ہیں۔ قرآن کی ہدایت کا ان کے ساتھ خاص ہونا بلحاظ نفع کے ہے ورنہ جہاں تک نصیحت وفہمائش کا تعلق ہے وہ انس وجن سب کے لئے عام ہے۔ اس مضمون کی آیت سورہ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔

لھو الحدیث سے جمہور نے غنا اور گانا مراد لیا گیا ہے۔ روح المعانی میں ہے۔ وفی الایۃ عند الا کثرین ذم للغناء باعلی صوت اور کتب قرطبی میں ہے۔ الغناء فی قول ابن عباس وابن مسعود وغیر ھما وھو ممنوع بالکتاب والسنۃ غنا کے متعلق محدثین اور فقہاء کے اقوال مختلف ہیں۔

درمختار میں ہے۔ التغنی لنفسہ لد فع الوحشۃ لا باس بہ عندا لعامۃ علی ما فی العنایۃ وصححہ النبی والیہ ذھب شمس الائمۃ السرخسی. روح المعانی میں ہے۔ ولوفیہ وعظ وحکمۃ فجائز اتفاقا. غرض کہ اس قسم کے

خاص مواقع میں فقہائے حنفیہ بھی غنا کی اجازت دیتے ہیں۔ لیکن آج کل خانقاہوں، مسجدوں، مزاروں پر جو قوالیاں اور گانے بجانے ہوتے ہیں۔ یا بیاہ شادیوں کے موقعہ پر یا عید وغیرہ کے جشن میں جو ناچ، گانے، رنگ رلیاں مجمع فساق کے ساتھ ہوتی ہیں وہ تو کسی کے نزدیک کسی طرح بھی جائز نہیں ہے اور عبادت یا تصوف سمجھ کر اس کو کرنا تو اور بھی برا ہے۔ جس چیز کو مٹانے کے لئے آنحضرت ﷺ تشریف لائے ہوں اور جن کو علامات قیامت میں شمار کیا ہو۔ وہ مستحسن اور عبادت کیسے ہوسکتی ہے؟ زیادہ سے زیادہ بعض خاص صورتوں میں جو جواز کا درجہ ہے اور یہی توجیہ ہے۔ بعض اسلاف صوفیہ کے عمل کی۔ وصاحب الهداية والذخيرة سماه كبيرة هذا في التغني للناس في غيره الا عياد والاعراس ويد حل فيه تغني صوفية زماننا في المساجد والدعواة فالاشعار والاذكار مع اختلاط اهل الا هواء والمراد بل هذا اشد من كل تغن لا نه مع اعتقاد العبادة (روح) فاما ابتدعته الصوفيه اليوم من الا دمان على سماع المعاني بالا لات المطربة من الشبابات و الطار من المعازف والاوقار فحرام (قرطبي) واما ما ابتدعته الصوفية في ذالک فمن قبيل ما لايختلف في تحريمه لكن النفوس الشهوانية غلبت على كثير ممن ينسب الي الخير حتى لقد ظهرت في كثير منهم فعلات المجانين والصبيان حتى رقصوا بحركات متنا بعة وتقطيعات متلا حقة وانتهى التواقع بقوم منهم الىٰ ان جعلوها من باب القرب وصالح الاعمال وان ذالک يثمر سنى الا حوال وهذا على التحقيق من اثار الزندقة(روح) واماما رسمه اهل زماننا من انتم يهيون المجالس وير تكبون فيها بالشرب والفواحش ويجمعون الفساق والا ماء يطلبون المغنيين والطواف ويسمعون منهم العناء يتلذذون بها كثير امن الهواء النفسانية والخرافات الشيطانيه ويحمدون على المغنيين باعطاء النعيم العظيم ويشكرون عليهم بالا حسان العميم فلا شک ان ذالک ذنب كبيروا ستحلاله كفر قطعا ويقيناً لا نه عين لهو الحديث في شانهم. (احمدی)

تاہم محققین کا فیصلہ یہ ہے کہ گانے بجانے، رقص وسرور اور سماع ہی پر منحصر نہیں۔ سب فضول اور لایعنی مشاغل، بیکار دھندے اس میں آجاتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد ہے۔ لهو الحديث هو العناء واشباهه پس سینما، تھیٹر، پکچر، گیلری، کبوتر بازی، تیتر بازی، بٹیر بازی، پتنگ بازی، آتش بازی، شطرنج بازی، چوسر بازی، تاش بازی کی کہاں گنجائش نکل سکتی ہے۔ آج خصوصیت سے مسلمانوں کے معاشرہ کو ان ساری بازیوں نے اتنا بگاڑ کر رکھ دیا ہے کہ آج مسلمان بازی گر ہوکر رہ گیا ہے۔ اسی طرح ادبیات میں افسانہ اور سوقیانہ شعر وشاعری کا وہ بہت بڑا ذخیرہ جسے آرٹ کا خوبصورت نام اور خوشنما عنوان دیا گیا ہے سب ''لہو الحدیث'' میں داخل ہیں۔ کیونکہ شان نزول گو خاص ہے۔ مگر اعتبار عموم الفاظ کا ہوا کرتا ہے اس لئے حکم عام ہی رہے گا جو شغل دین واسلام سے پھر جانے یا پھیر دینے کا موجب ہو حرام بلکہ کفر سمجھا جائے گا اور جو کام احکام شرعیہ ضروریہ سے باز رکھے یا معصیت کا سبب بنے۔ بلاشبہ وہ معصیت ہوگا۔ البتہ جو ''لہو'' اور کھیل کسی واجب پر اثر انداز نہ ہو اور نہ کوئی شرعی غرض مصلحت اس سے فوت ہوتی ہو وہ مباح مگر لایعنی ہونے کی وجہ سے خلاف اولیٰ کہا جائے گا۔ البتہ جو مشاغل تقویت دل ودماغ کا باعث ہوں یا ان سے شرعی مقاصد کی تکمیل ہوتی ہو وہ ''لہوالحدیث'' سے مستثنیٰ ہوکر مستحسن یا ضروری سمجھے جائیں گے جیسے ورزشیں، بنوٹ، گھڑ دوڑ، تیراندازی، نشانہ بازی ملکی قانون کی رعایت رکھتے ہوئے مناسب ہتھیار چلانے کی مشق، اخبار بینی اور ریڈیو خبروں کے لئے وغیرہ۔

ليضل عن سبيل الله میں بھانڈ، نقال، قوال، گویئے، میراثی، ہیجڑے، کسبیاں، ایکٹر، ایکٹرس سب داخل ہیں۔ آخرت کی رسوائی تو الگ رہی۔ دنیا ہی میں اچھے معاشرہ میں جس عزت کی نظر سے انہیں اب بھی دیکھا جاتا ہے وہ ظاہر ہے۔

واذا تتلی الخ یعنی غرور وتکبر کی وجہ سے ہماری آیتیں سننا نہیں چاہتے بالکل بہرا بن جاتا ہے۔ گویا گانا بجانا وغیرہ جو نہ سننے کی چیزیں ہیں انہیں تو دل لگا کر سنتا ہے اور مزہ لیتا ہے۔ لیکن سننے کی چیزوں سے بہرہ بن جاتا ہے۔ اور بے بہرہ بنا رہتا ہے۔

خلق السموات. یعنی آسمان جیسی عظیم الشان مخلوقات کو بغیر کسی ظاہری اور مرئی سہارے کے قائم رکھنا اس کی کمال قدرت کی دلیل ہے۔ یا بقول ابن عباس لھا عمد لا ترو نھا سہارا بھی ہو۔ مگر غیر مرئی نظام جذب وکشش کے اصول پر۔ تو وہ بھی عظیم صنعت کا نشان ہے یا ہلکی پھلکی سطح زمین پر اس مصلحت سے کہ وہ ڈانوا ڈول نہ ہو جائے اور وہ اپنی اتنی تیز گردش سے ڈگمگانے نہ لگے۔ بھاری بھرکم پہاڑوں کی میخیں ٹھوک دینا عجیب کمال صنعت گری ہے۔ یہ منشا نہیں کہ پہاڑوں کی حکمت صرف زمین کے ارتعاش کو روکنے میں منحصر ہے اور بھی خدا جانے کتنی مصلحتیں ہوں گی۔ زمین میں ہزار ہا قسم کے جانور پھیلا دیئے اور ہر قسم کے پر رونق خوش منظر، نفیس وکارآمد درخت اور بیلیں اگا دیں اور جاندار وں اور بہت سے درختوں میں جوڑے بھی بنا دیئے۔ یہ تو خدا کے کارنامے ہیں۔ اب مشرکین دکھلائیں کہ ان کے معبودوں نے ایک چیونٹی کی ٹانگ اور مچھر کا پر بھی پیدا کیا ہو؟ پھر بغیر تخلیق وترزیق کے خدا ئیت کیسی؟

مگر نا انصافوں کو سوچنے سمجھنے سے کیا سروکار۔ اندھیرے میں پڑے بھٹک رہے ہیں۔ شرک میں لتھڑے ہوئے لوگوں کو چیلنج ہے کہ زمین سے آسمان تک خدا کی قدرت، حکمت صنعت سے کائنات بھری پڑی ہے۔ اب تم بھی دکھلاؤ کہ تمہاری دیوی دیوتاؤں کے کیا کارہائے نمایاں ہیں۔

لطائف سلوک: ومن الناس من یشتری میں اس گمان کی حرکت بھی آ گئی جو اعتقاداً گمراہی کا موجب ہو اور عملاً دینی غفلت کا ذریعہ ہو۔ البتہ جو کام ان دونوں برائیوں سے مبرا ہو۔ اس کا یہ حکم بھی نہیں ہوگا۔ اس باب میں قول فیصل یہی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ مِنْهَا الْعِلْمُ وَالدِّيَانَةُ وَالْإِصَابَةُ فِي الْقَوْلِ وَحِكَمُهُ كَثِيْرَةٌ مَأْثُوْرَةٌ كَانَ يُفْتِي قَبْلَ بَعْثَةِ دَاوٗدَ وَاَدْرَكَ زَمَنَهُ وَاَخَذَ مِنْهُ الْعِلْمَ وَتَرَكَ الْفُتْيَا وَقَالَ فِي ذٰلِكَ اَلَا اَكْتَفِي اِذَا كُفِيْتُ وَقِيْلَ لَهُ اَيُّ النَّاسِ شَرٌّ قَالَ الَّذِي لَا يُبَالِي اَنْ رَاٰهُ النَّاسُ مُسِيْئًا **اَنِ** اَيْ وَقُلْنَا لَهُ اَنِ **اشْكُرْ لِلّٰهِ** عَلٰى مَا اَعْطَاكَ مِنَ الْحِكْمَةِ **وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ** لِاَنَّ ثَوَابَ شُكْرِهٖ لَهُ **وَمَنْ كَفَرَ** النِّعْمَةَ **فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ** عَنْ خَلْقِهٖ **حَمِيْدٌ** (۱۲) مَحْمُوْدٌ فِي صُنْعِهٖ وَاذْكُرْ **اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ** تَصْغِيْرُ اِشْفَاقٍ **لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ** بِاللّٰهِ **لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ** (۱۳) فَرَجَعَ اِلَيْهِ وَاَسْلَمَ **وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ** اَمَرْنَاهُ اَنْ يَّبَرَّهُمَا **حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ** فَوَهَنَتْ **وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ** اَيْ ضَعُفَتْ لِلْحَمْلِ وَضَعُفَتْ لِلطَّلْقِ وَضَعُفَتْ لِلْوِلَادَةِ **وَّفِصٰلُهٗ** فِطَامُهٗ **فِيْ عَامَيْنِ** وَقُلْنَا لَهُ **اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ** (۱۴) اَيِ الْمَرْجِعُ **وَاِنْ جٰهَدٰكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ** مُوَافَقَةً لِلْوَاقِعِ **فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا** اَيْ بِالْمَعْرُوْفِ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ **وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ** طَرِيْقَ **مَنْ اَنَابَ** رَجَعَ **اِلَيَّ** بِالطَّاعَةِ **ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ** (۱۵) فَاُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ وَجُمْلَةُ الْوَصِيَّةِ وَمَا بَعْدَهَا

اِعْتِرَاضٌ **يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ** اي الخصلة السيئة **اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ** اي في اخفى مكان من ذلك **يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ** فيحاسب عليها **اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ** باستخراجها **خَبِيْرٌ** ﴿١٦﴾ بمكانها **يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ** بسبب الامر والنهي **اِنَّ ذٰلِكَ** المذكور **مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ** ﴿١٧﴾ اي معزوماتها التي يعزم عليها لوجوبها **وَلَا تُصَعِّرْ** وفي قراءة تصاعر **خَدَّكَ لِلنَّاسِ** لا تمل وجهك عنهم تكبرا **وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا** اي خيلاء **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ** متبختر في مشيه **فَخُوْرٍ** ﴿١٨﴾ على الناس **وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ** توسط فيه بين الدبيب والاسراع وعليك السكينة والوقار **وَاغْضُضْ** اخفض **مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ** اقبحها **لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ** ﴿١٩﴾ اوله زفير واخره شهيق

ترجمہ: اور بے شک ہم نے لقمان کو دانشمندی عطا کی (منجملہ ان کے علم، دیانت، بات میں پختگی اور ان کی دانائی کی بہت سی باتیں منقول ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی نبوت سے پہلے وہ فتویٰ دیا کرتے تھے اور حضرت داؤدؑ کے ہمعصر ہیں ان سے علم حاصل کیا اور فتویٰ دینا چھوڑ دیا اور معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ ''جب حاجت نہیں رہی تو کیوں نہ بس کروں'' ان سے پوچھا گیا کہ سب سے بدترین کون شخص ہے؟ فرمایا کہ لوگ اسے بدترین حالت میں بھی دیکھیں تو کسی کی پرواہ نہ کرے) یہ کہ (یعنی ہم نے انہیں حکم دیا کہ) اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے رہو (جو ہم نے تمہیں دانائی عطا کی ہے) اور جو شخص شکر ادا کرے گا وہ اپنے ذاتی نفع کے لئے ہی شکر ادا کرتا ہے (کیونکہ اس کے شکر بجالانے کا ثواب خود اسی کو ہوگا) اور جو کوئی (نعمت کی) ناشکری کرے گا سو اللہ تعالیٰ (اپنی مخلوق سے) بے نیاز خوبیوں والا (اپنی کارگیری میں لائق ستائش) ہے اور (آپ یاد کیجئے) جب کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا (یہ تصغیر شفقت کے لئے ہے) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا بے شک (اللہ سے) شرک کرنا بڑا بھاری ظلم ہے (بیٹے نے شرک چھوڑ دیا اور مسلمان ہوگیا) اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی (ان کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا) اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا (یعنی ایک تو حمل سے کمزور ہوئی، دوسرے دردزہ کی وجہ سے کمزوری ہوئی تو تیسرے پیدائش کی کمزوری آئی) اور بچہ کا الگ ہونا (دودھ چھوٹنا) دو سال میں ہوا (اور ہم نے انسان کو حکم دیا کہ) تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کیا کر، میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے (یعنی ٹھکانہ ہے) اگر وہ دونوں تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس دلیل کوئی نہ ہو (واقعہ کے مطابق) تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کئے جانا (یعنی احسان، نیک سلوک اور صلہ رحمی سے پیش آنا) اور اسی کی راہ (ڈگر) پر چلنا جو میری طرف (تابعداری سے) رجوع کئے رہو۔ پھر تم سب کو میرے ہی پاس آنا ہے۔ پھر تم جو کچھ کرتے رہتے تھے میں تمہیں سب جتلا دوں گا (ان کاموں پر تمہیں بدلہ دوں گا اور جملہ ووصینا الانسان سے آخر تک جملہ معترضہ ہے) بیٹا اگر کوئی عمل (یعنی بری عادت) رائی کے دانہ کے برابر ہو پھر وہ کسی پتھر کے اندر ہو یا وہ آسمانوں کے اندر ہو یا وہ زمین کے اندر ہو (یعنی اس سے بھی کہیں زیادہ پوشیدہ جگہ ہو) تب بھی اللہ تعالیٰ اسے حاضر کردے گا (اس کا حساب کرے گا) بے شک اللہ بڑا باریک بین (برائی کے باہر کرنے میں) بڑ

باخبر ہے (اس کی جگہ کے متعلق) بیٹا نماز پڑھا کرو اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کرو اور برے کاموں سے روکا کرو اور تم پر جو مصیبت پڑے اس پر صبر کیا کرو (کسی بات کو کرنے یا نہ کرنے کی وجہ سے) بے شک یہ (بات) ہمت کے کاموں میں سے ہے (یعنی ضروری ہونے کی وجہ سے ان پختہ کاموں میں سے ہے جو لائق عزم ہیں) اور مت پھیرنا (اور ایک قرأت میں لا تصاعر ہے) اپنا رخ لوگوں سے (شیخی کی وجہ سے ان سے اکڑ مت جانا) اور زمین پر اترا کر مت چلنا (شیخی سے) بے شک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے (اینٹھ مروڑ سے چلنے والے) فخر کرنے والے کو (لوگوں کے آگے) پسند نہیں کرتا اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر (جو میٹھی چال اور بھاگ دوڑ کے درمیان اعتدالی چال ہو اور سنجیدگی اور وقار پیش نظر رکھ) اور اپنی آواز پست رکھ بے شک سب سے بھدی (ناگوار) گدھے کی آواز ہوتی ہے (کہ جس کے شروع میں اور لے۔ آخر میں اور لے ہوا کرتی ہے۔)

تحقیق وترکیب: لقمان. اس کے عربی عجمی ہونے میں تو اختلاف ہے۔ مگر غیر منصرف ہونے میں اختلاف نہیں۔ جو حضرات اسے عربی کہتے ہیں ان کے نزدیک الف نون زائد اور علمیت کی وجہ سے۔ اور جو عجمی مانتے ہیں وہ علمیت اور عجمہ ہونے کی وجہ سے غیر منصرف کہتے ہیں۔ اسی طرح لقمان کون تھے؟ کہاں اور کب پیدا ہوئے؟ اس میں بھی اختلاف ہے محمد بن اسحاق کہتے ہیں یہ لقمان بن فاغور بن ناخور بن تارخ (آزر) ہیں اور وہب کی رائے ہے کہ ایوب علیہ السلام کے بھانجے اور بقول مقاتلؒ حضرت ایوب علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی تھے۔ دراصل کلام جاہلیت میں اس نام کی تین شخصیتوں کا ذکر ملتا ہے۔ تاریخ یونان میں حکیم الیسپ ۶۱۹ھ تا ۵۶۴ ق م کا ذکر آتا ہے۔ ان کے بعض حالات بھی حضرت لقمان کے نام سے ملتے جلتے ہیں۔ ہمارے یہاں کی روایتوں میں ہے کہ آپ ملک نوبیا یا سوڈان (افریقہ) کے ایک سیاہ فام غلام تھے۔ ابن کثیر میں ہے۔ **کان لقمان من سودان مصر ذومشافر. ولقمان الحکیم کان اسود نوبیا دامشافر.** ان میں سے لقمان ثانی کا لقب ''حکیم لقمان'' مشہور ہے۔ عجب نہیں کہ قرآن مجید کا اشارہ انہی کی طرف ہو۔ تاریخی روایات کی بنیاد پر مفسر علامؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہم عصر تھے۔ ملک حبشہ کے رہنے والے ایک آزاد شدہ غلام تھے۔

اسی طرح حضرت لقمان کے نبی ہونے نہ ہونے میں بھی سلف سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔ عکرمہؒ اور بیثؒ اسی کے قائل تھے کہ لقمان نبی تھے۔ لیکن وہ اپنی اس رائے میں منفرد ہیں۔ معالم میں ہے۔ **واتفق العلماء علی انه کان حکیما ولم یکن نبیا الا عکرمة فانه قال کان لقمان نبیا وتفرد بهذا القول.** لیکن اکثریت بلکہ جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت لقمان نبی نہ تھے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔ **اختلف السلف فی لقمان هل کان نبیاً او عبداً صالحاً من غیر نبوة علی قولین الاکثرون علی الثانی** اور مدارک میں ہے۔ **والجمهور علی انه کان حکیما ولم یکن نبیاً.** حکیم ترمذیؒ نے نوادر میں مرفوع روایت نقل کی ہے کہ ان کو حضرت داؤدؑ سے پہلے خلافت دی جا رہی تھی۔ لیکن انہوں نے عرض کیا کہ اگر یہ حکم ہے تو سر آنکھوں پر۔ لیکن اگر میری مرضی پر ہے تو میں معافی چاہتا ہوں۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام کو خلافت دی گئی۔

درمنثور میں بھی ابن عباسؓ وغیرہ سے یہی روایات ان کے نبی نہ ہونے کی ہیں۔ تاہم وہ ایک مقبول برگزیدہ بندے تھے اور مشہور دانشور۔ حتیٰ کہ عرب بھی ان کے کلمات سے متعارف و مانوس تھے۔ ان کے نام کے ساتھ انبیاء کا مخصوص لقب ''علیہ السلام'' کا استعمال تو خیر ان کی متنازع شخصیت کی وجہ سے کچھ گنجائش رکھتا بھی ہے۔ جب کہ صحیح العقیدہ لکھے پڑھے بہت سے مسلمانوں کی زبان پر روافض اور شیعوں کی برکت کے اثر سے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہم کے نام نامی کے ساتھ بھی ''علیہ السلام'' کا مخصوص عنوان جاری رہتا ہے۔ روافض سے تو یوں شکایت نہیں کہ وہ انبیاء کو معصوم مانیں یا نہ مانیں۔ مگر اپنے ائمہ کو معصوم ضرور مانتے ہیں۔ البتہ

شکایت صحیح العقیدہ لوگوں سے ہے کہ وہ ان کے ہم نفیر و ہم صفیر کیوں ہو گئے۔

الحکمة. علم وعمل کے مجموعہ کو حکمت کہتے ہیں اور حکیم عالم باعمل کو کہا جاتا ہے۔ اور بعض نے حکمت کے معنی معرفت اور امانت لکھے ہیں اور بعض نے قلبی نور سے تعبیر کیا ہے۔ جس سے چیزوں کا معنوی ادراک ہو جاتا ہے۔ جیسے آنکھ سے دیکھ کر محسوس علم ہوتا ہے۔

الا اکتفی. یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کافی ہیں اب میرے فتویٰ کی ضرورت نہیں رہی۔

ان اشکر. معلوم ہوا کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی بھی حکمت میں داخل ہے اور حکیم اس وقت تک نہیں ہوگا۔ تاوقتیکہ اس کے قول وعمل، معاشرہ اور صحبت سب میں حکمت نہ ہو۔ سری سقطیؒ فرماتے ہیں۔ کہ شکر یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں کی وجہ سے اس کی نافرمانی نہ ہو۔ اور جنیدؒ فرماتے ہیں کہ نعمتوں میں کسی کو اللہ کا شریک نہ کرنا شکر ہے۔ اور بعض نے اقرار عجز کو شکر کہا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ قلب کا شکر معرفت اور زبان کا شکر حمد اور ارکان کا شکر طاعت ہے اور کلیۂ اعتراف عجز دلیل قبولیت ہے۔ ان اشکر سے پہلے قلنا کی تقدیر اس لئے ہے کہ لقد آتینا پر عطف ہو جائے لام تعلیلیہ ہے اور بعض نے تفسیریہ اور بعض نے حکمت سے بدل مانا ہے۔ اور تقدیر عبارت اس طرح بھی ہو سکتی ہے۔ **اتیا لقمان الحکمة امرین قائلین له ان اشکر للّٰه.**

لابنه. حضرت لقمان کے بیٹے کا نام ثاران ہے اور کلبی کی رائے میں مشکم اور بعض نے انعم کہا ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ وہ پہلے موحد تھے یا مشرک؟ بعض نے کہا ہے کہ وہ اور ان کی والدہ کافر تھے۔ حضرت لقمان دونوں کو نصیحت فرماتے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ دانوں سے بھر کر ایک تھیلی اپنے پاس رکھ لی۔ ہر مرتبہ کی نصیحت پر ایک دانہ باہر نکال کر رکھ لیتے تھے۔ جب سب دانے ختم ہو گئے اور تھیلی خالی ہو گئی تو فرمایا۔ میں میں نے تمہیں اتنی نصیحت کی کہ اگر پہاڑ بھی ہوتا تو پگھل جاتا۔ یہ سنتے ہی بیٹے نے مارے ہیبت کے دم توڑ دیا۔

مفسر علامؒ کے الفاظ **فرجع الیه واسلم** سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے کافر تھا بعد میں لقمان کا دین قبول کر لیا۔ اور بعض نے مسلمان مان کر آئندہ کے لئے شرک کی ممانعت پر محمول کیا ہے۔

یعظه. رقت آمیز نصیحت کو وعظ کہتے ہیں۔

الانسان. اگرچہ اس سے اشارہ سعد بن ابی وقاصؓ کی طرف ہے۔ مگر شان نزول کا اعتبار نہیں ہوتا عموم الفاظ کا اعتبار ہوا کرتا ہے۔

وهنا. مفسر علامؒ نے اشارہ کیا ہے کہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ ف کے ذریعہ جملہ کا جملہ پر عطف ہو رہا ہے اور قاضی نے فعل اور مضاف کو محذوف مان کر حلال مانا ہے۔ ای تهن وهنا او ذات وهن بمعنی کمزوری اور صرف دو وہن مقصود نہیں۔ بلکہ مختلف کمزوریوں کی طرف مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے۔ اور ام کی تخصیص زیادتی مشقت کی وجہ سے ہے۔

ان اشکر. سفیان ابن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ پنجگانہ نماز پڑھنا اللہ کا شکر ہے اور نمازوں کے بعد والدین کے حق میں دعا کرنا ان کا شکریہ ہے۔ اور خازن کی رائے ہے کہ ان مفسرہ ہے یا ان مصدریہ ہے اور وصینا کی وجہ سے بقول زجاجؒ منصوب المحل ہے۔

لیس لك به علم مفسر علامؒ نے اشارہ کیا ہے کہ یہ قید احترازی نہیں بلکہ قید واقعی ہے۔ اس لئے **فلا مفهوم لها** اس کا اعتبار نہیں ہے۔

فی الدنیا یعنی دنیاوی امور میں ان کی اطاعت مقدم ہے حضرت لقمان کی نصیحت کے درمیان ان کی تائید کے لئے یہ ارشاد ربانی جملہ معترضہ ہے۔

معروفاً. مصدر محذوف کی صفت ہے۔ ای صحابا معروفا عندالشرع.

انہا ان تک خصلت حسنہ یا خصلت سیئہ دونوں کو عام ہے۔ کسی ایک کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے اور بنی کی تصغیر تحقیر کے لئے نہیں بلکہ ترحم کے لئے ہے۔ حضرت لقمان کے بیٹے نے جب عرض کیا کہ اگر میں ایسی جگہ گناہ کروں جہاں کوئی نہ دیکھ سکے؟ تو انہوں نے یہ ارشاد فرمایا۔ بیٹے کے کافر ہونے کی صورت میں تو یہ سوال ممکن ہے اور دیندار ہونے کی صورت میں بے محل ہوگا۔ البتہ ارشاد کا مقصد پھر علم سے معرفت ومشاہدہ کی طرف انتقال ہوگا۔ اسی کیفیت کا اثر دل پر ہونے سے ان کی روح پرواز کرگئی ہوگی۔

فی صخرۃ اس سے مراد وہ پتھر ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے کہ جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔ **خلق للّٰہ الارض علی حوت والحوت فی الماء علی ظہر صفاۃ والصفاۃ علی طہر ملک وقیل علی ظہر ثور و ہو علی الصخرۃ** پس یہ آسمان وزمین کے علاوہ ہوا۔ اس لئے اولیٰ کیا ہے۔

لطیف خبیر یہی وہ آخری کلمہ ہے جس کو سن کر لقمان کے بیٹے کا پتہ پانی ہوگیا۔

عزم الامور چونکہ بعض باتیں اس میں مستحب اور مندوب بھی ہیں۔ اس لئے عزم کے معنی مندوب کے نہیں بلکہ عزیمت اور اہمیت کے معنی ہیں جو عام ہیں وجوب اور استحباب دونوں کو شامل ہیں۔

لا تصعر۔ صعر اونٹ کی گردن کی بیماری جس میں گردن اکڑ جاتی ہے۔ اس لئے اینٹھ مروڑ کے معنی ہوں گے۔ لام تعلیلہ یا صلہ کا ہے۔ بقول ابن عباسؓ کسی سے رخ پھیر کر بات نہ کرنا اور بقول مجاہد دو آدمیوں کا ایک دوسرے سے کنارہ کشی اور ترک تعلق کرنا صعر ہے۔ ربیع ابن انسؓ فرماتے ہیں کہ امیر وغریب نظر میں یکساں رہنے چاہئیں۔

مرحا۔ مصدر موقع حال میں ہے۔ ای اذا مرح او تمرح مرحاً۔

دبیب۔ نرم اور دھیمی چال۔

کل مختار۔ اگرچہ یہاں رفع ایجاب کلی ہے مگر مراد سلب کلی ہے۔

ان انکر۔ جملہ علت ہے آواز کو پست رکھنے کا ابلغ طریقہ ہے۔

لصوت الحمیر اہل جہنم کے لئے بھی "لہا زفیر و شہیق" فرمایا گیا ہے۔ ثوری فرماتے ہیں کہ سب آوازوں میں بجز گدھے کی آواز کے تسبیح ہوتی ہے۔ حمیر بقول زمخشری اسم جنس ہے اور بعض نے جمع کہا ہے۔ مگر الف لام جنس کی وجہ سے اس کی جمعیت زائل ہوگئی اور بعض تعمیم اور مبالغہ کے لئے جمع مانتے ہیں۔ بہت سے گدھے مل کر آواز میں آواز ملائیں تو کیا خوب سماں ہوتا ہے۔ قدرت کی عجیب ستم ظریفی جھلکتی ہے۔ ممکن ہے جمع لانے میں یہی نکتہ ہو۔

ربط: گذشتہ آیت میں توحید کا بیان تھا۔ آگے آیت ولقد اتینا سے اس کی تائید میں حضرت لقمان کا اپنے بیٹے کو نصیحت کرنا بیان کیا جا رہا ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ توحید انبیاء ہی کی تعلیم نہیں۔ بلکہ دنیا کے دانشور بھی اسی اعتقاد کو بنائے رہے اور اسی کی دوسروں کو تعلیم دیتے رہے۔ اور جس طرح توحید تکمیل اعتقادیات کے لئے مرکزی حیثیت رکھتی ہے اسی طرح تکمیل عمل کی تعلیم بھی ضروری ہے۔ جس کا ذکر علم وعمل کے تناسب سے کر دیا گیا اور مقصود اصلی چونکہ توحید کا ذکر ہے اس لئے حضرت لقمان کی نصائح کے درمیان ووصینا الانسان بطور ضمیمہ بیان کر دیا گیا ہے۔

شان نزول: ووصینا الانسان حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ مگر عموم الفاظ کی وجہ سے حکم عام رہے گا۔

واتبع سبیل من اناب. اس میں تمام مکلفین کو عام خطاب ہے اور سبیل من اناب سے آنحضرت ﷺ اور حضرات صحابہ کرامؓ ہیں۔ لیکن بقول ابن عباسؓ اس سے حضرت ابوبکرؓ مراد ہیں۔ کیونکہ جب وہ مسلمان ہوئے تو حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، ان کے پاس آئے اور پوچھا کہ کیا محمد ﷺ سچے ہیں اور کیا تم ان پر ایمان لے آئے؟ فرمایا کہ ہاں! وہ سچے ہیں تم بھی ایمان لے آؤ۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سب مسلمان ہو گئے۔

﴿تشریح﴾: اس رکوع میں حق تعالیٰ شرک اور گناہوں کی برائی کے سلسلہ میں حضرت لقمان کی نصائح نقل فرما رہے ہیں جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دانائی پا کر اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ حضرت لقمان پیغمبر نہیں تھے۔ ایک مشہور دانشور اور متقی اور پاکباز انسان تھے۔ انہوں نے اعلیٰ درجہ کی عقل ودانش، متانت ودانائی پائی تھی۔ ان کی عاقلانہ باتیں اور حکمت آمیز نصیحتیں پیغمبرانہ تعلیمات وہدایات کے مطابق اور لوگوں میں مسلمہ تھیں۔ قرآن میں ان کے بعض ارشادات کو نقل کرنا اس کی دلیل نہیں کہ وہ پیغمبر تھے۔ بلکہ رب العزت نے ان کی عزت افزائی فرمائی اور یہ تاثر دیا کہ شرک اور گناہ اتنی بڑی چیز ہیں کہ انسانی فطرت اور وحی الٰہی سے تو خیر ان کی قباحت ثابت ہی ہے۔ دنیا کے منتخب اور چیدہ عقلمند بھی عقلی طور پر اس کی تائید وتصدیق کرتے چلے آئے ہیں۔ اس لئے شرک اور گناہ چھوڑ کر توحید ذات باری انسانی شعار ہونا چاہئے۔

حضرت لقمان کی صد پند سودمند: حکیم لقمان سے کسی نے پوچھا کہ تم میں اتنی دانائی کہاں سے آئی؟ فرمایا۔ نادانوں سے۔ جو جو کام ان کے دیکھتا رہا نہیں چھوڑتا رہا۔ وبضدھا تتبین الاشیاء. حضرت لقمان کی "صد پند سودمند" آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہے فرزند کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ان میں سے اکثر نصائح یہ ہیں۔ اے جان پدر! (۱) اللہ کو پہچان (۲) اوروں کو جو نصیحت کرو اس پر پہلے خود بھی عمل پیرا ہو۔ (۳) اپنی حیثیت کے مطابق بات کرو (۴) مردم شناس بنو۔ (۵) سب کا حق پہچانو۔ (۶) اپنا راز داں کسی کو نہ بناؤ۔ (۷) دوست کو مصیبت کے وقت آزماؤ۔ (۸) نفع اور نقصان دونوں میں دوست کو پرکھو۔ (۹) بے وقوف اور ناداں لوگوں سے گریزاں رہو۔ (۱۰) زیرک اور دانا کو دوست بناؤ۔ (۱۱) کار خیر میں بھر پور حصہ لو۔ (۱۲) گفتگو مدلل کرو۔ (۱۳) دوستوں کو عزیز جانو۔ (۱۴) دوست دشمن سب سے خندہ پیشانی سے ملو۔ (۱۵) ماں باپ کو غنیمت سمجھو۔ (۱۶) استاد کو بہترین باپ سمجھو۔ (۱۷) آمدنی پر نظر کرتے ہوئے خرچ کرو۔ (۱۸) ہر کام میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرو۔ (۱۹) جواں مردی کو اپنا شیوہ بناؤ۔ (۲۰) زبان کو قابو میں رکھو۔ (۲۱) جسم اور کپڑوں کو پاک صاف رکھو۔ (۲۲) جماعت کے ساتھ رہو۔ (۲۳) اگر ممکن ہو تو سواری اور تیر اندازی سیکھ لو۔ (۲۴) ہر شخص کا اندازہ کر کے اس کے ساتھ معاملہ کرو۔ (۲۵) رات کے وقت بات کرنا ہو تو آہستہ اور نرمی کے ساتھ کرو۔ (۲۶) دن میں بات کرنی ہو تو پہلے ہر طرف نگاہ ڈال لو۔ (۲۷) کم کھانے، کم سونے، کم بولنے کی عادت ڈالو۔ (۲۸) اپنے لئے جو بات پسند نہ ہو دوسروں کے لئے بھی پسند نہ کرو۔ (۲۹) عقل وتدبیر سے کام کیا کرو۔ (۳۰) بغیر سیکھے استاد مت بنو۔ (۳۱) دوسروں کے مال پر نظر نہ رکھو۔ (۳۲) بداصلوں سے امید وفا مت رکھو۔ (۳۳) کسی بھی کام میں بے فکر مت رہو۔ (۳۴) نہ کیا ہوا کام کیا ہوا مت سمجھو۔ (۳۵) آج کرنے کا کام کل پر نہ رکھو۔ (۳۶) اپنے سے بڑوں کے ساتھ مذاق نہ کرو۔ (۳۷) بڑوں کے سامنے طویل گفتگو نہ کرو۔ (۳۸) ضرورت مندوں کو ناامید مت کرو۔ (۳۹) پچھلی لڑائی یاد مت کرو۔ (۴۰) اپنا مال دوست ودشمن سب کو دکھاتے مت پھرو۔ (۴۱) اپنوں سے اپنائیت ختم مت کرو۔ (۴۲) نیک لوگوں کی غیبت

مت کرو۔(۴۳)خود پسندی مت کرو۔(۴۴)لوگوں کے سامنے منہ اور ناک میں انگلی مت ڈالو۔(۴۵)دوسروں کے سامنے خلال مت کرو۔(۴۶)بلند آواز کی ساتھ تھوکو، سنکو مت۔(۴۷)جمائی لیتے وقت منہ پر ہاتھ رکھ لو۔(۴۸)ہزل آمیز بیہودہ باتیں مت کرو۔(۴۹)کسی کو سب کے سامنے شرمندہ مت کرو۔(۵۰)آنکھیں مٹکا کر اشارے نہ کرو۔(۵۱)کہی ہوئی بات بار بار نہ دہراؤ۔(۵۲)فحش مذاق سے پرہیز کرو۔(۵۳)کسی کے سامنے خود ستائی نہ کرو۔(۵۴)عورتوں کی طرح سنگار پٹار نہ کرو۔(۵۵)بات کرتے وقت ہاتھ مت گھماؤ چلاؤ۔(۵۶)کسی شخص کے بدخواہ سے تم گھلو ملو مت۔(۵۷)مرنے کے بعد کسی کو برائی سے یاد نہ کرو کہ بے فائدہ ہے۔(۵۸)جہاں تک ہو سکے لڑائی اور خصومت سے بچو۔(۵۹)اچھے لوگوں کے متعلق اچھا ہی گمان رکھو۔(۶۰)اپنا کھانا دوسرے کے دستر خوان پر مت کھاؤ۔(۶۱)جلد بازی سے کام نہ کرو۔(۶۲)دنیا کی خاطر خود کو رنج میں نہ ڈالو۔(۶۳)غصہ میں بھی سنجیدہ بات کرو۔(۶۴)آستین سے ناک صاف نہ کرو۔(۶۵)دن چڑھے تک مت سوتے رہو۔(۶۶)راستہ میں بزرگوں سے آگے نہ چلو۔(۶۷)دوسروں کی بات چیت میں دخل نہ دو۔(۶۸)ادھر ادھر تانک جھانک نہ کرو۔(۶۹)مہمان کے آگے کسی پر غصہ نہ کرو۔(۷۰)مہمان سے کام مت لو۔(۷۱)دیوانہ اور مدہوش سے باتیں نہ کرو۔(۷۲)عوام اور آزاد لوگوں کے ساتھ راستوں پر مت بیٹھو۔(۷۳)ہر نفع نقصان کے موقعہ پر اپنی آبرو کا دھیان رکھو۔(۷۴)مغرور ومتکبر مت بنو۔(۷۵)جنگ وفتنہ سے دامن کش رہو۔(۷۶)تواضع اختیار کرو۔(۷۷)خدا سے صدق کے ساتھ (۷۸)اور نفس سے قہر کے ساتھ (۷۹)اور مخلوق سے انصاف کے ساتھ (۸۰)اور بزرگوں سے خدمت گزاری کے ساتھ۔(۸۱)چھوٹوں پر شفقت (۸۲)اور درویشوں کی موافقت (۸۳)اور دشمنوں سے بردباری (۸۴)اور علماء سے تواضع (۸۵)اور جاہلوں کو نصیحت کرتے ہوئے زندگی گزار دو۔

اللہ کی شکر گزاری کا فائدہ:۔ ...... **ومن یشکر** یعنی اللہ کا شکر ادا کرنے سے فائدہ خود شکر گزار کو ہے اللہ کا کچھ فائدہ نہیں اور ناشکری کا نقصان بھی خود ناشکر گزار کا ہے اللہ کا کچھ نقصان نہیں۔ وہ تو منبع الکمالات اور جامع الصفات ہے۔اس کی حمد وثناء ساری کائنات زبان حال سے کر رہی ہے اسے کسی کے شکریہ کی کیا پرواہ۔

لا تشرك بالله سے بیٹے کا مشرک ہونا لازم نہیں آتا۔ممکن ہے وہ موحد ہو اور مزید استقامت کے لئے لقمان نے درس توحید دیا ہو۔اور ظلم کے معنی **وضع الشئ فی غیر محله** ہیں۔شرک سے بڑھ کر اور ناانصافی کیا ہوگی۔کہ عاجز ترین مخلوق کو ایک خالق مختار کا منصب دے دیا جائے اور اس سے زیادہ حماقت در ظلم اپنی جان پر اور کیا ہوگا۔کہ اشرف المخلوقات ہو کر ایک ارذل ترین مخلوق کے آگے سر عبودیت جھکائے۔**فیا للعجب.**

ماں باپ کا درجہ:۔ ...... **بوالدیه.** باپ سے چونکہ تربیت کا تعلق اور ماں سے پرورش کا علاقہ ہے۔اس لئے اطاعت میں باپ اور خدمت میں ماں مقدم ہوگی۔البتہ چونکہ ماں زیادہ مصیبتیں جھیلتی ہے اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔وہ مہینوں اس کا بوجھ اٹھائے پھری، پھر وضع حمل کی تکلیف سے بمشکل جانبر ہوئی اور گویا دوبارہ زندگی پائی۔پھر دو سال دودھ پلا کر پالا پوسا۔اس طویل مدت میں اس نے کیا کیا پاپڑ بیلے۔اور اتنی سختیاں جھیل کر بچہ پر آنچ نہیں آنے دی۔اس لئے ضروری ہے کہ اللہ کے حق کی ادائیگی کے بعد ماں باپ کے حقوق کو مقدم سمجھے۔البتہ اگر ماں باپ کی فرمانبرداری اللہ کے حقوق سے ٹکرائے تو اللہ چونکہ خالق حقیقی اور ماں باپ خالق مجازی ہیں۔اس لئے اللہ ہی کا حق سب سے مقدم ہوگا۔اسی کے سامنے سب کو عاجز ہونا ہوگا۔انسان سوچ لے کہ کیا منہ لے کر

وہاں جائے گا۔

حضرت لقمانؑ نے بیٹے کو وصیت میں خصوصیت سے باپ کا حق نہیں بتلایا۔ کہ کہیں خود غرضی کا شبہ نہ ہو۔ باپ نے اللہ کا حق بتلایا۔ اللہ نے باپ کا حق بتلایا۔ باقی پیغمبر اور استاد، مرشد ہادی کا حق بھی اس کے ذیل میں سمجھو۔ کہ وہ اللہ کے نائب ہیں۔

دودھ چھڑانے کی مدت: .... دودھ چھڑانے کی مدت جمہور کے نزدیک اس آیت کی وجہ سے دو سال ہے۔ لیکن امام اعظمؒ ڈھائی سال فرماتے ہیں اور آیت **حملہ وفصالہ ثلاثون شہرا** سے استدلال فرماتے ہیں۔ بقاعدہ عربیت اس آیت کی رو سے حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت ڈھائی سال ہونی چاہئے۔ مگر دوسری نص کی وجہ سے کہ حمل دو سال سے زائد نہیں رہ سکتا۔ مدت حمل زیادہ سے زیادہ دو سال قرار پائی اور فطام کی مدت ڈھائی سال ہی۔ رہا اس آیت میں دو سال فرمانا سو اکثری عادت عرف عام اور اعتبار غالب کے فرمایا گیا ہے۔ اور آیت بقرہ **حولین کاملین** سے دو سال کا کامل مدت ہونا معلوم ہوا؟ مگر ڈھائی سال کو اکمل کہا جائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ دو سال سے زائد دودھ نہ پلایا جائے اور کسی وجہ سے پلا دیا گیا تو حرمت رضاعت ڈھائی سال تک ثابت ہو جائے گی۔

خالق حقیقی کا حق مجازی خالق سے مقدم ہے: .... **مالیس لک بہ علم** یہ کوئی قید احترازی نہیں۔ بلکہ قید اولویت ہے کہ جب بے خبری میں شرک کی اجازت نہیں تو جانتے بوجھتے کیسے گنجائش ہوگی۔ جہاں تک دنیاوی معاملات کا تعلق ہے جیسے خورد ونوش اور خانگی امور ان میں اطاعت والدین مقدم ہوگی۔ والدین کی شکر گزاری بہر صورت واجب ہے۔ بجز اس صورت کے کہ ان کی شکر گزاری میں اللہ کی ناشکری لازم آئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ شریعت کی خلاف ورزی کی صورت میں والدین کی اطاعت نہیں ہوگی۔ کیونکہ ان کی اطاعت کا حکم بھی تو شریعت نے ہی دیا ہے۔ پس اصل کو کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ اجماع کا شرعی حجت ہونا علاوہ دوسری نصوص کے **واتبع سبیل من اناب الی** سے بھی ثابت ہے۔ احکام القرآن جصاص میں ہے۔ **یدل علی صحۃ اجماع المسلمین لا مر اللہ تعالی ایانا باتباعھم.**

اخلاق فاضلہ: .... **یا بنی انھا.** انسان کو چاہئے کہ عمل کرتے وقت یہ بات دھیان میں رکھے کہ ہزاروں پردوں میں رہ کر جو کام کیا جائے گا وہ اللہ کے سامنے ہے۔ انسانی اخفاء معلومات کے جس قدر ذرائع ہو سکتے ہیں۔ وہ سب اس آیت میں مذکور ہیں۔ مشرکین نے اپنی دیوی دیوتاؤں کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہوئے انہی حالات میں معذور اور ان کے علم کو ناقص سمجھا ہے۔ قرآن مجید نے ان میں سے ہر ممکن سبب کی تردید کرتے ہوئے بتلا دیا کہ خدا کا علم کامل ومحیط ہے۔ کسی لحاظ سے بھی ناقص و ناتمام نہیں ہے۔ کوئی اچھائی برائی اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی چھوٹی ہوگی اور فرض کرو پتھر کی کسی سخت چٹان یا آسمانوں کی بلندی یا زمین کی تاریک گہرائیوں میں وہ رکھی ہو، وہ بھی اللہ سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ اس لئے اللہ کی توحید اور بندگی پر قائم رہو اور دوسروں کو بھی نصیحت کرو۔ کہ بھلی بات کریں اور برائی سے بچیں اور اس دعوت کے سلسلہ میں اکثر جو سختیاں پیش آتی ہیں انہیں صبر وتحمل اور اولوالعزمی سے گوارا کریں۔ شدائد سے گھبرا کر ہمت ہار دینا حوصلہ مندوں کا کام نہیں۔ کسی کو حقیر نہ سمجھو، متکبروں کی طرح بات نہ کرو، خندہ پیشانی سے پیش آؤ، اترانے شیخی مارنے سے آدمی کی عزت نہیں بڑھتی، بلکہ گھٹتی ہے۔ لوگ سامنے نہیں تو پیچھے برا کہتے ہیں۔ تواضع، متانت اور اعتدال کی چال چلو، بے ضرورت نہ بولو، زور سے چلا کر بات نہ کرو، اونچی آواز سے بولنا اگر کوئی کمال ہوتا تو گدھے کی آواز دیکھو کس

قدر زور سے بگل بجاتا ہے اور گویا ایک دوسرے سے سر ملاتا ہے۔ یہ تھا لقمان کا اپنے بیٹے کو حکیمانہ وعظ۔

لطائف سلوک: آتینا لقمان الحکمۃ. حکمت سے مراد علم محقق ہے اور اہل طریق کے نزدیک حکمت بھی نبوت کی طرح کسبی نہیں بلکہ وہبی ہوتی ہے۔ تاہم معمول حکمت میں کسب کو دخل ضرور ہے۔ حدیث میں ہے۔ من اخلص للہ اربعین صباحاً تفجرت ینابیع الحکمۃ من قلبہ نیز واقعہ لقمان سے توحید اور مقام جمع الجمع اور عین الجمع اور اتباع کاملین اور ما سوے سے اعراض اور دوسروں کی تکمیل اور شدائد پر صبر اور لوگوں سے تواضع اور رواداری، حسن معاملہ، حسن سیرت اور چال رفتار میں اتراہٹ کی بجائے میانہ روی، گفتار میں چیخنے چلانے کی بجائے اعتدال کی طرف اشارات ہیں۔

ان اشکرلی ولوالدیک. اس سے معلوم ہوا کہ منعم کی شکر گزاری کے ساتھ واسطۂ انعام کا شکریہ بھی بجا لانا مطلوب ہے۔ اس میں والدین، استاد، مرشد سب آ گئے۔ البتہ شریعت سے مقابلہ کی صورت میں شریعت کی اطاعت واجب ہے۔

ولا تصعر خدک انواع اصلاح میں سے ان آیت میں بعض اخلاق کی تعلیم ہے۔

اَلَمْ تَرَوْا تعلموا يا مخاطبين **اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ** من الشمس والقمر والنجوم لتنتفعوا بها **وَمَا فِي الْاَرْضِ** من الثمار والانهار والدواب **وَاَسْبَغَ** اوسع واتم **عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً** وهي حسن الصورة وتسوية الاعضاء وغير ذلك **وَّبَاطِنَةً** هي المعرفة وغيرها **وَمِنَ النَّاسِ** اي اهل مكة **مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى** من رسول **وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ** ﴿۲۰﴾ انزله الله بل بالتقليد **وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا** قال تعالى ايتبعونه **اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ** ﴿۲۱﴾ اي موجباته لا **وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗ اِلَى اللّٰهِ** اي يقبل على طاعته **وَهُوَ مُحْسِنٌ** موحد **فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى** بالطرف الاوثق الذي لا يخاف انقطاعه **وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ** ﴿۲۲﴾ مرجعها **وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ** يا محمد **كُفْرُهٗ** لا تهتم بكفره **اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ** ﴿۲۳﴾ اي بما فيها كغيره فمجاز عليه **نُمَتِّعُهُمْ** في الدنيا **قَلِيْلًا** ايام حياتهم **ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ** في الآخرة **اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ** ﴿۲۴﴾ وهو عذاب النار لا يجدون عنه محيصًا **وَلَئِنْ** لام قسم **سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ** حذف منه نون الرفع لتوالي الامثال وواو الضمير لالتقاء الساكنين **قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ** على ظهور الحجة عليهم بالتوحيد **بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ** ﴿۲۵﴾ وجوبه عليهم **لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** ملكا وخلقا وعبيدا فلا يستحق العبادة فيهما غيره **اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ** عن خلقه **الْحَمِيْدُ** ﴿۲۶﴾ المحمود في صنعه **وَلَوْ اَنَّمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ** عطف على اسم

اَنَّ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ المُعَبَّرُ بِهَا عَن مَعلُومَاتِهٖ بِكَتْبِهَا بِتِلكَ الاَقْلَامِ بِذٰلِكَ المِدَادِ وَلَا بِاَكْثَرَ مِن ذٰلِكَ لِاَنَّ مَعلُومَاتِهٖ تَعَالٰى غَيرُ مُتَنَاهِيَةٍ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ لَا يُعجِزُهٗ شَیْءٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾ لَا يَخْرُجُ شَیْءٌ عَن عِلمِهٖ وَحِكْمَتِهٖ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ خَلقًا وَبَعثًا لِاَنَّهٗ بِكَلِمَةِ كُن فَيَكُونُ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ يَسمَعُ كُلَّ مَسمُوعٍ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾ يُبصِرُ كُلَّ مُبصَرٍ لَا يَشغَلُهٗ شَیْءٌ عَن شَیْءٍ اَلَمْ تَرَ تَعلَمْ يَا مُخَاطَبُ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ يُدخِلُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ يُدخِلُهٗ فِى الَّيْلِ فَيَزِيدُ كُلٌّ مِنْهُمَا بِمَا نَقَصَ مِنَ الاٰخَرِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ مِنهُمَا يَّجْرِیْٓ فِى فَلَكِهٖ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى هُوَ يَومُ القِيٰمَةِ وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ المَذكُورُ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الثَّابِتُ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ يَعبُدُونَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ الزَّائِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِیُّ عَلٰى خَلقِهٖ بِالقَهرِ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾ العَظِيمُ اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ السُّفُنَ تَجْرِیْ فِى الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ يَا مُخَاطَبِينَ بِذٰلِكَ مِّنْ اٰيٰتِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ عِبَرًا لِّكُلِّ صَبَّارٍ عَن مَعَاصِى اللّٰهِ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ لِنِعمَتِهٖ وَاِذَا غَشِيَهُمْ اَى عَلَا الكُفَّارَ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ كَالجِبَالِ الَّتِى تُظِلُّ مَن تَحتَهَا دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اَىِ الدُّعَاءَ بِاَن يُّنجِيَهُم اَى لَا يَدعُونَ مَعَهٗ غَيرَهٗ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ مُتَوَسِّطٌ بَينَ الكُفرِ وَالاِيمَانِ وَمِنْهُم بَاقٍ عَلٰى كُفرِهٖ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ وَمِنهَا الاِنجَاءُ مِنَ المَوجِ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ غَدَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾ لِنِعَمِ اللّٰهِ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَى اَهلَ مَكَّةَ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِیْ يُغنِى وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ فِيهِ شَيئًا وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ فِيهِ شَيْئًا اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ بِالبَعثِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا عَنِ الاِسلَامِ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ فِى حِلمِهٖ وَاِمهَالِهٖ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ الشَّيطَانُ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ مَتٰى تَقُومُ وَيُنَزِّلُ بِالتَّخفِيفِ وَالتَّشدِيدِ الْغَيْثَ بِوَقتٍ يَعلَمُهٗ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْاَرْحَامِ اَذَكَرٌ اَم اُنثٰى وَلَا يَعلَمُ وَاحِدًا مِنَ الثَّلَاثَةِ غَيرُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا مِن خَيرٍ اَو شَرٍّ وَيَعلَمُهُ اللّٰهُ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ وَيَعلَمُهُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِكُلِّ شَیْءٍ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾ بِبَاطِنِهٖ كَظَاهِرِهٖ رَوَى البُخَارِىُّ عَنِ ابنِ عُمَرَ حَدِيثَ مَفَاتِحِ الغَيبِ خَمسَةٌ اِنَّ اللّٰهَ عِندَهٗ عِلمُ السَّاعَةِ اِلٰى اٰخِرِ السُّورَةِ

ترجمہ: کیا تم لوگوں کی نظر اس پر نہیں (اے ناظرین! تمہیں معلوم نہیں) کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہی کام میں لگا رکھا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے (آفتاب و ماہتاب اور ستارے تمہاری خدمت کے لئے بیگار میں لگا رکھے ہیں) اور جو کچھ زمین میں ہے

(پھل، نہریں، چوپائے) اور اس نے تم پر اپنی نعمتیں پوری کر رکھی ہیں (وسیع اور مکمل دے رکھی ہیں) ظاہری نعمتیں بھی (خوبصورتی، سلامتی اعضاء، وغیرہ) اور باطنی نعمتیں بھی (معرفت حق وغیرہ) اور بعض آدمی (مکہ کے) ایسے ہیں کہ جھگڑا کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر واقفیت اور بغیر دلیل کے اور بغیر (کسی پیغمبر کی) ہدایت کے اور بغیر کسی روشن کتاب کے (جو اللہ نے اتاری ہو بلکہ محض تقلید کی بنیاد پر) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کا اتباع کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے تو کہتے ہیں کہ نہیں ہم اس کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے (حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا تم اس وقت بھی ان بڑوں کا اتباع کروگے) اگرشیطان ان کو عذاب دوزخ کی طرف بلا تا رہا (یعنی اسباب دوزخ کی طرف) اور جو شخص اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے (یعنی اللہ کی اطاعت کی طرف متوجہ ہو جائے) اور وہ مخلص (موحد) بھی ہو تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا (پکا سرا جس کے ٹوٹنے کا احتمال نہیں ہے) اور سب کاموں کا اخیر (انجام) اللہ ہی تک پہنچے گا، اور جو شخص کفر کرے سو اس کا کفر آپ کے لئے (اے محمد!) باعث غم نہیں ہونا چاہئے۔ ان سب کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے سو ہم جتلا دیں گے جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔ بے شک اللہ کو دلوں کے اندر کی باتیں خوب معلوم ہیں (یعنی دلوں کی بھی اور دوسروں کے علاوہ بھی لہٰذا ان کا بدلہ دے گا) ہم ان کو (دنیا میں) چند روزہ عیش دیئے ہوئے ہیں (دنیا کی زندگی میں) پھران کو (آخرت میں) ایک سخت عذاب کی طرف کشاں کشاں لے آئیں گے (عذاب جہنم جس سے چھٹکارہ نہیں ہو سکے گا) اور اگر (لام قسمیہ ہے) آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان وزمین کس نے پیدا کئے۔ تو ضرور یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے (لیقولن میں نون رفع متعدد نون جمع ہو جانے کی وجہ سے حذف ہو گیا اور واؤ جمع التقائے ساکنین کی وجہ سے حذف ہو گیا) آپ کہئے کہ الحمدللہ (توحید کی حجت ان پر غالب ہوئی) لیکن ان میں سے نہیں جانتے (توحید کے واجب ہونے کو) سب اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمان وزمین میں ہے (اسی کی ملک، اسی کی مخلوق، اسی کے بندے ہیں۔ لہٰذا جہان میں اس کے سوا عبادت کا کوئی اور مستحق نہیں ہے) بے شک اللہ ہی (مخلوق سے) بے نیاز اور (اپنی کاریگری میں) بڑی خوبیوں والا ہے اور جتنے درخت زمین بھر میں ہیں اگر وہ سب قلم بن جائیں اور اس سمندر (اسم ان پر عطف ہے) کے علاوہ سات سمندر اور اس میں (روشنائی بن کر) شامل ہو جائیں تب بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہونے پائیں (جن سے اللہ کی معلومات کا پتہ چلے، ان قلموں اور اس روشنائی سے لکھ کر، اور نہ ان سے زیادہ سے کیونکہ اللہ کی معلومات غیر متناہی ہیں) بے شک اللہ زبردست ہے (اسے کوئی عاجز نہیں کر سکتا) حکمت والا ہے (اس کے علم وحکمت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے) تم سب کا پیدا کرنا اور دوبارہ جلانا بس ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص کا (پیدا کرنا، زندہ کرنا کیونکہ کلمہ کن کے ذریعہ ہوتا ہے بیشک اللہ سب کچھ سنتا (ہر آواز سنتا ہے) دیکھتا ہے۔ (ہر دکھائی دینے والی چیز دیکھتا ہے۔ کوئی ایک چیز دوسری چیز سے بے توجہ نہیں بنا سکتی) کیا تجھے خبر نہیں (اے مخاطب! تجھے معلوم نہیں) اللہ شامل (داخل) کرتا ہے رات کو دن میں اور دن کو شامل (داخل کرتا ہے رات میں (اس طرح ہر ایک میں اضافہ ہو جاتا ہے جو دوسرے سے کم ہوتا ہے) اور اس نے سورج و چاند کو کام پر لگا رکھا ہے، ان (دونوں میں سے) ہر ایک (اپنے مدار میں) گردش کرتا رہے گا مقررہ میعاد (قیامت) تک۔ اور یہ کہ اللہ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے) یہ (مذکورہ بات) اس سبب سے ہے کہ اللہ ہی ہستی میں کامل (ثابت شدہ) حقیقت ہے اور جن چیزوں کو یہ پکار رہے ہیں (یا اور تا کے ساتھ ہے۔ بندگی کرتے ہیں) اللہ کے علاوہ۔ وہ بالکل لچر (نیست ونابود) ہیں اور اللہ ہی عالی شان (مخلوق پر غالب) ہے اور بڑا (عظمت والا) ہے۔ کیا تجھے پتہ نہیں کہ اللہ ہی کے فضل سے کشتی (جہاز) دریا میں جاری ہوتی ہے۔ تاکہ (اے مخاطبین! اس کے ذریعہ) تمہیں دکھلائے اپنی نشانیاں، بلاشبہ اس میں نشانیاں (عبرتیں) ہیں (گناہوں سے) ہر بچنے والے (اللہ کی نعمتوں کا) شکر بجالانے والے کے لئے اور جب ان کو گھیر لیتی ہیں (کفار پر غالب آجاتی ہیں) سائبانوں کی طرح

موجیں (جو پہاڑوں جیسی کشتیوں کے نیچے اٹھتی رہتی ہیں) تو وہ خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں (سلامتی کی دعا مانگتے ہیں کسی اور کو نہیں پکارتے) پھر جب ان کو سلامتی سے خشکی کی طرف لے آتا ہے۔ سو بعض ان میں سے معتدل پر رہتے ہیں (ایمان وکفر کے درمیان اور کچھ ان میں کافر ہی رہتے ہیں) اور ہماری آیتوں کے بس وہی لوگ منکر ہوتے ہیں (منجملہ ان نشانیوں کے موج سے ان کو سلامت نکال لینا بھی ہے) جو بدعہد (غدار) ناشکرے (اللہ کی نعمتوں کے) ہیں۔ اے لوگو! (مکہ کے باشندو!) اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو کہ مطالبہ ادا نہیں کر سکے گا (بے نیاز نہیں بن سکے گا) کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے (کچھ بھی) اور نہ کوئی بیٹا ہی ہے کہ وہ مطالبہ ادا کر سکے گا اپنے باپ کی طرف سے (ذرا بھی) یقیناً اللہ کا وعدہ (قیامت کے بارے میں) سچا ہے سو تم کو دنیاوی زندگانی (اسلام سے ہٹا کر) دھوکہ میں نہ ڈالے اور نہ وہ بڑا فریبیا۔ اللہ (کی بردباری وڈھیل دینے) کے بارے میں دھوکہ میں رکھے (شیطان) بے شک اللہ ہی کو خبر ہے قیامت کی (کب آئے گی) وروہی برساتا ہے (تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے) مینہ (ٹھیک وقت پر جس کا اسے پتہ ہے) اور وہی جانتا ہے جو کچھ رحم میں ہے (لڑکا یا لڑکی۔ اور ان تینوں باتوں میں سے کسی کی خبر بھی اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا (اچھا کام یا برا کام۔ لیکن اللہ کو خبر ہے) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا (مگر اللہ جانتا ہے) بیشک اللہ ہی (سب باتوں کا) جاننے والا باخبر ہے (ظاہر کی طرح باطن سے واقف ہے۔ بخاریؒ نے ابن عمرؓ سے حدیث **مفاتح الغیب خمسة ان اللّٰہ عندہ علم الساعة الخ** نقل کی ہے۔)

تحقیق وترکیب: **سخر لکم** تسخیر سے مراد ظاہری اور باطنی تصرفات بھی ہیں۔ جو انسان کائنات میں کرتا رہتا ہے اور منافع متعلقہ کا انسان کے لئے پیدا کرنا بھی ہوسکتا ہے۔

نعمہ. نافع، ابو عمر **نعمه** جمع نعمت کی مضاف الی الضمیر پڑھتے ہیں۔ ترکیب میں ظاہرہ حال ہوگا اور باقی قراء **نعمة** سکون عین اور تنوین تا کے ساتھ اسم جنس بمعنی جمع پڑھتے ہیں اب ظاہرہ نعت ہوگا۔ بقول ابن عباسؓ ظاہری نعمت اسلام اور قرآن اور باطنی سے مراد یہ کہ گناہوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے گا۔ لیکن الفاظ عام ہیں۔ اس لئے تعمیم ہی بہتر ہے اور یہ فرمانا بطور تمثیل کے ہو جائے گا، چنانچہ ضحاکؒ سے باطنی کے معنی معرفت نقل کئے گئے ہیں۔ کائنات کی ہر چیز بلا واسطہ یا بالواسطہ انسان کی خدمت میں لگی ہوئی ہے۔ جو دلیل ہے اس کے اشرف المخلوقات ہونے کی۔ " **بغیر علم** " میں دلیل عقلی اور " **لا هدی** " میں دلیل نقلی کی نفی مقصود ہے۔

اولو کان. مفسر علامؒ نے تقدیر شرط کے حال ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ **ای ایتبعو نهم ولو کان الشیطان یدعوهم** اور **یتبعونه** کی ضمیر **ما وجدوا** کی طرف یا شیطان کی طرف راجع ہے۔ لیکن بقول قاضیؒ " **لو** " کا جواب محذوف ہے اور واؤ عاطفہ ہے " **ای لا یتبعوه** " اور چونکہ استفہام انکاری ہے۔ اس لئے عطف علی الانشاء لازم نہیں آئے گا اور ضمیر **یدعو هم** ان کی اور ان کے آباء کی طرف راجع ہوگی۔

الی اللّٰہ اسلام جب الی کے ذریعہ متعدی ہو تو معنی تفویض اور توکل کے ہوں گے۔ ہمہ تن اللہ کی طرف رجوع۔

محسن مفسر علامؒ واحدی کی اتباع میں موحد کے ساتھ تفسیر کر رہے ہیں اور بقول بغویؒ وزمخشریؒ محسن فی عملہ مراد ہے۔

الوثقی. اسلام کا مضبوط حلقہ چھوٹ تو سکتا ہے مگر ٹوٹ نہیں سکتا۔

نضطرهم اشارہ ہے کہ دنیاوی تکلیف وراحت بطور سزا وجزا کے نہیں ہوتی۔ اصلی سزا وجزا آخرت میں ہوگی۔

لیقولن یہ جواب قسم ہے اور جواب شرط قاعدہ کے مطابق محذوف ہے اور اللہ فعل محذوف کا فاعل ہے۔ یا خبر محذوف کی

مبتداء ہے۔ای خلقھن اللّٰہ او اللّٰہ خالق لھن۔

لا یعلمون بعض نے اس کا مفعول " ان ذلک الزام لھم " محذوف مانا ہے۔

والبحر۔ اسم ان یعنی ما پر عطف ہے " رای ولو ان البحر یمدہ " یہ ترکیب البحر قرأت ابوعمرو منصوب پڑھنے کی صورت میں ہے اور باقی قراء کے نزدیک مرفوع ہے محل ان پر عطف ہوگا اور اسی کا معمول ہوگا۔ کیونکہ یہ فعل مضمر کا فاعل ہے ای لوثبت یا مبتداء ہے اور اس کی خبر یمدہ ہے اور جملہ حال ہے ای فی حال کونہ البحر ممدودا۔

یمدہ۔ ای جعلہ ذا مدادا۔

سبعۃ ابحر یہ فاعل ہے یمدہ کا اس میں ضمیر بحر بمعنی مکان کی طرف راجع ہے اور من بعد کی ضمیر بھی البحر بمعنی اماء کی طرف بطور صفت استخدام راجع ہے اور حذف مضاف پر بھی محمول ہوسکتا ہے۔اور البحر کو منصوب ماننے کی صورت میں جملہ اس کی خبر ہوجائے گا اور مرفوع پڑھنے کی صورت میں حال ہوگا۔اور سات کا عدد تکثیر کے لئے تعیین کے لئے نہیں ہے۔

مانفدت یہ جواب لو ہے لیکن یہاں لو سے مشہور معنی انتفاء جزاء کی وجہ سے انتفاء شرط یا انتفاء شرط کی وجہ سے انتفاء جزا کے نہیں ہیں ورنہ کلمات اللہ کا ختم ہونا لازم آئے گا۔ بلکہ ثبوت جواب کے معنی ہیں۔ یہ حرف شرط ہے مستقبل کے لئے۔اور کلمات اللہ سے مراد کلام لفظی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تو حادث ہے۔ بلکہ کلام نفسی قدیم مراد ہے۔ جو غیر مختتم اور غیر متناہی ہے۔اور المعبر کا مطلب علی سبیل الفرض ہے۔ ورنہ کلام نفسی کی غیر متناہی تعبیر کلام لفظی محدود سے ممکن نہیں ہے۔

بکتبھا۔ ای بسبب کتابتھا

کنفس واحدۃ ای کخلق نفس واحدۃ وبعث نفس واحدۃ اختصاراً حذف کردیا گیا ہے۔

یولج۔ دن ورات میں بارہ بارہ گھنٹے اصل ہیں۔جن میں چار گھنٹے زائد ہیں۔جو تدریجاً ایک دوسرے میں زائد ہوتے رہتے ہیں اور زمانہ اعتدال میں دن ورات برابر رہتے ہیں اور یولج کو مضارع سے اور سخر صیغہ ماضی سے تعبیر کیا ہے کیونکہ ایلاج متجدد ہوتا رہتا ہے برخلاف تسخیر کے۔

الی اجل۔ یہاں الی کے ساتھ اور سورۂ فاطر وزمر میں لام کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ محض تفنن کے لئے ورنہ الی اور لام دونوں انتہا کے لئے ہیں اور مقررہ مدت سے مراد قمری حساب سے تو مہینہ ہے اور شمسی حساب سے سال ہے اور میعاد مطلق قیامت ہے۔ اجل مسمی کا مدلول صرف سورج کا مقررہ وقت تک جاری رہنا ہے۔ لیکن اگر بھی خلاف عادت یہ پہلے ہوجائے جیسے قیامت کے قریب مغرب سے سورج کا نکلنا یا مقررہ مدت کے بعد بھی جب تک خدا چاہے جاری رہے تو اس سے ان دونوں صورتوں کی نفی لازم نہیں آتی۔

غشیھم مفسر علامؒ نے اشارہ کیا ہے کہ غشیان بمعنی اتیان نہیں ہے بلکہ اوپر سے ڈھانپنے کے معنی ہیں۔

کالظلل جمع ظلۃ پہاڑ، بادل وغیرہ جو سایہ فگن ہوں۔

مقتصد۔ یعنی کفر میں غلو نہیں رہتا۔لیکن بہتر یہ ہے کہ مقتصد کے معنی عدل کے لئے جائیں۔تاکہ توحید بھی عدل میں داخل ہوجائے۔جیسا کہ شان نزول سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

ختار بمعنی غدار، صبر کا مقابل ہے جیسے کفور، شکور کا مقابل ہے لا یجری۔ قاموس میں بمعنی یقتصی ہے۔دونوں جمع یوما کی صفت ہیں۔ ہر ایک میں عائد مقدر ہے۔مفسر نے اس کی تقدیر فیہ ظاہر کی ہے۔ باپ بیٹے کا تعلق انتہائی شفقت وعظمت

کا ہے۔ مگر قیامت میں جب بیٹا بھی ناکارہ ہیں تو دوسرے رشتے بدرجہ اولیٰ منقطع ہو جائیں گے۔ علاوہ ازیں **مقصد** یہاں **ختار کفور** کے مقابلہ میں نہیں آتا۔ اس کا قرینہ ہے کہ یہاں مطلق مومن مراد ہے۔ لیکن سورۂ فاطر میں **ظالم لنفسه** اور **سابق بالخیرات** کے مقابلہ میں آنا قرینہ ہے گناہ اور طاعات کے برابر ہونے کا۔ اس لئے وہاں مومن خاص مراد ہوگا۔ پس اس آیت میں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ تقسیم قاصر نہیں ہے۔

لا مولود مبتداء اول اور هو مبتداء ثانی ہے جاز اس کی خبر ہے یہ جملہ مولود کی خبر ہے اور **مولود** اگرچہ نکرہ ہے مگر تحت النفی ہے۔ اس لئے مبتداء بننا صحیح ہوگیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مولود کا عطف والد پر ہو اور جملہ اس کی صفت ہو۔ اور شیئاً مفعول بہ ہے یا مصدریت کی بناء پر منصوب ہے۔ کیونکہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔ ای جزاء شیئا اور **مولود** کی سابقہ دونوں ترکیبوں پر شیئاً میں تنازع فعلین ہو رہا ہے۔ پہلے جملہ لا یجزی والد میں تاکید نہ لانے اور دوسرے جملہ **ولا مولود** الخ میں تاکید لانے کا نکتہ یہ ہوسکتا ہے کہ دونوں جملوں میں نفی ہے۔ پس بقاعدہ بلاغت ترقی کا تقاضہ یہی ہے کہ دوسرا جملہ پہلے سے بڑھا ہوا ہو۔ اگر ان جملوں کی ترتیب بالعکس ہوتی تو تاکید بھی برعکس ہوتی۔

جاز۔ بمعنی قاصی و مودی ہے۔

لا یغرنکم۔ یعنی مغفرت کی امید سے گناہوں پر دلیر ہوجانا فریب نفس و شیطان ہے۔

باللّٰہ۔ با سببیہ ہے اور مضاف محذوف ہے۔ ای بسبب حلم اللّٰہ جیسا کہ مفسرؒ نے اشارہ فرمایا ہے۔

ینزل ابوعمرو، ابن کثیر، حمزہ، علی تخفیف کے ساتھ اور بقیہ قراء تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اول انزال سے دوسری تنزیل سے ہے۔

ان اللّٰہ عندہ الخ یہاں دو مقصد ہیں۔ ایک تینوں چیزوں کے علم کا اللہ کے ساتھ خاص ہونا۔ دوسرے ان کا علم دوسروں کو نہ ہونا۔ اس لئے پہلی آیت میں تین چیزوں کے ساتھ علم الٰہی کی صراحت فرمادی اور غیر اللہ کے علم کی نفی صراحت سے نہیں فرمائی۔ برخلاف دوسرے جملہ کہ اس میں **ما تدری** سے دونوں چیزوں کے علم کی غیر اللہ سے صراحۃً نفی فرمادی اور اللہ کے لئے علم کا اثبات صراحۃً نہیں فرمایا۔ مفسر علامؒ نے تقدیری عبارتیں نکال کر اس نکتہ کی طرف اشارہ فرمادیا ہے۔ بہرحال ان پانچوں باتوں کا علم بھی دوسرے تمام علوم کی طرح ذاتی طور پر اللہ کے ساتھ مختص ہے۔ دوسروں کو علم ذاتی نہیں ہے بلکہ اللہ کے علم کرانے سے بذریعہ وحی یا الہام و کشف ہو یا پھر بالواسطہ آلات کے ذریعہ سے ہو، وہ اس کے خلاف نہیں ہے۔

ربط: آیت **الم تروا** الخ میں بھی پچھلی آیت کی طرح توحید کا مضمون ہے۔ آیت **اذا قیل** الخ تقلیدی شرک و معصیت کا ابطال اور **ومن یکفر** الخ سے کفر پر آنحضرت ﷺ کے رنجیدہ رہنے کی وجہ سے تسلی ہے اور کفار کو دھمکی ہے۔ پھر **ولئن سألتهم** سے توحید پر استدلال ہے، اور اسی کے ضمن میں شرک کا ابطال ہے اور **ماخلقکم** میں بعث و قیامت کا اثبات اور **الم تر ان اللّٰہ** سے پھر دلائل وحدانیت ہیں۔

"یا ایها الناس" میں عام وعظ کے رنگ میں قیامت کی تذکیر اور شرک و کفر پر تفصیلی تہدید ہے اور اسی سلسلہ میں قیامت کی تعیین کا علم اگر کسی کو نہیں تو اس سے یہ لازم نہیں کہ قیامت آئے گی ہی نہیں۔ علم غیب تو اللہ کے ساتھ مختص ہے، جو دلیل الوہیت ہے۔ معبودان باطل ناقص العلم بلکہ فاقد العلم ہیں۔ اس لئے وہ خدائی کے لائق بھی نہیں۔ پس آخری آیت کا پہلے مضمون کے ساتھ دو طرح ربط ہوگیا اور حاصل سورت یہی دو مضمون ہیں۔ جزا و سزا۔ جس کا اصل وقت قیامت ہے اور توحید۔ غرضیکہ یہ آیت اس طرح پوری سورت کے مضامین کی جامع ہوگئی۔ اس لئے اس پر سورت کا ختم کرنا عین بلاغت ہے۔

شان نزول: آیت ومن الناس نضر بن الحارث، ابی بن خلف جیسے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اللہ کی ذات وصفات کے بارے میں کج بحثی کیا کرتے تھے۔

ولو ان مافی الارض. بقول قتادہؒ مشرکین کہا کرتے تھے کہ محمد اور ان کی وحی قرآنی کا سلسلہ کچھ دنوں بعد ختم ہو جائے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ نیز ان سے یہ بھی منقول ہے کہ یہود نے خود یا یہود کے مشورہ سے مشرکین نے آنحضرت ﷺ پر آیت وما اوتیتم من العلم الا قلیلا کے سلسلہ میں اعتراض کیا کہ ہمیں تورات عطا ہوئی ہے جس میں تمام علوم وحکمتیں ہیں۔ پھر کیسے ہمیں علم قلیل کا دیا جانا فرمایا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تورات کا علوم اگرچہ تمہارے اعتبار سے کثیر ہیں۔ لیکن مجموعہ علم الٰہی کے لحاظ سے تو قلیل ہی ہیں۔

آیت ماخلقکم پر ابی ابن خلف اور اس کی جماعت نے آنحضرت ﷺ پر اعتراض کیا کہ انسان کی ابتدائی خلقت تو مرحلہ وار درجہ بدرجہ تین چھوں میں ہوتی ہے۔ بعث ایک دم کیسے ہو جائے گا۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

فمنهم مقتصد. عکرمہؓ بن ابوجہل فتح مکہ کے موقع پر فرار ہو کر سمندری جہاز پر سوار ہو گیے۔ راستہ میں طوفان نے آ گھیرا تو اس نے دعا مانگی کہ اگر میں سلامتی سے پار ہو گیا تو جا کر محمد (ﷺ) کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں گا۔ چنانچہ جہاز طوفان سے بچ گیا اور عکرمہؓ حاضر ہو کر صدق دل سے مسلمان ہو گیا۔

﴿تشریح﴾: الم تروا ظاهرة سے مراد آگ، پانی، ہوا، مٹی، تکوینی حسی نعمتیں جن کا ادراک حواس سے ہوتا ہے اور باطنة سے مراد وہ تکوینی نعمتیں جن کا ادراک عقل سے ہو سکے اور جو مومن کافر سب کے لئے عام ہیں۔ یعنی کل مخلوق اللہ نے تمہارے کام میں لگا دی تو تم اللہ کے کام میں کیوں نہیں لگتے۔ مشرک اور جہالت زدہ لوگوں پر تعریض ہے کہ یہ چاند، سورج، ستارے، زمین، آسمان سب تمہاری بیگار اور خدمت کے لئے وقف ہیں۔ پھر یہ کیا شامت سوار ہے کہ تم الٹے انہیں کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہو۔

ومن الناس. یعنی اتنے کھلے احسانات کو دیکھ کر بھی اللہ کی ذات وصفات یا اس کے احکام شرع میں بے سند جھگڑتے ہو۔ اس سوال بے جا کی بنیاد نہ کسی صحیح علم پر ہے اور نہ عقلی استدلال پر اور نہ نقلی آسمانی کتاب پر۔ بلکہ محض اپنی کج فہمی اور کج بحثی پر ہے اور بس باپ دادوں کی اندھی تقلید پر، تو کیا شیطان اگر تمہارے باپ دادوں کو دوزخ کی طرف لے جا رہا ہو تو کیا پھر بھی تم ان کے پیچھے پیچھے چلے جاؤ گے، جہاں وہ گریں گے تم بھی گرو گے۔ آخر یہ کیا اندھیر ہے۔ اللہ کی رسی لٹکی ہوئی ہے۔ جس نے اسے نہ صرف ظاہری طور پر بلکہ اخلاص کے ساتھ تھا، اور خود کو اللہ کے حوالہ کر دیا اس نے ایک مضبوط حلقہ تھام لیا ہے جو چھوٹ تو سکتا ہے مگر ٹوٹ نہیں سکتا۔ یہ کڑا جب تک کوئی پکڑے رہے گا نہ گرے نہ چوٹ کھائے گا۔

آیت ومن کفر میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ ان کے بگڑنے کا غم اپنے سر کیوں لیں، آخر ان کو بھی تو ہمارے ہاں آنا ہے۔ اس وقت سب کیا دھرا سامنے آ جائے گا۔ یہ سب کھول کر رکھ دے گا، اس سے کیا چھپ سکتا ہے، وہ تو دلوں کے بھید جانتا ہے۔ تھوڑے دنوں کی عیش اور بے فکری ہے۔ اس کے بعد تو مہلت ختم ہونے پر انہیں سزا بھگتنی ہی ہے۔ کہاں چھوٹ کر جا سکیں گے؟

ولئن سالتهم. یعنی اللہ کو خالق عالم تو یہ بھی مانتے ہیں جو دلیل کا اہم مقدمہ ہے تو آخر دوسرے معمولی مقدمہ میں آ کر گاڑی کیوں اٹک جاتی ہے۔ منطقی استدلال کی ترتیب اس طرح ہوگی کہ ساری کائنات اللہ کی مخلوق ہے اور کوئی مخلوق بھی معبود نہیں

ہوسکتی۔ اس لئے کائنات میں بجز اللہ کے کوئی چیز بھی معبود نہیں بن سکتی۔ غرضیکہ اللہ کی تنہا خالقیت تو مسلم مگر تنہا اس کی معبودیت ان کے گلے سے نہیں اترتی۔

ولو ان مافی الارض۔ یعنی تنہا معبود ہونا اس لئے بھی ہے کہ ان کے کمالات لامتناہی ہیں اور ذاتی خوبیاں لامحدود ہیں، اتنی کہ اس دنیا جیسی ہزاروں دنیائیں ہوں اور ان کے سارے درختوں کے انگنت قلم اور ان کے سمندروں کو روشنائی میں تبدیل کردیا جائے تو وہ سارے قلم اور روشنائی ختم ہوجائیں گی پر اللہ کے کلمات وکمالات کی تہہ نہیں ملے گی۔ **اللّٰھم لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک**۔ رہا پہلی پیدائش اور دوبارہ زندہ کرنا، خواہ وہ ایک انسان کو ہو یا سارے عالم کا، اس کی **کن فیکونی** قدرت اور حکم کے آگے سب برابر ہیں۔ بس اس کے ارادہ کی دیر ہے۔ اس نے ارادہ کیا اور وہ فوراً مراد وجود پذیر ہوگئی۔ لفظ **کن** کہنے پر ہی موقوف نہیں۔ یہ تو سمجھانے کے لئے ایک تعبیر ہے۔ رہا مرحلہ وار تدریجی طور پر وجود میں آنا یا ایک دم موجود ہوجانا، سو حرکت تدریجی اور حرکت دفعی کا یہ فرق اس کی قدرت کے آگے کچھ نہیں۔ آخر ایک آواز کا سننا اور بیک وقت تمام دنیا کی آوازیں سننا، ایسے ہی ایک چیز کا دیکھنا اور بیک وقت سارے عالم کو دیکھنا جب اللہ کے لئے برابر ہے تو ایک آدمی کا اور تمام جہان کا مارنا جلانا یکساں کیوں نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح دوبارہ جلادینے کے بعد بیک وقت کل کائنات کا رتی رتی حساب کتاب پل بھر میں چکادے تو کیا مشکل ہے جبکہ وہ سب کچھ دیکھتا، سنتا ہے، کوئی کھلی چھپی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

اجل مسمی۔ اس سے مراد قیامت ہے یا چاند سورج کے ماہانہ اور سالانہ دورے کہ وہ بھی پورا ہونے کے بعد گویا ازسرنو چلتے ہیں۔ پس جو قوت ان عظیم الشان کروں کو نوکروں کی طرح کام میں لگائے رکھتی ہے، اسے دوبارہ جلانے اور اچھے برے کئے کا حساب کتاب چکانے میں کیا دشواری ہوسکتی ہے۔ بس اللہ کا واجب الوجود ہونا اور موجود بالذات ہونا "**ھو الحق**" سے سمجھ میں آرہا ہے اور دوسروں کو باطل اور ہالک الذات ہونا اس کو مستلزم ہے کہ اکیلے اسی کے لئے یہ کمالات وصفات ثابت ہوں۔ پس وہی معبود بننے کے لائق ہے۔

یہ شبہ نہ کیا جائے کہ آیت **خلق السمٰوات** اور **یولج** اور **سخر** میں تو توحید کا اثبات بالافعال تھا اور آیت "**ذٰلک بان**" میں افعال کا بالتوحید ہورہا ہے؟ بات یہ ہے کہ پہلا اثبات ذہنی ہے اور دلیل انی ہے اور دوسرا اثبات خارجی یعنی دلیل لمی ہے۔ اسی لئے اس پر با داخل کیا گیا ہے۔

الم تر ان الخ۔ یعنی ان اتھاہ اور بے پناہ جوش مارتے ہوئے سمندر پر انسان جیسے مشت خاک کو قدرت دینا اور اتنی عقل وفہم سے بہرہ ور کردینا کہ وہ لکڑی کے تختوں کو جوڑ جاڑ کر اور ان میں کیلیں ٹھونک ٹھانک کر اور ہوا، بھاپ، بجلی کی قوتوں سے کام لے کر چھوٹی بڑی کشتیاں، آبدوزیں، اسٹیمر وغیرہ تیار کرسکے اور ان کے ذریعہ ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے بحری تجارت وسیاحت سے عظیم الشان فوائد حاصل کرتا ہے۔ بھاری بھاری سامان لاد کر جہاز کس طرح سمندر کی موجوں کو چیرتا پھاڑتا چلا جاتا ہے۔ عجب نہیں کہ جہاز کی اس ساری داستان میں یہ تاثر دینا بھی ہو کہ جب یہ بادبانی اور دخانی جہاز بغیر کسی رہبر، معاون، ڈرائیور یا پائلٹ کے بغیر نہیں چل سکتا اور منجدھاروں سے سلامت نہیں نکل سکتا تو کائنات کا اتنا عظیم جہاز بغیر کسی کھویا اور چلانے والے کے کیسے وجود میں آگیا اور کیسے چل رہا ہے اور حوادثات کا تلاطم کون بپا کرتا ہے اور بھنور کے تھپیڑوں سے بچا کر اسے گودی کی طرف کون لے جارہا ہے؟ کیا اس میں توحید کی صدا بلند نہیں ہورہی ہے؟ سنا ہے کہ امام اعظمؒ نے وحدانیت پر یہی دلنشین استدلال پیش کیا تھا اور مخالفین کو مبہوت بنا دیا تھا۔

انسان غور کرے، جب پہاڑ جیسے طوفان امڈ رہے ہوں اور جہاز بھنور کی لپیٹ اور پانی کے تھپیڑوں میں آگیا ہو تو کس قدر

صبر وتحمل کا وقت ہوتا ہے اور اس موت وحیات کی کشمکش کے بعد جب سلامتی سے کنارہ اور گودی پر لگ جائے تو کس درجہ مقام شکر ہوتا ہے۔ سمندر میں طغیانی کے وقت پانی کی موجیں پانی کی سطح سے گردن اونچی کرکے جب کشتیوں، جہازوں پر تھپیڑے مارتی ہیں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ بدلیاں چھا گئی ہیں۔

کالظلل فرما کر قرآن نے سارا منظر نگاہوں کے سامنے کر دیا۔ پہلے دلائل وشواہد سے اللہ کا ایک ہونا اور اس کے خلاف سب باتوں کا جھوٹا ہونا بتلایا تھا۔ یہاں یہ بتلا دیا کہ طوفانی موجوں میں گھر کر کٹر سے کٹر مشرک بھی بڑی عقیدت مندی اور اخلاص سے اللہ کو پکارنے لگتا ہے۔ معلوم ہوا کہ انسانی ضمیر اور فطرت کی اصلی آواز یہی ہے۔ باقی سب بناوٹ اور ڈھکوسلے ہیں۔ اسے کوئی اختیار سے نہیں مانتا تو وہ جبر سے خود منوالیتا ہے، مگر اصل ماننا اختیاری ہی ہے۔ مگر انسان ہے بڑا ہی ناشکرا، ابھی تھوڑی دیر پہلے طوفان میں گھر کر جو قول وقرار اللہ سے کئے تھے، بچ نکلنے کے بعد سب سے پھر گیا۔ کچھ دن بھی اس پر اثر نہ رہا اور بھول بھال گیا۔ البتہ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ تھوڑی بہت ان میں تبدیلی آجاتی ہے، ورنہ اکثر جوں کے توں رہتے ہیں اور طوفان کے وقت جہاز کے مسافروں میں جو افراتفری ہوا کرتی ہے کہ ہر ایک اپنی جان بچانے کی فکر میں رہتا ہے، دوسروں کی فکر نہیں ہوتی۔

البتہ ماں باپ اور اولاد کا حال اوروں سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ ایک دوسرے کو بچانے کی فکر میں رہتے ہیں بلکہ بعض دفعہ دوسرے کو بچانے کے نتیجہ میں خود مبتلائے مصیبت ہو جاتے ہیں۔ لیکن ایک ہوش ربا دن اور بھی آنے والا ہے جب ہر طرف نفسی نفسی ہوگی۔ کوئی بھی دوسرے کی مصیبت سر لینے کو تیار نہ ہوگا اور کسی کی کوئی تجویز نہ چل سکے گی۔ اس لئے اس دن کی فکر کرو۔ آج اگر سمندر سے بچ گئے تو اس دن کیسے بچو گے، وہ دن آکر رہے گا۔ اللہ کا وعدہ اٹل ہے اور چند روزہ بہار اور چہل پہل سے دھوکا مت کھاؤ۔ کیا یہی آرام وہاں بھی رہے گا۔ وہ تو نتائج عمل کی دنیا ہوگی۔ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے، جو بوؤ گے وہی کاٹو گے۔ بالخصوص شیطان مکار کے چکر سے چوکنا رہنا جو اللہ کا نام لے لے کر دھوکے دیتا ہے۔ کبھی کہتا ہے میاں ابھی عمر پڑی ہے، بعد میں توبہ کرلیں گے، کبھی کہتا ہے اللہ غفور ورحیم ہے۔ وہ تو بہت معاف کرنے والا ہے اور ماں باپ سے بھی مہربان ہے، وہ سب بخش دے گا، کبھی کہتا ہے کہ اگر قسمت میں جنت لکھ دی ہے تو کتنے ہی گناہ کرو ضرور پہنچ کر رہو گے اور دوزخ لکھی ہے تو کچھ بھی کر لو بچ نہیں سکتے اور کبھی کہتا ہے جب لکھا پورا ہوتا ہے تو ہمارا کیا قصور؟ خود ہی لکھیں خود ہی سزا دے دیں، آخر یہ کیا تماشا ہے۔ غرضیکہ مختلف داؤں سے راہ مارنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ اس لئے تم ایسے فریبی سے ہوشیار ہو جاؤ۔

رہا یہ کہ قیامت کب آئے گی؟ یہ اور اسی قسم کی اور مخفی باتیں مثلاً: بارش کب آئے گی؟ ماں کیا جنے گی؟ کل کیا ہوگا؟ کوئی کہاں مرے گا؟ وغیرہ وغیرہ۔ دراصل یہ قدرت کے پوشیدہ راز ہیں جسے وہ ہر ایک کو نہیں بتلاتا۔ ہر چیز کا ذاتی طور پر بلا واسطہ علم، اسی طرح تمام چیزوں کو محیط اور حاوی علم صرف اللہ کو ہے۔ کوئی اس میں اس کا شریک نہیں ہے۔ یہ پانچ مسئلے بطور مثال اور نمونے کے یہاں بیان ہوئے ہیں۔ حصر مقصود نہیں ہے اور انہیں پانچ کی وجہ تخصیص یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے انہی پانچ باتوں کے بارے میں پوچھا گیا تھا اس کے جواب میں بھی انہی پانچ کا ذکر ہوا ہے، دوسرے عام طور پر لوگ انہی باتوں کے معلوم کرنے کے شائق رہتے ہیں۔

تفصیل میں جانے سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ''مغیبات'' کی صرف دو صورتیں ہیں۔ ایک ''جنس احکام'' دوسرے ''جنس اکوان'' پھر اکوان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ''کونیات زمانی'' اور ''کونیات مکانی'' پھر زمانی کونیات کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ ماضی، ۲۔ حال، ۳۔ مستقبل

جہاں تک غیبی احکام کا تعلق ہے ان کا کل علم انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمایا گیا ہے اور ان کے جزئیات کی تفصیل اور ترتیب اذ کیاء امت کرتے رہتے ہیں۔ البتہ مغیبات کونیہ کا کلی علم حق تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔ ہاں جزئیات کونیہ کا علم حسب استعداد بندوں کو بھی عطا فرماتا رہتا ہے۔ بالخصوص آنحضرت ﷺ کو اتنا بڑا حصہ عطا ہوا ہے کہ جس کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔

اس آیت میں جن پانچ باتوں کا علم فرمایا گیا ہے، حدیث میں ان کو مفاتیح الغیب فرمایا گیا ہے۔ فی الحقیقت ان میں اکوان غیبیہ کی پانچ انواع کی طرف اشارہ ہے۔

بای ارض تموت میں غیوب مکانیہ اور **ماذا تکسب غدا** میں غیوب زمانیہ مستقبلہ اور **مافی الارحام** میں غیوب کونیہ حالیہ اور **ینزل الغیث** میں غیوب کونیہ ماضیہ کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض دفعہ بارش آتی معلوم ہوتی ہے، مگر کسی کو ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں ہوتا کہ اس وقت، اسی جگہ، اتنی مقدار میں، مسلسل یا غیر مسلسل بارش ہوتی ہے؟ اسی طرح ماں پیٹ سے بچہ کو لئے پھرتی ہے، مگر اسے خبر نہیں کہ پیٹ میں کیا چیز ہے لڑکا یا لڑکی؟ آئندہ واقعات پر انسان حاوی ہونا چاہتا ہے مگر نہیں جانتا کہ کل میں خود کیا کام کروں گا۔ علم قطعی اور تفصیلی کی نفی مقصود ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اجمالی صورت میں کوئی نہ کوئی پروگرام تو اگلے زمانہ کے لئے انسان رکھتا ہی ہے اور جب انسان کو اپنے بارے میں کل کی بھی حقیقی خبر نہیں ہوسکتی تو ''کب'' کے متعلق تو اور بھی محال ہے، کیونکہ مکان وقت تو اس وقت بھی موجود ہیں اور بعض دفعہ مرنے والے کے مشابہ بھی آچکی ہوتی ہے۔ مگر ''زمان موت'' تو حواس ظاہری سے بھی تمام تر مخفی اور مستور رہتا ہے۔ اس جہل و بے چارگی کے باوجود تعجب ہے کہ انسان دنیوی زندگی پر مفتون ہو کر خالق حقیقی اور اس دن کو بھول جائے جب پروردگار کی عدالت عالیہ میں کشاں کشاں حاضر ہونا پڑے گا اور قیامت کب آئے گی؟ یقیناً آکر رہے گی۔ مگر اس کا نپا تلا وقت اور ٹھیک تاریخ کی تعیین اللہ کے علم میں ہے، نہ معلوم یہ کارخانہ توڑ پھوڑ کر کب برابر کردیا جائے۔

آلات رصدیہ سے ماہرین موسمیات جو کچھ پیشگوئیاں کرتے ہیں یا ایکسرے اور دوسری مشینوں سے اور علامات کی مدد سے اگر ڈاکٹر رپورٹ دیں تو اس کے منافی نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ علم بالواسطہ ہیں۔ یہی حال کشف وکرامات اور معجزات کا ہے کہ وہ بالذات عموم نہیں ہیں بلکہ بالواسطہ ہیں۔ نیز علم الٰہی کے اثبات میں جو علم کا مادہ لایا گیا ہے اور مخلوق سے علم کی نفی میں دلالت کا مادہ لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ درایت اگرچہ کسبی ہوتی ہے مگر علم غیب، کسب اور سعی سے بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔ نیز علم ساعت کو جملہ اسمیہ سے اور **ینزل** و **یعلم** کو جملہ فعلیہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ قیامت تو ایک متعین حقیقت ہے جو اپنے مقررہ وقت پر ایک بار ظاہر ہوجائے گی۔ لیکن بارش اور استقرار حمل تو ہمیشہ ہوتا ہی رہتا ہے اور یہ دونوں باتیں وقتاً فوقتاً متجدد ہوتی رہتی ہیں۔

نیز **علم الساعۃ** کی طرح **ینزل** میں علم کی صراحۃً اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی گئی۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ خود بارش برسانے میں بہت سے فوائد ومنافع تھے۔ ان کی اہمیت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے **یعلم تنزیل** کی بجائے صرف **ینزل** فرمایا گیا ہے اور ''**ماذا تکسب غدا**'' میں مخاطب کی تخصیص کا نکتہ یہ ہے کہ جب انسان کو خود اپنا حال معلوم نہیں ہوسکتا تو دوسروں کا حال کیا جان سکتا ہے۔

اسی طرح **بای ارض تموت** میں جگہ کی تخصیص کا نکتہ یہ ہے کہ جب مرنے کی جگہ کا حال معلوم نہیں تو موت کے وقت کا حال کیسے معلوم ہوسکتا ہے۔ کیونکہ جگہ اور مکان تو موجود بھی ہے اور وقت تو ابھی آیا بھی نہیں اور موجود ہی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں پہلے جملوں میں اختصاص کو علم باری کے اثبات سے اور اخیر جملوں میں اختصاص کو علم مخلوق کی نفی سے تعبیر کرتے ہیں۔ نکتہ یہ ہے کہ کام کرنا اور مرنا خود اپنے احوال ہیں اور اقرب الی العلم ہیں۔ پس جب اقرب میں صراحۃً نفی فرمادی تو پھر دوسروں کا حال چونکہ بعید تھا اس لئے

اس میں نفی کی ضرورت ہی نہیں۔ ہاں! اس کا امکان تھا کہ مخلوق پر قیاس کر کے اللہ سے بھی علم کی نفی نہ سمجھی جائے۔ اس لئے صراحۃً اللہ کے لئے ان میں اثبات کیا گیا ہے۔

ان گذارشات سے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ علم غیب کے مسئلہ میں غوغائیوں نے جو خواہ مخواہ ہنگامہ کھڑ کر رکھا ہے وہ کیا اصلیت رکھتا ہے؟ یقیناً آنحضرت ﷺ کو احکام شریعت کے کلیات وجزئیات کا علم سارے عالم سے زیادہ عطا ہوا ہے اور بہت سی جزئیات کونیہ کا علم بھی آپ کو دیا گیا ہے۔ لیکن اس کو سب تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ کا علم ذاتی ہے اور آنحضرت ﷺ کا علم عطائی ہے۔ دوسرے اللہ کا علم محیط ہے، جس میں علم الاحکام، کلیات وجزئیات سب آ گئے اور علم الاکوان خواہ مکانی ہو یا زمانی، سب اللہ کے ساتھ مختص ہیں۔ ان میں کسی کا کچھ دخل نہیں۔ جیسا کہ لفظ مفاتح میں غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد تو یہ ہنگامہ آرائی نزاع لفظی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، اور پھر یہ بات الگ رہ جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اولیت علم الاولین والآخرین کے باوجود ''عالم الغیب'' کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ انصاف کی آنکھ سے ملاحظہ فرمانے والوں سے امید ہے کہ اللہ کی پوری عظمت اور آنحضرت ﷺ کی پوری محبت سے سینے معمور اور زبانیں شکر بار رکھیں گے اور تعبیر میں پاس ادب ملحوظ رہے گا۔

لطائف سلوک: واسبع علیکم. حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ حسن اخلاق ظاہری نعمتیں ہیں اور معارف الٰہیہ باطنی نعمتیں ہیں۔

ومن کفر الخ سے معلوم ہوا کہ لوگوں کی صلاح میں زیادہ مبالغہ اور غلو نہ کرے اور ان کا پابند ہو کر نہ رہ جائے بلکہ خود کو آزاد رکھے۔

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ﴿۱﴾ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ **تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ** الْقُرْاٰنِ مُبْتَدأٌ **لَارَيْبَ** شَكَّ **فِيْهِ** خَبَرٌ اَوَّلٌ **مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴿۲﴾** خَبَرٌ ثَانٍ **اَمْ** بَلْ **يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ** مُحَمَّدٌ لَا **بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ** بِهٖ **قَوْمًا مَّآ** نَافِيَةٌ **اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ﴿۳﴾** بِاِنْذَارِكَ **اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ** اَوَّلُهَا الْاَحَدُ وَاٰخِرُهَا الْجُمُعَةُ **ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ** وَهُوَ فِي اللُّغَةِ سَرِيْرُ الْمَلِكِ اِسْتِوَاءً يَلِيْقُ بِهٖ **مَالَكُمْ** يَا كُفَّارَ مَكَّةَ **مِّنْ دُوْنِهٖ** غَيْرِهٖ **مِنْ وَّلِيٍّ** اِسْمُ مَا بِزِيَادَةِ مِنْ اَيْ نَاصِرٍ **وَّلَا شَفِيْعٍ** يَدْفَعُ عَنْكُمْ عَذَابَهٗ **اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ﴿۴﴾** هٰذَا فَتُؤْمِنُوْنَ **يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ** مُدَّةَ الدُّنْيَا **ثُمَّ يَعْرُجُ** يَرْجِعُ الْاَمْرُ وَالتَّدْبِيْرُ **اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴿۵﴾** فِي الدُّنْيَا وَفِيْ سُوْرَةِ سَاَلَ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ لِشِدَّةِ اَهْوَالِهٖ بِالنِّسْبَةِ اِلَى الْكَافِرِ وَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَكُوْنُ اَخَفَّ عَلَيْهِ مِنْ صَلٰوةٍ مَكْتُوْبَةٍ يُصَلِّيْهَا فِي الدُّنْيَا كَمَا جَاءَ فِي الْحَدِيْثِ **ذٰلِكَ** الْخَالِقُ الْمُدَبِّرُ **عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ** اَيْ مَا غَابَ عَنِ الْخَلْقِ وَمَا حَضَرَ **الْعَزِيْزُ** الْمَنِيْعُ فِيْ مُلْكِهٖ **الرَّحِيْمُ﴿۶﴾** بِاَهْلِ طَاعَتِهٖ **الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ** بِفَتْحِ اللَّامِ فِعْلًا مَاضِيًا صِفَةٌ وَبِسُكُوْنِهَا بَدَلُ اِشْتِمَالٍ **وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ** اٰدَمَ **مِنْ طِيْنٍ﴿۷﴾ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ** ذُرِّيَّتَهٗ **مِنْ سُلٰلَةٍ** عَلَقَةٍ **مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ﴿۸﴾** ضَعِيْفٍ هُوَ النُّطْفَةُ **ثُمَّ سَوّٰىهُ** اَيْ خَلْقَ اٰدَمَ **وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ** اَيْ جَعَلَهٗ حَيًّا حَسَّاسًا بَعْدَ اَنْ كَانَ جَمَادًا **وَجَعَلَ لَكُمُ** اَيْ الذُّرِّيَّةِ **السَّمْعَ** بِمَعْنَى الْاَسْمَاعِ **وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ** الْقُلُوْبَ **قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴿۹﴾** مَا زَائِدَةٌ

مُؤَكِّدَةٌ لِلْقِلَّةِ **وَقَالُوْٓا** اَىْ مُنْكِرُوا الْبَعْثِ **ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِى الْاَرْضِ** غِبْنَا فِيْهَا بِاَنْ صِرْنَا تُرَابًا مُخْتَلِطًا بِتُرَابِهَا **ءَاِنَّا لَفِىْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ** اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ فِى الْمَوْضِعَيْنِ قَالَ تَعَالٰى **بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ** بِالْبَعْثِ **كٰفِرُوْنَ﴿۱۰﴾ قُلْ** لَهُمْ **يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِىْ وُكِّلَ بِكُمْ** اَىْ بِقَبْضِ اَرْوَاحِكُمْ **ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ﴿۱۱﴾** اَحْيَاءً فَيُجَازِيْكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ

ترجمہ:.........سورۃ السجدہ مکی ہے اوراس میں تیس آیتیں ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. الم (حقیقی مراد کا اللہ کو علم ہے) یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے (قرآن۔ یہ مبتداء ہے) اس میں کچھ شبہ نہیں (شک نہیں یہ خبر ول ہے) رب العالمین کی طرف سے ہے (خبر ثانی ہے) یہ لوگ کیا یوں کہتے ہیں کہ پیغمبر (ﷺ) نے اپنے دل سے بنالیا ہے۔ (نہیں) بلکہ یہ کتاب سچی ہے آپ کے پروردگار کی طرف سے۔ تاکہ آپ (ان کے ذریعہ) ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا (ما نافیہ ہے) تاکہ وہ لوگ راہ پر آجائیں (آپ کے ڈرانے سے) اللہ ہی ہے جس نے آسمان اور زمین کو اور جوان دونوں کے درمیان ہے چھ روز میں پیدا کیا ہے (اتوار سے شروع کر کے جمعہ تک پورا کر دیا ہے) پھر عرش پر قائم ہو گیا (لغت میں عرش شاہی تخت کو کہتے ہیں اس پر اللہ کا استویٰ اس کے شایان شان ہے) اس کے سوا (علاوہ) تمہارا (اے کافران مکہ) نہ کوئی مددگار ہے (من زائد اور ولی اسم ما کا ہے بمعنی ناصر) اور نہ کوئی سفارش کرنیوالا ہے (کہ اس کے عذاب کو تم سے دفع کر سکے) سو کیا تم سمجھتے نہیں ہو (یہ بات کہ ایمان لے آؤ) آسمان سے لے کر زمین تک ہر کام کی وہی تدبیر کرتا ہے (دنیا کی زندگانی میں) پھر ہر امر پہنچ جائے گا (ہر امر ہر تدبیر لوٹ جائے گی) اسی کے حضور ایک ایسے دن جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال ہوگی (دنیا کے دن کی شمار سے اور سورہ سأل میں پچاس ہزار سال ہیں مراد قیامت کا دن ہے۔ کافر کو تو ہولناکی کی وجہ سے طویل ہوگا۔ لیکن مومن کو ایک نماز فرض سے بھی ہلکا معلوم ہوگا۔ جو دنیا میں وہ ادا کرتا تھا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے) وہی (خالق مدبر) جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کا (یعنی جو مخلوق سے اوجھل ہے اور جو سامنے ہے) زبردست ہے (اپنے ملک میں غالب) رحمت والا ہے (اطاعت گزاروں پر) وہی جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی (خلقہ فتح لام کے ساتھ فعل ماضی ہے صفت ہے اور سکون لام کے ساتھ بدل اشتمال ہے) اور انسان (آدم) کی پیدائش مٹی سے شروع کی پھر بنایا اس کی نسل (ذریت) خلاصہ اختلاط (خون بستہ) ایک حقیر قطرہ سے (جو معمولی ہوتا ہے یعنی نطفہ) پھر اسے درست کیا (یعنی آدم کو پیدا کر دیا) اور اس میں اپنی طرف سے روح ڈالی (یعنی اس کو زندہ حساب بنا دیا۔ حالانکہ وہ ایک بے جان مادہ تھا) اور بنائے تمہارے لئے (اے اولاد آدم!) کان (بمعنی سمع سماع ہے) اور آنکھیں وردل۔ تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو (ما زائد ہے قلۃ کی تاکید کے لئے) یہ لوگ (منکرین قیامت) کہتے ہیں کہ ہم زمین میں نیست و نابود ہو گئے (مٹی میں مل کر خود بھی مٹی ہو گئے اور رل مل گئے) تو کیا پھر ہم نئے جنم میں آئیں گے (استفہام انکاری ہے۔ دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسری تسہیل کے ساتھ اور ان دونوں صورتوں میں دونوں جگہ دونوں ہمزوں کے درمیان الف زائد کرتے ہوئے فرمایا) بات یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے پروردگار سے ملنے ہی سے (قیامت میں) منکر ہیں آپ (ان سے) فرما دیجئے تمہاری جان موت کا فرشتہ قبض کرتا ہے جو تم پر مقرر کر دیا گیا ہے (تمہاری جان نکالنے کے لئے) پھر تم

اپنے پروردگار کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے (زندہ کر کے۔ چنانچہ وہ تمہارے کئے کا بدلہ دے گا۔

تحقیق وترکیب: ...... **الم** یہ مبتدا ہے اور **تنزیل الکتاب** میں پانچ وجہیں ہوسکتی ہیں۔

ایک یہ کہ **الم** کی خبر ہو اور **الم** سے مراد سورت یا بعض قرآن لیا جائے اور تنزیل بمعنی منزل ہو اور **لاریب فیه الکتاب** سے حال ہو اور عامل **تنزیل** ہے اور **من رب العالمین** اس سے متعلق ہو اور فیہ کی ضمیر سے حال بھی ہوسکتا ہے اور فیہ خبر ہو یا اس میں ظرف عامل ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ **تنزیل** مبتداء ہو اور **لاریب فیه** اس کی خبر ہو اور **من رب العالمین** ضمیر **فیه** سے حال ہو اور **تنزیل** کے متعلق کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ **تنزیل** مبتداء ہے اس لئے اس میں عامل نہیں ہوسکتا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ **تنزیل** مبتداء ہو اور **من رب العالمین** خبر اور **لاریب** حال یا جملہ معترضہ ہو۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ **لاریب فیه** اور **من رب العالمین** دونوں خبر ہوں **تنزیل** مبتداء کی۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ **تنزیل** خبر ہو مبتداء مضمر کی۔ اسی طرح **لاریب فیه** اور **من رب العالمین** بھی مبتداء محذوف کی خبریں ہوکر مستقل جملے ہوجائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دونوں جملے **تنزیل** سے حال ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ **لاریب** اور **من رب** جملہ معترضہ ہوں۔

ام تقولون ۔ یعنی ام منقطعہ بمعنی بل ہے ای **بل یقولون**. **افتراہ** ہمزہ انکاری ان کے عجز پر تعجب کے لئے ہے۔

ما اتاهم. اس سے زمانہ فترت مراد ہے بقول ابن عباسؓ کے اور قتادہؒ کا قول ہے۔ **کانوا امة امیة لم یاتهم نذیر قبل محمد صلی الله علیه وسلم** اور جن بعض مصلحین اور صالحین کا نام لیا گیا ہے وہ پیغمبر نہیں تھے۔ بلکہ وہ اولیائے زمانہ ہوں گے۔

استوی. مفسر علامؒ نے سلف صالحین کے طرز پر اس کی تفسیر نہیں کی۔ **استواء یلیق بشانه** کہہ کر مجمل رکھا۔ امام مالکؒ کا ارشاد ہے **الاستواء معلوم وکیفیة مجهول والسوال عنه بدعة** اور طریق اسلم یہی ہے۔ لیکن متاخرینؒ نے عقول عامہ کی رعایت کرتے ہوئے متشابہات میں تاویل کا راستہ اختیار کیا۔ تاکہ بات قریب الی الفہم ہوجائے۔ چنانچہ استواء کے معنی استیلاء اور قہر کے لئے ہیں۔

من دونه. یہ حال ہے لفظ **ولی** یا **شفیع** سے اور **لکم** کی ضمیر مجرور سے بھی حال ہوسکتا ہے۔ **ای ما استقر لکم مجاوزین الیه شفیع**.

من السماء الی الارض. یہ دونوں محذوف سے متعلق ہیں اور وہ "**امر بمعنی شیٔ**" کا حال ہے۔ **ای کل امر کائن من ابتداء السماء الی انتهاء الارض** اور **فی یوم** متعلق ہے **یعرج** بمعنی **یرجع** کے۔

الف سنة ۔ زمین وآسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت مانی گئی ہے۔ اس طرح صعود ونزول میں ہزار سال لگ جاتے ہیں۔ سورہ سال کی آیت سے جو بظاہر یہ مقدار متعارض نظر آتی ہے۔ اس کی ایک توجیہ تو مفسرؒ نے فرمائی ہے کہ دن کی لمبائی اور چھوٹائی اضافی ہے احوال کے اعتبار سے مختلف ہے۔ دوسری توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ زمانہ قیامت میں بعض دنوں کی مقدار پچاس ہزار سال اور بعض دن کی ایک ہزار سال ہوگی۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ دونوں سے مراد متعین مقدار نہیں ہے بلکہ کثرت بیان کرنا ہے اور اس آیت کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ فرشتہ کے آنے جانے کی مقدار مسافت ایک دن اور انسان کے لئے ایک ہزار سال ہے۔ اس صورت میں **الیه** کی ضمیر مبداء کی طرف راجع ہوگی اور سورہ سَاَلَ کی مقدار سے مراد زمین سے سدرۃ المنتہیٰ تک مسافت ہے۔ جیسا کہ مجاہد، قتادہ، ضحاکؒ سے یہی تفسیر منقول ہے البتہ ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ جب کہ ان سے پچاس ہزار سال کی نسبت پوچھا گیا۔ **ایام سماها**

الله لا ادری ما هی واکره ان اقول فی کتاب الله ما لا اعلم .

عالم الغیب. عام قراءت میں عالم، عزیز، رحیم مرفوع ہے ذلک مبتداء اور عالم، عزیز، رحیم سب خبریں ہیں یا عزیز، رحیم کو نعت کہا جائے۔ یا العزیز الرحیم مبتداء اور صفت ہوں اور الذی احسن خبر ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ عزیز الرحیم مبتداء محذوف کی خبر ہو۔ البتہ زید بن علیؒ نے عالم عزیز رحیم تینوں کو مجرور پڑھا ہے۔ ذالک فاعل ہوگا یرجع کا اور یہ تینوں لفظ ضمیر سے بدل ہو جائیں گے۔ ای ثم یعرج الامر المدبر الیه الی عالم الغیب اور ابوزیدؒ نے عالم کو مرفوع اور العزیز الرحیم کو مجرور پڑھا ہے اس صورت میں ذالک عالم مبتداء خبر ہیں اور العزیز الرحیم دونوں الیہ کی ضمیر سے بدل ہوں گے اور ان دونوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

خلقه. ابن کثیرؒ، ابوعمروؒ، ابن عامرؒ، نے سکون لام کے ساتھ اور باقی قراء نے فتح لام کے ساتھ پڑھا ہے۔ پہلی صورت میں کئی ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ خلقه بدل اشتمال هو من کل شئ سے اور ضمیر کل کی طرف راجع ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ خلقه بدل الکل ہو اور ضمیر اللہ کی طرف راجع ہو اور احسن بمعنی حسن ہو۔ ای المخلوقات کلها حسنة. تیسری صورت یہ ہے کہ کل شئ مفعول اول اور خلقه مفعول ثانی ہو اور احسن متضمن معنی اعطی ہو۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ کل شئی مفعول ثانی مقدم ہو اور خلقه مفعول اول ہو اور احسن متضمن معنی الهم وعرف ہو۔ ان میں پہلی ترکیب سب سے بہتر ہے۔ لیکن دوسری قراءت پر خلق فعل ہے اور جملہ صفت ہوگی مضاف یا مضاف الیہ کی۔ اس لئے منصوب المحل یا مجرور المحل ہوگا۔

سواه. اشارہ اس طرف ہے کہ سوی کی ضمیر آدم کی طرف راجع ہے اور نسل کی طرف بھی راجع ہوسکتی ہے۔ ای سوی اعضاه.

نسله. اس میں غیبت سے خطاب کی طرف التفات ہے اور نکتہ یہ ہے کہ نفخ روح کے بعد اب نسل قابل خطاب ہوگی۔

من سلالة. سورۂ مومنین کے پہلے رکوع میں من سلالة میں من ابتدائیہ ہے۔ سلالہ کے معنی ابتداء کے ہوں گے۔ اور یہاں "من ماء مهین" ہے جس میں من بیانیہ ہے سلاله کے معنی خلاصہ اختلاط ہوں گے اور لفظ سلاله دونوں پر اطلاق ہوسکتا ہے۔

فیه من روحه روح اگر مادی ہو تب توفیہ کے معنی ظاہر ہیں۔ لیکن اگر مجرد ہو تو پھر تعلق بالبدن کے معنی مجازی ہوں گے۔ اور من روحه میں اضافت تشریفی ہوگی۔ جیسے بیت اللہ، ناقة اللہ اس لئے جزئیت اور حلول کا شبہ نہیں کیا جاسکتا۔

لکم السمع والابصار امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ سماعت چونکہ آن واحد میں مختلف جہۃ کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتی ہر حال میں حکم وحدت میں ہے اس لئے بصیغہ واحد آرہا ہے برخلاف بصارت اور قلبی ادراک کے کہ وہ بیک وقت متعدد چیزوں کی طرف ملتفت ہوسکتے ہیں۔ اس لئے دونوں جمع لائے گئے۔

فی الموضعین اس سے مراد اذا ضللنا اور انا لفی خلق جدید ہیں اور ضللنا یہ ماخوذ ہے ضل المتاع اذا صاع سے یعنی مٹی میں مل کر ناپید ہو جائیں گے۔

اور انا لفی خلق میں استفہام تاکید انکار کے لئے ہے نہ کہ انکار تاکید کے لئے۔

ربط: ...... پچھلی سورت میں توحید وقیامت کا ذکر تھا۔ اس سورت کے شروع میں قرآن کی حقیقت اور اس سے رسالت کا اثبات ہے۔ ان مضامین میں تناسب ظاہر ہے۔ پھر آیت اللہ الذی سے توحید کا اور آیت قالوا اذا ضللنا الخ سے قیامت کا ذکر ہے۔ اور پہلا مضمون دوسرے مضمون پر بھی مشتمل ہے۔ اس کے بعد آیت ولقد اتینا موسیٰ سے رسالت کی تائید اور آنحضرت ﷺ کی تسلی ہے اور آیت "اولم یهد الخ" سے آخر تک مخالفین کو تہدید ہے۔ نیز اس کے بعض اقوال کا جواب ہے۔

﴿تشریح﴾: ......تنزیل الکتاب یعنی شک وریب اور تذبذب کا اس کتاب میں کہیں گزر نہیں۔ یہ لوگ ذرا غور وانصاف کرتے تو پتہ چل جاتا کہ یہ کتاب پروردگار کی طرف سے اس لئے آئی ہے کہ آپ قوم کو درست کرنے اور راہ راست پر لانے کی سعی کریں۔ جن کے پاس قرنوں سے کوئی بیدار کرنے والا پیغمبر نہیں آ۔ ایسی کتاب جو بے نظیر ہو۔ کیا کوئی خود بنا کر پیش کر سکتا ہے۔

قرآن کے کلام الٰہی ہونے کی وجدانی دلیل: ...... حد ہوگئی جب ایسی روشن کتاب میں بھی انہوں نے شبہات نکالنے شروع کر دیئے تو ان کے متعلق کیا رائے قائم کی جائے۔

سوچنے کی بات ہے کہ کسی ملک میں دفعۃً ایسی بات منہ سے نکال دینا جو وہاں کی سینکڑوں برس کی مسخ شدہ ذہنیت اور مذاق کے یکسر خلاف ہو اور جس کے قبول کرنے کی ادنیٰ استعداد بھی نہ پائی جاتی ہو کسی سمجھ دار کا کام نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص وہی ہو سکتا ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہو کر کچھ پیش کرنے پر مجبور ہو۔ اگر آپ ﷺ اپنی طرف سے کچھ بات بنا کر لاتے تو وہ عرب کی عام فضا کے مناسب اور عام جذبات کے موافق ہوتی۔ اسی سے ایک انصاف پسند سمجھ سکتا ہے کہ آپ ﷺ جو کتاب اور احکام لائے ہیں وہ من گھڑت نہیں بلکہ خدائی پیغام ہیں۔

ہزار سال کا مطلب: ...... یدبر الامر یہ نہیں کہ اس نے ایک بار پیدا کر کے کائنات کو یوں ہی معلق چھوڑ دیا۔ بلکہ ہر آن اس کا دخل جاری رہتا ہے بڑے کام اور بڑی بات کے متعلق اللہ کے پایہ تخت سے جب کوئی حکم اترتا ہے تو حسی، معنوی، ظاہری، باطنی اسباب اس کے انصرام کے لئے آسمان وزمین کے جمع ہو جاتے ہیں۔ آخر وہ انتظام اللہ کی حکمت ومصلحت سے مدتوں جاری رہتا ہے۔ پھر زمانہ دراز کے بعد وہ اٹھ جاتا ہے۔ اور اللہ کی طرف سے دوسرا نظم اور رنگ اترتا ہے۔ چنانچہ بڑے بڑے پیغمبر جن کا اثر قرنوں رہا اور بڑی بڑی قوموں میں سرداری نسلوں تک چلتی رہی وہ ہزار برس اللہ کے یہاں کا ایک دن ہے۔ حضرت مجاہدؒ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ ہزار سال کے انتظامات فرشتوں کو القا فرما دیتا ہے اور یہ اس کے ہاں کا ایک دن ہے۔ پھر فرشتے جب اس نظم سے فارغ ہو جاتے ہیں تو آئندہ ہزار سالہ انتظامات پھر القاء فرما دیتا ہے قیامت تک یہی سلسلہ جاری رہے گا۔

بعض مفسرینؒ فرماتے ہیں کہ ایک کام اللہ کو کرنا ہوتا ہے تو اس کے مبادیات واسباب کا سلسلہ ہزار سال پہلے سے شروع کر دیتے ہیں۔ پھر وہ حکمت الٰہیہ کے مطابق مختلف ادوار سے گزر کر تدریجی مراحل طے کرتا ہوا اپنے منتہائے کمال کو پہنچتا ہے۔ اس وقت جو نتائج واثرات اس پر مرتب ہوتے ہیں وہ سب بارگاہ ربوبیت میں پیش ہونے کے لئے چڑھتے ہیں۔

اور بعض مفسرینؒ یہ مطلب فرماتے ہیں کہ اللہ کا حکم آسمان سے زمین پر اترتا ہے۔ پھر اس پر جو کارروائیاں ہوتی ہیں وہ دفتر اعمال میں درج ہونے کے لئے اوپر چڑھتی ہیں اور جو آسمان دنیا کے محدب حصہ پر واقع ہے زمین سے وہاں تک کی انسانی مسافت تو ہزار سال ہے۔ یوں فرشتے اس کو چاہے منٹوں میں طے کر لیتے ہوں۔

اور بعض یوم سے مراد قیامت کا دن لیتے ہیں جو دنیوی ہزار سال کے برابر ہوگا۔ جس کی کمی بیشی مختلف اعتبارات سے ہوگی۔

حاصل یہ کہ بعض نے "فی یوم" کو یدبر کے اور بعض نے یعرج کے متعلق قرار دیا ہے اور بعض نے تنازع فعلین قرار دیا ہے۔

فطرت کی کمال صناعی: ...... ذالک عالم الغیب۔ یعنی جس کو جس مصلحت کے لئے پیدا کیا ٹھیک اسی کے مناسب حال اس کی ساخت وفطرت رکھی۔ یا یہ کہ ہر چیز کو اس کے مطابق ضروریات فطری الہام سے واضح کر دیا۔ ایسا مکمل اور زبردست

انتظام اسی ہستی کا کام ہے جو ہر ظاہر و پوشیدہ کی خبر رکھے اور انتہائی طاقتور و مہربان ہو۔ اس نے اپنی کمال صناعی اور حکمت سے منی کے ایک قطرہ سے جو ایک طرف تو عرف عام میں نہایت ہی گندہ سمجھا جاتا ہے۔ دوسری طرف وہ تمام غذاؤں کا نچوڑ ہوتا ہے۔ اس سے انسان کو پیدا کر دیا اور اس کے جوڑ، بند، شکل وصورت، اعضاء، سب متناسب وموزوں رکھے۔

اللہ کی روح ہونے کا مطلب:...... یوں تو ہر چیز اللہ کی ہے مگر کسی کی عزت بڑھانے کو اللہ اپنا کہہ دیں تو یہ اس کے لئے قربت ہے۔ سو انسان کی جان عالم غیب سے آئی مٹی پانی سے نہیں بنی اس لئے اسے اپنا کہہ دیا۔ تفسیر کبیر میں ہے۔ اضافة الروح الی نفسه کما ضافة البیت الی نصف الشریف ۔ ورنہ تو جان بدن میں ہوگی اور بدن حادث ہے تو روح اور اللہ کا حادث ہونا بھی لازم آئے گا۔ والـلازم باطل فالملزوم مثله اور بعض نے اضافت تملیکی مانی ہے یعنی روح اللہ کی مملوک ای الروح التی هی ملکه (کبیر) وهی اضافة ملک الی مالک وخلق الی خالق اور نفخ روح سے تعلق بالبدن مجازی معنی مراد ہیں۔ اللہ کی ان گنت نعمتوں کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ اس کی تکوینی آیات کو آنکھوں سے اور تنزیلی آیات کو کانوں سے دیکھتے سنتے اور دل سے دونوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کی کوشش کرتے اور پھر سمجھ کر عمل کرتے۔ مگر انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ اس نے اس پر تو غور نہ کیا کہ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ الٹی نظر اس پر گئی کہ مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ کس طرح بنائے جائیں گے اور محض شبہ کی حد تک نہیں۔ بلکہ صاف طور پر مرنے کے بعد جینے کے منکر ہو گئے۔ حالانکہ انسان محض بدن کا نام نہیں۔ کہ وہ مٹی میں رل مل کر برابر ہو گیا۔ بلکہ حقیقت میں جان کا نام انسان ہے جسے فرشتہ لے جاتا ہے وہ فنا نہیں ہوتی۔ امام غزالیؒ اور بعض متکلمین اور فلاسفہ نے روح کو مجرد غیر مادی کہا ہے۔ اور ابن قیمؒ بڑے شدومد سے روح کو مجرد کی بجائے جسم لطیف مانتے ہیں۔ لیکن دنیا کے مادہ پرست خواہ وہ عرب کے مشرک وکافر ہوں یا یونان وروما کے مادہ پرست فلاسفہ یا آج کل یورپ ومغرب کے سائنس داں سب مادہ میں غرق اور قیامت کے منکر ہیں۔ مگر ان سب کو سابقہ اور واسطہ اللہ ہی سے پڑے گا۔

موت کا فرشتہ کوئی مستقل حاکم یا دیوتا نہیں ہے:.......... قل یتوفکم ۔ یعنی فرشتہ موت کوئی با اختیار، جانوں کا مالک نہیں ہے۔ بلکہ وہ اللہ کا مقرر کردہ محض ایک درمیانی واسطہ ہے۔ ایک چیونٹی کی جان بھی بغیر حکم الٰہی نہیں نکال سکتا۔ ابن کثیرؒ کی روایت ہے کہ ملک الموت نے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔ واللہ یا محمد لو انی اردت ان اقبض روح بعوضة ماقدرت علی ذالک حتی یکون اللہ هو الامر بقبضها اس سے ان جاہلی قوموں کا بھی رد ہو گیا جو موت کو ایک دیوتا مانتی ہیں کہ وہ ایک متصرف حاکم ہے۔

لطائف سلوک:.......... مالکم من دونه ۔ اس میں اسباب کی طرف التفات اور اعتماد نہ کرنے کا اشارہ ہے۔

یدبر الامر ۔ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ کی تدبیر کے سامنے بندہ کی تدبیر کچھ نہیں۔ لہٰذا مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنی تدبیر کی بجائے اللہ کی تدبیر پر نظر رکھتے ہیں۔

الذی احسن ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی پیدا کی ہوئی ہر چیز فی نفسہ اچھی ہے۔ البتہ بے محل استعمال سے اس میں برائی آ جاتی ہے۔ ساری شریعت وطریقت کا حاصل ہی یہ ہے کہ وہ محل استعمال صحیح کرے۔ برمحل استعمال سے بری سے بری چیز بھی اچھی ہو جاتی ہے اور بے محل استعمال سے اچھی چیز بھی بری بن جاتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ حسن وقبح وعزم میں فرق مراتب رہے گا۔

وبدأ خلق الانسان ۔ اس میں ترقی منازل اور مراتب حسن کے ارتقاء کی طرف اشارہ ہے کہ کہاں مٹی کا پتلہ اور کہاں انسان

؟ انسان کمالات ذات وصفات کا منبع ہے اور مٹی کچھ بھی نہیں ہے۔

ثم سواہ. جس کے معنی اجزاء کو برابر کر دینے کے ہیں جو خواص اجسام میں سے ہے۔ نفخ روح کا ذکر فرمانے سے بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ کہ روح جسم نہیں ہے جیسا امام غزالیؒ اس کو مجرد فرماتے ہیں لیکن جمہور اس کو جسم لطیف کہتے ہیں۔ لیکن بنظر تحقیق ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ روح مجرد کا تعلق بدن سے جسم لطیف کے واسطہ سے ہوتا ہو۔

انما یؤمن. اس میں کامل الایمان لوگوں کے احوال اور سجدہ وتسبیحات، حمد وثنا اور عظمت الٰہی کے آگے تواضع جیسی شان عالی کی طرف اشارہ ہے۔

وَلَوْتَرٰی اِذِا لْمُجْرِمُوْنَ الْكَافِرُوْنَ **نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ** ط مُطَاطِئُوْهَا حَيَاءً يَقُوْلُوْنَ **رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا** مَاانْكَرْنَا مِنَ الْبَعْثِ **وَسَمِعْنَا** مِنْكَ تَصْدِيْقَ الرُّسُلِ فِيْمَا كَذَّبْنَا هُمْ فِيْهِ **فَارْجِعْنَا** اِلَى الدُّنْيَا **نَعْمَلْ صَالِحًا** فِيْهَا **اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾** اَلْاٰنَ فَمَا يَنْفَعُهُمْ ذٰلِكَ وَلَايَرْجِعُوْنَ وَجَوَابُ لَوْلَرَاَيْتَ اَمْرًا فَظِيْعًا قَالَ تَعَالٰى **وَلَوْشِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا** فَتَهْتَدِىْ بِالْاِيْمَانِ وَالطَّاعَةِ بِاخْتِيَارٍ مِنْهَا **وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّىْ** وَهُوَ **لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ** الْجِنِّ **وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾** وَتَقُوْلُ لَهُمُ الْخَزَنَةُ اِذَا دَخَلُوْهَا **فَذُوْقُوْا** الْعَذَابَ **بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا** ج اَىْ بِتَرْكِكُمُ الْاِيْمَانَ بِهٖ **اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ** تَرَكْنَا كُمْ فِى الْعَذَابِ **وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ** الدَّائِمِ **بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾** مِنَ الْكُفْرِ وَالتَّكْذِيْبِ **اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا** الْقُرْاٰنِ **الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا** وُعِظُوْا **بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا** مُتَلَبِّسِيْنَ **بِحَمْدِ رَبِّهِمْ** اَىْ قَالُوْا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ **وَهُمْ لَايَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾** السجدۃ ۹ عَنِ الْاِيْمَانِ وَالطَّاعَةِ **تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ** تَرْتَفِعُ **عَنِ الْمَضَاجِعِ** مَوَاضِعِ الْاِضْطِجَاعِ بِفُرُشِهَا لِصَلَاتِهِمْ بِاللَّيْلِ تَهَجُّدًا **يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا** مِنْ عِقَابِهٖ **وَّطَمَعًا** فِىْ رَحْمَتِهٖ **وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾** يَتَصَدَّقُوْنَ **فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِىَ** خُبِئَ **لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ** ط مَا تَقَرُّبِهٖ اَعْيُنُهُمْ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِسُكُوْنِ الْيَاءِ مُضَارِعٌ **جَزَآءً م بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا** ط **لَايَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾** اَىِ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْفَاسِقُوْنَ **اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى نُزُلًا** ز وَهُوَ مَا يُعَدُّ لِلضَّيْفِ **بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا** بِالْكُفْرِ وَالتَّكْذِيْبِ **فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ** ط **كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِىْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى** عَذَابِ الدُّنْيَا بِالْقَتْلِ وَالْاِسْرِوَالْجَدْبِ سِنِيْنَ وَالْاَمْرَاضِ **دُوْنَ** قَبْلَ **الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ** عَذَابِ الْاٰخِرَةِ **لَعَلَّهُمْ** اَىْ مَنْ بَقِىَ مِنْهُمْ **يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾** اِلَى الْاِيْمَانِ **وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ** الْقُرْاٰنِ **ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا** ط

ای لا احد اظلم منہ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ ای المشرکین مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ... اور اگر آپ دیکھیں تو عجیب حال دیکھیں جب کہ یہ مجرم لوگ (کافر) اپنے پروردگار کے حضور سر جھکائے ہوں گے۔ (شرم کے مارے سرنگوں، عرض کریں گے) اے ہمارے پروردگار! بس اب ہماری آنکھیں کھل گئیں (کہ ہم نے قیامت کا انکار کیا تھا) اور ہمارے کان کھل گئے (پیغمبروں کی تصدیق ہوگئی جن باتوں کے متعلق ہم نے انہیں جھٹلایا تھا) سو ہم کو پھر بھیج دیجئے (دنیا میں) ہم (وہاں رہ کر) نیک کام کریں گے۔ ہمیں پورا یقین آ گیا (اب۔ مگر وہ یقین انہیں کارآمد نہیں ہوگا اور انہیں دنیا میں نہیں بھیجا جائے گا اور لو کا جواب لرأیت امرا فظیعاً محذوف ہے۔ ارشاد ہے) اور اگر ہم کو منظور ہوتا تو ہم ہر شخص کو اس کا رستہ عنایت فرمادیتے (جس سے وہ ایمان واطاعت کی راہ باختیار خود اپنا لیتا) اور لیکن میری یہ بات محقق ہو چکی ہے (وہ یہ) کہ میں جہنم کو ضرور بھروں گا جنات اور انسان دونوں سے (اور جہنم میں داخلہ کے وقت داروغہ جہنم ان سے بولیں گے) سو لو اب مزہ چکھو (عذاب کا) کہ تم اپنے اس دن کے آنے کو بھولے ہوئے تھے (اس دن کا یقین نہ کرتے ہوئے) ہم نے تمہیں بھلا دیا میں ڈال دیا (عذاب میں رکھ چھوڑا) اور ابدی عذاب کا مزہ چکھو اپنے اعمال (کفر وتکذیب کی) بدولت ہماری آیتوں (قرآن) پر ایمان تو بس وہی لوگ لاتے ہیں کہ جب انہیں یاد دلائی جائیں (نصیحت کی جائے) اس کی آیتیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور تسبیح کرنے لگتے ہیں اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ (متلبس ہوتے ہوئے یعنی سبحان اللہ وبحمدہ پڑھتے جاتے ہیں) اور وہ لوگ تکبر نہیں کرتے (ایمان اور اطاعت سے) ان کے پہلو علیحدہ (دور) رہتے ہیں خوابگاہوں سے (نماز تہجد کی وجہ سے بستروں سے الگ رہتے ہیں) اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں (اس کے عذاب سے) ڈرتے ہوئے اور (اس کی رحمت سے) امید رکھتے ہوئے اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کر رکھا ہے اس میں سے خرچ (صدقہ) کرتے رہتے ہیں۔ سو کسی شخص کو خبر نہیں جو جو خزانہ غیب میں سامان (چھپا ہوا) ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کا موجود ہے (جس سے ان کی آنکھوں کو چین ہو۔ ایک قراءت میں لفظ اخفی سکون یا کے ساتھ مضارع ہے) یہ ان کو ان کے اعمال کا بدلہ ہے۔ تو جو شخص مومن ہو وہ اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو نافرمان ہو۔ یہ یکساں نہیں ہو سکتے (یعنی مومن وفاسق) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے۔ سو ان کے لئے ہمیشہ کا ٹھکانہ جنتیں ہیں جو بطور مہمانی کے ہیں (وہ ماحضر جو مہمان کے سامنے پیش کیا جائے) ان کے اعمال کے بدلہ میں اور جو لوگ کہ نافرمان تھے (کفر وتکذیب کرکے) سو ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے وہ لوگ جب اس سے باہر نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ دوزخ کا وہ عذاب چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اور انہیں قریب کا عذاب بھی چکھا دیں گے (دنیا میں قتل، قید، قحط سالی، بیماریوں کی صورت میں) علاوہ (پہلے) بڑے عذاب (آخرت) کے شاید کہ یہ لوگ (یعنی جو ان میں سے باقی رہ جائیں گے) پھر جائیں (ایمان کی طرف) اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جس کو اس کے پروردگار کی آیتیں (قرآن کی) یاد دلادی جائیں پھر وہ ان سے منہ موڑ کر رہے (یعنی ان سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ہے) ہم ایسے مجرموں (مشرکین) سے بدلہ لے کر رہیں گے۔

تحقیق وترکیب: ... **ولو تری۔ ای نکس المجرمین ووقوفا علی النار۔ یالفظ تری بمنزلہ ہے ای ولو تری ان** یخاطب کے۔ لو اور اذا اگرچہ ماضی کے لئے ہوتے ہیں مگر مضارع سے لانے میں نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا متوقع بمنزلہ موجود کے ہوتا ہے۔

لآتینا کل نفس۔ اس میں جمع ، نا اور منی میں مفرد لانا اشارہ ہے ہدایت کے بدفعات ہونے اور ثبوت قول اور ملاء جہنم کے ایک دفعہ ہو جانے کی طرف۔

حق القول منی اس میں جنات کواس لئے مقدم کیا گیا ہے کہ جہنمیوں میں ان کی کثرت ہوگی اوراس میں ان کی تحقیر بھی ہے، جیسا کہ لفظ جنة مؤنث لانے میں ان کی تحقیر ہے۔

اجمعین کے معنی یہ ہیں کہ سب جنات اورانسان جہنم میں جائیں گے، بلکہ عوام افراد کی بجائے عموم انواع مراد ہے۔

بما نسیتم. نسیان چونکہ سبب ترک ہے، اس لئے مجازاً یہی معنی لئے گئے ہیں، کیونکہ حق تعالیٰ کے لئے نسیان حقیقی ناممکن ہے یا پھر بطور استعارہ کے اطلاق کیا گیا۔ یا بقول زمخشریؒ مشاکلت اور مقابلة نسیان کا اطلاق **جزاء سیئة سیئة** ہے۔

انما یومن. آنحضرت ﷺ کی تسلی مقصود ہے۔

خروا سجدا. چونکہ احادیث میں سجدۂ تلاوت کے مواقع متعین ہیں اس لئے انہی مواقع میں سجدہ قابل مدح ہوگا۔ اس لئے دوسری آیات پر سجدۂ تلاوت مستحسن نہیں ہوگا۔

تتجافی. اس کے معنی پہلوتہی کے ہیں۔ یہ جملہ مستانفہ ہے یا حال ہے۔ اسی طرح لفظ **یدعون** میں بھی دوصورتیں ہیں اور **یدعون** کا **جنوبھم** کی ضمیر سے حال بھی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ مضاف جزء مضاف الیہ ہوتا ہے اور حال ثانی بھی ہوسکتا ہے اور **خوفاو طمعا** مفعول لہ ہیں یا حال ہیں یا فعل محذوف کے مصدر ہیں۔

ما اخفی لھم. **ما** موصولہ **تعلم** کا مفعول ہے جو بمعنی تصرف ہے اور حمزہ یعقوب کی قرأت میں سکون یا کے ساتھ مضارع ہے ای **اخفیت**.

جزاء. فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے ای **جوزواجزاء** یا **اخفی** کا مفعول لہ ہے۔

بما کانوا. میں باسببیہ ہے یا معاوضہ کے لئے ہے۔

افمن کان. ہمزہ مدخول مقدر ہے ای **افبعد ما بینھما**.

لایستون سے نابرابری کی تاکید ہوگئی۔ مومن کا مقصد جیسے حضرت علیؓ اور کافر کا مصداق عقبہ ابن عامر ہے۔

جنت الماوی. جنت کی اضافت ماوی کی طرف اضافت الی الصفتہ ہے۔ کیونکہ جنت ہی اصل ٹھکانہ ہے۔

اما الذین فسقوا. یہاں اعمال سیئہ کی قید نہ لگانا اشارہ ہے کہ نفس کفر دخول جہنم کے لئے کافی ہے۔

اعیدوافیھا. لفظ **فی** میں اشارہ ہے کہ صرف ایک مکان سے دوسرے مکان میں تبدیل ہوگا۔ کلیۃً جہنم سے باہر آنا نہیں ہوگا۔

عذاب الادنی. اکبر کے مقابلہ میں اصغر اور ادنیٰ کے مقابلہ میں ابعد نہیں کہا۔ کیونکہ مقصد تہدید وتخویف ہے اور وہ قرب وکبر سے حاصل ہوسکتی ہے نہ صغر سے اور نہ بعد سے۔

ربط: ...... پہلی آیات میں توحید کا مضمون تھا۔ آیت **ولو تری** سے قیامت اور جزاء کا بیان ہے اور منکرین کو زیادہ ڈرانے کے لئے مزید دنیاوی نعمتوں کی دھمکی ہے اور اسی کے ساتھ اس کی وجہ بدترین ظالم ومجرم ہونا بتلایا ہے۔

شان نزول: ...... ولید بن عقبہ نے ایک دفعہ حضرت علیؓ کو یہ کہہ کر ڈانٹ دیا کہ چپ رہو، تم بچے ہو، میں تم سے زیادہ قادر الکلام، بہادر اور لاؤلشکر والا ہوں۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ خاموش رہ، تو فاسق ہے۔ اس پر آیت **فمن کان الخ** نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: ...... کافر ذلت وندامت کے ساتھ قیامت میں سرنگوں ہوکر بول اٹھیں گے کہ واقعی اب ہماری آنکھیں کھل گئیں۔ پیغمبر ٹھیک کہا کرتے تھے۔ سچ یہ ہے کہ ایمان وعمل صالح ہی یہاں کام دیتا ہے۔ اے اللہ! ہمیں ایک دفعہ دنیا میں اور بھیج کر

دیکھ لیجئے کہ آئندہ کیسے نیک چلن ثابت ہوتے ہیں۔ فرمایا جائے گا کہ تمہاری افتاد طبع ہی ایسی ہے کہ دوبارہ بھی وہی شرارتیں کرو گے۔ بلاشبہ ہمیں یہ قدرت تھی کہ ہم ایک طرف سے سب کو راہ ہدایت پر قائم کر دیتے، لیکن سب کو ایک ڈگر پر زبردستی چلانا بھی ہماری مصلحت کے خلاف تھا۔ اس لئے ہم نے اختیار کی باگ ڈور تمہارے ہاتھ دی تاکہ دعوئ ابلیسی کے مطابق جہنم کا حصہ بھی پورا ہو اور جس طرح تم نے ہمارا پاس ولحاظ نہیں رکھا، آج ہم نے بھی تمہیں نظر انداز کر دیا۔

ایمان دار کی پہچان: .... آیت انما یؤمن سے اہل ایمان وکفر دونوں کا تقابلی فرق بتلا دیا کہ ایک کا یہ حال ہے کہ خوف و خشیت سے لبریز اللہ کے آگے سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ زبان سے اللہ کی تسبیح وتحمید اور دل کبر وغرور سے خالی، نماز تہجد میں میٹھی نیند اور نرم بستروں کو چھوڑ دیتے ہیں اور اللہ ہی سے خوف ورجاء رکھتے ہوئے اس سے دعائیں کرتے ہیں اور بدنی عبادت ہی نہیں بلکہ مالی انفاق بھی کرتے رہتے ہیں۔ پس جس طرح انہوں نے اندھیریوں میں چھپ چھپ کر ہماری پرخلوص بندگی کی۔ ہم نے بھی ان کے لئے ایسی ایسی نعمتیں چھپا کر رکھی ہیں جو نہ کبھی آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سنیں اور نہ کسی بشر کے دل میں گزریں۔ ظاہر ہے کہ اس سے صرف روحانی نعمتیں ہی مراد نہیں، بلکہ حسی نعمتیں بھی مراد ہیں۔ جیسا کہ دوسری آیات سے ثابت ہے۔ اس لئے عیسائیوں کی تقلید میں بعض مسلمانوں کا روحانی نعمتوں پر اکتفا کرنا اسلامی نظام اعتقادیات کے خلاف ہے۔ نیک و بد اگر خدا کے یہاں برابر ہو جائیں تو سمجھو کہ خدا کے ہاں نرا اندھیرا ہے، بلکہ اس کے یہاں اچھائیاں محض اس کی مہربانی سے جنت کا برائیاں اس کے عدل سے دوزخ کا سبب بن جائیں گی۔

فاسق سے مراد یہاں فقہی اصطلاح نہیں بلکہ لغوی معنی ہیں۔ صلاح وفسق دونوں مشکک کلیاں ہیں ادنیٰ سے اعلیٰ افراد تک ان کو بولا جاتا ہے۔ دنیاوی سزا کا مقصد زیادہ تر کفر کے لئے بھی تادیب وتہذیب ہی ہے کہ ممکن ہے جیسے قتل وقید، قحط سالی اور جانی امراض اور شکست وناکامی میں مبتلا ہو کر باز آجائیں، تاہم عقاب اکبر آخرت ہی میں ہوگا۔

امام رازیؒ کا نکتہ: امام رازیؒ نے ادنیٰ کے تقابل میں اکبر لانے میں یہ نکتہ سنجی کی ہے کہ مقصود اصلی کفار کی تخویف ہے اور یہ مقصد دنیا کو ہلکا کر کے اور عذاب آخرت کو دوری سے تعبیر کرنے سے پورا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے قرآن نے باکمال بلاغت سے دونوں عذابوں کی اثر تخویف کو بڑھانے والی خصوصیات کو چن لیا۔ یعنی دنیاوی عذاب اگرچہ بہ نسبت عذاب اخروی ہلکا ہے، مگر اتنا قریب ہے کہ بس آیا ہی چاہتا ہے۔ علیٰ ہذا عذاب آخرت گوفی الحال نہیں بعد میں ہے، مگر اتنا شدید ہے کہ ناقابل تصور ہے۔ بہر حال جب تمام گنہگاروں اور مجرموں سے بدلہ لینا ہے تو یہ ظالم ترین کیسے بچ سکتے ہیں۔

لطائف سلوک: .... تتجافی جنوبھم. احادیث میں چونکہ اس کی تفسیر تہجد سے آئی ہے۔ اس لئے تہجد کی فضیلت بھی معلوم ہوئی۔ نیز مناجات محبوب اور جمال وجلال کے مشاہدہ کے لئے جاگنے کی فضیلت معلوم ہوگئی۔

مما رزقنھم میں معارف الٰہیہ اور فیوض ربانی بھی داخل ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ اپنے نفس کا کمال حاصل کر کے دوسروں کی تکمیل کرتے ہیں۔ لنذیقھم. میں عذاب ادنیٰ دنیا کی حرص ہے اور عذاب اکبر عذاب آخرت ہے جو اس پر ہوگا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التَّوْرٰةَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ شَكٍّ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَقَدِ الْتَقَيَا لَيْلَةَ الْاِسْرَاءِ وَجَعَلْنٰهُ اَيْ مُوْسٰى اَوِ الْكِتَابَ هُدًى هَادِيًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ ﴿۲۳﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ يَاءً قَادَةً يَّهْدُوْنَ النَّاسَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا عَلٰى دِيْنِهِمْ وَعَلَى الْبَلَاءِ مِنْ عَدُوِّهِمْ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا الدَّالَّةِ عَلٰى قُدْرَتِنَا وَوُحْدَانِيَّتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِكَسْرِ اللَّامِ وَتَخْفِيْفِ الْمِيْمِ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾ مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ اَيْ لَمْ يَتَبَيَّنْ لِكُفَّارِ مَكَّةَ اِهْلَاكُنَا كَثِيْرًا مِّنَ الْقُرُوْنِ الْاُمَمِ بِكُفْرِهِمْ يَمْشُوْنَ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ لَهُمْ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ فِيْ اَسْفَارِهِمْ اِلَى الشَّامِ وَغَيْرِهَا فَيَعْتَبِرُوْا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ دَلَالَاتٍ عَلٰى قُدْرَتِنَا اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾ سَمَاعَ تَدَبُّرٍ وَاتِّعَاظٍ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ الْيَابِسَةِ الَّتِيْ لَا نَبَاتَ فِيْهَا فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ هٰذَا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّا نَقْدِرُ عَلٰى اِعَادَتِهِمْ وَيَقُوْلُوْنَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ بِاِنْزَالِ الْعَذَابِ بِهِمْ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾ يُمْهَلُوْنَ لِتَوْبَةٍ اَوْ مَعْذِرَةٍ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنْزَالَ الْعَذَابِ بِهِمْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ بِكَ حَدَثَ مَوْتٍ اَوْ قَتْلٍ فَيَسْتَرِيْحُوْنَ مِنْكَ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِقِتَالِهِمْ

ع ۱۲

ترجمہ:...... اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (توریت) دی تھی۔ سو اس کے ملنے میں کچھ شک (شبہ) نہ کیجئے (چنانچہ معراج کی رات دونوں کی ملاقات ہوئی) اور ہم نے اس کو (یعنی موسیٰ یا توریت) کو ہدایت (کا موجب) بنایا۔ اسرائیلیوں کے لئے اور ہم نے ان میں سے بہت سے پیشوا بنا دیئے تھے (لفظ ائمۃ دونوں ہمزہ کی تاکید کے ساتھ اور دوسری ہمزہ کو یا سے بدل کر ہے۔ بمعنی (قائد) جو ہمارے حکم سے (لوگوں کو) ہدایت کیا کرتے تھے جبکہ وہ لوگ صبر کئے رہے (اپنے دین پر اور دشمنوں کی مصیبت پر) اور وہ لوگ ہماری آیتوں کا (جو ہماری قدرت و وحدانیت پر دلالت کرنے والی تھیں) یقین رکھتے تھے (اور ایک قرأت میں لام کے کسرہ اور میم کی تخفیف کے ساتھ ہے) بلاشبہ آپ کا پروردگار سب کے درمیان فیصلہ قیامت کے دن ان امور میں کر دے گا۔ جن میں یہ باہم اختلاف کیا کرتے تھے (دین کے معاملہ میں) کیا ان کی ہدایت کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنے ہلاک کر چکے ہیں (کیا کفار مکہ پر یہ واضح نہیں کہ ہم نے ہلاک کر دیا ہے بہت سی) امتوں کو (ان کے کفر کی وجہ سے) یہ آتے جاتے رہتے ہیں (ضمیر لھم سے یہ حال ہے) ان کے مقامات میں (شام وغیرہ کے سفروں میں۔ پس ان سے عبرت حاصل کرنی چاہئے) اس کے اندر صاف صاف نشانیاں ہیں (ہماری قدرت کے دلائل ہیں) تو کیا یہ لوگ سنتے نہیں (وعظ و نصیحت کے طور پر سننا) کیا انہوں نے اس پر نظر نہیں کی۔ ہم خشک زمین کی طرف پانی پہنچاتے رہتے ہیں (سوکھی زمین جس میں گھاس پھوس نہ ہو) ہم اس کے ذریعہ سے کھیتی پیدا کرتے ہیں۔ جس سے ان کے مویشی اور وہ خود بھی کھاتے ہیں۔ تو کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں (یہ منظر اس لئے انہیں یقین کر لینا چاہئے کہ ہم انہیں

دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہیں) اور یہ لوگ کہتے ہیں (مسلمانوں سے) کہ یہ فیصلہ کب ہوگا (ہمارے تمہارے درمیان) اگر تم سچے ہو۔ آپ کہہ دیجئے، اس فیصلہ کے دن (ان پر عذاب نازل ہونے کے متعلق) کافروں کو ان کا ایمان لانا ذرا بھی نفع نہ دے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی (تو یہ معذرت کا انہیں موقعہ بھی نہیں دیا جائے گا) سو آپ ان کی باتوں کا خیال نہ کیجئے۔ آپ انتظار کیجئے (ان پر عذاب نازل ہونے کا) یہ بھی منتظر ہیں (آپ کی وفات یا شہادت کے۔ جس سے انہیں آپ کی طرف سے چین آ جائے، یہ حکم جہاد شروع ہونے سے پہلے کا ہے)۔

تحقیق وترکیب: **ولقد اتینا** اس سے آنحضرت ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مابین قریب بیان کرنا ہے اور یہ کہ کچھ لوگ دین موسوی پر ابھی تک موجود ہیں ورنہ یہ ذکر لا حاصل تھا۔

من لقائه. ضمیر کا مرجع حضرت موسیٰ ہوں اور مصدر مضاف الی المفعول ہو ای **من لقائک موسی لیلة الاسراء** یا پھر ضمیر کا مرجع کتاب ہو اور مصدر مضاف الی الفاعل ہو۔ای **من لقاء الکتاب لموسی** یا مضاف الی المفعول ہو۔ای **من لقاء موسی الکتاب.** لقاء کی نسبت موسیٰ اور کتاب دونوں کی طرف ہوسکتی ہے۔ چنانچہ شب اسریٰ آنحضرت ﷺ اور دوسرے انبیاء کی ملاقاتوں میں موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بھی ہے۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں۔ **لاتکن فی مریة من تلقی موسی الکتاب بالرضاء والقبول.** اور حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً منقول ہے **جعل موسی هدی لبنی اسرائیل فلا تکن فی مریة من لقاء موسی ربه.**

ائمة. مفسر علام نے ابدال کی ترکیب کا جو ذکر کیا ہے وہ محض عربیت کے اعتبار سے ہے۔ قراۃ نہیں۔ غالباً ان سے تسامح ہو گیا ہے۔

لما صبروا. جمہور کی قرأت میں **لما** مشدد ہے اور اس میں جزاء کے معنی ہیں اور یہ ظرف بمعنی حین ہوگا۔ای **جعلنا هم ائمة حین صبروا** اور ضمیر ائمۃ کی طرف راجع ہوگی قرب کی وجہ سے اور جواب محذوف ہوگا جس پر **وجعلنا منهم** دلالت کر رہا ہے یا خود یہی جواب ہے۔ای **لما صبروا جعلنا منهم ائمة** اور حمزہ وکسائی مخفف پڑھتے ہیں اور لام تعلیلیہ ای **بسبب صبرهم علی دینهم وعلی البلاء ومن عدوهم.** دوسری صورت یہ ہے کہ **صبروا** کی ضمیر بنی اسرائیل کی طرف راجع ہو۔ لیکن پہلی صورت ترغیب صبر کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہے برخلاف دوسری صورت کے اس میں اگر چہ صبر کا فائدہ سب کی طرف لوٹ رہا ہے مگر بظاہر ثمرہ صبر کی عطا بعض صابرین کے لئے معلوم ہوتی ہے۔ جس سے ترغیب صبر نامکمل رہ جاتی ہے۔ صبر بہر حال نہایت بہترین وصف ہے۔ **الصبر کالصبر مرفی مذاقته لکن عواقبه احلی عن العسل.** ''صبر تلخ ست برشیریں دارد''۔

بینهم. یعنی انبیاء کے مابین یا مسلمان اور کفار کے درمیان۔

اولم یهد. معطوف علیہ مقدر ہے ای **لم یتعظوا ولم یهتدوا** اور بعض کی رائے میں عطف نہیں ہے ہمزہ کا مابعد سے تعلق ہے۔ مفسر علام کا ظاہر کلام مختار رہا ہے کہ فاعل مضمون جملہ ہے اور قائم مقام کی موجودگی میں حذف فاعل میں کچھ حرج نہیں ہے۔

قاضی بیضاویؒ کی رائے ہے کہ ضمیر **کم اهلکنا** کا مدلول مرجع ہے ای **کم اهلکنا کثرتهم** یا اللہ کی طرف ضمیر راجع کی جائے۔ چنانچہ دوسری قرأت ''نهد'' اس کی موید ہے اور لفظ کم بھی فاعل ہوسکتا ہے۔ استفہام ہونے کی وجہ سے ماقبل میں عمل نہیں کرے گا۔ بلکہ **کم اهلکنا** کی وجہ سے محل نصب میں ہوگا۔

قائل. یہ لفظ اس لئے بڑھایا ہے کہ دلیل محسوس ہو جائے۔

لاینفع الذین کفروا. یہ عام کافر خواہ استہزاء کرتے والے ہوں یا نہ ہوں اور ضمیر کی بجائے اسم لانے میں کنہ کی تصریح ہے اور

یہ کہ نفع نہ ہونے کی وجہ کفر ہے۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ یوم الفتح سے قیامت مراد ہو اور اگر غزوۂ بدر یا فتح مکہ مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ قتل اور موت کے وقت ایمان مفید نہیں ہوگا۔ ایمان اضطراری کی وجہ سے۔

ربط:...... پچھلی آیات فذوقوا بما کنتم کمن کان وغیرہ میں کفار کی تکذیب ومخالفت کا ذکر تھا۔ جس سے آنحضرت ﷺ کو صدمہ ہوا اور کفار کے مخالفانہ رویہ سے خود مسلمانوں کو بھی تکلیف تھی۔ اس لئے آیت ولقد اتینا موسی الخ سے آپ کی تسلی اور مسلمانوں کی تسکین کی جارہی ہے۔ اور اسی ذیل میں کفار کے بعض شبہات کا جواب بھی ہے۔

شانِ نزول:...... من لقائه سے اگر آنحضرت ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات مراد ہو جیسا کہ خود مفسر علامؒ کی رائے ہے تو ابن عباسؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ رایت اسری بی موسی رجلاً ادماً طوالا صعیدا کانه من رجل شنوة. حضرت قتادہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ نے کہا کہ ایک دن آئے گا کہ ہم بھی اطمینان کا سانس لیں گے اور تم سے نجات مل جائے گی۔ اس پر مشرکین بولے متی هذا الفتح ان کنتم صادقین

قل یوم الفتح. چنانچہ فتح مکہ کے موقعہ پر بنوکنانہ جب بھاگے تو خالد بن ولیدؓ نے انہیں گھیر لیا۔ انہوں نے کلمہ پڑھا۔ مگر حضرت خالدؓ نے ان کا اسلام قبول نہیں کیا اور ان کو قتل کردیا۔ یہی مطلب ہے لاینفع الذین الخ کا۔

﴿تشریح﴾:...... ولقد اتینا یعنی ہم نے موسیٰ کو کتاب ہدایت دی۔ جس سے بنی اسرائیل کو رہنمائی حاصل ہوئی۔ ان میں بڑے بڑے مذہبی پیشوا ہوگزرے۔ آپ کو بھی بلاشبہ ایک کتاب مبین ملی ہے جو عظیم الشان ہے۔ جس سے ابتداءً عرب کی اور پھر بعد میں بتدریج سارے عالم کی اصلاح ہوگی۔ آپ کی امت میں بڑے بڑے امام و رہنماء اٹھیں گے۔ غرض آنحضرت ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امتوں کے مابین گوناگوں وجوہ مشابہت بھی ذکر موسیٰ علیہ السلام کی وجہ تخصیص ہے۔

فلا تکن فی مریة. یہ توجمہ معترضہ ہے کہ دونوں کو کتاب کا ملنا بلاریب وشک ہے۔ اس میں کوئی دھوکہ، فریب نہیں ہے۔ یا شب معراج میں آنحضرت ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باہمی ملاقات کے متعلق کہا جارہا ہے کہ بلاشبہ ہوئی ہے۔

صبر ناگزیر ہے:...... اور لما صبروا میں مسلمانوں کے لئے بھی درس تسلی ہے کہ تم جب صاحب یقین ہو اور صاحب یقین کے لئے صبر ضروری ہے تو تمہارے لئے بھی صبر ضروری ہے۔ اور فرمایا کہ گو دنیا میں دلائل وشواہد کی رو سے اگرچہ حقانیت اسلام کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہے (مگر شاید وہ ان کے لئے ناکافی ہیں۔ یہ عملی فیصلہ کے منتظر ہیں تو ٹھہریں تو وہ وقت بھی قریب آیا ہی چاہتا ہے۔ اہل حق اور پرستاران باطل کے درمیان دوٹوک فیصلہ بھی قیامت کے دن ہو ہی جائے گا کہ اہل حق جنت میں اور باطل پرست دوزخ میں داخل کردیئے جائیں گے، ورنہ دنیا میں کیا ایسے تماشے بارہا نہیں دکھائے جاچکے ہیں جس سے دونوں کا امتیاز واضح ہوجائے۔ عاد و ثمود مشہور مبغوض اور تباہ شدہ قوموں کے کھنڈرات زبان حال سے اپنے باشندوں کی داستانیں کیا آج تک نہیں سنائے چلے جارہے ہیں۔ جس پر شام ویمن کے سفروں میں تمہارا گزر ہوتا رہتا ہے۔ تعجب ہے کہ یہ سب کچھ دیکھنے سننے پر بھی انہیں کچھ تنبیہ نہ ہو کہ کسی قوم کی اس طرح بربادی اس کے گمراہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔

زمین مردہ کی زندگی کی طرح مردہ انسان بھی زندہ کئے جائیں گے: ...... اسی طرح سوکھی زمین خواہ وہ سرزمین مصر ہو، جیسا کہ بعض مفسرین کی رائے ہے اور السماء سے مراد دریائے نیل لیا ہے۔ اور یا بقول حافظ ابن کثیرؒ عام زمین اور عام دریاؤں، نہروں، بارشوں کے پانی مراد ہیں۔ ان نشانات کو دیکھ کر حق تعالیٰ کی قدرت، رحمت اور حکمت کا قائل ہونا چاہئے کہ مردہ لاشوں میں بھی دوبارہ جان ڈال دینا اس کے لئے کچھ مشکل نہیں۔ انہیں جان ودل سے اللہ کی نعمتوں کا شکر گزر رہنا چاہئے تھا، یہ اور اپنے قیامت کا نام سن کر مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں، اگر تم سچے ہو تو بتاؤ وہ دن کب آئے گا؟ یا خالی دھمکیاں ہی ہیں قیامت وغیرہ کچھ نہیں۔ فرمایا کہ ابھی موقعہ ہے اللہ اور رسول کے کہنے پر یقین کر کے اس دن کی تیاری کرو ورنہ اس دن کے آجانے پر پھر ایمان و توبہ بھی کام نہیں آئے گی۔ کیونکہ ایمان وہی معتبر ہے جو اختیاری ہو اور وہ دنیا و عالم ناسوت میں رہتے ہوئے ہی ہوسکتا ہے۔

ایمان بالغیب کا اصل مقام دنیا ہے: ...... پس دنیا میں ایمان لانا ہی نافع اور مقبول ہے، ورنہ قیامت کے دن جب کشف ہو جائے گا اور ایمان بالغیب کا موقعہ ہاتھوں سے نکل جائے گا تو اس وقت تو بڑے سے بڑا معاند کافر بھی ایمان لانے کے لئے مضطر ومجبور ہو جائے گا۔ مگر اس کا کیا اعتبار! اس وقت کی مہلت کو غنیمت سمجھو، پھر یہ مہلت بھی نہیں رہے گی۔ اس وقت نہ سزا میں ڈھیل ہوگی اور نہ تخفیف۔ اس لئے آئندہ چال چلن درست کر کے حاضر ہو جاؤ اور تکذیب واستہزاء چھوڑ دو۔ جو گھڑی آنے والی ہے وہ آکر رہے گی۔ کسی کے ٹالے نہیں ٹلے گی۔ پھر اس غم میں پڑنے کا کیا حاصل کہ کب آئے گی اور کب فیصلہ ہوگا۔ آنحضرت ﷺ کے لئے ارشاد ہے کہ آپ تو حق دعوت وتبلیغ مکمل طور پر ادا کر چکے ہیں۔ یہ اب بھی راہ راست پر نہیں آئے بلکہ ایسے بے حس ہیں کہ انتہائی مجرم ہونے کے باوجود برابر فیصلہ اور سزا کے دن کا مذاق اڑائے چلے جارہے ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ ان کا خیال چھوڑ دیئے اور ان کے نتیجہ اور بربادی کا انتظار کیجئے۔ جیسا کہ یہ بھی بزعم خود عیاذاً باللہ آپ کے لئے تباہی کے منتظر ہیں۔

لطائف سلوک: ...... جعلنا منهم ائمة. میں اس پر دلالت ہے کہ مرید میں ریاضت ویقین کے مشاہدہ کے بعد خلافت دے دینی چاہئے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مرشد میں عبادت ومعصیت میں صبر کرنا اور شہوتوں سے پرہیز کرنا اور آیات الٰہیہ پر یقین جیسے اوصاف ہونے چاہئیں۔ ان اوصاف کے بغیر اگر کوئی مرشدی کا مدعی ہو تو وہ ضال ومضل ہے۔

ویقولون هذا الفتح. مناظرانہ جواب کی بجائے ناصحانہ جواب میں اس کی دلالت ہے کہ نصیحت کے موثر ہونے کے لئے بحث ومباحثہ چھوڑ دینا چاہئے۔

فاعرض. اس میں اشارہ ہے کہ عرفاء اور سالکین پر استہزاء کرنے والوں میں اگر نصیحت وارشاد قبول کرنے کا مادہ نہیں ہے تو ان سے اعراض ہی مناسب ہے اور یہ کہ وہ مغرور رتبہ و برباد ہو کر رہے گا۔

سُـــــوْرَةُ الْاَحْـــزَابِ

سُورَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثٌ وَسَبْعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ دُمْ عَلٰى تَقْوَاهُ **وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ** فِيْمَا يُخَالِفُ شَرِيْعَتَكَ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا** بِمَا يَكُوْنُ قَبْلَ كَوْنِهِ **حَكِيْمًا** ﴿١﴾ فِيْمَا يَخْلُقُهُ **وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ** اَيِ الْقُرْاٰنَ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا** ﴿٢﴾ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْفَوْقَانِيَّةِ **وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ** فِيْ اَمْرِكَ **وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا** ﴿٣﴾ حَافِظًا لَكَ وَاُمَّتُكَ تَبَعٌ لَهُ فِيْ ذٰلِكَ كُلِّهِ **مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهِ** رَدًّا عَلٰى مَنْ قَالَ مِنَ الْكُفَّارِ اِنَّ لَهُ قَلْبَيْنِ يَعْقِلُ بِكُلٍّ مِنْهُمَا اَفْضَلَ مِنْ عَقْلِ مُحَمَّدٍ **وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓئِيْ** بِهَمْزَةٍ وَيَاءٍ وَبِلَا يَاءٍ **تُظٰهِرُوْنَ** بِلَا اَلِفٍ قَبْلَ الْهَاءِ وَبِهَا وَالتَّاءُ الثَّانِيَةُ فِي الْاَصْلِ مُدْغَمَةٌ فِي الظَّاءِ **مِنْهُنَّ** بِقَوْلِ الْوَاحِدِ مَثَلًا لِزَوْجَتِهِ اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ **اُمَّهٰتِكُمْ** اَيْ كَالْاُمَّهَاتِ فِيْ تَحْرِيْمِهَا بِذٰلِكَ الْمُعَدِّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ طَلَاقًا وَاِنَّمَا تَجِبُ بِهِ الْكَفَّارَةُ بِشَرْطِهِ كَمَا ذُكِرَ فِيْ سُوْرَةِ الْمُجَادَلَةِ **وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ** جَمْعُ دَعِيٍّ وَهُوَ مَنْ يُدْعٰى لِغَيْرِ اَبِيْهِ اِبْنًا لَهُ **اَبْنَآءَكُمْ** حَقِيْقَةً **ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ** اَيِ الْيَهُوْدِ وَالْمُنَافِقِيْنَ قَالُوْا لَمَّا تَزَوَّجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ الَّتِيْ كَانَتْ اِمْرَاَةَ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ الَّذِيْ تَبَنَّاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا تَزَوَّجَ مُحَمَّدٌ امْرَاَةَ ابْنِهِ فَاَكْذَبَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ذٰلِكَ **وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ** فِيْ ذٰلِكَ **وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ** ﴿٤﴾ سَبِيْلَ الْحَقِّ لٰكِنْ **اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ** اَعْدَلُ **عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ** بَنُوْ عَمِّكُمْ **وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهِ** فِيْ ذٰلِكَ **وَلٰكِنْ** فِيْ **مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ** فِيْهِ وَهُوَ بَعْدَ النَّهْيِ **وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا** لِمَا كَانَ مِنْ قَوْلِكُمْ قَبْلَ النَّهْيِ **رَّحِيْمًا** بِكُمْ فِيْ ذٰلِكَ **اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ**

مِنْ اَنْفُسِهِمْ فِيمَا دَعَاهُمْ اِلَيْهِ وَدَعَتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ اِلَى خِلَافِهِ **وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ** فِى حُرْمَةِ نِكَاحِهِنَّ عَلَيْهِمْ **وَاُولُوا الْاَرْحَامِ** ذَوُو الْقَرَابَاتِ **بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ** فِى الْاِرْثِ **فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ** اَىْ مِنَ الْاِرْثِ بِالْاِيْمَانِ وَالْهِجْرَةِ الَّذِىْ كَانَ اَوَّلَ الْاِسْلَامِ فَنُسِخَ **اِلَّآ** لٰكِنْ **اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا** بِوَصِيَّةٍ فَجَائِزٌ **كَانَ ذٰلِكَ** اَىْ نَسْخُ الْاِرْثِ بِالْاِيْمَانِ وَالْهِجْرَةِ بِاِرْثِ ذَوِى الْاَرْحَامِ **فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا**﴿۶﴾ وَاُرِيْدَ بِالْكِتَابِ فِى الْمَوْضِعَيْنِ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ **وَ** اُذْكُرْ **اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ** حِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ صُلْبِ اٰدَمَ كَالذَّرِّ جَمْعُ ذَرَّةٍ وَهِىَ اَصْغَرُ النَّمْلِ **وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ** بِاَنْ يَعْبُدُوا اللّٰهَ وَيَدْعُوا النَّاسَ اِلٰى عِبَادَتِهٖ وَذِكْرُ الْخَمْسَةِ مِنْ عَطْفِ الْخَاصِّ عَلَى الْعَامِّ **وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا**﴿۷﴾ شَدِيْدًا بِالْوَفَاءِ بِمَا حَمَلُوْهُ وَهُوَ الْيَمِيْنُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى ثُمَّ اَخَذَ الْمِيْثَاقَ **لِيَسْئَلَ** اللّٰهُ **الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ** فِىْ تَبْلِيْغِ الرِّسَالَةِ تَبْكِيْتًا لِلْكَافِرِيْنَ بِهِمْ **وَاَعَدَّ** تَعَالٰى **لِلْكٰفِرِيْنَ** بِهِمْ **عَذَابًا اَلِيْمًا**﴿۸﴾ مُؤْلِمًا هُوَ عَطْفٌ عَلٰى اَخَذْنَا

ترجمہ: . . . . سورۂ احزاب مدنی ہے۔اس میں ۷۳ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے نبی! اللہ سے ڈرتے رہیئے۔ (تقویٰ پر مداومت کیجئے) اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے (خلاف شرع باتوں میں) بے شک اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا ہے (ہونے والی بات سے اس کے ہونے سے بھی پہلے) بڑی حکمت والا ہے (ہر چیز کے پیدا کرنے میں) اور جو حکم (یعنی قرآن) آپ کے پروردگار کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے، اسی کی پیروی کیجئے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس سے خوب باخبر ہے جو کچھ تم کرتے رہتے ہو (**تعلمون** ایک قراءۃ میں تائے فوقانیہ کے ساتھ ہے) اور آپ (اپنے کام میں) اللہ پر بھروسہ رکھئے اور اللہ ہی کارسازی کے لئے کافی ہے (آپ کا محافظ ہے اور آپ کی امت اس بات میں آپ کی پیروکار ہے) اللہ نے کسی شخص کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے (اس میں اس کافر کی تردید ہے جو یہ دعویٰ کرتا تھا کہ اس کے دو دل ہیں۔ ہر ایک دل سے محمد (ﷺ) کی عقل سے زیادہ ادراک کر لیتا ہے) اور تمہاری بیویوں کو جن سے (**اللائی** ہمزہ اور یا کے ساتھ اور بغیر یا کے ہے) تم ظہار کر لیتے ہو (**تظھرون** ہا سے پہلے الف نہیں ہے اور الف کے ساتھ بھی ہے اور اصل میں جو دوسری تا تھی وہ ظاہر ہو کر ظاء میں مدغم ہو گئی) ان کو (مثلاً کسی کے بیوی کو **انت علی کظھر امی** کہہ دینے سے) تمہاری مائیں نہیں بنا دیا ہے (یعنی ماں کی طرح انہیں بالکل حرام نہیں کر دیا۔ جیسا جاہلیت میں اسے طلاق سمجھا جاتا تھا۔ البتہ شروط کے ساتھ اس پر کفارہ آئے گا۔ جیسے کہ سورہ مجادلہ میں ہے) اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو (**ادعیاء** جمع ہے دعی کی۔ دوسری کے بیٹے کو متبنیٰ بنا لینا) تمہارا (حقیقۃً) بیٹا نہیں بنا دیا ہے۔ یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے (یعنی یہود و منافقین نے اس وقت اعتراض کیا جب آنحضرت ﷺ نے اپنے متبنیٰ کی بیوی سے خود نکاح فرمایا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی) اور اللہ حق بات فرماتا ہے (اس بارے میں) اور وہ سیدھا راستہ (حق کا راستہ) دکھاتا ہے (ہاں البتہ) تم ان کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کیا کرو کہ یہی اللہ کے نزدیک راستی (انصاف) کی بات ہے۔ اگر تم ان کے باپوں کو نہیں جانتے ہو

تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور تمہاری برادری کے (چچازاد بھائی) ہیں اور (اس میں) تم سے جو بھول چوک ہوجائے تو اس سے تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ ہاں گناہ تو اس صورت میں ہے کہ تم جان بوجھ کر کہو (اور وہ بھی ممانعت کے بعد) اللہ تعالیٰ (ممانعت سے پہلے جو کچھ تمہارے منہ سے نکلا ہے) بڑی مغفرت کرنے والا (اور اس بارے میں تم پر) بڑی رحمت کرنے والا ہے۔ نبی مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں (جس پیغام کی طرف انہوں نے دعوت دی۔ درانحالیکہ تمہارے نفسوں نے اس کے خلاف کی طرف بلایا ہے) اور آپ ﷺ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں (ان بیویوں سے انہیں نکاح کرنا حرام ہے) اور رشتہ دار (قرابت دار) ایک دوسرے سے (میراث میں) زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔ کتاب اللہ کی رو سے بہ نسبت دوسرے مومنین اور مہاجرین کے (یعنی ایمان و ہجرت کی وجہ سے جو میراث ابتداء اسلام میں تھی پھر منسوخ ہوگئی) مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے کچھ سلوک کرنا چاہو (وصیت کرے تو جائز ہے) یہ بات (یعنی ایمان وہجرت کی بات ذوی الارحام کی وجہ سے منسوخی) نوشتہ الٰہی میں لکھی جاچکی تھی (کتاب سے مراد دونوں جگہ لوح محفوظ ہے) اور (یاد کیجئے) جبکہ ہم نے تمام پیغمبروں سے ان کا اقرار لیا (جس وقت وہ حضرت آدمؑ کی پشت سے چیونٹیوں کی طرح برآمد ہوئے تھے۔ ذر جمع ہے ذرۃ کی چھوٹی چیونٹی کو کہتے ہیں) اور آپ سے بھی اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی (اللہ کی عبادت کرنا اور لوگوں کو بھی اس کی عبادت کی دعوت دینا اور پانچ پیغمبروں کا ذکر، خاص کا عام پر عطف ہے) اور ہم نے ان سے خوب پختہ عہد لیا تھا (جو ذمہ داری ان پر ڈالی گئی اس کے پورا کرنے کا قسموں کے ذریعہ یقین دلایا، پھر اس کے بعد عہد لیا) تاکہ ان سچوں سے (اللہ) ان کے سچ کی نسبت سوال کرے (تبلیغ رسالت کے بارے میں۔ ان سے نفرت کرنے والوں پر حجت قائم کرنے کے لئے) اور کافروں کے لئے (اللہ تعالیٰ نے) دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے (جو تکلیف دہ ہوگا۔ اعد کا عطف اخذنا پر ہے)۔

تحقیق وترکیب: ... **یاایھا النبی.** دوسرے انبیاء کی طرح آپ کا نام نہ لینا بلکہ منصبی لقب سے یاد فرمانا آپ ﷺ کی تعظیم کے لئے مشیر ہے اور جہاں آپ کا نام صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے وہاں بھی وصف لقبی کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ جیسے **محمد رسول اللہ ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین وما محمد الا رسول** وغیرہ۔

اتق. امر کا صیغہ جس طرح کسی فعل کے ایجاد کے لئے آتا ہے، اسی طرح اس کے ابقاء کے لئے بھی آتا ہے۔ یعنی جیسے آپ پہلے سے تقویٰ پر ہیں۔ آئندہ بھی تقویٰ پر برقرار رہئے۔ اس لئے تحصیل حاصل یا آپ کے غیر متقی ہونے کا اشکال نہیں رہا۔

کفی باللہ. لفظ اللہ. **کفی** کا فاعل ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے اور وکیلا مفعول ہے بیان یا حال کے طور پر۔

ماجعل اللہ لرجل. ابومعمر جمیل بن اسد فہری اس کا مصداق ہے۔ جسے عرب دانشور ہونے کی وجہ سے "**ذوالقلبین**" کہا کرتے تھے اور بقول ابن عباسؓ منافقین آنحضرت ﷺ کو ذوالقلبین کہا کرتے تھے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ **لرجل** سے مراد **لاحد** عام ہو۔ خواہ کوئی مرد ہو یا عورت اور مرد کی تخصیص مردانہ قوت کی وجہ سے ہے ورنہ کوئی عورت بھی دو دل نہیں ہوتی۔

فی جوفہ. تاکید کے لئے یہ لفظ بڑھایا ہے۔ جیسے **قلوب التی فی الصدور** میں ہے۔

اللائی. ابن عامرؒ اور کوفیوں کی نزدیک ہمزہ کے بعد یا کے ساتھ ہے اور ورشؒ اور ابن کثیرؒ کے نزدیک ہمزہ کے بعد یا نہیں ہے اور بعض نے **اللتی** کو جمع مانا ہے۔

تظھرون. ابوعمرؒ کے نزدیک ظا کے بعد اور ھا سے پہلے الف نہیں ہے اور دوسروں کے نزدیک ظ کے بعد اور ہا سے پہلے الف کے ساتھ ہے۔

ادعیاء. جمع دعی بمعنی مدعو ہے۔ چنانچہ فعیل بمعنی مفعول آتا ہے۔ متبنیٰ کو کہتے ہیں۔ **دعی** دراصل **دعیو** تھا۔ صرفی قاعدہ

سے ادغام ہوگیا اور ادعیاء دعی کی جمع غیر قیاسی ہے۔ کیونکہ معتل اللام فعیل جب فاعل کے معنی میں ہو تو اس کی جمع افعلاء پر آنی قیاسی ہے۔ جیسے تقی اور عصی کی جمع اتقیاء، اغنیا مگر دعی بمعنی مفعول ہے۔ اس کی جمع فعلی کے وزن پر آنی چاہئے تھی۔ جیسے قتیل کی جمع قتلی ہے اور جریح کی جمع جرحی ہے۔ مگر دعی کی جمع ادعیاء شاذ ہوگی۔ جیسے اسیر کی جمع اسری تو قیاسی ہے مگر اساری شاذ ہے۔

فاحوانکم ای فهم احوانکم یعنی نرا نام لے کر پکارنا، اگرچہ جائز ہے مگر تالیف قلب کے لئے بھائی کہو خواہ وہ رشتہ کے اعتبار سے ہو یا دینی ناطہ سے کہا جائے اور اخوان و احوت اگرچہ ناطہ میں برابر ہیں مگر بہن کی بجائے بھائی کہا۔ کیونکہ متبنی بنانا ذکور کے ہوتا ہے۔ اناث کے لئے نہیں ہوتا۔ جیسا کہ جاہلیت کا دستور تھا اور موالی کی تفسیر میں مفسر علامؒ نے ہو ممکن اس لئے کہا کہ عرب میں موالی کے کئی معنی آتے ہیں۔ فاحوانکم مبتدا محذوف کی خبر ہے اور جملہ جواب شرطیہ قائم مقام جواب ہے ای قولوا هذا اخی وهذا مولای لابهم احوانکم۔ مولی کا استعمال اگرچہ مولی الموالات اور مولی العتاقہ میں معروف ہے۔ مگر مفسر علامؒ نے عموم کی وجہ سے ابن عم کے ساتھ تفسیر کی۔ جیسے حضرت زکریا کا قول قرآن کریم میں ہے۔ انی خفت الموالی۔

ولکن ماتعمدت اس میں دو ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ مجرور المحل ہو۔ اس کا عطف ماقبل مجرور پر ہو۔ ای ولکن الجناح فیما تعمدت دوسری صورت یہ ہے کہ یہ مرفوع المحل ہو۔ مبتدا کی وجہ سے جس کی خبر محذوف ہے۔ ای تواحذون به یا علیکم فیه الجناح۔

فی کتاب الله اس کا تعلق اولی کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اسم تفضیل ظرف میں عمل کرتا ہے اور محذوف کے متعلق بھی ہو سکتا ہے۔ اولی کی ضمیر سے حال بنا کر اور اولی عامل ہو۔ البتہ اولوا سے حال بنانا جائز نہیں ہے فصل کی وجہ سے اور اس لئے بھی کہ اولی اور اولوا میں عامل نہیں ہے۔

من المومنین اس میں بھی دو ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ مفضل علیہ پر من داخل ہے۔ جیسے زید افضل من عمرو میں ہے۔ ای اولوا الارحام اولی بالارث من المومنین دوسری صورت یہ ہے کہ من بیانیہ ہو اولوا الارحام کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔ اب اس کا تعلق محذوف سے ہوگا۔ ای اولوا الارحام من المومنین اولی بالارث من الاجانب

الا ان تفعلوا مفسر علامؒ نے الا کے منقطع ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ کیونکہ بعضهم اولی ببعض میں مافی الاولویة سے مراد توارث ہے۔ اس لئے استثناء خلاف جنس سے ہوا جو فحوائے کلام سے سمجھ میں آ رہا ہے۔ ای لاتوارثوا غیرا ولی الارحکام لکن فعلکم بناء علی ان المصدریة معروفا جائز فیکون ذالک بالوصیة لا بالتوارث اور ان تفعلوا تاویل مصدر مبتدا ہے۔ جس کی خبر محذوف ہے۔ جیسا کہ مفسر نے فجائز تقدیر عبارت نکالی ہے۔

بوصیة۔ یعنی مواخات وغیرہ کی میراث چونکہ منسوخ ہوگئی اس لئے ثلث مال سے وصیت کی اجازت ہے۔

اذ اخذنا یہ ظرف اذکر ہونے کی وجہ سے منسوب ہے اور فی الکتاب کے محل پر عطف بھی ہو سکتا ہے۔ اور مسطورا اس میں عامل ہوگا۔ ای کان هذا الحکم مسطورا فی الکتاب وقت اخذنا۔

ومنک اولوالعزم نبیوں کا ذکر ان کی فضیلت کے پیش نظر ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کو پہلے ذکر کرنے میں آپ کی برتری کی طرف اشارہ ہے ورنہ ترتیب زمانی کے لحاظ سے تو آپ کا ذکر سب سے آخر میں ہونا چاہئے تھا اور یا مخاطب ہونے کی وجہ سے آپ مقدم ہوئے یا تقدم فی الخلق کی وجہ سے آپ کا نام پہلے آیا ہے۔ حدیث میں ہے۔ کنت اول الانبیاء فی الخلق واخرهم فی البعث

میثاقا غلیظا اس سے مراد امر نبوت کا عہد ہے۔ جیسے آیت اذ اخذ الله میثاق النبیین میں فرمایا گیا ہے اور پہلا عہد اللہ کے

اقرار سے متعلق تھا اور بعض نے دوسرے عہد کو پہلے عہد کی تاکید مانا ہے۔ انبیاء سابقین سے تو آنحضرت ﷺ کی ہی تصدیق نبوت کا عہد لیا گیا ہے اور آپ سے خاتم الانبیاء ہونے کا جس کو "لانبی بعدی" سے آپ نے ظاہر فرمایا۔

لیسئل یہ لام "کے" ہے۔ ای یسئل المومنین عن صدقهم والکافرین عن کذبهم مفعول ثانی کو اس لئے حذف کر دیا کہ اس کا مسبب یعنی اعد موجود ہے اور صدق کا مفعول محذوف ہے۔ تفسیر کی عبارت جس پر دلالت کر رہی ہے اور بعض نے لام صیرورۃ کے لئے مانا ہے۔ ای اخذ المیثاق علی الانبیاء لیصیر الامر الی کذا اور لیسال متعلق ہے اخذنا کے اور کلام میں تکلم سے غیبت کی طرف التفات ہے جیسا کہ مفسر علام نے ثم اخذ المیثاق سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور صادقین سے مراد رسل ہیں اور چونکہ اخذ میثاق کا مقصد تبلیغ ہے، تاکہ مومنین مستحق ثواب ہوں۔ پس اخذنا المیثاق قوۃ میں اثاب المومنین کے ہے۔ اب عطف میں تناسب ہوگیا۔

ربط: ..... اس سورت کی آیات میں قدر مشترک آنحضرت ﷺ کی منصوریت، محبوبیت، اکرمیت، خصوصیت کا مختلف طریقوں سے بیان ہے اور متعدد پیرایوں میں آپ کی تعظیم کا واجب ہونا اور لوگوں کی ایذاء دہی کی ممانعت ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے مضامین یا اس قدر مشترک کے مقدمات ہیں اور یا متممات۔ اور اس سے پچھلی سورت میں بھی آخری مضمون آپ کی تسلی کا تھا جو آپ کی محبوبیت کی دلیل ہے۔ پس اس سے دونوں سورتوں کا ارتباط بھی واضح ہوگیا۔

اور ایذاء رسول ایک کلی مشکک ہے۔ جس کے بعض افراد شدید اور بعض خفیف ہیں۔ منجملہ ان کے کفار کی طرف سے یہ ناشائستہ اقوال تھے کہ آپ عیاذاً باللہ دعوت وتبلیغ سے اگر رک جائیں تو ہم آپ کو مالا مال کر دیں گے اور بعض نے قتل تک کی دھمکیاں دیں۔ جس سے آپ کو صدمہ ہوا۔ چنانچہ سورت کا آغاز اسی مضمون سے ہو رہا ہے اور چونکہ اس سورت کا خلاصہ آنحضرت ﷺ کی جلالت شان ہے جو مختلف عنوان سے ذکر کی گئی ہے منجملہ ان کے آپ کی اتباع اور تعظیم کا واجب ہونا ہے۔ اس کی مختلف نوعوں میں سے ایک جامع کا ذکر آیت "النبی اولی بالمومنین" میں فرمایا جا رہا ہے۔ یعنی مومنین کے ساتھ آپ کی اولیت کا تعلق ہے۔ اور اس اولویت کے معنوی ہونے کی مناسبت سے مسئلہ توارث کی تحقیق بھی فرمائی جا رہی ہے۔ جو اولیت کا صوری پہلو ہے اور چونکہ آیت "اتبع ما یوحی" میں آنحضرت ﷺ کو وحی اور آیت النبی اولی الخ میں مومنین کو صاحب وحی کی اتباع کا حکم ہے۔ اس لئے اس آیت کے بعد آیت "واذ اخذنا الخ" میں اسی کی تاکید کے لئے انبیاء کے عہد کا اور منکرین کے استحقاق عذاب کا ذکر ہے۔ بہرحال "النبی اولی الخ" میں اجلال نبوی ﷺ کی پہلی قسم بیان ہو رہی ہے۔

شان نزول: ..... بقول ابن عباسؓ ولید بن مغیرہ اور شیبہ ابن ربیعہ وغیرہ کفار مکہ نے آنحضرت ﷺ کو دعوت حق سے باز رہنے کے لئے مالی لالچ دیا۔ نیز یہود مدینہ اور منافقین نے آپ کو قتل کی دھمکیاں دیں۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی، معتب بن قشیر اور جد بن قیس آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ آپ ہمارے معبودوں کا ذکر چھوڑ دیجئے بلکہ ان کے شفیع اور نافع ہونے کا اعتراف کیجئے۔ ہم بھی تمہارے معبود کو کچھ نہیں کہیں گے۔ یہ بات آپ کو اور مسلمانوں کو ناگوار گزری اور لڑنے پر آمادہ ہوگئے۔ چونکہ ایک طرف جنگ کرنا، ناجنگی معاہدہ کی خلاف ورزی تھی اور دوسری طرف ان کے مطالبہ کی تائید بھی مشکل تھی۔ اس لئے دونوں پہلوؤں کی رعایت کرتے ہوئے آیت یا ایها النبی اتق الله نازل ہوئی۔

اور بعض نے ابوسفیان بن حرب اور عکرمہ بن ابی جہل اور ابوالاعور اور عمرو بن سفیان سلمی کے نام بھی گنائے ہیں کہ یہ لوگ غزوۂ

احد کے بعد عبداللہ بن ابی کے پاس آئے اور ان کے ساتھ عبداللہ بن ابی سرح اور طعمہ بن ابیرق بھی شامل ہو گئے اور سب مل کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں فاروق اعظمؓ کی موجودگی میں پہنچے۔ اور مندرجہ بالا گفتگو کی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے برافروختہ ہو کر ان کے قتل کی اجازت چاہی۔ مگر آپ ﷺ نے معاہدہ کی وجہ سے اجازت نہیں دی۔ البتہ انہیں مدینہ سے ناکام واپس کرادیا گیا۔

آیت میں **قلبین فی جوفه** کا مصداق بعض نے ابومعمر جمیل بن اسد فہری کو قرار دیا ہے۔ لیکن بقول ابن عباسؓ منافقین آنحضرت ﷺ کو دو دل والا کہتے تھے کہ ایک دل ہمارے ساتھ ہے اور دوسرا دل مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ گویا جیسے خود تھے ویسے ہی آپ کو سمجھا۔ مگر بہتر یہ ہے کہ اس کو عموم پر رکھا جائے۔ یعنی کسی کے بھی دو دل نہیں ہوتے۔

آیت **ماجعل ادعیاء کم** کا واقعہ نزول یہ ہے کہ زید بن حارثہؓ عربی الاصل بنی کلیب میں سے تھے۔ اپنی ننہال بنی معن میں گئے ہوئے تھے کہ شام کے قیدیوں میں زبردستی پکڑ کر مکہ لائے گئے۔ حکیم بن حزام نے خرید کر اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کو ہدیہ کر دیا جو آنحضرت ﷺ کی پہلی بیوی تھیں۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہدیۃً پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر کے متبنیٰ بنالیا۔ چنانچہ زید بن محمد کہلانے لگے۔ بعد میں پتہ چلنے پر زید کے والد اور چچا ان کو لینے کے لئے حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ نے انہیں جانے کا اختیار دے دیا۔ لیکن انہوں نے آپ کی خدمت میں رہنے کو ترجیح دی اور والد کے ہمراہ جانے سے انکار کر دیا۔ آپ ﷺ نے ان کی شادی زینبؓ بنت جحش سے کرادی۔ مگر ان میں ناچاقی رہی اور نبھاؤ نہ ہو سکا اور نوبت طلاق تک جا پہنچی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت زینبؓ سے خود عقد فرمایا۔ اس پر بڑی چہ میگوئیاں ہوئیں اور منافقین نے کہنا شروع کیا کہ محمد ﷺ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے شادی کر لی۔ حالانکہ خود ہی سسر اور بہو کے نکاح کو منع کرتے ہیں۔

اس کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔ لیکن یہ ترمذی کی روایت کے منافی نہیں ہے۔ جس میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو نماز میں خطرہ گزرا تھا۔ کیونکہ دونوں باتیں سبب نزول ہو سکتی ہیں۔ پہلے آپ کے دل میں خطرہ اور وسوسہ گزرا ہو اور بعد میں منافقین نے ہنگامہ کر دیا ہو یا اس کا عکس ہوا ہو۔

﴿تشریح﴾:...... **یاایھا النبی اتق اللہ.** یعنی حسب معمول آپ آئندہ بھی اللہ ہی سے ڈرتے رہیئے۔ یہ فرمانے کا زیادہ مقصد مخالفین کو ستر کر مایوس کرنا ہے کہ آپ تو اسی حالت میں قائم و دائم رہیں گے۔ تمہاری کوششیں کسی طرح بار آور نہیں ہوں گی اور کافروں کی کھلم کھلا مخالفتوں سے اور منافقین کی درپردہ سازشوں سے خواہ وہ کتنا ہی بڑا گٹھ جوڑ کر لیں، ہرگز پریشان نہ ہوئیے۔

ایک شبہ کا ازالہ: اس سے یہ شبہ نہیں رہا کہ جب دین کے خلاف ایسے ایسے مشورے دیا کرتے تھے تو پھر وہ منافق کہاں رہے، بلکہ کافر مجاہر ہو گئے؟ لیکن ''درپردہ'' کے لفظ نے شبہ کو صاف کر دیا۔ دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کھلم کھلا مشورہ چالاکی سے کسی مباح امر میں چھپا کر پیش کیا ہو۔ مثلاً عرض کیا ہو کہ حضور ﷺ فی الحال مختلف فیہ اور متنازع مسائل کو نہ چھیڑیئے، تاکہ لوگوں کو وحشت نہ ہو۔ آہستہ آہستہ بعد میں دیکھا جائے گا اور ظاہر ہے کہ مصالح وتقیہ کے تحت ایسا کرنا عین حکمت ہے۔ مگر کہنے والوں کی نیت میں چونکہ کھوٹ تھا اس لئے نفاق ہی کہلائے گا۔

اس تقریر سے ''لاتطع'' کی توجیہ اور بھی سہل ہو جائے گی، ورنہ کفر کی اطاعت کا ارادہ بھی خلاف عصمت ہونے کی وجہ سے شان رسالت کے منافی ہے۔

غرضیکہ آپ کو حکم ہے کہ بدستور آپ ان کے جھوٹے مطالبات، عیارانہ مشوروں کی طرف ادنیٰ التفات نہ کیجئے اور اللہ کے سوا کسی کا

ڈر پاس نہ آنے دیجئے۔ ساری دنیا بھی اکٹھی ہو کر آ جائے تب بھی اس کے خلاف کسی کی نہ سنیئے۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ اسی کے حکم پر چلتے رہو اور اسی پر بھروسہ رکھو۔ تنہا اسی کی ذات بھروسہ کے لائق ہے۔

اللہ کا ہر حکم مصلحت پر مبنی ہوتا ہے:...... اس کا ہر حکم مصلحتوں اور حکمتوں کو لئے ہوئے ہوتا ہے۔ کسی انسان کا یہ کہنا کہ فلاں حکم الٰہی خلاف مصلحت ہے۔ خود اپنے جہل وسفاہت کا اعتراف ہے۔ آپ نہ خود رائی سے کام لیجئے، نہ کسی کے مشوروں پر کان دھریئے۔ جو لوگ آپ ﷺ کی مخالفت ومزاحمت میں لگے ہوئے ہیں وہ خبردار ہیں کہ سب اپنے کیفر کردار کو پہنچیں گے جو سارے دل سے اسی کا ہو رہا، وہ دوسری طرف دل کیسے لگا سکتا ہے، کیونکہ "سینہ میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے۔"

جاہلیت کی تین غلط باتوں کی اصلاح:...... اور فرمایا کہ جیسے ایک آدمی کے سینہ میں دو دل نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح دو حقیقی مائیں نہیں ہو سکتیں اور نہ دو حقیقی باپ ہو سکتے ہیں۔ ہاں! معنوی یعنی غیر حقیقی یا ایک حقیقی اور دوسرا غیر حقیقی ہو تو یہ دوسری بات ہے۔

جاہلیت میں اگر کوئی بیوی کو ماں کہہ دیتا تو ہمیشہ کے لئے اس سے جدائیگی ہو جاتی، اس سے لازم آیا کہ گویا وہ سگی ماں بن گئی۔ اسی طرح اگر کسی کو منہ بولا بیٹا بنا لیا تو سچ مچ وہ بیٹا سمجھا جاتا اور سب احکام اس پر بیٹے کے جاری ہوتے تھے۔ حالانکہ عرب میں جیسے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ فلاں کی ایک نہیں دو زبانیں یا ڈھائی ہاتھ کی زبان ہے، یا فلاں کے دو آنکھ نہیں چار آنکھیں اور چار کان ہیں، بلکہ یہ استعارہ کی زبان اور مجاز کا پیرایہ بیان ہوتا ہے۔ اسی طرح اس محاورہ کا مطلب کہ فلاں کے دو دل ہیں یہ کیوں لیا جائے کہ واقعی اس کے سینہ میں دو دل ہیں۔ اسی طرح مجازاً کسی کو بیٹا کہہ دینے یا عرفاً سمجھ لینے سے یہ کیونکر لازم آ گیا کہ معاملات میں بھی صلبی اور حقیقی بیٹے کی طرح اس سے برتاؤ کیا جائے۔

قرآن کریم کی اس آیت میں تشریح الابدان یا تشریح اعضاء سے متعلق کوئی مسئلہ بیان کرنا نہیں ہے کہ یہ اس کے موضوع سے خارج ہے بلکہ یہ بتلانا ہے کہ جو الفاظ کسی زبان میں مجاز یا استعارہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں انہیں واقعاتی رنگ دے دینا جہل ہے اور لفظی اور مصنوعی تعلق کو حقیقی اور قدرتی درجہ دے دینا نادانی ہے۔ ان آیات میں ان تینوں رسموں کی تردید بڑے شد و مد سے کی جا رہی ہے۔ بیوی کو ماں کہہ دینے سے جاہلیت کے دستور پر اگر واقعی ماں بن جاتی ہے تو کیا دو ماؤں سے انسان پیدا ہوتا ہے۔ ایک ماں وہ جو جنتی ہے اور ایک ماں وہ جو محض کہہ دینے سے ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کسی نے اگر کسی کو بیٹا بنایا تو ایک باپ تو حقیقی پہلے سے موجود تھا اور ایک باپ یہ ہوا تو کیا یہ ماننا پڑے گا کہ وہ دونوں باپوں سے پیدا ہوا ہے۔ جب ایسا نہیں ہے تو پھر حقیقی ماں باپ اور حقیقی اولاد کے احکام کیسے ان پر جاری ہو سکتے ہیں۔ بس سیاق کلام سے یہاں زیادہ تر تو تیسری غلطی کی اصلاح مقصود تھی۔ مگر اس کی تقویت کے لئے پہلی دو غلطیوں کی اور اصلاح کر دی۔

تینوں باتوں میں ترتیب کا نکتہ:...... چنانچہ پہلی غلطی اول تو محسوسات میں سے ہونے کی وجہ سے بالکل واضح تھی۔ دوسرے بعض آثار سے بھی بسہولت اس کی حقیقت معلوم ہو سکتی تھی۔ چنانچہ ایک شخص دو دل ہونے کا مدعی تھا جب غزوۂ بدر سے اس طرح بھاگا کہ ایک جوتا اس کے پاؤں میں اور دوسرا اسکے ہاتھ میں تھا۔ جب ابو سفیان نے اس حال میں دیکھ کر اسے ٹوکا تو کہنے لگا تو میں سمجھا کہ دونوں جوتے پاؤں میں ہیں، اسی سے اس دعویٰ کی قلعی کھل گئی۔ اس لئے ماجعل اللّٰہ لرجل میں اس کو مقدم فرما دیا۔

البتہ بالفرض اگر تحقیق سے کسی کے دو دل ثابت ہو جائیں تو اول تو قرآن کا مقصد چونکہ تشریح اعضاء نہیں ہے، اس لئے یہ اس کے مقصد کے بالکل معارض نہیں ہے، دوسری کسی اکثری حکم کو کلیہ کی صورت میں بیان کر دیا جاتا ہے۔ مگر مراد اکثری حکم ہوتا ہے اور یہاں اس

کے اکثری ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ تیسرے یہاں جعل ماضی کا صیغہ ہے۔ جس سے گذشتہ زمانہ میں دونوں کی نفی کی گئی ہے۔ آئندہ کے لئے انکار نہیں کیا گیا جس سے شبہ کی گنجائش رہے۔

رہ گئی دوسری غلطی یعنی بیوی کو ماں کہہ دینے سے ساری عمر کے لئے وہ حرام ہو جائے۔ یہ چونکہ امور معنویہ میں سے ہے، پہلی غلطی کی طرح واضح نہیں۔ اس لئے اس کو موخر فرما دیا۔ مگر ظہار میں چونکہ صراحۃً تشبیہ ہوتی ہے جس سے حقیقی ماں اور بیوی میں فرق کھلا ہوا ہے، پس اس کی تاثیر کا کمزور ہونا بھی واضح ہوگا۔ جس پر دائمی حرمت کا ثمرہ مرتب ہونا ممکن تھا۔ اس لئے مقصد اصلی سے اس کو بھی مقدم کر کے دوسرے درجہ پر رکھ دیا۔ تیسرے نمبر پر مقصد اصلی یعنی مسئلہ تبنیت رکھا ہے۔

اور اس تدریجی ترتیب میں نکتہ یہ ہے کہ مقصود اصلی سمجھنے میں ان دو مقدموں سے مدد ملے۔ کیونکہ یہ بتلانا ہے کہ فلاں فلاں یہ دو باتیں جس طرح مشہور ہیں، مگر غلط ہیں۔ اسی طرح لے پالک کا حقیقی بیٹے کے حکم میں ہونا بھی اگرچہ مشہور ہے مگر محض غلط ہے۔

منطقی طرز استدلال: اور یا یہ کہا جائے کہ مقصود اصلی کی تقویت بطور قیاس تمثیلی کے ہے اور ان تینوں کے درمیان نسبت "مانعة الجمع" ہے کیونکہ ان سب میں ایک امر واقعی اور ایک امر غیر واقعی کے درمیان جمع نہ ہونا پایا جاتا ہے۔ چنانچہ پہلی صورت میں ایک قلب واقعی ہے اور ایک قلب غیر واقعی یعنی ادعائی ہے۔ پس یہ دونوں جمع نہیں ہوتے۔ اسی طرح دوسری صورت میں ایک طرف زوجیت واقعیہ ہے اور دوسری طرف دلیل نہ ہونے کی وجہ سے دائمی حرمت غیر واقعیہ ہے۔ پس یہاں بھی دونوں جمع نہیں ہوئے۔ اسی طرح تیسری صورت میں ایک طرف حقیقی باپ کے لحاظ سے بیٹا ہونا واقعی ہے اور دوسری طرف حقیقی باپ نہ ہونے کی وجہ سے حقیقی بیٹا ہونا غیر واقعی ہے۔ یہاں بھی دونوں جمع نہ ہوئے۔

غرضیکہ اس مانعۃ الجمع میں یہ تینوں صورتیں ہیں۔ ایک طرف یقیناً ثابت ہیں۔ پس منطقی قاعدہ سے مانعۃ الجمع میں چونکہ عین مقدم کا استثناء نقیض تالی کا نتیجہ دیا کرتا ہے اور عین تالی کا استثناء نقیض مقدم کا نتیجہ دے گا۔ اس لئے یہاں دوسری طرف یعنی حقیقی باپ نہ ہونے کے اعتبار سے بیٹے ہونے کی نفی ہو جائے گی اور یہی مدعا ہے۔

احکام اعتباریہ پر احکام نفس الامری جاری نہیں ہوا کرتے: اس کے بعد ذٰلکم قولکم بافواھکم میں ان احکام کی وجہ بتلا دی۔ جیسا کہ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ انسانی کلام دو طرح کا ہوا کرتا ہے۔ ایک وہ جو دل سے نکلے، دوسرے وہ جسے انسان محض زبان سے بک دے۔ بہتیری باتیں ایسی ہی ہیں جو محض زبان سے کہہ دینے کی ہوتی ہیں ان کی حقیقت واقع میں وہ نہیں ہوتی جو الفاظ میں ادا کی جاتی ہے۔ جیسے دوغلے اور دورخے انسان کو دومونہا یا دودلا کہہ دینا یا مستقل مزاج اور قوی دل آدمی کو دو دل والا کہنا۔ حالانکہ سینہ چیر کر دیکھا جائے تو ایک ہی دل نکلے گا۔ اسی طرح ماں کے سوا کسی کو تعظیم کے لحاظ سے یا کسی اور لحاظ سے ماں کہہ دینے سے یا باپ بیٹے کے علاوہ کسی اور کو باپ بیٹا کہہ دینے سے وہ نسبت حاصل نہیں ہو جائے گی جو بغیر ہمارے کہے بھی قدرت نے قائم کر رکھی ہے۔

حقیقی اور مصنوعی تعلقات گڈمڈ نہیں ہونے چاہئیں: ...... خلاصہ یہ ہے کہ حقیقی اور مصنوعی تعلقات کو خلط ملط نہیں کر دینا چاہئے۔ قرآن کریم نے ایسی زبانی جمع خرچ کے موقعہ پر ایسے ہی الفاظ استعمال کئے ہیں۔ جیسے یہاں ذالکم قولکم الخ فرمایا۔ چنانچہ حضرت مسیحؑ کی نسبت عیسائیوں کے عقیدہ ابنیت کے بارے میں فرمایا "ذالکم قولکم بافواھکم" یہاں بھی عرب جاہلیت کی گھریلو زندگی کی دو ریت رسموں کا ذکر ہے۔

ایک یہ کہ لے پالک کو حقیقی اور نسبی بیٹے کی طرح سمجھنے لگے اور اس کی طلاق پائی ہوئی بیوی سے نکاح کرنے کو ایسا ہی برا جانتے جیسے اپنی سگی بہو سے نکاح کرنے کو برا جانتے ہیں۔ چنانچہ ہندو اور کیتھولک فرقوں میں آج تک لے پالک کو اتنی ہی اہمیت دی جاتی ہے۔ اسلام نے آکر اس رسم پر ضرب کاری لگائی۔

دوسرا رواج یہ تھا کہ بیوی کو اشارہ کنایہ میں ماں کہہ دیتے تو پھر اسے اپنے نکاح سے خارج سمجھنے لگے۔ اور اس کے حقوق زوجیت ذرا بھی ادا نہ کرتے۔ لیکن اسی کے ساتھ اسے اپنے سے علیحدہ بھی نہ کرتے اور اسے دوسری جگہ نکاح نہ کرنے دیتے۔ وہ بدستور پہلے ہی شوہر سے بندھی رہتی۔ گویا ایک ہی وقت میں وہ مطلقہ بھی ہوتی اور معلقہ بھی۔ اسلام نے اس ظالمانہ دستور کا بھی خاتمہ کر دیا اور بتلایا کہ اس قسم کے فقروں سے کوئی بیوی ماں نہیں بن جاتی۔ ظہار کا تفصیلی بیان سورۂ مجادلہ میں آئے گا۔

دو شبہوں کا جواب: ان دونوں مسئلوں پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ اگر ظہار کرنا اور متبنیٰ بنانا امر واقعی نہیں ہے تو پھر کفارۂ ظہار کیسے رکھا گیا ہے۔ اسی طرح فقہ حنفی کی رو سے اپنے غلام کو بیٹا کہہ دینے سے وہ آزاد کیوں ہو جاتا۔ یہ واقعی احکام، امر غیر واقعی پر کیوں مرتب ہوتے ہیں۔ پھر یہ افواہی کہاں رہے؟ جواب یہ ہے کہ دراصل ظہار کا کفارہ اس بری بات کے کہنے کی سزا ہے کہ تم نے کلام میں اس درجہ بے احتیاطی کیوں کی۔ اس لئے اس کی سرزنش کے لئے واقعی حرمت کی سزا دے دی۔ تاکہ آئندہ تم بول چال میں احتیاط رکھو اور جومنہ میں آئے نہ بک دو۔ اس میں دائمی حرمت کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اسی طرح غلام کو بیٹا کہنے میں قول تو موجود واقعی ہے مگر معنی مجازی آزاد کرنے میں استعمال کیا گیا ہے اور مجازی لفظ سے آزادی کا ہو جانا ایک امر واقعی ہے جو صحیح دلیل سے ثابت ہے۔

پس امر واقعی کا ترتب امر واقعی پر ہوا۔ یہ نہیں کہ ایک غیر واقعی امر پر۔ دوسرا غیر واقعی امر مرتب ہو گیا ہے برخلاف دعویٰ جاہلیت کے کہ اس کی بنیاد حقیقی وجود کے اعتبار سے تو یقیناً غلط ہے اور وجود حکمی یعنی تاثیر کسی صحیح دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ اس لئے حکم واقعی کا ترتب امر غیر واقعی پر لازم آیا جو با قاعدہ مذکورہ صحیح نہیں۔

صحیح نسبتوں کا تحفظ ضروری ہے: **ادعوھم لاباءھم** یعنی ٹھیک انصاف کی بات یہی ہے کہ ہر شخص کی نسبت اس کے باپ کی طرف کی جائے۔ لے پالک بنالینے سے حقیقی باپ نہیں بن جاتا۔ غرضیکہ نسبی تعلقات اور ان کے احکام میں اشتباہ اور التباس نہیں ہونا چاہیے۔ یوں شفقت ومحبت سے کوئی کسی کو بیٹا یا باپ کہہ کر پکارلے یا کسی کو فرزندی میں لے کر بغیر کسی کی حق تلفی کے جائیداد بھی حوالہ کر دے تو وہ دوسری بات ہے۔ البتہ اگر جاہلیت کا اعتقاد نہ رکھتے ہوئے بھی کوئی یہ سمجھ کر کہ اس سے جاہلیت کی ترویج ہوگی اسی کو بیٹا کہے، تب بھی قصداً کہنا جائز نہیں ہوگا۔ ہاں پرانی عادت کے مطابق یا سبقت لسانی سے کسی کے منہ سے نکل جائے تو وہ اخطاتم میں داخل ہو کر معاف ہے۔

ابتداء اسلام میں جب آنحضرت ﷺ نے زیدؓ بن حارثہ کو متبنیٰ بنالیا تو دستور کے مطابق لوگ انہیں زید بن محمد کہہ کر پکارنے لگے۔ مگر جب یہ آیت نازل ہوئی تو پھر سب زید بن حارثہ کہنے لگے اور بالفرض اگر کسی کا باپ معلوم نہ ہو تو پھر انسانی یا دینی ناطہ سے وہ تمہارا بھائی ہے۔ بھائی کہہ کر پکارنا چاہئے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے بھی زید بن حارثہؓ کو "انت اخونا و مولانا" فرمایا۔

دو فقہی مسئلے: فقہاء نے **فان لم تعلموا اٰباءھم** کے اقتضاء النص سے یہ مسئلہ بھی استنباط کیا ہے کہ جو چھوٹا بچہ اگر پڑا ملے یا دارالاسلام میں قید ہو کر آجائے تو وہ مومن سمجھا جائے گا۔ اسی طرح فقہائے مفسرین نے **ولکن ماتعمدت قلوبکم** کے ذیل میں کہا ہے کہ نامحرم سے گفتگو میں فاسد نیت رکھنا یا اسکے تصور سے لذت اندوز ہونا داخل معصیت ہے۔

مسلمانوں کے ایمان کی کرنیں آفتاب نبوت سے نکل رہی ہیں: آفتاب نبوت سے نور ایمان کی جو کرنیں نکلتی ہیں۔ مومنین کا نور ایمان اسی کی ایک شعاع ہے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ایک مسلمان کا ایمانی وجود اپنے منبع اور مخزن سے وابستہ ہے اور جس طرح آفتاب حسی طور پر اپنے نور سے بہ نسبت دھوپ کے نور کے زیادہ نزدیک ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کا وجود مسعود بہ نسبت ہمارے وجود کے زیادہ قریب ہے۔ یا جس طرح بیٹے کا حسی وجود باپ کے وجود کا پرتو ہوتا ہے اور بیٹے کا جسم باپ کے جسم سے نکلتا ہے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ باپ کا وجود بیٹے سے بہ نسبت خود بیٹے کے وجود کے اقرب ہے۔

اسی طرح کہنا چاہئے کہ نبی کا ایمانی وجود اصل ہے اور امت کا ایمانی وجود اس کا ظل ہے اور اس سے نکلا ہوا ہے۔ نبی روحانی باپ اور امت روحانی اولاد ہے۔ پس نبی کا روحانی وجود امت کے اپنے وجود سے بھی نزدیک تر ہے۔ باپ کا تعلق طبعی اگر ساری دنیا سے بڑھ کر ہے اور اس کی مادی شفقت سب سے بڑھ کر ہونے کی وجہ سے اس کا حق تعظیم و تربیت بھی سب سے بڑھ کر ہے۔

اسی طرح حدیث ابوداؤد **انما انا لکم بمنزلة الوالد** کی رو سے آنحضرت ﷺ کی شفقت و محبت بھی ساری دنیا سے بڑھ چڑھ کر ہونے کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ تعظیم واطاعت کی مستحق ہے۔

آنحضرت ﷺ کی روحانیت کبریٰ ہی مربی ہے: باپ کے ذریعہ اگر اللہ نے ہمیں عارضی حیات عطا فرمائی تو آنحضرت ﷺ کی روحانیت کبریٰ کی بدولت ہمیں جاودانی زندگانی عطا ہوئی ہے۔ اس لئے آپ کا تعلق سب تعلقات سے اونچا ہے خود ہمارے اپنے نفس کو بھی ہم سے وہ ہمدردی نہیں جو آنحضرت ﷺ کو ہماری خیر خواہی اور خیر اندیشی مطلوب ہے۔ کیونکہ نفس دو حال سے خالی نہیں۔ نفس یا برا ہو گا جسے نفس امارہ بالسوء کہنا چاہئے اور یا نفس اچھا ہو گا جسے نفس مطمئنہ کہنا چاہئے۔ جہاں تک نفس امارہ کا تعلق ہے ظاہر ہے وہ کسی درجہ میں بھی خیر خواہ نہیں ہے۔ اس لئے اس کے حق کا بھی کوئی سوال نہیں۔ البتہ نفس مطمئنہ بلاشبہ ہمدرد ہے۔ مگر اس کا علم ناقص و ناتمام ہونے کی وجہ سے بہت سی باتیں اس پر مخفی رہ سکتی ہیں۔ اس لئے وہ خیر سگالی کرنا بھی چاہے تو کس طرح کرے، مجبور ہے۔ لہذا اس کے مشورے ناقابل اعتماد ہیں۔ برخلاف آنحضرت ﷺ کے، وہ اللہ کے نائب اور علم میں بھی نائب ہیں اور شفقت و رحمت میں بھی نائب ہیں۔ ان کا علم مکمل ہے تو ان کی خیر خواہی بھی اکمل ہے۔ اسی لئے ہمیں اپنے جان و مال میں تصرف کا اتنا حق نہیں جتنا کہ پیغمبر کو ہے۔ نبی کا جتنا تصرف چلتا ہے۔ اتنا کسی کا نہیں چلتا۔ یہی وجہ ہے کہ دہکتی ہوئی آگ میں اپنی جان ڈال دینا یا کسی اور طریقہ سے خود کو ہلاک کر دینا خودکشی اور حرام ہے۔ لیکن پیغمبر کے حکم سے جان و مال دے ڈالنا فرض ہو جاتا ہے۔ انہی حقائق کے پیش نظر آپ نے ارشاد فرمایا۔ **لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین.**

ازواج مطہراتؓ مسلمانوں کی مائیں ہیں: ...... اور آنحضرت ﷺ چونکہ روحانی اور معنوی باپ ہیں، اس لئے آپ کی تمام بیویاں تمام مسلمانوں کی روحانی مائیں سمجھی جائیں گی۔ اسی وجہ سے **ازواجہ امھاتکم** میں ان کو امہات المومنین فرمایا گیا ہے اور تعظیم کی ایک نوع ان سے نکاح کا حرام ہونا بھی ہے۔ اس لئے **لاتنکحوا ازواجہ من بعدہ ابداً** فرمایا گیا اور چونکہ نکاح کا احتمال مردوں ہی سے ہو سکتا ہے قابلیت نکاح کی وجہ سے، لیکن عورتوں میں عورتوں سے نکاح کی قابلیت ہی نہیں۔ اس لئے حضرت عائشہؓ کے الفاظ **انا ام رجالکم لا ام نسائکم** اسی تخصیص کی طرف اشارہ ہے ورنہ جہاں تک نفس تعظیم کا تعلق ہے اس میں مسلمان مرد اور عورت سب برابر ہیں۔ ازواج مطہراتؓ جس طرح امہات المومنین ہیں، وہ امہات المومنات بھی ہیں۔ جس کی طرف حضرت ام سلمہؓ

کے الفاظ انا ام الرجال منکم والنساء منیر ہیں اور معنوی روحانی باپ ہونے میں چونکہ سارے انبیاء شریک ہیں۔ اسی لئے مجاہدؒ سے منقول ہے "کل نبی اب لامته" حضرت لوط علیہ السلام نے بھی اسی بنیاد پر ھولاء بناتی فرمایا تھا۔ البتہ اس اصل کی فرع تمام انبیاء علیہم السلام کی بیویوں کا حکم بھی امہات المومنین جیسا ہے کہ ان سے بھی نکاح حرام ہے۔ اس کی نفی یا اثبات سے متعلق کوئی قطعی یا کافی دلیل کا علم نہیں۔ لبتہ علامہ آلوسیؒ نے مواہب مدنیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔ رہی یہ بات کہ ازواج مطہرات جب امہات المومنین ہیں تو ان سے پردہ نہیں ہونا چاہئے، بلکہ بے پردگی اور ان کی طرف نظر کرنے اور ان سے خلوت وتنہائی کی اجازت ہونی چاہئے۔

جواب یہ ہے کہ اصل حکم تو تعظیم کا ہے اور بے پردگی کا تعظیم سے کوئی تعلق نہیں؟ بلکہ کہنا چاہئے کہ پردہ کا ایک گونہ تعظیم سے تعلق ہے۔ اس لئے حجاب کا حکم بدستور رہا۔ باقی خلوت یا نظر یا مس کرنا۔ سو چونکہ ازواج مطہرات حقیقی مائیں نہیں ہیں، اس لئے ان کا جواز بھی ثابت نہیں ہوگا۔

حقیقی اور مجازی ماؤں کے احکام کا فرق: ...... خاص تعظیم اور اس کی ایک فرع حرمت نکاح کے اعتبار سے مجازاً انہیں ماں کہا گیا ہے۔ چنانچہ آیت "انما المومنون اخوۃ" میں بھی حقیقی بھائی بندی مراد نہیں۔ بلکہ بطور استعارہ ایمانی رشتہ کے لحاظ سے بھائی بندی مقصود ہے۔ اس لئے اس ناطہ سے میراث کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔ ہاں! ایمان وہجرت کے تعلق سے بعض مصالح وقتیہ کی رو سے ایک خاص وقت تک میراث کا حکم رہا۔ لیکن اب مصالح بدل جانے سے وہ حکم بھی منسوخ ہوگیا ہے۔ آیت "واولوا الارحام الخ" میں اسی مشہور واقعہ ہجرت کی طرف اشارہ ہے۔ جس کی وجہ سے عارضی طور پر مہاجرین کو انصار کے ساتھ شریک میراث کردیا گیا تھا، جنہوں نے اپنے وطن کو چھوڑا، بھائی بندوں سے ٹوٹے اور پردیسی یا شرنارتھی بن کر مکہ سے مدینہ آرہے تو آنحضرت ﷺ نے ان تارکین وطن اور مدنی مسلمانوں کے درمیان مواخات اور بھائی چارہ کرادیا۔ اس میں باہمی میراث کا تعلق بھی قائم ہوا۔ مگر بعد میں جب آنے والے مہاجرین کے انصار سے رشتے ناطے ہوگئے۔ تب فرمایا کہ قدرتی رشتہ ناطہ اس بھائی چارہ سے بھی مقدم ہے۔ اب میراث وغیرہ رشتہ ناطہ کے مطابق تقسیم ہوا کرے گی۔ کتاب یعنی قرآن کریم میں یہ حکم ہمیشہ کے لئے جاری ہوگیا یا تورات میں بھی یہی حکم ہوگا یا کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ یعنی اس عارضی مصلحت کے بعد یہ وقتی اور ہنگامی حکم بھی ختم ہوگیا اور اصلی حکم لوح محفوظ کا نافذ اور جاری ہوگیا۔

انبیاءؑ اور صادقین سے عہد وپیمان: ...... واذاخذ۔ انبیاء علیہم السلام سے عہد ومیثاق کا حاصل یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کی تائید وتصدیق کریں اور دین کے قائم کرنے اور پیغام حق پہنچانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھیں گے۔ اور چونکہ سارے نبیوں کا مشن ایک ہی رہا ہے اس لئے ایک کی تصدیق وتکذیب دوسرے کی تصدیق تکذیب کو مستلزم ہوتی ہے اور چونکہ جانوں سے زیدہ حق ان کا تسلیم کیا گیا ہے اس لئے ان کی ذمہ داری بھی سب سے زیدہ سمجھی گئی۔ یہ پانچ پیغمبر اولوالعزم ہیں۔ جن کے اثرات ہزاروں سال دنیا میں پھیلتے رہے اور رہتی دنیا تک رہیں گے۔ بالخصوص آنحضرت ﷺ جن کا ظہور اگرچہ سب سے آخر میں ہوا۔ مگر عالم بالا میں تجویز نبوت کے اعتبار سے اور عالم دنیا میں شرف مجد کے اعتبار سے سب سے مقدم ہیں۔

پس جس طرح انبیاء کرام نے ایفائے عہد فرمایا، اسی طرح ان کے پیروکار صادقین سے بھی پوچھ گچھ ہوگی کہ انہوں نے پیغمبروں کی ہدایات پہنچائیں تا کہ سچوں کا سچائی پر رہنا ظاہر ہو اور انہیں انعامات سے نوازا جائے اور مخالفین اپنے کیفر کردار کو پہنچیں۔

لطائفِ سلوک: یـا ایهـا النبی اتق الله اس آیت میں تقویٰ کی عظمت شان معلوم ہوئی۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے دشمنوں کی اطاعت نہ کرنے کا چونکہ حکم ہے اور اطاعت وصحبت دونوں لازم وملزوم ہیں۔ پس ان کی صحبت سے بھی ممانعت ہوگئی۔

واتبـع مـا یـوحی سے معلوم ہوا کہ کامل سے بھی کسی وقت تکلیفات شرعیہ معاف نہیں ہوتیں۔ ہروقت دوسروں کی طرح وہ بھی مکلّف رہتا ہے۔

مـاجـعل الله لرجل اس میں اس قول کی اصل نکلتی ہے کہ نفس ایک آن دوطرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اس اصول پر بہت سی فروع بھی معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ وسوسہ کا ایک علاج یہ ہے کہ ذکر کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اس طرح وسوسہ سے دھیان ہٹ جائے گا۔ نیز اس شخص کا جھوٹا ہونا بھی اس سے واضح ہو جاتا ہے جو تسبیح بھی پھراتا جاتا ہے اور باتیں بھی کرتا رہتا ہے اور دعویٰ یہ ہے کہ میں ذکر اللہ میں مشغول ہوں۔

فاخوانکم في الدين. اس سے سگے بھائیوں کی طرح پیر بھائیوں کے اور حقیقی باپ کی طرح پیر کے حقوق ثابت ہو رہے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ مِنَ الْكُفَّارِ مُتَحَزِّبُوْنَ اَيَّامَ حَفْرِ الْخَنْدَقِ **فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا** مَلَائِكَةً **وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ** بِالتَّاءِ مِنْ حَفْرِ الْخَنْدَقِ وَبِالْيَاءِ مِنْ تَحْزِيْبِ الْمُشْرِكِيْنَ **بَصِيْرًا ﴿۹﴾ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ** مِنْ اَعْلَى الْوَادِيْ وَاَسْفَلِهٖ مِنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ **وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ** مَالَتْ عَنْ كُلِّ شَيْءٍ اِلٰى عَدُوِّهَا مِنْ كُلِّ جَانِبٍ **وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ** جَمْعُ حَنْجَرَةٍ وَهِيَ مُنْتَهَى الْحُلْقُوْمِ مِنْ شِدَّةِ الْخَوْفِ **وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿۱۰﴾** الْمُخْتَلِفَةَ بِالنَّصْرِ وَالْيَاْسِ **هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ** اُخْتُبِرُوْا لِيَتَبَيَّنَ الْمُخْلِصُ مِنْ غَيْرِهٖ **وَزُلْزِلُوْا** حُرِّكُوْا **زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۱۱﴾** مِنْ شِدَّةِ الْفَزَعِ **وَ** اذْكُرْ **اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ** ضُعْفُ اعْتِقَادٍ **مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ** بِالنَّصْرِ **اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾** بَاطِلًا **وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ** اَيِ الْمُنَافِقِيْنَ **يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ** هِيَ اَرْضُ الْمَدِيْنَةِ وَلَمْ تَنْصَرِفْ لِلْعَلَمِيَّةِ وَوَزْنِ الْفِعْلِ **لَا مُقَامَ لَكُمْ** بِضَمِّ الْمِيْمِ وَفَتْحِهَا اَيْ لَا اِقَامَةَ وَلَا مَكَانَةَ **فَارْجِعُوْا** اِلٰى مَنَازِلِكُمْ مِنَ الْمَدِيْنَةِ وَكَانُوْا خَرَجُوْا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى سَلْعٍ جَبَلٍ خَارِجَ الْمَدِيْنَةِ لِلْقِتَالِ **وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ** فِي الرُّجُوْعِ **يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ** غَيْرُ حَصِيْنَةٍ نَخْشٰى عَلَيْهَا قَالَ تَعَالٰى **وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾** مِنَ الْقِتَالِ **وَلَوْ دُخِلَتْ** اَيِ الْمَدِيْنَةُ **عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا** نَوَاحِيْهَا **ثُمَّ سُئِلُوا** اَيْ سَاَلَهُمُ الدَّاخِلُوْنَ **الْفِتْنَةَ** الشِّرْكَ **لَاٰتَوْهَا** بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ اَيْ اَعْطَوْهَا وَفَعَلُوْهَا **وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَاۤ اِلَّا**

يَسِيرًا ﴿۱۴﴾ **وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۚ وَكَانَ عَهْدُ اللهِ مَسْئُوْلًا** ﴿۱۵﴾ عَنِ الوفاء به **قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا** اِنْ فَرَرْتُمْ **لَّا تُمَتَّعُوْنَ** فِي الدُّنْيَا بَعْدَ فِرَارِكُمْ **اِلَّا قَلِيْلًا** ﴿۱۶﴾ بَقِيَّةَ آجَالِكُمْ **قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ** يُجِيْرُكُمْ **مِّنَ اللهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا** هَلَاكًا اَوْ هَزِيْمَةً **اَوْ** يُصِيْبُكُمْ بِسُوْءٍ اِنْ **اَرَادَ** اللهُ **بِكُمْ رَحْمَةً ۚ** خَيْرًا **وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللهِ** اَيْ غَيْرِهِ **وَلِيًّا** يَنْفَعُهُمْ **وَّلَا نَصِيْرًا** ﴿۱۷﴾ يَدْفَعُ الضَّرَّ عَنْهُمْ **قَدْ يَعْلَمُ اللهُ الْمُعَوِّقِيْنَ** الْمُثَبِّطِيْنَ **مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ** تَعَالَوْا **اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ** الْقِتَالَ **اِلَّا قَلِيْلًا** ﴿۱۸﴾ رِيَاءً وَسُمْعَةً **اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۖ** بِالْمُعَاوَنَةِ جَمْعُ شَحِيْحٍ وَهُوَ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ يَاْتُوْنَ **فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ** كَنَظَرِ اَوْ كَدَوَرَانِ الَّذِيْ **يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ** اَيْ سَكَرَاتِهِ **فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ** وَحِيْزَتِ الْغَنَائِمُ **سَلَقُوْكُمْ** اٰذَوْكُمْ وَضَرَبُوْكُمْ **بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۚ** اَيِ الْغَنِيْمَةِ يَطْلُبُوْنَهَا **اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا** حَقِيْقَةً **فَاَحْبَطَ اللهُ اَعْمَالَهُمْ ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ** الْاِحْبَاطُ **عَلَى اللهِ يَسِيْرًا** ﴿۱۹﴾ بِاِرَادَتِهِ **يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ** مِنَ الْكُفَّارِ **لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ** اِلٰى مَكَّةَ لِخَوْفِهِمْ مِنْهُمْ **وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ** كَرَّةً اُخْرٰى **يَوَدُّوْا** يَتَمَنَّوْا **لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ** اَيْ كَائِنُوْنَ فِي الْبَادِيَةِ **يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ۚ** اَخْبَارِكُمْ مَعَ الْكُفَّارِ **وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ** هٰذِهِ الْكَرَّةَ **مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا** ﴿۲۰﴾ رِيَاءً وَخَوْفًا مِنَ التَّعْيِيْرِ

ع ۱۲ ۱۸

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے تھے (کفار کے بہت سے جتھے خندق کھودنے کے موقعہ پر) پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایسی فوج (فرشتوں کی) بھیجی جو تمہیں دکھائی نہ دیتی تھی اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں (تا کے ساتھ ہے یعنی خندق کا کھودنا اور یا کے ساتھ مشرکین کی توڑ پھوڑ) دیکھ رہے تھے۔ جب کہ وہ لوگ تم پر چڑھ آئے تھے اوپر کی طرف سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی (مشرقی سمت کے اعلیٰ حصہ سے اور مغربی سمت کے نچلے حصہ سے) اور جب کہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں (ہر طرف سے ہٹ کر دشمن پر لگ رہی تھی جو ہر جانب سے حملہ آور تھا) اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے (خوف کے مارے۔ حناجر، حنجرۃ کی جمع ہے نرخرے کو کہتے ہیں) اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے (مدد آنے اور مایوسی کے مختلف گمان) اس موقعہ پر مسلمانوں کا پورا امتحان لیا گیا (ان کی پوری آزمائش کی گئی تا کہ مخلص غیر مخلص سے نمایاں ہو جائیں) اور انہیں خوب جھڑ جھڑا دیا گیا (سخت خوف کے مارے حرکت میں آ گئے) اور (یاد کیجئے) جب کہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ (اعتقادی کمزوری) ہے کہہ رہے تھے کہ ہم سے اللہ اور رسول نے (مدد کے متعلق) دھوکہ (جھوٹ) کا وعدہ کر رکھا ہے اور جب کہ ان میں سے بعض لوگوں (منافقین) نے کہا اے یثرب کے لوگو! (یہ مدینہ یثرب علمیت اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہے) تمہارے ٹھہرنے کا موقعہ نہیں (مقام میم کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ یعنی نہ ٹھہرنا ہے اور نہ اس کی جگہ ہے) سو لوٹ چلو (مدینہ اپنے اپنے

گھر اور یہ منافقین مدینہ سے باہر سلع پہاڑ تک آنحضرت ﷺ کے ساتھ میدان جنگ میں جانے کے لئے آئے تھے) اور ان میں سے بعض لوگ پیغمبر سے (واپسی کی) اجازت مانگتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ ہمارے گھر محفوظ نہیں ہیں (کھلے پڑے ہیں ہمیں ان کا خطرہ ہے۔ ارشاد فرمایا گیا) حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں ہیں۔ یہ محض (جنگ سے) بھاگنا ہی چاہتے تھے اور اگر آ گھسے (مدینہ میں) ان پر آس پاس سے (مدینہ کے اردگرد سے) پھر ان سے فساد (شرک) کی درخواست (یعنی آنے والے ان سے استدعا کریں) تو اسے منظور کریں گے (یہ لفظ مد کے ساتھ اور بغیر مد کے ہے۔ یعنی ان کی خواہش پوری کرتے ہوئے شریک فتنہ ہوجائیں گے) اور اپنے ان گھروں میں برائے نام ہی ٹھہریں۔ حالانکہ یہی لوگ (پیشتر) اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ سے جو عہد کیا جاتا ہے اس کی (پورا کرنے کے متعلق) بازپرس ہوگی۔ آپ فرمادیجئے تمہیں بھاگنا کچھ بھی نفع نہیں دے سکتا۔ اگر تم مرنے سے یا قتل ہونے سے بھاگتے ہو اور اس حالت میں (اگر تم بھاگے) تو کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے (بھاگنے کے بعد دنیا میں) مگر چند روزہ (باقی زندگی) آپ کہہ دیجئے وہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکے (پناہ دے کر)، اگر اللہ تمہارے ساتھ برائی کرنا چاہے (ہلاک کرکے یا شکست دے کر) یا (وہ کون ہے جو تمہیں مصیبت میں ڈال سکے اگر) تم پر فضل (مہربانی) کرنا چاہے اور وہ لوگ اللہ کے سوا کسی کو اپنا حمایتی (نفع بخش) نہ پائیں گے اور نہ کوئی مددگار (جو ان سے نقصان ہٹا سکے) اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو رکاوٹ بنتے ہیں (ٹال مٹول کرتے رہتے ہیں) اور جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آ جاؤ (بھاگ آؤ) اور یہ لوگ لڑائی (جنگ) میں نام ہی کو آتے ہیں (ریاکاری اور شہرت کی نیت سے) تمہارے حق میں بخیلی لئے ہوئے (امداد کے لحاظ سے، اشحة جمع ہے شحیح کی اور ترکیب میں یہ ضمیر یاتون سے حال ہے) پھر جب کوئی خطرہ پیش آتا ہے تو ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرائی جاتی ہیں (دیکھنا یا گھمانا اس شخص کا) کہ اس پر موت کی بے ہوشی طاری ہو (یعنی سکرات شروع ہوگئی ہو) پھر وہ خطرہ جب ٹل جاتا ہے (اور مال غنیمت جمع ہونے لگتا ہے) تو تمہیں تیز تیز زبانوں سے طعنے دیتے ہیں (ستانے اور مارنے کی صورت میں) مال پر ریجھتے ہوئے (مال غنیمت کی تلاش میں رہتے ہیں) یہ لوگ ایمان ہی نہیں لائے (فی الحقیقت) چنانچہ اللہ نے ان کے اعمال بیکار کر رکھے ہیں اور یہ (بیکار کردینا) اللہ کی (ارادہ کے) لئے بالکل آسان ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ لشکر (کفار) گئے نہیں ہیں (کہ لوٹ کر انہیں ان سے خطرہ ہے) اور یہ لشکر اگر آ پڑیں (دوبارہ حملہ کرکے) تو یہ لوگ یہی چاہیں گے (تمنا کریں گے) کاش! یہ دیہات میں باہر رہتے (یعنی جنگل میں بسے ہوتے) تمہاری خبریں پوچھتے رہتے، (تمہارے اور کفار کے حالات) اور اگر تم میں ہی رہیں (اس حملہ میں) تو کچھ یوں ہی سا لڑیں (دکھاوے کے لئے اور عار کے خطرہ سے)۔

تحقیق وترکیب: جنود قریش، غطفان، یہود قریظہ، بنی نضیر کے قبائل مراد ہیں جو غزوۂ احزاب یا غزوۂ خندق میں چاروں طرف سے مسلمانوں پر چڑھ آئے۔

جنود الم تروھا سے فرشتوں کا لشکر مراد ہے۔ اذ پہلے اذ سے بدل ہے۔

من فوقکم مشرق ومغرب، اعلیٰ و اسفل سے علی الترتیب بدل ہیں۔

زاغت. راغ البصر، نگاہ کا خیرہ ہوجانا، پتھرا جانا۔

بلغت القلوب. یہ تو حقیقۃً غصہ کے وقت دل مدافعت کے لئے اوپر کو اچھلتا ہے اور خوف کے وقت نرخرہ اور گلے کی طرف نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس سے بعض دفعہ سانس بھی رک جاتا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ شدت خوف، گھبراہٹ اور انتہائی غم میں پھیپھڑا پھول جاتا ہے اور گلے کی طرف ابھر آتا ہے اور اسی کے ساتھ دل بھی پھول کر اوپر ابھر آتا ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ مجاز امبالغہ پر محمول کیا جائے۔

حناجرة. سانس کی نالی یا کھانے کی نالی کو کہتے ہیں۔

الظنونا. نافع، ابن عامر، ابوبکر نے بعد میں الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ جیسا کہ **اطعنا** اور **اضلونا** کے آخر میں بھی الف ہے۔ کیونکہ یہ تینوں الفاظ مصحف عثمانی میں اسی طرح لکھے ہوئے ہیں۔ نیز یہ الف ہائے سکتہ کے مشابہ ہے۔ اس لئے وقف اور وصل دونوں حالتوں میں الف برقرار رہے اور ابو عمرؒ نے وقف اور وصل دونوں میں بغیر الف کے پڑھا ہے۔ کیونکہ الف لانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ رہا قوافی کے لئے فواصل کی رعایت کی وجہ سے الف لانا۔ سو قافیہ میں وقف ضروری ہوتا ہے اور فواصل آیت پر وقف ضروری نہیں ہے۔ اس لئے دونوں کا حکم بھی ایک نہیں ہوگا اور بعض نے حالت وقف میں الف کے ساتھ اور حالت وصل میں حذف الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ قافیہ اور ہائے سکتہ پر قیاس کرتے ہوئے کیونکہ وقف میں یہ دونوں باقی اور وصل میں حذف ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کو نصرت کا اور منافقین کو مایوسی کا گمان رہتا ہے۔

هنالك. یہ ظرف مکان ظرف زمان کے معنی میں ہے۔

طائفة منهم. اوس بن قیظی اور اس کے رفقاء منافقین مراد ہیں۔

يثرب. ثرب بمعنی ملامت مدینہ کا نام ہے۔ حدیث میں یہ نام ناپسند کیا گیا ہے۔ آیت میں یہ لفظ ممانعت سے پہلے آیا ہوگا۔

مقام. حفصؒ نے ضمہ میم کے ساتھ اور باقی قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ مصدر یا ظرف ہے۔

فريق منهم. بنو حارثہ اور بنو سلمہ منافقین مراد ہیں۔

عورة. لغت میں خلل کے معنی ہیں۔ فلاں **يحفظ عورته** عمارت کے ٹوٹ پھوٹ سے حفاظت کرنا۔ شرمگاہ کو بھی کہتے ہیں۔ مصدر مبالغہ کے لئے ہے۔

دخلت. **دخلت على داره** کہا جاتا ہے۔ فاعل حذف کرنے میں یہ اشارہ کرنا ہے کہ حملہ آور اور دوسرے سب حکم میں برابر ہیں۔

وما تلبثوبها. ضمیر مجرور بیوت کی طرف راجع ہے۔

اوارادبكم. تقدیر عبارت **يصيبكم** نکال کر اشارہ حذف کی طرف ہے جو اختصاراً کیا گیا ہے۔ جیسے کہا جائے کہ **متقلد السف ورمحاً اى وحامل رمح.** اور بعض نے تقدیر عبارت اس طرح نکالی ہے "**من يمنع الله من ان يرحمكم**" کیونکہ عصمت میں منع کے معنی ہیں۔

اشحة عليكم. قاموس میں ہے کہ با اور علی دونوں سے متعدی ہوتا ہے "**الشح على الشئ**" کے معنی کسی چیز کو باقی رکھنے کے ہیں۔ مگر خفاجی نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ بہر حال اگر قاموس کی تحقیق صحیح ہے تو **الشحة على مالكم** عبارت تھی۔ بعد کی عبارت **اشحة على الخير** کے قرینہ سے مضاف کو حذف کر دیا ہے۔

كالذى يغشى. اس میں دو صورتوں کی ترکیب ایسے ہو سکتی ہے۔ اول تو مصدر محذوف کی صفت ہو۔ ای **ينظرون اليك نظرا كنظر الذى يغشى عليه** اور دوسری ترکیب یہ ہے کہ وہ مصدر بھی محذوف کی صفت ہو۔ ای **تدور دورا كدوران عين الذى يغشى عيه.** یعنی دونوں جگہ دوران اور عین مضاف محذوف ہوں گے۔

سلقوكم. زبان یا ہاتھ غصہ کے مارے کھینچنا اس میں استعارہ بالکنایہ ہے۔ زبان کو تلوار سے تشبیہ دیتے ہوئے اور مشبہ بہ کو ذکر نہیں کیا۔ بلکہ اس کے لازم سلق کو ذکر کر دیا اور لازم کا اثبات استعارہ تخییلیہ اور حداد استعارہ ترشیحیہ ہے۔

ربط: آیت "النبی اولی" میں اتباع نبوی ﷺ کا حکم دیا گیا تھا۔ جن کی اطاعت، طاعت الٰہی ہے۔ آگے آیت "یاایھا الذین" سے دو واقعات کا ذکر ہے۔ ان غزوات میں سخت پریشانیوں کو دور فرما کر کامیاب و کامران فرمایا۔ تاکہ اس تذکیر نعمت سے ترغیب طاعت ہو اور اسی ذیل میں کفر کے قبائل اور منافقین کے ناشائستہ اقوال ماوعدنا اللہ لا مقام لکم ان بیوتنا عورۃ اور زبان درازی سلقوکم بالسنۃ میں بیان فرمائی ہے۔ جس سے ایذائے رسول ﷺ کی مذمت ہوتی ہے جو اہم مقاصد سورت میں سے ہے۔ تاکہ آنحضرت ﷺ کی جلالت شان، منصوریت، محبوبیت، شرف پر بھی روشنی پڑ جائے اور اجلال نبوی ﷺ کی دوسری قسم ہے اور تیسری قسم اجلال نبوی ﷺ کی کفر کا آپ کے ساتھ تعدی کر کے غضب الٰہی کو دعوت دینا ہے اور چوتھی قسم منافقین کی طرف سے ناشائستہ اقوال سے ایذاء رسول ﷺ کا مرتکب ہونا ہے۔

شان نزول: یہود بنی نضیر کو جب مدینہ سے آنحضرت ﷺ نے جلاوطن کردیا جس کی تفصیل سورۂ حشر میں انشاء اللہ آئے گی تو انہوں نے ۴ ہجری یا ۵ ہجری میں قبائل کو بہکایا۔ دس بارہ یا پندرہ ہزار جن میں چار ہزار تو قریش ہی تھے۔ تین سو سوار اور ڈیڑھ ہزار شتر سوار تھے۔ احابیش عرب بنی کنانہ، اہل تہامہ کے بہادر شریک تھے، جن کی کمان ابوسفیان کررہے تھے۔ قبیلہ غطفان، اہل نجد جن کی قیادت عیینہ بن حصین اور قبیلہ ہوازن کے عامر بن طفیل کررہے تھے۔ اور یہود قریظہ و بنو نضیر۔ غرضیکہ ایک لشکر جرار چاروں طرف سے امڈ پڑا۔ مسلمان بچوں، عورتوں کو پہاڑی ٹیلوں پر چڑھادیا گیا اور سخت خوف و ہراس پھیل گیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے آنحضرت ﷺ نے مدینہ کے گرداگرد اہم ناکوں پر خندقیں کھدوادیں۔ جن میں سے ایک خندق ساڑھے تین میل لمبی تھی اور تین ہزار مسلمانوں کی جمعیت سے آنحضرت ﷺ مدمقابل اور صف آراء ہوئے۔ کچھ معمولی سی جھڑپیں بھی ہوتی رہیں۔ تیر اور پتھر برسائے گئے۔ مگر باقاعدہ جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ ایک مہینہ تک یہ محاصرہ جاری رہا۔ آخر حق تعالیٰ نے غیب سے مسلمانوں کی نصرت فرمائی۔ ظاہری اسباب میں ایک تیز و تند برفانی اور طوفانی ہوا چلی۔ سردی سے لوگ بری طرح ٹھٹھر گئے اور گرد و غبار لوگوں کی آنکھوں میں گھس گیا۔ خیمے اکھڑ گئے۔ آگ وغیرہ سب بجھ گئی۔ روشنی کا سامان ناکارہ ہوگیا۔ گھوڑے بدک کر بھاگ کھڑے ہوئے اور باطنی سبب نصرت یہ ہوا کہ ایک ہزار فرشتوں کی تازہ کمک بھیجی گئی۔ جنہوں نے مسلمانوں کے دلوں کو تقویت بخشی اور دشمن پر ہیبت مسلط کردی۔ طلیحہ بن خویلد اسدی پکار اٹھا۔ اما محمد فقد اداکم بالسحر فالنجا النجا اس لئے دشمن کو بری طرح شکست و ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ امام بخاریؒ نے موسیٰ بن عقبہ سے نقل کیا ہے کہ شوال ۴ ہجری میں غزوۂ خندق ہوا، جسے غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں۔

چونکہ یہود بنی قریظہ نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ان کفار محاصرین کو مدد دی تھی، اس لئے آنحضرت ﷺ نے غزوۂ خندق کی مشکل سے نمٹتے ہی ان پر چڑھائی کردی۔ لشکر اسلام کو دیکھتے ہی بنو قریظہ قلعہ بند ہوگئے اور بیس پچیس روز تک محصور رہے۔ یہاں بھی باقاعدہ جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ آخر یہود تنگ آکر باہر نکل کھڑے ہوئے، کچھ مارے گئے اور کچھ گرفتار ہوئے۔

اس واقعہ میں منافقین کی بہت سی خوطہ چشمیاں ظاہر ہوئیں۔ چنانچہ معتب بن قشیر بولا۔ یعدنا محمد بفتح فارس والروم واحدنا لایقدران یتبرز فرقاً ماھذا الا وعد غرور چنانچہ اس پر آیت واذ یقول المنافقون نازل ہوئی۔ بہت سی بے تکی اور بے مروتی کی باتیں ان سے سرزد ہوئیں۔

﴿تشریح﴾: ۵ھ کی بات ہے کہ یہود بنی نضیر مدینہ سے نکالے گئے تو ہر قوم میں گھومے پھرے اور ایک ایک کو اکسایا اور ایک لشکر جرار جو پورے ساز و سامان سے لیس تھا اور طاقت کے نشہ میں چور تھا چڑھا لانے میں کامیاب ہو گئے۔ یہود بنو قریظہ جو مدینہ کے مشرقی جانب ایک مضبوط قلعہ میں آباد تھے نضیری یہود کے بھڑکانے میں وہ بھی آ گئے اور مسلمانوں سے معاہدہ کو نظر انداز کر دیا۔

حالات کی ناسازگاری مسلمانوں کے قدم ڈگمگا نہیں سکی: سخت جاڑے کا موسم تھا، غلہ کی گرانی تھی، بھوک کی وجہ سے صحابہ کرامؓ اور خود آنحضرت ﷺ پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے اوپر سے عرب نے اتنی بڑی فوج کشی کی جس کی مثال اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی۔ حضرت سلمان فارسی صحابی کے مشورے سے اسلام کے سپہ سالار اعظم نے بہ نفس نفیس گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کا دورہ کرنے کے بعد حکم دیا کہ شہر کے گرد جس جس رخ سے دشمن کا داخلہ ممکن ہو خندق کھودی جائے۔ عرب کے لئے یہ ایک نئی حکمت جنگ تھی۔ قریش س کر دنگ رہ گئے۔ مسلمان اور ان کے سپہ سالار اعظم اس سنگلاخ زمین کی کھدائی میں حیرت انگیز طاقت اور ہمت مردانہ کے ساتھ مشغول ہوئے۔ مجاہدین پتھریلی زمین پر کدال مارتے جاتے اور یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔ نحن الذین بایعوا محمدا. علی الجهاد مابقینا ابدا آپ ﷺ بھی یہ کہتے ہوئے اس رجز میں شامل ہو گئے۔ اللهم لاعیش الا عیش الاخرة فاغفر الانصار والمهاجرة.

رسول اللہ ﷺ نے خود دست مبارک میں کدال لے کر ایک پتھر پر جو ضرب لگائی تو آگ کے شرارے پیدا ہو گئے۔ اس روشنی میں آپ ﷺ کو نگاہ کشفی سے شام و یمن کے محلات دکھائے گئے اور آپ ﷺ نے اپنے رفیقوں کو بشارت دی کہ یہ سب ملک میری امت کو دے دیئے گئے ہیں اور فرمایا کہ آئندہ کفار ہم پر چڑھائی نہ کر سکیں گے۔ ہم ہی ان پر چڑھائی کیا کریں گے۔

غزوۂ خندق کا محاصرہ: غرض خندق تیار ہوئی۔ دشمن کے مقابل اسلامی لشکر نے مورچے جمالئے۔ پورے ایک مہینہ۔ فوجیں آمنے سامنے پڑے رہنے کے باوجود بیچ میں خندق آجانے کی وجہ سے باقاعدہ جنگ نہ ہو سکی۔ البتہ اکا دکا وارداتیں ہوتی رہیں اور تیر اندازی کا سلسلہ جاری رہا۔ محاصرہ نے طول کھینچا۔ شوال ختم ہو کر ذیقعدہ شروع ہونے لگا جسے عرب شہر حرام سمجھتے تھے۔ آخر سپہ سالار اسلام ہی کی حسن تدبیر سے دشمن اور ان کے حلیفوں کے درمیان بدگمانیاں اور غلط فہمیاں پھیل گئیں۔ چنانچہ نعیم ابن مسعود الاشجعی کی لطیف اور عاقلانہ تدبیر سے مشرکین اور یہود بنو قریظہ میں پھوٹ پڑ گئی۔

نصرت الٰہی نے مسلمانوں کی مدد کی: لشکر کفار غیر مرئی لشکر سے مرعوب ہو رہا تھا۔ سردار ابو سفیان بھی بددل ہو گیا کہ حکم قضا سے ایک روز طوفانی ہوا اور بارش کا زور شور ہوا اور اس کی پوری زد لشکر کفار پر پڑی۔ پروا ہوا سے ریت اور سنگریزے آنکھوں میں گھس گئے، خیمے اکھڑ گئے۔ چولہے ٹھنڈے ہو گئے، برتن لڑھک گئے، کھانے پکانے کی کوئی صورت نہ رہی، روشنیاں بجھ گئیں، گھوڑے بھاگ کھڑے ہوئے۔ لشکر پریشان ہو گیا اور ہر طرف ابتری پھیل گئی۔ آخر ابوسفیان نے جن کے ہاتھ میں اس وقت تمام کفر فوجوں کی اعلیٰ کمان تھی۔ طبل رحیل بجا دیا۔ ناچار سب بے نیل و مرام واپس چلے گئے۔

وجنودالم تروها. کا مطلب یہ ہے کہ عام طور پر فرشتے لوگوں کو نظر نہیں آتے تھے۔ البتہ بعض حضرات جیسے حضرت ابوحذیفہؓ کو زیارت ہوئی تو وہ اس کی منافی نہیں ہے۔

جنگ احزاب میں مسلمانوں کی مشکلات: اذ جاؤ کم یعنی کچھ فوجیں مدینہ کے نشیبی حصہ میں آ کر خیمہ انداز ہوگئی تھیں اور کچھ بالائی حصہ میں۔ مدینہ کی مشرقی سمت اونچی اور مغربی سمت نیچی ہے۔ جنہیں معلی اور مسفلہ کہا جاتا ہے۔ قبیلہ بنی اسد، قبیلہ غطفان معلی سے اور قریش اور بنی کنانہ کی فوجیں مسفلہ سے آ گئیں، حالات کی ناسازگاری کا حال یہ تھا کہ آنکھیں پھٹی رہ گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور لوگ طرح طرح کے خیالات میں بتلے اور ایسے ناگفتہ بہ حالات میں ایسا ہونا نہ کچھ مستبعد ہے اور نہ منافی کمال، پکے اور کمزور مسلمان تو دو دلے ہوئے رہتے تھے اور اپنی جان کی خیر منا رہے تھے۔ منافقین نے طنز واستہزاء سے کہنا شروع کر دیا کہ لیجئے، حالت تو یہ ہو رہی ہے کہ مسلمان قضاء حاجت کے لئے بھی نہیں نکل سکتے اور خواب دیکھ رہے ہیں قیصر وکسریٰ کے شاہی محلات کے۔ یہ وہ حالات کہ مومن تو عشق الٰہی سے ثابت قدم اور دامن رسول ﷺ سے وابستہ رہے، مگر منافقین دل کی باتیں بولنے لگے اور دوستی جتانے والے آنکھیں چرانے لگے۔

منافقین ہر قدم پر مسلمانوں کے لئے سوہان روح ثابت ہوئے: بعض بولے کہ اب مورچوں پر جمے رہنا صریحاً موت کے منہ میں جانا ہے۔ بعض خدمت اقدس ﷺ میں آ کر طرح طرح کے بہانے تراشنے لگے۔ کہنے لگے کہ ہم اپنے گھروں کو غیر محفوظ چھوڑ آئے ہیں۔ صرف عورتیں، بچے ہیں، چوروں، ڈاکوؤں کا ہر وقت خطرہ ہے، ایسے میں ہمیں یہاں رہنے کا ٹھکانہ کہاں؟ ایسی عام افراتفری میں اچھے اچھوں کے قدم بھی ڈگمگا جاتے ہیں۔ یہ لوگ تو پہلے ہی سے روگی تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ایسے سب لوگوں کو چلے جانے کی اجازت دے دی جو دوسروں کے پاؤں اکھڑنے کا باعث بن رہے تھے۔ صرف تین سو نفوس قدسیہ آپ کے ساتھ باقی رہ گئے تھے۔ حالانکہ یہ سب بہانے جھوٹے تھے۔ نہ گھر غیر محفوظ تھے اور نہ بیوی بچے خطرہ میں تھے۔

فرمایا کہ فرض کرو یہ لوگ شہر میں ہوں اور کوئی غنیم چڑھ آئے۔ پھر مطالبہ کرے کہ مسلمانوں سے لڑو اور فتنہ وفساد برپا کرو۔ اس وقت ان کے جھوٹ کا پول کھل جائے گا۔ فوراً ان کی آواز پر نکل کھڑے ہوں گے، نہ گھر کھلے رہنے کا کھٹکا ہوگا اور نہ لٹنے کا خطرہ۔ اسلام کے ظاہری دعویٰ سے دستبردار ہو کر فوراً فتنہ کی آگ میں کود پڑیں گے۔ حالانکہ جنگ احد کے بعد انہوں نے اقرار کیا تھا کہ پھر ہم ایسی حرکت نہیں کریں گے۔ اللہ اس کی پوچھ کریں گے کہ اب کہاں گیا وہ قول وقرار۔

ڈر اور بزدلی موت سے نہیں بچا سکتی: بات یہ ہے کہ جس کی قسمت میں موت مقدر ہے وہ کہیں بھی چلا جائے بچ نہیں سکتا۔ قضائے الٰہی ہر جگہ پہنچ کر رہے گی۔ اور موت ابھی مقدر نہیں تو کچھ بھی کر لے بال بیکا نہیں ہو سکتا۔ کیا میدان جنگ میں سب مارے جاتے ہیں اور کیا گھروں میں سب محفوظ رہتے ہیں۔ اس لئے میدان جنگ سے بھاگنے سے کیا فائدہ؟ اور فرض کرو بھاگنے سے بچاؤ ہو بھی گیا تو کتنے دن کے لئے؟ آخر موت تو آنی ہے، اب نہیں تو چند روز بعد سہی اور نہ معلوم کہ کس سختی اور ذلت سے آئے۔ اللہ کے ارادہ کو کون روک سکتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں نہ کوئی حیلہ یا تدبیر چل سکتی ہے اور نہ کوئی طاقت کارگر ہو سکتی ہے۔ دنیا کی برائی، بھلائی، سختی، نرمی یقیناً پہنچ کر رہے گی۔ پھر اس کے راستہ میں بزدلی کیوں دکھائی اور وقت پر کیوں جان چرائے۔ دنیا کی تکلیف تو بہت نہیں تھی مگر عاقبت خراب ہو جائے۔ اس لئے آدمی کو چاہئے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھے اور اسی کی مرضی کا طلبگار رہے۔

منافقین کے ڈھول کا پول کھل کر رہا: فلا یعلم اللہ یعنی اپنی کم ہمتی اور برائے نام ایمان کی بناء پر اول تو لڑائی میں شریک ہی کب ہوتے ہیں اور اگر نکل نہ مرنے کے لئے شریک بھی ہو گئے اور محض ظاہری وضعداری اور دکھلاوے کے لئے شرما

شری کبھی میدان میں آ کھڑے بھی ہوئے تو انہیں یہ گوارا ہوتا ہے کہ مال غنیمت مسلمانوں ہی کو ملے۔ یہ چاہتے ہیں کہ کسی کو کچھ نہ ملے۔ سارا مال سمیٹ کر ہم ہی لے جائیں۔ اسی لالچ میں دبے پاؤں چلے آتے ہیں۔ ورنہ گھروں میں رہ کر عیش اڑانے سے انہیں فرصت ہی کہاں۔ وہ تو پچھے مسلمانوں کو بھی روکتے رہتے ہیں اور آڑے وقت مسلمانوں کا ساتھ دینے سے جی چراتے ہیں۔ ڈر کے مارے جان نکلتی ہے۔ ہاں فتح کے بعد آ کر ڈینگیں مارتے ہیں اور مردانگی جتاتے ہیں۔ مال غنیمت لینے کی خاطر گرے پڑتے ہیں۔ مسلمانوں کو دل خراش باتیں کہنے سے بھی نہیں چوکتے۔ کہتے ہیں کہ ہماری مدد سے تمہیں فتح میسر آئی۔ حالانکہ حقیقی ایمان تو ان میں پہلے ہی نہیں تھا اور اسی لئے ان کے کسی ظاہری عمل اور طاقت کا اجر بھی نہیں۔

اللہ کی حکمت و عدل سے یہ بات اگرچہ بظاہر بعید نظر آتی ہے کہ وہ کسی کی ادنیٰ نیکی بھی ضائع کرے۔ لیکن جب اس نیکی ہی میں اندرونی طور پر ایسی خرابی چھپی ہوئی ہو جو گھن کے کیڑے کی طرح ہر وقت اسے چاٹ کر ختم کرتی رہے تو پھر وہ نیکی کہاں رہ سکتی ہے۔ ایمان نہیں تو عمل کی روح بھی نہیں اور بے روح عمل تن مردہ ہے، پھر قبولیت کہاں؟ اس لئے کافر کتنی ہی محنت کرے سب اکارت ہے۔

منافقین صرف زبان سے دعویٰ اسلام کرتے ہیں۔ حقیقۃً اسلام سے خالی ہیں۔ اسی لئے ان کی بزدلی کی یہ انتہاء ہے کہ فوج چلی گئی اور یہ اب تک اس کے ڈر سے دبے سہمے ہوئے ہیں۔ ان ڈرپوکوں کو ان کے چلے جانے کا یقین ہی نہیں آتا۔ ان میں اتنی بھی ہمت نہیں کہ ان جگر دوز معرکوں کے دیکھنے کی تاب لاسکیں۔ چاہتے ہیں کہ کہیں دور دیہات میں چلے جائیں اور وہیں دور بیٹھے آنے جانے والوں سے پوچھ لیا کریں اور بس خبریں سن لیا کریں کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے اور نقشہ جنگ کیسا ہے؟ یہ محض گفتار کے غازی ہیں اور کردار کے پاجی، چکنی چپڑی باتیں بنا کر کام نکالنا چاہتے ہیں اور عمل میں صفر۔

لطائف سلوک: مـا زاغـت الابـصـار میں صحابہ کرامؓ کی حیرت و دہشت اور اوہام و وساس کا تذکرہ ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ طبعی غیر اختیاری احوال ایمان کے تو کیا کمال ایمان کے بھی منافی نہیں ہے۔

هـنـالـك ابـتـلـى الـمـؤمـنـون. میں آزمائش کے مختلف بلیات کا پیش آجانا معلوم ہوا۔ جن میں قبض وغیرہ باطنی مکارہ بھی داخل ہیں جو صدق و یقین اور استقامت کے امتحان کے لئے ہو سکتے ہیں۔ اس لئے سالک کو ہر حال میں واجب ہے کہ صبر کرے اور طاعات پر ثابت قدم رہے، کیونکہ گاہے یہ مکارہ معارف کی ترقی کا باعث بن جاتے ہیں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ بكسر الهمزة وضمها **حَسَنَةٌ** اقتداء به في القتال والثبات في مواطنه **لِّمَنْ** بدل من لكم **كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ** يخافه **وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾** بخلاف من ليس كذلك **وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ** من الكفار **قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ** من الابتلاء والنصر **وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ** في الوعد **وَمَا زَادَهُمْ** ذلك **اِلَّآ اِيْمَانًا** تصديقا بوعد الله **وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾** لامره **مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ** من الثبات مع النبي صلى الله عليه وسلم **فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ** مات او قتل في سبيل الله **وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ** ذلك **وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾** في العهد وهم بخلاف حال المنافقين **لِيَجْزِىَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ**

الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ بِاَنْ يُمِيْتَهُمْ عَلٰى نِفَاقِهِمْ **اَوْيَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ** اِنْ شَآءَ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا** لِمَنْ تَابَ **رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾ۚ** بِهٖ **وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** اَيِ الْاَحْزَابَ **بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ** مُرَادَهُمْ مِنَ الظَّفَرِ بِالْمُؤْمِنِيْنَ **وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ** بِالرِّيْحِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ **وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا** عَلٰى اِيْجَادِ مَايُرِيْدُهٗ **عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾** غَالِبًا عَلٰى اَمْرِهٖ **وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ** اَيْ قُرَيْظَةَ **مِنْ صَيَاصِيْهِمْ** حُصُوْنِهِمْ جَمْعُ صِيْصِيَّةٍ وَهُوَ مَا يُتَحَصَّنُ بِهٖ **وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ** الْخَوْفَ **فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ** مِنْهُمْ وَهُمُ الْمُقَاتِلَةُ **وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾ۚ** مِنْهُمْ اَيِ الذَّرَارِيْ **وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۭ** بَعْدُ وَهِيَ خَيْبَرُ اُخِذَتْ بَعْدَ قُرَيْظَةَ **وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾ۧ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ** وَهُنَّ تِسْعٌ وَطَلَبْنَ مِنْهُ مِنْ زِيْنَةِ الدُّنْيَا مَالَيْسَ عِنْدَهٗ **اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ** اَيْ مُتْعَةَ الطَّلَاقِ **وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾** اُطَلِّقْكُنَّ مِنْ غَيْرِ ضِرَارٍ **وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ** اَيِ الْجَنَّةَ **فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ** بِاِرَادَةِ الْاٰخِرَةِ **اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾** اَيِ الْجَنَّةَ فَاخْتَرْنَ الْاٰخِرَةَ عَلَى الدُّنْيَا **يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ** بِفَتْحِ الْيَاءِ وَكَسْرِهَا اَيْ بُيِّنَتْ اَوْ هِيَ بَيِّنَةٌ **يُّضٰعَفْ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ يُضَعَّفْ بِالتَّشْدِيْدِ وَفِيْ اُخْرٰى نُضَعِّفْ بِالنُّوْنِ مَعَهٗ وَنَصْبِ الْعَذَابِ **لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ** ضِعْفَيْ عَذَابِ غَيْرِهِنَّ اَيْ مِثْلَيْهِ **وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾**

ترجمہ:..... تم لوگوں کے لئے رسول اللہ ﷺ کا نمونہ (لفظ اسوۃ کسرۂ ہمزہ اور ضمہ ہمزہ کے ساتھ ہے) بہترین موجود ہے (اصول جنگ میں آپ کی پیروی کرنے اور موقع محل پر ثابت قدمی دکھلانے میں) یعنی اس شخص کے لئے (یہ لکم سے بدل ہے) جو اللہ اور روز آخرت سے ڈرتا (خوف رکھتا ہو) اور ذکر الٰہی کثرت سے کرتا ہو (برخلاف اس شخص کے جو ایسا نہ ہو) اور جب اہل ایمان نے (کفار کے) لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے، یہی وہ ہے جس کی ہمیں اللہ ورسول ﷺ نے خبر دی تھی (یعنی آزمائش ونصرت الٰہی) اور اللہ و رسول نے (وعدہ) سچ فرمایا تھا (اس سے) ان کے ایمان (اللہ کا وعدہ سچا جاننے میں) اور (حکم کی) فرمانبرداری میں ترقی ہی ہوئی۔ ان اہل ایمان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے (انتقال کر گئے یا شہید ہو گئے) اور کچھ ان میں کے (اس کے) مشتاق ہیں اور انہوں نے ذرا فرق نہیں آنے دیا (عہد میں۔ ان کی حالت منافقین کے برخلاف ہے) یہ واقعہ اس لئے ہوا کہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا صلہ دے اور منافقین کو اگر چاہے تو سزا دے دے (ان کو نفاق کی حالت میں موت دے کر) یا (چاہے) تو انہیں توبہ کی توفیق دے دے۔ بے شک اللہ تعالیٰ (توبہ کرنے والے کے لئے) غفور و رحیم ہے اور اللہ تعالیٰ نے کافروں (کی جماعتوں) کو ان کے غصہ میں بھرا ہوا ہٹا دیا کہ ان کے کچھ بھی ہاتھ نہ لگا۔ (مسلمانوں پر کامیابی کی آرزو بر نہیں آئی) اور جنگ میں اہل ایمان کی طرف سے اللہ ہی کافی ہو گیا (اور فرشتوں کو بھیج کر) اور اللہ تو (اپنے ارادہ کے پورا کرنے پر) بے حد بڑی طاقت والا، زبردست (اپنے حکم پر غالب) اور

جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی (یعنی بنی قریظہ) انہیں ان کے قلعوں سے اتار دیا۔ (صیاصی جمع ہے صیصۃ کی۔ بمعنی محافظ قلعے مراد ہیں) اور ان کے دلوں میں تمہاری دھاک (دہشت) بٹھادی۔ پھر کچھ لوگوں کو (ان میں سے بعض فوجیوں کو) تم قتل کرنے لگے اور (ان میں سے) بعض (یعنی عورتوں، بچوں) کو تم نے گرفتار کرلیا اور تمہیں مالک بنادیا ان کی زمینوں کا، ان کے گھروں کا، انکے مالوں کا اور اس زمین کا جس پر تم نے قدم رکھا (اب تک اور وہ سرزمین خیبر ہے جو جنگ قریظہ کے بعد حاصل ہوئی ہے) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے فرمادیجئے (نو بیویاں جنہوں نے آنحضرتؐ سے ایسی آرائشی چیزوں کا مطالبہ کیا تھا جو آپ کے پاس فراہم نہیں تھیں) کہ اگر تم دنیاوی زندگانی اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر (متعہ طلاق) خوبصورتی کے ساتھ رخصت کردوں (بغیر نقصان پہنچائے طلاق دے دوں) اور اگر اللہ و رسول اور آخرت (جنت) کو چاہتی ہو تو اللہ نے تم میں سے نیک کرداروں کے لئے (جو حسب گار آخرت ہوں) اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے۔ (یعنی جنت۔ چنانچہ ازواج مطہراتؓ نے دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو ترجیح دی) اے نبی کی بیویو! تم میں سے اگر کوئی کھلی ہوئی بے ہودگی کرے گی (لفظ مبینۃ فتح یا اور کسرۂ یا کے ساتھ ہے یعنی بینت کی تاویل میں یا بینۃ کی تاویل ہوگی) تو (ایک قرأت میں بضعف تشدید کے ساتھ ہے اور دوسری قرأت میں نضعف نون کے ساتھ ہے اور لفظ عذاب منصوب ہے) اس کو دوسری سزا (دوسری عورتوں کے مقابلہ میں دوگنی یعنی اوروں سے دوچند) اور یہ اللہ کے لئے بالکل آسان ہے۔

تحقیق وترکیب: .... لقد کان یہ خطاب متعلقین غزوہ اور منافقین کو ہے یا مخلصین اور مومنین کو اس میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ پچھلی آیت کی طرح ان میں بھی منافقین پر عتاب ہے۔ دوسرا یہ کہ مومنین کو خطاب ہے۔ جیسا کہ اگلے جملہ لمن کان یرجوا اللّٰہ الخ سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح اس میں بھی دو رائیں ہیں کہ آپ کے اسوہ کی پیروی واجب ہے یا مستحب؟ ایک قول یہ ہے کہ مستحب ہے۔ الا یہ کہ کوئی دلیل وجوب ہو۔ دوسرا یہ کہ دینی امور میں وجوب اور دنیاوی چیزوں میں استحباب پر محمول کیا جائے۔

اسوۃ اگر مصدر ہے تو قدرۃ کے معنی ہیں اور مایقتدی بہ کے معنی ہیں تو پھر کلام تجرید پر محمول ہوگا اور یا کہا جائے گا کہ نیک خصلت بھی نیک آدمی کے لئے لائق تقلید ہوتی ہے۔ یہ لفظ ضمہ ہمزہ کے ساتھ عاصمؒ کی قرأت ہے اور کسرۂ ہمزہ کی قرأت اکثر قراء کی ہے۔

لمن کان مفسر علامؒ اس کو لکم سے بدل کہہ رہے ہیں۔ بعض کے نزدیک ضمیر سے اگر چہ بدل نہیں ہوتا، مگر جار مجرور سے بدل ہوسکتا ہے۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ بدل البعض ہے۔ کیونکہ مخاطبین میں بعض لوگ لایرجوا اللّٰہ والیوم الاخر ہیں اور عائد محذوف ہے۔ یعنی منکم۔ لیکن کوفیوں اور اخفشؒ کے نزدیک ضمیر مخاطب سے بدل ہوسکتا ہے اور جن کے نزدیک یہ جائز نہیں وہ من کان الخ کو حسنۃ کا صلہ یا صفت مانتے ہیں۔

یرجوا اللّٰہ۔ رجا بمعنی خوف بھی آتا ہے۔ جیسا کہ مفسر علامؒ فرمارہے ہیں۔ لیکن امید کے معنی بھی ہوسکتے ہیں۔

ماوعدنا اللّٰہ ورسولہ۔ اللہ کا وعدہ تو بقول ابن عباسؓ ان آیت میں ہے ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ الخ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے وعدہ سے مراد یہ روایات ہیں۔

۱۔ سیشتد الا باجتماع الاحزاب علیکم والعاقبۃ لکم علیھم۔

۲۔ ان الاحزاب سائرون الیکم بعد تسع لیال او عشر۔

صدق اللّٰہ ورسولہ بجائے ضمیر کے اللہ کو اسم ظاہر لانے میں تو تعظیم کی طرف اشارہ ہے۔ نیز اگر ضمیر لائی جاتی تو ضمیر تثنیہ ہوتی۔ جس میں اللہ و رسول دونوں کا ایک ضمیر میں جمع کرنا لازم آتا اور آنحضرت ﷺ نے اس کو ناپسند فرمایا۔ چنانچہ ایک خطیب نے جب خطبہ میں یہ کہا۔ **من یطع اللّٰہ ورسولہ فقد رشدو من یعصھما فقد غوی.** تو آپ نے فرمایا۔ **بئس الخطیب انت قل ومن یعص اللّٰہ ورسولہ.**

من قضی نحبہ. **نحب** کے معنی نذر کے ہیں۔ موت کے لئے مستعار ہے کیونکہ موت بھی نذر کی طرح لازم ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے۔ **قضی فلان نحبہ ای وفی بندرہ.** اسی طرح مشہور ہے **قضی نحبہ بمعنی مات** آیت میں دونوں معنی ہو سکتے ہیں اور بعض اجلہ نے اس کو موت شہادت کے لئے استعارہ مانا ہے۔

لیجزی اللّٰہ عامل مقدر ہے **ای وقع ما وقع لیجزی اللّٰہ** اس میں لام متعلق ہے۔ **لما رأ المؤمنون** کے معنی سے **ای انما ابتلاھم اللّٰہ بھذا لیجزی الصدقین** یا یہ متعلق **مابدلوا** کے ساتھ **ای مابدل المؤمنون و بدل المنافقون لیجزی اللّٰہ.**

کفی اللّٰہ. صحیح بخاری کی روایت ہے۔ **نصرت بالصبا واھلکت عاد بالدبور.**

صیاصیھم. جمع صیصیۃ جس کے ذریعہ بچاؤ کیا جاسکے۔ جیسے بیل، بکری، ہرن کے سینگ یا مرغ وغیرہ کا پنجہ

تاسرون. اس کے معنی رسی سے باندھنا۔ قیدی کو اسیر اسی لئے کہتے ہیں۔ پھر مطلقاً قیدی کو کہتے ہیں۔ اگرچہ اس کو باندھا نہ جائے۔

وارضا لم تطؤھا. اس کا عطف **ارضھم** پر ہے۔ اور اورثکم کو عموم مجاز پر محمول کیا جائے گا۔ تاکہ ماضی اور مستقبل وراثت کو شامل ہو جائے۔

قل لازواجک. (۱) عائشہؓ (۲) حفصہؓ (۳) ام حبیبہؓ (رملہ بنت ابی سفیان) (۴) ام سلمہؓ (ہند بن ابی امیہ) (۵) سودہؓ بنت زمعہ عامریہ (۶) زینبؓ بنت جحش اسدیہ (۷) میمونہؓ بنت الحارث الہلالیہ (۸) صفیہؓ بنت حی ابن اخطب خیبریہ (۹) جویریہؓ بنت الحارث خزاعیہ۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد یہ ازواج تھیں۔ ان میں سب سے پہلے ام سلمہؓ نے ایک منقش پردہ کی فرمائش کی۔ اور حضرت میمونہؓ نے یمنی حلہ کی خواہش کی اور حضرت زینبؓ نے یمنی دھاریدار چادر کی۔ اسی طرح حضرت ام حبیبہؓ نے سحولی کپڑے کی استدعا کی اوروں نے بھی کچھ کچھ مطالب رکھے۔ اس تخییر میں کلام ہے۔ بعض نے دنیا یا آخرت پر اس اختیار کو محمول کیا۔ جیسا کہ حسنؒ، قتادہؒ اور اکثر کی رائے یہی ہے۔ چنانچہ الفاظ **فتعالین** اس پر دال ہے اور حضرت عائشہؓ مجاہدؒ، شعبیؒ کا قول یہ ہے کہ اختیار طلاق، عدم طلاق کا تھا۔ بہر حال سب نے آپ ﷺ کے دامن سے وابستگی کو ترجیح دی اور اس دنیا سے بالکلیہ زہد اختیار کر لیا۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے پاس بیت المال سے اسی ہزار درہم آئے تو انہوں نے اسی وقت سب خیرات اور تقسیم کر دیئے اور روزہ پانی سے افطار فرمایا۔ اللھم ارحمھا۔

بفاحشۃ. **حسنات الابرار سیئات المقربین** کے لحاظ سے سخت لب ولہجہ ازواج کی عظمت شان کو ظاہر کرتا ہے۔ یہاں فاحشہ سے مراد قولی برائی ہے یا فعلی جیسے شوہر کی حکم عدولی، بدخلقی دنیا اور رونق دنیا کو اللہ و رسول کے مقابلہ میں ترجیح دینا اور یہ خطاب ایسا ہی ہے جیسے آنحضرت ﷺ سے خطاب ہے۔ **لئن اشرکت لیحبطن عملک.** ظاہر ہے کہ نہ آپؐ سے شرک کا امکان ہے اور نہ ازواج مطہراتؓ سے متعارف فاحشہ کا صدور ہوا۔

ربط: پچھلی آیات میں غزوۂ احزاب کے سلسلہ میں مخلصین اور منافقین دونوں کا کردار کھل کر سامنے آ گیا ہے۔ آیت **لقد**

کان لکم الخ میں آنحضرت ﷺ کے طرز عمل کو نمونہ کہا جا رہا ہے۔ جس سے ایک طرف منافقین کو عار اور غیرت دلائی ہے کہ تمہیں اپنے مخدوم کے طرز عمل کو دیکھ کر شرمانا چاہئے کہ آپ دینی راستہ میں اس قدر مشکلات برداشت فرمائیں اور تم دعوائے خادمیت وجاں نثاری کرنے والے تن پروری، تن آسانی اور حیلے بہانوں میں لگے رہو اور دوسری طرف سچے مخلصین کو خوشخبری اور بشارت سنائی ہے کہ واقعی تم نے حق وفاداری ادا کر دکھایا اور آپ کے اسوۂ حسنہ کے پورے تابعدار نکلے۔

اس کے بعد لیجزی اللّٰہ میں غزوہ اور جہاد برپا کرنے کی حکمت ومصلحت پر گفتگو ہے کہ لوگ چار حصوں میں بٹ گئے۔ مخلصین جن کے تین طبقے ہو گئے۔

۱۔ اللہ سے عہد کر کے اسے پورا کر دکھایا اور جام شہادت نوش کر لیا۔

۲۔ گو اللہ سے عہد تو نہیں کیا مگر کیا وہی جو عہد کرنے والوں نے کیا، یعنی جاں شیریں جان آفریں کے سپرد کر دی۔

۳۔ ہر لمحہ شوق شہادت میں انتظار کی منزلوں سے گزر رہے ہیں۔ یہ تینوں طبقے تو صادقین کے ہیں۔

اس کے بعد آیت وانزل الذین میں یہود بنو قریظہ کے خیبر میں محصور ہونے کا تذکرہ ہے کہ اللہ کی قدرت کا تماشہ دیکھو کہ ابھی مسلمان مدینہ میں محصور تھے کہ دم کے دم میں مسلمانوں کے دشمن تقریباً اتنی ہی مدت مدینہ کے قریب محصور کر دیئے گئے اور چونکہ سورت کے اہم مقاصد میں سے آنحضرت ﷺ کو ایذاء رسانی سے ممانعت ہے، جس کی ایک نوع وہ ہے جو ازواج مطہرات کی طرف سے بعض مطالبات کی صورت میں ظاہر ہوئی اور قلب مبارک مکدر ہوا۔ ازواج مطہرات کا ارادہ اگرچہ ایذا رسانی کا نہیں تھا۔ مگر اس سے آپ کو اذیت تو ہوئی۔ اللہ کو یہ بھی گوارا نہیں۔ اس لئے آیات یا ایھا النبی الخ سے ازواج مطہراتؓ کو اس لغزش پر تنبیہ وتہدید فرمائی جا رہی ہے۔

شان نزول: ... حضرت عثمان، طلحہ، سعید بن جبیر، حمزہ، مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ نے کسی موقعہ پر نذر مانی تھی کہ جب کوئی معرکہ کارزار گرم ہوگا تو ہم بھی حضور ﷺ پر جان نثار ہو جائیں گے۔ چنانچہ حضرت حمزہؓ اور مصعبؓ نے تو جام شہادت نوش فرمالیا اور اس طرح قضی نحبہ کا مصداق بن گئے۔ بقیہ حضرات شہادت کے انتظار میں گھڑیاں گنتے رہے۔

آیت کفی اللّٰہ المؤمنین کی تائید میں سمان بن صرد کی روایت بخاری نے نقل کی ہے کہ غزوۂ احزاب سے فارغ ہو کر آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ الان نغزوھم ولا یغزوننا ونحن نسیر الیھم

آیت تعالین الخ جب نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کو آیت سنا کر فرمایا۔ لاتعجلی حتی تشیری ابویک. سنتے ہی حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ کیا میں آپ کی نسبت والدین سے مشورہ کروں گی؟ انا اخترت اللّٰہ ورسولہ اور پھر جذبہ سوت سے متاثر ہو کر عرض کیا کہ میرے اس فیصلہ کی اطلاع دوسری ازواج کو نہ دیجئے۔ فرمایا کہ میں کسی کو خیر سے روک نہیں سکتا۔ بہر حال آیت یا ایھا النبی الخ سے ازواج مطہراتؓ کو بلاقصد بھی ایذاء رسول سے بچانا ہے اس لئے یہ پانچویں قسم سب سے ملکی ہے۔

﴿تشریح﴾: ... حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں

هذه الاية الكريمة اصل كبير فى التاسى برسول الله صلى الله عليه وسلم فى اقواله وافعاله واحواله ولهذا امر تبارك و تعالى الناس بالتاسى بالنبى يوم الاحزاب فى صبره ومصابرته ومرابطته ومجاهدته وانتظاره الفرج من ربه عزوجل صلوات الله وسلامه عليه دائما الى يوم الدين.

سیرت کا عنوان قرآن ہے اور قرآن کی صحیح تفسیر سیرت ہے: اسی طرح قرطبی میں ہے الاسوۃ القدوۃ الاسوۃ مایتاسی به ای یتعزی به فیقتدی به فی جمیع افعاله ویتعزی به فی جمیع احواله. زندگی کے ہر شعبہ اور ہر پہلو میں رسول اللہ ﷺ کا اتباع مسلمانوں پر ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں واجب ہے۔ آپ کی زندگی انسان کے لئے انفرادی، اجتماعی، خانگی، ملی، معاشرتی، اخلاقی، ہر ہر گوشہ میں شمع ہدایت ہے۔ خصوصی طور پر اگرچہ یہاں جنگی استقامت اور ثبات قدمی کا اشارہ ہے، لیکن فقہاء مفسرین نے عموم ہی کو ترجیح دی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے لفظ نے یہ بات صاف کردی کہ جس طرح وصف رسالت میں عموم ہے اسوہ بھی عام ہی ہے۔

آنحضرت ﷺ کی بے نظیر شجاعت واستقامت: آپ ﷺ کی ذات سب سے زیادہ خطرہ کے نشانہ پر تھی۔ لیکن مجال نہیں کہ پائے استقامت میں ذرا جنبش ہوجائے جو یا نے حق لوگوں کو چاہئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے لئے عملی نمونہ سمجھیں۔ ہر معاملہ، ہر حرکت وسکون، نشست وبرخاست، ہمت واستقلال میں بھرپور آپ کی پیروی کریں، گویا قرآنی ہدایات دفرامین کا آپ ﷺ ایک جامع عملی نسخہ ہیں۔ اس لئے کہیں بھی ہر موسمی اور عملی نقوش میں جھول یا فقدان نہیں ہے۔ آپ کی سیرت کا یہ پہلو بھی نہایت اہم ہے کہ آپ نے لاکھوں بہترین نمونے دنیا کے سامنے انسانی شکل میں پیش کردیئے۔ آیت "ولما رای المومنون" میں انہی کی طرف اشارہ ہے کہ چاروں طرف بے شمار خطرات میں گھر کر بھی نہیں گھبرائے۔ تذبذب یا انتشار کی بجائے پوری اطاعت شعاری، ثبات قدمی، سچی وفاداری کا جذبہ اور اللہ ورسول ﷺ پر یقین واعتماد کا داعیہ ان میں اور بھی زیادہ بڑھ گیا اور بول اٹھے کہ یہ تو وہی وعدہ الٰہی ہے جس کا ایک ایک حرف پورا ہوتا آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

منافقین کی غداری اور صحابہؓ کی جاں نثاری: ایک منافقین کا وعدہ تھا جس کے تار و پود خود انہوں نے اپنے ہاتھوں بکھیر کر رکھ دیئے اور پوری ڈھٹائی، کھلی بے حیائی کے ساتھ میدان سے پسپائی اختیار کرلی اور ایک سچے فداکاروں کا عہد ہے جس کا ایک ایک تار مضبوط نکلا۔ بڑی سے بڑی سختی کے وقت بھی منہ نہیں موڑا اور پیغمبر کی حمایت ورفاقت سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔ اللہ و رسول ﷺ کو جو انہوں نے زبان دی تھی اس سے مس نہیں ہوئے۔ کچھ نے تو جیسے انس بن نضر، حضرت طلحہؓ شہدائے بدر واحد نے اپنی جان شیریں جان آفریں کے قدموں پر نچھاور کردی اور کچھ وہ ہیں جنہوں نے بلند روپیمان ہی بے مثال جانبازیاں دکھلا کر جام شہادت نوش کرڈالا اور کچھ وہ بھی ہیں جو اسی آرزو میں تصویر اشتیاق بنے بیٹھے ہیں۔

غرض ان سب نے عہد وپیمان خوب نبھایا۔ اس لئے اب ہمارے ایفائے عہد کا نمبر ہے۔ ہم قول وقرار کے سچوں عہد وپیمان کے پکوں کو بھرپور بدلہ دیں اور دغاباز بدعہدوں کو اپنی حکمت ومصلحت سے چاہے سزادے دیں اور چاہے توبہ کی توفیق دے کر معاف کریں۔ ان کی شان کریمی سے کچھ بعید نہیں ہے۔

اہل سنت اور خوارج کا ایک مرکزی نقطۂ اختلاف: یہ آیت مسلک خارجیت کی تردید کے لئے قطعی کافی ہے۔ مومنین کی نجات یقینی ہے، برخلاف منافق اور کافر کے۔ ان کی سزائیں مشروط ہیں۔ دنیاوی مصلحت کے دنیاوی سزا اور آخرت میں جنت کے تحت عذاب یا مغفرت ہوگی اس سے رحمت کا غضب کے مقابلہ میں وسیع ہونا عیاں ہے۔

ورد اللہ الذین کفروا ہزیمت شدہ لشکر کفر پیچ وتاب کھاتا ہوا اور غصہ سے دانت پیستا ہوا ذلت وخواری کے ساتھ ناکام واپس ہوا اور وہ لوگ جتنے ہی بہادر گنوا بیٹھے۔ عمر بن عبدود جو ہزار سواروں کے برابر شمار کیا جاتا تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ

سے کھیت رہا۔ مشرکین کو اتنا صدمہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو اس کی نعش کے بدلہ دس ہزار کی پیشکش کی۔ آپؐ نے فرمایا، ہم مردوں کی قیمت کھانے والے نہیں۔ تم یوں ہی اٹھا لے جاؤ۔ اس معرکہ میں اکا دکا جھڑپوں اور انفرادی وارداتوں کے علاوہ کسی عام لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ اللہ نے غیبی مدد کی۔ طوفانی ہواؤں اور فرشتوں کی منڈلی نے پانسہ پلٹ کر رکھ دیا اور دشمن سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اللہ کی زبردست طاقت کے آگے کون ٹھہر سکتا ہے؟

محاصرۂ بنو قریظہ: .... **وانزل الذین** میں محاصرہ بنی قریظہ کا ذکر ہے جس میں مسلمان محصور ہونے کی بجائے محاصر بن گئے اور یہود محاصر کی جگہ چھوڑ کر محاصرہ کے کٹہرے میں پہنچ گئے۔ اس قبیلہ کے یہود کو اگرچہ مسلمانوں کے ساتھ حلیفانہ صلح نامہ کے مطابق پابند رہنا چاہئے تھا، مگر جنگ احزاب کے موقعہ پر یہود کے ایک بااثر پیشوا حی بن اخطب نے تمام معاہدات کو بالائے طاق رکھ کر اپنی قوم کو ورغلایا اور اکسایا اور مشرکین کی مدد پر حریفانہ لا کھڑا کیا۔ ان میں سے بعض نے مسلمان عورتوں پر بھی بزدلانہ حملہ کرنا چاہا۔ جس کا جواب بڑی بہادری سے حضرت صفیہؓ بنت حی نے دیا۔ جو ایک طرف آنحضرت ﷺ کی اہلیہ تھیں اور دوسری طرف حی بن اخطب کی بیٹی بھی تھیں۔ مگر عشق رسول ﷺ میں باپ اور خاندان کی پرواہ نہیں کی۔

آنحضرت ﷺ ہنگامہ احزاب سے فارغ ہو کر ابھی غسل ہی فرما رہے تھے کہ جبرئیل امین آئے۔ چہرہ مبارک غبار آلود تھا۔ عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ نے ہتھیار اتار دیئے، حالانکہ فرشتے ابھی ہتھیار بند ہیں۔ بنو قریظہ پر حملہ کا حکم الٰہی لے کر حاضر ہوا ہوں۔ فوراً منادی ہوگئی اور دم کے دم میں چڑھائی کر کے تمام قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ پونے پچیس روز نہایت کامیاب محاصرہ رہا۔

حضرت سعد بن معاذؓ کی ثالثی اور فیصلہ: .... محاصرہ کی تاب نہ لا کر یہود نے صلح کے لئے سلسلہ جنبانی شروع کی اور بالآخر اپنے حلیف حضرت سعد بن معاذؓ کے ثالث اور سرپنچ بنانے کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ نے اس درخواست کو منظور فرما لیا۔ چنانچہ حضرت سعدؓ نے ایک ''مسلم حکم'' کی حیثیت سے فیصلہ دیا کہ بنی قریظہ کے سب جوان قتل کر دیئے جائیں اور عورتیں بچے گرفتار کر لئے جائیں اور سب مال و جائیداد حوالہ مہاجرین ہو۔ یہ فیصلہ اللہ و رسول کی مرضی کے مطابق اور یہود کی غداری کی سزا کے ساتھ ساتھ خود توریت کے عین مطابق بھی تھا۔ اس لئے کئی سو یہودی قتل کئے گئے اور کئی سو عورتیں بچے جنگی قیدی بنا لئے گئے اور مال و جائیداد پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ مدینہ کے قریب کی یہ زمین آنحضرت ﷺ نے مہاجروں میں تقسیم فرما دی اور اس طرح انصار کا بوجھ ہلکا ہوگیا اور مہاجرین کے گزران کی سبیل نکل آئی۔

وارضالم تطؤھا سے مراد خیبر کی زمین ہے جو دو سال بعد قبضہ میں آئی۔ جس سے صحابہ کرامؓ کو آسودگی ہوئی اور بعض نے اس سے فتح مکہ مراد لیا۔ اور بعض نے فارس و روم کی زمینیں مراد لی ہیں جو خلفاء کے عہد میں فتح ہوئیں اور بعض نے قیامت تک ہونے والی فتوحات کو اس میں شامل کیا ہے۔

آنحضرت ﷺ اعلیٰ سویلین مدبر اور بہترین فوجی جنرل تھے: .... جس طرح آنحضرت ﷺ حالت امن میں ایک بہترین مدبر و منتظم تھے، اسی طرح حالت جنگ میں بھی اعلیٰ درجہ کے کمانڈر اور جرنیل تھے اور آپ کی کتاب سیرت اس کی شاہد ہے۔

عام صحابہؓ کی آسودگی سے ازواج مطہراتؓ متاثر ہوئیں اور آنحضرت ﷺ کی بدستور تنگی گزران کو دیکھتے ہوئے اپنی آسودگی کی فرمائش کر دی اور بعض نے اس سلسلہ میں گفتگو بھی کی۔ مگر آنحضرت ﷺ کو یہ باتیں شاق گزریں اور قسم کھالی کہ مہینہ بھر گھر نہ جائیں گے اور مسجد نبوی

کے قریب ایک بالاخانہ پر تنہا رہنے لگے۔ صحابہؓ مضطرب تھے بالخصوص ابوبکرؓ وعمرؓ فکرمند تھے کہ کسی طرح یہ گتھی سلجھ جائے اور حضرت حفصہؓ و عائشہؓ کی وجہ سے اور بھی تشویش ہوئی کہ کہیں یہ حضور ﷺ کو مکدر کر کے اپنی عاقبت خراب نہ کرلیں۔ دونوں نے دونوں کو دھمکایا، سمجھایا اور خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر کچھ بے تکلفی کی باتیں بھی کیں، جن سے قدرے آپ منشرح ہوئے۔

آنحضرت ﷺ کا گھریلو کردار محو حیرت بنا دینے والا ہے: ایک مہینہ کے بعد آیت تخییر **یا ایھا النبی الخ** نازل ہوئی کہ آپ سب بیویوں سے صاف صاف کہہ دیں کہ ان دو راستوں میں سے ایک کا انتخاب کرلیں۔ اگر تمہیں دنیا کی بہار عزیز ہے تو کہہ دو، میرا تمہارا نباہ نہیں ہو سکے گا۔ میں تمہیں خوش اسلوبی سے شرعی طلاق دے کر اور مطلقہ کا جوڑا تیار کر کے خوبصورتی سے رخصت کر دوں اور اللہ و رسول کی خوشنودی اور آخرت کے مراتب عالیہ کی جویا ہو تو پیغمبر ﷺ کی خدمت کرنے میں اس کی کمی نہیں ہے۔

اول آپ ﷺ نے یہ حکم حضرت عائشہؓ کو سنایا۔ وہ کمسن ہونے کے باوجود نہایت زیرک تھیں۔ برجستہ آپ ﷺ کا دامن تھامنے کا فیصلہ کرلیا۔ دوسری ازواج نے بھی یہی راہ اپنائی اور حضور ﷺ کے یہاں ہمیشہ اختیاری فقر و فاقہ اور صبر وقناعت کو شیوہ بنائے رکھا۔ جو کچھ آتا سب لٹا دیا جاتا اور خود قرض ادھار پر گزران رہتی۔ عیش وعشرت کا تصور ہی دل ودماغ سے نکال ڈالا۔

اعدللمحسنات میں بشارت کا عام عنوان اختیار کیا گیا ہے۔ قرآن میں صاف طور پر کسی کو خوشخبری نہیں دی گئی تاکہ کہیں بے فکر اور نڈر نہ ہو جائیں۔ ہر وقت خاتمہ کا ڈر لگا رہنا چاہئے۔

آنحضرت ﷺ کی بیویاں امت کی مائیں ہیں لہٰذا ان کا روحانی کردار، اخلاقی کیریکٹر قابل تقلید ہے:

جس طرح آنحضرت ﷺ کی سیرت مبارکہ امت کے لئے نمونہ ہے، اسی طرح ازواج مطہرات **امہات المومنینؓ** اور مسلمانوں کی واجب الاحترام مائیں ہیں۔ وہ بھی ماؤں کے اعلیٰ معیار پر امت کے لئے نمونہ ہونی چاہئیں۔ ضروری ہے کہ وہ اس بے مثال بزرگی کی اخلاقی، روحانی، اعلیٰ قدروں کی ذمہ دارانہ نگہداشت کریں اور دنیا کو نبی کے گھرانے کے پاکیزہ ماحول کا آئینہ دکھلائیں۔ یاد رکھو! بالفرض اگر تم سے کوئی اخلاقی لغزش، اونچ نیچ اور غلطی ہوگئی تو اوروں کو ایک اور تمہیں دوگنی سزا ملے گی۔ پھر اللہ تمہاری اس وجاہت کی پرواہ نہیں کرے گا۔ اس لئے اس کے لئے سزا آسان ہے۔

فقہی مسائل اور نکات: اہل علم کی اکثریت تو اس طرف گئی ہے کہ شوہر کی طرف سے بیوی کو اختیار طلاق دینے کی صورت میں اگر بیوی خاوند کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کر دے، تب تو اس پر کچھ نہیں بدستور رہے گی۔ لیکن اگر علیحدگی کا فیصلہ کرتی ہے تو پھر اسی اختیاری فیصلہ سے اس پر ایک طلاق پڑے گی۔ امام اعظمؒ کے نزدیک تو ایک طلاق بائنہ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایک طلاق رجعی۔ اور زید بن ثابتؓ کا ارشاد اور امام مالکؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ بیوی اگر خاوند کے ساتھ رہنا پسند کرتی ہے، تب بھی ایک طلاق ہو جائے گی اور علیحدگی کو اختیار کرتی ہے تو پھر تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔ ممکن ہے کہ اپنے مدعا کے ثبوت میں اکثریتی حضرات روایت عائشہؓ کے یہ الفاظ پیش کریں۔ **خیرنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاخترناہ ولم یعد طلاقاً** لیکن ظاہر ہے کہ آیت میں دنیا و آخرت میں سے ایک کے انتخاب کا اختیار دیا گیا ہے۔ اس میں متعارف فقہی مسئلہ خیار نہیں ہے جو خاوند بیوی کو اپنے ساتھ رہنے نہ دینے کا حق دیتا ہے مگر بنظر غائر دیکھا جائے تو پہلے عنوان کا حاصل بھی یہی نکلتا ہے۔ اگرچہ تعبیر کا تھوڑا سا فرق ہے۔ اس لئے حضرت عائشہؓ کا استدلال زید بن ثابتؓ کے مقابلہ میں خاصا وزنی ہے۔

۲۔ اسی طرح اس میں بھی کلام ہوا ہے کہ یہ اختیار دینا تفویض طلاق تھا یا محض رائے کا دریافت کرنا تھا۔ ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں تو بیویوں کا خود کو اختیار کر لینا ہی طلاق شمار ہو جاتا۔ آپ کے طلاق دینے کی حاجت نہ رہتی۔ البتہ اگر دوسری صورت ہے تو پھر یہ اختیار کر لینا محض رائے کا اظہار ہوتا، طلاق نہ ہوتی۔ بلکہ اختیار کر لینے کے بعد بھی آپ کے طلاق دینے کی حاجت رہتی۔ تاہم آیت کا انطباق دونوں صورتوں میں ہوسکتا ہے۔

۳۔ آیت تخییر نازل ہونے کے وقت آپ کی مشہور نو بیویاں تھیں۔ جن میں سے پانچ قریشی تھیں۔ عائشہؓ، حفصہؓ، ام حبیبہؓ، سودہؓ، ام سلمہؓ۔ اور چار دوسرے خاندانوں کی یہ تھیں۔ صفیہ خیبریہؓ، میمونہ ہلالیہؓ، زینب اسدیہؓ، جویریہ مصطلقیہؓ۔ آپ ﷺ نے سب کو یہ آیت پڑھ کر سنادی۔ سب نے آپ ﷺ کے دامن سے وابستہ رہنے کا فیصلہ کرلیا۔

۵۔ **اعد للمحسنات منکن** میں اگر من تبیینیہ ہے تو کوئی اشکال نہیں ہے۔ لیکن اگر من تبعیضیہ ہو تو پھر یہ شبہ ہوگا کہ بعض بیویوں کا غیر محسنہ ہونا معلوم ہوا؟ اس اشکال کی دو توجیہیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ بعض روایت کی رو سے اس تخییر کے بعد ایک عورت عامریہ حمیریہ نے آپ کی بیوی رہنا نہیں چاہا۔ پس گویا من تبعیضیہ سے اس کو مستثنیٰ کرنا مقصود ہوگا۔ لیکن اگر یہ روایت صحیح نہ ہو تو دوسری توجیہ یہ ہے کہ سب بیویاں محسنات ہی تھیں۔ مگر واقعہ اختیار سے پہلے اس کا ظہور نہ ہوسکا تھا۔ سرسری طور پر گویا ان میں دونوں احتمال فرض کر لئے گئے۔ ورنہ واقعہ میں سب محسنہ تھیں۔ یہ تبعیض نفس الامر نہ ہوئی بلکہ بطور معنی تعلیقی کے ہوئی۔ یعنی **من احسن منکن فلها اجر عظیم.** دوسرے لفظوں میں اس کی تعبیر یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ ''مطلق بعض'' کا تحقق جس طرح بضمن بعض مقابل للکل کے ذیل میں ہوتا ہے، اسی طرح کبھی اس کا تحقق بضمن کل بھی ہوتا ہے اور یہاں دوسری صورت ہے۔

۵۔ طلاق کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک طلاق سنت، دوسرے طلاق بدعت۔ پھر بدعت کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ طریق طلاق غیر شرعی ہو، جیسے ماہواری کی حالت میں طلاق دینا کہ سب کے نزدیک بدعت ہے۔ یا ایک دم تین طلاق دے ڈالنا، خاص طور پر حضرات حنفیہ کے نزدیک بدعت ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی عارض کی وجہ سے بدعت ہو جائے مثلاً مطلقہ کو کسی قسم کا نقصان پہنچانا۔ لیکن طلاق سنت میں یہ سب باتیں نہیں ہوتیں۔ ''**اسرحکن سراحاً جمیلا**'' میں طلاق سنت مراد ہے۔

۶۔ **ان کنتن تردن الحیٰوۃ الدنیا** کی جزاء میں **اسرحکن** کے واقع ہونے سے صاحب روح المعانی نے امام صاحب سے یہ مسئلہ نقل کیا ہے کہ اگر کوئی بیوی دنیا کے لالچ میں خود کو اختیار کر لے تو دوسری جگہ اس کو نکاح کرنا جائز ہے۔ کیونکہ آیت میں اگر دوسرے نکاح کے بغیر دنیا کا حصول مراد ہوتا تو وہ آنحضرت ﷺ کی بیوی رہتے ہوئے بھی ممکن تھا۔ پھر ''تسریح'' کی کیا ضرورت تھی؟ معلوم ہوا کہ حصول دنیا سے مراد وہی ہے جو دوسرے نکاح کے ذریعہ سے ہو۔

۷۔ صاحب روح المعانی نے امام رازی سے ایک اور مسئلہ یہ نقل کیا ہے کہ اس تخییر کے سلسلہ میں ازواج مطہراتؓ کے اللہ ورسول ﷺ کو اختیار کر لینے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے لئے ان کو طلاق دینا جائز نہیں معلوم ہوتا۔ ورنہ تخییر اور اختیار دینے سے کیا فائدہ؟ لیکن صاحب بیان القرآن نے یہ فرما کر اس استدلال کو ضعیف قرار دیا ہے کہ ازواج کا دنیا کو اختیار کر لینے سے جو تحقق طلاق ہو جاتا وہ ایک عارض تھا۔ اب اللہ ورسول کو اختیار کر لینے کے بعد زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ طلاق کا ایک عارض نہیں رہا۔ مگر یہ کیا ضرور ہے کہ ایک عارض نہ ہو تو دوسرے عوارض سے بھی طلاق نہ دی جاسکے۔ چنانچہ حضرت سودہؓ اور حضرت حفصہؓ کو طلاق دینے کا ارادہ یا ایک رجعی طلاق دے دینا جو بعض روایات میں آیا ہے، اگر وہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ہوا ہے تب بھی اس تحقیق کے بعد کچھ اشکال نہیں رہتا۔ **فللّٰہ درہ.** یہ ہیں ہمارے اکابر کے علوم وکمالات! یقین ہے کہ علامہ آلوسی یا امام رازی علیہم الرحمۃ اگر یہ نکتہ کو سن لیتے تو ضرور قدر

دانی فرماتے۔

۸۔اور نیز صاحب روح المعانیؒ نے یہ مسئلہ بھی نقل کیا ہے کہ بظاہر اسی نص سے دنیا کو اختیار کرنے والی بیوی کے لئے آنحضرت ﷺ پر طلاق دینا واجب ہوتا ہے اور چونکہ یہ حکم وجوب عام نہیں، اس لئے دوسروں کے لئے بے شرع عورت کو اس طرح کہہ کر علیحدہ کر دینا صرف مستحب ہوگا واجب نہیں ہے۔ چنانچہ فقہاءؒ نے تصریح فرمادی ہے۔ **لایجب تطلیق الفاجرة**۔

۹۔لفظ **اختاری** کنایات طلاق میں سے ہے۔ محض اس کہہ دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ خواہ بیوی چپ رہے یا **اخترتک** کہہ دے۔ البتہ اگر اس کے جواب میں **اخترت نفسی** کہہ دیتی ہے تو پھر طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

"**امتعکن**" متعہ کے جوڑہ کی تفصیلات سورۂ بقرہ کی آیت **وللمطلقات متاع** کے تحت گزر چکی ہے۔

۱۰۔فاحشہ کے معنی متعارف مراد نہیں ہے۔ ان کا احتمال بھی ازواج میں نہیں ہے بلکہ مقاتلؒ نے اس کی تفسیر **ابھا العصیان للنبی صلی اللہ علیہ وسلم** نقل کی ہے۔ جس میں نان ونفقہ سے زائد کا مطالبہ داخل ہے جو آنحضرت ﷺ کے لئے باعث تکدر ہوتا۔

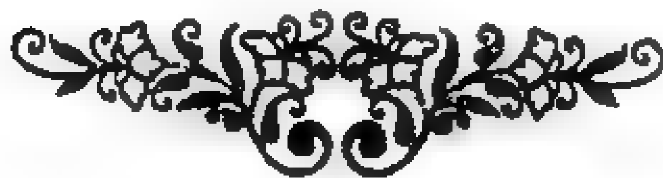
حضرت مقاتلؒ کی نقل کے مدد وہ دو دلیلیں اور بھی اس کی موید ہیں۔ ایک لفظ **مبینة** جو متعارف معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔ دوسرے اس کے مقابلہ میں **ومن یقنت** فرمایا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یہاں قنوت کے خلاف معنی مراد ہیں۔

لطائف سلوک: .... **من قضی نحبه** سے موت شہادت مراد ہے جس کا مصداق حضرت طلحہؓ کو بھی کہا گیا ہے۔ حالانکہ وہ اس وقت حیات تھے۔ پس اس مسئلہ میں فنا کی طرف اشارہ ہو گیا اور **منهم من ینتظر** سے چونکہ شوق شہادت مراد ہے۔ اس لئے اس میں حب موت کی طرف بھی اشارہ ہو گیا۔

اسرحکن سے دنیا اور رونق دنیا کا اور اللہ ورسول ﷺ کی محبت کے لئے سبب بعد ہونا معلوم ہوا۔

یضاعف لها العذاب ۔جس طرح بڑوں کی طاعت بڑی، اسی طرح ان کی معصیت بھی بڑی۔ خود سرور عالم ﷺ کے لئے ارشاد ہے۔ **اذاً لاذقناک ضعف الحیات وضعف الممات**

﴿الحمدللہ کہ پارہ اتل ما اوحی کی تفسیر مکمل ہوئی﴾



پارہ نمبر ﴿۲۲﴾

وَمَــنْ يَّقْنُتْ

فہرست پارہ ﴿ومن یقنت﴾

وَمَنْ يَّقْنُتْ

وَمَنْ يَّقْنُتْ يُطِعْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ اَیْ مِثْلَیْ ثَوَابِ غَيْرِهِنَّ مِنَ النِّسَاءِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالتَّحْتَانِيَّةِ فِیْ تَعْمَلْ وَنُؤْتِهَا وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ فِی الْجَنَّةِ زِيَادَةً يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ كَجَمَاعَةٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ اللّٰهَ فَاِنَّكُنَّ اَعْظَمُ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ لِلرِّجَالِ فَيَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ نِفَاقٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ مِنْ غَيْرِ خُضُوْعٍ وَقَرْنَ بِكَسْرِ الْقَافِ وَفَتْحِهَا فِیْ بُيُوْتِكُنَّ مِنَ الْقَرَارِ وَاَصْلُهُ اِقْرِرْنَ بِكَسْرِ الرَّاءِ وَفَتْحِهَا مِنْ قَرِرْتُ بِفَتْحِ الرَّاءِ وَكَسْرِهَا نُقِلَتْ حَرَكَةُ الرَّاءِ اِلَى الْقَافِ وَحُذِفَتْ مَعَ هَمْزَةِ الْوَصْلِ وَلَا تَبَرَّجْنَ بِتَرْكِ اِحْدَى التَّائَيْنِ مِنْ اَصْلِهٖ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى اَیْ مَا قَبْلَ الْاِسْلَامِ مِنْ اِظْهَارِ النِّسَاءِ مَحَاسِنَهُنَّ لِلرِّجَالِ وَالْاِظْهَارُ بَعْدَ الْاِسْلَامِ مَذْكُوْرٌ فِیْ اٰيَةِ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ الْاِثْمَ يَا اَهْلَ الْبَيْتِ اَیْ نِسَاءَ النَّبِيِّ وَيُطَهِّرَكُمْ مِنْهُ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِیْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ الْقُرْاٰنِ وَالْحِكْمَةِ ؕ السُّنَّةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا بِاَوْلِيَائِهٖ خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ بِجَمِيْعِ خَلْقِهٖ

ترجمہ: اور جو کوئی تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری (اطاعت) کرے گی اور اچھے عمل کرتی رہے گی تو ہم اس کو ثواب دہرا دیں گے (یعنی اور عورتوں کو جتنا ثواب ہوتا ہے اس سے دوگنا ملے گا۔ ایک قرأت میں یعمل اور یؤتیھا یا کے ساتھ ہے) اور ہم نے اس کے لئے عمدہ روزی تیار کر رکھی ہے (جنت میں زائد نعمت) اے نبی کی بیویو! تم معمولی عورتوں (کی جماعت)

کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم تقوی رکھو (اللہ سے تو تم سب سے زیادہ باعظمت ہو) پس بولنے میں (مردوں سے) نزاکت مت اختیار کرو کہ ایسے شخص کو خیال ہونے لگے۔ جس کے دل میں روگ (نفاق) ہے اور قاعدہ کے مطابق بات کیا کرو (بغیر رنج کے) اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہا کرو (لفظ **قرن** کسرہ) قاف اور فتحہ قاف کے ساتھ ہے۔ قرار سے ماخوذ ہے۔ دراصل **قررن** کسرۂ راء اور فتحہ را کے ساتھ تھا۔ **اقررن** فتحہ راء اور کسرہ راء ہے۔ را کی حرکت نقل کر کے قاف کو دے دی اور اس کے بعد راء اور ہمزہ وصل حذف ہو گئے) اور مت دکھاتی پھرو اپنے کو (تبرجن کی دراصل دو تا تھی ایک حذف کر دی گئی ہے) پرانی جاہلیت کے دستور کے مطابق (یعنی اسلام سے پہلے عورتیں جس طرح مردوں کو بھانے کے لئے بن ٹھن کر اپنی نمائش کرتی پھرتی تھیں۔ لیکن اسلام میں جس اظہار کی گنجائش ہے وہ آیت **ولا یبدین زینتھن الا ماظھر منھا** میں مذکور ہے) اور تم نماز کی پابندی رکھو اور زکوۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانا کرو۔ اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ اے (نبی کی) گھر والیو تم! سے (گناہ کی) آلودگی دور رکھے اور تمہیں پاک وصاف رکھے اور تم (قرآن کی) ان آیات الہیہ کو اور علم (سنت) کو یاد رکھو، جس کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے۔ بلاشبہ اللہ (اپنے دوستوں پر) مہربان (ساری خدائی سے) باخبر ہے۔

تحقیق وترکیب: ...... **لستن کاحد**. مفسر علامؒ نے لفظ احد کو جماعت واحدہ پر محمول کیا ہے۔ کیونکہ ازواج بھی جماعت ہیں۔ یعنی تمہارے جیسی کوئی جماعت نہیں ہے۔ لیکن احد کو افراد پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے۔ یعنی بیویوں کے افراد دوسری تمام عورتوں کے افراد سے بڑھ کر ہیں۔ پہلا تفاضل جماعتی ہے اور یہ تفاضل افرادی۔

ان اتقیتن مفسر علامؒ نے **ان کن اعظم** کہہ کر جواب شرط کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی بشرط تقوی تم اوروں کی برابر نہیں، بلکہ اوروں سے بڑھ کر ہو۔ اس صورت میں **فلا تخضعن** جملہ مستانفہ ہو جائے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اسی کو جواب شرط قرار دیا جائے۔

فلا تخضعن یعنی اول تو نامحرموں سے بلا ضرورت بات ہی نہ کرو اور ضرورت پڑ جائے تو عورتوں کی طرح نزاکت سے بات نہ کرو۔ بلکہ لہجہ میں روکھا پن اور اجنبیت ہونی چاہئے۔ جیسی ماں اولاد سے کرتی ہے۔

وقرن. مفسر علامؒ نے دونوں قراتوں کی توجیہات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کسرہ کی قرأت میں قرار بمعنی سکون سے ماخوذ ہے۔ **قریقر وقار**. **قرن** دراصل **اوقرن** تھا۔ پہلے تخفیفاً واؤ حذف ہوا، پھر ضرورت نہ رہنے کی وجہ سے ہمزہ وصل حذف ہو کر **قرن** رہ گیا۔ یا **قریقر** مضارع مکسور القاف ہو جس کی اصل **اقررن** بکسر الراء ہوگی۔ یہ جمہور کی قرأت ہے۔ لیکن نافعؒ، عاصمؒ، ابو عمرؒ نے مضارع میں فتحہ قاف پڑھا ہے۔ اصل **اقررن** تھا۔

لاتبرجن. ناز وانداز سے چلنے کو تبرج کہتے ہیں اور بعض نے بن سنور کر نکلنے اور اظہار زیبائش کے معنی کہے ہیں۔ اسلام سے پہلے کے دستور بے پردگی کو جاہلیت اولی اور اسلام کے بعد بے پردگی وغیرہ رسوم جاہلیت کرنے کو جاہلیت جدیدہ کہا جائے گا۔ یعنی پرانی جاہلیت کو دہرا کر اس کو تازہ جاہلیت مت بناؤ۔

لیذھب عنکم الرجس گناہ سے استعارہ ہے اور طہر تقویٰ سے استعارہ ہے۔ کیونکہ ظاہری گندگی کی طرح باطنی گندگی اور ظاہری پاکیزگی کی طرح باطنی پاکیزگی ہوتی ہے۔

یا اھل البیت. مفسر علامؒ نے اس کے مغلوب علی النداء ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اہل بیت سے مراد کون ہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے ازواج مطہرات کو اور بعض نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ، حضرات حسنینؓ اور خود سرور عالم ﷺ (پنجتن) کو

مانا ہے۔ لیکن بہتر تعمیم ہے کہ دونوں مراد ہیں۔ اصل ازواج اہل بیت ہیں۔ لیکن آپ کی ذریت بھی اس میں داخل ہے۔ مفسر علامؒ نے نساء النبی کہہ کر خاص کیا ہے۔

ربط: .... پچھلی آیت یاایھا النبی الخ میں اجلال نبوی کی پانچویں نوع بیان ہوئی تھی۔ جس کا حاصل یہ تھا کہ آپ کی ازواج کوئی ناشائستہ حرکت کر کے آپ کو ایذاء نہ پہنچائیں۔ ورنہ دوہری سزا کی مستحق ہوں گی۔ آیت و من یقنت الخ سے اس کا دوسرا پہلو ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی فرمانبرداری کر کے آپ کو راحت پہنچانے سے اسی طرح دوہرے اجر کی مستحق ہوں گی۔ بہرحال آنحضرت ﷺ کے انتساب سے تم ساری جہان سے ممتاز ہوگئی ہو۔ اسی ذیل میں کچھ ہدایات مزید اور بھی دی جارہی ہیں۔ جن سے پیغمبر کے گھرانہ کا ماحول خداترسی اور تقویٰ شعاری کا ہوجائے جو آپ کے لئے باعث راحت وسکون ہو۔

شان نزول: .... ام سلمہؓ کی روایت ہے کہ ابو برزہ اسلمیؓ اپنے مکان میں تشریف لائے تو گھر میں اپنی زوجہ ام ودکو دیکھ نہیں ہیں۔ گھر والوں نے اطلاع دی کہ مسجد میں گئی ہیں۔ چنانچہ وہ جب واپس آئیں تو بہت بگڑے کہ حق تعالیٰ نے عورتوں کو باہر نکلنے سے منع کردیا ہے۔ گھر میں رہیں، نہ جنازوں میں شریک ہوں اور نہ مسجد میں جائیں، نہ نماز جمعہ میں شریک ہوں۔

اسی طرح حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ "تبرج جاھلیت اولی" یہ ہے کہ عورت مردوں کے ساتھ باہر پھرے اور مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ عورت کا محض سر پر دوپٹہ ڈال لینا کہ جس سے گلے کا ہار، کانوں کے بندے بالیاں وغیرہ نمایاں ہوتی رہیں تبرج میں داخل ہے۔ (درمنثور)

اھل البیت سے کون مراد ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ازواج مطہراتؓ مراد ہیں اور عکرمہؓ تو بازار میں کھلم کھلا اس کا اعلان کرتے تھے۔ کہ یہ آیت ازواج کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ لیکن ابوسعید خدریؓ، مجاہدؒ، قتادہؒ اس کے قائل ہیں کہ یہ آیت حضرت علیؓ، فاطمہؓ اور حسنینؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور دلیل یہ دی کہ علیکم اور یطھرکم میں ضمیر مذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ ازواج کیسے مراد ہوسکتی ہیں۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ آیت کو عام مانا جائے۔ جس میں ازواج اور ذریت سب داخل ہوں۔ بلکہ حقیقۃً اہل خانہ کا اطلاق بیویوں پر ہوتا ہے۔ اولاد تو ان کا ثمرہ ہوتی ہے۔ اس لئے توسعاً وہ بھی شامل ہوجاتی ہے۔

دوسری وجہ عموم یہ ہے کہ بیویاں تو اس لئے داخل ہیں کہ سیاق اور سباق دونوں میں کلام ازواج ہی کے بارے میں چل رہا ہے اور ذریت اس لئے داخل ہیں کہ حدیث مباہلہ میں ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرات حسنینؓ آئے تو آنحضرت ﷺ نے ان چاروں کو اپنی کملی میں لے کر انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت آیت تلاوت فرمائی۔

اسی طرح حضرت ام سلمہؓ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے، آپ ﷺ نے ان چاروں کو کملی میں لے لیا اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ اللھم اھل بیت وحاشی فاذھب الرجس عنھم طھرھم تطھیرا۔ ام سلمیٰؓ نے جھانک کر عرض کیا کہ حضور (ﷺ) میں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا انک علی خیر۔ یہ آیت تطہیر چونکہ پہلی آیت تخییر سے موخر ہے اور آیت تخییر آیت حجاب کے بعد کی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ام سلمہؓ کا حضرت علیؓ سے پردہ ہوچکا تھا۔ اس لئے وہ خود کملی میں داخل نہیں ہوئیں۔ بلکہ آپ سے داخل رہنے کی درخواست کی، تاکہ پردہ کی رعایت فرماسکیں۔

بہرحال چاہے ازواج کو اصل مان کر ذریت کا بدلالت شامل کیا جائے یا ذریت کو اصل مصداق مانتے ہوئے ازواج کو بدرجہ اولیٰ داخل کیا جائے۔ یہ عموم ایسا ہی ہوگا جیسے آیت لمسجد اسس علی التقوی میں ہے۔ کیونکہ ایک طرف دیکھا جائے تو یہ آیت "مسجد

قبا" کی تعریف میں نازل ہوئی ہے۔ اور دوسری طرف آنحضرت ﷺ سے جب پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ **هو مسجدی هذا** وہاں بھی تطبیق کی صورت یہی ہے۔ جب مسجد قبا کی یہ حقیقت ہے تو مسجد نبوی ﷺ بدرجہ اولیٰ اس عظمت شان کی مستحق ہے۔

﴿تشریح﴾: یعنی جس طرح تمہارا وزر، اوروں کے مقابلہ میں دوگنا ہے، اسی طرح تمہارا اجر بھی دوسروں کی نسبت دوگنا ہے اور یہ سب اجلال نبوی ہے کہ تمہیں اللہ نے پیغمبر کی زوجیت کے لئے منتخب کیا ہے۔ تم مسلمانوں کی محترم مائیں ہو، تمہیں قابل تقلید نمونہ پیش کرنا چاہئے، اسی لئے تمہاری بدی اور نیکی دونوں کا وزن خدا کے یہاں سب سے زیادہ ہے۔

عورتوں کی خاص شان: اس کے بعد ایک ادب سکھلایا کہ اگر کسی مرد سے بات کہو تو اس طرح کہو جیسے: ماں بیٹی سے کہتی ہے اور بات بھی بھلی معقول ہونی چاہئے۔ امہات المومنین کو غیر مردوں سے مسئلے مسائل یا خانگی امور کے متعلق بات کرنے کی خاص طور پر ضرورت پیش آسکتی ہے۔ اس لئے یہ ادب بتلایا کہ اللہ سے ڈرنے اور تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ بلاضرورت نامحرموں سے کلام نہ کیا جائے۔ کیونکہ عورت کی آواز بھی عورت ہے۔ اس لئے عورت کو اذان کہنے کی اجازت نہیں ہے اور ضروری بات کہنی ہو تو اس کی رعایت رکھو کہ نرم اور دلکش لہجہ نہ ہو۔ بلاشبہ عورت میں قدرتی اور طبعی طور پر ایک نزاکت اور آواز میں لوچ اور سریلا پن ہوتا ہے۔ مگر پاکباز عورتوں کی شان یہ ہونی چاہئے کہ بے تکلف ہی سہی غیر مردوں سے گفتگو کرتے وقت لہجہ میں قدرے خشونت اور روکھا پن ہو تاکہ کسی بدباطن کو ادھر دھیان بھٹکنے کا موقعہ نہ رہے۔ یہ حکم اگرچہ سب عورتوں کے لئے عام ہے، مگر ازواج کا بلند مقام اور بھی اہتمام واحتیاط کا تقاضہ کرتا ہے۔ کہیں کوئی روگی اپنی عاقبت ہی تباہ نہ کر بیٹھے۔ پاک دل، پاک نظر، صاف ستھرا ماحول نبی کے گھرانہ کے لئے ضروری ہے۔

جاہلیت اولیٰ اور جاہلیت اخریٰ: ...... اور گھروں سے باہر مردوں کے شانہ بشانہ آزادی سے عورتوں کے گھومنے پھرنے کا جو دستور قدیم جاہلیت سے چلا آرہا ہے اور اس پر طرہ یہ کہ مردوں کو بھانے کے لئے پورے بناؤ سنگھار کے ساتھ عورتیں بر ملا بناؤ سنگھار کرتی پھرتی تھیں، اسلام نے اس گندہ معاشرہ اور بگڑے ہوئے ماحول پر قدغن لگائی۔ اس نے عام طور سے سب عورتوں کو اور ازواج مطہرات کو خاص طور پر حکم دیا کہ وہ زینت محل بنیں زینت محفل نہ بنیں۔ عورت کی بحیثیت عورت اسی میں عزت ہے کہ وہ گھر کی با اختیار ملکہ بنے۔ اس میں نہیں کہ وہ آزادی اور مساوات کے بہانے مرد کے لئے ایک تفریحی کھلونا بنی رہے۔ **زين للناس حب الشهوات من النساء والبنين** سے بھی یہی اشارہ ملتا ہے کہ گو کہ تو لوگوں کے لئے زینت ہیں، مگر عورتیں لوگوں کے لئے نہیں بلکہ گھر کی رونق ہیں۔ اس لئے باہر نکل کر حسن وجمال کی نمائش نہ کرتی پھریں۔ البتہ شرعی یا طبعی ضرورت کی وجہ سے بغیر زیب وزینت برقعہ پوش ہو کر سادگی سے نکلیں اور کسی فتنہ کا اندیشہ بھی نہ ہو تو نصوص اور قرون خیر کے عملی نمونوں کی بنیاد پر اس کی گنجائش ہے، لیکن نئی روشنی اور ترقی یافتہ دور نے معاشرہ جو اندھیرا دیا ہے حتیٰ کہ پرانے دور جاہلیت کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ اس کو دیکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ آج عورت سب کچھ ہے، پر عورت نہیں رہی۔ اس کی عزت اور زیور حیات سب چھوٹ چکا ہے۔ مغرب کا یہ کینسر مشرق کے جسم میں بھی سرایت کر گیا ہے اور سارا معاشرہ اس کا شکار ہو رہا ہے۔ یہ جاہلیت اخریٰ ہے جو پہلے سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔

نبی کا گھرانہ: ویقمن الصلوٰۃ الخ یعنی نبی کے گھرانہ کو اسلام کا مکمل گہوارہ بنا دو۔ جس میں عبادت اور اللہ ورسول کی لگن کا چرچا ہو اور قلبی ستھرائی، بدنی اور خلقی بہترائی سے سارے ماحول کو پاکیزہ بنا دو۔ تطہیر سے مراد یہاں وہ نہیں ہے جو آیت وضو

ولكن يريد ليطهركم آیا ہے اور نہ وہ ہے جو قصۂ بدر کے سلسلہ میں ليطهركم به ويذهب عنكم رجز الشيطان فرمایا گیا ہے۔ بلکہ تزکیہ باطن اور تصفیہ قلب، تہذیب نفس کا وہ اعلیٰ مقام ہے جو اولیائے کاملین کو حاصل ہوتا ہے، جس کے بعد وہ انبیاء کرام کی طرح معصوم تو نہیں بن جاتے، البتہ محفوظ ضرور ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اراد اللہ کی بجائے يريد الله ليذهب فرمانا خود اس کی دلیل ہے کہ اہل بیت کے لئے عصمت ثابت نہیں ہے۔

اہل بیت کون ہیں؟... ان آیت کے سیاق وسباق میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہل البیت کا مصداق حقیقۃً ازواج ہی ہیں۔ ابن عباسؓ کا ارشاد ہے۔ نزلت في نساء النبي صلى الله عليه وسلم خاصة عکرمہؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں۔ من شاء باهلته انها نزلت في شان نساء النبي صلى الله عليه وسلم اور فرمایا کہ ليس بالذي تذهبون اليه انما هو نساء النبي صلى الله عليه وسلم (درمنثور)۔ رہا عنکم میں ضمیر مذکر کا ہونا سو یا تو بطور تغلیب حضور مراد ہیں اور یا لفظ اہل کی رعایت سے ضمیر مذکر لائی گئی ہے۔ چنانچہ آیت قال لاهله امكثوا میں بعینہٖ یہی صورت ہے۔

اس کے علاوہ بھی قرآن میں عموماً اسی سیاق میں استعمال ہوا ہے۔ حضرت سارہؓ کو فرشتوں نے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا۔ اتعجبين من امر الله رحمة الله وبركاته عليكم اهل البيت۔ اسی طرح مطلقہ بیوی جو ابھی عدت میں ہے مکان کو اس کی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا گیا۔ ولا تخرجوهن من بيوتهن نیز حضرت یوسفؑ کے واقعہ میں زلیخا کی طرف مکان کی نسبت کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے وراودته التي هو في بيتها. حاصل یہ ہے کہ گھر والی تو بیوی ہی ہوتی ہے اور عرف میں بھی وہی گھر والی کہلاتی اور سمجھی جاتی ہے۔ البتہ اولاد اور داماد بھی چونکہ گھر والوں میں ہی شمار ہوتے ہیں اس لئے وہ بھی اہل بیت کے مفہوم میں داخل ہو جائیں گے۔ بلکہ بعض حیثیتوں میں وہ اس خطاب کے زیادہ مستحق ہیں۔ چنانچہ حضرت فاطمہؓ کے آگے سے گزرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ الصلوة اهل البيت يريد الله ليذهب عنكم الرجس باقی چونکہ ان آیت میں صراحۃً ازواج اہل بیت میں داخل ہو چکی تھیں، اس لئے اللهم هؤلاء اهل بيتي کہنے میں ان کو داخل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ کہ وہ تو پہلے ہی سے داخل ہیں۔ ضرورت اولاد اور داماد کو داخل کرنے کی تھی کہ ان کا شمار غیر ظاہر تھا۔ غرضیکہ آیت و روایت کو ملا کر دونوں کو اہل بیت میں شمار کیا جائے گا۔

پس حدیث مذکور کی رو سے پنج عبا کے آیت کا مصداق ہونا یا حدیث ام سلمہؓ کی رو سے ازواج کا مصداق نہ ہونا جو بظاہر معلوم ہو رہا تھا اب وہ شبہ نہ رہا۔ کیونکہ بات دراصل یہ ہے کہ آیت اور حدیث میں اہل بیت کا ایک ہی مفہوم نہیں ہے بلکہ حدیث هولاء میں تو اہل بیت سے عترت مراد ہیں۔ رہی آیت سو اس میں یا تو عام مفہوم مراد ہے جس کی ایک قسم یعنی ازواج تو آیت کا مدلول ہی ہے اور دوسری قسم یعنی عترت کا مدلول ہونا کملی میں آپ نے ان کو داخل کر کے ملاحظہ فرما دیا اور آیت کا مفہوم اگر خاص ازواج ہیں تو پھر عترت کو عبا میں داخل کر کے آیت یا آیت کے مناسب دعائیہ کلمات پڑھنا بطور عموم الاعتبار ہوگا۔ جیسا کہ آپ نے آیت "نساء صباح المنذرين" خیبر کے موقعہ پر پڑھی تھی۔ حالانکہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یا مسئلہ تقدیر کے سلسلہ میں آپ نے آیت "فاما من اعطى" پڑھی تھی، اسی طرح یہاں بھی یہ مطلب ہوگا کہ اے اللہ! اہل بیت کی نوع ایک یہ بھی ہے جن کے لئے میں دعا کر رہا ہوں۔ اور عموم الاعتبار ہونے پر ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ دعا میں گندگی دور ہونے اور پاکی حاصل ہونے سے مراد تکوینی پلیدی اور پاکی ہے۔ کیونکہ آیت میں تطہیر شرعی مراد ہے جو حدیث میں نہیں ہے، ورنہ پھر اس دعا کے کوئی معنی نہیں رہتے۔

رہا ام سلمہؓ کو "انك على خير" فرمانے سے یہ سمجھنا کہ تم اہل بیت نہیں ہو باعث اشکال نہیں، کیونکہ منشاء یہی ہے کہ تم پہلی نوع

میں ہو اس دوسری نوع میں نہیں ہو وہ بھی حاصل ہے۔ حضرت زید بن ارقمؓ کے اس ارشاد کا کہ اہل بیت وہ ہیں جن پر صدقہ کرنا حرام ہے۔ یعنی عترت اس سوال کے جواب میں جو ان سے اہل بیت کے معنی کے متعلق کیا گیا تھا۔ پس قرینہ حالیہ مقامیہ سے انہوں نے یہ معنی ارشاد فرمائے۔ نہ ان سے آیت کی تفسیر پوچھی گئی اور نہ انہوں نے آیت کے متعلق یہ ارشاد فرمایا۔ پس ان کے اس فرمانے سے ام سلمہ کے اہل بیت میں نہ ہونے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے جبکہ اسی روایت میں ان کا یہ قول بھی ہے "نساء ه من اهل بيته" بلکہ خود ام سلمہ کے اس سوال پر کہ کیا میں اہل بیت نہیں ہوں۔ بسند متصل معالم میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد منقول ہے۔ "بلى انشاء الله"

حاصل یہ نکلا کہ اہل بیت کے دو مفہوم ہیں۔ ایک ازواج دوسرے عترت۔ خصوصی قرائن کی وجہ سے کہیں ایک مفہوم مراد ہوتا ہے اور کہیں دوسرا، اور کہیں عام مفہوم بھی مراد ہو سکتا ہے۔ پس آیت میں مفہوم اول تو ظاہراً مراد ہے اور تیسرا مفہوم بھی محتمل ہے۔ لیکن حدیث ثقلین، حدیث حرمت صدقہ، حدیث عبا میں البتہ دوسرا مفہوم مراد ہے۔ اس تقریر سے آیت اور تمام روایات میں پوری طرح تطبیق ہوگئی اور کوئی اشکال نہیں رہا۔

رد روافض:۔۔۔ شیعہ صاحبان اول تو "ازواج مطہرات" کو اہل بیت میں داخل نہیں کرتے۔ وہ صرف "پنجتن" کو اہل بیت سمجھتے ہیں۔ دوسرے اہل بیت کو معصوم مانتے ہیں۔ ان دونوں کے جوڑ نے ان کو مشکل میں ڈال دیا ہے۔ ایک طرف آیت پر نظر کی جاتی ہے جس کا مصداق ازواج ہیں۔ تب تو مسئلہ عصمت کھٹائی میں پڑتا ہے اور روایات کی مدد سے اہل بیت پنجتن کے لئے اگر وہ عصمت کو ضروری سمجھتے ہیں، تو پھر آیت ہاتھ سے جاتی ہے۔ ازواج کو مسئلہ عصمت میں شریک کرنا پڑتا ہے۔

بہر حال اول تو ثبوت عصمت کے لئے کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہے ورنہ ازواج کو بھی شریک کرنا پڑے گا۔ جس کو وہ نہیں مانتے۔ اور بالفرض اگر ازواج کو شامل نہ بھی کیا جائے تب بھی گناہوں سے معصوم کیسے معلوم ہوا۔ بہت ممکن ہے گناہوں کو معاف کر کے پاک صاف کرنا مراد ہے، بلکہ لفظ تطہیر پر نظر کرنے سے یہی معنی قرین قیاس معلوم ہوتے ہیں، کیونکہ میل ہوگا تو پاک صاف کرنا کہا جائے گا ورنہ کس چیز کی تطہیر کی جا رہی ہے۔ تحصیل حاصل ہے اور بالفرض اگر عصمت کے معنی گناہ نہ کرنے کے ہی تسلیم کر لئے جائیں تو یہ کیسے معلوم ہوا کہ گناہوں کا وقوع نہیں ہوا۔ زیادہ سے زیادہ وہ اثبات مدعا میں آیت "يريد الله الخ" کو پیش کرتے ہیں تو اس کے جواب میں بقول علامہ ابن تیمیہ اصول قدریہ اور امامیہ پر تو یہ کہا جائے گا کہ اللہ کے ارادہ کے مطابق مراد پوری نہیں ہوئی۔ یعنی گناہوں سے بچنا پورا نہیں ہوا۔ یہ ایسا ہی ہوگا کہ اللہ نے سارے جہاں کے ایمان کا ارادہ کیا۔ مگر وہ پورا نہیں ہوا کہ ہر زمانہ میں کافر رہے ہیں اور زیادہ رہے ہیں۔ لیکن اصول اہل سنت پر بھی یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ اللہ کے ارادہ کی دو قسمیں ہیں۔ ارادہ تشریعیہ، ارادہ تکوینیہ۔ ارادہ تشریعیہ تو اللہ کی محبت و رضا پر مشتمل ہوتا ہے۔ جیسے ان آیات میں ہے۔

۱. يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر.

۲. يريد الله ليبين لكم ويهديكم سنن الذى من قبلكم ويتوب عليكم.

۳. والله يريد ان يتوب عليكم ويريد الذين يتبعون الشهوات.

یہ سب باتیں اللہ کی پسندیدہ اور مرضی کے مطابق ہیں۔ اگرچہ لوگ خلاف کرتے رہتے ہیں، مگر اس سے اللہ کے ارادہ تشریعی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ بدستور باقی ہے۔ دوسری قسم کا ارادہ تکوینیہ ہے جو تقدیر و تخلیق خداوندی پر مشتمل ہوتا ہے۔ جیسے آیت فمن يرد الله ان يشرح صدره للاسلام ومن يرد ان يضله يجعل صدره ضيقاً حرجاً میں ارادہ تکوینیہ کا بیان ہے۔ اس میں اگر خلاف ہوا تو

ارادہ تکوینی کے خلاف ہونا لازم آئے گا جو ممکن نہیں۔ پس آیت یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس میں تشریعی ارادہ مراد ہے اور تھوڑی دیر کے لئے اس آیت کو اگر عام بھی مان لیا جائے، تب بھی خطا سے عصمت کیسے لازم آئی۔ جس کے روافض قائل ہیں۔ ممکن ہے صرف گناہ سے عصمت ہو خطا سے عصمت نہ ہو۔ پھر یرید کہہ کر آئندہ کے لئے وعدہ فرمایا ہے۔ ارادہ نہیں فرمایا کہ پچھلے گناہوں کے صدور کا انکار ہو۔ غرض اتنے احتمالات ہوتے ہوئے آیت سے اہل بیت کی عصمت پر استدلال کی قطعاً گنجائش نہیں رہی۔ خواہ اہل بیت کے خاص معنی مراد ہوں یا مفہوم عام اور خواہ ارادہ تشریعیہ کا مراد ہونا یقینی ہو یا محتمل اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

آخر عام مومنین کے لئے بھی تو دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔ ولکن یرید لیطہرکم اب رہی یہ بات کہ جب ارادہ تشریعیہ تمام مکلفین کے لئے عام ہے تو پھر اہل بیت کی کیا فضیلت رہی۔

جواب یہ ہے کہ تطہیر ایک کلی مشکک ہے۔ جس میں علی قدر مراتب عوام وخواص سب شریک ہیں۔ مگر اہل بیت کی طرف حق تعالیٰ کا زیادہ اعتناء اور التفات ہوگا۔ جیسا کہ خود اہل بیت کا عنوان بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔ پس وہ فضیلت ونجات میں بھی سب سے بڑھ کر ہوں گے۔ اس سے زائد جو اور ان کے فضائل ہیں وہ اس آیت پر موقوف نہیں۔ دوسری آیات وروایات ان پر دال ہیں۔

نکات آیات: ۱۔ آیت میں جس طرح اہل بیت کے لئے دہرا اجر فرمایا گیا۔ اسی طرح ایک حدیث میں تین شخصوں کے لئے بھی دہرے اجر کا وعدہ فرمایا گیا۔ پس یہ وہ حدیث اس آیت کے معارض نہیں ہے۔ کیونکہ عدد سے انحصار مقصود نہیں۔ چنانچہ دوسری روایت میں چار کا عدد آیا ہے اور ازواج مطہراتؓ کو بھی ان میں شمار کیا گیا ہے۔ عن امامۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربعۃ یوتون اجرھم مرتین منھم ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (درمنثور)

۲۔ عذاب کے دہرا ہونے کو تو صرف ایک عمل یعنی "فاحشۃ مبینۃ" پر مرتب فرمایا۔ لیکن دہرے اجر کو فرمانبرداری اور نیک چلنی یعنی شریعت کے مجموعہ پر مرتب فرمایا ہے۔ کیونکہ مقبولیت عامہ کے لئے تو کل اور مجموعہ کا پایا جانا ضروری ہے۔ مگر سزا کے لئے تو فی الجملہ کچی بھی کافی ہے۔

۳۔ عذاب کے دوگنا ہونے سے آیت من جاء بالسیئۃ فلا یجزی الا مثلھا کے تعارض کا شبہ نہ کیا جائے۔ جس میں کوئی جرم کی برابر سزا کا حکم عام ہے۔ کیونکہ ازواج کی خصوصیات کے پیش نظر جرم بھی شدید سمجھا جائے گا۔ پس شدید سزا بھی اس کے مماثل ہی رہے گی۔ جیسا جرم ویسی ہی سزا۔

۴۔ ان اتقیتن میں تقویٰ کے مدار فضیلت ظاہر کرنے کے لئے یہ عنوان اختیار کیا گیا ہے اور افضیلت کا تقویٰ پر معلق ہونا بتلایا ہے۔ پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ازواج متقی نہ تھیں۔ دوسری توجیہ یہ بھی ممکن ہے کہ اتقیتن کے معنی "ومن علی التقوی" کے ہوں۔ یعنی افضلیت کو دوام تقویٰ سے وابستہ کیا گیا ہے۔

۵۔ لاتخضعن بالقول گو بظاہر مطلق ہے مگر مقصود خاص اجانب ہیں کہ ان سے گفتگو میں احتیاط برتو۔

۶۔ ان آیات میں اگرچہ الفاظ خاص ہیں۔ جس کی مخاطب ازواج مطہرات ہیں۔ مگر چونکہ مقصد عفت وعصمت وحیا ہیں۔ ان کی حفاظت کے لئے یہ احکام مشروع ہوئے۔ پس اس دلالت کے اعتبار سے یہ احکام سب عورتوں کے لئے عام ہیں۔ چنانچہ مقاتلؒ نے لاتبرجن کے متعلق فرمایا ہے ثم عمت نساء المومنین فی التبرج بلکہ تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ احکام چونکہ سد ذرائع کے طور پر مشروع ہوئے ہیں، ان کی علت معاشرہ سے برائیوں کو روکنا ہے اور عام عورتیں اس کی زیادہ محتاج ہیں۔ اس لئے دوسری سب عورتیں بدرجہ اولی ان احکام کی مکلف ہوں گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ لفظ قرن کے مقابل تبرج کو جاہلیت کے ساتھ تشبیہ دی گئی

ہے۔ جس سے گھروں میں عورتوں کے نہ ٹھہرنے کی برائی واضح ہے اور ظاہر ہے کہ ایسی برائی دوسری عورتوں کے لئے جائز نہیں ہوسکتی۔
تیسری بات یہ کہ احادیث میں بھی ہے۔ **المراۃ عورۃ فاذا خرجت استشرفها الشیطان** جس سے ان احکام کا سب عورتوں کے
لئے عام ہونا ثابت ہوگیا۔ پس خصوصی خطاب کی وجہ سے حکم کو خاص نہیں کیا جائے گا اور الفاظ **لستن کاحد من النساء** سے شبہ نہ کیا
جائے۔ کیونکہ اس کا حاصل تو یہ ہے کہ ازواج مطہرات اوروں سے زیادہ اہتمام احکام کی مستحق ہیں اور بعض علماء نے سد ذرائع کی وجہ
سے حجاب کو صرف ازواج کے ساتھ واجب لغیرہ کہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ **لاتخضعن** اور **لاتبرجن** کو کسی نے خاص نہیں کہا۔ پس **قرن**
بھی خاص نہیں ہوگا۔ جو دونوں عمومی احکام کے درمیان واقع ہے۔ البتہ قرآن کے حکم سے ضروریات مستثنیٰ ہیں۔ ارشاد نبوی **قد اذن
لکم ان تخرجن لحاجتکن** کی وجہ سے نیز آنحضرت ﷺ کے ازواج مطہرات کو سفر اور حج میں لے جانے کی وجہ سے۔

۷۔ **بیوتکن** میں گھروں کی نسبت ازواج مطہرات کی طرف دونوں طرح کی ہوسکتی ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں ان کو مالک بنا دیا
ہو۔ کیونکہ میراث کا تو احتمال ہی نہیں اور یا پھر آپ کی اجازت سے سکنیٰ کے طور پر رہتی ہوں اور وفات نبوی کے بعد بھی مالکانہ تصرف
نہیں ہوگا۔ بلکہ ضرورتمندوں کے وقف سے منتفع ہونے کے طور پر ہوگا۔ غرضیکہ ان دونوں احتمالات میں سے کسی ایک کی تعیین تو
مستقل دلیل کی محتاج ہوگی۔ پھر بیوتکن کا اضافہ دونوں صورتوں پر ہوسکتا ہے۔

لطائف سلوک: ...... فلا تخضعن بالقول. اس میں فتنہ کے اسباب سے بچے رہنے کا حکم ہے۔ اگرچہ اسباب بعیدہ ہی
ہوں۔ بالخصوص عورتوں سے کہ ان کا قصہ بڑا سخت ہے۔

إِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ المطيعات **وَالصّٰدِقِيْنَ
وَالصّٰدِقٰتِ** في الايمان **وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ** على الطاعات **وَالْخٰشِعِيْنَ** المتواضعين
وَالْخٰشِعٰتِ المتواضعات **وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ
فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ** عن الحرام **وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً**
لِلْمَعَاصِي **وَّاَجْرًا عَظِيْمًا** ﴿۳۵﴾ على الطاعات **وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ
اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ** بالتاء والياء **لَهُمُ الْخِيَرَةُ** الاختيارُ **مِنْ اَمْرِهِمْ** خِلَافَ اَمْرِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ نَزَلَتْ فِي عَبْدِ
اللّٰهِ بْنِ جَحْشٍ وَاُخْتِهٖ زَيْنَبَ خَطَبَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنَى لِزَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ فَكَرِهَا ذٰلِكَ حِيْنَ
عَلِمَاهُ لِظَنِّهِمَا قَبْلُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَهَا لِنَفْسِهٖ ثُمَّ رَضِيَا لِلْاٰيَةِ **وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا** ﴿۳۶﴾ بَيِّنًا فَزَوَّجَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِزَيْدٍ ثُمَّ وَقَعَ بَصَرُهٗ عَلَيْهَا بَعْدَ حِيْنٍ
فَوَقَعَ فِي نَفْسِهٖ حُبُّهَا وَفِي نَفْسِ زَيْدٍ كَرَاهَتُهَا ثُمَّ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُرِيْدُ فِرَاقَهَا فَقَالَ اَمْسِكْ
عَلَيْكَ زَوْجَكَ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى **وَاِذْ** منصوب باذكر **تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ** بِالْاِسْلَامِ

وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ بالإعتاق وهو زيد بن حارثة كان من سبي الجاهلية اِشْتَرَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قبل البعثة وأعتقه وتبنّاه **اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ** فِي اَمْرِ طَلَاقِهَا **وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ** مُظْهِرُهُ مِنْ مَحَبَّتِهَا وأنْ لو فارقها زيد تزوّجتها **وَتَخْشَى النَّاسَ** أَنْ يَقُوْلُوْا تزوّج مُحَمَّدٌ زوجة ابنه **وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ** فِي كُلِّ شَيْءٍ وتزوّجها ولا عليك من قول النّاس ثُمَّ طلّقها زيد وانقضت عدّتها قال اللّٰه تعالى **فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا** حاجة **زَوَّجْنٰكَهَا** فدخل عليها النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم بغير إذن وأشبع المسلمين خبزا ولحما **لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ** مقضيّه **مَفْعُوْلًا** ﴿٣٧﴾ **مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ** أحلّ **اللّٰهُ لَهٗ ۭ سُنَّةَ اللّٰهِ** أي كسنّة اللّٰه فنصب بنزع الخافض **فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۭ** مِنَ الْاَنْبِيَاءِ أنْ لا حرج عليهم في ذلك توسعة لهم في النّكاح **وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ** فعله **قَدَرًا مَّقْدُوْرَا** ﴿٣٨﴾ مقضيّا **الَّذِيْنَ** نعت للّذين قبله **يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ۭ** فلا يخشون مقالة النّاس فيما أحلّ اللّٰه لهم **وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا** ﴿٣٩﴾ حافظا لأعمال خلقه ومحاسبهم **مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ** فليس أبا زيد أي والده فلا يحرم عليه التزوّج بزوجته زينب **وَلٰكِنْ** كان **رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ** فلا يكون له ابن رجل بعده يكون نبيّا وفي قراءة بفتح التّاء كآلة الختم أي به ختموا **وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا** ﴿٤٠﴾ منه بأن لا نبيّ بعده وإذا نزل السيّد عيسى يحكم بشريعته

ع ۵ ۲

ترجمہ: ... بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار (اطاعت شعار) عورتیں اور (ایمان میں) راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور (طاعات پر) صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع (تواضع) کرنے والے مرد اور خشوع (تواضع) کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور (حرام کاری سے) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور عورتیں۔ ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے (گناہوں کی) مغفرت اور (فرمانبرداریوں پر) اجر عظیم تیار کر رکھا ہے اور کسی ایماندار مرد اور کسی ایماندار عورت کے لئے گنجائش نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دیں کہ ان کو (تکون تا اور یا کے ساتھ ہے) ان کے اس کام میں اختیار باقی رہے۔ (اللہ و رسول کے حکم کے برخلاف یہ آیت عبداللہ بن جحشؓ اور ان کی بہن زینبؓ کے متعلق جن کو آنحضرت ﷺ نے بہ نسبت زید بن حارثؓ پیغام نکاح دیا۔ مگر ان دونوں کو ناگوار گزرا جب کہ انہیں یہ معلوم ہوا کہ یہ رشتہ زیدؓ کے لئے ہے۔ حالانکہ پہلے ان کو یہ گمان تھا کہ یہ پیغام آنحضرتؐ نے خود

اپنے لئے دیا ہے۔ تاہم اس کے بعد آیت کی وجہ سے دونوں راضی ہوگئے۔ اور جو کوئی اللہ اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں جا پڑا۔ (چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کا نکاح کردیا۔ کچھ دنوں بعد آنحضرت ﷺ کی نگاہ زینبؓ پر پڑی تو آپ ﷺ کے دل میں ان کی محبت پیدا ہوگئی اور زید کے دل میں ان سے نفرت، کچھ وقت کے بعد آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میرا ارادہ اسے چھوڑنے کا ہے۔ مگر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے ہی پاس رہنے دو۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے) اور اس وقت جبکہ (لفظ اذ منصوب ہے اذکر کی وجہ سے) آپ اس شخص سے فرما رہے تھے، جس پر اللہ نے (اسلام دے کر) انعام کیا اور آپ نے بھی انعام کیا (آزاد کرکے یعنی زید بن حارثہؓ جو جاہلیت کے اسیروں میں تھے اور آنحضرت ﷺ نے انہیں نبوت کا اعلان کرنے سے پہلے خریدا اور آزاد کیا اور متبنیٰ بنالیا تھا) کہ اپنی بیوی کو اپنے ہی پاس رہنے دو اور (طلاق کے متعلق) اللہ سے ڈرو اور اپنے دل میں آپ ﷺ وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ تعالیٰ ظاہر فرمانے والا تھا (اس سے محبت کو ظاہر کردے گا اور زید چھوڑ دے گا تو ہم تمہارا نکاح ان سے کردیں گے) اور آپ لوگوں سے اندیشہ کررہے تھے (کہ لوگ کہیں گے کہ محمد (ﷺ) نے اپنے بیٹے کی بیوی سے شادی کرلی ہے) حالانکہ ڈرنا تو اللہ ہی سے زیادہ سزاوار ہے (پھر بعد میں اللہ آپ کا نکاح زینبؓ سے کردے گا اور لوگوں کی باتوں کا آپ پر کچھ اثر نہیں ہوگا۔ غرضیکہ زیدؓ نے زینبؓ کو طلاق دے دی۔ اور طلاق کی عدت گزر گئی۔ ارشاد ربانی ہے) پھر زید کا جب اس سے جی بھر گیا (حاجت نہیں رہی) ہم نے آپ سے اس کا نکاح کردیا۔ (چنانچہ آنحضرت ﷺ زینبؓ کے یہاں بلا اجازت تشریف لے گئے اور گوشت روٹی سے مسلمانوں کو شکم سیر کیا) تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کچھ تنگی نہ رہے۔ جب وہ ان سے اپنا جی بھر لیں اور اللہ کا حکم (فیصلہ) تو ہونے ہی والا تھا۔ یعنی اللہ نے جو چیز مقرر (حلال) کردیا تھا اس میں نبی پر کوئی الزام نہیں ہے اللہ کا یہی معمول رہا ہے۔ (یعنی یہ معمول اللہ کی عادت کے مطابق ہے۔ اور لفظ سنۃ منصوب ہے حذف جار کے بعد) ان کے بارے میں جو آپ سے پہلے ہو چکے ہیں (انبیاء کہ اس بارے میں ان کے لئے تنگی نہیں رکھی۔ ان کو نکاح میں وسعت دینے کے لئے) اور اللہ تعالیٰ کا حکم (کام) خوب تجویز کیا ہوا (پورا) ہوتا ہے۔ (یہ جملہ پہلے جملہ کی صفت ہے) جو اللہ کے پیغامات پہنچایا کرتے تھے اور اسی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے (لہٰذا آپ بھی لوگوں کے پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہوئیے۔ ان احکام کے سلسلے میں جو اللہ نے ان کے لئے حلال کئے ہیں) اور اللہ حساب کے لئے کافی ہے (لوگوں کے اعمال کا نگراں اور بازپرس کرنے والا) محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں (چنانچہ آپ ﷺ زید کے والد بھی نہیں ہیں۔ اسی لئے ان کی بیوی زینبؓ سے آپ ﷺ کا نکاح بھی ناجائز نہیں ہے) لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں (اسی لئے آپ کا کوئی بیٹا نہیں رہا کہ وہ آپ کے بعد نبی ہوتا اور ایک قرأت میں لفظ خاتم ضمہ تا کے ساتھ ہے۔ یعنی آپ مہر کی طرح ہیں جو کسی کام کے ختم پر لگائی جاتی ہے) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے (منجملہ ان کے یہ بات بھی کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو آپ ہی کی شریعت کے مطابق فیصلے فرمائیں گے)۔

تحقیق وترکیب: ۔ **ذاکرین اللہ** زبان ودل ہمہ وقت ذکر سے تر رہیں۔ کثرت ذکر کی علامت یہ ہے کہ آنکھ کھلتے ہی زبان پر اللہ کا نام جاری ہو جائے اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ کوئی کثیر الذکر اس وقت تک نہیں کہا جائے گا جب تک اٹھتے بیٹھتے ہر حال میں ذکر کا ورد نہ ہو جائے۔

ماکان لھم الخیرۃ مفسر علامؒ نے اختیار سے تفسیر کرکے اشارہ کردیا کہ یہ مصدر ہے خلاف قیاس جیسے **طیرۃ** اور **لھم** اور **امرھم** کی ضمیر جمع نکرہ کی طرف بلحاظ معنی راجع ہے اور علامہ طیبی نے ضمیر جمع کی طرف عدول کا نکتہ لکھا ہے کہ جس طرح ہر فرد کو اللہ و

رسول کے مقابلہ میں اختیار باقی نہیں رہتا۔ اجتماعی طور پر بھی یہ اختیار باقی نہیں ہے۔ گرچہ جماعتی تاثیر وقوت ایک ایک فرد سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور لفظ ماکان لھم ممانعت کے معنی میں آتا ہے اور کبھی امتناع عقلی کے لئے بھی آتا ہے جیسے ماکان لکم ان تنبتو ا شجرھا میں اور کبھی امتناع شرعی کے لئے بھی آتا ہے، جیسے ماکان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا میں ہے۔

اشترا ہ. یہ صورۃ شراء ہے۔ ورنہ آزاد کی خرید وفروخت ظاہر ہے کہ صحیح نہیں۔ حضرت زیدؓ اصل سے شریف عرب تھے۔ لڑکپن میں کوئی ظالم انہیں پکڑ کر لے آیا اور مکہ کے بازار میں بیچ گیا۔ نیز وہ زمانہ فترۃ کا واقعہ ہے۔ اس وقت تک اسلام نہیں آیا تھا۔ پھر مسلمانوں کے جنگی قیدی کہاں ہوئے۔ اسی طرح دراصل ان کو حضرت خدیجہؓ نے حکیم بن حزام کے ذریعہ چار سو درہم میں خرید کر حضور ﷺ کو ہبہ کیا تھا۔ آپؐ نے خود نہیں خریدا تھا۔ اس لئے یہ دونوں باتیں تسامح پر محمول ہوں گی۔

حضرت زیدؓ جب ذرا ہوشیار ہوئے تو ایک تجارتی سفر میں اپنے وطن کے قریب سے گزرے۔ ان کے اعزہ کو پتہ لگ گیا۔ آخر ان کے باپ، چچا، بھائی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چاہا کہ معاوضہ لے کر زیدؓ ان کے حوالہ کر دیں۔ مگر آپ نے بلا معاوضہ ان کو لے جانے کی اجازت دے دی۔ لیکن زید جانے پر رضامند نہ ہوئے۔ آپ نے ان کو آزاد کر کے بیٹا بنالیا۔ چنانچہ ان کا نام زید بن محمد پڑ گیا۔ مگر آیت ادعوھم کے بعد جب شرف نسب منقطع ہوگیا اور ان کا اصلی نام زید بن حارثہ پکارا جانے لگا تو اللہ نے اس کی تلافی اس طرح فرمائی کہ قرآن میں صراحت کے ساتھ ان کا نام ہمیشہ کے لئے ثبت ہوگیا جو تمام صحابہؓ میں ان کے لئے امتیاز و شرف کا باعث بنا۔

للذی انعم الله اس عنوان میں نکتہ یہ ہے کہ خلاف ضمیر بات وہی کہی جاتی ہے جہاں تکلف کے پردے حائل ہوں یا کسی کی وجاہت مانع ہو۔ مگر زید جب آپ کے ممنون احسان ہیں تو آپ ان سے بے تکلف دل کی بات فرما سکتے تھے۔ اس رکھ رکھاؤ کی آخر کیا ضرورت تھی۔ (روح المعانی)

امسك. معنی حبس کے متضمن ہونے کی وجہ سے علیٰ کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے۔

وتخفی فی نفسك. یعنی آپ ﷺ کو یقین تھا کہ ان پر نبھاؤ نہیں ہوسکے گا اور نوبت طلاق کی آئے گی اور آپ ﷺ کو خود نکاح کرنا ہوگا۔ مگر بیرونی مصالح کی وجہ سے آپ ﷺ زبان پر نہیں لا رہے تھے۔ لیکن افسانہ محبت کو محققین نے بے بنیاد اور بے اصل کہا ہے۔

قضی زید منها وطرا وطر کے معنی حاجت کے ہیں۔ بیوی کی طرف جب التفات نہیں رہتا تو پھر طلاق کی نوبت آجاتی ہے۔

زوجنا کھا یعنی یہ آسمانی نکاح ہے۔ معمول کے مطابق عام نکاح نہیں کہ باقاعدہ اولیاء اور گواہوں کی ضرورت پیش آئے۔

بغیر اذن آسمان پر یہ جوڑی چونکہ مل چکی تھی اس لئے نہ اجازت کی ضرورت زنان خانے میں جانے کے لئے پیش آئی اور نہ کوئی مہر بندھا اور نہ رسمی طور پر عقد نکاح ہوا۔ یہ آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔ ۳ یا ۵ ہجری میں یہ واقعہ ہوا۔ چنانچہ ایک بکری ذبح ہوئی اور گوشت روٹی کا ولیمہ ہوا۔

سنة الله. بمعنی دستور یہ جملہ ماکان علی النبی من حرج کی تاکید کے لئے۔

ماکان محمد. آنحضرت ﷺ کا نام نامی محمد جو آپ ﷺ کے جد امجد کا تجویز کردہ اور اس عالم ناسوت میں معروف ہے۔ قرآن کریم میں چار جگہ آیا ہے۔ سورۂ آل عمران وما محمد الا رسول اور احزاب ماکان محمد ابا احد اور سورۂ محمد نزل علی محمد سورۂ فتح محمد رسول الله اور چاروں جگہ وصف رسالت کے ساتھ بلکہ اس آیت میں وصف خاتمیت رسالت بھی لایا گیا ہے۔ محمد اور محمود بمعنی ستودہ صفات یہ نام آپ سے پہلے کسی کا نہیں ہوا۔ جس طرح آپ کا نام بے مثال ہے۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ

آپ بھی بے مثال ہو رہے۔ اس کے مقابلہ میں کفار نے آپ کا نام "مذمم" رکھا ہوا تھا اور یہ نام لے کر آپ کو برا بھلا کہتے تھے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا یہ لوگ مذمم کی برائی کر رہے ہیں اور میں مذمم نہیں محمد ہوں۔ الحمد للہ کہ اس طرح اللہ نے مجھے ان کی برائی سے بچا لیا ہے۔ صرف ایک جگہ قرآن میں آپ کا آسمانی اور کتب سابقہ میں تجویز کردہ اسم گرامی احمد سورۂ صف میں آیا ہے۔ "اسمہ احمد" پہلے نام میں بلحاظ محمودیت مبالغہ ہے اور اس نام میں باعتبار حامدیت مبالغہ ہے۔ واقعی دونوں صاف اوصاف ہیں۔ آپ سب سے بڑھ کر ہیں۔ آپ کسی مرد کے حقیقی باپ نہیں ہیں اور نہ کوئی مرد آپ کا حقیقی بیٹا ہے۔ بلا شبہ آپ کے دو تین صاحبزادے ہوئے، مگر بچپن ہی میں وفات پا گئے۔ مرد ہونے کی حد تک نہیں پہنچ سکے۔ اسی طرح حضرت فاطمہؓ وغیرہ دختری اولاد ہیں پسری نہیں ہیں۔ اس لئے لفظ رجال پر شبہ نہ کیا جائے۔

یا لفظ کم پر نظر کی جائے۔ یعنی صحابہ میں آپ کسی کے حقیقی باپ نہیں اور نہ کوئی صحابی آپ کے حقیقی بیٹے ہیں۔ زید بلاشبہ صحابی ہیں، مگر مجازاً بیٹے ہیں۔ حقیقی بیٹے نہیں۔ اس سے ان کی اور عام مسلمانوں کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آ جاتا۔ قیامت تک سب مسلمان مثل اولاد کے ہیں۔ پس یہ علاقہ زیدؓ کی مطلقہ بیوی سے آپ کے نکاح میں حارج نہیں بن سکتا۔ ہاں منہ بولے باپ ہونے کے علاوہ دوسری روحانی حیثیت آپ کے رسول اللہ ہونے کی ہے۔ اس طرح آپ مربی ہونے کی وجہ سے روحانی باپ اور زید آپ کے روحانی بیٹے ہوگئے اور اس میں بھی خاتم الانبیاء ہونے کی وجہ سے آپ کی حیثیت اکمل ترین مربی کی ہے۔

ربط: پچھلی آیت کے احکام میں اصل روئے سخن ازواج مطہراتؓ کی طرف تھا اور ان کے اعمال پر اجر وثواب اور پاکیزگی کی بشارت تھی۔ اسی کے ساتھ عام مسلمانوں کے مردوں یا عورتیں، اسی خصوصی فضل وعنایت کی بشارت دی جا رہی ہے۔ چنانچہ ایک طرف "مغفرت" کا لفظ ہے اور دوسری طرف اذھاب رجس کا، اسی طرح ایک طرف اجر عظیم کے الفاظ ہیں اور دوسری طرف "اجرھا مرتین" کے الفاظ۔ پس یہ دونوں اطراف قریب قریب مفہوم رکھتے ہیں۔ نیز شان نزول کی روایت سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے۔

اور چونکہ سورت کے اہم ترین مقاصد میں سے اجلال نبوی ہے۔ اسی کی ایک شاخ آپ کی ایذا رسانی سے بچنا ہے۔ ایذا رسانی کی دوسری نوع جس کا اجمالی ذکر پہلے آ چکا ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر آیت **واذ تقول** میں آ رہا ہے۔ اس سے پہلے آیت **وما کان لمؤمن** میں اس واقعہ کا ابتدائی حصہ بیان کیا جا رہا ہے۔ یعنی زید وزینب کی شادی کا تذکرہ، جس میں آنحضرت ﷺ کے متعلق تیسری نوع کی عظمت مقصود ہے کہ باوجود طبعاً کسی چیز کے ناپسند ہونے کے نبی کا حکم ہونے کی وجہ سے ان کو مان لینا ضروری ہے۔ اس سے اطاعت رسول ﷺ کا وجوب ثابت ہوا۔

شانِ نزول: بقول قتادہؒ کسی عورت نے آپ کی کسی بیوی سے آکر عرض کیا کہ ازواج کا ذکر تو قرآن میں ہے پر ہمارا ذکر یہاں کہیں نہیں آیا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ تب تو اس کی تائید ظاہر ہے ہی۔ البتہ اگر دوسری روایت لی جائے، جس میں حضرت ام سلمہؓ کی طرف اس تمنا کی نسبت ہے تو اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ازواج کا ذکر تو چل ہی رہا ہے۔ پھر کیسے یہ تمنا ہوئی؟ جواب یہ ہے کہ عام احکام میں عورتوں کی شمولیت کی ان کی تمنا تھی۔ تاہم عورتوں کے ساتھ مردوں کا ذکر ملا دینے میں جواب کی طرف اشارہ ہے کہ عورتوں کا مستقل تذکرہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ ضمناً سب احکام میں وہ شریک ہیں۔

آیت **وما کان لمؤمن** اس وقت نازل ہوئی جب آنحضرت ﷺ نے اپنے متبنیٰ کے لئے پیغام نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کے لئے بھیجا۔ وہ یہ سمجھیں کہ آپ یہ رشتہ خود اپنے لئے چاہتے ہیں لیکن صورت حال جب معلوم ہوئی تو اپنی عالی نسبی اور

خوبصورتی کے عزم میں زید بن حارثہؓ کے معاملہ پر نظر ڈالی تو آزاد شدہ غلام اور پھر سیدہ فاطمہ، اس لئے بہن بھائی دونوں کو یہ بے جوڑ منڈھے چڑھتی نظر نہ آئی اور رشتہ نامنظور کر دیا۔ مگر آیت نازل ہونے کے بعد نکاح ہو گیا۔ مفسر علام نے بعد کے واقعہ کی جو نوعیت لکھی ہے ائمہ تفسیر میں سے مقاتل اور قتادہ سے ایسی ہی منقول ہے اور ابن جریرؒ وغیرہ نے بھی اسی کو لیا ہے اور یہ کہ زیدؓ کو جب آپ ﷺ کی دلی خواہش کے حال معلوم ہوا، ادھر زینبؓ کی زبان و مزاج کی تیزی سے وہ خود برداشتہ خاطر تھے، تو ان وجوہات سے انہوں نے طلاق کا ارادہ کر لیا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے روکا اور سمجھایا کہ طلاق دینے سے باز رہیں۔ اور مقاتلؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ زیدؓ کی تلاش میں ان کے گھر پہنچے تو زینبؓ پر نظر پڑی جو سورہی تھیں۔ بے ساختہ آپ کی زبان سے نکلا۔ **سبحان الله مقلب القلوب**. حضرت زینبؓ نے یہ کلمات سن کر زیدؓ سے نقل کئے۔ زیدؓ نے صورت حال کی نزاکت کو محسوس کر کے آنحضرت ﷺ سے طلاق کی اجازت چاہی۔ جس سے آپ ﷺ نے روکا۔

لیکن قشیریؒ اور قاضی عیاضؒ نے اس سارے افسانہ کی تردید کر دی۔ کیونکہ اول تو زینبؓ آپ کی قریبی رشتہ دار تھیں۔ بچپن سے آپ کی دیکھی بھالی ہوں گی۔ نیز عورتیں آپ سے اس وقت پردہ بھی نہیں کرتی تھیں۔ پھر خود آپ نے ہی زور دے کر ان کا نکاح زیدؓ سے کرایا۔ اندریں حالات اس کی اصلیت کیا رہ جاتی ہے اور بعض نے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔ اگرچہ کہنے والے کی طرف اس کی نسبت صحیح ہو۔ تاہم نبوت کی شان عالی کے قطعاً منافی ہے۔ بعض محققین کی جماعت نفس محبت کی بجائے اخفاء نکاح کو لفظ **تخفی** کا مقصد قرار دیتی ہے۔ چنانچہ علی بن حسینؓ سے بھی یہی منقول ہے اور قرطبی نے بھی اسی کی تحسین کی ہے اور زہریؒ، قاضی بیضاویؒ، ابوبکر بن علاءؒ، قاضی ابوبکر بن عربی جیسے راسخین کی رائے بھی یہی ہے۔

چنانچہ بقول انسؓ حضرت زینبؓ فخریہ کہا کرتی تھیں۔ **زوجکن اهالیکن و زوجنی الله من فوق سبع سموات** یا پھر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کرتیں۔ **جدی وجدک واحد ولیس من نسائک من هی کذالک غیر وقد انکحنیک الله والسفیر فی ذالک جبریل.** اور نکاح کی نوعیت بھی خصوصی اور غیر معمولی ہوئی کہ زینبؓ کی طلاق اور عدت کے بعد آنحضرت ﷺ نے خود زیدؓ کو ایلچی بنا کر بھیجا اور فرمایا۔ **ما احد اوثق فی نفسی منک اخطب علی زینب** چنانچہ حضرت زیدؓ جب پیغام لے کر پہنچے تو حضرت زینبؓ آٹا گوندھ رہی تھیں۔ انہوں نے بشارت سنائی۔ جس سے وہ خوش ہو گئیں اور آپ بلا اطلاع پھر ان کے پاس خلوت میں تشریف لے گئے۔ تو زینبؓ نے عرض کیا بھی **بغیر خطبة و بغیر شهود**؟ فرمایا۔ **الله المزوج و جبریل الشاهد.** آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بیویوں میں سب سے پہلے ترپن سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔

﴿تشریح﴾: عام صحابیات میں سے کسی عورت نے اس خواہش کا اظہار کیا ہوگا کہ ازواج کی طرح قرآن میں ہمارا بھی ذکر ہوتا یا حضرت ام سلمہؓ نے یہ تمنا کی ہو کہ احکام شرع میں مردوں کی طرح ہمارا بھی مستقل ذکر ہونا چاہئے۔ حالانکہ جو احکام مردوں سے متعلق قرآن میں آئے ہیں وہی عموماً عورتوں پر بھی عائد ہوتے ہیں۔ جداگانہ نام لینے کی ضرورت نہیں۔

قرآن میں عورتوں کو خصوصی خطاب: البتہ جہاں تک عورتوں کے خصوصی مسائل اور احکام کا تعلق ہے، وہ الگ بتلا دیئے گئے ہیں۔ تاہم پھر بھی عورتوں کی دلداری اور تسلی کے لئے آیت "ان المسلمین الخ" نازل ہوئی، جس کا حاصل یہی ہے کہ جس طرح مرد روحانی، اخلاقی ترقی کرنے کے ذرائع حاصل ہیں، عورتوں کے لئے بھی یہ میدان کشادہ ہے اسی کے ساتھ ازواج مطہراتؓ کا ان آیات میں خصوصی ذکر ان کی عزت اور شرف کا باعث ہے۔

چند نکات: .... مسلم سے مراد فرائض اعمال ہیں اور ایمان سے مراد عقائد شرعیہ ہیں اور قنوت کا تعلق جملہ عقائد و اعمال سے ہے کہ ان میں تمام اطاعت ہو۔ چوں و پیش اور کراہت نہ ہو اور صادقین میں صدق قولی، صدق عملی، صدق اعتقادی سب آ گئے۔ یعنی بات میں جھوٹا عمل میں سست اور نیت واعتقاد میں ریا کار منافق نہ ہو۔

اسی طرح صابرین میں صبر طاعات، صبر معاصی، صبر مصائب تینوں قسمیں آ گئیں۔ خاشعین اس میں تواضع اور عبادات میں قلب وجوارح کی توجہ بھی داخل ہے۔ المتصدقین. اس میں زکوۃ اور صدقات وخیرات سب آ گئے۔ اسی طرح صائمین میں فرضی، نفلی ہر قسم کے روزے آ گئے۔

الحافظین مردوں کے ذکر میں فروجھم کی تصریح کرنے اور الحافظات سے عورتوں کے تذکرہ میں تصریح نہ کرنے کا نکتہ یہ ہے کہ اس میں اول تو عورتوں کو حیا کی تعلیم دینی ہے کہ جب ہم تعلیم کے موقعہ پر بھی محض اشارہ کنایہ پر اکتفا کرتے ہیں تو تمہیں حیا کا کتنا اہتمام کرنا چاہئے۔ نیز مردوں کو صرف شرمگاہ اور ان کے متعلقات کا تحفظ کافی ہے، لیکن عورت کی ہر چیز عورت ہوتی ہے۔ اسے رفتار، گفتار، آواز، لباس، ہر چیز میں حفظ واحتیاط کی پاسداری ضروری ہے۔

میاں بیوی کی جوڑی بے جوڑ ہوگئی: .... اول تو حضرت زینبؓ کی خاندانی حیثیت بہت بلند تھی، پھر مزید آپ ﷺ کی چھوپھی زاد بہن تھیں مگر زید بن حارثہؓ بظاہر غلامی کا داغ اٹھا کر آزاد ہوئے تھے اس لئے باوجود آنحضرت ﷺ کی خواہش کے انہیں اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحشؓ کو یہ رشتہ پسند نہیں تھا۔ لیکن اللہ ورسول کے پیش نظر یہ مصلحت تھی کہ اس طرح کی موہوم تفریقات اور توہمات نکاح کے راستہ میں حائل نہ ہوا کریں۔ اس لئے آیت "وما کان لمؤمن الخ" نازل ہوئی جن کر سب نے اپنی مرضی اللہ ورسول کی مرضی پر قربان کردی اور زیدؓ وزینبؓ رشتہ نکاح میں منسلک ہوگئے۔ مسئلہ کفایت اس سے متعلق مصالح بلاشبہ صحیح اور قابل لحاظ ہیں۔ لیکن محض خیالی اونچ نیچ اور عرفی وہمی مزعومات پر ضرب کاری لگانے کے لئے آنحضرت ﷺ نے یہ شادی کرا کر ایک مثال قائم کردی۔

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کہاں کہاں واجب ہے: .... من امرھم عام ہے دینی امر ہو یا دنیاوی کوئی بھی حکم اگر آپ جزماً فرمادیں تو اس کی تعمیل واجب ہوگئی۔ البتہ جو بات محض رائے اور مشورہ کے طور پر دنیاوی معاملات میں فرمائیں۔ اس کا یہ درجہ نہیں۔ جیسا کہ حدیث تابیر انتم اعلم بامور دنیا کم میں ارشاد ہے اور دنیوی امور کی قید اس لئے لگائی کہ گو دینی معاملات میں بھی اگر کوئی حکم جزماً نہ فرمائیں تو اس کا اتباع بھی واجب نہیں ہے۔ جیسے کہ نوافل میں۔ لیکن اتنی بات ضروری ہے کہ اس میں اعتقادی اتباع واجب رہے گا۔ عملاً اتباع نہ سہی برخلاف دنیاوی امور کے ان میں ان کے مصلحت یا نافع ہونے پر اعتقاد کرنا بھی ضروری نہیں۔ اس لئے حدیث تابیر میں آپ نے **انتم اعلم بامور دنیاکم** کے مقابلہ میں **اذا امرتکم بشیء من الدین** فرمایا۔

زینبؓ کے نکاح اول کی مشکل گتھی: .... یہاں نکاح زینبؓ کے سلسلہ میں آپ نے دینی مصالح کے پیش نظر زور دے کر اصرار فرمایا ہوگا۔ اس لئے تعمیل ضروری ہوئی۔ لیکن جب نکاح ہوگیا تو زینبؓ کی نظر میں زید فقیر لگنے لگے اور تھیں بھی حضرت زینبؓ کچھ تیز مزاج۔ اس لئے موافقت نہ ہوسکی۔ بات بات پر تکرار ہونے لگی۔ زیدؓ آ کر آنحضرت ﷺ سے شکایت کرتے کہ اس طرح نباہ

مشکل ہے۔ اس لئے میں چھوڑتا ہوں۔ مگر آپ منع فرما دیتے کہ اس نے اپنی منشاء کے خلاف اللہ ورسول کی خاطر یہ ایثار کیا۔ اور اس عرفی ذلت کو برداشت کیا۔ اب چھوڑ دوگے تو خاندان کے لوگ یہ دوسری ذلت سمجھیں گے۔ اس لئے اللہ سے ڈرو۔ اس ارادہ سے باز رہو اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بگاڑ نہ کرو۔ نبھاؤ کی کوشش کرو۔ مگر گاڑی نہ چل سکی۔ بریک لگ گئے اور نوبت طلاق کی جا پہنچی۔ ممکن ہے حضرت زیدؓ قرائن سے یہ سمجھ گئے ہوں کہ طلاق نہ دینے کو محض آپ بطور رائے ومشورہ کے فرما رہے ہیں۔ اس کو نہ ماننا **"ومن یعص اللہ"** میں داخل نہیں ہے۔ جیسا کہ اسی قسم کے واقعہ نکاح میں حضرت بریرہؓ کو حضرت مغیثؓ کے پاس رہنے کے لئے آپ ﷺ نے فرمایا اور انہوں نے وضاحت چاہی کہ یہ مشورہ ہے یا حکم؟ فرمایا کہ محض مشورہ ہے تو بریرہؓ نے اس مشورہ کو منظور نہیں کیا اور شرعی اختیار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔

غرضیکہ اس مرحلہ پر پہنچ کر آپ عجیب نازک صورتحال سے دوچار ہو گئے۔ ادھر تو زینبؓ کے ایثار وقربانی کا خیال، پھر اس پر یہ ملال کہ اب عرف میں ایک آزاد شدہ غلام کی مطلقہ کہلائے گی۔ ایک نہیں دوصدمے برداشت کرنے پڑیں گے محض میری بات رکھنے کے لئے۔ اس لئے اس کی تلافی اور تدارک کی بجز اس کے کوئی صورت نظر نہ آئی کہ خود زینبؓ سے نکاح کر لیں۔ جس بات کا پہلے دھوکہ کھا چکی تھیں اسے حقیقت سے بدل دیں۔ شاید اس کا ٹوٹا ہوا دل جڑ جائے۔ لیکن ساتھ ہی جاہل نادانوں اور منافقوں کی بدگوئی سے اندیشہ ہوا کہ کہیں گے اپنے بیٹے کی جورو گھر میں رکھ لی۔ ادھر تیسرا رخ یہ کہ اللہ کو منظور تھا کہ پیغمبر عملی طور پر اس جاہلانہ خیال کی تغلیط کردیں اور پہلے خود اقدام کر کے مسلمانوں کے لئے راہ آسان کردیں کہ آئندہ اس میں کوئی ہچکچاہٹ رکاوٹ باقی نہ رہے اور جاہلانہ خیال کا قلع قمع ہو جائے۔

حکم الٰہی کے اظہار اور اس پر عملدرآمد میں ادنیٰ تامل باعث شکایت ہے: آیت **اذ تقول الخ** میں محبت آمیز عتاب ہے جس میں یہ تاثر بھی ہو رہا ہے کہ آپ کو بذریعہ وحی جب پہلے سے زینبؓ کے ساتھ اپنا نکاح ہونا معلوم ہو چکا تھا۔ پھر آپ زیدؓ کو کیوں فہمائش کرتے رہے؟ اگرچہ اس نکاح ثانی کے وقت کی تعیین نہ ہونے کی وجہ سے یہ فہمائش کچھ اس کے منافی بھی نہ تھی۔ تاہم آپ چاہتے ہوں گے کہ جب تک وہ وقت نہ آئے نکاح کو برقرار رکھنا ہی بہتر ہے اور **"زوجنا کہا"** کی دونوں تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ ہم نے نکاح کر دیا ہے۔ اب رسمی طور پر نکاح، گواہ، مہر کی حاجت نہیں۔ چنانچہ امام محمدؒ نے بغیر گواہوں کے نکاح کی اباحت مانی ہے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ ہماری تجویز کے مطابق آپ نکاح کر لیں۔ جیسا کہ ابن ہشامؒ کی روایت میں ہے۔ **زوجها اياها اخوها ابو احمد بن جحش وامهرلها رسول الله صلى الله عليه وسلم اربع مائة درهم.** فقہاء نے **زوجناک** سے مسئلہ ولایت نکاح بھی مستنبط کیا ہے۔

قرطبی میں ہے۔ **فيه دليل على ثبوت الولي في النكاح.** الحاصل **تخفي في نفسك** سے مراد نکاح کی یہی گتھی ہے۔ اس میں تین گرہیں پڑ رہی تھیں۔ ایک طرف زینبؓ کی قربانی اور دلجوئی دوسری طرف آسمانی پیش گوئی، تیسری طرف عوام کے طعن وتشنیع اس لئے نکاح کی بات زبان پر لاتے بھی اول اول جھجکتے اور زیدؓ کو طلاق دینے کا مشورہ دیتے بھی حیا دامن گیر ہوتی۔ آخر خواہی نہ خواہی یہ سارے مراحل ہو گئے اور آپ نے عزیمت اور پختگی سے اللہ کی تکوینی تشریعی کے مطابق قدم اٹھا دیا۔ قرآن نے **"قضاء وطر"** کا جامع لفظ بول دیا۔

بعض مفسرین کی قلمی لغزش: ...... کشاف میں ہے۔ والمعنى فلما لم يبق لزيد فيها حاجة وتقاصرت عنها همته، وطابت عنها نفسه وانقضت عدتها اس موقعہ پر حاطب اللیل مفسرین ومورخین نے جو بے سروپا اور لغو قصے درج کردیئے ہیں وہ نقلاً اور عقلاً ناقابل اعتناء ہونے کے ساتھ شان رسالت کے بھی منافی ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ لا ينبغي التشاغل بها کا مشورہ دیتے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ احببنا ان نضرب عنها صفحا لعدم صحتها فلا نوردها.

علاوہ ازیں تخفی فی نفسک کا مصداق بعض مفسرین اگر محبت قرار دیتے ہیں تو پھر ما الله مبدیه کے مطابق اس محبت کا اعلان و اظہار کہاں ہوا ہے۔ اسی لئے محققین نے اس تفسیر کو درخور اعتناء نہیں سمجھا۔ رہ گئے بعض عیسائی اہل قلم، انہوں نے بھی اس موقع پر نامہ اعمال خوب خوب سیاہ کیا ہے۔ لیکن خدا کی شان انہیں میں اہل انصاف نے اس کا توڑ بھی کردیا ہے۔

آگے ما کان علی النبی من حرج سے یہ بتلانا ہے کہ جب اللہ کا حکم اٹل ہے اور اس کی طے کی ہوئی بات پوری ہوکر رہتی ہے۔ پھر آپ کو اس میں کیا تامل؟ اللہ کے نبیوں، رسولوں کو پیغام الٰہی پہنچانے میں نہ پہلے کبھی تردد ہوا اور نہ آپ کو کبھی تردد ہوا۔ پھر یہ نکاح کے معاملہ میں رکاوٹ کیسی؟ آخر حضرت داؤد علیہ السلام کے سو بیویاں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہزار بیویاں تھیں۔ کہنے والوں کا منہ نہ تو اس وقت بند ہوا اور نہ اب بند ہو۔ پھر ان کی پرواہ کیا؟ آپ ان نکتہ چینیوں کا مطلقاً خیال نہ کیجئے۔

ایک علمی نکتہ اور ضروری تحقیق: ...... وکان امر اللہ مفعولا. یہی مضمون دوبارہ وکان امر الله قدراً مقدوراً کے الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے آپ کے قصہ میں پھر انبیاءؑ کے تذکرہ میں اس مضمون کو دہرانے میں اشارہ کرنا ہے کہ اللہ کے تمام کام چونکہ مبنی بر مصالح ہوتے ہیں، اس لئے ان میں نبی پر طعن درحقیقت اللہ پر طعن کرنا ہوگا۔ پہلا جملہ تو صرف اللہ کی تجویز کو پورا ہوکر رہنے پر "بمادته" دلالت کررہا تھا۔ اس میں تقدیر کی نسبت الی اللہ پر دلالت نہیں تھی۔ اس لئے مکرر خاص عنوان لاکر نسبت الی اللہ سے اس نکتہ کی طرف اشارہ کردیا ہے۔ البتہ جن امور پر حق تعالیٰ ملامت فرمادیں وہ اگرچہ مقدر ہونے کی وجہ سے حکمت و مصلحت کو متضمن ہوں، مگر اس پر ملامت و نکیر ہونا اس کے متضمن بمفسدہ ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔ اس لئے ان مفسدہ کی رو سے ان پر نکیر اور روک ٹوک صحیح ہوگی۔

آخر وجہ حرمت نکاح کیا ہے؟: ذرا سوچنے کی بات ہے کہ آپ زیدؓ کے جب حقیقی باپ نہیں ہیں تو پھر علاقہ زوجیت سے کوئی بھی سبب حرمت نہیں ہے۔ پھر جب طعن کا مبنیٰ ہی غلط ہے تو بناء فاسد علی الفاسد ہوئی اور ایک زید کیا۔ آپ تو مردوں میں سے کسی کے بھی حقیقی باپ نہیں ہیں۔ کچھ نرینہ اولاد تو اس آیت کے نزول کے وقت پیدا ہی نہیں ہوئی اور کچھ لڑکے اس سے پہلے گزر گئے، دختری اولاد ہوئی۔ لیکن ان میں سے بھی حضرت فاطمہؓ سے نسل چلی۔ یوں تو مردوں کی طرح آپ دوسری عام عورتوں کے بھی باپ نہیں ہیں۔ لیکن رجالکم کی تخصیص اول تو اس لئے ہے کہ کلام زید میں ہورہا ہے۔ دوسرے مردوں کی بیویوں سے نکاح کرنے کا محل تو ہے، پر عورتوں کی بیویوں سے نکاح کرنے کے کوئی بھی معنی نہیں۔ البتہ آپ رسول اللہ ﷺ ہونے کے ناطے بلاشبہ روحانی باپ اور مربی کامل ہیں۔ بلکہ خاتم الانبیاء ہونے کے لحاظ سے ابدی طور پر روحانی اور کامل ترین مربی ہیں۔ مگر وہ موجب اعتراض اور باعث حرمت نہیں۔ بلکہ اور قاطع اعتراض اور وجہ حلت ہے۔ غرضیکہ آپ اور زیدؓ میں جو علاقہ ہے وہ وجہ حرمت نہیں اور جو وجہ حرمت ہے وہ علاقہ یہاں موجود نہیں ہے، پھر اعتراض کیسا؟

آفتابِ نبوت ورسالت کی ضیا پاشی:.......... آپ چونکہ خاتم الانبیاء ورسول اور مہر نبوت ورسالت ہیں۔اس لئے اب کسی کو نبوت نہیں دی جائے گی۔جن کو ملنی تھی مل چکی۔اس لئے آپ ﷺ کی نبوت کا دور سب نبیوں کے بعد رکھا جو تا قیامت جاری رہے گا۔حضرت مسیح علیہ السلام اگرچہ نبی ہیں،مگر آخر زمانہ میں جب وہ تشریف لائیں گے تو ان کی نبوت کا عمل جاری نہ ہوگا۔ بلکہ بحیثیت امتی کارگزار ہوں گے۔ جہاد کا موقوف کرنا، جزیہ کو اٹھا دینا،صلیب توڑ دینا، یہ سب آنحضرت ﷺ کے ہی ارشاد فرمودہ احکام ہوں گے جن کے تنفیذ وہ فرمائیں گے۔حدیث میں ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی بجز میری اتباع کے چارہ نہ ہوتا۔

اسی لئے بعض محققین کے نزدیک آپ ﷺ کی مثال آفتاب جیسی ہے کہ جس طرح عالم اسباب میں روشنی کے تمام مراتب سورج پر ختم ہو جاتے ہیں اور وہی اصل کرہ نور ہے،تمام چاند، ستارے،اسی سے مستنیر ہوتے ہیں۔رات میں چاہے سورج دکھلائی نہ دے پر چاند ستارے اسی سے منور رہتے ہیں۔اسی طرح نبوت ورسالت کے سارے منازل آپ پر ختم ہیں اور انبیاء سابقین اپنے اپنے عہد میں بھی آپ ہی کی روحانیت کبریٰ سے مستفید ہوتے رہے ہیں۔آپ رتبی، زمانی، مکانی، ہر لحاظ سے خاتم ہیں،جن کو نبوت ملی آپ ہی کی مہر لگ کر ملی۔ختم نبوت کا عقیدہ،قرآن و حدیث،اجماع،قطعی دلائل سے ثابت ہے۔اس کا منکر کسی بھی لحاظ سے ہو،ظلی، بروزی، اصلی نیز وہ بڑا ہو یا چھوٹا بلاشبہ سب کی تکفیر کی جائے گی۔البتہ ارباب بصیرت جن کو اہل اللہ سمجھتے ہوں۔ان میں سے کسی کی زبان قلم سے اگر کوئی سکری کلمہ نکل گیا ہو اور وہ ثابت بھی ہو جیسے شیخ اکبر کے متعلق کہا جاتا ہے تو ان کے حسن حال کے پیش نظر اس کی تاویل کی جائے گی۔

لطائفِ سلوک:.......... وتخشی الناس سے معلوم ہوا کہ جس کام میں دینی مصلحت ہو جیسے اس واقعہ زینب میں شرعی مصلحت تھی۔جس کو لکیلا یکون علی المؤمنین من حرج میں ظاہر فرمایا گیا ہے تو اس میں کسی کی ملامت اور طعن وتشنیع کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔البتہ جس کام میں مصلحت کی بجائے عامہ مومنین کے لئے کسی مفسدہ کا مظنہ ہو اس میں اقدام کرنے سے احتیاط کرنی چاہئے۔جیسے حطیم بیت اللہ کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ نے کیا تھا۔

ما کان محمد ابا احد سے معلوم ہوا کہ معنوی باپ جیسے استاد، شیخ،ان کا حکم حقیقی باپ جیسا نہیں ہے۔مثلاً: میراث یا نفقہ یا حرمت نکاح کے احکام میں اس کے لئے عوام جہلا کا یہ خیال غلط ہے کہ مریدنیوں کا پیر سے کیا پردہ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۴۲﴾ اَوَّلَ النَّهَارِ وَاٰخِرَهٗ **هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ** اَيْ يَرْحَمُكُمْ **وَمَلٰٓئِكَتُهٗ** اَيْ يَسْتَغْفِرُوْنَ لَكُمْ **لِيُخْرِجَكُمْ** لِيُدِيْمَ اِخْرَاجَهٗ اِيَّاكُمْ **مِّنَ الظُّلُمٰتِ** اَيِ الْكُفْرِ **اِلَى النُّوْرِ** اَيِ الْاِيْمَانِ **وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾ تَحِيَّتُهُمْ** مِنْهُ تَعَالٰى **يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ** بِلِسَانِ الْمَلٰٓئِكَةِ **وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾** هُوَ الْجَنَّةُ **يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا** عَلٰى مَنْ اُرْسِلْتَ اِلَيْهِمْ **وَّمُبَشِّرًا** مَنْ صَدَّقَكَ بِالْجَنَّةِ **وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾** مُنْذِرًا مَنْ كَذَّبَكَ

بالنار **وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ** الى طاعته **بِاِذْنِهٖ** بأمره **وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا** ﴿۴۶﴾ اى مثله فى الاهتداء به **وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا** ﴿۴۷﴾ هو الجنة **وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ** فيما يُخالِفُ شَرِيعَتَكَ **وَدَعْ** اُتْرُكْ **اَذٰىهُمْ** لا تُجازِهِمْ عَلَيْهِ الى ان تُؤمر فيهم بأمر **وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ** فهو كافيك **وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا** ﴿۴۸﴾ مُفَوَّضًا اليه **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ** وفى قراءة تُماسُّوهُنَّ اى تُجامِعُوهُنَّ **فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا** تُحصُونها بالاقراء او غيرها **فَمَتِّعُوْهُنَّ** اَعطُوهُنَّ ما يتمتَّعن به اى ان لم يُسَمِّ لهن اَصدقة والا فلهن نصفُ المُسَمّى فقط قاله ابن عباسٍ وعليه الشافعيُّ **وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا** ﴿۴۹﴾ خلّوا سبيلهن من غير اضرار **يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ** مُهُورَهُنَّ **وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ** من الكفار بالسَّبي كصفيّة وجُوَيرِيّة **وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ** بخلاف من لم يُهاجرن **وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا** يطلُبُ نكاحها بغير صداقٍ **خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ** النكاحُ بلفظِ الهبة من غير صداق **قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ** اى المؤمنين **فِيْۤ اَزْوَاجِهِمْ** من الاحكام بان لايزيدوا على اربع نسوة ولا يتزوّجوا الا بولِيٍّ وشهودٍ ومهرٍ وفى **مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ** من الاماء بشراء او غيره بان تكون الامة ممّن تحلّ لمالكها كالكتابية بخلاف المجوسيّة والوثنية وان تُستبرأ قبل الوطى **لِكَيْلَا** متعلّق بما قبل ذلك **يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ** ضيقٌ فى النكاح **وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا** فيما يعسر التحرّز عنه **رَّحِيْمًا** ﴿۵۰﴾ بالتوسعة فى ذلك **تُرْجِيْ** بالهمزة والياء بدله تؤخّر **مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ** اى ازواجك عن نوبتها **وَتُـْٔوِيْۤ** تضمّ **اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ** منهن فتأتيها **وَمَنِ ابْتَغَيْتَ** طلبت **مِمَّنْ عَزَلْتَ** من القسمة **فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ** فى طلبها وضمّها اليك خُيِّر فى ذلك بعد ان كان القسم واجبا عليه **ذٰلِكَ** التخيير **اَدْنٰۤى** اقرب الى **اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَاۤ اٰتَيْتَهُنَّ** ما ذكر المخيّر فيه **كُلُّهُنَّ** تاكيد للفاعل فى يرضين **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ** من امر النساء والميل الى بعضهن وانما خيّرناك فيهن تيسيرا عليك فى كل ما اردت **وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا** بخلقه **حَلِيْمًا** ﴿۵۱﴾ عن عقابهم **لَا يَحِلُّ** بالتاء والياء **لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ**

اَلتِّسعِ اللَّاتِیْ اخْتَرْنَكَ **وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ** بِتَرْكِ اِحْدٰی التَّائِنِ فِی الاَصْلِ **بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ** بِاَنْ تُطَلِّقَهُنَّ اَوْ بَعْضَهُنَّ وَ تَنْكِحَ بَدَلَ مَنْ طَلَّقْتَ **وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَامَلَكَتْ يَمِيْنُكَ** مِنَ الْاِمَاءِ فَتَحِلُّ لَكَ وَقَدْ مَلَكَ بَعْدَهُنَّ مَارِيَةَ الْقِبْطِيَّةَ وَوَلَدَتْ لَهُ اِبْرَاهِيْمَ وَمَاتَ فِیْ حَيٰوتِهٖ **وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ رَّقِيْبًا** ﴿۵۲﴾ حَفِيْظًا

ع ۶ ۱۲ ۴

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو اور صبح وشام (شروع دن، آخر دن) اس کی تسبیح کرتے رہا کرو۔ وہ ایسا ہے کہ تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی (تمہارے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں) تاکہ تم کو نکالتا رہے (ہمیشہ اس کی طرف سے تمہیں نکالنا جاری رہے کفر کی) تاریکیوں سے (ایمان کے) نور کی طرف اور اللہ تعالیٰ مومنین پر بہت مہربان ہے۔ ان کی دعا (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) جس روز اللہ سے ملیں گے، سلام ہوگا (فرشتوں کی زبانی) اور اس نے ان کے لئے بہترین جزا (جنت) تیار کر رکھی ہے۔ اے نبی! بلاشبہ ہم نے آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا کہ آپ گواہ ہوں گے (جن کے پاس تم کو بھیجا گیا ہے) اور آپ (اپنے ماننے والوں کو جنت کی) بشارت دینے والے (نہ ماننے والوں کو جہنم کی آگ سے) ڈرانے والے ہیں اور اللہ کی (اطاعت کی) طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں (یعنی راہ دکھلانے میں چراغ کی طرح ہیں) اور ایمان والوں کو خوشخبری دے دیجئے کہ ان پر اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہونے والا ہے (جنت کا) اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ کیجئے (اپنی شریعت کی مخالفت میں) اور نظر انداز کیجئے (چھوڑ دیجئے) ان کی ایذا رسانی کو (ان سے بدلہ نہ لیجئے۔ تاوقتیکہ آپ کو اس بارے میں حکم نہ دیا جائے) اور اللہ پر بھروسہ کیجئے (وہی آپ کو کافی ہے) اور اللہ ہی کارسازی کے لئے بس ہے (سب کچھ اس کے حوالے) اے ایمان والو! تم جب مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر تم انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو (اور ایک قرائت میں **تماسوھن** ہے یعنی تمہارے ہم بستر ہونے سے پہلے) تو تمہاری ان پر کوئی عدت نہیں ہے جسے تم شمار کرنے لگو (حیض کے ذریعہ یا طہر کے ذریعہ) تو کچھ متعہ کا سامان دے دو (یعنی اتنا دے دو کہ وہ اپنا کچھ کام چلا لیں۔ اگر ان کا مہر مقرر نہیں ہوا۔ ورنہ انہیں مہر مقررہ کا صرف آدھا حصہ دیا جائے گا۔ حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد یہی ہے اور امام شافعیؒ کا مسلک بھی) اور خوبی کے ساتھ انہیں رخصت کر دو (بغیر نقصان پہنچائے انہیں جانے دو) اے نبی! ہم نے آپ کے لئے آپ کی یہ بیویاں جن کو آپ مہر دے چکے ہیں حلال کی ہیں اور وہ عورتیں بھی جو آپ کی ملک میں ہیں جنہیں اللہ نے آپ کو غنیمت میں دیا ہے (کافروں کو قید کر کے جیسے حضرت صفیہؓ اور حضرت جویریہؓ) اور آپ کے چچاؤں کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموؤں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو (برخلاف ان مذکورہ قرابت دار عورتوں کے جنہوں نے ہجرت نہیں کی) اور اس مسلمان عورت کو بھی جو بلا عوض خود کو نبی کے حوالہ کر دے بشرطیکہ پیغمبر اسے نکاح میں بھی لانا چاہیں (بلا مہر اس سے نکاح کے خواہش مند ہوں) یہ آپ کے لئے مخصوص ہے نہ اور مومنین کے لئے (بلا مہر۔ ہبہ کے لفظ سے نکاح کا ہو جانا) ہمیں معلوم ہے جو ہم نے ان پر مقرر کیا ہے (مسلمانوں پر) ان کی بیویوں کے بارے میں (یعنی یہ احکام کہ چار بیویوں سے زیادہ نہ کریں اور بغیر ولی، گواہ، مہر کے نکاح نہ کریں) اور ان کی باندیوں کے بارے میں (خواہ وہ خریدی ہوئی ہوں یا کسی اور طرح سے آئی ہوں۔ یہ حکم کہ وہ باندی ایسی ہونی چاہئے۔ جو اپنے آقا کے لئے حلال ہو جیسے کتابیہ باندی برخلاف مجوسی اور بت پرست باندی کے اور یہ حکم کہ آپ ہم بستر ہونے سے پہلے استبراء رحم کر لیں) تاکہ (اس کا تعلق

ماقبل سے ہے) آپ کے لئے کسی قسم کی تنگی نہ رہے (نکاح کی دشواری) اور اللہ (جن باتوں سے بچنے میں دشواری ہو انہیں) بخشنے والا (اس کو آسان بنا کر) رحمت کرنے والا ہے۔ دور رکھ سکتے ہیں (لفظ ترجی ہمزہ کے ساتھ اور ہمزہ کے بدلہ یا کے ساتھ مؤخر کر سکتے ہیں) ان میں سے آپ جس کو چاہیں (یعنی بیویوں کی باری کو) اور قریب رکھ سکتے ہیں (اپنے پاس) آپ جس کو چاہیں (خواہش مند ہوں) اور اگر آپ یاد کرائیں (بلائیں) ان عورتوں میں سے جنہیں آپ نے (باری سے) دور کر رکھا تھا۔ تب بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں ہے (ان کا طلب کرنے اور اپنے پاس رکھنے میں یہ اختیار آپ کو بعد میں ملا ہے پہلے آپ پر بیویوں کی نوبت مقرر کرنا ضروری تھا) اس (اختیار دینے) میں زیادہ توقع (امید) ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی اور آزردہ خاطر نہ ہوں گی اور جو کچھ بھی آپ انہیں عنایت کردیں گے (مذکورہ اختیارات میں سے) اس پر سب کی سب راضی رہیں گی (لفظ کلھن فاعل یرضین کی تاکید ہے) اور اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی سب باتیں جانتا ہے (عورتوں کا حال اور ان میں سے بعض کی طرف آپ کا میلان۔ اور آپ کو یہ اختیار دینے کا مقصد آپ کی خواہش کے مطابق سہولت دینا ہے) اور اللہ تعالیٰ (اپنی مخلوق کے مطابق) سب کچھ جاننے والا (ان کو سزا دینے میں) بردباری سے کام لینے والا ہے حلال نہیں ہیں (تا اور یا کے ساتھ دونوں طرح ہے) آپ کے لئے ان کے علاوہ عورتیں (نو عورتیں جنہوں نے دنیا کے مقابلہ میں آپ کو ترجیح دے لی ہے) اور نہ یہ درست ہے کہ آپ تبدیل کرلیں (تبدل دراصل تتبدل تھا۔ ایک تا حذف کردی گئی ہے) ان بیویوں کی جگہ دوسری بیویاں کرلیں ان سب کو یا بعض کو طلاق دے دیں اور مطلقہ کے بدلہ دوسری سے نکاح کرلیں) چاہے آپ کو حسن بھلا ہی لگے۔ مگر ہاں بجز ان کے جو آپ کی باندیاں ہوں (باندیاں اور بھی حلال ہیں۔ چنانچہ ماریہ قبطیہ اس کے بعد آپ کے حرم میں داخل ہوئیں جن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے اور آپ کے سامنے ہی وفات پاگئے) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پورا نگراں (محافظ) ہے۔

تحقیق وترکیب: سبحوہ۔ صبح شام کی تخصیص ان اوقات کی فضیلت کی وجہ سے ہے اور تسبیح سے مراد سبحان اللّٰہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ ہے مجموعہ پر تسبیح کا حکم کردیا گیا ہے اور بعض نے نماز صبح وعصر مراد لی ہے اور کلبی لفظ بکرۃ سے نماز فجر اور اصیلاً سے بقیہ چاروں نمازیں مراد لیتے ہیں۔

یصلی. رحیماً کے قرینہ کی وجہ سے اس کے معنی رحمت کے ہیں اور رحمت اللہ اور فرشتوں میں قدرے مشترک ہے۔ اگرچہ دونوں کی حقیقت میں فرق ہے۔ یا عموم مجاز کے طریق پر عنایت واہتمام کے معنی لئے ہیں۔ اللہ کی طرف نسبت کی صورت میں رحمت کے معنی اور فرشتوں اور انسانوں کی طرف نسبت کرنے میں دعا واستغفار کے معنی ہوں گے۔ ہر ایک کا اعتناء اس کے شایان شان ہوگا۔

لیخرجکم مفسر علامؒ نے اشارہ کیا ہے کہ کفر سے اخراج تو محض ایمان لانے سے ہوجاتا ہے۔ البتہ کفر وغفلت اگر مسلسل ہوگی تو پھر اخراج بھی دوامی ہوگا۔

یوم یلقونہ موت کا وقت یا قبر سے اٹھنے کا وقت یا جنت میں داخل ہونے کا وقت مراد ہے۔

تحیتھم مصدر فاعل کی طرف مضاف ہے۔

نذیراً مفسر علامؒ نے اشارہ کیا ہے کہ فعیل بمعنی مفعول ہے جیسے الیم بمعنی مولم اور جریح بمعنی مجروح۔

باذنہ اس حکم سے مراد اگر انا ارسلناک ہے تب تو وہ حاصل ہے پھر باذنہ کا کیا منشا، تو کہا جائے گا کہ اذن سے مراد سہولت و آسانی ہے۔

سراجاً منیراً. مراد سورج ہے یا چراغ اور منیر کی قید اس لئے ہے کہ سورج گرہن اور بادلوں میں گھرا ہوا نہ ہو اور چراغ میں تیل بتی کم نہ ہو۔ بہر حال آنحضرت ﷺ کو دونوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

تمسوھن. مفسر علامؒ نے شافعی المسلک ہونے کی رعایت کرتے ہوئے دونوں قرائتوں کی تفسیر جماع سے کی ہے امام اعظمؒ کے نزدیک خلوت صحیحہ جماع ہی کے حکم میں ہے۔

فما لکم. لام سے اشارہ اس طرف ہے کہ عدت میں شوہر کا مفاد پیش نظر ہے۔ تاکہ استقرار حمل کی صورت میں نسبت محفوظ رہے۔ البتہ بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں نفس نکاح کو ہم بستری کے قائم مقام قرار دے دیا گیا ہے۔ جیسے: خلوت صحیحہ سے پہلے ہی شوہر انتقال کر جائے بالخصوص نابالغی کی حالت میں۔

فمتعوھن مطلقہ بیوی سے اگر مجامعت ہو چکی ہے یا بغیر مجامعت کے ہے۔ مگر مہر مقرر ہے یا مجامعت ہو چکی مگر مہر مقرر نہیں۔ تو ان تینوں صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک متعۃ الطلاق مستحب ہے اور مہر بھی مقرر نہیں اور ہم بستری بھی نہیں ہوئی۔ تو ایسی مطلقہ کو متعہ دینا واجب ہوگا۔ امام احمدؒ کی ایک روایت بھی یہی ہے اور امام مالکؒ سب صورتوں میں مستحب کہتے ہیں۔ بجز اس کے کہ مہر مقرر ہو اور جماع نہ ہوا ہو۔ اس صورت میں واجب ہے۔ امام شافعیؒ کے جدید قول میں اس کا برعکس ہے اور متعہ اصح قول کی بناء پر قمیص دوپٹہ چادر تین کپڑے ہیں۔

افاء اللہ علیک. صفیہؓ اور جویریہؓ کو بطور مثال بیان کرنا اس وقت صحیح ہوگا۔ جب کہ ماملکت کا عطف اتیت اجورھن صلہ پر کیا جائے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں سے نکاح ان کو آزاد کرنے بعد کیا تھا۔ لیکن اگر ماملکت کا عطف ازواجک پر کیا جائے۔ تو پھر مثال میں ماریہ اور ریحانہ کا ذکر کرنا صحیح ہوگا۔

ھاجرن معک. جیسے ام ہانی جنہوں نے ہجرت نہیں کی۔ اس لئے ان سے نکاح ناجائز رہا۔

بنت عمک. آیت میں دادھیالی نانھیالی لڑکیوں کا ذکر ہے۔ لفظ عم اور لفظ خال کو مفرد اور عمات وخالات کو جمع کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ پہلے دونوں لفظ بغیر تا کے ہیں اضافت کی وجہ سے ان میں عموم ہو سکتا ہے۔ لیکن عمات وخالات میں تا کی وجہ سے عموم نہیں ہوسکتا۔ اس کے علاوہ بھی اس کی توجیہ کے سلسلہ میں بہت سے نکات بیان کئے گئے ہیں۔ جن میں سے یہ تین سب سے بہتر ہیں۔

۱۔ ان لفاظ میں صنعت جناس کی ایک نوع کی رعایت منظور ہے۔ یعنی عین میم کا ایک ساتھ ہو کر الفاظ عم وعمات میں پایا جانا اسی طرح خ، الف، لام کا ایک ساتھ ہو کر الفاظ خال وخالات میں پایا جانا۔ اگر بجائے عم وخال کے اعمال واخوال لائے جاتے تو مذکورہ حروف میں اتصال باقی نہ رہتا اور صنعت تجنیس فوت ہو جاتی۔

۲۔ منجملہ فوائد نکاح کے دو گھرانوں میں باہمی معاونت اور ایک دوسرے کی مدد کرنا ہوتا ہے اور ظاہر ہے۔ کہ یہ تعاون مردوں سے ہوا کرتا ہے نہ کہ عورتوں سے اور تعاون کے لئے ضروری ہے کہ سب مل کر ایک ہو جائیں۔ اس لئے عم وخال مذکروں کو مفرد لایا گیا ہے۔ عمات وخالات مؤنثوں کو مفرد لانے میں یہ نکتہ نہیں تھا۔ اس لئے انہیں مفرد نہیں لایا گیا۔

۳۔ اشعار عرب میں کہیں بھی ابن وبنت کے الفاظ اعمام کے ساتھ استعمال نہیں ہیں۔ بلکہ مفرد لفظ عم کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں یعنی ابن عم۔ بنت عم کہتے ہیں۔ ابن اعمام بنت اعمام نہیں کہتے اور خال کو بھی عم کی طرح اسی مناسبت کی وجہ سے مفرد لایا گیا ہے۔ لیکن عمات وخالات کو اپنی اصل پر جمع لایا گیا ہے۔

وامرأۃ مؤمنۃ. اس کا اور بنت وخالات کا ناصب اگر احللنا ہے تو بعض حضرات نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ احللنا ماضی

ہے اور امراۃ کی صفت ان وھبت مستقبل ہے اور احللنا جواب شرط کے درجہ میں ہے۔ حالانکہ جواب شرط معنا ماضی نہیں ہوا کرتا۔ لیکن یہ اعتراض درست نہیں ہے۔ کیونکہ احلال کے معنی یہاں فعل واقع ہوجانے کے بعد جواز کی اطلاع دینے کے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ مستقبل ہے یا ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے۔ اسحت لک ان تکلم فلانا ان سلم علیک. اس میں بھی جواز تکلم ترتب سلام کرنے کے بعد ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ امراۃ کا نصب تحل لک فعل مقدر ہے اور یہی تقدیر "بنات خالتک" کی ہوگی۔

خالصة. عافیۃ کی طرح مصدر ہے اس کی عام قراءت نصب ہے۔ اس میں کئی ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔

۱۔ فاعل وھبت سے حال ہو۔

۲۔ امراۃ سے حال ہو اور صفت کی وجہ سے خالص نکرہ نہیں رہا یہ رائے زجاج کی ہے۔ دونوں ترکیبوں کا حاصل ایک ہی ہے۔

۳۔ مصدر محذوف کی صفت ہے۔ ای ھبة خالصة اس میں عامل وھبت ہے۔

۴۔ مفعول تاکید کے لئے ہے وعداللہ کی طرح یا تقدیر عبارت اس طرح ہو۔ خلص لک ھذہ الا حلالات خصوصا لا یشارکہ فیھا غیرک. بے مہر نکاح کا آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص ہونا ائمہ ثلاثہ کی رائے ہے۔ امام اعظم کے نزدیک دوسروں کا نکاح بھی بغیر مہر منعقد ہوجائے گا۔ البتہ حضور ﷺ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ پر مہر واجب نہیں ہے دوسروں پر مہر واجب ہے۔ پھر شافعی کے نزدیک مقدار مہر کی کوئی تعیین نہیں ہے نہ کمی کے لحاظ سے اور نہ زیادتی کے اعتبار سے ان کے نزدیک مہر ثمن کی طرح ہے۔ امام اعظم کے نزدیک مقدار مہر کم از کم دس درہم ہے۔ آیت قد علمنا ما فرضنا کی وجہ سے جو مجمل ہے۔ حدیث لا مھر اقل من عشرۃ دراہم اس کا بیان ہے یا حد سرقہ یعنی ید پر قیاس کرلیا جائے جو کم از کم دس درہم مالیت چرانے پر جاری ہوگی۔ البتہ مقدار مہر کی زیادتی غیر متعین ہے۔

لکیلایکون. اس کا تعلق خالصة لک کے ساتھ ہے اور قد علمنا جملہ معترضہ ہے۔

ممن عزلت یعنی نوبت اور باری سے خارج مراد ہے۔ لیکن طلاق رجعی کے ذریعہ خارج ہونا مراد لیا ہے۔

فلا جناح. آیت کی تفسیریں مختلف کی گئی ہیں۔ مشہور معنی یہ ہیں کہ پہلے بیویوں کی باری آپ پر بھی واجب تھی۔ مگر اس کے بعد اختیاری رہ گئی۔

لا یحل لک یہ آیت پہلی آیت انا احللنا کی وجہ سے منسوخ ہوگئی ہے۔ جو تلاوۃ مقدم اور نزولاً مؤخر ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے۔ مامات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی حل له من النساء ما شاء اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں کہ ان چار مذکورہ قسموں کے علاوہ اور کوئی قسم آپ کے لئے جائز نہیں ہے۔ پس اس صورت میں آیت محکم رہے گی منسوخ نہیں ہوگی۔ کشاف اور مدارک میں بھی ایسا ہی ہے۔ لیکن قاضی نے آیت لا یحل کا ناسخ آیت ترجی من تشاء الخ کو مانا ہے جو تلاوۃ مقدم اور نزولاً مؤخر ہے اور بعض کے نزدیک اس کا عکس ہے۔

چنانچہ ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ حسبہ اللہ علیھن کما حبسھن علیه. حسنؒ اور ابن سیرینؒ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ علامہ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ لا یحل لک میں اختلاف یہ ہے کہ اس سے مراد آیا یہ ہے کہ ان اوصاف مذکورہ کے علاوہ دوسری اور کوئی قسم کی عورت آپ کے لئے حلال نہیں ہے۔ جیسا کہ ابی ابن کعبؓ اور ان کے موافقین اس طرح گئے ہیں۔ اور یا یہ مطلب ہے کہ موجودہ بیویوں میں آپ کو اختیار دینے کے بعد کوئی مزید نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اکثر قراء نے لا یحل پڑھا ہے۔ کیونکہ فاعل جمع مؤنث غیر حقیقی ہے اور ابو عمرو یعقوب نے لا تحل پڑھا ہے۔

الا ماملکت. اس میں دوصورتیں ہیں۔ایک یہ کہ من النساء سے مستثنیٰ ہو۔پھر اس میں دوصورتیں ہیں۔اصل استثناء کی وجہ سے نصب یابدل کی وجہ سے رفع۔اور یہی مختار ہے۔دوسری صورت یہ ہے کہ ازواج مستثنیٰ ہو۔اس میں بھی اصل استثناء کی وجہ سے نصب ہواور یالفظ مهن سے بدل کی وجہ سے موضع جر میں ہواور یامهن سے بدل بناتے ہوئے محل نصب میں ہو۔

ربط:۔　　نکاح زینبؓ کے سلسلہ میں طعن وتشنیع کا رد کیا گیا تھا اور اسی میں آپ ﷺ کی رسالت اور ختم نبوت کے شرف کا ذکر تھا۔آیت یا ایھا الذین میں مسلمانوں کو اس کے شکریہ میں ذکر اللہ اور اطاعت الٰہی کا حکم اور اپنے مختلف احسانات کا تذکرہ کیا جارہا ہے اور نیز آنحضرت ﷺ کی فضیلت اور دفعیہ طعن کی تائید کے لئے آپ کے مزید فضائل بیان کئے جارہے ہیں۔جلالت نبوی ﷺ کی یہ چوتھی قسم ہوئی۔

اس کے بعد آیت یا ایھا الذین اٰمنوا　الخ　سے جلالت شان کی پانچویں قسم بیان کی جارہی ہے۔یعنی حضور ﷺ کے نکاح سے متعلق اختصاصی احکام کا بیان مقصود ہے۔اصل اختصاصی مضمون تو یاایھا النبی　الخ　سے شروع ہوگا۔لیکن اس سے پہلے بطور تمہید عام مسلمانوں کے لئے نکاح سے متعلق ایک حکم بیان کیا جارہا ہے۔تاکہ احکام امت اور احکام نبی میں امتیاز اور خصوصیت نمایاں ہوجائے۔

شانِ نزول:۔۔۔　عبد بن حمید اور ابن المنذر کی تخریج ہے کہ جب آیت ان اللہ وملائکتہ الخ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔یارسول اللہ! آپ کے لئے جب بھی کوئی خیر آئی تو اس میں ہمیں بھی شریک کیا گیا ہے۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔**ھو الذی یصلی علیکم وملائکتہ**.

ابن جریرؒ اور ابن عکرمہؓ نے تخریج کی ہے کہ جب آیت **لیغفرلک اللہ ماتقدم من ذنبک وما تاخر** نازل ہوئی۔تو صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! ہمیں معلوم ہے کہ اللہ کے یہاں آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔مگر ہم یہ نہیں جانتے کہ ہمارا کیا بنے گا۔اس پر آیت **وبشر المومنین بان لھم من اللہ فضلاً کبیراً** نازل ہوئی۔ترمذی کی روایت ام ہانیؓ سے ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے پیغام نکاح دیا تو میں نے عذر کیا کہ میں نے ہجرت نہیں کی۔اس پر آیت **التی ھاجرن معک** نازل ہوئی اور آپ کو اجازت نکاح نہیں ہوئی۔

﴿تشریح﴾:۔۔۔　آفتاب نبوت ورسالت:۔۔۔　آنحضرت ﷺ کو **سراجاً منیراً** سے تشبیہ دی گئی ہے جس کا مصداق چراغ یا آفتاب ہے چراغ تک رسائی بھی آسان اور اس سے روشنی حاصل کرنا ہر وقت ممکن ہے اور وہ سہل الحصول بھی ہے۔نیز اس سے روشنی حاصل کرنا بالقصد ہوتا ہے اور صحیح المزاج وتندرست انسان کو اس سے ناگواری کسی وقت بھی نہیں ہوتی۔اسی کے ساتھ اس میں ایک شان انیس ہونے کی بھی ہے۔ان سب وجوہ کو انبیاء علیہم السلام کی شان سے زیادہ مناسبت ہے۔لیکن شاید چراغ اس جگہ اس معنی میں ہو جس کا ذکر سورۂ نوح کی آیت **جعل القمر فیھن نوراً وجعل الشمس سراجاً** میں ہے یعنی آپ آفتاب نبوت وہدایت ہیں جس کے طلوع ہونے کے بعد کسی دوسری روشنی کی ضرورت نہیں رہی سب روشنیاں اس نور اکبر اور نور اعظم میں گم ہوگئیں۔

مخالفین کی خوشی کا سامان نہ ہونے دیجئے:۔　**ولا تطع الکافرین** یعنی مخالفین کی ہر طرح کی ایذاء رسانیوں کے خیال کو چھوڑ کر اللہ پر بھروسہ رکھئے۔اپنی رحمت سے کام بنانا اور منکروں کو راہ پر لانا یا سزا دینا سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔آپ اس کی فکر

اور الجھن میں نہ پڑ جائے۔ مخالفین کا منشا یہی ہے کہ طعن وتشنیع سے گھبرا کر اور شرارتوں سے پریشان ہو کر کام چھوڑ بیٹھیں ہر چند کہ آپ سے اس کا احتمال نہیں۔ مگر خود رنج فی نفسہٖ اس کا مظنہ ہوسکتا ہے۔ بالفرض اگر آپ ایسا کریں گے تو ان کا مطلب پورا کر دیں گے اور حد درجہ اس سے بچنے کے لئے اس خیال کو بھی اطاعت سے تعبیر کیا ہے ورنہ عصمت کے ہوتے ہوئے انبیاءؑ سے یہ کیسے ممکن ہے۔

نکاح کا ایک عمومی حکم: ... چونکہ حضرت زینبؓ کے نکاح کا ذکر ہوا۔ اس مناسبت سے آگے آنحضرت ﷺ کے لئے خصوصی احکام نکاح بیان کئے جا رہے ہیں۔ مگر ان سے پہلے عمومی انداز میں پہلے کچھ احکام نکاح بطور تمہید ارشاد ہیں کہ اگر بیوی کو جماع سے پہلے طلاق دینے کی نوبت آجائے تو ایسی حالت میں عدت کی ضرورت نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک بیوی سے خلوت صحیحہ کرنے کا حکم بھی ہم بستر ہونے کا ہے۔ ایسی عورت کو ایک جوڑا پوشاک حسب حیثیت یا اوسط درجہ کا دے کر خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دو۔

آیت میں مومنات کی قید احترازی نہیں ہے بلکہ قید اولویت ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں کتابیہ بیویوں کا حکم بھی یہی ہے۔ متعۃ الطلاق کی تفصیل اور احکام سورۂ بقرہ کی آیت **لا جناح علیکم ان طلقتم** کے ذیل میں گزر چکی ہے اور خوبصورتی کا مطلب یہ ہے کہ نہ حق اس کو نہ روکے رکھے۔ اس کا جو کچھ حق ہو اس کو بھی نہ دبائے اور جو کچھ اس کو دے چکا ہے۔ اس میں سے واپس نہ لے۔ کوئی تیز ترش بات اس کو نہ کہے۔ روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ جب آپ ﷺ اس کے نزدیک گئے۔ بولی ''اللہ تجھ سے پناہ دے'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے بہت بڑے کی پناہ پکڑی اور ایک جوڑا دے کر آپ ﷺ نے اس کو رخصت کر دیا۔ پھر وہ اپنی محرومی پر ساری عمر پچھتاتی رہی۔

اس پر یہ آیت **اذا نکحتم المؤمنات** نازل ہوئی اور خطاب عام مسلمانوں سے اس لئے فرمایا کہ تخصیص کا شبہ نہ رہے۔ سب مسلمانوں کے لئے بھی یہی حکم ہے۔

آنحضرت ﷺ کے لئے نکاح کے سات خصوصی احکام: ...... اس کے بعد سات خصوصی احکام بیان کئے جا رہے ہیں جن کا تعلق ذات اقدس سے ہے۔

۱۔ آپ ﷺ کی موجودہ بیویاں جن کی تعداد نو (۹) تھی اور جن کا مہر بھی آپ ادا کر چکے ہیں۔ یہ سب آپ کے لئے حلال ہیں۔ اس میں خصوصیت اور آپ کی فضیلت ظاہر ہے کہ تنی تعداد بیک وقت کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔ زائد سے زائد ایک مسلمان بیک وقت چار بیویاں کرسکتا ہے اس میں " **آتیت اجورھن** " کی قید احترازی نہیں بلکہ قید واقعی ہے یعنی سب کو آپ نے مہر دیا ہے۔

۲۔ جو باندیاں آپ کو غنیمت میں دستیاب ہوئی ہیں۔ وہ بھی خاص طور پر آپ کے لئے حلال ہیں۔ اس میں **مما افاء الله** کی قید اتفاقی ہے یہ بھی قید احترازی نہیں ہے۔ مقصد اصلی صرف یہ ہے کہ سبب ملک کا شرعی ہونا یقینی ہو۔ مال فی اور غنیمت صرف بطور مثال کے ہے۔ چنانچہ باندی خریدنے یا کسی کے ہبہ کر دینے سے جواز ہی رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آخر آیت میں صرف **ماملکت یمینک** ہے جس میں کوئی قید نہیں ہے۔ رہی اس حکم کی وجہ تخصیص؟ سو عجب نہیں کہ جو لونڈی وفات تک آپ کے پاس رہی جیسے حضرت ماریہ قبطیہؓ وہ بھی آپ کی ازواج مطہرات کی طرح دوسروں کے لئے حرام ہو۔ کیونکہ اخیر دم تک ساتھ رکھنا محبت وخصوصیت کی دلیل ہے اور محبت وخصوصیت کے لوازم عادیہ میں سے غیرت ہے۔ پس ایسی باندی اگر دوسرے کے لئے حلال کر دی جاتی تو ممکن ہے تعلق وخصوصیت اور شدت غیرت سے یہ سوچ کر آپ کو کلفت اور تنگی ہوتی۔ کہ دوسرا اس میں شریک ہوگا۔ ہاں آپ کسی کو اپنی باندی ہبہ کر دیں یا فروخت کر دیں تو یہ بیچنا اور ہبہ کرنا خود دلیل ہے۔ ضعف تعلق وترک خصوصیت کی اس لئے آپ کو رنجش وکلفت بھی نہ ہوگی۔

اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے جو ایک چیز پسند کر لینے کا آپ کو اختیار تھا جسے اصطلاح میں صفی کہا جاتا ہے یعنی شاہی خاصہ، پس خاصہ میں اگر کسی باندی کو پسند فرما لیں تو یہ آپ کی خصوصیت ہوگی۔ جیسے غزوۂ خیبر میں حضرت صفیہؓ کو آپ نے پسند فرمایا۔ نیز اہل حرب کی طرف سے بھی جو ہدیہ آپ کو ملتا تھا وہ خاصہ کہلاتا تھا۔ دوسروں کو صفی کا لینا جائز نہیں تھا۔ جیسے شاہ مقوقس نے ماریہ قبطیہؓ پیش کی تھی۔ غرض اس طرح وجوہ تخصیص تین ہو جاتی ہیں۔ یا ممکن ہے اس کے علاوہ اور وجوہ تخصیص ہوں جو آپ کے دور کے لوگوں کو معلوم ہوں اور ضرورت بھی انہی لوگوں کے معلوم ہونے کی تھی۔ کیونکہ خصوصیت کے اثرات ظاہر ہونے کا وقت دراصل وہی تھا۔

۳۔ آپ کی دادھیالی، ننھیالی خاندان کی وہ عورتیں جو آپ کی طرح ہجرت میں شریک ہوں۔ خواہ کسی وقت بھی انہوں نے ہجرت کی ہو وہ آپ کے لئے حلال ہیں۔ اس میں "بنات عم و خال" تو قید احترازی نہیں ہے۔ والدیہ والدہ کے رشتہ کی تمام عورتیں اس میں داخل ہیں۔ جیسا کہ معالم وغیرہ تفسیروں سے معلوم ہوتا ہے۔ البتہ ھاجرن کی قید بظاہر احترازی ہے چنانچہ آپ کی چچازاد بہن ام ہانی فرماتی ہیں۔ فلم اکن احل له لانی لم اهاجر معه کنت من الطلقاء۔ ابن عباسؓ اور مجاہدؒ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے اور معک سے معیت زمانی یا مکانی مراد نہیں۔ بلکہ فعلی معیت مراد ہے اور وجہ اس شرط لگانے کی یہ ہو سکتی ہے کہ قرابت دار چونکہ عموماً بے تکلف زیادہ ہوتے ہیں اور زیادہ بے تکلفی درستی اخلاق کئے بغیر اکثر باعث کلفت ہو جایا کرتی ہے اور درستی اخلاق اور اصلاح نفس کا بہت بڑا ذریعہ ہجرت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس میں جو پریشانیاں اور مشکلات پیش آتی ہیں اور انہیں برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس سے بہت حد تک مزاج ٹھکانے لگ جاتا ہے اور اس شکنجہ میں سے نکل کر نفس راستی پر آ جاتا ہے۔ ادھر آنحضرت ﷺ سے قرابتداری ایک طرح کا سرمایہ ناز وافتخار ہے اور افتخار اکثر باعث کلفت ہو جاتا ہے۔ اس کی اصلاح وتلافی ہجرت کے ذریعہ کرنا مناسب سمجھی گئی ہوگی اور اہل قرابت کے علاوہ اجنبیوں میں چونکہ یہ عوارض نہیں ہیں۔ اس لئے ان میں صرف مومنہ ہونے پر اکتفاء کیا گیا ہے بہر حال قرابتداروں میں یہ شرط لگا کر ایک نمایاں امتیاز وشرف آپ کے لئے تجویز کر دیا۔

۴۔ مسلمان عورت اگر خود کو بلا مہر آپ کو ہبہ کرنا چاہے اور آپ بھی اس سے نکاح کا ارادہ رکھتے ہوں تو اس میں بھی آپ کے لئے خصوصی اجازت ہے۔ اس میں ایمان کی قید ضروری ہے۔ کافرہ سے آپ کا نکاح جائز نہیں ہے مجاہدؒ سے یہی تفسیر منقول ہے۔ **لا یحل لک النساء من بعد یهودیات ولا نصرانیات لا ینبغی ان یکن امهات المومنین الا ما ملکت یمینک قال هی الیهودیات والنصرانیات لا باس ان یشتریها۔** البتہ وہبت کی قید اشتراطی نہیں ہے کیونکہ آزاد عورت محل ہبہ ہوتی ہی نہیں بلکہ یہ قید اولویت ہے۔ رفع شبہ کے لئے جب بلاعوض اس طرح عقد سے وہ حلال ہو جاتی ہے تو نکاح بالعوض سے بدرجہ اولیٰ حلال ہو جائے گی۔ گویا محط فائدہ صرف دوسری شرط "ان اراد النبی" ہے۔ رہا یہ قاعدہ کہ جب دو شرطیں جمع ہو جائیں تو دوسری شرط پہلی شرط کے لئے شرط ہو جاتی ہے۔ اکثری قاعدہ ہے اور اس وقت کے لئے جب کہ تعلیق کا تعلق دونوں شرطوں سے ہو۔ لیکن جہاں دوسری مقصود ہو جیسا کہ یہاں۔ پس پہلی شرط ان وصیلہ کے حکم میں ہوگی۔ پس تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ **احللنالک المومنة بشرط قبول النبی لها وان کانت وهبت واما اذا سمی المهر فبا لا ولی۔**

جس کا حاصل یہ ہوگا کہ قرابت داروں کے لئے تو ہجرت شرط ہے۔ مگر اجنبی عورتوں کے لئے صرف ایمان کافی ہے۔ اگرچہ نکاح بلاعوض ہو۔ اس میں اختلاف ہے کہ آپ کی ایسی کوئی بیوی تھیں یا نہیں؟ بعض حضرات نے ایسی بیویوں کے نام خولہ بنت حکیم، ام شریک، میمونہ، لیلیٰ بنت حطیم بتلائے ہیں۔ جن میں سے میمونہ کا ازواج میں ہونا معروف ہے اور ام شریک کی نسبت آنحضرت ﷺ کا انہیں

قبول کرنا بھی منقول ہے۔ بقیہ تین عورتوں کو ممکن ہے آپ ﷺ نے منظور نہ فرمایا ہو۔

اور بعض دوسرے حضرات انکار کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں۔ لم یکن عند رسول اللہ امرأۃ وھبت نفسھا لہ اور پہلوں کی روایات کو یہ حضرات ثابت نہیں مانتے۔ اور حاصل آیت قضیہ شرطیہ ہے جس میں دو شرطیں ہیں۔ ایک " ان وھبت" دوسرے " ان اراد النبی" جب ان دونوں شرطوں کا تحقق ہوگا تو نکاح کا وقوع بھی ہو جائے گا۔ لیکن دوسری شرط یعنی آپ کا ارادہ نہیں پایا گیا۔ اگرچہ پہلی شرط یعنی عورتوں کی طرف سے خود کو ہبہ کرنا یقیناً پایا گیا۔ اور ممکن ہے ان میں سے جس کے ساتھ آپ نے نکاح کیا ہو۔ وہ ہبہ کے لفظ سے ہوا ہو۔

۵۔ یہ تمام احکام آپ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ عامۃ المسلمین ان میں شریک نہیں ہیں اور یہ امتیاز اس لئے ہے کہ آپ کے لئے کوئی تنگی نہ رہے۔ زمخشریؒ خالصۃ کو پہلے چاروں احکام سے متعلق مانتے ہیں اور لکیلایکون علیک حرج. کا پانچوں احکام کی طرف اشارہ ہے اور وجہ امتیاز ان میں ظاہر ہے۔ کیونکہ عامہ مومنین سے متعلق حکم فمتعوھن تھا۔ جس میں نکاح کے لئے مہر کا لازم ہونا معلوم ہوا۔ خواہ حقیقۃً ہو یا حکماً یعنی خواہ وجوب ہو یا ذکر کر دینے کی وجہ سے ہو۔ لیکن دفعہ نمبر۴ میں آپ کا نکاح بلامہر محض ہبہ سے جائز ہوا۔ رہا آپ کے لئے ان احکام میں توسع کا ہونا پس پہلی دفعہ نمبر۱ اور چوتھی دفعہ نمبر۴ میں توسع بالکل ظاہر ہے۔ البتہ دفعہ نمبر۳ و نمبر۵ جن میں بظاہر آپ کے لئے قید اور پابندی ہے۔ ان میں تنگی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ آپ کی خاص مصالح کے پیش نظر ہم نے ان احکام میں یہ قیود بڑھائی ہیں۔ پس ان قیود کے نہ ہونے سے آپ کی مصالح فوت ہو جائیں گی اس وقت آپ کو تنگی ہوگی۔ مگر اب مصلحت کی خاطر قید لگا دینے سے وہ تنگی نہیں رہی اور اس طرح آپ کے لئے توسع ہوگیا۔ اور حرج اور تنگی کا دور کرنا کچھ ان احکام خاصہ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ عامہ مومنین سے متعلق حکم میں بھی اس کی رعایت پیش نظر ہے۔ ان سب احکام کا ماحصل تو یہ تھا کہ فلاں فلاں قسم کی عورتوں سے آپ کا نکاح جائز اور فلاں فلاں سے ناجائز۔ مگر آئندہ احکام کا تعلق اس بات سے ہے۔ کہ موجودہ بیویوں سے متعلق کیا احکام ہیں؟

۶۔ موجودہ بیویوں میں سے آپ جس کو اور جب چاہیں باری نہ دیجئے اور جس کو اور جب چاہیں باری دے دیجئے۔ یا سابقہ دلیل تبدیل کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ غرض ان سب باتوں کی آپ کے لئے اجازت ہے۔ اس بارے میں آپ پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ اس میں بڑی مصلحت یہ ہے کہ اس طرح بیویاں آپ سے زیادہ مطمئن اور خوش رہیں گی۔ جو کچھ بھی آپ ان کو مرحمت فرمائیں گے وہ قناعت کے ساتھ راضی رہیں گی۔ کیونکہ رنج وکلفت کی عادۃً بنیاد۔ حق تلفی پر ہوا کرتی ہے اور حق تلفی کا سوال اس وقت ہو جب کوئی حق قائم کیا جائے۔ لیکن جب اس کی جڑ بنیاد ہی ختم کر دی۔ جو کچھ بھی آپ کر دیں گے وہ محض تبرع اور احسان ہوگا۔ اس لئے اب شکایت کیسی؟ اور باندیوں کا باری میں شامل نہ ہونا سب کو معلوم ہے۔ کیونکہ ان سے اتنا انبساط نہیں ہوتا۔ محمدؒ بن کعب قرظیؒ اور قتادہؒ سے یہی تفسیر منقول ہے۔ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موسعا علیہ فی قسم ازواجہ ان یقسم بینھن کیف یشاء اور باندیوں کے متعلق ابوزرکا ارشاد ہے۔ لا یحل لک النساء من بعد قال من المشرکات الا سبت فملکتہ یمیک.

آگے واللہ یعلم میں تنبیہ ہے۔ کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ یہ احکام آپ کے لئے خاص کیوں ہوئے سب کے لئے عام ہونے چاہیں تھے۔ کیونکہ یہ در پردہ اللہ پر اعتراض ہے اور اس کے رسول پر حسد ہے۔ جس سے استحقاق سزا ہو جاتا ہے۔ یوں کسی کو جلد سزا نہ ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ اللہ میاں کو کچھ پتہ ہی نہیں۔ بلکہ وہ جاننے کے باوجود بردبار بھی ہے۔

اس کے بعد آیت لا یحل لک النساء میں دفعہ نمبر۳ و نمبر۵ کا تتمہ ہے جن میں ہجرت وایمان کی قید تھی۔ پس جن عورتوں میں

یہ بات نہ ہو وہ حلال نہیں۔ قرابت داروں میں غیر مہاجرات اور اجنبی عورتوں میں غیر مومنات سے نکاح جائز نہیں ہے۔

لایحل لک النساء کی تفسیر مجاہدؒ سے اس طرح منقول ہے۔ **لا یحل لک النساء من بعد ما بینت لک من هذه الا صناف بنات عمک فاحل له من هذه الا صناف ماشاء** پس حضرت عائشہؓ کے ارشاد **لم یمت رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى احل الله له ' ان يتزوج من النساء ما شاء الا ذات محرمة** کی وجہ سے اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ آیت "لایحل" منسوخ ہے۔ آیت "**ترجی من تشاء**" سے جو اگرچہ تلاوت میں مقدم ہے مگر نازل بعد میں ہوئی ہے۔ کیونکہ اس تفسیر پر تو آیت لایحل الخ نو بیویوں سے زائد کے حرام ہونے پر دلالت ہی نہیں کرتی۔

اعجبک حسنھن. پر کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ اول تو حسن سے متاثر ہو جانا غیر اختیاری ہے۔ دوسرے اس کی حقیقت **اذا راک الشئی علی ما هو علیه** ہے، جو واقع میں ایک کمال ہے۔ جو قابل اعتراض نہیں۔ ہاں! البتہ بلاضرورت اور بغیر اجازت شرعی قصداً نامحرم پر نظر ڈالنا یا اس کے تصور سے لذت اندوز ہونا بلاشبہ بری بات اور قابل اعتراض ہے۔ جس پر یہ الفاظ قطعاً دلالت نہیں کرتے۔ بلکہ دوسرے دلائل سے اس کی نفی ثابت ہو رہی ہے۔

۷۔ موجودہ بیویوں میں سے کسی کی جگہ دوسری عورت سے نکاح کرنا آپ کے لئے جائز نہیں ہے۔ ہاں بغیر تبدیلی کے کسی کو طلاق دینا چاہیں یا زائد کرنا چاہیں تو دوسری بات ہے اس کی اجازت ہے۔ ممانعت تو اس تبدل کے مجموعہ کی ہے۔ البتہ باندیاں دفعہ نمبر ۵ و نمبر ۷ سے مستثنیٰ ہیں یعنی وہ کتابیہ ہونے پر بھی حلال ہیں اور ان میں تبدل بھی جائز ہے۔

عبداللہ بن شداد سے یہی تفسیر منقول ہے۔ **قال لو طلقھن لم یحل له ان یستبدل وقد کان ینکح بعد مانزلت هذه الاية ما شاء** . امام زین العابدینؒ، انس ابن مالکؓ سے بھی ایسے ہی منقول ہے۔ اس حکم کا خاص ہونا تو ظاہر ہے۔ کیونکہ یہ تبدیلی آپ کے لئے جائز نہیں ہے۔ باقی امتیوں کے لئے جائز ہے۔ البتہ باعث شرف ہونا اس لئے ہے کہ اس تبدل سے عدد کی قید کا شبہ ہوتا تھا۔ یعنی اگر آپ ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری سے نکاح کر لیں تو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید بغیر اس کے چھوڑے دوسری عورت سے نکاح جائز نہیں۔ جیسا کہ امتیوں میں سے کسی کے پاس اگر چار بیویاں ہوں تو اس کے لئے بغیر کسی کو طلاق دیئے پانچویں عورت سے نکاح جائز نہیں ہے۔ اس لئے اس تبدیلی کی آپ کے لئے ممانعت ہوگی۔ لہذا اس قسم کی شرافت پہلی قسم کی شرافت کے قریب قریب ہوگئی ہے۔

اس حکم کی مصلحت وحکمت یہ بیان کی جا سکتی ہے کہ اس طرح کے تبدل میں کم فہموں کو غرض پرستی کا شبہ ہو سکتا تھا کہ اپنی نفسانی غرض کے پیش نظر نئی بیوی کو لانے کے لئے پرانی بیوی کو صاف کر دیا گیا ہے۔ لیکن اگر یہ دونوں باتیں جمع نہ ہوں یعنی پرانی کو طلاق اور نئی سے نکاح۔ تو پھر اس شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

اس حکم میں عرب جاہلیت کے اس دستور پر ضرب کاری لگائی گئی ہے۔ کہ شوہر اپنی بیویوں میں باہمی تبادلہ کر لیا کرتے تھے۔ بعض مفسرینؒ نے اس آیت کے تحت اس جاہلیت کے رواج کا تذکرہ کیا ہے۔ **کانت العرب فی الجاهلية یتبادلون بازواجهم یقول الرجل للرجل بادلنی با مراتک وابادلک با مراتی (سالم) قال ابن زید هذا الشئ کانت العرب تفعله یقول احدهم خذزوجنی واعطنی زوجتک (قرطبی) مسهلا من بیان القران**

الا ماملکت. آنحضرت ﷺ کی دو حرم مشہور ہیں۔ ایک ماریہ قبطیہؓ جن سے صاحبزادہ حضرت ابراہیمؑ پیدا ہو کر بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ دوسری ریحانہ رضی اللہ عنہا۔

تعدد ازدواج پر نکتہ چینیوں کا مُسکت جواب: .... آنحضرت ﷺ نے عمر کے پچیس سال جو شباب کی امنگوں کے اصلی دن ہوتے ہیں محض تجرد میں گزارے پھر اقرباء کے اصرار اور پھر خود حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی درخواست پر ایسے وقت ان سے نکاح کیا۔ جب وہ دو مرتبہ بیوہ ہو چکی تھیں اور ان کی عمر بھی ڈھل چکی تھی اور ۵۳ سال کی عمر تک پورے سکون واطمینان سے اسی پاک باز بیوی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ یہی زمانہ تھا کہ آپ ساری دنیا سے الگ تھلگ غاروں اور پہاڑوں میں جا کر خدائے واحد کی عبادت کیا کرتے تھے اور یہ اللہ کی نیک بندی آپ ﷺ کے لئے توشہ تیار کرتیں۔ زندگی کے اس طویل عرصہ میں جو دوسرے لوگوں کے لئے عموماً نفسانی جذبات کی تنہائی ہنگامہ خیزیوں کے اٹھ اٹھ کر ختم ہو جانے کا زمانہ ہوتا ہے کوئی معاند سے معاند اور کٹر سے کٹر متعصب دشمن بھی ایک حرف ایک نقطہ ایک شوشہ آپ کی پیغمبرانہ عصمت و پاکدامنی کے خلاف کچھ لب کشائی نہیں کر سکتا اور یہ اس کامل ترین انسان کا کردار ہے۔ جن کو بقول خود چالیس جنتی مردوں کے برابر طاقت ملی تھی۔ جب کہ ایک جنتی مرد کی قوت دنیا کے سو آدمیوں کے برابر ہے تو اس حساب سے چار ہزار انسانوں کے برابر طاقت آپ کو عطا ہوئی تھی۔ تو اس لحاظ سے کم از کم چار ہزار عورتوں سے یا عام مسلمانوں کی اجازت کے پیش نظر سولہ ہزار عورتوں سے نکاح کرنے کی آپ میں طاقت تھی۔ مگر اللہ اکبر اس شدید ریاضت اور ضبط نفس کا کیا ٹھکانہ کہ ترپن ۵۳ سال کی عمر اسی تجرد یا زہد کے ساتھ گزار دی۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد حضرت عائشہؓ اور آٹھ بیواؤں سے مزید نکاح کیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویوں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار بیویوں کے ہوتے ہوئے کیا کوئی انصاف پسند صرف نو بیویوں کی وجہ سے آپ ﷺ پر کثرت ازدواج کا الزام لگا سکتا ہے۔ پھر جب ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی عمر ترپن ۵۳ سال سے تجاوز ہو چکی تھی اور باوجود عظیم الشان فتوحات کے ایک دن پیٹ بھر کر کھانا نہ کھایا۔ جو آیا اللہ کے راستہ میں دے ڈالا۔ اختیاری فقر وفاقہ سے پیٹ پر پتھر باندھے رہے، مہینوں ازواج مطہراتؓ کے مکانوں سے دھواں نہ نکلا اور پانی کھجور پر گزارہ رہا۔ روزہ پر روزہ رکھتے کئی کئی دن افطار نہ کرتے۔ راتوں کو اللہ کی عبادت میں کھڑے رہنے سے پاؤں پر ورم آجاتا۔ لوگ دیکھ دیکھ کر رحم کھانے لگتے۔ عیش وطرب کا سامان تو کجا تمام بیویوں سے صاف کہہ دیا تھا کہ جسے آخرت کی زندگی پسند ہو ہمارے ساتھ رہے۔ جو دنیا کا عیش چاہے رخصت ہو جائے۔ جیسا کہ اسی سورت کی آیات تخییر میں اس کا بیان گزرا ہے۔ پھر مختلف قبائل وطبقات کی عورتوں کے آپ کی خدمت میں رہنے سے جو اس قبائل اور جماعتوں کو آپ کی دامادی کا شرف حاصل ہوا اور اس طرح ان کی وحشت ونفرت میں کمی ہوئی اور اپنے کنبہ کی عورتوں سے آپ کی پاک دامنی، خوبی اخلاق، حسن معاملہ، بے لوث کیرکٹر کو سن کر اسلام کی طرف رغبت بڑھی۔ شیطانی شکوک واوہام کا ازالہ ہوا۔ اسلام کی تبلیغ اور احکام اسلام کی نشر واشاعت ہوئی۔ بالخصوص خانگی امور اور عورتوں سے متعلق سینکڑوں مسائل امت کے سامنے آئے اور مختلف المزاج عورتوں کے اس خوبی سے حقوق ادا کئے اور خوش اسلوبی سے برتاؤ کیا کہ سب آپ کی دلدادہ رہیں اور اخیر دم تک سب آپ ہی کا کلمہ پڑھتی رہیں۔ کیا یہ کچھ کمال کی بات نہیں اور ایک یہ کیا ساری زندگی ہی آپ کی معجزانہ تھی اور دوسروں کے لئے مکمل نمونہ تھی۔ جس سے دنیا کے ہادیوں کی وہ عظیم الشان جماعت تیار ہوئی جس سے زیادہ پرہیزگار و پاک باز کوئی جماعت بجز انبیاء کے آسمان کے نیچے کبھی نہیں پائی گئی۔ کیا کسی بڑے کیرکٹر کے انسان سے ایسا ہونا کبھی ممکن ہے؟

(ملخصاً فوائد العلامۃ العثمانیؒ)

لطائف سلوک: .... یا ایھا النبی انا احللنالک سے معلوم ہوا کہ تعدد ازدواج کمال زہد کے منافی نہیں ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ فِي الدُّخُوْلِ بِالدُّعَاءِ **اِلٰى طَعَامٍ** فَتَدْخُلُوْا **غَيْرَ نٰظِرِيْنَ** مُنْتَظِرِيْنَ **اِنٰىهُ** نُضْجَهٗ مَصْدَرُ اَنٰى يَاْنِيْ **وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا** تَمْكُثُوْا **مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ** مِنْ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ **اِنَّ ذٰلِكُمْ** الْمُكْثُ **كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ** اَنْ يُّخْرِجَكُمْ **وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ** اَنْ يُّخْرِجَكُمْ اَيْ لَا يَتْرُكُ بَيَانَهٗ وَقُرِئَ يَسْتَحِيْ بِيَاءٍ وَّاحِدَةٍ **وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ** اَيْ اَزْوَاجَ النَّبِيِّ **مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ** سِتْرٍ **ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ** مِنَ الْخَوَاطِرِ الْمُرِيْبَةِ **وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ** بِشَيْءٍ **وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ** ذَنْبًا **عَظِيْمًا** ﴿۵۳﴾ **اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ** مِنْ نِكَاحِهِنَّ بَعْدَهٗ **فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا** ﴿۵۴﴾ فَيُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ **لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ** اَيِ الْمُؤْمِنَاتِ **وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ** مِنَ الْاِمَاءِ وَالْعَبِيْدِ اَنْ يَّرَوْهُنَّ وَيُكَلِّمُوْهُنَّ مِنْ غَيْرِ حِجَابٍ **وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ** فِيْمَا اُمِرْتُنَّ بِهٖ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا** ﴿۵۵﴾ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ **اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ** مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا** ﴿۵۶﴾ اَيْ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّسَلِّمْ **اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ** وَهُمُ الْكُفَّارُ يَصِفُوْنَ اللّٰهَ بِمَا هُوَ مُنَزَّهٌ عَنْهُ مِنَ الْوَلَدِ وَالشَّرِيْكِ وَيُكَذِّبُوْنَ رُسُلَهٗ **لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ** اَبْعَدَهُمْ **وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا** ﴿۵۷﴾ ذَا اِهَانَةٍ وَهُوَ النَّارُ **وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا** يَرْمُوْنَهُمْ بِغَيْرِ مَا عَمِلُوْا **فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا** تَحَمَّلُوْا كِذْبًا **وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا** ﴿۵۸﴾ بَيِّنًا

ع

ترجمہ: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں مت جایا کرو۔ بجز اس صورت کے جب تمہیں اجازت دی جائے (حاضر ہونے کی) کھانے کے لئے (اس وقت گھروں میں جا سکتے ہو) ایسے طور پر کہ انتظار میں نہ رہو (منتظر ہو کر نہ بیٹھنا پڑے) اس کی تیاری کے (پکنے کے اِنا مصدر ہے انی یانی کا) البتہ جب تم کو بلایا جائے تب جایا کرو۔ پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو (ٹھہرے مت رہا کرو) جی لگا کر بیٹھے مت رہا کرو باتیں کرنے کے لئے (آپس میں) اس بات (ٹھہرنے) سے پیغمبر کو ناگواری ہوتی ہے۔ سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں (اٹھ جانے کے لئے نہیں کہتے) لیکن اللہ صاف صاف بات کہنے میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا (کہ باہر ہو جاؤ۔ یعنی اس کے بیان کرنے سے نہیں چوکتا، اور ایک قراءت میں یستحي ایک یا کے ساتھ ہے) اور جب تم ان (ازواج نبی) سے مانگو کوئی

چیز تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو۔ یہ بات تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے (وساوس وشبہات سے) اور تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کو کسی طرح بھی (کسی چیز کی) تکلیف پہنچاؤ، اور نہ جائز ہے کہ تم آنحضور ﷺ کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔ یہ اللہ پاک کے نزدیک بڑی بھاری بات (گناہ) ہے اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو گے یا اسے دل میں پوشیدہ رکھو گے (یعنی آپ کے بعد بیویوں سے نکاح) تو اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے (لہذا وہ اس پر تمہیں سزا دے گا) پیغمبر کی بیویوں پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اپنے باپوں، بیٹوں، بھائیوں بھتیجوں، بھانجوں اور نہ اور (مسلمان) عورتوں اور اپنی باندیوں کے بارے میں (یعنی باندی غلام آپ کی بیویوں کو دیکھ بھی سکتے ہیں اور بلا پردہ بات کرنے کی بھی اجازت ہے) اور (مذکورہ احکام کے متعلق) اللہ سے ڈرتی رہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر ناظر ہے (کوئی چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہے) بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی (محمد ﷺ) پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی آنحضرت ﷺ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو (اللهم صلى على محمد وسلم پڑھا کرو) بلاشبہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ستاتے ہیں (کفار جو اللہ کے لئے تو بیٹے اور شریک جیسے اوصاف مانتے ہیں جن سے اللہ پاک ہے اور اس کے رسولوں کو جھٹلاتے رہتے ہیں) اللہ ان پر لعنت کرتا ہے دنیا اور آخرت میں (انہیں اپنے سے دور کر دیتا ہے) اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب (اہانت آمیز آگ) تیار کر رکھی ہے اور جو لوگ ایمان لانے والے مردوں، ایمان والی عورتوں کو ستاتے رہتے ہیں۔ بغیر اس کے کہ انہوں نے کچھ کیا ہو (بلاقصور ان پر اتہام لگاتے رہتے ہیں) تو وہ لوگ بہتان (جھوٹ) اور کھلا ہوا (صریح) گناہ اٹھاتے ہیں۔

تحقیق وترکیب: الا ان یؤذن بتقدیر المضاف ہے ای وقت الا ذن بمعنی دعوة اسی لئے اس کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے۔

غیر ناظرین. ادخلوا مصدر کے فاعل سے حال ہے ای ادخلوا وقت الاذن غیر ناظرین

لا مستانسین . یہ بھی مقدر سے حال ہے۔ ای لا تمکثوا مستا نسین .

اناه. نضج، بلوغ، ادراک کے معنی میں ہے گوشت وغیرہ کا پکنا، تیار ہونا۔

من الحق. یعنی بتقدیر المضاف ہے جیسا کہ بعد کے قرینہ سے معلوم ہو رہا ہے۔

ای من اخراجکم کیونکہ ذات سے حیا مقصود نہیں۔ بلکہ فعل اخراج سے حیا بیان کرنا ہے۔ بجائے اخراج کے من الحق ذکر کر دیا اور چونکہ حقیقۃً اللہ کے لئے حیا مراد نہیں اس لئے لازمی معنی ترک کے بیان کر دیئے۔

یستحی . اس کے اخیر میں دو یاء اور ایک یائی دو قراء تیں ہیں۔

ابنائهن چچا اور ماموں بھی اس میں داخل ہیں۔ کیونکہ یہ بھی والدین کے حکم میں ہیں۔ حدیث شریف میں ہے۔ عم الرجل صنو ابيه .

ربط: .... پچھلی آیات میں ایذاء رسول کی بعض انواع کا ذکر ہوا تھا۔ آیت یا ایها الذین امنوا سے بھی ایذاء کی ایک خاص نوع کا بیان ہو رہا ہے۔ جو بلاقصد ہونے کے اعتبار سے دفعہ نمبر ۵ جیسی ہے۔ اصل مقصد کا بیان تو فاذا طعمتم الخ سے شروع ہو رہا ہے۔ لیکن انتظام و اہتمام کے لئے پہلے آیت لا تدخلوا الخ سے کچھ احکام بیان کئے جا رہے ہیں۔ اور پھر مسئلہ حجاب پر بھی روشنی ڈالی جا رہی ہے۔ جس سے اجلال نبوی مقصود ہے۔ اور ذیل میں کچھ احکام ارشاد فرما کر "ان الله و ملائكته" سے آنحضرت ﷺ کو خصوصی

وسلام کے ساتھ یاد کرنے کا حکم ہے۔ جس سے انتہائی اجلال نبوی ظاہر کرنا ہے۔

اس کے بعد آیت " ان الذین یؤذون " سے آپ کی ایذاء کو اللہ کی ایذاء قرار دیا۔ جس پر سخت وعید ہے اسی طرح ایذاء مومنین کو بھی کبیرہ گناہ شمار کیا ہے۔ جس سے ایذاء رسول کی برائی اور زیادہ مؤکد ہوگئی۔ کہ جب مؤمنین کی ایذاء ایسی ہے تو سید المومنین کی ایذاء کیسی ہوگی؟

شانِ نزول: ...... آنحضرت ﷺ کا نکاح جب حضرت زینبؓ سے ہوا تو آپ ﷺ نے گوشت روٹی کا ولیمہ بڑے اہتمام سے کیا اور لوگوں کو مدعو کیا۔ کچھ لوگ کھانا کھا کر باتیں کرنے لگے۔ آپ ﷺ اٹھنا چاہتے تھے۔ تاکہ لوگ اس اشارہ کو سمجھ کر اٹھ جائیں مگر لوگ نہ سمجھے۔ آخر آپ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ کو دیکھ کر سب اٹھ کھڑے ہوئے مگر تین صاحبان پھر بھی بیٹھے رہے۔ آپ ﷺ انہیں دیکھ کر پھر لوٹ گئے۔ تب وہ لوگ بھی اٹھ کر چلے گئے۔ جس کی اطلاع حضرت انسؓ نے آپ ﷺ کو دے دی۔ تب آپ ﷺ تشریف لائے۔ اس پر آیت یا ایھا الذین امنوا لا تدخلوا نازل ہوئی۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! آپ کی خدمت میں اچھے برے ہر قسم کے آدمی رہتے ہیں آپ ﷺ امہات المومنین کو پردہ کرالیں تو زیادہ مناسب ہے۔ اس پر آیت اذا سالتموھن نازل ہوئی۔ یہ بات ذیقعدہ ۵ھ کی ہے۔

طلحہ بن عبید اللہؓ ایک صحابی نے خیال ظاہر کیا۔ کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد میں آپ ﷺ کی کسی بیوی سے نکاح کروں گا۔ یہ سن کر آپ ﷺ کو ایک گونہ کلفت ہوئی۔ ایک روایت میں ہے۔ کہ کسی نے مسئلہ حجاب پر یہ کہا کہ جب ہم سے ہماری چچازاد بہنوں کو چھپایا جاتا ہے تو ہم بھی آپ کی وفات کے بعد آپ کی بیویوں سے نکاح کریں گے۔ تب الفاظ ولا ان تنکحوا نازل ہوئے اور آیت حجاب جب اتری۔ تو آپ کی ازواج مطہراتؓ کے باپ بیٹوں نے عرض کیا کہ ہم جیسے قرابت دار بھی کیا پس پردہ بات چیت کریں۔ تب آیت " لا جناح علیھن " نازل ہوئی۔ بقول ابن عباسؓ آیت ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی۔ جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے حضرت صفیہؓ بنت حی کے لینے پر اعتراض کیا تھا۔ نیز جن لوگوں نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے میں حصہ لیا تھا۔ ان کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں ہیں۔

﴿تشریح﴾: ...... **بلا قصد ایذاء سے بھی بچنا چاہئے:** دراصل مقصود اصلی فاذا طعمتم فانتشروا ہے۔ مگر بطور مقدمہ کے لا تدخلوا کے حکم سے شروع کیا ہے۔ اول تو اس لئے کہ مقدمات کا اہتمام کرنا اصلی مقصد کے عظیم الشان ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ دوسرے حضرت انسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ مین کھانا کھانے کے وقت حضور ﷺ کے دولت کدہ پر جا پہنچتے تھے۔ اور وہاں کھانا پکنے کے انتظار میں بیٹھے باتیں کرتے رہتے تھے۔ یوں تو کھانا کھلانے والا حضور ﷺ سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے۔ مگر اس طرح بیٹھ رہنا بے شک گراں گزرتا تھا بالخصوص ایسی حالت میں کہ حجاب کا حکم بھی نہیں ہوا تھا۔ پس اس طرح "لاتدخلوا" کے حکم میں اس کا انتظام بھی ہوگیا۔ پھر پردہ کا حکم آنے کے بعد تو ایسے واقعات کا ہمیشہ کے لئے انسداد ہوگیا۔ نیز اسی کے ساتھ حجاب میں حضور ﷺ کی شان کی جلالت وعظمت کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

آدابِ معاشرت: ...... حاصل یہ ہے کہ بغیر بلائے اول تو اس طرح از خود نہ جاؤ اور دعوت ہو تو جب تک بلایا نہ جائے یا مقررہ وقت نہ ہوجائے تو پہلے سے جا کر نہ بیٹھو کہ انتظار کرنا پڑے اور گھر والوں کے کام کاج میں حرج واقع ہو اور جب کھانے سے فارغ

ہو جاؤ تو اپنے گھر کا رستہ لینا چاہئے۔ وہیں بیٹھ کر مجلس جمانے سے میزبان اور اس کے گھر والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ یہ احکام اگر چہ شان نزول کے لحاظ سے خاص ہیں۔ مگر منشاء ایک عام ادب سکھلانا ہے کہ بے دعوت کسی کے یہاں جا بیٹھنا یا طفیلی بن کر ساتھ ہو لینا یہ کھانے سے پہلے یونہی مجلس جمانا یا فارغ ہونے کے بعد یونہی گپ شپ لڑانا درست نہیں ہے۔ پاس لحاظ کی وجہ سے آپ تو صاف صاف کہتے نہیں کہ اٹھ جاؤ مجھے کلفت ہوتی ہے، حیاء ومروت اور اخلاق کی وجہ سے اپنے پر تکلیف برداشت کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اللہ کو بندوں کی اصلاح وتادیب میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے۔ بہر حال اس نے اپنے پیغمبر کی زبانی اپنے احکام سنا دیئے۔

ایک شبہ کا ازالہ: ....اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ کیا حضور ﷺ کبھی حیاء کی وجہ سے حق کا اظہار نہیں فرماتے تھے؟ بات یہ ہے کہ جہاں تک اپنی ذات اور نفس کا حق ہے اس کے اظہار میں آپ عام طور پر شرماتے تھے اور خود تکلیف اٹھا لیتے تھے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حق شرعی کا اخفاء بھی کرتے تھے۔

اور فرمایا کہ کوئی چیز مانگنی بھی ہو تو وہ پردہ کے پیچھے سے مانگیں اور جب ضرورت میں بھی پردہ کا حکم ہے تو بلا ضرورت سامنے آنے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے؟ بہر حال اس میں جانبین کے دل صاف ستھرے رہتے ہیں اور شیطانی وساوس کا استیصال ہو جاتا ہے اور یہ اگر چہ آیت حجاب "وقرن" سے تلاوت میں موخر ہے۔ مگر نزول کے لحاظ سے مقدم ہے۔ کیونکہ اس آیت کا نزول حضرت زینبؓ کی پہلی شادی میں ہو چکا تھا اور آیت تخییر جس سے آیت وقرن الخ متعلق ہے۔ حضرت زینبؓ کے نکاح سے بہت بعد نازل ہوئی۔ چنانچہ نفقہ طلب کرنے والی بیویوں میں وہ بھی تھیں۔ حالانکہ اس قسم کے مطالبات کا شادی کے بہت بعد اتفاق ہوا کرتا ہے۔ پس پردہ کا حکم اس آیت سے ہوا ہے اور آیت وقرن الخ سے اس کی تائید ہوگئی۔

مومنین کو ایذائے نبوی سے بچنے میں زیادہ محتاط رہنا چاہئے: ....آیت وما کان لکم کا حاصل یہ ہے کہ مخالفین جو چاہیں بکتے پھریں اور حضور ﷺ کو ستانے میں کوشش میں لگے رہیں مگر مومنین کے لئے لائق نہیں کہ حضور ﷺ کی حیات میں کوئی رنج دہ بات کہیں یا کریں یا وفات کے بعد آپ ﷺ کی ازواج مطہرات سے کوئی نکاح کرنا چاہے یا ایسے کوئی بے ہودہ ارادہ کا اظہار بھی حضور ﷺ کی موجودگی میں کرے۔ کیونکہ ازواج کی عظمت حضور ﷺ ہی کے تعلق کی وجہ سے قائم ہوئی ہے کہ روحانی حیثیت سے وہ تمام مومنین کی محترم مائیں ہیں۔ علاوہ اس کے کہ یہ خیال حضور ﷺ کے تکدر وکلفت کا باعث ہے اور اس کا باعث خسران ہونا ظاہر ہے۔ خود ازواج مطہرات بھی کسی کے نکاح میں آنے کے بعد کیا ان کا وہ ادب واحترام ملحوظ رہ سکتا ہے؟ یا آپ ﷺ کے بعد وہ خانگی بکھیڑوں میں پڑ کر تعلیم وتربیت کی ان اعلیٰ قدروں کو پورا کر سکتی ہیں۔ جس کے لئے قدرت نے انہیں پیغمبر کی زوجیت کے لئے چن لیا تھا اور کیا کوئی پرلے درجہ کا بے حس وبے شعور انسان بھی یہ باور کر سکتا ہے کہ انہیں حضور ﷺ کی خدمت میں رہنے کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی کسی دوسری جگہ قلبی سکون وراحت میسر آ سکتا ہے۔

ازواج مطہراتؓ سے نکاح: ....ازواج مطہراتؓ سے نکاح کا حرام ہونا مجملاً تو منصوص اور اجماعی ہے۔ البتہ کچھ تفصیلات میں اختلاف ہے۔ امام الحرمینؒ اور "رافعی" کے نزدیک حرمت کا تعلق صرف ان بیویوں کے ساتھ خاص ہے جن سے خاوند کے معاملات ہو چکے ہیں اور امام رازیؒ، امام غزالیؒ نے ان بیویوں سے نکاح کو جائز رکھا ہے جو آیت تخییر کے بعد دنیا کو اختیار کر لیں اور بعض علماء نے ان حرموں سے نکاح کو حرام کہا ہے جو وفات تک حضور ﷺ کے پاس رہی ہیں۔

اورآیت لاجناح علیھم میں پردہ سے جن عزیزوں کو مستثنیٰ کیا ہے، صرف انہی کی تخصیص مقصود نہیں ہے بلکہ تمام محارم نسبیہ و رضاعیہ مراد ہیں۔ جن کا ذکر سورۂ نور میں ہو چکا ہے۔ پردہ کے احکام کے موقعہ پر واتقین اللہ نہایت برمحل جملہ ہے۔ یعنی پوری طرح ان احکام کو ملحوظ رکھو۔ ذرا بھی گڑبڑ نہ ہونے پائے۔ ظاہر و باطن میں حدود الہیہ محفوظ رہنی چاہئے۔

اللہ اور فرشتوں اور مومنین کے درود کا مطلب:......... ان اللہ وملائکتہ کے تحت علماء نے کہا ہے کہ ''صلوٰۃ اللہ'' سے مراد اللہ کی رحمت اور فرشتوں کی صلوٰۃ سے مراد ان کا استغفار کرنا اور مومنین کی صلوٰۃ ان کا دعا کرنا ہے۔ پھر اس میں حقیقت و مجاز کے جمع کرنے نہ کرنے کی بحثیں شروع ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ یہاں رحمت سے رحمت عامہ مشترکہ مراد نہیں کہ یہ بحثیں کھڑی کی جائیں، بلکہ وہ ''رحمت خاصہ'' مراد ہے جو آپ کے شایان شان ہے۔ جس سے حق تعالیٰ آپ کو نوازتا ہے۔ اسی طرح فرشتوں کا رحمت بھیجنا بھی ان کے شایان شان مراد ہے اسی طرح جس رحمت کے بھیجنے کا مومنین کو حکم ہو رہا ہے اس سے مراد بھی رحمت خاصہ کی دعا کرنا ہے، جسے ہمارے محاورہ میں ''درود'' کہتے ہیں۔ پس یہ حقیقۃ و مجاز کا جمع کرنا بالعموم مشترک نہیں ہے کہ خلاف قواعد ہو۔ بلکہ اس کو عموم مجاز کہنا چاہئے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے کہ باپ بیٹے پر، بیٹا باپ پر، بھائی بھائی پر، استاد شاگرد پر، شوہر بیوی پر مہربان ہے۔ یا ایک دوسرے سے محبت کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس طرح کی محبت و مہربانی باپ کی بیٹے پر ہے وہ اس نوعیت کی نہیں جو بیٹے کو باپ پر ہے۔ یہی حال بھائی کی بھائی سے محبت کا ہے۔ وہ ان دونوں سے جداگانہ ہوتی ہے۔ غرض خاوند، بیوی، استاد، شاگرد، سب کے تعلقات کا یہی حال ہے کہ ہر ایک کا رنگ الگ اور مخصوص ہے۔

عموم مجاز:......... ٹھیک اسی طرح یہاں بھی سمجھ لیا جائے کہ اللہ کے نبی پر رحمت بھیجنے کا مطلب، شفقت کے ساتھ آپ کی ثناء اور آپ کا اعزاز کرنا ہے۔ فرشتے اور انسان بھی اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اس اعزاز میں شریک ہوتے ہوئے بھی ہر ایک کے اعزاز کا رنگ الگ ہے اور گو حضور ﷺ مراتب عالیہ پر پہلے سے فائز ہیں، لیکن ان میں ترقی و عروج کی چونکہ کوئی حد نہیں، اس لئے ''صلوٰۃ و سلام'' کے نتیجہ میں ہر لحہ مراتب میں اضافات ہوتے رہتے ہیں۔ جن سے کوئی بڑے سے بڑا بھی کسی وقت بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حضور ﷺ نے اذان کے بعد تمام امتیوں کو اپنے لئے دعائے وسیلہ و شفاعت کرنے کی تعلیم فرمائی ہے۔

نیز عمرہ کے موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اشر کنا فی الدعاء فرمایا۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح بڑوں سے دعا کی استدعا اور التجاء کی جاتی ہے، دعا کی یہ استدعاء اپنے چھوٹوں سے بھی ہونی چاہئے۔ کیونکہ جس ذات عالی سے دعا کا تعلق ہے اس کے آگے تو بلا استثناء سب ہی محتاج ہیں۔

آنحضرت ﷺ پر سلام بھیجنے کا مطلب:......... آنحضرت ﷺ پر سلام بھیجنے کے معنی آپ کی حیات میں تو سلامتی آفتاب اور ثناء و تعریف کے ہیں۔ لیکن آپ کی وفات کے بعد عرفی معنی محض ثناء کے رہ جاتے ہیں۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اس تسیلم سے مقصود اللہ کے سلام کی استدعا ہو اور اس سلام سے مقصود سلامتی کی بشارت ہو۔ جس کا حاصل یہ ہوگا۔ اللھم بشر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالسلامۃ الابدیۃ الموعودۃ لہ اور یہ معنی وفات کے بعد بھی بے تکلف صحیح ہو سکتے ہیں۔

صلوٰۃ و سلام کی نسبت صلوۃ و سلام پیش کرنے والے کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ یعنی نصلی و نسلم اور اللہ کی طرف بھی بطور دعا کے اسناد کی جا سکتی ہے۔ یعنی اللھم صل اللھم سلم یصلی اللہ علیہ وسلم علی ہذا نماز کے تشہد میں جو الفاظ السلام علیک

ایھا النبی آتے ہیں۔اس میں بھی یہ نسبت دونوں طرح ہوسکتی ہے۔اپنی طرف اسناد کرتے ہوئے یعنی سلام علیک دوسرے ورحمة الله وبرکاته کی طرح اللہ کی طرف اسناد کرتے ہوئے یعنی سلام الله علیک، البتہ احادیث کے الفاظ پر نظر کرتے ہوئے دوسری توجیہ راجح معلوم ہوتی ہے۔اگرچہ پہلی توجیہ صلاۃ وسلام کی اضافت اولی ملابست کی وجہ سے دوسری توجیہ کی طرف بھی راجح ہوسکتی ہے۔صلوۃ اللہ منی وسلام اللّٰہ منی۔

منعم حقیقی اور محسن مجازی: بلاشبہ منعم حقیقی حق تعالیٰ ہیں۔لیکن تمام انعامات واحسانات کا واسطہ خواہ وہ تشریعی ہوں یا تکوینی۔چونکہ آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس ہے اور واسطہ احسان بھی محسن ہی شمار ہوتا ہے۔اس لئے ہر امتی پر یہ احسان شناسی لازم اور ضروری ہے۔پس اس کے اعتراف کی یہی صورت مناسب ہے کہ اللہ کی حمد وثنا کے ساتھ آپ ﷺ کو بھی صلوۃ وسلام میں یاد رکھا جائے۔جس سے یاد رکھنے والے کا خود اپنا فائدہ بھی ہے۔چنانچہ ارشاد گرامی ہے کہ ایک مرتبہ درود بھیجنے سے درود پیش کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی دس گونہ رحمتیں ہوتی ہیں۔

درود کے احکام: ....اور قطعی الدلالت قطعی الثبوت نصوص میں چونکہ امر کا صیغہ محققین کے نزدیک فرضیت کے لئے ہوا کرتا ہے اور ہر امر مقتضی تکرار نہیں ہوتا،اس لئے کلمہ توحید کی طرح عمر بھر میں ایک بار"صلوۃ" بھی فرض ہے اور جس مجلس میں آپ کا ذکر خیر ہو، احادیث میں درود چھوڑنے پر جو وعیدیں آئی ہیں ان پر نظر کرتے ہوئے نیز نفی حرج کے دلائل پر نظر کرتے ہوئے اس مجلس میں بھی ایک بار آپ پر درود بھیجنا واجب ہے اور فضائل درود پر نظر کی جائے تو زیادہ سے زیادہ درود پڑھنا مستحب ہے۔چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک صحابیؓ نے اپنی دعا کے تہائی حصہ کو وقف درود کردینے اور پھر آدھی دعا کو اور پھر دو تہائی دعا کو اور آخر میں پوری دعا کو وقف درود کردینے کی استدعا، جب حضور ﷺ سے کی تو آپ ﷺ نے "اذا تکفیت" کی بشارت عطا فرمائی۔یعنی اللہ تعالیٰ پھر تیری دعا خود پوری فرمادیں گے۔اسی لئے بزرگوں نے دعا کے اول وآخر درود پڑھنے کو استجابت دعا میں نہایت موثر اور کارگر بتلایا ہے کہ دونوں طرف سے درود قبولیت دعا کے لئے زور لگائے گا۔ورنہ اللہ کی رحمت سے یہ بعید ہے کہ صرف درود قبول فرمالے اور دعا کو رد کردے۔یہ ساری تفصیل نماز کے باہر کے درود کی ہے۔لیکن نماز میں درود پڑھنا امام اعظمؒ کے نزدیک سنت ہے۔

حضور ﷺ پر سلام کے احکام: اسی طرح صیغہ امر کا لحاظ کرتے ہوئے بعض حضرات نے عمر بھر میں ایک بار سلام کو بھی فرض کہا ہے۔لیکن الفاظ صلوۃ وسلام کے معنی پر اگر نظر کی جائے تو صلوٰۃ بھیجنے سے سلام کے حکم کا امتثال ہوجاتا ہے۔پس اس اتحاد مقصد کے پیش نظر بالاستقلال سلام کی فرضیت محل کلام بن جاتی ہے۔شاید اسی لئے ان الله وملائكته يصلون کے ساتھ يسلمون نہیں فرمایا۔اگرچہ مقصود يصلون على النبي ويسلمون ہی ہے۔کیونکہ اگلا جملہ صلوا عليه وسلموا تسليما اسی پر متفرع اور منطبق ہے اور چونکہ حضور ﷺ کے حقوق کا ازبس عظیم ہونا مطلب ہے،اسی اہمیت کے پیش نظر اگلے جملہ میں "صلوا علیه وسلموا تسليما" فرمایا۔تاکہ دونوں حکموں کی الگ الگ تصریح ہوجائے اور مفعول مطلق کے ذریعہ دوسرے جملہ کی تاکید ہوجائے۔اسی طرح حضور ﷺ کے حقوق کا مزید تاکید مقصد ہے۔شاید اسی لئے نماز کے قعدۂ اخیرہ کے تشہد میں اول سلام اور اس کے بعد صلوۃ (درود ابراہیمی) دونوں کو جمع کرنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ"صلوۃ وسلام" دونوں کو جمع کرنا اولیٰ وافضل ہے۔اگرچہ صرف صلوۃ یا صرف سلام پر اکتفا کرنا بھی بلاکراہت جائز ہے۔جیسا کہ نماز کے پہلے قعدہ کے تشہد میں صرف سلام پر اکتفا کیا گیا

ہے جو جواز بلا کراہت کی واضح دلیل ہے۔

نبی کا امت پر حق اور امت کا ایفائے حق: ......حقیقت یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے تمام انبیاء سے بڑھ کر اپنی امت کے لئے تکلیفیں اور صعوبتیں جھیلی ہیں۔ پس امت مسلمہ کا فریضہ بھی یہی تھا کہ وہ ساری امتوں سے بڑھ چڑھ کر اور محبت نبوی میں سرشار ہو کر آپ کی قدر ومنزلت پہچانیں۔ چنانچہ اس نے بہت حد تک قدر ومنزلت پہچانی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث کا شغل رکھنے والے محدثینؒ ہر مجلس میں بار بار نام نامی آنے کے باوجود مختصر ہی سہی، مگر صلوٰۃ وسلام کے لکھنے پڑھنے کا معمول ہمیشہ ان میں رہا ہے، اس لئے کیا عجب ہے، امت میں سب سے زیادہ ''درود وسلام'' کے ہار بارگاہِ رسالت میں محدثینؒ ہی کی طرف سے پیش ہوتے ہیں اور یوں بھی ہر وقت مزار پر انوار پر حاضر ہو کر سلام پیش کرنے والوں کو براہ راست سماعت کی سعادت بلکہ بعض اوقات جواب کی سعادت بھی حاصل ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ ایک اعرابی صحابی نے جب مزار اقدس پر صلوٰۃ وسلام کے بعد عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما** میں اپنے ظلم وقصور کا اعتراف واستغفار کرتے ہوئے حاضر خدمت ہوا ہوں۔ لہٰذا آپ بھی میرے لئے استغفار فرمائیے۔ تاکہ اللہ کی مغفرت ورحمت سے نوازا جاؤں۔ مزار اقدس سے پر امید جواب سنا تو چونکہ عاشق زار تھے، اس لئے فرط جوش میں تاب نہ لا سکے اور سنتے ہی نعرۂ شوق بلند ہوا اور وہیں جان جان آفرین کی سپرد کر دی۔

اسی طرح حضرت سید احمد رفاعیؒ جب روضہ اقدس پر حاضر ہوئے تو عرض کیا۔ **السلام عليك ياجدی.** جواب ملا **وعليك السلام ياولدی** اس پر انہیں وجد ہوا اور بے ساختہ زبان پر یہ اشعار جاری ہو گئے۔

فی حالة البعد روحی كنت ارسلها تقبل الارض عنی وهی نائبتی

فهذه دولة الاشباه قد حضرت فامدد يمينك تحظى بها شفتی

لکھا ہے کہ قبر مبارک سے فوراً ایک منور ہاتھ نمایاں ہوا، جسے بے ساختہ دوڑ کر انہوں نے بوسہ دیا اور وہیں بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اس واقعہ کے دیکھنے والے ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو بھی اس وقت کچھ رشک ہوا تھا؟ فرمایا کہ ہم تو کیا اس وقت تو فرشتوں کو بھی رشک ہوا۔

اس کے علاوہ سارے عالم سے فرشتوں کی ایک مخصوص جماعت کے ذریعہ ہر لحہ، ہر ساعت جو درود وسلام کے ہدیے بارگاہ رسالت میں پیش ہوتے ہوں گے ان کا تو کیا ہی شمار۔ گویا ہمہ وقت ایک تانتا بندھا رہتا ہے۔ کیا ہی عجب اور دلگداز منظر رہتا ہوگا۔

عامہ مومنین بھی عشق رسول ﷺ سے خالی نہیں: ...... اور دیندار تو خیر دیندار ہی ہیں، انہیں تو عشق رسول ﷺ جتنا بھی ہو کم ہے۔ مگر بہت سے آزاد اور بے عمل مسلمان دیکھے جاتے ہیں کہ وہ بھی ناموس رسول ﷺ پر سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ لکھے پڑھے، تو کچھ مصالح کی الجھنوں میں پھنسے بھی رہ جاتے ہیں۔ مگر دیکھا یہی گیا ہے کہ ہر طرف سے لاپرواہ ہو کر خود کو قربان کر دینے کے لئے یہی بے عمل میدان میں کودتے ہیں۔ بلکہ بعض دفعہ دھوکہ یہ ہوتا ہے کہ عشق رسول ﷺ شاید عشق الٰہی سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ حالانکہ بنظر غائر دیکھا جائے تو واقعہ میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تو نگاہوں سے اوجھل اور وراء الوراء ہے۔ اس لئے اس کی محبت بھی لاشعوری اور غیر محسوس ہے۔ مگر حضور چونکہ ہم جنس ہیں۔ آپ کی قربانیاں اور واقعات سامنے ہیں۔ اس سے آپ کی محبت بھی محسوس ہے جو بادی النظر میں بڑھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ حقیقی محبت اللہ ہی سے ہے۔ **اللهم صل على سيدنا**

ومولانا محمد وعلی ال سیدنا ومولانا محمد وبارک وسلم.

شکوۂ محبت: ....مگر حیف ہے ان پیشہ ور واعظوں پر جو محض اپنا اسٹنٹ قائم رکھنے کے لئے یا گرمیٔ محفل اور تقریروں کا تال میل درست رکھنے کے لئے خود تو محروم لیکن وقفہ وقفہ کے ساتھ سامعین جلسہ سے باآواز بلند مروجہ **صلوۃ** وسلام پڑھواتے ہیں یا درود خوانی کراتے ہیں۔ گویا انکا نعرہ یہ ہوتا ہے کہ ''تم پڑھو اور ہم پئیں دودھ'' یہ تو وہی بچکانہ بات ہوئی کہ ''اللہ اللہ کیا کرو، نام نبی کا لیا کرو، دودھ جلیبی کھایا کرو۔

اسی طرح یہ حضرات آپ ﷺ کا نام نامی آنے پر اکثر بجائے ﷺ زبان سے کہنے کے صرف انگلیوں کو چوم کر آنکھوں سے لگا لیتے ہیں اور وہ بھی محض ذان میں اشھد ان محمد ارسول اللہ کہنے پر اور دلیل میں کوئی روایت پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ علامہ سخاوی مقاصد حسنہ میں اس روایت کو صحیح نہیں مانتے، بلکہ شرح یمانی میں انگوٹھ اور انگلیاں چومنے کو مکروہ لکھا ہے۔ البتہ جوش عقیدت ومحبت میں کوئی ﷺ کہنے کے ساتھ انگلیاں بھی چوم لے تو وہ دوسری بات ہے۔ تاہم نہ کرنے والے پر نکیر کرنا بلکہ اس کو برا بھلا کہنا یقینا ایک طرح کی زیادتی اور رسم پرستی ہے۔ تاہم بعض اہل محبت نے آشوب چشمی کے ازالہ کے لئے اس عمل کو مفید بتلایا ہے۔

آخر اذان ہی میں یہ کیوں کہا جاتا ہے۔ دوسرے اوقات میں کیوں نہیں کیا جاتا۔ پھر جو کلمہ طیبہ کا ورد کرنے والے پر یا تفسیر و حدیث کے شغل کی وجہ سے بکثرت ان کی زبانوں پر نام نامی رہتا ہے۔ وہ کس طرح اس پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں؟ غرضیکہ اس طرح یہ اصرار کرنے والے حضرات التزام مالا یلزم کے دائرہ میں آجاتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو قصداً ستانا: ... .پچھلی آیات میں تو بلا قصد ایذاء دہی کی ممانعت تھی۔ اس کے بعد اب آیت ان الذین یؤذون سے بالقصد ایذاء دہی کی ممانعت فرمائی جا رہی ہے اور اللہ کے ناراض کرنے کو بطور عموم مجاز ایذاء سے تعبیر کیا ہے اور ان آیات میں ایذاء کے بالقصد مراد ہونے پر تین دلیلیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ ایذاء دینا افعال اختیاریہ میں سے ہے اور افعال اختیاریہ میں قصد شرط ہوا کرتا ہے۔ دوسرے جس فعل سے بلا قصد ایذاء ہو جائے اور فی الحقیقت ایذاء نہیں ہے، بلکہ مقدمہ ایذاء ہے جسے مجازاً ایذاء کہا جا سکتا ہے۔ مگر کلام حقیقت میں ہو رہا ہے اور وہ ایذاء قصدی کے ساتھ خاص ہے۔ تیسرے حدیث **رفع عن امتی الخطاء والنسیان** کی وجہ سے بلا قصد افعال پر وعید نہیں ہے اور یہاں **وعید لعنھم اللہ الخ** موجود ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ ایذاء قصدی ہے اور بغیر **ما اکتسبوا** کی قید سے تادیب وسیاست شرعی کا جائز ہونا ثابت ہو گیا۔

لطائف سلوک: ... ان ذلکم کان یؤذی النبی کا اشارہ کرنے کے بعد حضور ﷺ کے دولت کدہ پر ٹھہرا رہنا ہے۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ ایسے مواقع پر صاف طور پر نہ کہنا طبع کریم کا مقتضی ہے اور صاف صاف کہہ دینا عقل حکیم کا مقتضی ہے۔ پس مصلح مقتضائے عقل کو مقتضائے طبع پر ترجیح دیتا ہے۔ دوسری بات معاشرت کی اصلاح کا واجب ہونا ہے اور جس حرکت سے دوسرے کو ایذاء ہو اور وہ ضروری بھی نہ ہو اس کا ہونا حرام ہے۔ آج کل ایسی باتوں میں اہل علم ومشائخ تک احتیاط نہیں کرتے۔

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ جَمْعُ
ـلْبَابِ وَهِیَ الْمُلْحَفَةُ الَّتِیْ تَشْتَمِلُ بِهَا الْمَرْاَةُ اَیْ یُرْخِیْنَ بَعْضَهَا عَلَی الْوُجُوْهِ اِذَا خَرَجْنَ لِحَاجَتِهِنَّ
ِعَیْنًا وَّاحِدَةً **ذٰلِكَ اَدْنٰٓی** اَقْرَبُ اِلٰی **اَنْ یُّعْرَفْنَ** بِاَنَّهُنَّ حَرَائِرُ **فَلَا یُؤْذَیْنَ** بِالتَّعَرُّضِ لَهُنَّ بِخِلَافِ
ِمَاءِ فَلَا یُغَطِّیْنَ وُجُوْهَهُنَّ وَكَانَ الْمُنَافِقُوْنَ یَتَعَرَّضُوْنَ لَهُنَّ **وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا** لِمَا سَلَفَ مِنْهُنَّ مِنْ تَرْكِ
سْتْرِ **رَّحِیْمًا﴿۵۹﴾** بِهِنَّ اِذَا سَتَرَهُنَّ **لَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ** عَنْ نِفَاقِهِمْ **وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ**
رَضٌ بِالزِّنَا **وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَةِ** الْمُؤْمِنِیْنَ بِقَوْلِهِمْ قَدْاَتَاكُمُ الْعَدُوُّ وَسَرَایَا كُمْ قُتِلُوْا اَوْ هُزِمُوْا
غْرِیَنَّكَ بِهِمْ لَنُسَلِّطَنَّكَ عَلَیْهِمْ **ثُمَّ لَایُجَاوِرُوْنَكَ** یُسَاكِنُوْنَكَ **فِیْهَآ اِلَّا قَلِیْلًا﴿۶۰﴾** ثُمَّ یُخْرَجُوْنَ
لْعُوْنِیْنَ مُبْعَدِیْنَ عَنِ الرَّحْمَةِ **اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا** وُجِدُوْا **اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا﴿۶۱﴾** اَیِ الْحُكْمُ فِیْهِمْ هٰذَا
ـلٰی جِهَةِ الْاَمْرِ بِهِ **سُنَّةَ اللّٰهِ** اَیْ سَنَّ اللّٰهُ ذٰلِكَ **فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ** مِنَ الْاُمَمِ الْمَاضِیَةِ فِیْ
ـنَافِقِیْهِمُ الْمُرْجِفِیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ **وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا﴿۶۲﴾** مِنْهُ **یَسْئَلُكَ النَّاسُ** اَیْ اَهْلُ مَكَّةَ
نِ السَّاعَةِ مَتٰی تَكُوْنُ **قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَمَایُدْرِیْكَ** یُعْلِمُكَ بِهَا اَیْ اَنْتَ لَاتَعْلَمُهَا **لَعَلَّ**
لسَّاعَةَ تَكُوْنُ تُوْجَدُ **قَرِیْبًا﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِیْنَ** اَبْعَدَهُمْ **وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِیْرًا﴿۶۴﴾** نَارًا شَدِیْدَةً
بَدْخُلُوْنَهَا **خٰلِدِیْنَ** مُقَدَّرًا خُلُوْدُهُمْ **فِیْهَآ اَبَدًا لَایَجِدُوْنَ وَلِیًّا** یَحْفَظُهُمْ عَنْهَا **وَّلَانَصِیْرًا﴿۶۵﴾**
ـدْفَعُهَاعَنْهُمْ **یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ یَقُوْلُوْنَ یَا** لِلتَّنْبِیْهِ **لَیْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا﴿۶۶﴾**
قَالُوْا اَیِ الْاَتْبَاعُ مِنْهُمْ **رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا** وَفِیْ قِرَاءَةٍ سَادَاتِنَا جَمْعُ الْجَمْعِ **وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا**
السَّبِیْلَا﴿۶۷﴾ طَرِیْقَ الْهُدٰی **رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَیْنِ مِنَ الْعَذَابِ** اَیْ مِثْلَیْ عَذَابِنَا **وَالْعَنْهُمْ** عَذِّبْهُمْ
ـعْنًا كَبِیْرًا﴿۶۸﴾ عَدَدُهُ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالْمُوَحَّدَةِ اَیْ عَظِیْمًا **یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَكُوْنُوْا** مَعَ نَبِیِّكُمْ
كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰی بِقَوْلِهِمْ مَثَلًا مَایَمْنَعُهُ اَنْ یَّغْتَسِلَ مَعَنَا اِلَّا اَنَّهُ اٰدَرُ **فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّاقَالُوْا** بِاَنْ وَضَعَ
ـوْبَهُ عَلٰی حَجَرٍ لِیَغْتَسِلَ فَفَرَّالْحَجَرُ بِهِ حَتّٰی وَقَفَ بَیْنَ مَلَاءٍ مِنْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ فَاَدْرَكَهُ مُوْسٰی فَاَخَذَ ثَوْبَهُ
ِاسْتَتَرَبِهِ فَرَاَوْهُ لَااُدْرَةَ بِهِ وَهِیَ نَفْخَةٌ فِی الْخُصْیَةِ **وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا﴿۶۹﴾** ذَاجَاهٍ وَمِمَّا اُوْذِیَ بِهِ
بِیُّنَا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُ قَسَّمَ قَسْمًا فَقَالَ رَجُلٌ هٰذِهِ قِسْمَةٌ مَا اُرِیْدَ بِهَاوَجْهُ اللّٰهِ فَغَضِبَ النَّبِیُّ صَلَّی
لـلّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ذٰلِكَ وَقَالَ یَرْحَمُ اللّٰهُ مُوْسٰی لَقَدْ اُوْذِیَ بِاَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ

ع ۸ / ۱۰ / ۵

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿٧٠﴾ صوابا **يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ** يتقبلها **وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿٧١﴾** نال غاية مطلوبه **اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ** الصلوات وغيرها مما في فعلها من الثواب وتركها من العقاب **عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ** بان خلق فيها فهما ونطقا **فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ** خفن **مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ** آدم بعد عرضها عليه **اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا** لنفسه بما حمله **جَهُوْلًا ﴿٧٢﴾** به **لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ** اللام متعلقة بعرضنا المترتب عليه حمل آدم **الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ** المضيعين الامانة **وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ** المؤدين الامانة **وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا** للمؤمنين **رَّحِيْمًا ﴿٧٣﴾** بهم

ترجمہ: ...... اے نبی! کہہ دیجئے اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی بیویوں سے کہ نیچی کر لیا کریں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں (جلابیب جمع ہے جلباب کی چادر یا برقعہ جس کو عورت اپنے اوپر لپیٹ لے۔ یعنی جب کسی ضرورت سے باہر نکلیں تو اس کے کچھ حصہ سے منہ چھپالیا کریں۔ البتہ آنکھیں کھلی رکھنے کی اجازت ہے) اس سے وہ بہت جلد پہچان لی جایا کریں گی (کہ وہ آزاد ہیں) تو اس طرح پھر ستائی نہیں جایا کریں گی (ان سے چھیڑ چھاڑ کر کے، البتہ باندیاں اپنے چہروں کو نہ چھپائیں، کیونکہ منافقین آزاد عورتوں ہی کو ستایا کرتے تھے) اور اللہ تعالیٰ تو بڑا مغفرت والا ہے (جواب تک انہوں نے پردہ نہیں کیا تھا) رحم کرنے والا ہے (جب وہ پردہ کریں گی) اگر (لام قسمیہ ہے) یہ منافقین (اپنے نفاق سے) اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (زنا) کا روگ ہے اور جو مدینہ میں افواہیں اڑایا کرتے ہیں (مومنین سے کہتے پھرتے ہیں کہ دشمن حملہ آور ہو گیا ہے اور مسلمانوں کا لشکر ہار گیا یا مارا گیا ہے) باز نہ آئے تو ہم خود ضرور آپ کو ان پر مسلط (غالب) کر دیں گے۔ پھر یہ لوگ آپ کے پاس نہیں رہنے پائیں گے (ٹھہر نہیں سکیں گے) پائے جائیں مدینہ میں مگر بہت ہی کم (پھر نکال دیئے جائیں گے) وہ بھی پھٹکارے ہوئے (رحمت سے راندہ) جہاں ملیں گے (پائے جائیں گے) پکڑ دھکڑ اور مار دھاڑ کی جائے گی (یعنی ان کے متعلق امر کے طریقہ پر یہ حکم ہے) اللہ کا یہی دستور رہا ہے (یعنی اس نے یہی دستور مقرر کیا ہے) ان لوگوں میں بھی جو پہلے ہو گزرے ہیں (گذشتہ امتوں میں منافقین مسلمانوں کو ڈرایا کرتے تھے) اور آپ اللہ کے دستور میں رد و بدل نہ پائیں گے۔ یہ لوگ (مکہ والے) آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں (کہ کب آئے گی؟) آپ فرما دیجئے کہ اس کی خبر تو بس اللہ ہی کے پاس ہے اور آپ کو اس کی کیا خبر (یعنی آپ نہیں جانتے) عجب نہیں کہ قیامت قریب ہی واقع (موجود) ہو جائے۔ بلاشبہ اللہ نے کافروں کو دور (بعید) کر دیا ہے اور ان کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے (نہایت تیز آگ جس میں یہ جھونکے جائیں گے) جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اس میں ہمیشہ رہنا ان کے لئے تجویز ہو چکا ہے) نہ کوئی یار پائیں گے (جو ان کی حفاظت کر سکے) اور نہ کوئی مددگار (جو انہیں بچا سکے) جس روز ان کے چہرے دوزخ میں الٹ پلٹ کر دیئے جائیں گے۔ یوں کہتے ہوں گے اے (تنبیہ کے لئے ہے) کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور ہم نے رسول کی اطاعت کی ہوتی اور یوں کہیں گے (جو ان کے پیروکار تھے) اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں کا کہنا مانا (ایک قرأت میں ساداتنا جمع الجمع کے صیغہ سے ہے)

اور اپنے بڑوں کا۔ سو انہوں نے ہمیں (سیدھی) راہ سے بھٹکا دیا۔ اے ہمارے پروردگار! انہیں دوہرا عذاب (ہمارے سے دگنی سزا) دے دیجئے اور ان پر لعنت کیجئے (انہیں عذاب دیجئے) بہت زیادہ (تعداد میں ایک قرأت میں با کے ساتھ کبیرا ہے یعنی بہت بڑا) اے ایمان والو! تم (اپنے پیغمبر کے متعلق) ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے موسیٰ کو ایذا دی تھی (مثلاً یہ کہا تھا کہ یہ ہمارے ساتھ مل کر اس لئے غسل نہیں کرتے کہ انہیں فتق کا عارضہ ہے) سو اللہ نے انہیں بری ثابت کر دیا ان کے الزام سے (اس طرح کہ انہوں نے ایک دفعہ نہانے کے لئے کپڑے نکال کر پتھر پر رکھے تو پتھر انہیں لے کر چلتا بنا۔ حتیٰ کہ بنی اسرائیل کے ایک مجمع کے سامنے جا کر ٹھہر گیا۔ جسے حضرت موسیٰ نے پکڑ کر اس سے اپنے کپڑے چھین لئے اور فوراً ستر چھپا لیا۔ غرض لوگوں نے دیکھ لیا کہ انہیں فتق یعنی خصیتین پھولنے کی بیماری نہیں ہے) اور وہ اللہ کے نزدیک بڑے معزز تھے (ذی وجاہت۔ چنانچہ ہمارے پیغمبر کو بھی لوگوں نے جن باتوں میں ستایا۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ ایک شخص بولا کہ اس تقسیم میں نیک نیتی نہیں تھی۔ اس پر آپ نہایت برہم ہوئے اور فرمایا کہ اللہ موسیٰ پر رحم فرمائے کہ انہیں اس سے بھی زیادہ ستایا گیا۔ مگر انہوں نے صبر کیا۔ (بخاری)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور راستی (سچائی) کی بات کہو۔ اللہ تمہارے اعمال کو قبول فرمائے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا (منزل مقصود پر کامزن ہو جائے گا) ہم نے یہ امانت پیش کی (پنج وقتہ نمازیں وغیرہ ثواب کے کام کو جن کے چھوڑنے سے عذاب ہوگا) آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے (انہیں سمجھ اور بولنے کی طاقت دے دی) ان سب نے انکار کر دیا۔ اس کی ذمہ داری سے اور وہ اس سے ڈرے (خائف ہوئے) اور انسان نے اپنے ذمہ لے لیا (حضرت آدمؑ نے جب کہ انہیں پیش کش کی گئی) بے شک وہ بڑا ظالم ہے (اپنے اوپر یہ بوجھ لے لیا) بڑا جاہل ہے۔ انجام یہ ہوا کہ اللہ (لیعذب میں لام عرضا کے متعلق ہے جس پر انسان کا ذمہ داری قبول کرنا مرتب ہوا ہے) منافق مردوں اور عورتوں اور مشرک مردوں اور عورتوں اور مشرک مردوں اور عورتوں کو سزا دے گا (جنہوں نے امانت ضائع کر دی ہے) اور ایمان والوں اور ایمان والیوں پر (جو امانت ادا کرنے والے ہیں) توجہ فرمائے گا اور اللہ (مومنین کی) بڑی مغفرت کرنے والا (ان پر) رحم کرنے والا ہے۔

تحقیق وترکیب: یدنین. ادناء کے معنی قریب کرنے کے ہیں۔ چونکہ سدل وارخاء کے معنی کو متضمن ہے۔ اس لئے علیٰ کے ذریعہ تعدیہ کیا گیا ہے۔

المرجفون. ارجاف. رجفة سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی زلزلہ کے ہیں۔ جھوٹی خبریں بھی چونکہ متزلزل اور غیر ثابت ہوتی ہیں، اس لئے جھوٹے پروپیگنڈہ کے معنی ہیں۔

لنغرینك. کہا جاتا ہے کہ اغراه بکذا یعنی کسی چیز کو حاصل کرنے کے لئے برانگیختہ کرنا۔ مراد تسلط اور غلبہ ہے۔

ملعونین. یہ یجاورونك کے فاعل سے حال ہے۔ علامہ زمخشریؒ کہتے ہیں کہ حرف استثناء اور ظرف دونوں پر ایک ساتھ داخل ہے۔ جیسے الا ان یؤذن لکم الیٰ طعام غیر ناظرین میں ہے اور زمخشریؒ منصوب علی الذم بھی مانتے ہیں اور ابن عطیہ کے نزدیک "قلیلا" بدل بھی ہو سکتا ہے اور ملعونین کو قلیلاً کی صفت بھی کہہ سکتے ہیں اور منصوب ہو یجاورونك سے حال ہونے کی بناء پر ای لایجاورونک منهم احد الا قلیلا ملعونا اور لفظ اخذوا سے بھی منصوب ہو سکتا ہے جو جواب شرط ہے۔ کسائی اور فراءؒ کے نزدیک۔ کیونکہ ان کے نزدیک جواب کے معمول کو ادات شرط پر مقدم بھی کیا جا سکتا ہے، جیسے خیر ان تاتینی نصب.

سنة الله. مصدر مؤکد ہوکر منصوب ہے۔

وما یدریک. ما مبتداء ہے اور یدریک جملہ خبر ہے اور استفہام انکاری ہے۔ جیسا کہ مفسر علامؒ نے ای انت لاتعلم سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

لعل الساعة. لعل تمنی کے لئے ہے اور قریباً کان کی خبر ہے موصوف محذوف مان کر ای شیئا قریباً اور بعض نے تقدیر قیام الساعة مانی ہے۔ تکون کی تانیث سے الساعة کی اور قریباً کی تذکیر میں مضاف محذوف کی رعایت رکھی گئی ہے اور بعض کی رائے ہے کہ لفظ قریب بکثرت ظرف کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ پس یہ ظرف ہی خبر کی جگہ ہے اور الساعة لعل کا اسم اور تکون جملہ خبر ہے اور قریباً حال ہے اور تکون تامہ ہے جیسا کہ مفسرؒ نے توجد کہہ کر اشارہ کیا ہے۔ ای اتراجی وجود الساعة عن قریب.

خالدین فیہا. ضمیر سعیر کی طرف راجع جو مونث ہے یا معنی میں جہنم کے ہے۔ ابدا تاکید ہے خالدین کی لایجدون حال ثانی ہے یا خالدین سے حال ہے۔

تقلب۔ گھسیٹنا۔ الٹنا۔ پلٹنا۔

یقولون. سوال مقدر کا جواب ہے ای ماذا صنعوا عند ذالک.

سادا تنا. جمع الجمع ہے کثرت پر دلالت کرنے کے لئے۔ یہ ابن عامرؒ کی قرأت ہے اور باقی قرائے بغیر الف کے فتح تا کے ساتھ جمع تکسیر کی صورت میں پڑھا ہے۔ سادة کی اصل سودة ہے۔ فعلۃ میں یہ شاذ ہے۔ البتہ اگر سائد کی جمع مانی جائے تو قیاس کے مطابق ہوگی۔ جیسے فاجر کی جمع فجرة.

کبیرا. عاصمؒ نے با کے ساتھ اور باقی قرائے ثا کے ساتھ پڑھا ہے۔

قولاً سدیداً. اللہ کی پسندیدہ بات۔ اس میں تمام طاعات قولیہ آگئیں۔ ابن عباسؓ نے صواب کے معنی لئے ہیں اور قاموس میں قول وعمل کی درستی کے معنی ہیں۔

عرضنا الامانة. حق تعالیٰ نے فرمایا۔ ان احسنتن اثبناکن وان اسانن عوقبتن امانت کے متعلق میں اختلاف ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں۔ قیل ھی کلمة التوحید قل العقل وھو صحیح وبه فضل علی کثیر ممن خلقه. ابن عباسؓ فرائض مراد لیتے ہیں۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، سچ بولنا، دین کا ادا کرنا، ناپ تول پورا کرنا امانت ہے ابوالعالیہ کی رائے میں امر اور نہی جن چیزوں سے متعلق ہے وہ امانت ہے اور تفسیر کبیر میں ہے کہ امانت کی بہت سی صورتیں ہیں۔ بعض نے تکلیف شرعی اور بعض نے معرفت الٰہی کو کہا ہے۔

اور روح البیان میں ہے کہ امانت، خیانت کی ضد ہے۔ اس کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ تکلیفات شرعیہ امور دینیہ ہے کہ امانت کی طرح لازم الاذل ہیں۔ دوسرا مرتبہ محبت وعشق اور جذب الٰہی ہے۔ جو پہلے درجہ کا ثمرہ ہے۔ اسی کی وجہ سے انسان فرشتوں سے برتر ہوا۔ کیونکہ عشق الٰہی اگرچہ دونوں میں مشترک ہے مگر تکالیف شاقہ سے انسان ہی گزرتا ہے۔ تیسرا مرتبہ براہ راست فیضان الٰہی کا ہے۔ اس کو امانت اس لئے کہتے ہیں کہ یہ صفات الٰہیہ میں سے ہے۔ یہ فیضان حجابات وجود ظلومیت اور جہولیت سے نکل کر ہویۃ اور بقاء ربوبیت میں پہنچ کر حاصل ہوتا ہے اور یہ مرتبہ دوسرے مرتبہ کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ عشق تو محبت صفاتیہ میں سے ہے اور یہ فیض وفنائیت محبوبیت ذاتیہ کے مقام میں سے ہے۔

حملها الانسان. آسمان وزمین پر امانت کی پیشی اختیاری تھی لازمی نہیں تھی۔ ورنہ انکار ممکن نہیں تھا۔ پھر اللہ نے انسان سے

فرمایا کہ هل انت اخذبما فیها عرض کیا۔ یارب مافیها؟ فرمایا۔ ان حملتها اجرت وان ضیعتها عذبت عرض کیا حملتها بما فیها. چنانچہ ظہر سے عصر تک وقت کی مقدار جنت میں رہ سکا کہ ابلیس نے نکلوا کر چھوڑا۔ ابن عباسؓ نے تو یہی تفسیر کی ہے۔ تابعین اور اکثر سلف کی رائے بھی یہی ہے۔ حسن بصریؒ، مقاتلؒ اور مجاہدؒ بھی انہی میں سے ہیں۔

لیکن بقول زجاجؒ اور بعض علماء کے نزدیک آسمان، زمین، پہاڑ کے حق میں تو امانت اللہ کی مشیت وارادہ کے آگے انقیاد وخضوع ہے اور انسان کے حق میں طاعت وفرائض ہیں۔ اس صورت میں ابین ان یحملنها کے معنی یہ ہوں گے کہ آسمان زمین نے امانت اٹھائی۔ مگر عہدہ برآ نہ ہوسکے۔ کہا جاتا ہے۔ فلان حامل الامانة ومحملها ای لا یودیها الی صاحبها. حسنؒ سے بھی یہی منقول ہے اور قاموس میں ابین ان یحملنها کے معنی یخنها وخانها الانسان کے ہیں اور انسان سے مراد کافر ومنافق ہے اور ظلومیت وجہولیت باعتبار جنس کے ہے۔ ظلومیت سے یہاں حقیقۃً حدود شرع سے تجاوز مراد نہیں بلکہ امانت کے ناقابل برداشت بوجھ کو اٹھالینا مراد ہے جو قابل مدح ہے۔ ظالم وجاہل ایسی ذات کو کہا جاتا ہے، جس میں عدل وعلم کی اہلیت ہو۔ مگر پھر ان کی فعلیت میں نہ لائے۔ دیوار، درخت وغیرہ کو ظالم وجاہل نہیں کہا جائے گا۔ یہ انسان ہی کے لئے امتیاز ہے۔ یہ کلمات بطور لاڈ اور پیار کے فرمائے ہیں۔ جیسے ہم محبت میں کسی کو باؤلا کہہ دیتے ہیں۔ حقیقت مراد نہیں۔

لیعذب. لام عاقبۃ ہے۔ یہ حمل امانت کی علت ہے بطور نتیجہ۔

ربط:........ پچھلی آیات میں ایذاء رسانی کی ممانعت بیان ہوئی تھی۔ آیت یا ایها النبی الخ سے بھی بعض ایذاؤں کا اور ان کے انتظام کا تذکرہ ہے۔ دراصل منافقین دو طرح سے ستاتے تھے۔ ایک یہ کہ بعض شریر طینت، راستہ چلتی مسلمانوں کی باندیوں کو چھیڑا کرتے اور بعض شریف آزاد عورتوں کو بھی باندیوں کے شبہ چھیڑا کرتے تھے۔ دوسرے مسلمانوں کو ڈرانے کے لئے پریشان کن جھوٹی خبریں اڑایا کرتے تھے۔ ان دونوں باتوں سے آنحضرت ﷺ اور مسلمان آزردہ تھے۔ اس لئے آزاد عورتوں کے لئے تو ضرورت میں باہر نکلنے پر پردہ اور برقعہ کو لازم کردیا اور باندیوں کے لئے شریروں کو ڈرایا دھمکایا اور چونکہ سابقہ آیت "ان الذین یوذون الخ" میں آخرت کی لعنت اور عذاب کا ذکر تھا۔ ادھر بعض لوگ قیامت کا نام آتے ہی استہزاء کرنے لگتے اور اس کے وقت کی تعیین کے بہانے سوالات کرنے لگتے۔ اس سلسلہ میں آیت یسئلك عن الساعة آیات نازل ہوئیں اور چونکہ ایذاء رسانی کا انجام تباہی وہلاکت بھی ان آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ ادھر آیت "یالیتنا اطعنا الخ" سے اللہ ورسول کی اطاعت کا ذریعہ نجات ہونا معلوم ہوا۔ اس لئے آگے مسلمانوں کو اللہ ورسول کی مخالفت اور اس کے مضرات سے بچانے اور موافقت کرنے اور اس کے مفید نتائج سے باخبر کرنے کے لئے یاایها الذین آمنوا الخ سے ترغیب وترہیب کی جارہی ہے اور اس صورت کے تمام تر مضامین کا خلاصہ اللہ ورسول کی اطاعت کا ضروری اور مخالفت کا حرام ہونا ہے۔ جس کا مقصود اعظم اجلال نبوی ہے اور آپ کی کسی بھی ایذاء رسانی سے کلیۃً اجتناب ہے۔ اس لئے خاتمہ سورت پر آیت "انا عرضنا الامانة" سے اسی کی تقویت وتاکید کے لئے انسان کا مکلف ہونا بعنوان امانت بیان کرکے بتلایا کہ حقوق شرع کی ادائیگی کرنے والے موردِ عنایت اور ان کو ضائع کرنے والے مستوجب سزا ہوں گے۔

شان نزول:......... باندیاں چونکہ فی الجملہ آزاد پھرتی ہیں۔ ان کے شبہ میں کچھ منافقین شریف زادیوں سے بھی چھیڑ خانی کرتے تھے اور پوچھنے پر کہہ دیتے کہ ہم نے باندی سمجھا تھا۔ اس لئے برقعہ پوش اور چادر پوش ہوکر نکلنے کی ہدایت "قل لازواجك الخ" میں نازل ہوئی۔ قتادہؒ محمد بن کعب، عبیدؒ بن جنین، لئن لم ینته المنافقون سے سب جملوں کا مصداق منافقین کو قرار دیتے ہیں۔

لیکن عکرمہ **الذین فی قلوبھم** کا مصداق غنڈوں کو قرار دیتے ہیں اور سدی عبداللہ بن ابی سلول، عبداللہ بن تنبل، مالک بن داعس کو قرار دیتے ہیں۔

دراصل منافقین تین قسم کے تھے۔

۱۔ کچھ تو رئیس اور سردار تھے، وہ خود تو ایسی حرکات نہیں کرتے تھے۔ البتہ دوسروں کو اکساتے رہتے تھے۔

۲۔ عوام میں سے بعض مستورات کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتے۔

۳۔ اور بعض پروپیگنڈہ کی ہوائی مشنری کو حرکت دیتے رہتے اور مسلمانوں کو مرعوب کرنے کی کوشش کرتے رہتے۔

لاتکونوا کالذین حضرت زیدؓ وزینبؓ کے نکاح کے بعد کے واقعات کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی کہ جس طرح لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ستایا۔ اسی طرح آپ کو مکدر کیا جا رہا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ بخدا اس پتھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مارنے کے چھ سات نشانات تھے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر فرار ہوگیا تھا کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

پوشاند لباس ہر کرا عیبے دید ۔۔۔ بے عیباں را لباس عریانی داد

لیکن ابن عباسؓ کی روایت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام دونوں پہاڑ پر چڑھے۔ وہاں حضرت ہارون کی وفات ہوگئی تو اسرائیلی بولے کہ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں مار ڈالا۔ تب فرشتوں نے ان کی نعش اسرائیلیوں کے سامنے کردی۔ جس سے انہیں اطمینان ہوا۔ طبریؒ نے اسی کو ایذاء موسیٰ علیہ السلام قرار دیا۔

اسی طرح ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ قارون نے ایک داشتہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تہمت لگانے کے لئے انعام کا لالچ دیا۔ وہ واقعہ یہاں مراد ہے۔ لیکن اسباب میں چونکہ تزاحم نہیں ہوتا۔ اس لئے سب ہی وقعات باعث ایذاء ہوسکتے ہیں۔

قولا سدیدا کے متعلق بعض حضرات کی رائے ہے کہ زینبؓ کے قصہ میں نامناسب بات کہنے سے روکا گیا ہے۔ **حملھا الانسان** بقول مجاہدؒ حضرت آدم علیہ السلام مع ذریت مراد ہیں۔

لیعذب اللہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص سورۂ احزاب پڑھے اور اپنے گھر والوں کو سکھلائے تو اسے عذاب قبر سے امان مل جائے گا۔

﴿تشریح﴾: ...... **منافقین کی دو شرارتیں اور ان کا علاج:** ...... **یدنین** روایات میں ہے کہ اس آیت کے بعد مسلمان عورتیں بدن اور چہرہ چھپا کر نکلتی تھیں۔ صرف ایک آنکھ دیکھنے کے لئے کھلی رہتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ فتنہ کے وقت عورت کو چہرہ بھی چھپالینا چاہئے۔ البتہ باندیوں کا سر چونکہ داخل ستر نہیں اور چہرہ کھولنے میں بھی انہیں ضرورت کی وجہ سے گنجائش ہے۔ ورنہ کاروبار میں حرج عظیم ہوگا۔ پس اس طرح آزاد عورتوں کا باندیوں سے امتیاز بھی ہوجائے گا۔ جس سے شریعت کے حکم کا امتثال ہوگا اور شریروں سے وہ محفوظ بھی رہ سکیں گی۔ تاہم اس گھونگھٹ نکالنے اور پردہ پوشی میں بلاارادہ اگر کچھ کمی یا بے احتیاطی ہوجائے تو اللہ تعالیٰ مہربان ہے امید عفو رکھنی چاہئے۔

آگے عام چھیڑ چھاڑ پر دھمکی ہے۔ خواہ وہ بی بی سے ہو یا باندی سے کہ اب تک تو نفاق کی آڑ میں یہ لوگ بچے پھرتے رہے۔ لیکن اب جب کہ کھلم کھلا اس طرح کی حرکتیں کریں گے تو پھر یاد رکھیں گے کہ اب ان کی درگت بنے گی۔ چند روز میں مدینہ سے نکال باہر

کئے جائیں گے اور جتنے عرصہ رہیں گے ذلیل وخوار ہو کر رہیں گے۔ چنانچہ یہود نکالے گئے اور منافقین نے اپنا رویہ درست کر لیا۔ اس لئے سزا سے بچے رہے اور فتنہ وشورش کی سرکوبی ہوگئی جو مقصود اصلی تھا۔

اس طرح آزاد عورتوں اور باندیوں کو اطمینان کا سانس آیا اور سزا انہی شورش پسندوں کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ عادۃ اللہ پہلے سے بھی یہی ہے کہ پیغمبروں کے مقابلہ میں شرارت کرنے والوں کو کیفر کردار تک پہنچایا گیا ہے یا یہ مطلب ہے کہ پرانی کتابوں میں بھی یہی دستور درج ہے کہ شریروں کا یہ علاج کیا جائے۔ ممکن تھا کہ اگر پہلے یہ دستور نہ ہوتا تو انہیں سزا مستبعد معلوم ہوتی یا بعد میں اللہ کے ارادہ سزا میں تبدیلی آجانے سے انہیں اطمینان ہو جاتا۔ مگر اب سنۃ اللہ کہہ کر قبل الوقوع احتمال کا دفعیہ فرمادیا اور **لن تجد** فرما کر بعد الوقوع احتمال کا دفعیہ فرمادیا۔ بہر حال آزاد عورتوں کا انتظام تو پردہ کی صورت میں فرمادیا اور باندیوں کا انتظام **لنغرینک** سے فرمادیا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ آزاد بیبیوں کی بے حجابی سے باندیوں کی حفاظت تو ہوگی نہیں۔ بلکہ یک نہ شد دو شد کا مضمون ہو جائے گا۔ اس لئے انہیں اپنی اصلی وضع حجاب وجلباب کو چھوڑنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس میں ان کی حفاظت بھی سہل ہے۔ البتہ باندیوں کی حفاظت دوسرے طریقہ سے کی جائے گی۔ یہ آیت عورت کے چہرہ کو نہ کھولنے میں صریح ہے۔

ایک مسئلہ اور ایک شبہ: ...... رہا یہ شبہ کہ یہ حکم تو عارضی مصلحت کی وجہ سے تھا مستقل نہیں تھا۔ جواب یہ ہے کہ مقصد اس کا فتنہ کا انسداد تھا۔ پس جہاں فتنہ ہوگا۔ وہاں چہرہ کھولنا بھی منع رہے گا۔ کسی خاص فتنہ کی خصوصیت معتبر نہیں ہے۔ تاہم یہ وجوب لغیرہ ہے۔ اسی لئے بوڑھی عورتیں مستثنیٰ ہیں۔ البتہ ازواج مطہراتؓ کے لئے دوسری دلیل سے واجب بعینہ ہے۔

آگے **یسئلک الناس** سے قیامت کے متعلق سوال وجواب مذکور ہے۔ منافقین نے یہ ہتھکنڈا اختیار کیا ہوگا کہ جس چیز کا دنیا میں کسی کے پاس جواب نہیں۔ اسی کا بار بار سوال کریں۔ فرمایا کہ ٹھیک ٹھیک نپا تلا نشان تو کسی کو نہیں دیا گیا۔ مگر سمجھ کہ بہت ہی نزدیک ہے۔ جس کو حدیث میں **انا والساعۃ کھاتین** کے ساتھ تعبیر فرمایا۔

قرب قیامت: ...... یعنی جتنی یہ میری بیچ کی انگلی بڑھی ہوئی ہے۔ قیامت سے بس اتنے ہی پہلے میرا آنا ہوا ہے۔ قیامت بہت قریب آلگی ہے۔ قرب سے مراد یا تو صرف نزدیک ہے اور یا اقربیت مراد ہے۔ لیکن اگر اقربیت مراد ہو تو پھر اس کا اب تک واقع نہ ہونا محل اشکال نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ بندوں کے لحاظ سے **لعل** فرمایا گیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ بندوں سے جب اس کی تعیین مخفی ہے تو انہیں صرف بہت نزدیک ہونے کا احتمال پیش نظر رکھ کر ڈرتے رہنا چاہئے۔ خواہ وہ قرب واقع ہو یا نہ ہو اور یہی قرب ہر زمانہ میں محتمل ہے۔ پس ڈر بھی ہر زمانہ میں عام ہونا چاہئے اور اگر مطلق قرب مراد ہے تو پھر **لعل** تحقیق کے لئے بھی ہو سکتا ہے اور وہ قرب واقع کے موافق بھی ہے۔ کیونکہ روز بروز قیامت قریب سے قریب تر ہی ہوتی جاتی ہے۔ دوسرے قیامت کی ہولناکیوں کے سامنے دنیا میں طویل وقفہ بھی برائے نام ہی معلوم ہوگا۔ اس لئے قیامت کو قریب کہا۔ غرضیکہ احتمال قرب کی وجہ سے یا روزانہ قریب تر ہوتے جانے سے قیامت کے طویل وہول کے مقابلہ کی وجہ سے بہر صورت یہ تہدید صحیح ہے۔

اللہ کی پھٹکار اور اثر: ...... آگے فرمایا کہ ان پر اللہ کی پھٹکار ہے۔ اسی کا یہ اثر ہے کہ لایعنی اور دور از کار سوالات میں وقت ضائع کرتے رہتے ہیں اور انجام کی فکر نہیں۔ جب انجام سامنے آئے گا، اس وقت حسرت ہوگی کہ کاش! ہم دنیا میں رہتے ہوئے اللہ و رسول ﷺ کے کہنے پر چلتے تو وہ دن دیکھنا نہ پڑتا مگر بے سود۔ اس وقت حسرت سے کیا فائدہ۔ جب کہ عمل کا وقت جا چکا۔ اس وقت اور

تو کچھ بن نہیں پڑے گا۔ اپنا جی ہلکا کرنے کے لئے ایک دوسرے پر الزام تراشی کو غنیمت سمجھیں گی۔ چھوٹے بڑوں پر الزام تراشی دھریں گے کہ انہوں نے ہی ہماری راہ ماری تھی۔ لہٰذا ان پر دوہری لعنت اور انہیں دوہری سزاملنی چاہئے۔ سورۂ اعراف کے چوتھے رکوع میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے اور آئندہ سورۂ سباء کے چوتھے رکوع میں بھی اس کی تفصیل آرہی ہے۔ غرضیکہ اس طرح سرداروں کو دوہری سزادلوا کر اپنا دل ٹھنڈا کرنا چاہیں گے۔

آگے یاایھا الذین سے مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ تم ایسی کوئی بات یا کوئی کام ہرگز نہ کرنا جس سے تمہارے پیغمبر کو اذیت پہنچے۔ نبی کا تو کچھ نہیں بگڑے گا۔ وہ ہمارے محبوب ہیں۔ ہم ان کی اذیت دور کردیں گے۔ مگر یاد رکھو کہ تمہاری عاقبت برباد ہوجائے گی۔

آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کس کس طرح ان کے لوگوں نے پریشان کیا۔ مگر کیا ہوا پریشان کرنے والوں کا نام ونشان مٹ گیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا نام روشن رہا۔

مختلف اشکال وجواب:............ "لاتکونوا" سے یہ لازم نہیں آتا کہ کبھی مسلمانوں نے ایسا کیا ہو۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ ہمیشہ محتاط رہو۔ جیسے اب تک محتاط رہے ہو اور روایات میں بعض واقعات آئے ہیں۔ ان کا تعلق یا تو منافقین سے ہوگا یا بعض مزاج ناشناس مسلمانوں کی زبان سے بے توجہی کے ساتھ ایسے الفاظ نکل گئے ہوں جو باعث اذیت ہوں۔

مفسر علامؒ نے کپڑوں کے جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تو اس لئے اعتراض نہیں کہ آپ کے اختیار کو اس میں دخل نہیں۔ شدت غیض میں اضطراری حرکات پر مجبور ہوگئے تھے۔ زیادہ سے زیادہ مغلوب فی الحال ہونے کا شبہ رہے گا۔ مگر گاہ گاہ کاملین کو بھی غلبہ حال ہوجاتا ہے۔ جبکہ اس میں بھی کوئی حکمت ومصلحت ہو۔ اسی طرح حق تعالیٰ پر بھی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ اعتراض کے محکوم نہیں ہیں۔ بلکہ مبنی پر حکمت ومصلحت ہونے کی وجہ سے اس کو مناسب کہا جائے گا اور وہ حکمت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برأت عیب تھی اور خود برأت کی حکمت نبی سے نفرت کا نہ رہنا ہے۔ کیونکہ نفرت طبعاً کسی کی پیروی سے رکاوٹ بن جایا کرتی ہے اور پتھر کا کپڑوں کو لے کر بھاگنا خرق عادت تھا اور چونکہ حضور ﷺ نے اس واقعہ کو بیان فرما کر **فذالک قولہ تعالیٰ یا ایھا الذین امنوا** ارشاد فرمایا۔ اس لئے واقعہ کا بطور تفسیر ہونا تو یقینی ہوگیا۔ لبتہ دوسرے واقعات ایذاء بھی اس عموم میں داخل کئے جاسکتے ہیں اور اس واقعہ کی تخصیص کو تمثیل پر محمول کرلیا جائے تو مناسب ہوگا۔ باقی اس واقعہ کے تفسیر ہونے کا انکار صحیح نہیں ہے۔

اور طاعت وتقویٰ کی بہت سی صورتوں میں "**قول سدید**" کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اول تو اکثر لوگ اس کو سہل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ دوسرے زبان کا گھاؤ سب تکلیفوں سے زیادہ شدید ہوتا ہے۔

جراحات السنان لھا التیام　　　　ولا یلتام ماجرح اللسان

تیسرے اس لئے کہ زبان کی آفتیں بہ نسبت اور قصوروں کے کثیر الوقوع ہیں اور "تقویٰ اور قول سدید" پر **یصلح** بمعنی **یتقبل** کا مرتب ہونا بالکل واضح ہے۔ کیونکہ کسی عمل کا مقبول ہونا جن شرائط پر موقوف ہے وہ سب اجزاءِ تقویٰ ہیں۔ پس جب کسی مقبول عمل میں کوئی نقصان آئے گا تو تقویٰ کے کسی جزو کا ضرور فقدان ہوگا۔

امانت الٰہیہ کی پیش کش:............ **انا عرضنا الامانۃ** جس میں امانت کا ذکر ہے یا حدیث **لاایمان لمن لاامانۃ لہ** میں اور حدیث حذیفہؓ **ان الا امانۃ نزلت من السماء فی جذر قلوب الرجال لم علموا من القرن** میں جس کی صراحت ہے وہ امانت الٰہیہ ہے۔ جو انسانی قلوب میں تخم ہدایت بنا کر ڈالا گیا ہے۔ پھر اس پر علوم الٰہیہ کی بارش ہوئی۔ جس سے ٹھیک طریقہ پر انتفاع

کرنے کی صورت میں ایمان کا پودا اگ جاتا ہے۔ پھر وہ اعمال کی آبیاری اور نلائی سے بڑھتا، پھولتا ہے۔ پھر آدمی کو اس کے ثمرات سے متمتع ہونے کا موقع ملتا ہے۔ لیکن اگر انتفاع میں نقصان رہ جائے تو اسی قدر اس کے ابھرنے، پھولنے، پھلنے میں کمی رہ جاتی ہے اور بالکل غفلت برتنے کی صورت میں سرے سے یہ تخم ہی برباد ہو جاتا ہے۔ یہی امانت تھی جو اللہ نے پہلے آسمان، زمین، پہاڑوں کو دکھلائی۔ مگر کسی میں بھی اس امانت عظیمہ کے اٹھانے کا بوتہ اور استعداد نہ تھی۔ ہر ایک نے زبان حال یا قال سے ناقابل برداشت ذمہ داریوں کے بوجھ سے گھبرا کر انکار کر دیا اور معذرت کر دی کہ ہم سے یہ بار نہ اٹھ سکے گا۔ آخر انسان نے ہمت سے آگے بڑھ کر یہ ذمہ داری اٹھالی:

آسماں بار امانت نتوانست کشید　　　قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

بار امانت کس نے اٹھالیا: ...... بات دراصل یہ ہے کہ کائنات کی چیزوں میں معمولی شعور رکھ کر قدرت نے احکام شرع کی ذمہ داری اس اختیار کے ساتھ رکھی کہ اگر تم اس پر پورے اترے تو مستحق انعام واکرام ہوگے۔ ورنہ ناکامی کی صورت میں تمہیں یہ سزائیں بھگتنی ہوں گی۔ مگر سب نے احتمال ثواب کو نظر انداز کر دیا اور عذاب کے خوف سے گھبرا کر صاف معذرت کر دی۔ لیکن انسانوں نے اس دعوت واختیار کو پوری ہمت وحوصلہ اور عزم مصمم کے ساتھ قبول کر لیا۔ اس لئے اسے مکلف بنانے کے لئے جس درجہ عقل وادراک کی ضرورت تھی۔ وہ اسے بخش دی گئی۔ لیکن کائنات کی اور چیزیں انکار کی وجہ سے عقل تکلیفی کی دولت سے محروم رہیں۔ ورنہ قبول امانت کی صورت میں انہیں بھی اس دولت سے سرفراز فرما دیا جاتا۔

غالباً امانت کی یہ پیشکش میثاق ازل سے پہلے ہوئی ہوگی۔ بلکہ عہد الست اسی کی فرع ہوگا۔ اس میثاق کے وقت عقل تکلیفی ادا کر دی گئی ہوگی اور انسان سے صرف آدم مراد نہیں۔ بلکہ عہد میثاق کی طرح امانت کی یہ پیشکش بھی عام ہے اور منشاء دونوں کو یاد دلانے کا یہ ہے کہ جب تم نے خود التزام کیا ہے تو اب ان دونوں باتوں کو پورا کر کے دکھلاؤ۔

فی الحقیقت اس عظیم الشان امانت کا بوجھ بجز انسان کے اور کون سی مخلوق اٹھا سکتی تھی اور کون اس کا حق ادا کر سکتا تھا؟ اس نے اپنی جان پر ستم ڈھائے اور اس نادان نے اپنے نازک کندھوں پر وہ وزن اٹھالیا۔ جس سے زمین، آسمان، پہاڑ تھرتھرا رہے تھے۔ اس نے اپنے اوپر ترس نہ کھایا۔ ایک افتادہ زمین کو جس میں مالک نے تخم ریزی کر دی تھی۔ خون پسینہ ایک کر کے باغ و بہار بنالینا اسی ظلوم و جہول کا حصہ ہو سکتا ہے۔

امانت کہتے ہیں اپنی خواہش روک کر پرائی چیز رکھنا اور حفاظت سے رکھنا۔ زمین و آسمان میں اول تو کوئی خواہش نہیں اور ہے بھی تو وہی جس پر وہ قائم ہیں اور انسان میں خواہش ہے۔ مگر حکم الٰہی اس کے برخلاف آتا ہے۔ پس پرائی چیز کو اپنی خواہش کے برخلاف اپنا جی مسل کر تھامنا بڑا زور چاہتا ہے۔ یہی کشاکش ہے، جس میں اس کا امتحان ہے اور اس پر اس کی کامیابی و ناکامی کا انحصار ہے۔ یہ امانت جان کر کوئی ضائع کر دے تو علاوہ حقیقی مالک کی سزا کے مجازی مالک کو تاوان بھی دینا ہوگا اور بے اختیار ضائع ہو جائے تو بدلہ دینا نہیں پڑے گا۔ البتہ منکرین کو قصور پر پکڑا جائے گا اور فرمانبرداروں کا قصور معاف کر دیا جائے گا یا ان پر ایک طرح کی نگاہ مہر رکھی جائے گی۔

انسان کا ظلوم وجہول ہونا امانت کا بوجھ اٹھالینے سے ہوا: ظالم وجاہل جن کا مبالغہ ظلوم وجہول ہیں اسے کہتے ہیں جو بالفعل تو عدل اور عدل سے خالی ہو۔ مگر ان کے حصول کی استعداد وصلاحیت رکھتا ہو۔ پس یہ بات انسان ہی میں پائی جاتی

ہے۔فرشتے جو فطری طور پر ان خوبیوں سے متصف ہیں، ایک لمحہ کے لئے بھی ان اوصاف سے خالی نہیں ہوئے، یا آسمان، زمین، پہاڑ وغیرہ جن کی فطرت ہی اس استعداد سے بالکلیہ خالی رہی، دونوں اس امانت الٰہیہ کے حامل نہیں بن سکے۔ **لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرایتہ خاشعاً متصدعاً من خشیۃ اللہ**. ابن جریج کا قول ہے کہ تین روز تک یہ معاملہ پیش ہوتا رہا مگر سب نے با کمال خشیت عذر ہی کیا۔ رہ گئے جنات، اگرچہ وماخلقت الجن والانس کے لحاظ سے وہ بھی اس کے مخاطب تھے۔

فرشتے، جناّت اور دوسری مخلوق میں امانت کی ذمہ داری: مگر یہ سچ ہے کہ ادائے حق وامانت کی استعداد ان میں اتنی ضعیف تھی کہ بار اٹھانے کے سلسلے میں انہیں مستقل طور پر قابل ذکر اور لائق اعتناء نہیں سمجھا گیا۔ گویا وہ اس معاملہ میں انسان کے تابع سمجھے گئے۔ یا یہ کہا جائے کہ جنات بھی انسان کی طرح مکلف ہیں اور اس عرض وحمل میں وہ بھی شریک ہیں، مگر یہاں صرف انسان کا ذکر اس لئے ہے کہ اس جگہ ذکر انسان ہی کا چل رہا ہے اور انسان کو ظلوم وجہول کہنا اکثری افراد کے لحاظ سے ہے۔ ورنہ انبیاءؑ اور اولیاءؒ محفوظین اس سے مستثنیٰ ہیں۔ یا لاڈ اور ناز کے طور پر فرمادیا ہے۔ جیسے کسی کو باؤلا یا نادان کہہ دیا جائے تو حقیقی معنی مراد نہیں ہوتے اور حمل امانت کا نتیجہ اور انجام، عذاب اور رحمت کو جو کہا گیا ہے وہ اس ذمہ داری کو پورا کرنے نہ کرنے کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔ الحمدللہ کہ اب کوئی نقلی عقلی اشکال نہیں رہا۔

لطائف سلوک: **ذالک ادنیٰ ان یعرفن** سے یہ مستنبط ہوا کہ لباس میں امتیاز رکھنا برا نہیں ہے، جبکہ اس میں کسی برائی سے بچاؤ پیش نظر ہو اور تکبر کے ارادہ سے نہ ہو۔

وقالوا ربنا انا اطعنا سے معلوم ہوا کہ برائیوں میں اور وہ بھی محض بے سمجھے بوجھے دوسروں کی نقالی اور تعبیر معتبر نہیں ہے۔ آج کل بہت سے مبتدعین اور رسوم کے دلدادہ لوگ رسم وبدعت کے اختیار کرنے میں اسی قسم کے نکات پیش کیا کرتے ہیں۔ جن کا کالعدم ہونا معلوم ہو گیا۔

یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ سے معلوم ہوا کہ نیک اعمال کو جس طرح حصول ثواب میں دخل ہے۔ اسی طرح دوسرے عمل کی اصلاح کا ذریعہ بھی بن سکتے ہیں۔ دونوں عملوں میں تعلق ونسبت اور روابط ایک دقیق چیز ہے۔ جس کو مصلح محقق ہی خوب سمجھتا ہے۔ اسی لئے بعض دفعہ ایک عمل خود مقصود نہیں۔ مگر دوسرے عمل کی اصلاح کے لئے تجویز کر دیا جاتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی کے نزدیک امانت سے مراد تجلی ذاتی کی استعداد وصلاحیت ہے۔ جنات عبادت سے صالح بن سکتے ہیں اور فرشتے عصمت سے مقرب ہیں۔ مگر انوار صفات سے ترقی کر کے تجلی ذاتی تک یہ دونوں اصناف بھی مشرف نہیں ہو سکیں۔ کیونکہ عنصر خاک کی ترکیب کے بغیر اس نور کا تحمل ممکن نہیں ہے۔ اجسام شفاف پر انوار کا قیام نہیں ہو سکتا۔ اس کا محل ومحمل تو جسم کثیف ہی ہو سکتا ہے۔

سُوْرَةُ السَّبَا

سُوْرَةُ السَّبَا مَكِّيَّةٌ إِلَّا وَيَرَى الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ الْآيَةَ وَهِيَ أَرْبَعٌ أَوْ خَمْسٌ وَّخَمْسُوْنَ آيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْحَمْدُ حَمِدَ اللّٰهُ تَعَالٰى نَفْسَهُ بِذٰلِكَ وَالْمُرَادُ بِهِ الثَّنَاءُ بِمَضْمُوْنِهِ مِنْ ثُبُوْتِ الْحَمْدِ وَهُوَ الْوَصْفُ بِالْجَمِيْلِ **لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ** مُلْكًا وَّخَلْقًا وَّعَبِيْدًا **وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ** كَالدُّنْيَا يَحْمَدُهُ أَوْلِيَاؤُهُ إِذَا دَخَلُوا الْجَنَّةَ **وَهُوَ الْحَكِيْمُ** فِي فِعْلِهِ **الْخَبِيْرُ** ﴿۱﴾ بِخَلْقِهِ **يَعْلَمُ مَا يَلِجُ** يَدْخُلُ **فِي الْاَرْضِ** كَمَاءٍ وَّغَيْرِهِ **وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا** كَنَبَاتٍ وَّغَيْرِهِ **وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ** مِنْ رِّزْقٍ وَّغَيْرِهِ **وَمَا يَعْرُجُ** يَصْعَدُ **فِيْهَا** مِنْ عَمَلٍ وَّغَيْرِهِ **وَهُوَ الرَّحِيْمُ** بِأَوْلِيَائِهِ **الْغَفُوْرُ** ﴿۲﴾ لَهُمْ **وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ** الْقِيَامَةُ **قُلْ** لَهُمْ **بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ عٰلِمِ الْغَيْبِ** بِالْجَرِّ صِفَةٌ وَالرَّفْعِ خَبَرُ مُبْتَدَاءٍ وَفِيْ قِرَاءَةٍ عَلَّامِ بِالْجَرِّ **لَا يَعْزُبُ** يَغِيْبُ **عَنْهُ مِثْقَالُ** وَزْنُ **ذَرَّةٍ** أَصْغَرُ نَمْلَةٍ **فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ** ﴿۳﴾ بَيِّنٍ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ **لِيَجْزِيَ** فِيْهَا **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ** ﴿۴﴾ حَسَنٌ فِي الْجَنَّةِ **وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْ** إِبْطَالِ **اٰيٰتِنَا** الْقُرْاٰنِ **مُعْجِزِيْنَ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ هُنَا وَفِيْمَا يَاْتِيْ مُعَاجِزِيْنَ أَيْ مُقَدِّرِيْنَ عَجْزَنَا أَوْ مُسَابِقِيْنَ لَنَا فَيَفُوْتُوْنَا لِظَنِّهِمْ أَنْ لَا بَعْثَ وَلَا عِقَابَ **أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ** سَيِّءِ الْعَذَابِ **أَلِيْمٌ** ﴿۵﴾ مُؤْلِمٌ بِالْجَرِّ وَالرَّفْعِ صِفَةٌ لِرِجْزٍ وَعَذَابٍ **وَيَرَى** يَعْلَمُ **الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ** مُؤْمِنُوْا أَهْلِ الْكِتٰبِ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَأَصْحَابِهِ **الَّذِيْ أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ** أَيِ الْقُرْاٰنَ **هُوَ فَصْلُ الْحَقِّ وَيَهْدِيْ إِلٰى صِرَاطِ** طَرِيْقِ **الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ** ﴿۶﴾ أَيِ اللّٰهِ ذِي الْعِزَّةِ الْمَحْمُوْدَةِ **وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا**

اَیْ قَالَ بَعْضُهُمْ عَلٰی جِهَةِ التَّعَجُّبِ لِبَعْضٍ **هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ** هُوَ مُحَمَّدٌ **يُّنَبِّئُكُمْ** يُخْبِرُكُمْ اِنَّكُمْ **اِذَا مُزِّقْتُمْ** قُطِّعْتُمْ **كُلَّ مُمَزَّقٍ** ۙ بِمَعْنٰی تَمْزِيْقٍ **اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۷﴾ اَفْتَرٰی** بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ لِلْاِسْتِفْهَامِ وَاسْتَغْنٰی بِهَا عَنْ هَمْزَةِ الْوَصْلِ **عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا** فِيْ ذٰلِكَ **اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ** ؕ جُنُوْنٌ تَخَيَّلَ بِهٖ ذٰلِكَ قَالَ تَعَالٰی **بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ** الْمُشْتَمِلَةِ عَلَی الْبَعْثِ وَالْحِسَابِ **فِي الْعَذَابِ** فِيْهَا **وَ الضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ﴿۸﴾** مِنَ الْحَقِّ فِي الدُّنْيَا **اَفَلَمْ يَرَوْا** يَنْظُرُوْا **اِلٰی مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ** مَا فَوْقَهُمْ وَمَا تَحْتَهُمْ **مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ** ؕ **اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا** بِسُكُوْنِ السِّيْنِ وَفَتْحِهَا قِطْعَةً **مِّنَ السَّمَآءِ** ؕ وَفِيْ قِرَاءَةٍ فِي الْاَفْعَالِ الثَّلٰثَةِ بِالْيَاءِ **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ** الْمَرْئِيِّ **لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿۹﴾** رَاجِعٍ اِلٰی رَبِّهٖ تَدُلُّ عَلٰی قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَی الْبَعْثِ وَمَا يَشَاءُ

ترجمہ: ... سورۃ السبا مکی ہے بجز آیت **ویری الذین اوتوا العلم الخ** اس میں کل ۵۴ یا ۵۵ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. ساری حمد (اللہ نے اپنی یہ حمد فرمائی ہے۔ اس سے مراد اس کے مضمون یعنی حمد کے ثبوت کی ثناء ہے اور حمد کہتے ہیں اچھی خوبیوں بیان کرنے کو) اسی اللہ کو سزاوار ہے آخرت میں (دنیا کی طرح۔ اس کے اولیاء جنت میں داخلہ کے وقت اس کی حمد کریں گے) اور وہی (اپنے کام میں) بڑی حکمت والا (اپنی مخلوق کی) بڑی خبر رکھنے والا ہے۔ وہی جانتا ہے جو کچھ گھستا ہے (داخل ہوتا ہے) زمین میں (جیسے پانی وغیرہ) اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے (جیسے کہ گھاس وغیرہ) اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے (رزق وغیرہ) اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے (عمل وغیرہ) اور وہ (اپنے دوستوں پر) بڑا رحم والا (ان کی) بڑی مغفرت کرنے والا ہے اور یہ کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہ آئے گی۔ آپ (ان سے) فرما دیجئے کیوں نہیں؟ قسم ہے میرے پروردگار عالم الغیب کی کہ وہ تم پر ضرور آئے گی (عالم الغیب جر کی صفت کے ساتھ ہے اور رفع کے ساتھ مبتداء کی خبر ہے اور ایک قرأت میں علام جر کے ساتھ ہے) نہیں اوجھل (غائب) ہے اس سے کوئی ذرہ برابر (وزن) بھی (چھوٹی چیونٹی) نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ کوئی چیز ہے اس سے چھوٹی اور نہ کوئی چیز بڑی ہے۔ مگر یہ کہ سب کتاب مبین میں ہے (جو واضح ہے یعنی لوح محفوظ) تا کہ ان لوگوں کو (اس میں) صلہ دے جو ایمان لائے تھے اور نیک کام کئے تھے۔ ایسے لوگوں کے لئے مغفرت اور عزت کی روزی ہے (جو عمدہ ہے جنت میں) اور جو لوگ ہماری (قرآن کی) آیتوں کے (باطل کرنے میں) کوشش کرتے رہتے ہیں ہرانے کے لئے (اور ایک قرأت میں یہاں اور آگے "معاجزین" ہے۔ یعنی ہمارا عجز فرض کرتے ہوئے یا ہم سے آگے بڑھنے کے لئے تا کہ وہ ہم سے چھوٹ جائیں۔ کیونکہ ان کا خیال یہ ہے کہ نہ قیامت ہوگی اور نہ عذاب) ایسے لوگوں کو سختی کا (بدترین) عذاب ہوگا۔ دردناک (تکلیف دہ یہ لفظ جر اور رفع کے ساتھ رجز یا عذاب کی صفت ہے) اور سمجھتے (جانتے) ہیں وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا ہے (مومنین کتاب جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کی رفقاء) وہ اس کتاب کو جو آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر اتاری گئی ہے (قرآن) وہ (بغیر فصل) حق ہے اور وہ راستہ (راہ) دکھاتا ہے غلبہ والے قابل حمد کا (یعنی اللہ بہترین عزت والے کا) اور یہ کافر کہتے ہیں (آپس میں بطور تعجب کے) کیا ہم تمہیں کسی ایسے شخص (محمد ﷺ) کا پتہ بتلائیں جو تم کو یہ اطلاع (خبر) دیتا ہے (کہ تم) جب ریزہ ریزہ (ٹکڑے ٹکڑے) ہو جاؤ بالکل برادہ (ممزق بمعنی تمزیق ہے) تم ضرور ایک نئے جنم میں آ جاؤ گے۔ اس نے جھوٹ

بہتان باندھا ہے (فتحہ ہمزہ استفہامیہ کے ساتھ ہے ہمزہ وصل کی حاجت نہیں رہی) اللہ پر (اس بارے میں یا اسے کسی طرح کا جنون ہے (جس کی وجہ سے اسے یہ خیالات آ رہے ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) بلکہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے (جو بعث وحساب پر مشتمل ہے) وہی (آخرت کے) عذاب میں ہوں گے اور (دنیا میں) یہ دور کی گمراہی میں تھے (حق سے) تو کیا انہوں نے اپنے آگے اور پیچھے (اوپر نیچے) نہیں دیکھا (نظر نہیں کی) آسمان وزمین کی طرف۔ اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا ان پر ٹکڑے برسا دیں (کسفا سکون سین اور فتحہ سین کے ساتھ ہے) آسمان سے (اور ایک قرأت میں تینوں افعال یا کے ساتھ ہیں) اس میں (جو دکھائی دیتا ہے) پوری دلیل ہے ہر جھکنے والے بندہ کے لئے (جو اللہ کی طرف رجوع ہونے والا ہے۔ دلالت کرتی ہے اللہ کی قدرت پر قیامت کے متعلق اور جو چاہے اس پر۔

تحقیق وترکیب:.......... **وما یعرج.** عروج بمعنی سیر کو متضمن ہے۔ اس لئے الیٰ کی بجائے فی سے متعدی کیا گیا ہے۔ اس میں قبولیت اعمال صالحہ کی طرف بھی اشارہ ہے۔ اگر الیٰ لایا جاتا تو یہ نکتہ نہ پیدا ہوتا۔ جیسا کہ **الیه یصعد الکلم الطیب** میں آسمانوں پر وقوف معلوم ہوا۔

لاتاتینا. قیامت کے وجود کا بالکلیہ انکار مقصود ہے یہ نہیں کہ نفس الامر میں تو موجود ہے مگر ہمارے پاس نہیں آئے گی اور یہ تعبیر اس لئے اختیار کی کہ قیامت کے آنے ہی سے ذریعہ یہ تھا نہ کہ فی نفسہ اس کے وجود سے۔

عالم الغیب. اس صفت کی لانے میں یہ نکتہ ہے کہ قیام بھی غیب اور مستور ہے۔ ابن کثیر اور ابو عمر کی قرأت جر کی ہے اور نافع ابن عامر کی قرأت رفع کی ہے اور حمزہ وکسائی علام پڑھتے ہیں۔

لایعزب. عزب ای غاب و بعد.

لااصغر رفع کی صورت میں دونوں مبتداء ہیں اور ''الا فی کتاب'' خبر ہے اور یا مثقال کے لفظ پر ہے اور لانفی **لایعزب** کے لئے تاکید ثانی ہے۔ قتادہ اور اعمش کی یہ قرأت ہے اور ابو عمرو، نافع فتحہ را کی قرأت کرتے ہیں اس میں بھی دو ہی ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔ ایک لا جنس کے لئے ہے۔ اس کا اسم مبنی ہے اور **الا فی کتاب** خبر ہے۔ دوسرے ذرۃ کے لفظ پر ہو۔ آیت میں اگرچہ اکبر لانے کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر اس لئے لایا گیا تا کہ معلوم ہو جائے کتاب میں جس طرح چھوٹی چیزیں نہیں چھوڑی گئیں، اسی طرح بڑی چیزوں کو بھی چھوڑا نہیں گیا۔

لیجزی. اس کا تعلق **لتاتینکم** کے ساتھ ہے۔ اس کی علت ہے مفسرؒ نے **فیها** سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

والذین. یہ مبتداء ہے اور **اولئك** اس کی خبر ہے اور یا پہلے **الذین** پر اس کا عطف کر لیا جائے اور پہلا **اولئك** جملہ مستانفہ اور دوسرا **اولئك** خبر ہے۔

معجزین. مفسر علامؒ نے مقدرین سے اس قرأت کی تفسیر کی ہے اور دوسری قرأت کی تفسیر مسابقین سے کی ہے۔

ویری اس کا عطف **یجزی** پر ہے اور منصوب ہے اور مرفوع ہو تو پھر مستانفہ ہوگا اور تفسیری عبارت **بعلم** میں بھی یہ دونوں صورتیں ہوسکتی ہیں۔ **الذین** فاعل ہے اور **الذی انزل** مفعول اول ہے۔ **ہو** ضمیر فصل اور **الحق** مفعول ثانی ہے اور **یهدی** مفعول ثانی پر معطوف ہے۔ لیکن یہ **مستانفه** بھی ہوسکتا ہے اور اس کا فاعل یا ضمیر ہوگی یا اللہ ہوگا۔ اسی طرح **یهدی** کا عطف اور **الحق** پر بھی ہوسکتا ہے۔ ای وانه یهدی اور اس کا عطف **الحق** پر بھی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ فعل کو اسم کی تاویل میں کر لیا جائے گا۔ جیسے آیت **صافات ویقبضن ای قابضات** نیز یہ حال بھی ہوسکتا ہے۔ ای وهو یهدی.

الحق. منصوب ہونے کی صورت میں یریٰ کا مفعول ثانی ہے اور الذی انزل مفعول اول ہے۔

انکم اذا مزقتم مفسر کا لفظ انکم. اذا کے عامل کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ لیکن اس سے مقصد بر آری نہیں ہوتی۔ اچھا یہ ہے کہ تقدیر عبارت اس طرح ہو۔ اذا مزقتم تحشرون یا انکم تبعثو ن اذا مزقتم جیسا کہ اگلا جملہ انکم لفی خلق جدید اس پر دلالت کر رہا ہے۔ البتہ لفظ ینبئکم اذا میں عامل نہیں ہے۔ کیونکہ وہ وقت تنبیہ نہ ہوگا اور مزقتم بھی اس میں عامل نہیں ہے، کیونکہ مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ مضاف میں عامل نہیں ہوا کرتا اور نہ حال ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اس کا مابعد ماقبل میں عمل نہیں کیا کرتا۔ الا یہ کہ ظروف میں توسع اختیار کیا جائے۔ یہ تمام ترکیبیں اذا ظرفیہ ہونے کی صورت میں تھیں، لیکن اگر اذا شرطیہ مانا جائے تو پھر جواب مقدر ہوگا اور وہی اذا میں عامل ہوگا۔ ای تبعثون اور جملہ شرطیہ ینبئکم کا مفعول بھی ہوسکتا ہے۔ ای یقول لکم اذا مزقتم تبعثون اور انکم لفی خلق جملہ تاکید یہ ہے اور ینبئکم سے متعلق بھی ہوسکتا ہے۔ قائم مقام مفعولین کے ہوجائے گا۔ لفی خلق میں اگر لام نہ ہوتا تو ان مفتوحہ ہوتا اور جملہ شرطیہ، جملہ معترضہ ہوجاتا۔ اگرچہ نحاۃ کی ایک جماعت باب اعلم کی تعلیق کو ناجائز کہتی ہے۔ مگر صحیح جواز ہے۔ جیسا کہ اس شعر میں ہے۔

حذار فقد نبئت انک للذی ستجری بما تسعیٰ فتسعد او تشقیٰ

افتری. ہمزہ استفہام کی وجہ سے ہمزہ وصل حذف کردیا جاتا ہے۔ اگر ابتداء میں وصل کا موقعہ ہو تو ہمزہ وصل آجاتا ہے۔ لفظ افتریٰ سے جاحظ نے صدق وکذب کی تعریف میں نفس الامر کے ساتھ اعتقاد کی موافقت عدم مطابقت کی قید لگا کر واسطہ ثابت کیا ہے۔ جس کا جواب جمہور نے یہ دیا ہے کہ یہاں مطلق خبر کی تقسیم نہیں ہے بلکہ آیت میں کذب کی دو صورتیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک کذب عدم جس کو افتری کہا گیا ہے۔ دوسرے کذب بلا عمد جس کو ام بہ جنۃ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پس قسم ثانی مطلق کذب کی قسم نہیں ہے، بلکہ کذب عمدہ کی قسم ہے۔ اس لئے واسطہ ثابت نہیں ہوا اور خبر دو قسموں میں منحصر رہی۔

فی العذاب والضلال. اس میں عذاب کو پہلے لانے میں اس کی مسارعت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ کفار کے حق میں ناگوار ہے اور گمراہی پر جلد مرتب ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ گویا عذاب ضلال سے بھی پہلے آنا چاہتا ہے اور ضلال کے ساتھ بعید لگا کر مبالغہ کردیا۔

کسفاً جمع ہے کسفۃ کی۔ اس لئے مفسر علامؒ کو تفسیری عبارت میں قطع جمع کی صورت میں لانا چاہئے تھا۔

ربط: . . . اس سورت کے مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ اول توحید کا بیان ہے جو امانت کلی کی ایک نہایت مہتم بالشان جزئی ہے اور شرک کی مقابل ہے۔ اس طرح اس سورت کی ابتداء پچھلی سورت کی خاتمہ سے مربوط ہوگئی۔ اس کے بعد قیامت کا اثبات دلائل کے ساتھ ہے۔ جس سے امکان قیامت معلوم ہو رہا ہے اور چونکہ قران قیامت جیسے مضامین حقہ پر مشتمل ہے۔ اس لئے قرآن کی حقانیت بھی معلوم ہوئی۔

اس کے بعد آیت ان فی ذٰلک لاٰیۃ لکل عبد منیب کی مناسبت سے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا تذکرہ ہے جو اعلیٰ درجہ کے منیب تھے۔ ان سے انابت کی ترغیب مقصود ہے۔ پھر عدم انابت کی ترہیب کے لئے بعض غیر منیبین کفار سبا کا ذکر ہے۔ پھر منیبین اور غیر منیبین کا شیطان کی پیروی کرنا نہ کرنا اور شیطان کے تسلط کی حکمت کا بیان ہے۔

اس کے بعد توحید کا مضمون پھر دہرایا گیا ہے اور وما ارسلنا سے رسالت کا اثبات اور پھر یقولوں سے قیامت کا بیان دہرایا گیا۔ اس کے بعد آیو وما ارسلنا فی قریۃ سے کفار کے کفر وفخر کے متعلق آنحضرت ﷺ کو تسلی اور کفار کے منشاء تفاخر کی تردید اور ماانفقتم سے کفار کی بعض ضرر رساں چیزوں کا مسلمانوں کے لئے نافع ہونا بیان کیا گیا جو علاوہ مقابلہ کے رزق کی وسعت کے مضمون

پر متفرع بھی ہے۔
پھر یوم نحشرهم سے بعث کا بیان اور "اذا تتلى" سے رسالت کا مضمون دہرا کر آیت "ولو ترىٰ" سے ان اصول کے انکار کرنے والوں کی اخروی تباہی پر سورت کو ختم کر دیا گیا ہے۔

﴿تشریح﴾: ...... ساری تعریفیں دنیا و آخرت میں اللہ کے لئے سزاوار ہیں: ...... الحمد لله یعنی اتنی خوبیاں اور کمالات رکھنے والے اللہ سے یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے یہ سارے جہاں یوں ہی پیدا کر دیئے ہوں۔ ایسے دانائے حکیم کی نسبت یہ گمان ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اس لئے ضرور ہے کہ یہ نظام آخر میں کسی اعلیٰ نتیجہ پر جا کر منتہی ہو اسی کو آخرت کہتے ہیں اور جس طرح وہ دنیا میں ساری تعریفوں کا مستحق ہے، کل جب انکشاف حقائق اور بروز کامل ہوگا صرف وہی لائق حمد نظر آئے گا۔ یعنی یہاں تو چونکہ اللہ کے تمامی افعال مخلوق کے افعال کے پردہ میں رہتے ہیں اور اس کے کمالات کے لئے بھی مخلوق کے کمالات آڑ لیتے رہتے ہیں۔ اس لئے لوگ یہاں مخلوق کی تعریفیں بھی کرتے رہتے ہیں۔ لیکن جب وسائط کے یہ حجابات اور پردے اٹھ جائیں گے اور صاف نظر آجائے گا کہ جو کچھ ہے اسی کا ظہور ہے۔ اسی لئے بس تعریف بھی اسی کی رہ جائے گی۔
مفسر علام نے حمد کے متعلق ان آیات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ **الحمد لله الذى هدانا لهذا.** اور **الحمد لله الذى اذهب عنا الحزن. الحمدلله الذى صدقنا وعده. له الحمدُ لله مافى السموات وما فى الارض** تینوں جگہ لام اختصاص کا ہے۔
يعلم مايلج معلومات کی جتنی صورتیں ہوسکتی ہیں، آیت میں سب کا احاطہ کرلیا ہے۔ بڑی چھوٹی یہاں، وہاں کوئی چیز بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔ جو چیزیں زمین کے اندر چلی جاتی ہیں، جیسے بارش، تخم، نباتات اور زمین سے نکلنے والی چیزیں، جیسے نباتات، معدنیات، حشرات اور جو چیزیں آسمان سے اترتی ہیں، جیسے وحی، فرشتے، بارش، تقدیر اور جو اوپر چڑھتی ہیں، جیسے فرشتے، اعمال، ارواح، دعائیں، غرض کوئی چیز بھی اللہ کے علم سے باہر نہیں۔
رحیم. مبداء کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔ یعنی یہ ساری دنیا کی چہل پہل اس کی رحمت کا کرشمہ ہے اور "**غفور**" منتہی کے لحاظ سے ہے۔ یعنی کائنات کا حسن انجام تک پہنچانا اسی کی شان غفاری ہے۔ جاہلی قوموں نے زیادہ ٹھوکریں اللہ کی صفت علم ہی سے کھائی ہیں۔ اس لئے قرآن نے اس کی پوری وضاحت فرمادی۔

انکار قیامت سراسر ہٹ دھرمی ہے: ...... ایک خدا پرست کے لئے قسم سے بڑھ کر یقین کی اور کیا صورت ہوسکتی ہے۔ پھر وہ بھی ایک مقدس اور معصوم انسان کی زبانی، وہ قسم کھا کر خبر دیتا ہے کہ قیامت ضرور آکر رہے گی۔ پھر تسلیم نہ کرنے کی کیا وجہ؟ نہ یہ محال ہے اور نہ خلاف حکمت، پھر انکار کرنا ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے؟ ہاں البتہ اس کی تعیین ہم نہیں کر سکتے اور تعیین خلاف حکمت بھی ہے۔ ورنہ پھر ایمان و آزمائش کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ اس کی تو اسی کو خبر ہے۔ جس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔ جتنی بات اس نے بتائی ہے کم و کاست وہی پہنچا دی گئی اور جس کے علم سے ایک ذرہ بھی خارج نہیں وہ ہمارے مٹی میں ملے ہوئے ذرات کو یکجا کر کے سب کو جلا دے کیا مشکل ہے۔ پس نبی کے متعین طور پر نہ جاننے سے قیامت کا نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ پھر علاوہ اللہ کے علم ذاتی کے خدائی رجسٹر لوح محفوظ میں بھی قیامت کی تعیین باضابطہ درج ہے اور قیامت کا آنا یوں بھی ضرور ہے کہ بغیر جزا اور سزا کے یہ سلسلہ کائنات ہی ناتمام رہ جاتا ہے۔ اسی سے لوگوں کی نیکیوں اور بدیوں کا میٹھا اور کڑوا پھل ملے گا۔ پس قیامت کے متعلق دونوں شبہوں کا جواب ہوگیا۔

آگے فرمایا کہ جو لوگ ہمیں ہرانے کے لئے دوڑے دوڑے پھر رہے ہیں، کیا وہ ہم سے چھوٹ جائیں گے اور وہ ہمارے ہاتھ نہیں آئیں گے؟ البتہ جو اہل علم قیامت کو علم الیقین کے درجہ میں مانتے تھے، وہ قیامت کو آنکھوں سے دیکھ کر عین الیقین اور حق الیقین حاصل کریں گے۔ اس لئے بھی قیامت کا آنا ضروری ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلانے کے لئے ہمارے ہرانے کی فکر میں ہیں، ان کی تکذیب سے کیا ہوتا ہے۔ اعتبار تو اہل علم کا ہے اور وہ اس کو حق مانتے ہیں۔ پس ان کا علم بڑی دلیل ہے حقانیت قرآن کی۔

وقال الذین کفروا سے منکرین قیامت کا قول نقل کر کے تردید کی جارہی ہے۔ قیامت کا تو ان کے ذہن میں کوئی تصور اور امکان ہی نہیں تھا۔ پیغمبر کی زبان سے جب اس عقیدہ کو سنتے تو پہلے اسے ایک عجیب وغریب خبر سمجھ کر آپس میں چرچا کرتے اور طرح طرح کے تبصرے کرتے اور پھر کہنے والے کی ذات کو اپنی تنقید کا نشانہ بنالیتے۔ قریش کفار نے گستاخانہ آپ ﷺ کی شان میں کہا کہ لوگو آؤ تمہیں ایک شخص دکھائیں، جو کہتا ہے کہ تم گل سڑ کر اور ریزہ ریزہ ہو کر جب خاک میں مل جاؤ گے تو پھر ایک دم تمہیں بنا بنایا کر کے کھڑا کر دیا جائے گا۔ پھر بتاؤ کوئی سمجھدار اسے باور کر سکتا ہے؟ بس یا تو جان بوجھ کر یہ شخص اللہ پر بہتان باندھ رہا ہے کہ اس نے یہ خبر دی ہے اور یا پھر سودائی ہے۔ دیوانوں کی سی بے تکی باتیں کرتا ہے۔ سٹھیا گیا ہے۔ (العیاذ باللہ)

مستشرقین اسلام کی ہفوات جاہلین عرب سے کم نہیں ہیں:..... ٹھیک آج بھی "مستشرقین اسلام" جب قلم سے نبرد آزما ہوتے ہیں تو کچھ اسی قسم کی گلفشانیاں کیا کرتے ہیں کہ دعویٰ رسالت تو بہر حال صحیح نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا مدعی رسالت یا تو خود فریب کا شکار ہے یا دوسروں کو دھوکہ دے کر جتانے فریب کرنا چاہتا ہے۔ (**ونعوذ باللہ من شرورھم**) یہاں بھی بطور اصول موضوعہ یہ تو طے کر لیا گیا ہے کہ قیامت محال ہے۔ اب یہ دانستہ جھوٹ بول رہے ہیں اور یا نادانستگی میں فساد تخیل [illegible] ہے۔ فرمایا یہ دونوں باتیں غلط اور بے ہودہ ہیں۔ دراصل یہی لوگ عذاب اور دور کی گمراہی میں پڑے ہیں۔ اسی گمراہی کا اثر یہ ہے کہ سچے کو مفتری اور مجنون کہہ رہے ہیں اور مآلی اثر عذاب جہنم بھگتنا ہوگا۔

افلم یروا۔ کیا یہ لوگ اندھے ہوگئے ہیں۔ انہیں زمین وآسمان بھی نظر نہیں آتے۔ جو آگے پیچھے ہر طرف نظر ڈالنے سے نظر آسکتے ہیں اور یہ اس کو مانتے ہیں کہ اللہ ہی نے انہیں بنایا ہے اور جو بنا سکتا ہے وہ توڑ پھوڑ بھی کرسکتا ہے۔ پس جو اتنے بڑے بڑے کرے بنا اور بگاڑ سکتا ہے اسے ایک گارے کے انسان کو بنانا اور پھر بگاڑنا اور پھر بنانا نہیں آتا۔ کیا انہیں ڈر نہیں لگتا کہ اسی آسمان کے نیچے، اسی کی زمین پر ایسے گستاخانہ کلمات نکالتے پھر رہے ہیں۔ وہ چاہے تو ابھی انہیں زمین میں دھنسا کر یا آسمان سے ایک ٹکڑا گرا کر پاش پاش کرسکتا ہے۔ اس طرح قیامت کا ایک چھوٹا سا نمونہ بھی سہی، اسی کے ساتھ اللہ کے جو بندے عقل وانصاف سے کام لے کر اس کی طرف جھکتے ہیں، آسمان کے نیچے ان کے لئے بڑی نشانی اور اسی زمین پر بڑی موعظت ان کے لئے موجود ہے۔ وہ یقین رکھتے ہیں کہ اتنا محکم اور منظم نظام ضرور ایک دن کسی اعلیٰ نتیجہ اور انتہا تک پہنچنے والا ہے اور وہی دار آخرت ہے۔

لَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا نُبُوَّةً وَّكِتَابًا وَّقُلْنَا **يٰجِبَالُ اَوِّبِىْ** رَجِّعِيْ **مَعَهٗ** بِالتَّسْبِيْحِ **وَالطَّيْرَ** بِالنَّصَبِ عَطْفًا عَلٰى مَحَلِّ الْجِبَالِ اَيْ وَدَعَوْنَاهَا لِلتَّسْبِيْحِ مَعَهٗ **وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ﴿۱۰﴾** فَكَانَ فِيْ يَدِهٖ كَالْعَجِيْنِ وَقُلْنَا نِ **اعْمَلْ** مِنْهُ **سٰبِغٰتٍ** دُرُوْعًا كَوَامِلَ يَجُرُّهَا لَابِسُهَا عَلَى الْاَرْضِ **وَّقَدِّرْ فِى السَّرْدِ** اَيْ بِنَسْجِ الدُّرُوْعِ قِيْلَ لِصَانِعِهَا سَرَّادًا اَيِ اجْعَلْهُ بِحَيْثُ يَتَنَاسَبُ حِلَقُهٗ **وَاعْمَلُوْا** اَيْ اٰلُ دَاوٗدَ مَعَهٗ **صَالِحًا اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱﴾** فَاُجَازِيْكُمْ بِهٖ **وَ** سَخَّرْنَا **لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ بِتَقْدِيْرِ تَسْخِيْرُ **غُدُوُّهَا** سَيْرُهَا مِنَ الْغُدْوَةِ بِمَعْنَى الصَّبَاحِ اِلَى الزَّوَالِ **شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا** سَيْرُهَا مِنَ الزَّوَالِ اِلَى الْغُرُوْبِ **شَهْرٌ** اَيْ مَسِيْرَتُهٗ **وَاَسَلْنَا** اَذَبْنَا **لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ** اَيِ النُّحَاسِ فَاُجْرِيَتْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ بِلَيَالِيْهِنَّ كَجَرْيِ الْمَاءِ وَعَمَلُ النَّاسِ اِلَى الْيَوْمِ مِمَّا اُعْطِيَ سُلَيْمَانُ **وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ** بِاَمْرِ **رَبِّهٖ وَمَنْ يَّزِغْ** يَعْدِلْ **مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا** لَهٗ بِطَاعَتِهٖ **نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾** النَّارِ فِي الْاٰخِرَةِ وَقِيْلَ فِي الدُّنْيَا بِاَنْ يَّضْرِبَهٗ مَلَكٌ بِسَوْطٍ مِنْهَا ضَرْبَةً تُحْرِقُهٗ **يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ** اَبْنِيَةٍ مُرْتَفِعَةٍ يُصْعَدُ اِلَيْهَا بِدَرَجٍ **وَتَمَاثِيْلَ** جَمْعُ تِمْثَالٍ وَهُوَ كُلُّ شَيْءٍ مَثَّلْتَهٗ بِشَيْءٍ اَيْ صُوَرٍ مِنْ نُحَاسٍ وَّزُجَاجٍ وَّرُخَامٍ وَلَمْ تَكُنِ اتِّخَاذُ الصُّوَرِ حَرَامًا فِيْ شَرِيْعَتِهٖ **وَجِفَانٍ** جَمْعُ جَفْنَةٍ **كَالْجَوَابِ** جَمْعُ جَابِيَةٍ وَهِيَ حَوْضٌ كَبِيْرٌ يَجْتَمِعُ عَلَى الْجَفْنَةِ اَلْفُ رَجُلٍ يَاْكُلُوْنَ مِنْهَا **وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ** ثَابِتَاتٍ لَهَا قَوَائِمُ لَا تَتَحَرَّكُ عَنْ اَمَاكِنِهَا تُتَّخَذُ مِنَ الْجِبَالِ بِالْيَمَنِ يُصْعَدُ اِلَيْهَا بِالسَّلَالِمِ وَقُلْنَا **اِعْمَلُوْا** يَا **اٰلَ دَاوٗدَ** بِطَاعَةِ اللّٰهِ **شُكْرًا** لَهٗ عَلٰى مَا اٰتَاكُمْ **وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾** الْعَامِلُ بِطَاعَتِيْ شُكْرًا لِنِعْمَتِيْ **فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ** عَلٰى سُلَيْمَانَ **الْمَوْتَ** اَيْ مَاتَ وَمَكَثَ قَائِمًا عَلٰى عَصَاهُ حَوْلًا مَيِّتًا وَالْجِنُّ تَعْمَلُ تِلْكَ الْاَعْمَالَ الشَّاقَّةَ عَلٰى عَادَتِهَا لَا تَشْعُرُ بِمَوْتِهٖ حَتّٰى اَكَلَتِ الْاَرَضَةُ عَصَاهُ فَخَرَّ مَيِّتًا **مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ** مَصْدَرُ اُرِضَتِ الْخَشَبَةُ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ اَكَلَتْهَا الْاَرَضَةُ **تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ** بِالْهَمْزَةِ وَتَرْكِهٖ بِاَلِفٍ عَصَاهُ لِاَنَّهَا يُنْسَاُ يُطْرَدُ وَيُزْجَرُ بِهَا **فَلَمَّا خَرَّ** مَيِّتًا **تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ** اِنْكَشَفَ لَهُمْ **اَنْ** مُخَفَّفَةٌ اَيْ اَنَّهُمْ **لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ** وَمِنْهُ مَا غَابَ عَنْهُمْ مِنْ مَوْتِ سُلَيْمَانَ **مَا لَبِثُوْا فِى الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۱۴﴾** اَلْعَمَلِ الشَّاقِّ لَهُمْ لِظَنِّهِمْ حَيَاتَهٗ خِلَافَ ظَنِّهِمْ عِلْمَ الْغَيْبِ وَعُلِمَ كَوْنُهٗ سَنَةً بِحِسَابِ مَا اَكَلَتْهُ الْاَرَضَةُ مِنَ الْعَصَا بَعْدَ مَوْتِهٖ يَوْمًا وَّلَيْلَةً مَثَلًا **لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ** بِالصَّرْفِ وَعَدَمِهٖ قَبِيْلَةٌ سُمِّيَتْ بِاسْمِ جَدٍّ لَهُمْ مِنَ الْعَرَبِ **فِىْ مَسْكَنِهِمْ** بِالْيَمَنِ **اٰيَةٌ** دَالَّةٌ عَلٰى قُدْرَةِ اللّٰهِ **جَنَّتٰنِ** بَدَلٌ **عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ** عَنْ يَّمِيْنِ وَادِيْهِمْ وَشِمَالِهٖ وَقِيْلَ لَهُمْ

كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ عَلٰى مَا رَزَقَكُمْ مِنَ النِّعْمَةِ فِىْ اَرْضِ سَبَا **بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ** لَيْسَ بِهَا سَبَاخٌ وَلَا بَعُوْضَةٌ وَلَا ذُبَابَةٌ وَلَا بُرْغُوْثٌ وَلَا عَقْرَبٌ وَلَا حَيَّةٌ وَيَمُرُّ الْغَرِيْبُ بِهَا وَفِىْ ثِيَابِهٖ قُمَّلٌ فَيَمُوْتُ لِطِيْبِ هَوَائِهَا **وَّ** اللّٰهُ **رَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا** عَنْ شُكْرِهٖ وَكَفَرُوْا **فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ** جَمْعُ عَرِمَةٍ وَهُوَ مَا يُمْسِكُ الْمَاءَ مِنْ بِنَاءٍ وَغَيْرِهٖ اِلٰى وَقْتِ حَاجَتِهٖ اَىْ سَيْلَ وَادِيْهِمُ الْمَمْسُوْكِ بِمَا ذُكِرَ فَاَغْرَقَ جَنَّتَيْهِمْ وَاَمْوَالَهُمْ **وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَىْ** تَثْنِيَةُ ذَوَاتٍ مُفْرَدٍ عَلَى الْاَصْلِ **اُكُلٍ خَمْطٍ** مُرٍّ بَشِعٍ بِاِضَافَةِ اُكُلٍ بِمَعْنٰى مَاْكُوْلٍ وَتَرْكِهَا وَيُعْطَفُ عَلَيْهِ **وَّاَثْلٍ وَّشَىْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ** التَّبْدِيْلُ **جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا** بِكُفْرِهِمْ **وَهَلْ نُجٰزِىْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾** بِالْيَاءِ وَالنُّوْنِ مَعَ كَسْرِ الزَّاىِ وَنَصْبِ لِكَفُوْرٍ اَىْ مَايُنَاقِشُ اِلَّاهُوَ **وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ** بَيْنَ سَبَاوَهُمْ بِالْيَمَنِ **وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا** بِالْمَاءِ وَالشَّجَرِ وَهِىَ قُرَى الشَّامِ الَّتِىْ يَسِيْرُوْنَ اِلَيْهَا لِلتِّجَارَةِ **قُرًى ظَاهِرَةً** مُتَوَاصِلَةً مِنَ الْيَمَنِ اِلَى الشَّامِ **وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ** بِحَيْثُ يَقِيْلُوْنَ فِىْ وَاحِدَةٍ وَيَبِيْتُوْنَ فِىْ اُخْرٰى اِلٰى اِنْتِهَاءِ سَفَرِهِمْ وَلَايَحْتَاجُوْنَ فِيْهِ اِلٰى حَمْلِ زَادٍ وَمَاءٍ وَقُلْنَا **سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِىَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿۱۸﴾** لَاتَخَافُوْنَ فِىْ لَيْلٍ وَلَانَهَارٍ **فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ** وَفِىْ قِرَاءَةٍ بَاعِدْ **بَيْنَ اَسْفَارِنَا** اِلَى الشَّامِ اِجْعَلْهَا مَفَاوِزَ لِيَتَطَاوَلُوْا عَلَى الْفُقَرَاءِ بِرُكُوْبِ الرَّوَاحِلِ وَحَمْلِ الزَّادِ وَالْمَاءِ فَبَطِرُوا النِّعْمَةَ **وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ** بِالْكُفْرِ **فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ** لِمَنْ بَعْدَهُمْ فِىْ ذٰلِكَ **وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ** فَرَّقْنَاهُمْ بِالْبِلَادِ كُلَّ التَّفْرِيْقِ **اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرِ **لَاٰيٰتٍ** عِبَرًا **لِّكُلِّ صَبَّارٍ** عَنِ الْمَعَاصِىْ **شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾** عَلَى النِّعَمِ **وَلَقَدْ صَدَّقَ** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ **عَلَيْهِمْ** اَىِ الْكُفَّارِ مِنْهُمْ سَبَا **اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ** اَنَّهُمْ بِاِغْوَائِهٖ يَتَّبِعُوْنَهٗ **فَاتَّبَعُوْهُ** فَصَدَقَ بِالتَّخْفِيْفِ فِىْ ظَنِّهٖ اَوْصَدَّقَ بِالتَّشْدِيْدِ ظَنَّهٗ اَىْ وَجَدَهٗ صَادِقًا **اِلَّا** بِمَعْنٰى لٰكِنْ **فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۰﴾** لِلْبَيَانِ اَىْ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ لَمْ يَتَّبِعُوْهُ **وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ** تَسْلِيْطٍ مِّنَّا **اِلَّا لِنَعْلَمَ** عِلْمَ ظُهُوْرٍ **مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِىْ شَكٍّ** فَنُجَازِىْ كُلًّا مِّنْهُمَا **وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۲۱﴾** رَقِيْبٌ

ترجمہ:.......... اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو اپنی طرف سے بڑی نعمت دی تھی (نبوت و کتاب۔ اور ہم نے کہا کہ) اے پہاڑو! تسبیح کرتے رہو، ان کے ساتھ (شریک رہو ترانہ تسبیح میں) اور پرندوں کو بھی حکم دیا (الطیر نصب کے ساتھ محل جبال پر عطف کرتے ہوئے یعنی داؤد کے ساتھ انہیں بھی تسبیح میں شامل ہونے کا حکم دیا) اور ہم نے داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم کر دیا (چنانچہ لوہا ان کے ہاتھ میں جو کرآٹے کی طرح نرم ہو جاتا۔ اور ہم نے حکم دیا کہ) تم (اس سے) مکمل زرہیں بناؤ (پوری زرہیں کہ پہننے والے پر زمین تک لٹکتی رہیں) اور جوڑنے میں مناسب اندازہ رکھو (یعنی زرہ کی بناوٹ میں زرہ بنانے والے کو سراد کہا جاتا ہے۔

یعنی اس طرح اس کو سنو کہ اس کی کڑیاں مناسب رہیں) اور تم سب نیک کام کرتے رہو (داؤد علیہ السلام کے خاندان والوں) میں تمہارے سب اعمال خوب دیکھ رہا ہوں (لہٰذا ان کا تمہیں بدلہ ملے) اور (ہم نے مسخر کر دیا) سلیمانؑ کے لئے ہوا کو (اور ایک قرأت میں الریح رفع کے ساتھ ہے تقدیر عبارت تسخر ہوگی) کہ ان کی صبح کی منزل (اس کی رفتار صبح سے لے کر زوال تک) مہینہ بھر کی ہوتی اور اس کی شام کی منزل (اس کے رفتار زوال سے غروب تک) مہینہ بھر کی ہوتی (یعنی مہینہ کی مسافت کے برابر) اور ہم نے بہا دیا (پگھلا دیا) ان کے لئے تانبے کا چشمہ (قطر کے معنی تانبے کے ہیں۔ چنانچہ تین شبانہ روز پانی کی طرح تانبہ کا چشمہ بہتا رہا اور لوگ آج تک اسی کو کام میں لا رہے ہیں جو سلیمانؑ کو عطا ہوا تھا) اور جنات میں کچھ وہ تھے جو ان کے آگے پروردگار کے حکم سے کام کرتے رہتے اور ان میں سے جو کوئی سرتابی (حکم عدولی) کرے ہمارے حکم سے (جو اس کی اطاعت کے بارے میں ہو) تو ہم اسے دوزخ کا مزہ بھی چکھا دیں گے (آخرت کی آگ کا اور بعض نے دنیا میں آگ مراد لی ہے کہ فرشتہ آگ کا ہنٹر مارتا ہے جس سے جنات بھسم ہو جاتے ہیں) اس (سلیمانؑ) کے لئے وہ سب کچھ بنا دیتے جو وہ چاہتے تھے۔ بڑی بڑی عمارتیں (ایسی اونچی کہ جن پر زینوں کے ذریعہ چڑھا جاتا) اور مجسمے (جمع تمثال کی ہے کسی کی شکل کی مورتی یعنی تانبہ اور شیشہ اور خاص قسم کے پتھر "سنگ مرمر" کی مورتیاں بناتے۔ ان کی شریعت میں مورت وصورت بنانا حرام نہیں تھا)) اور لگن (جمع جفنہ کی ہے) حوض کی طرح کے (جمع جابیۃ کی بڑی حوض کو کہتے ہیں۔ ایک ایک لگن تنی بڑی تھی کہ جس میں ہزار ہزار آدمی کھانا کھاتے تھے) اور جمی ہوئی دیگیں (گڑی ہوئی جن کے پائے بھی تھے اپنی جگہ سے ہلتی نہیں تھیں۔ یعنی پہاڑوں سے تراشی گئی تھیں سیڑھیاں لگا کر ان میں اترا جاتا تھا اور ہم نے حکم دیا کہ اے داؤد کے خاندان والو! تم سب (اللہ کی اطاعت کے) کام کرتے رہو۔ شکر گزاری میں (تمہیں جو نعمتیں ملی ہیں ان کے شکریہ میں) اور میرے بندوں پر کم ہی شکر گزار ہوتے ہیں (جو شکر نعمت کے طور پر میری فرمانبرداری کرتے ہوں) پھر جب ہم نے ان (سلیمانؑ) پر موت کا حکم جاری کر دیا (یعنی ان کی وفات ہوگئی اور سال بھر تک عصا کے سہارے ان کی نعش کھڑی رہی اور جنات معمول کے مطابق دشوار کام انجام دیتے رہے۔ انہیں اس وقت تک وفات کا پتہ نہ چل سکا جب تک لکڑی کو گھن کے کیڑے نے کھا نہ لیا اور ان کی نعش گر پڑی) تو کسی چیز نے ان کی موت کا پتہ نہ دیا بجز گھن کے کیڑے کے (ارض مصدر ہے ارضت الخشبۃ بصیغۂ مجہول بولتے ہیں کہ زمین کے کیڑے نے لکڑی کو کھالیا) جو سلیمانؑ کے عصا کو کھاتا رہا (منساۃ ہمزہ کے ساتھ اور ہمزہ کی بجائے الف کے ساتھ ہاتھ کی لکڑی کو کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ آلہ دفاع ہوتی ہے) سو جب وہ گر پڑے (مردہ ہو کر) تب جنات پر حقیقت ظاہر (منکشف) ہوئی کہ اگر وہ (ان مخففہ ہے یعنی اگر وہ) غیب داں ہوتے (منجملہ ان کی سلیمانؑ کی موت ان سے غائب رہی) تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے (دشوار گزار کاموں میں انہیں زندہ سمجھ کر لگے رہے۔ حالانکہ علم غیب ان کے گمان کے برخلاف نکلا۔ اور ایک سال مدت اس حساب سے معلوم ہوئی کہ مثلاً ایک دن رات میں کیڑے نے کتنا عصا کھایا) سبا والوں کے لئے تھا (لفظ سبا منصرف، غیر منصرف دونوں طرح ہے۔ ایک قبیلہ ہے عرب کا جس کا نام کسی دادا کے نام پر پڑا تھا) ان کے وطن (یمن) میں نشان موجود تھا (اللہ کی قدرت پر دلالت کرنے والا) دو قطاریں باغ کی تھیں (یہ بدل ہے) داہنے اور بائیں (وادی کے دائیں بائیں مراد ہے۔ انہیں حکم دیا گیا کہ) اپنے پروردگار کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر بجالاؤ۔ (کہ سبا کی سرزمین میں تمہیں نعمتوں کی روزی دی) شہر پاکیزہ (کہ جس میں زنبور مچھر، مکھی، پسو، بچھو، سانپ کا نشان تک نہیں تھا۔ کوئی پردیسی اگر وہاں سے گزرتا تو وہاں کی ہوا کے اثر سے اس کے کپڑوں کی جوئیں مر جاتیں) اور (اللہ) پروردگار بخشنے والا۔ سو انہوں نے سرتابی کی (اللہ کا شکر بجالانے سے اور کفر کیا) تو ہم نے ان پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا (عرم جمع ہے عرمۃ کی۔ پانی روکنے کا ڈیم اور بند تعمیر وغیرہ کے ذریعہ، ضرورت کی خاطر۔ یعنی ان کی وادی کا مذکورہ طریقہ پر رکا ہوا پانی جس کے نتیجہ میں

ان کے باغات اور مال برباد ہوگئے) اور ہم نے ان کے دورویہ باغوں کے عوض دو باغ اور دے دیئے۔ جو (ذواتی تثنیہ ہے ذات مفرد کا اصل کے اعتبار سے) بدمزہ پھل (کڑوا بدذائقہ، اکل مضاف ہو رہا ہے۔ بمعنی اور ترک اضافت کے ساتھ ہے اور اس پر عطف ہو رہا ہے) اور جھاؤ اور قدرے قلیل بیری والے تھے یہ (تبدیلی) ہم نے ان کی ناسپاسی (ناشکری) کے سبب سزا دی تھی اور ہم ایسی سزا بڑے ناسپاس ہی کو دیا کرتے ہیں (یجزی یا اور نون کے ساتھ کسرۂ زا کی ساتھ اور کفور منصوب ہے یعنی یہ سرزنش صرف کفران نعمت کرنے والے کو کی جاتی ہے) اور ہم نے ان کے (یعنی یمن میں سبا والوں کے) ان کی بستیوں کے درمیان جہاں ہم نے برکت دے رکھی تھی (پانی اور درختوں کی وجہ سے اور یہ تمام شام کی آبادیاں تھیں جن کا تجارتی سفر کیا کرتے تھے) بہت سے گاؤں آباد کر رکھے تھے جو دکھائی دیتے تھے (شام سے صس تک مسلسل تھے) اور ہم نے ان دیہات کے درمیان سفر کا ایک خاص انداز مقرر کر دیا تھا۔ اس طرح کہ ایک بستی میں اگر دوپہر کا آرام کرتے تھے تو دوسری بستی میں شب گزاری کر لیتے تھے۔ سفر ختم ہونے تک یہی سلسلہ قائم رہتا اور انہیں زاد راہ اٹھا کر لے چلنے کی ضرورت نہ پیش آتی اور ہم نے حکم دیا کہ) دن رات بے کھٹکے سفر کرتے رہو (نہ رات میں کوئی خطرہ تھا اور نہ دن میں) پھر وہ کہنے لگے اے ہمارے پروردگار درازی کر دے (اور ایک قرأت میں باعد ہے) ہمارے سفروں میں (شام کی جانب، انہیں جنگلوں میں تبدیل کر دے، تاکہ انہیں فقراء کے مقابلہ میں سواریوں پر سفر ہو کر نکلنے اور ناشتہ ساتھ لے جانے کی وجہ سے گھمنڈ دکھلانے کا موقع مل سکے۔ چنانچہ انہوں نے نعمت پر اترانا شروع کر دیا) اور اپنی جانوں پر انہوں نے (کفر کر کے) ستم ڈھایا۔ سو ہم نے انہیں افسانہ بنا دیا (بعد والوں کے لئے اس بارے میں) اور ان کو بالکل تتر بتر کر کے رکھ دیا (شہروں میں یکلخت پھیلا کر رکھ دیا) اس (مذکورہ واقعہ) میں بڑی بڑی نشانیاں (عبرتیں) ہیں ہر ایک (گناہوں سے) بچنے والے اور (نعمتوں پر) شکر گزار کے لئے اور واقعی سچ کر دکھلایا (تخفیف اور تشدید کی ساتھ دونوں طرح ہے) ان لوگوں کے بارے میں (یعنی کفار کے متعلق جن پر سبا کے باشندے بھی ہیں) ابلیس نے اپنا گمان (کہ وہ اس کے بہکانے میں آ کر اس کی پیروی کر بیٹھیں گے) چنانچہ یہ لوگ اسی کی راہ پر ہو لئے (لفظ صدق تخفیف کے ساتھ اگر ہے تو معنی یہ ہیں کہ اس کا گمان سچ ثابت ہوا۔ اور تشدید کی صورت میں معنی یہ ہیں کہ اس نے اپنا گمان سچ کر دکھایا، یعنی اس نے اپنے گمان کو سچ پایا) بجز (لا بمعنی لکن ہے) ایمان والوں کے گروہ کے (اس میں من بیانیہ ہے یعنی مومنین نے اس کی پیروی نہیں کی) اور ابلیس کا تسلط (ہماری جانب سے) ان لوگوں پر بجز اس کے کسی اور وجہ سے نہیں کہ ہم (کھلے بندوں) معلوم کرنا چاہتے ہیں ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، ان لوگوں سے الگ کر کے جو اس کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں (لہٰذا ہم ان میں سے ہر ایک کو اس کا بدلہ دیں گے) اور آپ کا پروردگار ہر چیز کا نگران (نگہبان) ہے۔

تحقیق وترکیب:

فضلا. نعمت واحسان۔

یاجبال. مفسرؒ علام نے پہلے **قلنا** نکال کر اشارہ کر دیا کہ **یاجبال اوبی** بدل ہے **اتینا** سے **قلنا** مضمر مان کر۔

اوبی. تاویب، اوب بمعنی رجوع سے ماخوذ ہے، یعنی تسبیح داؤدی کے ساتھ نغمہ سنجی کرو۔

والطیر. امرنا یادعونا مقدر ہے۔ چونکہ پہاڑ جمود میں اور طیور نفوذ میں سب سے زیادہ ہوتے ہیں۔ پس یہ بھی وقف تسبیح ہوگئے تو دوسری تمام چیزیں بھی وقف تسبیح ہوگئی ہوں گی۔ بعض لوگوں نے پہاڑ کی تسبیح خوانی کی بجائے یہ معنی بیان کئے کہ پہاڑوں کی ساخت اور مضبوطی وغیرہ پر نظر اور تامل کرنے سے حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ کی تسبیح کی۔ گویا پہاڑوں نے انہیں تسبیح پر آمادہ کیا۔ لیکن یہ معنی اول تو روایات کے برخلاف ہیں۔ دوسرے اس معنی کے لحاظ سے حضرت داؤد علیہ السلام کی کیا خصوصیت وفضیلت رہی۔ نیز اس کو پھر معجزہ کیسے کہا جائے؟

اسی طرح بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں پر جو پہاڑوں میں آہ وبکا کرتے تھے، اس کی صدائے بازگشت جو پہاڑوں سے نکلتی تھی، یہ اسی کا بیان ہے۔ لیکن یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ صدائے بازگشت پہاڑوں کی حقیقۃً آواز نہیں ہوتی بلکہ وہ متکلم کی آواز کا اثر ہوا کرتا ہے۔ حالانکہ اوبی معہ کا حکم صاف بتلا رہا ہے کہ پہاڑ بھی اس نغمہ سنجی میں مستقلاً شریک تھے۔ ورنہ پھر حضرت داؤد علیہ السلام کی کیا خصوصیت اور معجزہ رہا۔ یہ صدائے بازگشت تو ہر یک کی ہو سکتی ہے۔ غرضیکہ بنیاد ان تمام تر تاویلات کی انکار معجزہ اور خوارق کے نہ ماننے پر معلوم ہوتی ہے، اس لئے حقیقی اور ظاہری معنی ہی متعین ہیں۔

النا. لینت سے ہے نرم کرنا۔

ان اعمل یہاں بھی تقدیر قول کر کے مفسر نے اس کے منصوب ہونے کا اشارہ کیا ہے۔

سابغات. کامل زرہ۔ مفسر نے موصوف کے مقدر ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی بدن کا کوئی حصہ کھلا نہ رہے، بلکہ اوپر سے نیچے تک بدن پر فٹ آجائیں کہ گویا پہننے والا انہیں گھسیٹ رہا ہے۔

فی السرد. یعنی اس کی کڑیاں ہموار ویکساں ہوں نہ کوئی ہتھیار ان پر اثر انداز ہو اور نہ پہننے والے پر بوجھل وگراں ہو۔

غدوھا. صبح کو دمشق سے چل کر دوپہر کا قیلولہ اور اصطخر میں اور شام کو اصطخر سے چل کر رات بابل میں گزارتے تھے۔ اور ان شہروں میں پیدل سفر ایک ماہ میں ہوتا تھا۔ جو لوگ قرآن میں معجزہ کے وجود کا انکار کرتے ہیں، پہاڑوں کی تسبیح اور لوہے کے موم کی طرح نرم ہو جانے اور ہوا کے مسخر ہونے کو ان کے خلاف پیش کیا جا سکتا ہے۔ البتہ جو لوگ سرے سے خوارق ہی کے منکر ہیں وہ یہاں بھی دوراز کار تاویلات کرتے ہیں۔ مفسرؒ علام "عمل الناس" سے تانبہ کے چشموں کے سیال شکل میں قابل استعمال ہونے کو معجزہ سلیمانی کی برکت بتلا رہے ہیں۔

من یعمل. یہ مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور من الجن خبر ہے اور فعل مقدر کی وجہ سے منصوب بھی ہو سکتا ہے۔ ای سخرنا من یعمل اور من الجن کا تعلق سخرنا محذوف سے ہے یا حال یا بیان بھی ہو سکتا ہے۔

من یزغ یہ من مبداء کی وجہ سے مرفوع ہے۔ یا اس سے پہلے قلنا مقدر مانا جائے۔

محاریب. جمع محراب کی مبالغہ کا صیغہ ہے اسم آلہ سے منقول نہیں ہے بلکہ اسم فاعل ہے بنانے والے مالک کے اعتبار سے بنا کو محراب کہہ دیا گیا ہے گویا کہ وہی دشمنوں سے حفاظت کر رہی ہے۔

رخام. سنگ مرمر کو کہتے ہیں جو سفید ہوتا ہے۔ اس کی مورتیاں خوبصورت ہوتی ہیں۔ پہلے زمانہ میں کسی مقصد صحیح کی وجہ سے مورتیاں بنائی جاتی ہوں گی۔ اس لئے اجازت تھی۔ لیکن جب مقاصد صحیح نہ رہے، بلکہ بت پرستی اور شرک کو فروغ ہونے لگا۔ اس لئے حرام قرار دے دی گئیں۔

الجواب. جابیۃ کی جمع ہے جبایۃ سے ماخوذ ہے بمعنی حوض۔

قدور راسیت. اجمیر (ہند) میں حضرت خواجہ اجمیریؒ کے مزار پر اکبر بادشاہ نے تانبہ کی دو عظیم دیگیں جو نصب کرائی ہیں، سیڑھی لگا کر، روئی کے کپڑے اور چمڑے کے دستانے پہن کر لوگ اس میں اترتے ہیں اور خیراتی کھانا، فقراء وغیرہ کو لٹایا جاتا ہے وہ شاید سلیمانی پتھر کی دیگوں کا نمونہ ہوں۔

شکرا. اس میں کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اعملوا کا مفعول بہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اعملوا کا مفعول مطلق ہو۔ معنی ای اشکروا شکرا. تیسرے یہ کہ مفعول لہ ہو ای لاجل الشکر. چوتھے یہ کہ حال ہو ای شاکرین۔ پانچویں یہ کہ مفعول مطلق ہو فعل

شکر محذوف کا۔ ای اشکروا شکرا چھٹے یہ کہ مصدر محذوف کی صفت ہو۔ ای اعملوا عملا شکرا

دابة الارض اس جملہ کی دوصورتیں ہیں۔ایک یہ کہ ارض سے مراد زمین اور دابۃ سے مراد کیڑا ہو۔یعنی گھن کا کیڑا۔جو زمین اور مٹی سے نکل کر لکڑی کو چاٹ جاتا ہے۔دوسری صورت وہ ہے جس کی طرف مفسر علام اشارہ کررہے ہیں۔یعنی ارض مصدر ہو ارضت الدابة الخشبة تارضها ارضا بولتے ہیں۔باب ضرب سے اور مٹی وہی ہے یا جیسے جدعت انفه جدعا بولتے ہیں یہ اضافۃ الشئی الی فعلہ کہلاتی ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ ارض مصدر نہیں ہے بلکہ ارضۃ کی جمع ہے۔اس صورت میں اضافۃ عام الی الخاص ہو جائے گی۔

منساته. نسات البعير. بولتے ہیں اونٹ کو ہنکا دینا یا نساتہ سے ماخوذ ہے بمعنی ہکا دینا۔پیچھے ہٹا دینا۔ڈنڈے،چھڑی،بید کو کہتے ہیں۔

تبینت الجن. تبین متعدی بمعنی عرف اور الجن فاعل اور بعد کا جملہ مفعول ہے اور تبین لازمی بھی ہوسکتا ہے۔بمعنی ظہر اور الجن فاعل اور بعد مفعول ہو۔پہلی صورت میں لھم کی ضمیر جنات کی طرف اور دوسری صورت میں الناس کی طرف راجع ہوگی۔غرضیکہ گھن کے کیڑے کو ایک لکڑی پر بٹھا کر دیکھا کہ ایک دن رات میں کتنی لکڑی کھاتا ہے۔اس حساب سے ایک سال وفات کا تخمینہ کیا گیا۔حضرت سلیمانؑ نے تیرہ سال کی عمر میں تخت حکومت سنبھالا۔چار سال بعد بیت المقدس کی تعمیر کا پرداز ڈالا اور ترپین سال کی عمر میں وفات پائی۔

جنتان یہ آیت سے بدل ہے اور یا مبتداء محذوف کی خبر ہے۔اتنے بڑے باغ تھے کہ کوئی شخص،خالی ٹوکرا سر پر رکھ کر اگر چلے تو گزرتے ہوئے ٹپکنے والے پھلوں سے خود بخود بھر جاتا تھا۔اسی تسلسل کی وجہ سے سب باغات کو ایک باغ قرار دیا ہے۔

بلدة طيبة. مبتداء محذوف ہے ای بلدكم بلدة طيبة وربكم رب عفور.

سيل العرم. اور بعض نے عرم کے معنی شدت وصعوبت لئے ہیں۔عرمہ سے ماخوذ ہے اور یہ اضافت موصوف الی الصفت ہے یا بقول ابن عباسؓ وادی کا نام ہے یعنی اس کا بلند ڈھلوان حصہ۔اضافت ادنیٰ ملابست کی وجہ سے یا بقول مفسرؒ علام عرمۃ کی جمع ہے بند اور ڈیم کے معنی میں۔

جنتين. بطور مشاکلت اور تہکم کے ان کو جنت کہا گیا ہے۔

ذواتی. ذوات مفرد ہے،کیونکہ اس کی اصل ذویت ہے مونث ذو کا اس میں تعلیل ہوگئی ہے۔تعلیل سے پہلے ذواتان اور تعمیم کے بعد ذاتان تثنیہ ہوگا۔تفسیری عبارت "علی الاصل" کا تعلق تثنیہ سے ہے۔یعنی اس کا تثنیہ ہونا اصل کے لحاظ سے ہے تعلیل سے پہلی حالت پر۔

خمط ترش یا تلخ۔بعض کے نزدیک پیلو کی ایک قسم کے پھل جنہیں برید کہا جاتا ہے۔ابوعمروؒ کی قرأت اضافت موصوف الی الصفت کی ہے۔ثوب خز کی طرح اور جمہور بلا اضافت کے پڑھتے ہیں اور خمط صفت ہے اور اکل نافعؒ اور ابن کثیرؒ سکون کاف کے ساتھ اور باقی قراء ضمہ کاف کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

اثل. جھاؤ کا درخت۔

ذلك. جزينا. کا مفعول ثانی مقدم ہے۔بقول خفاجی قرآن میں مجازاۃ جہاں بھی ہے عتاب وعذاب کے معنی میں ہے۔برخلاف لفظ جزاء کے وہ عام ہے۔اسی لئے پہلے لفظ جزینا ہم کو بما کفروا کے ساتھ مقید کیا گیا ہے اور دوسرے نجازی کو مقید نہیں کیا گیا۔ابوعمروؒ،ابن کثیرؒ،نافعؒ،ابن عامرؒ یجزی غائب مجہول صیغہ سے اور کفور مرفوع پڑھتے ہیں۔لیکن قراء کوفہ علاوہ ابوبکر کے متکلم معروف

صیغہ سے اور کفور نصب سے پڑھتے ہیں۔ یہ سیل العرم کا عذاب زمانہ فترۃ میں پیش آیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آنحضرت ﷺ سے پہلا وقفہ ہے۔ تفسیری عبارت ای ماینافش میں آیت کی وجہ حصر کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی سزا صرف کفار کو ملتی ہے اور مومن کے لئے تو اس کی نیکیاں کفارہ بن جاتی ہیں۔

وجعلنا۔ اس کا عطف لقد کان لسبا پر ہے اور فقالوا ربنا کا عطف فاعرضوا پر ہے۔ گویا نعمت کا نعمت پر اور نقمت کا نقمت پر عطف ہے۔

قری ظاھرۃ۔ کل قریئے چار ہزار تھے۔ جن میں سے ساتھ سو آبادیاں تو سبا سے شام کے علاقہ تک مسلسل پھیلتی چلی جا رہی ہیں، جس سے اس زمانہ کے تمدن کی وسعت کا پتہ چلتا ہے۔

سیروا۔ یہ امر تمکین ہے یا امر بمعنی خبر ہے۔ یعنی حقیقۃً امر نہیں ہے بلکہ ان کے تمکن سیر اور منازل کی یکسانیت کو بمنزلہ قلنا مقدر کے مان لیا ہے۔ یہ امر اباحت کے لئے ہے۔

لیالی وایاما۔ یہ منصوب بنا پر حالیت کے ہیں۔

باعد ابوبکرؒ ابن کثیرؒ کی قرأت بعّد ہے اور باقی قراء کے نزدیک باعد ہے۔ بنی اسرائیل کی طرح انہوں نے بھی انعامات الٰہیہ کی یہ قدر دانی کی۔ بات یہ ہے کہ نازبرداریوں سے نا ہلوں کا دماغ اور زیادہ خراب ہو جاتا ہے۔

مفاوز ۔ مفازۃ کی جمع ہے۔ مہلک جگہ کو کہتے ہیں۔ فوز فلان ای مات۔ اور بعض نے فاز سے ماخوذ مانا ہے۔ بمعنی سلامتی۔ پہلی صورت میں وجہ تسمیہ ظاہر ہے اور دوسری صورت میں تفاولاً لق ودق جنگل کو مفازہ کہہ دیا۔

احادیث۔ احدوثۃ کی جمع ہے عجیب وغریب قصے کہانیاں جو قابل عبرت ہوں۔

فرقناھم غسانی، شام میں اور قبیلہ اوس وخزرج یثرب میں اور خزاعہ تہامہ میں اور قبیلہ ازد عمان کی طرف نکل کھڑے ہوئے اور وہیں رس بس، مر کھپ گئے۔

علیھم۔ اس کا تعلق ظنہ سے نہیں بلکہ ماقبل سے ہے اور ضمیر مطلق کفار کی طرف راجع ہے۔ منجملہ ان کے کفر سبا بھی ہیں۔ خاص کفار سبا کی طرف سے راجح نہیں ہے۔ اکثر قراء صدق کو تخفیف کے ساتھ پڑھتے ہیں، اس صورت میں ظنہ ظرف ہوگا اور صدق بالتشدید کوفیوں کی قرأت ہے۔ اب ظنہ مفعول بہ ہوگا یا ظن بمعنی حقق مجاز ہے۔

الا فریقا۔ بمعنی لکن یعنی استثنا منقطع ہے اور متصل بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جو مومن گناہ کرتے ہیں وہ شیطان کا اتباع کرتے ہیں۔ پس الا فریقاً سے مومن غیر عاصی مراد ہوں گے۔ تاہم اول صورت اقرب ہے۔ چنانچہ خود ابلیس نے **لاغوینھم احمعین الا عبادک** میں انبیاء معصومین کو مستثنیٰ کیا تھا۔

من یؤمن۔ اگر من استفہامیہ ہے تو پھر یہ علم کے مفعولین کے قائم مقام ہو جائے گا۔ لیکن یہ ظاہر نہیں ہے، کیونکہ معنی یہ ہوں گے۔ **الا لنمیز ونظھر اللناس من یومن ممن لایومن** ۔ پس بجائے **ممن لایومن** کے **ممن ھو منھا فی شک** سے تعبیر کیا گیا۔ جو اس کا لازم اور نتیجہ ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ من موصولہ ہو اور یہی ظاہر ہے۔ البتہ ان دونوں صلوں کی ترتیب میں یہ نکتہ ہے کہ پہلا جملہ فعلیہ ہے جو حدوث پر دلالت کرتا ہے اور دوسرا اسمیہ ہے جو دوام پر دلالت کر رہا ہے اور ایمان کے مقابلہ میں شک لایا گیا ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ کفر کا ادنی درجہ بھی ہلاکت میں گرا دیتا ہے اور فی شک میں شک کو محیط کر دینا اور صلہ کو مقدم لانا اور کلمہ من کی طرف عدول کرنا حالانکہ فی کے ذریعہ سے لفظ شک متعدی ہوتا ہے۔ مبالغہ کے لئے اور شدت بیان کرنے کے لئے اور یہ کہ اس کے

زوال کی امید نہیں ہے۔

اور علامہ طیبیؒ نے اس طرح بیان کیا ہے کہ پہلے صلہ میں ایمان اور اس کے مقابلہ میں دوسرے صلہ میں شک لائے ہیں اور یوں نہیں کہا۔ من ھو مومن بالاخرۃ فمن ھو کافر بھا من یوقن بالاخرۃ ممن ھو فی شک منھا تاکہ معلوم ہوجائے کہ آخرت کے بارے میں ادنیٰ شک کفر ہے اور یہ کہ کافروں کو یقین حاصل نہیں ہوتا اور وہ ہمیشہ تردد اور شک میں رہتے ہیں۔ لیکن پہلی تقریر اوجہ ہے۔

روایات: حضرت داؤد علیہ السلام نظام سلطنت کا معائنہ کرنے کے لئے ہیئت تبدیل کرکے نکلا کرتے تھے اور منجملہ تفتیش احوال کے لوگوں سے داؤد کے بارے میں پوچھتے کہ داؤد کیسے ہیں؟ لوگ تعریف کرتے۔ ایک مرتبہ فرشتہ انسانی شکل میں نمودار ہوا۔ انہوں نے اس سے دریافت کیا کہ داؤد کیسے ہیں؟ فرشتہ بولا کہ ان میں ایک بات اگر نہ ہوتی تو بڑے اچھے تھے۔ پوچھا کیا بات ہے؟ کہا کہ اپنا روزینہ بیت المال سے لیتے ہیں۔ اگر وہ کسی دستکاری سے اور اپنی محنت سے روزی کماتے تو کیا اچھا ہوتا۔ چنانچہ انہوں نے اللہ سے دعا کی۔ جس کے نتیجہ میں انہوں نے زرہ سازی شروع کردی۔ اور اس صنعت کو اتنے عروج پر پہنچادیا کہ ان کے ہاتھ کی بنی ہوئی زرہیں چار چار، چھ چھ ہزار میں بکتیں، جن میں سے دو ہزار اپنے عیال پر اور باقی روپے فقراء پر صرف کرتے۔

اسی طرح سدیؒ سے منقول ہے کہ ایک فرشتہ حضرت سلیمانؑ کے ہمراہ رہتا۔ جس کے ہاتھ میں آگ کا کوڑا ہوتا جو جن سرتابی کرتا اس کے ہنٹر لگتا اور وہ بھسم ہوجاتا۔ اسی طرح تماثیل کے ذیل میں روایت ہے کہ ان کی کرسی کے نیچے دو شیر اور ان پر دو گدھ بنے ہوئے تھے۔ جب وہ کرسی پر چڑھنا چاہتے تھے تو شیر بازو پھیلا دیتے تاکہ وہ بآسانی ان پر پاؤں رکھ کر چڑھ سکیں اور گدھ بازوؤں سے ان پر سایہ کرلیتے۔

علی ہذا روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے فسطاط موسیٰ علیہ السلام پر بیت المقدس کی بنیاد رکھی اور تعمیر شروع کردی۔ لیکن تکمیل سے پہلے ان کی وفات ہوگئی اور حضرت سلیمانؑ کو تکمیل کی وصیت کی۔ چنانچہ انہوں نے جنوں کو بیگار پر لگا کر ان سے تعمیر کا کام لیا اور خود بہ نفس نفیس تعمیر کی نگرانی ایک شیش محل میں رہ کر کیا کرتے۔ ایک روز عصا کے سہارے کھڑے اسی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ وفات کا وہ واقعہ پیش آیا جو آیت میں مذکور ہے۔

ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ جب وہ اپنے مصلے پر ہوتے تو ان کے سامنے کوئی درخت نمودار ہوجاتا وہ اس سے پوچھتے تو کس کام کے لئے۔ اگر وہ دوا کا درخت ہوتا تو اپنی بیاض میں لکھ لیتے اور بونے کا ہوتا تو اس کو نصب کرادیتے۔ اسی طرح ایک درخت سامنے آیا۔ اس کا نام پوچھا تو خرنوب بتلایا۔ پھر اس کی غرض پوچھی۔ تو اس نے جواب دیا۔ ''لخراب ھذا البیت'' یہی درخت ہوگا جس کی لکڑی پر ٹیک لگائے ان کی وفات ہوگی۔

﴿تشریح﴾: ...... لحن داؤدی سے سب چیزیں متاثر ہو کر وقف تسبیح ہوجاتیں: ...... پچھلی آیت میں عبد منیب کا لفظ آیا ہے۔ جس میں اللہ کی طرف رجوع ہونے والے نیک بندوں کی اجمالاً تعریف تھی۔ اب آیت ولقد اٰتینا داؤد الخ میں اس کی تائید کرتے ہوئے مثال کے طور پر تفصیل کے درجہ میں حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کا ذکر کیا جارہا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ نے غیر معمولی خوش الحانی عطا فرمائی تھی۔ لحن داؤدی مشہور ہے۔ پہاڑوں میں جب وہ یاد الٰہی میں مشغول ہوتے اور اپنی سریلی آواز میں زبور پڑھتے، وقف تسبیح وتہلیل ہوتے تو اس کی معجزانہ تاثیر سے ہر چیز متاثر ہو کر شریک تسبیح ہوجاتی۔ حتیٰ کہ پہاڑ و پرند

تک اسی سوز میں ڈوب کران کے ساتھ تسبیح پڑھنے لگتے۔

اسی اعجاز کے ساتھ ایک دوسرا معجزہ انہیں یہ عنایت ہوا کہ لوہا ان کے لئے موم بنا دیا گیا تھا۔ اکل حلال اور محنت کی روزی کے لئے زرہ سازی کی ماہرانہ صنعت انہیں الہام فرمائی گئی۔ حالانکہ وہ بادشاہ وقت تھے۔ انہیں کسی بات کی کمی نہ تھی۔ مگر دستکاری اور اپنے ہاتھ کی کمائی میں جو لطف اور قوت و برکت ہے وہ اور طریقہ میں کہاں؟ ترزقی تحت رمحی ارشاد نبوی ہے۔ اور فرمایا کہ معاش سے بے فکر ہو کر وقت عزیز کا ایک بڑا حصہ یاد الٰہی اور اعمال صالحہ میں گزار دو۔ کہ نبوت وسلطنت جیسی نعمتوں کا تقاضا اصلی یہی ہے۔

لائق باپ کا لائق بیٹا جانشین بنا:۔ ایسے لائق باپ کے بعد ان کے لائق بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام تخت نشین ہوئے اور ان کی گدی سنبھالی تو اللہ نے انہیں اور چار چاند لگا دیئے۔ انہوں نے اللہ کی راہ میں اگر شاہی خاصہ کے گھوڑے قربان کر دیئے تو اللہ نے انہیں وہ تخت سلیمانی عطا کیا جو مسخر ہواؤں کے دوش پر انہیں سوار کر کے ان کی حدود سلطنت میں سیاحی کراتے۔ اس قدرتی سواری کے آگے کل پرزوں اور مشینری سے چلنے والے ہوائی جہاز اور راکٹ، انسانی صنعت وکمال کا شاہکار کیا حیثیت رکھتا ہے اور پھر یمن کی طرف تانبے کا بہتا ہوا چشمہ انہیں مرحمت فرما دیا۔ تاکہ بغیر آلات اس سے مصنوعات تیار ہوسکیں اور جنات کو مسخر فرما دیا۔ جس سے انہوں نے عظیم کارنامے انجام دلائے۔ غیر جاندار چیزوں کی مورتیں بنواتے اور جاندار چیزوں کی مورتیاں اور مجسمے بھی ہوں۔ تو ان کی شریعت میں اس کی اجازت تھی اور جنات سارے مسخر ہوں یا بعض۔ مگر ظاہر ہے کہ بیگار بعض ہی سے لی جاتی تھی۔ جیسا کہ من تبعیضیہ سے مفہوم معلوم ہو رہا ہے۔ حضرت سلیمانؑ کو بھی حضرت داؤدؑ کی طرح مع اہل وعیال کے شکر نعمت بجالانے کا حکم ہوا۔ کیونکہ حسی غیر حسی طریقہ پر وہ بھی ان انعامات میں شریک تھے۔ کم سے کم یہی کہ ان کا انتساب ایسی بزرگ ہستیوں کی طرف تھا۔ جن پر سرتاسر اللہ کے انعامات تھے۔

حضرت داؤدؑ کی بہترین شکر گزاری:۔ چنانچہ اسی حکم کے امتثال میں حضرت داؤدؑ نے سارے خاندان کے اوقات تقسیم فرما دیئے تھے۔ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں کوئی وقت ایسا نہ تھا جب کوئی نہ کوئی ان کے گھرانہ میں عبادت الٰہی میں مشغول نہ رہتا ہو۔

حضرت داؤد علیہ اسلام کے واقعہ زرہ سازی میں خرق عادت کا اثبات اور دستکاری سے کمانے کی فضیلت اور ہر کام میں اعتدال، انتظام وتناسب کی رعایت حتیٰ کہ دنیاوی اور حسی امور میں بھی ثابت ہو رہی ہے اور حضرت سلیمان علیہ اسلام تانبے کے سیال اور رقیق چشمے سے بلا آلات وہ وہ صنعتیں سرانجام دیتے تھے جن کی نظیر آج سائنسی دنیا بھی پیش نہیں کر سکتی۔ گرم اور رقیق تانبے کے یہ چشمے ان پر منکشف کر دیئے گئے تھے۔

روشن خیالوں کا گروہ:۔ لیکن آج کی طرح پہلے بھی فرقہ باطنیہ کے کچھ ''روشن خیال'' ایسے تھے جو پہاڑوں اور پرندوں کی زبانی تسبیح کی بجائے حالی تسبیح اور ہوا کی تسخیر سے مشینری کے ذریعہ ہوائی اور فضائی سفر، اسی طرح جنات سے قد آور دیو ہیکل انسان مراد لیتے رہے ہیں۔ لیکن ان تاویلات کی تمام تر بنیاد دراصل خرق عادت کے انکار پر ہے۔ جس کی تردید صاحب بحر نے ان الفاظ میں کر دی ہے۔ **ولبعض الباطنية او من يشبههم تحريف في هذه الحمل وهذا تاويل فاسدو خروج بالحملة عما يقوله اهل التفسير في الاية** امام رازیؒ رقم طراز ہیں۔ **وهذا كذها فاسد** اسی طرح تمثال کے لفظ سے سند پکڑ کر بعض نے جو تصویر سازی کا جواز نکالا ہے۔ بحر میں ہے۔ **وحكي في الهداية ان قوماً اجاروا التصوير** لیکن اس کو نقل کرتے ہوئے تردید فرمائی۔ کہ مجھے کسی عالم ربانی کا علم نہیں۔ جس نے تصویر کو جائز رکھا ہو۔ **و ما احفظ من ائمة العلم من تجوزة.** صاحب روحؒ

المعانی نے اس کی تائید فرمائی ہے۔ فلا یلتفت الیٰ هذا القول و لا یصح الا حتجاج .

ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ جسمے انبیاء، ملائکہ اور صالحین کے تھے۔ جن میں حضرت سلیمانؑ کی دعا سے جان پڑ گئی تھی۔ لیکن صاحب روح نے یہ کہہ کر اس کی تردید فرمادی ہے۔ هذا عجب العجاب و لا ینبغی اعتقاد صحته وما هو الا حدیث خرافة.

ہیکل سلیمانی عمارتیں شاہکار تھیں: ...... حضرت سلیمان علیہ السلام نے عبادت گاہیں، مسجدیں مقبرے ایسے ایسے تعمیر کرائے کہ آج بھی لوگ ان نشانیوں کو دیکھ دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ بالخصوص بیت المقدس کی یادگار تعمیر ان کا انوکھا کارنامہ ہے۔ جنات کے ہاتھوں اسی کی تجدید فرمارہے تھے۔ کہ آپ کو اپنی وفات کے آ پہنچنے کا علم ہوا تو جنات کو نقشہ کے مطابق ہدایت دے کر ایک ''شیش کمرہ'' میں دروازہ بند کر کے اس شان سے مصروف عبادت ہو گئے۔ کہ عصا پر دونوں ہاتھ اور ہاتھوں پر ٹھوڑی رکھے ہوئے کرسی پر تشریف فرما ہیں اور آنکھیں کھلی ہوئی کہ گویا مشغول نگرانی ہیں۔ اسی حالت میں آپ کی روح قبض ہو گئی۔ مگر عرصہ تک کسی کو احساس نہ ہو سکا اور نعش لکڑی کے سہارے بدستور رہی۔ حتیٰ کہ تعمیر مکمل ہو گئی اور گھن نے لکڑی کو چاٹ کھایا اور جب سہارا نہ رہا تو نعش گر پڑی۔ تب لوگوں کو وفات کا پتہ چلا۔

دنیاوی مصلحت تو اس خارق عادت طریقہ میں بیت المقدس کی تعمیر کا مکمل ہو جانا تھا اور دینی مصلحت یہ تھی کہ کسی مخلوق کے لئے علم غیب کے اعتقاد کی غلطی واضح ہو جائے۔ گو جنات تو پہلے ہی جانتے تھے۔ مگر یہاں یہ ظاہر کرنا تھا کہ دل میں اگرچہ جانتے ہو لیکن دوسروں سے چھپاتے ہو اور انہیں بہکاتے ہو۔ اس لئے آج بھانڈا پھوٹنے کے بعد اس کا موقعہ نہیں۔ سب نے کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا اور یہ بھی ظاہر ہو گیا۔ کہ تسخیر جنات حضرت سلیمانؑ کا ذاتی کمال نہ تھا بلکہ فضل ربانی تھا کہ موت کے بعد بھی غش سے یہ تسخیر وابستہ رہی اور بتلا دیا کہ پیغمبروں کے اٹھائے ہوئے کاموں کو اللہ کس طرح جاری اور کس تدبیر سے پورا کرتے ہیں۔ نیز یہ کہ ہوا میں اڑ کر اور جنات اور جانوروں پر بھی حکومت قائم کر کے حضرت سلیمان علیہ اسلام موت سے نہ بچ سکے۔ تو کسی دوسرے بندے بشر کا کیا ذکر۔ امام رازیؒ لکھتے ہیں۔ تنبیهاً للخلق علی ان الموت لا بد منه و لو نجا منه لکان سلیمان اولی بالنجاة منه .

شکر گزار بندوں کے بعد ناسپاس قوم کا ذکر: ...... یہاں تک تو دو منیب (شکر گزار) بندوں کا ذکر تھا۔ آگے ایک تعرض (ناسپاس) قوم سبا کا ذکر ہے۔ تاکہ آنحضرت ﷺ کے موافقین اور مخالفین کے سامنے یہ دونوں رخ آجائیں۔ اور قوم سبا کی تخصیص اس لئے ہے کہ اہل مکہ اس واقعہ کی شہرت کی وجہ سے زیادہ متاثر ہو سکتے تھے اور وہی قرآن کے اولین مخاطب ہیں۔ پھر دوسروں کے بالواسطہ متاثر ہونے کا موقعہ بھی مل سکتا ہے۔

سبا دراصل ایک شخص کا نام تھا۔ بعد میں ان کے خاندان اور قوم کا نام پڑ گیا۔ اس عظیم خاندان کی بہت سی شاخیں یمن کے مشہور شہر ''مارب'' (بروزن منزل) میں رہتی تھیں۔ جن میں بڑے بڑے دولت مند اور صاحب عیش لوگ تھے۔ جو خوش حالی اور فارغ البالی کی آخری منزلوں کو چھو رہے تھے۔ یہ قوم یمن کی ذی اقتدار اور صاحب سلطنت قوم تھی۔ جو صدیوں تک بڑے جاہ وجلال سے ملک پر حکومت کرتی رہی۔ ان میں خدا پرست بھی ہوئے اور بت پرست بھی۔ انہی میں ملکہ بلقیس بھی تھی۔ دربار سلیمانی میں جس کی حاضری کا واقعہ سورہ نمل میں گزر چکا ہے۔ یہاں شاید سلیمانؑ کے بعد سبا کا ذکر اس مناسبت سے بھی ہوا ہو۔

قوم سبا کی داستان عروج وترقی: ...... بہر حال سبا کی اقتصادی اور تمدنی کیفیت کا ادنیٰ حال یہ تھا کہ دائیں بائیں باغات کے دو طویل سلسلے میلوں تک چلے گئے تھے۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ ان باغوں کی وسعت ۳۰۰ مربع میل تک پھیلی ہوئی تھی

اور یہ سارا رقبہ خوبصورت وخوشبودار درختوں اور طرح طرح کے لذیذ میووں اور پھلوں سے بھرا پڑا تھا۔ دارچینی اور چھواروں کے نہایت بلند درختوں کے گنجان جنگل تھے۔ سلسلہ عمارت میں ایک قابل دید چیز پانی کا ڈیم اور بند بھی تھا۔ جسے عرب سد اور اہل یمن عرم کہتے تھے۔ عرب میں چونکہ کوئی دریا نہیں تھا جو ہمیشہ رواں رہتا ہو پہاڑوں سے بہہ کر پانی ریگستانوں میں جا کر خشک اور ضائع ہو جاتا اور زراعتی کام میں نہ آتا۔ اس لئے سبا نے پہاڑوں اور وادیوں کے درمیان مختلف مناسب موقعوں پر بڑے بڑے بند باندھ دیئے۔ کہ پانی کا خزانہ محفوظ رہے۔ جو بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت کارآمد ہوسکے۔ اس طرح سینکڑوں بند تیار ہوگئے۔ جن میں سب سے زیادہ مشہور تاریکی بند "مآرب" تھا۔ جو سبا کے دارالسلطنت مآرب میں واقع تھا۔ یہ موجودہ شہر صنعا سے کوئی ٦ میل جانب مشرق میں اور سطح سمندر سے کوئی ۳۹۰۰ فٹ بلند اور کئی میل لمبا چوڑا بند انجینئروں کی اعلیٰ فنکاری کا نمونہ تھا اور بعض نے مآرب کے جانب جنوب میں دائیں بائیں دو پہاڑوں کے درمیان جن کا نام کوہ ابلق ہے تقریباً ۸۰۰ قبل مسیح میں یہ بند باندھا۔ جس کی لمبائی ڈیڑھ سو فٹ اور چوڑائی پچاس فٹ تھی۔

شہر کی آب وہوا نہایت صاف ستھری اور صحت افزا تھی اور دور تک پاس پاس شہروں کا سلسلہ قائم ہوگیا جس سے مسافروں کو آرام وسہولت اور امن واطمینان کے ساتھ سفر ممکن ہوگیا۔ سبا کی دولت وثروت کی بنیاد صرف تجارت تھی۔ جو کسی ملک کے دولت مند ہونے کا بڑا ذریعہ ہے۔ یمن ایک طرف سواحل ہند کے مقابل واقع ہے اور دوسری طرف سواحل افریقہ کے۔ سونا، بیش قیمت پتھر، مسالہ، خوشبوئیں، ہاتھی دانت یہ چیزیں ہند اور حبشہ سے یمن آکر اترتی تھیں وہاں سے اونٹوں پر لاد کر بحر احمر کے کنارے خشکی کے راستہ حجاز سے گزر کر شام ومصر لائی جاتیں۔ ان تجارتی کاروانوں کی آمد ورفت کے سبب یمن سے شام تک آبادیوں کی ایک قطار قائم تھی۔ جہاں بے خوف وخطر سفر ہوسکتا تھا۔ یہ راستے مامون تھے۔ سڑک کے کنارے کنارے دیہات کا سلسلہ ایسے انداز اور تناسب سے چلا گیا تھا کہ مسافر کو ہر منزل پر کھانا پانی اور آرام کا ٹھکانہ ملتا تھا، نہ مسافر کا جی گھبراتا تھا اور نہ چوروں ڈاکوؤں کا کھٹکا تھا۔

قوم سبا کا تنزل وزوال: لیکن لوگوں نے ان نعمتوں کی قدردانی نہ کی اور اللہ کی اطاعت وشکر گزاری کی بجائے کفران نعمت اور حکم عدولی کی آرام وعیش میں مستی آنے لگی تھی۔ اور جیسے بنی اسرائیل نے من وسلویٰ سے اکتا کر لہسن وپیاز مانگی تھی۔ اسی طرح انہوں نے زبان حال یا قال سے کہا کہ اس طرح سفر کا لطف نہیں آتا۔ منزلیں دور دور ہوں اور آبادیاں آس پاس نہ ملیں، راستہ میں بھوک پیاس ستائے۔ جیسا دوسرے ملکوں کا حال سنتے ہیں تب سفر کا مزہ ہے۔ جس پر قدرتی انتقامی مشینری حرکت میں آگئی ۵۴۲ء ظہور اسلام سے کچھ پہلے ایک کاہن کی پیشگوئی کے مطابق یہ عظیم الشان بند ٹوٹا۔ جس کا ذریعہ ایک چھچھوندر بن گئی۔ اس نے بند میں سوراخ کردیا۔ جو بڑھتے بڑھتے ساری آبادی اور باغات کو لے ڈوبا۔ اس تباہ کاری کے آثار ونشان صدیوں تک رہے۔ اکثر حصہ تو اب اس کا کھنڈر بن چکا ہے۔ تاہم ایک تہائی حصہ باقی بتلایا جاتا ہے۔ اس پر جابجا کتبات لگے ہوئے ہیں۔

پانی خشک ہو جانے کے بعد ان باغات کی جگہ جھڑ جھنکار ہوگئے۔ انگوروں، چھواروں کی جگہ پیلو کے درختوں، جھاؤ کے جھاڑوں، کڑوے کسیلوں، بدمزہ پھل والے درختوں نے لے لی۔ یہ تباہی دیکھ کر بہت سے قبائل ازدعمان، ازسراۃ، کندہ، مذحج، اشعریین، انمار، بجیلہ، عاملہ، غسان، خثعم، جذام، قعنہ، خزاعہ، آل جفنہ، شعبہ عفان، اوس، خزرج، آل مالک بن فہم، آل عمرو، آل جزیمہ، ابرش، اہل حیرہ، آل محرق، یہ سب عمان، سراۃ، مدینہ، تہامہ، مکہ، شام، اجاء، سمی، اور عراق میں پھیل گئے اور آباد ہوگئے۔ حتیٰ کہ عربی "ضرب المثل" (کہاوت) ہوگئی تفرقوا ایدی سبا یعنی افراد قوم سبا تتر بتر ہوگئے۔ اب ان کی کہانیاں رہ گئیں کہ لوگ سن کر عبرت پکڑیں۔ ان کا عظیم الشان تمدن اور شان وشوکت سب خاک میں مل گئی۔ یونانیوں اور رومیوں نے مصر وشام پر قبضہ پا کر ہندوستان اور افریقہ کی

تجارت کو خشکی کے راستہ سے بحری راستہ کی طرف منتقل کر دیا اور تمام مال کشتیوں کے ذریعہ بحر احمر کی راہ مصر وشام کے سواحل پر اترنے لگا۔ جس سے اس علاقہ میں خاک اڑنے لگی اور سبا تباہ ہو گیا۔

ناز ونعم میں اخلاقی قدریں گر جایا کرتی ہیں: ...... یہ واقعہ سیل عرم حضرت عیسیٰؑ سے پہلے کا ہے۔ اگر چہ بعض روایت میں تیرہ انبیاءؑ کا اس قوم کی طرف تشریف لانا بتلایا گیا ہے۔ تاہم وہ حضرت عیسیٰؑ سے پہلے آئے ہوں گے۔ محققین آثار قدیمہ کو "ابرہتہ الاشرم" کے زمانہ کا ایک بہت بڑا کتبہ "سد عرم" کی بقیہ دیوار پر ملا ہے۔ اس میں بھی اس بند کے ٹوٹنے کا ذکر ہے۔ مگر غالباً یہ واقعہ واقعۂ قرآنی کے بعد ہوا ہوگا۔

شیطان کا گمان سچ نکلا: ...... بہر حال اس پوری تاریخ میں دانشمندوں کے لئے کیا کچھ عبرت کا سامان نہیں کہ انہیں عیش و عشرت میں کیسے رہنا چاہئے اور تکلیف ومصیبت میں کیسے؟ اور یہ کہ شیطان کا یہ کام نہیں کہ کسی کو لاٹھی لے کر زبردستی راہ حق سے ہٹا دے۔ ہاں بہلا پھسلا کر گمراہ کرنا اس کا وطیرہ رہا ہے۔ اس نے پہلے سے اندازہ کر لیا تھا کہ میرے لئے سب والوں میں کافی مال مسالہ موجود ہے۔ چنانچہ اس کا یہ گمان ٹھیک نکلا۔ ان لوگوں نے اس کے خیال کو سچ کر دکھایا۔ اور اللہ کی حکمت ومصلحت کا تقاضا بھی یہی رہا ہے کہ ہدایت وغفلت کی دونوں راہیں اس نے کھلی رکھیں۔ کسی کو کسی کام پر مجبور نہیں کیا گیا۔ اس نے اختیار اور آزادی دے رکھی ہے۔ تا کہ آزمائش کا مقصد پورا ہو سکے۔

لطائف سلوک: ...... والنا له الحديد الخ اس سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک خوارق کا اثبات دوسرے دستکاری اور کسب کی فضیلت، تیسرے اعتدال انتظام وسہولت کی رعایت دنیاوی اور حسی چیزوں میں بھی کرنی چاہئے۔

من يعمل بين يديه الخ جنات کی تسخیر اگر محض منجانب اللہ بغیر کسی عمل وغیرہ کے ہے تو یہ عبدیت کے منافی نہیں ہے۔

قصينا عليه الموت الخ میں اشارہ ہے کہ کبھی قوی کو بھی ضعیف سے بعض علوم حاصل ہو سکتے ہیں۔

فاعرضوا فارسلنا الخ سے معلوم ہوا کہ طاعت ومعصیت کو بھی دنیاوی نعمتوں کے حصول اور زوال میں دخل ہے چنانچہ اگلی آیت ذالک جزينا هم بما كفروا میں اس کی تصریح بھی ہے۔

قُلِ يَامُحَمَّدُ لِكُفَّارِ مَكَّةَ **ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ** اَيْ زَعَمْتُمُوهُمْ الِهَةً **مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَيْ غَيْرِهِ لِيَنْفَعُوكُمْ بِزَعْمِكُمْ قَالَ تَعَالَى فِيهِمْ **لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ** وَزْنَ **ذَرَّةٍ** مِنْ خَيْرٍ اَوْ شَرٍّ **فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ** شَرِكَةٍ **وَّمَا لَهٗ** تَعَالَى **مِنْهُمْ** مِنَ الْاٰلِهَةِ **مِّنْ ظَهِيرٍ** ﴿۲۲﴾ مُعِينٍ **وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗ** تَعَالَى رَدٌّ لِقَوْلِهِمْ اِنَّ الِهَتَهُمْ تَشْفَعُ عِنْدَهٗ **اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ** بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ وَضَمِّهَا **لَهٗ** فِيهَا **حَتّٰى اِذَا فُزِّعَ** بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَلِلْمَفْعُولِ **عَنْ قُلُوْبِهِمْ** كُشِفَ عَنْهَا الْفَزَعُ بِالْاِذْنِ فِيهَا **قَالُوْا** قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اِسْتِبْشَارًا **مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ** فِيهَا **قَالُوا** الْقَوْلَ **الْحَقَّ** اَيْ قَدْ اَذِنَ فِيهَا **وَهُوَ الْعَلِيُّ**

فَوقَ خَلقِهٖ بِالقَهرِ **الْكَبِيْرُ**﴿۲۳﴾ العَظِيمِ **قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ** المَطَرِ **وَالْاَرْضِ** النَّبَاتِ **قُلِ اللّٰهُ** اِن لَم يَقُولُوهُ لَاجَوَابَ غَيرُهٗ **وَاِنَّآ اَوْاِيَّاكُمْ** اَی اَحَدِ الفَرِيقَينِ **لَعَلٰى هُدًى اَوْفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ**﴿۲۴﴾ بَيِّنٍ فِی الاِبهَامِ تَلَطُّفٌ بِهِم دَاعٍ اِلَی الاِيمَانِ اِذَا وُفِّقُوا لَهٗ **قُلْ لَّاتُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا** اَذنَبنَا **وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ**﴿۲۵﴾ لِاَنَّا بَرِيئُونَ مِنكُم **قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَارَبُّنَا** يَومَ القِيَامَةِ **ثُمَّ يَفْتَحُ** يَحكُمُ **بَيْنَنَا بِالْحَقِّ** فَيُدخِلُ المُحِقِّينَ الجَنَّةَ وَالمُبطِلِينَ النَّارَ **وَهُوَ الْفَتَّاحُ** الحَاكِمُ **الْعَلِيْمُ**﴿۲۶﴾ بِمَا يَحكُمُ بِهٖ **قُلْ اَرُوْنِيَ** اَعلِمُونِيَ **الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ** فِی العِبَادَةِ **كَلَّا** رَدعٌ لَهُم عَن اعتِقَادِ شَرِيكٍ لَهٗ **بَلْ هُوَاللّٰهُ الْعَزِيْزُ** الغَالِبُ عَلٰی اَمرِهٖ **الْحَكِيْمُ**﴿۲۷﴾ فِی تَدبِيرِهٖ لِخَلقِهٖ فَلَايَكُونُ لَهٗ شَرِيكٌ فِی مُلكِهٖ **وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً** حَالٌ مِنَ النَّاسِ قُدِّمَ لِلاِهتِمَامِ بِهٖ **لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا** مُبَشِّرًا لِلمُؤمِنِينَ بِالجَنَّةِ **وَّنَذِيْرًا** مُنذِرًا لِلكَافِرِينَ بِالعَذَابِ **وَّلٰـكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ** اَی كُفَّارَ مَكَّةَ **لَايَعْلَمُوْنَ**﴿۲۸﴾ ذٰلِكَ **وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ** بِالعَذَابِ **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ**﴿۲۹﴾ فِيهِ **قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّاتَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَاتَسْتَقْدِمُوْنَ**﴿۳۰﴾ عَلَيهِ وَهُوَ يَومُ القِيٰمَةِ

ع ۳ / ۹

ترجمہ:۔۔۔ آپ فرمائیے (اے محمد! کفار مکہ سے) تم پکارو تو جنہیں تم سمجھ رہے ہو (کہ وہ معبود ہیں) اللہ کے سوا (اللہ کے علاوہ کو تاکہ تمہارے گمان کے مطابق تمہیں نفع پہنچا دیں۔ ان کے بارے میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں) وہ ذرہ برابر (نفع یا نقصان کا) اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں میں کوئی شرکت (ساجھا) ہے اور نہ ہی اس اللہ کا ان (معبودوں) میں سے کوئی مددگار (معاون) ہے اور نہ اس کے دربار میں کوئی سفارش کام آتی ہے (ان کے اس قول کی تردید ہے کہ ان کے معبود اللہ کے یہاں سفارشی ہوں گے) مگر ہاں اس کے حق میں کہ اجازت دے دے (اذن فتحہ ہمزہ اور ضمہ ہمزہ کے ساتھ ہے) اللہ جس کو (سفارش کی) یہاں تک کہ گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے (یہ لفظ معروف ہے اور مجہول) ان کے دلوں سے (دور ہو جائے گھبراہٹ ان کے دلوں سے شفاعت کی اجازت سے) تو وہ پوچھتے ہیں (ایک دوسرے سے خوشخبری سننے کے لئے) تمہارے پروردگار نے کیا حکم فرمایا۔ وہ کہتے ہیں (حق بات کا) حکم فرمایا (یعنی سفارش کی اجازت دے دی ہے) اور وہ عالی شان (اپنی مخلوق پر غالب) ہے سب سے بڑا (زبردست) ہے۔ آپ پوچھئے تم کو آسمان میں (بارش) اور زمین میں (پیداوار) کون دیتا ہے؟ آپ کہئے کہ اللہ! (اگر یہ لوگ خود جواب نہ دیں۔ کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی جواب ہے ہی نہیں) اور بلاشبہ ہم یا تم (دونوں فریقوں میں سے ایک) یقیناً راہ راست پر ہیں اور یا صریح گمراہی پر (جو کھلی ہوئی ہو اور مبہم بیان کرنے میں ان کو دعوت ایمان دینے کے لئے نرمی کا پہلو اختیار کرنا ہے اگر انہیں توفیق ایمان ہو) آپ فرما دیجئے نہ تم سے ہمارے جرائم (گناہوں) کی باز پرس ہوگی اور نہ ہم سے تمہارے اعمال کے بارے میں سوال ہوگا (کیونکہ ہم تمہاری ذمہ داری سے سبکدوش ہیں) آپ فرما دیجئے کہ ہمارا پروردگار (قیامت میں) ہم سب کو جمع کرے گا۔ پھر ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ (حکم) فرمائے گا (چنانچہ حق پرست جنت میں اور باطل پرست جہنم میں داخل کر دیئے جائیں گے) اور وہ بڑا فیصلہ کرنے والا (حاکم) بڑا جاننے والا (فیصلہ کا) ہے۔ آپ کہئے کہ ذرا مجھ کو دکھلاؤ (بتلاؤ) تو سہی جن کو تم نے خد

کے ساتھ (عبادت میں) شریک بنا کر رکھا ہے، ہرگز نہیں (شرکیہ اعتقاد پر نہیں ڈانٹ ڈپٹ ہے) بلکہ وہی اللہ زبردست ہے (اپنے کام پر غالب) حکمت والا ہے (مخلوق کی تدبیر کرنے میں۔ لہٰذا اس کے ملک میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے) اور ہم نے تو آپ کو سارے ہی (کافۃ الناس سے حال ہے اہتمام کے لئے مقدم کر دیا گیا ہے) انسانوں کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ خوشخبری دینے والے (مومنین کو جنت کی بشارت سنانے والے) ڈرانے والے (کفار کو عذاب سے ڈرانے والے) لیکن اکثر لوگ (کفار مکہ) نہیں سمجھتے ہیں (یہ بات) اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ (عذاب) کب پورا ہوگا۔ اگر تم (اس بارے میں) سچے ہو۔ آپ فرما دیجئے کہ تمہارے لئے ایک خاص دن کا وعدہ ہے کہ نہ اس سے ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو (وہ قیامت کا دن ہے)۔

تحقیق وترکیب:

.........ادعوا. امر توبیخی ہے۔

فی السموت. کل عالم مراد ہے۔

لا تنفع. یعنی غیر اللہ کی شفاعت کا وجود بھی نہیں ہوگا۔ چہ جائیکہ نافع ہو۔ لیکن چونکہ مقصود شفاعت کے موجود ہونے سے نفع ہوتا ہے۔ اس لئے صراحۃً نفع کی نفی پر اکتفاء کیا وجود کی نفی کی ضرورت نہیں سمجھی۔

لمن اذن لہ. اس میں کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ لام نفس شفاعت سے متعلق ہو جیسے کہا جاتا ہے شفعت لہ۔ دوسرے یہ کہ لام تنفع کے متعلق ہو۔ یہ دونوں صورتیں ابوالبقاء نے بیان کی ہیں۔ دوسری صورت میں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ مفعول میں لام کی زیادتی بے موقعہ ماننی پڑے گی اور یا تنفع کے مفعول کو حذف کرنا پڑے گا۔ حالانکہ یہاں دونوں باتیں خلاف اصل ہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ شفاعت کے مفعول مقدر سے اس کو استثناء مفرغ مانا جائے۔ ای لا تنفع الشفاعۃ لا حد الا لمن اذن لہ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ مستثنیٰ منہ مقدر، مشفوع نہ ہو اور ظاہر بھی یہی ہے۔ البتہ اس میں شافع کا ذکر صراحۃً نہیں۔ صرف فحوائے کلام سے سمجھ میں آرہا ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ لا تنفع الشفاعۃ لا حد من المشفوع لھم الا لمن اذن تعالی للشفعین ایشفعوا فیہ اور یہ ہو سکتا ہے کہ شافع اور مشفوع لہ دونوں مذکور نہ ہوں اور تقدیر عبارت یوں ہو۔ لا تنفع الشفاعۃ من احد الا الشافع اذن لہ ان یشفع پس اس طرح لہ میں لام تبلیغ کہلائے گا نہ کہ لام علت۔

بالاذن فیھا. فیہا کی ضمیر شفاعت کی طرف راجع ہے اور قلوبہم کی ضمیر شافعین اور مشفوع بہم کی طرف راجع ہوگی۔ یعنی اجازت اذن کے الفاظ سے سنتے ہی گھبراہٹ دور ہو جائے گی۔ یہ تفسیر تو متاخرین کے طرز پر ہے۔ لیکن متقدمین کی رائے یہ ہے کہ وحی الٰہی سنتے ہی فرشتے ہیبت سے کانپ جائیں گے اور مدہوش ہو جائیں گے۔ لیکن جب افاقہ ہوگا تو پھر ایک دوسرے سے یہ سوال کریں گے۔ اس صورت میں قلوبھم کی ضمیر ملائکہ کی طرف راجع ہوگی۔

قل من یرزقکم. یہ سوال تبکیت ہے۔ مشرکین کو چپ کرانے کے لئے کیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ کا خالق ورازق ہونا اور ان کے معبودوں کا ذرہ برابر بھی مالک نہ ہونا خود ان کے مسلمات میں سے تھا۔ لیکن الزام سے بچنے کے لئے ممکن ہے جواب میں مصنوعی ہکلاہٹ اور ہچکچاہٹ کا اظہار کریں تو ارشاد فرمایا۔ قل اللہ لعلی ھدی مومنین کے ساتھ علی لگران کے استعلا کی طرف اشارہ ہے کہ جیسے بلند جگہ پر بیٹھنے والا نیچے کی چیزوں سے واقف یا سواری پر سوار ہو کر قابو یافتہ ہوتا ہے۔ یہی حال مومنین کا ہے اور اہل ضلال کے ساتھ فی لاکر گمراہی میں ان کے ڈوبنے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

عما اجرمنا اپنی طرف جرم کی نسبت اور مخالفین کی جانب صرف عمل کی نسبت یہ بھی تلطفاً ہے۔ اس طرح مخاطب پر نعمت اثر انداز ہو جاتی ہے۔

ارونی ۔ اس میں دوترکیبیں ہوسکتی ہیں۔ایک یہ۔رویت علمیہ باب افعال میں سے پہلے ہی متعدی بدو مفعول ہو ہمزہ تعدیہ داخل کرنے کے بعد متعدی بسہ مفعول ہوگیا۔ پہلا مفعول یائے متکلم اور دوسرا مفعول الذین اور تیسرا مفعول شرکاء ہو اور عائد موصول محذوف ہو ای الحقتمو ھم ۔دوسری ترکیب یہ ہے کہ پہلے رویت بصریہ متعدی بیک مفعول ہو۔اور باب افعال میں بجائے دو مفعول ہوجائیں۔ایک یائے متکلم دوسرا الذین اور شرکا منصوب علی الحال ہو اور موصول کا عائد ہو۔ ای بصرونی الملحقین به حال کونهم شرکاء له کفار پر الزام حجت کے بعد استفسار سے مقصود زیادتی تبکیت ہے۔

کافة کف سے ماخوذ ہے عموم کے بعد چونکہ عام چیز کافی ہوجاتی ہے اس لئے جمیع کے معنی آتے ہیں۔زجاجؒ کہتے ہیں کہ کاف کے معنی لغت میں احاطہ کے ہیں۔ترکیب میں کافۃ حال ہورہا ہے مفعول کا۔اس میں تا روایۃ اور علامۃ کی طرح مبالغہ کے لئے ہے۔لیکن مفسر علامؒ للناس سے حال مقدم فرمارہے ہیں۔دراصل نحاۃ کا اس میں اختلاف ہے کہ حال مجرور بحرف یا مجرور بالاضافۃ مقدم ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بہت سے جواز کے قائل ہیں۔ابن مالکؒ، ابوحیانؒ، رضیؒ آیت میں اسی کو ترجیح دیتے ہیں اور بہت سے ناجائز کہتے ہیں۔یہاں ایک شبہ ہے وہ یہ کہ الا کے ماقبل کا عمل مابعد میں لازم آرہا ہے سبب کہ مابعد نہ مستثنیٰ ہے نہ مستثنیٰ منہ اور نہ تابع۔ حالانکہ یہ جائز نہیں ہے جواب یہ ہے کہ یہ مستثنیٰ ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے وما ارسلنک لشئی من الا شیاء الا لتبلیغ الناس کافة وما ارسلناک للخلق مطلقاً الا للناس کافة.

یقولون. یہ بطور استہزاء اور تحریہ کے کہنا مراد ہے۔

ربط: شروع سورت میں توحید کا بیان تھا۔آیت قل ادعوا الذین سے پھر اسی مضمون کا اعادہ ہے۔نیز قوم سبا کی ناسپاسی کا ذکر ہوا تھا اور کفران نعمت سے بڑھ کر کفر اور کیا ہوسکتا ہے۔پس اب کفر کی تردید بھی مقصود ہے۔

روایات: ....حضرت ابو ہریرہؓ ارشاد نبوی نقل کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ جب کوئی فیصلہ صادر کرتے ہیں تو فرشتے اپنے بازو تسلیم و انقیاد کے لئے جھکا دیا کرتے ہیں اور پھر جب انہیں اس حالت سے افاقہ ہوتا ہے تو آپس میں پوچھتے ہیں۔ماذا قال ربکم؟ دوسرے فرشتے جواب دیتے ہیں "الحق" یعنی فرمان خداوندی برحق ہے۔صحیح روایات کی وجہ سے یہی تفسیر احسن ہے۔اسی سے فرشتوں کا شفاعت کا اہل ہونا معلوم ہوتا ہے۔

﴿تشریح﴾: ردِ شرک ودعوت توحید: آیت قل ادعوا الذین میں یہ بتلا دیا کہ ایجاد عالم سے لے کر روزانہ کے تصرفات تک کسی چیز میں بھی ذرہ برابر لوگوں کے خیالی معبودوں کو اختیار نہیں ہے۔شرک کی جتنی قسمیں بھی عام طور پر پھیلی ہوئی ہیں، سب کی تردید آیت میں آگئی۔مشرکین کو خطاب ہے کہ اللہ کے سوا جن چیزوں پر تم کو خدائی گمان ہے، ذرا کسی آڑے وقت میں ان کو پکارو تو سہی۔دیکھیں وہ کیا کام آسکتے ہیں؟ وہ خود تو کسی کے کام کیا کرتے، اللہ تعالیٰ سے کچھ سفارش کرکے کام کرانے کی بھی مجال نہیں رکھتے۔جمادات میں تو خیر کیا اہلیت ہوتی۔شیاطین بھی جو اللہ کے یہاں اپنی مقبولیت کھو چکے ہیں، زبان ہلانے کی مجال نہیں۔حتیٰ کہ فرشتوں جیسی مقبول مخلوق بھی بلا اجازت مجال دم زدن نہیں رکھتی۔فرشتوں کا حال سمع وطاعت میں تو یہاں تک ہے کہ حکم الٰہی کے آثار نزول دیکھتے ہی گھبرا اٹھتے ہیں اور تھرتھراتے ہوئے محو تسبیح اور وقف سجود ہوجاتے ہیں۔ان کے مجمع میں ہلچل سی مچ جاتی ہے اور غایت احتیاط کی وجہ سے اپنے حفظ وفہم پر اعتماد نہ کرتے ہوئے گھبرا گھبرا کر ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں اور پھر ایک دوسرے کی تسکین وتقویت کے لئے کہہ اٹھتے ہیں کہ جو ارشاد ہوا برحق ہے۔جس مخلوق کی یہ حالت ہو وہ ابتداءً بلا اذن بولنے کی کیا جرأت رکھتی

ہے۔حافظ ابن حجرؒ نے اس تفسیر کے علاوہ دوسری تفسیروں کو کمتر قرار دیا ہے۔

جب خالق ورازق ایک تو پھر معبود کئی کیوں؟ ۔۔ یہ تو مسئلہ شفاعت تھا، جس کی نسبت عام قومیں گمراہی میں پھنسی ہوئی ہیں۔اب شرک وتوحید جیسے بنیادی مسئلہ کو لے لیا جائے۔منکرین کے نزدیک بھی جب عالم میں روزی رساں صرف اللہ کی ذات ہے، پھر الوہیت میں اس کی یکتائی کیوں نہیں مانتے۔اس میں دوئی کہاں سے آ گئی؟ حدیث قدسی ہے۔انی والانس والجن فی نباء عظیم احلق ویعبد غیری وارزق ویشکر غیری. (طبرانی) توحیداور شرک دونوں کوصحیح ماننے کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ارتفاع نقیضین کومستلزم ہے۔پس دونوں فریقوں میں سے ایک فریق سچا اور دوسرا جھوٹا ہے۔اس لئے سوچ سمجھ کر سچی بات قبول کر لینے چاہئے۔بات کی پچ اور ضد چھوڑ دینی چاہئے۔اس میں ان لوگوں کا جواب بھی ہوگیا جو کہتے ہیں میاں ہمیشہ سے دوفرقے چلے آئے ہیں، اس لئے جھگڑا کیا ضرور ہے؟ یہاں بتلا دیا کہ یقیناً ایک خطا کار وگمراہ ہے، البتہ تعیین کے ساتھ گمراہ نہ کہنے میں حکیمانہ روش اور دعوت وقبولیت کا ایک بہترین اسلوب ہے، تاکہ مقابل ایک دم اشتعال میں نہ آ جائے، بلکہ ٹھنڈے دل سے بات سننے اور غور کرنے کے لئے آمادہ ہو جائے۔یعنی لو ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے، اتنا ضرور ہے کہ یہ یقیناً غلطی پر ہے۔لیکن دلائل میں غور کر کے خود ہی فیصلہ کرلو کہ کون غلطی پر ہے؟

ای کے ساتھ ہم میں سے ہر ایک کو اپنی عاقبت کی فکر لازمی ہے۔کوئی بھی دوسرے کی غلطی یا قصور کا ذمہ دار یا جوابدہ نہ ہوگا۔اتنی صاف اور واضح بات سننے کے بعد بھی اگر تم اپنی روش پر غور کے لئے تیار نہیں ہوتو ہمارا کام اتنا ہی تھا کہ کلمۂ حق پہنچا دیں۔اب آگے خود تمہارا کام رہ گیا ہے۔

قیامت میں اللہ کی حضور سب کی پیشی: یاد رکھو اللہ کے حضور بلا استثناء سب کی پیشی ہونی ہے اور سب کو اپنی اپنی جوابدہی کرنی ہے۔مگر اس وقت اصلاح کا موقعہ کھو چکے ہوں گے۔آخر ذرا ہم بھی تو دیکھیں وہ خدا کے کون سے ساجھی ہیں اور ان کے کیا کچھ اختیارات ہیں۔کیا یہ پتھر کی بے جان اور خود تراشیدہ مورتیاں ہیں؟ یا وہ خیالی معبود جن کی کوئی نمود و بود بھی کبھی نہیں ہوئی۔واقعہ یہ ہے کہ تمہیں اللہ اکیلے کے سوا کوئی نہیں دکھلائی دے گا۔وہی طاقت کا خزانہ اور اختیارات کا سرچشمہ ہے۔اس توحید کا درسِ عام دینے کے لئے ہی آپ کو دنیا میں بھیجا گیا ہے۔اب کوئی نہ سمجھے نہ مانے تو وہ جانے۔سمجھداروں سے اگر چہ مان لینے ہی کی امید ہے، مگر وہ دنیا میں ہیں ہی کتنے؟ ہاں قیامت اور عذاب کا مذاق اڑانے کے لئے ضرور لوگ پیش پیش رہتے ہیں۔ان سے کہہ دو گھبراؤ نہیں۔وہ وعدہ اور وہ وقت بہت قریب ہے، اس کی فکر نہ کرو، فکر اس کی تیاری کی کرو۔

لطائف سلوک: ۔۔۔۔۔۔ حتی اذا فزع عن قلوبھم. اس میں اشارہ ہے کہ کبھی ہیبت بھی سمجھنے سے مانع ہو جاتی ہے۔حتی کہ انسان کبھی معذور کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔جیسے بعض اہل حال ہو جاتے ہیں۔

انا او ایاکم اس میں مخالف مجادل کے ساتھ ملاطفت اور نرمی کا مستحسن ہونا معلوم ہوا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ اَىْ تَقَدَّمَهُ كَالتَّوْرٰةِ
وَالْاِنْجِيْلِ الدَّالَّيْنِ عَلَى الْبَعْثِ لِاِنْكَارِهِمْ لَهُ قَالَ تَعَالٰى فِيْهِمْ وَلَوْ تَرٰى يَامُحَمَّدُ اِذِ الظّٰلِمُوْنَ الْكَافِرُوْنَ
مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ۨ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا الْاَتْبَاعُ لِلَّذِيْنَ
اسْتَكْبَرُوْا الرُّؤَسَاءِ لَوْلَآ اَنْتُمْ صَدَدْتُمُوْنَا عَنِ الْاِيْمَانِ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ بِالنَّبِيِّ قَالَ الَّذِيْنَ
اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ لَا بَلْ كُنْتُمْ
مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ فِىْ اَنْفُسِكُمْ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اَىْ
مَكْرٌ فِيْهِمَا مِنْكُمْ بِنَا اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ شُرَكَاءَ وَاَسَرُّوا اَىِ الْفَرِيْقَانِ
النَّدَامَةَ عَلٰى تَرْكِ الْاِيْمَانِ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ اَىْ اَخْفَاهَا كُلٌّ عَنْ رَفِيْقِهِ مَخَافَةَ التَّعْيِيْرِ وَجَعَلْنَا
الْاَغْلٰلَ فِىْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ فِى النَّارِ هَلْ مَا يُجْزَوْنَ اِلَّا جَزَاءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾ فِى
الدُّنْيَا وَمَآ اَرْسَلْنَا فِىْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ رُؤَسَاؤُهَا الْمُتَنَعِّمُوْنَ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ
كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ مِمَّنْ اٰمَنَ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۳۵﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّىْ
يَبْسُطُ الرِّزْقَ يُوَسِّعُهُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِمْتِحَانًا وَيَقْدِرُ يُضَيِّقُهُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِبْتِلَاءً وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ اَىْ
كُفَّارُ مَكَّةَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ ع ذٰلِكَ وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِىْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى قُرْبٰى اَىْ
ع ۶ ۱۰
تَقْرِيْبًا اِلَّا لٰكِنْ مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا اَىْ جَزَاءُ
الْعَمَلِ الْحَسَنَةِ مَثَلًا بِعَشْرٍ فَاَكْثَرَ وَهُمْ فِى الْغُرُفٰتِ مِنَ الْجَنَّةِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ مِنَ الْمَوْتِ وَغَيْرِهِ وَفِىْ قِرَاءَةٍ
الْغُرْفَةِ وَهِىَ بِمَعْنَى الْجَمْعِ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِىْٓ اٰيٰتِنَا الْقُرْاٰنِ بِالْاِبْطَالِ مُعٰجِزِيْنَ لَنَا مُقَدِّرِيْنَ عَجْزَنَا
وَاَنَّهُمْ يَفُوْتُوْنَنَا اُولٰٓئِكَ فِى الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّىْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ يُوَسِّعُهُ لِمَنْ
يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ اِمْتِحَانًا وَيَقْدِرُ يُضَيِّقُهُ لَهٗ ؕ بَعْدَ الْبَسْطِ اَوْ لِمَنْ يَّشَآءُ اِبْتِلَاءً وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَىْءٍ فِى
الْخَيْرِ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۳۹﴾ يُقَالُ كُلُّ اِنْسَانٍ يَرْزُقُ عَائِلَتَهٗ اَىْ مِنْ رِزْقِ اللّٰهِ وَاذْكُرْ يَوْمَ
يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا اَلْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الْاُوْلٰى يَاءً
وَاِسْقَاطِهَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ تَنْزِيْهًا لَكَ عَنِ الشَّرِيْكِ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ اَىْ
لَامُوَالَاةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ مِنْ جِهَتِنَا بَلْ لِلْاِنْتِقَالِ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ الشَّيَاطِيْنَ اَىْ يُطِيْعُوْنَهُمْ فِىْ
عِبَادَتِهِمْ اِيَّانَا اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ مُصَدِّقُوْنَ فِيْمَا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ قَالَ تَعَالٰى فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ اى بعض المعبودين لبعض العابدين **نَّفْعًا** شفاعة **وَّلَا ضَرًّا** تعذيبا **وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا** كفروا **ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِىْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ﴿۴۲﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا** من القران **بَيِّنٰتٍ** واضحات بلسان نبينا محمد **قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ** من الاصنام **وَقَالُوْا مَا هٰذَآ** اى القران **اِلَّآ اِفْكٌ** كذب **مُّفْتَرًى** على الله **وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ** القران **لَمَّا جَآءَهُمْ اِنْ** ما **هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴿۴۳﴾** بين قال تعالى **وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ﴿۴۴﴾** فمن اين كذبوك **وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوْا** اى هؤلاء **مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ** من القوة وطول العمر وكثرة المال **فَكَذَّبُوْا رُسُلِىْ** اليهم **فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ﴿۴۵﴾** انكارى عليهم بالعقوبة والاهلاك اى هو واقع موقعه

ترجمہ: ...... اور (مکہ کے) یہ کافر کہتے ہیں، ہم نہ اس قرآن کو مانیں اور نہ اس سے پہلی کتابوں کو (جو مقدم ہیں جیسی تورات وانجیل جن سے قیامت کا ہونا ثابت ہے۔ کیونکہ یہ لوگ قیامت کو مانتے ہی نہیں۔ ایسے لوگوں کی نسبت ارشاد باری ہے) اور کاش آپ (اے محمد ﷺ) اس وقت کی حالت دیکھیں جب یہ ظالم (کافر) اپنے پروردگار کے روبرو کھڑے ہوں گے اور ایک دوسرے پر بات ٹال رہا ہوگا۔ ادنیٰ درجہ کے لوگ (نوکر چاکر) بڑے لوگوں (آقاؤں) سے کہہ رہے ہوں گے۔ اگر تم نہ ہوتے (ہمیں ایمان سے باز نہ رکھتے) تو ہم ضرور (پیغمبر پر) ایمان لے آئے ہوتے۔ یہ بڑے لوگ ان ادنیٰ درجہ کے لوگوں کو جواب دیں گے کہ کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روک دیا تھا۔ اس کے بعد کہ وہ تمہیں پہنچ چکی تھی؟ (نہیں) بلکہ تم ہی (اپنے نزدیک) قصوروار رہے ہو اور کم درجہ کے لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ نہیں، بلکہ تمہاری ہی رات دن کی تدبیروں (یعنی ہمارے بارے میں تمہاری رات دن کی سازشوں) نے روکا تھا۔ جب تم ہمیں آمادہ کرتے رہتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر اختیار کریں اور اس کے ساجھی (شریک) تجویز کریں اور وہ لوگ (دونوں فریق) اپنی (ایمان نہ لانے کی) پشیمانی کو چھپائیں گے۔ جبکہ عذاب دیکھ لیں گے (یعنی ہر ایک اپنے فریق سے مارے ڈر کے چھپائے گا) اور ہم کافروں کی گردن میں طوق ڈالیں گے (جہنم کے اندر) نہیں بھر پایا، مگر جیسا (دنیا میں) بھر پایا اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں (عیش پسند امیروں) نے یہی کہا کہ ہم تو ان احکام کے منکر ہیں۔ جن کو دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے اور یہ بھی کہا کہ ہم تو مال واولاد میں (ایمانداروں سے) زیادہ ہیں اور ہم کو کبھی عذاب نہ ہوگا۔ آپ کہئے کہ میرا پروردگار کشادہ (زیادہ) روزی دیتا ہے، جس کے لئے چاہتا ہے (آزمائش کے طور پر) اور کم دیتا ہے (تنگی کر دیتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے آزمائش کے لئے) لیکن اکثر لوگ (کفار مکہ) واقف نہیں (اس سے) تمہارے اموال واولاد ایسی چیزیں نہیں جو تم کو کسی درجہ میں ہمارا مقرب بنادے (نزدیک کردے) مگر ہاں (لا بمعنی لکن) جو کوئی ایمان لائے اور نیک عمل کرے سو ایسے لوگوں کے لئے ان کے عمل کا کہیں بڑھ کر صلہ (یعنی نیکی کا بدلہ دس گنا اور اس سے بھی زیادہ) اور یہ (جنت کے) بالاخانوں میں چین سے بیٹھے ہوں گے (موت وغیرہ کے خطرہ سے۔ ایک قرأت میں غرفة بمعنی جمع ہے) اور جو لوگ ہماری آیتوں کے متعلق (قرآن کے باطل کرنے کی) کوشش کر رہے ہیں ہرانے کے لئے (ہمیں ہرا عاجز ہونا فرض کر کے اور یہ کہ ہم سے بچ نکلیں گے) ایسے ہی لوگ عذاب میں لائے جائیں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار اپنے بندوں سے فراخ (کشادہ) روزی دیتا ہے (آزمائش کی خاطر) اور کم (تنگ) کر دیتا

ہے اس کے لئے (کشائش کے بعد، یا جس کے لئے چاہے آزمائش کے لئے) اور جو کچھ بھی تم (نیک کام میں) خرچ کرو گے۔ سو وہ اس کا عوض عطا کرے گا اور وہی سب سے بہتر روزی دینے والا ہے (بولا جاتا ہے کہ ہر انسان اپنے عیال کو روزی دیتا ہے، یعنی اللہ کے رزق میں سے) اور (یاد کیجئے) جب اللہ ان سب (مشرکین) کو جمع کرے گا۔ پھر فرشتوں سے ارشاد فرمائے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری ہی (دونوں ہمزہ کی تحقیق کرتے ہوئے اور پہلی ہمزہ کو یا سے بدل کر پھر یا کو حذف کر کے) عبادت کرتے رہے ہیں؟ وہ عرض کریں گے پاک ہے تو (شریک سے تیرے لئے پاکی ہے) ہمارا تعلق تو صرف آپ سے ہے نہ کہ ان سے (یعنی ہمارے اور ان کے درمیان ہماری طرف سے کوئی وابستگی نہیں ہے) اصل یہ ہے (بل انتقال کے لئے ہے) کہ یہ لوگ جنات کی پوجا کرتے تھے (شیاطین کی یعنی ہماری پرستش کرنے میں ان کا کہا مانتے تھے) ان میں سے اکثر انہی کے معتقد بھی تھے (جو وہ کہتے تھے یہ اس کو مان لیتے تھے۔ ارشاد باری ہے) سو آج تم میں سے کوئی اختیار نہیں رکھتا ایک دوسرے کو (یعنی بعض معبود بعض عابدوں کو) نہ نفع پہنچانے (شفاعت کرنے) کا اور نہ نقصان پہنچانے (عذاب دینے) کا اور ہم ظالموں (کافروں) سے کہیں گے کہ اب چکھو مزہ دوزخ کی آگ کا جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اور جب ان کے سامنے ہماری (قرآن کی) آیتیں صاف صاف (پیغمبر کی زبانی کھلی کھلی (پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص کا تو بس منشاء اتنا ہے کہ تم کو ان چیزوں سے باز رکھے۔ جن (بتوں) کی پرستش تمہارے بڑے کرتے چلے آئے ہیں اور کہتے ہیں یہ (قرآن) محض (اللہ پر) ایک تراشا ہوا افتراء (جھوٹ) ہے اور کافر حق (قرآن) کے بارے میں جب وہ ان کے پاس پہنچا۔ کہتے ہیں کہ یہ تو بس ایک کھلا ہوا جادو ہے (ارشاد باری ہے) اور ہم نے انہیں نہ کتابیں دی تھیں، جنہیں وہ پڑھتے پڑھاتے رہے ہوں اور نہ آپ سے پہلے ہم نے ان کے پاس کوئی ڈرانے والا بھیجا تھا (پھر کیسے آپ کو جھٹلا رہے ہیں) اور ان سے پہلے جو لوگ ہوئے ہیں، انہوں نے بھی تکذیب کی تھی اور یہ (کافر) تو دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے۔ جو کچھ ہم نے ان پہلوں کو دیا تھا (قوت، درازی عمر، مال کی کثرت) غرض انہوں نے میرے پیغمبروں کی (جو ان کے پاس بھیجے گئے تھے) تکذیب کی، سو میرا عذاب ہوا؟ (ان پر سزا اور تباہی یعنی ٹھیک موقعہ سے ہوئی)۔

تحقیق وترکیب: ...... **ولو تری.** یہ لو تمنائیہ ہے، اس کا جواب مقدر ہے۔ ای رایت امرا عظیما. **یرجع** حال ہے اور **یقول** مستانفہ ہے۔

وقال الذین. چونکہ نچلے درجہ کے سابقہ کلام ہی کا تتمہ ہے۔ اس لئے اسی پر جوڑنے کے لئے واؤ عاطفہ لایا گیا، برخلاف متکبرین کے ان کا کلام ابتداء ہی ادنیٰ لوگوں کے کلام کا جواب ہوگا۔ اس لئے عاطفہ کی ضرورت نہیں رہی۔

بل مکر الیل. یعنی ہمارا قصور نہیں بلکہ تمہارا قصور ہے۔ یہ اضراب سے اضراب ہوگیا اور مکر کی اضافت ظرف کی طرف توسعاً ہے۔ مفعول بہ کے قائم مقام کرتے ہوئے گویا یہ دن رات ممکور ہیں یا ظرف کو فاعل کے قائم مقام کہا جائے۔ یعنی ماکرین بہر دو صورت مجاز عقلی ہے۔

اسروا. یہ اضداد میں سے ہے۔ یعنی اظہار واخفاء کے معنی ہیں۔ ہمزہ اثبات وسلب کے لئے آتا ہے۔ جیسے اشکیتہ

بالتی اموال واولاد کا مجموعہ مراد لینے سے تانیث صحیح ہوجائے گی یا موصوف محذوف کی صفت ہے ای الخصلة

عندنا زلفی مصدر ہے تقربکم کی وجہ سے منصوب ہے۔ جیسے انبتکم من الارض نباتا. **زلفی زلفة** قربی قربة مرادف ہے۔ اور اخفش زلفی کو مصدر کہتے ہیں۔ ای بالتی تقربکم عندنا تقریباً.

الا من امن اس میں کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ استثناء منقطع ہو اور منصوب المحل ہو۔ دوسرے یہ کہ اموالکم کی ضمیر

سے بدل ہوکر محل جر میں ہو۔ جیسا کہ زجاجؒ کی رائے ہے۔ تیسرے یہ کہ مبتداء کی وجہ سے محل رفع میں ہو اور اولئک الخ خبر ہو۔

امنین. موت، بیماری، بڑھاپے، افلاس کال جیسی تمام آفتوں سے امن رہے گا۔

الغرفة. الف لام جنس کی وجہ سے معنی جمع ہو جائے گا۔

قل ان ربی. بعض حضرات نے تو اس کو ماقبل قل ان ربی الخ کی تاکید کہا ہے اور بعض نے پہلی آیت کو متعدد اشخاص پر محمول کہا ہے کہ ایک کو امیر اور دوسرے کو غریب بنادے اور اس آیت کو شخص واحد کی دو حالتوں پر محمول کیا ہے کہ کبھی امیر اور کبھی غریب ہو جاتا ہے۔ مفسرؒ علام نے بھی تفسیری عبارت میں ان دونوں صورتوں کی طرف اشارہ کر دیا ہے یا پہلی آیت کفار پر اور ایک آیت مومنین پر محمول کر لی جائے۔

ویقدرله. ضمیر له من یشاء کی طرف قید بسط کے ساتھ یا بلا قید بسط راجع ہو کر دو تفسیریں ہو جائیں گی۔ اور تفسیر میں ابتلاء **یقدر** کی علت ہے۔

الرازقین. حقیقی رازق اللہ واحد ہے، لیکن جمع کا صیغہ صورۃً رازق ہونے کی اعتبار سے ہے۔ رازق کا لفظ اگرچہ مشترک ہے مگر رازق اللہ کے ساتھ خاص ہے، دوسرے کے لئے استعمال جائز نہیں ہے۔

یوم یحشرهم. اذکر مقدر کا معمول ہے یا بعد میں آنے والی قالوا کا معمول ہے۔

التی کنتم اس میں موصول مضاف الیہ کی صفت ہے اور سورۂ سجدہ کی آیت **عذاب النار الذی کنتم الخ** میں مضاف کی صفت ہے۔ وجہ فرق یہ ہے کہ وہاں عذاب میں مبتلا و گرفتار ہیں۔ لہٰذا عذاب کی صفت لائی گئی اور یہاں ابھی عذاب میں داخل نہیں ہوئے بلکہ آگ کو دیکھا ہی ہے، اس لئے نار کی صفت لانا مناسب ہوا۔

یعبدون الجن. مفسر علامؒ کی تفسیر کا حاصل تو یہ ہے کہ فرشتوں کی پرستش شیطان کے بہکانے سے کرتے تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جنات و شیاطین خود کو ان کے سامنے فرشتے ظاہر کر کے پرستش کراتے تھے۔ چنانچہ قبیلہ خزاعہ کے لوگ جنات کو فرشتے اور خدا کی بیٹیاں خیال کرتے تھے۔

اکثرهم. آیت میں اکثر کفار کا یہ شیوہ بتلایا ہے، حالانکہ تمام کفار کا یہی شیوہ تھا۔ اس کی ایک توجیہ تو یہ ہے کہ فرشتوں کو ایسا ہی معلوم ہوگا۔ انہوں نے اپنے خیال کے مطابق یہ کہا ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ ایمان کا تعلق قلب سے ہے۔ ممکن ہے سب کے دل میں یہ اعتقاد نہ ہو۔ اس لئے فرشتوں نے احتیاط کا پہلو اختیار کیا اور سب پر الزام نہیں لگایا۔ برخلاف عبادت اور پرستش کے، وہ ایک ظاہری عمل ہے۔ اس میں سب مبتلا تھے۔

یعبد اباء کم نفسیاتی لحاظ سے نفرت بڑھانے کے لئے اپنی بجائے باپ دادا کی طرف نسبت کی ہے تاکہ غیظ زیادہ ہو جائے۔

افک مفتری. افک مرادف کذب اور عام ہے اور افتری کذب خاص، یعنی دانستہ جھوٹ کو کہتے ہیں۔ پس دوسرا لفظ تاکید نہیں بلکہ تاسیس ہے۔

معشار. بمعنی عشر ہے جیسے مرباع بمعنی ربع آتا ہے۔ اور واحدیؒ یہ کہتے ہیں کہ معشار، عشیر، عشر تینوں کے معنی دسویں کے ہیں۔ دس کے نہیں۔ یعنی یہ الفاظ عشر کا جزء ہیں۔ اگر فکذبو ارسلی کا عطف **کذب الذین** پر کیا جائے تو مابلغوا الخ جملہ معترضہ ہو جائے گا۔

فکیف کان نکیر. یعنی یہ عذاب نہایت برمحل ہے، ظلم و جور اور ناانصافی نہیں ہے۔

ربط:۔ آیت **ویقولون متی هذا الوعد** سے قیامت کا تذکرہ چل رہا ہے۔ **وقال الذین کفروا** سے منکرین کے احوال

قیامت کا سلسلہ ہے اور پھر آیت "وما ارسلنا فی قریة" سے منکرین کے اس خیال کی تغلیط ہے کہ دنیا کی خوشحالی دلیل اس کی ہے کہ آخرت میں بھی عذاب نہیں ہوگا۔ اس میں حضور ﷺ کی تسلی بھی ضمناً نکل رہی ہے۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی قل ان ربی یبسط الخ سے چل رہی ہے۔ جس میں مسلمانوں کی اصلاح پیش نظر ہے کہ کہیں وہ کفار کی طرح خوشحالی کو دلیل مقبولیت اور تنگی کو مردودیت کا معیار نہ سمجھ بیٹھیں۔ کیونکہ رزق کی کمی بیشی محض مشیت الٰہی پر موقوف ہے۔ اس کو مقصود اصلی نہ سمجھیں بلکہ رضائے الٰہی اور قرب کا ذریعہ اور وسیلہ سمجھیں۔ آیت واذا تتلی علیہم الخ میں پھر مسئلہ رسالت پر کلام کیا گیا ہے۔

﴿تشریح﴾: ...... **منکرین کو آسمانی کتابیں جنجال معلوم ہوتی ہیں**: ...... وقال الذین کفروا یعنی قرآن ہو یا تورات وانجیل سب آسمانی کتابیں دراصل انہیں جنجال نظر آتی ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ سب میں ایک ہی بات حساب کتاب و قیامت کی رٹ لگی ہوئی ہے۔ اس لئے ہم کسی طرح بھی اس انوکھی بات کو اپنے حلق سے نہیں اتار سکتے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ آخرت میں پہنچ کر جب انہیں ناکامیوں کا سامنا ہوگا تو اس وقت ایک دوسرے پر ڈالنے کی کوشش کریں گے اور ایک دوسرے کو مورد الزام گردانیں گے اور پچھتائیں گے کہ کاش ہم دنیا میں پیغمبروں کا کہا مان لیتے تو آج یہ دن دیکھنا نہ پڑتا، جن لوگوں کے بھروسہ پر دنیا میں ہم نے غلط کام کئے تھے، اب وہی الٹا ہمارا قصور بتلا رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے صرف تمہیں کہا ہی تھا مجبور تو نہیں کیا تھا۔ تم نے ہمارا کہنا کیوں مانا۔ اب خود تم اپنے کئے کے ذمہ دار ہو۔ جس کے جواب میں نیچ لوگ کہیں گے کہ بلاشبہ تم نے ہمیں مجبور نہیں کیا، مگر اس انداز میں بہلایا پھسلایا اور مکر وفریب، ترغیب وترہیب سے کام لیا کہ ہم چکمہ میں آگئے، اس لئے دراصل تم ہی ذمہ دار ہو۔

غرضیکہ جب ہولناک عذاب الٰہی سامنے آئے گا تو سب پچھتائیں گے۔ ہر ایک محسوس کرے گا کہ واقعی قصوروار اور مجرم میں ہوں، لیکن مارے شرم کے ایک دوسرے پر ظاہر نہیں کریں گے اور ان پر کھل جائے گا کہ دنیا میں جو عمل کئے تھے آج وہ سزا کی صورت میں سامنے آرہے ہیں۔ اپنی کرنی کو بھرنا پڑ رہا ہے۔

دنیاداروں اور دینداروں کے نقطۂ نظر کا فرق: ...... آیت وما ارسلنا الخ میں آنحضرت ﷺ کے لئے تسلی ہے کہ آپ رؤساء مکہ کی سازشوں اور سرکشیوں سے ملول نہ ہوئیے۔ ہر زمانہ میں بدبخت رئیسوں کا یہی ریکارڈ رہا ہے کہ انہوں نے اپنی دولت ورعونت کے نشہ میں چور ہوکر ہمیشہ خدائی رہبروں کا معارضہ کیا ہے۔ اقتدار طلبی اور جاہ پسندی انسان کو اندھا بہرا بنا دیتی ہے۔ وہ حق کی آواز سننا گوارا نہیں کر سکتے، حق کا بول بالا دیکھنا نہیں چاہتے۔ برخلاف غرباء اور مساکین کے وہ اس نخوت سے خالی ہوتے ہیں۔ اس لئے حق اور اہل حق کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ دنیادار تو دنیا ہی کو نشان مقبولیت ومحبوبیت سمجھتے ہیں اور اس سے حرمان کو دلیل مردودیت گردانتے ہیں۔ حالانکہ کتنے شریر وبدمعاش ملحد ودہریئے ہیں جو خدا کی زمین پر دندناتے پھرتے ہیں اور کتنے خدا پرست، نیک سیرت، پرہیزگار ہیں جو جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ رزق کی فراوانی اور روزی کی تنگی کا تعلق محض حکمت الٰہیہ اور مشیت خداوندی سے ہے:

ومن الدلیل علی القضاء وحکمه

بؤس اللبیب وطیب عیش الاحمق

بہرحال مال ودولت کی کثرت نہ قرب الٰہی کی علامت ہے اور نہ اس کا سبب، بلکہ کافر وفاسق کے لئے سبب بعد بن جاتا ہے۔

البتہ مومن دولت کو صحیح مصرف میں خرچ کر کے قربت حاصل کر سکتا ہے۔

غرضیکہ اللہ کے یہاں ایمان وعمل کی پوچھ ہے نہ کہ مال واولاد کی۔ اس لئے ایمانداروں، نیکوکاروں کی بے حد قدر ومنزلت ہوگی اور جو بدبخت اللہ ورسول کو ہرانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں، وہ سب عذاب میں ادھر گھسیٹے جائیں گے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کمی نہیں، برکت ہوتی ہے: ..... **قل ان ربی** سے مسلمانوں کو سنایا جا رہا ہے کہ انہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے وقت تنگی وافلاس سے ڈرنا نہیں چاہئے۔ اس سے رزق تنگ نہیں ہوتا جو مقدر ہے وہ پہنچ کر رہتا ہے بلکہ دیکھا جائے تو خیر میں خرچ کرنے سے برکت ہوتی ہے۔ دنیا ہی میں کبھی اس کا صدعوض کی صورت میں اور کبھی غنائے قلبی اور قناعت پسندی کی شکل میں نصیب ہوتا ہے اور آخرت میں بہترین بدلہ یقینی ہے۔ بہرحال اللہ کے ہاں کیا کمی ہے۔ **انفق یا بلال ولا تخش من ذی العرش اقلالا** اور جس طرح دنیا میں لوگوں کے حالات متفاوت ہیں۔ اسی طرح آخرت میں بھی فرق مراتب یقینی ہے مگر معیار ہر جگہ الگ الگ ہوگا۔

بت پرستی کی ابتداء: ..... **ویوم یحشرھم.** صنم پرستی کی ابتداء دراصل ملائکہ پرستی ہی سے ہوتی ہے۔ بہت سے مشرکین فرشتوں کے فرضی ہیکل بنا کر ان کی پرستش کرتے تھے اور انہیں خدا کی بیٹیاں گردانتے تھے۔ ''عمرو بن لحی'' یہ بدترین رسم شام سے لے کر حجاز آیا۔

قیامت میں فرشتوں سے سوال ہوگیا کہ کیا یہ لوگ تمہیں پوجتے تھے؟ یا تم نے ان سے ایسا کرنے کو نہیں کہا۔ یا تم ان کے کئے پر راضی تو نہیں ہو؟ مگر فرشتے یہ سن کر کانوں پر ہاتھ دھریں گے اور عرض کریں گے کہ خدا کی پناہ! ہمارا تو ان باتوں سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ ہم تو ان کے خدم فرمانبردار ہیں۔ فی الحقیقت ہمارا نام لے کر شیطان نے انہیں گمراہ کیا تھا تو اصل پرستش تو یہ شیطان کی کرتے ہیں۔ اس کے بعد جھوٹے معبودوں اور ان کے پجاریوں کے تعلق کا تانا بانا ٹوٹ پھوٹ جائے گا، سب خیالات سراسر سراب ثابت ہوں گے۔

قرآن اور صاحب قرآن کی شان میں گستاخی: ..... **واذا تتلی علیھم.** یعنی حضور ﷺ کی نسبت ان کے واہی خیالات دیکھو۔ وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہمارے باپ دادوں کا بنا ہوا جال توڑ پھوڑ کر اپنے جال میں پھنسنا چاہتے ہیں اور چند عجیب و غریب دکھا کر لوگوں کو فریب کا شکار کر رہے ہیں۔ باپ کو بیٹے سے، میاں کو بیوی سے جدا کر دیا گیا ہے۔ اس غیر معمولی تاثیر کو دیکھتے ہوئے یہی کہنا پڑتا ہے کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔ جس کی کوئی کاٹ نہیں ہے۔ حالانکہ نہ ان کے پاس اس سے پہلے کوئی نبی آیا اور نہ آسمانی کتاب کہ جس کی وجہ سے سمجھ جائے کہ ان کی شناخت معتبر ہے اور ان کی رائے وزنی ہے۔ انہیں پیاسوں کی طرح اس آب زلال کی قدر ومنزلت کرنی چاہئے تھی۔ خاص طور پر جبکہ انہیں اس کا اشتیاق وانتظار بھی تھا۔ انہیں تو نبی کو ہاتھوں ہاتھ لینا چاہئے تھے اور ان کی تعلیم وتربیت کو سروں پر رکھنا چاہئے تھا۔ کیا کسی کتاب یا نبی نے ان کو ایسا کرنے سے منع کر دیا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ یہ لوگ بھی پچھلے تکذیب کرنے والوں کے ڈگر ہی پر چل رہے ہیں۔ حالانکہ ان کی لمبی عمریں اور طویل ڈیل ڈول بھی عذاب الٰہی سے انہیں بچا نہ سکے تو پھر یہ کس شمار قطار میں ہیں۔ ''اس برتے پر یہ تتا پانی۔''

لطائف سلوک: بل کانوا یعبدون الجن یہاں جنات سے مراد شیاطین ہیں کہ وہ ان کی اطاعت کرتے ہیں جو ایک درجہ میں ان کی پرستش ہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان بعض اوقات ایک کام کرتا ہے، مگر حاصل اس کا دوسرا عمل نکلتا ہے۔ جس کا وہ ارادہ بھی نہیں کیے ہوئے ہوتا۔ تاہم اس پر حکم دوسرے ہی عمل کا مرتب ہوتا ہے۔ مشائخ وصوفیاء اس ضابطہ سے اکثر کلام کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً مرید نے کسی موقعہ پر اپنی رائے پر عمل کرلیا تو شیخ کہہ دیتا ہے کہ تم چاہتے ہو میں تمہارا تابع بنوں تم میرے تابع نہ ہو۔

اذا تتلی علیھم اٰیاتنا یہی حال منکرین اولیاء کا ہے کہ وہ دوسروں کو بھی ان کے ساتھ اعتقاد رکھنے اور ان کی پیروی کرنے سے باز رکھتے ہیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ هِيَ **اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ** اَيْ لِاَجْلِهٖ **مَثْنٰى** اَيْ اِثْنَيْنِ اِثْنَيْنِ **وَفُرَادٰى** اَيْ وَاحِدًا وَاحِدًا **ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا** ۫ فَتَعْلَمُوْا **مَا بِصَاحِبِكُمْ** مُحَمَّدٍ **مِّنْ جِنَّةٍ** ۭ جُنُوْنٍ **اِنْ** مَا **هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ** اَيْ قَبْلَ **عَذَابٍ شَدِيْدٍ** ﴿۴۶﴾ فِي الْاٰخِرَةِ اِنْ عَصَيْتُمُوْهُ **قُلْ** لَهُمْ **مَا سَاَلْتُكُمْ** عَلَى الْاِنْذَارِ وَالتَّبْلِيْغِ **مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ** ۭ اَيْ لَا اَسْاَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا **اِنْ اَجْرِيَ** مَا ثَوَابِيْ **اِلَّا عَلَى اللّٰهِ** ۚ **وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ** ﴿۴۷﴾ مُطَّلِعٌ يَعْلَمُ صِدْقِيْ **قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ** ۚ يُلْقِيْهِ اِلٰى اَنْبِيَائِهٖ **عَلَّامُ الْغُيُوْبِ** ﴿۴۸﴾ مَا غَابَ عَنْ خَلْقِهٖ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ **قُلْ جَاۗءَ الْحَقُّ** الْاِسْلَامُ **وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ** الْكُفْرُ **وَمَا يُعِيْدُ** ﴿۴۹﴾ اَيْ لَمْ يَبْقَ لَهٗ اَثَرٌ **قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ** عَنِ الْحَقِّ **فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰي نَفْسِيْ** ۚ اَيْ اِثْمُ ضَلَالِيْ عَلَيْهَا **وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ** ۭ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَالْحِكْمَةِ **اِنَّهٗ سَمِيْعٌ** لِلدُّعَاءِ **قَرِيْبٌ** ﴿۵۰﴾ **وَلَوْ تَرٰٓى** يَا مُحَمَّدُ **اِذْ فَزِعُوْا** عِنْدَ الْبَعْثِ لَرَاَيْتَ اَمْرًا عَظِيْمًا **فَلَا فَوْتَ** لَهُمْ مِنَّا اَيْ لَا يَفُوْتُوْنَنَا **وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ** ﴿۵۱﴾ اَيِ الْقُبُوْرِ **وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ** ۚ اَيْ بِمُحَمَّدٍ اَوِ الْقُرْاٰنِ **وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ** بِالْوَاوِ وَبِالْهَمْزَةِ بَدَلَهَا اَيْ تَنَاوُلُ الْاِيْمَانِ **مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ** ﴿۵۲﴾ عَنْ مَحَلِّهٖ اِذْ هُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَمَحَلُّهُ الدُّنْيَا **وَقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ** ۚ فِي الدُّنْيَا **وَيَقْذِفُوْنَ** يَرْمُوْنَ **بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ** ﴿۵۳﴾ اَيْ بِمَا غَابَ عِلْمُهٗ عَنْهُمْ غَيْبَةً بَعِيْدَةً حَيْثُ قَالُوْا فِي النَّبِيِّ سَاحِرٌ شَاعِرٌ كَاهِنٌ وَفِي الْقُرْاٰنِ سِحْرٌ شِعْرٌ كَهَانَةٌ **وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ** مِنَ الْاِيْمَانِ اَيْ قَبُوْلِهٖ **كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ** اَشْبَاهِهِمْ فِي الْكُفْرِ **مِّنْ قَبْلُ** ۭ اَيْ قَبْلَهُمْ **اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ** ﴿۵۴﴾ مُوْقِعٍ فِي الرِّيْبَةِ لَهُمْ فِيْمَا اٰمَنُوْا بِهِ الْاٰنَ وَلَمْ يَعْتَدُّوْا بِدَلَائِلِهٖ فِي الدُّنْيَا

ع ۶ ۱۲

ترجمہ: آپ کہیے کہ میں تم کو صرف ایک بات سمجھاتا ہوں (وہ یہ) کہ تم اللہ کے واسطے کھڑے ہو جاؤ (یعنی اس کی وجہ سے) دو دو (یعنی مثنیٰ اثنین کے معنی میں ہے) اور ایک ایک (یعنی فرادیٰ بمعنی واحد واحد ہے) پھر سوچو (تاکہ تمہیں یقین ہو جائے) کہ تمہارے ان صاحب (محمد ﷺ) کو جنون (دیوانگی) نہیں ہے، یہ تو تم کو بس ایک ڈرانے والے ہیں، پہلے سے عذاب شدید کے متعلق

(جو آخرت میں ہوگا اگر تم نے اللہ کی نافرمانی کی) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ میں نے تم سے (ڈرانے اور تبلیغ کرنے پر) معاوضہ مانگا ہو تو وہ تمہارا ہی رہا (یعنی میں تم سے بدلہ کا طلب گار نہیں ہوں) میرا معاوضہ (ثواب) تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے اور وہی ہر چیز پر پوری اطلاع رکھنے والا ہے (میری سچائی کو خوب جانتا ہے) آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار حق کو نازل کرتا ہے (اپنے نبیوں کو القاء کرتا ہے) جو غیوب جاننے والا ہے (آسمان وزمین میں جو کچھ چھپا ہے) آپ کہہ دیجئے کہ حق (اسلام) آ گیا اور باطل (کفر) نہ کرنے کا رہا اور نہ دھرنے کا (یعنی اس کا کچھ بھی نشان نہیں رہا) آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں (حق سے) گمراہ ہو گیا تو میری گمراہی کا وبال مجھ ہی پر رہے گا (یعنی میری گمراہی کا گناہ خود مجھ پر ہوگا) اور اگر ہدایت پر ہوں تو یہ اس وحی کی بدولت ہے جو (قرآن وحکمت) میرا پروردگار مجھ پر نازل کرتا رہتا ہے، بلاشبہ وہ (دعا کا) بہت سننے والا، بہت نزدیک ہے اور کاش آپ (اے محمد ﷺ) اس وقت کو دیکھتے، جب یہ گھبرائے پھریں گے (قیامت کے روز، تو بڑا ہولناک منظر آپ کو نظر آئے گا) پھر بھاگ نہ سکیں گے (یعنی ہم سے چھوٹ کر بچ نہ سکیں گے) اور پاس کے پاس (قبروں سے ہی) پکڑ لئے جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم ایمان لے آئے (محمد ﷺ پر یا قرآن پر) اور ان کے ہاتھ آنا کہاں ممکن ہے (تناوش واؤ کے ساتھ اور ہمزہ کے ساتھ بجائے واؤ کے ہے۔ یعنی ایمان کا ہاتھ لگنا) تنی دور جگہ سے (ایمان کے موقعہ سے کیونکہ یہ لوگ تو آخرت میں ہوں گے اور ایمان لانے کا محل دنیا ہے) حالانکہ یہ لوگ پہلے سے (دنیا میں) اس کا انکار کرتے رہے اور بے تحقیق باتیں دور دور ہی سے ہکا (بکا) کرتے تھے (یعنی ان کا علم ان سے بہت دور ہے۔ چنانچہ نبی کے بارے میں ساحر، شاعر، کاہن کہتے ہیں اور قرآن کے متعلق سحر، شعر، کہانت کہتے ہیں) اور ان میں ان کی آرزوؤں میں (ایمان یعنی اس کے مقبول ہونے سے متعلق) ایک آڑ کر دی جائے گی۔ جیسا کہ ان کے ہم مشربوں کے ساتھ یہی کیا جائے گا (جو کفر میں انکے شریک ہیں) جو (ان سے) پہلے ہو گزرے ہیں۔ یہ سب بڑے شک میں پڑے ہوئے تھے۔ جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا تھا (جس بات کو اب ماننا چاہتے ہیں ان کا یقین ہی نہیں تھا اور دنیا میں اس کے دلائل کو خاطر ہی میں نہیں لانا چاہتے تھے)۔

تحقیق وترکیب: ...... بواحدة ای بحصلة واحدة. یہ بدل ہے ان تقوموا سے یا بیان ہے یا مبتدائے محذوف کی خبر ہے۔ ای ان تقوموا من مجلس النبی. واحدة کی تصریح کرنے میں مخاطبین کے لئے تسہیل کرنا ہے۔ مفسر علامؒ نے ھی سے ان تقوموا کے مبتداء مقدر کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ تاویل مصدر ہے اور یہاں حقیقی قیام مراد نہیں، بلکہ مجازی معنی صرف ہمت اور توجہ کے ہیں۔

ثم تتفکروا. تفسیری عبارت میں اشارہ اس طرف ہے کہ فکر سے مجازاً علم یا عمل مراد ہے۔

مابصاحبکم. ما نافیہ ہے یا استفہامیہ ہے یہ کلام مستانف ہے نظر عبرت کرنے کے لئے تنبیہ کرنا ہے اور حضور کو صاحب کہتے ہیں۔ اشارہ اس طرف ہے کہ آپ کے احوال میں متعارف ہیں۔

قل ما سألتکم پانچ بار لفظ قل لانے میں ہر بات کے مستقلاً مہتم بالشان ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ ما شرطیہ ہے اور مفعول مقدم ہے اور فھو لکم جواب ہے اور ما موصولہ بھی ہو سکتا ہے۔ مبتداء کی وجہ سے محل رفع میں ہے۔ عائد محذوف ہے فھو لکم خبر ہے اور اس پر فا لانا موصول کے مشابہ شرط ہونے کی وجہ سے ہے۔ بہر دو صورت معنی یہ ہوں گے کہ آپ نے معاوضہ بالکل طلب نہیں کیا۔ جیسے کہا جائے۔ ان اعطیتنی شیئا فخذوہ. ایک ایسے شخص سے جس نے کچھ نہ دیا ہو۔ چنانچہ ان اجری الخ اسی معنی کا قرینہ ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ بالکلیہ سوال کا انکار مقصد نہیں ہے بلکہ جس سوال کے نفع کا تعلق آپ کی ذات سے ہو اس کی نفی کرتی ہے۔ البتہ جس سوال میں خود مخاطبین کا فائدہ ہو اس کی نفی نہیں ہے، بلکہ دوسری آیت میں اس کا اثبات ہے۔ مثلاً آیت لا اسئلکم علیہ

اجرا الا من شاء ان یتخذ الی ربه سبیلا. لااسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربیٰ اور دونوں باتوں کا نفع ظاہر ہے کہ مخاطبین ہی کو پہنچتا ہے۔

علام الغیوب ان کی خبر ثانی ہے یا مبتداء محذوف کی خبر ہے یا یقذف کی ضمیر سے بدل ہے۔

ما یبدیٔ ما نافیہ مراد بالکلیہ مٹ جانا ہے۔ کیونکہ ابتداء اور اعادہ دونوں زندوں کی خصوصیات میں سے ہیں، جیسے کہا جائے۔ فلان لایاکل ولا یشرب. یعنی فلاں مر گیا ہے اور قتادہؒ، سدیؒ، مقاتلؒ کی رائے ہے کہ باطل سے شیطان مراد ہے۔ یعنی شیطان مبدء ہے اور نہ معید۔ بلکہ صرف اللہ کی یہ شان ہے یا یہ مطلب ہے کہ شیطان اپنے ماننے والوں کو دارین میں نفع نہیں پہنچ سکتا۔

ان صللت باب ضرب سے یا علم سے ہے۔ ان میں مخاطبین پر تعریض ہے اور اس عنوان میں تلطف ہے تا کہ مخاطب مشتعل نہ ہو جائے۔ جیسے مالکم لاتعبدون کی بجائے مالی لااعبد دوسری آیت میں ہے۔

وان اهتدیت پہلے جملہ کی طرح تقابل کا تقاضہ یہ ہے کہ فانما اهتدی لنفسی کہنا چاہئے تھا۔ لیکن مقتضی ادب کی رعایت کرتے ہوئے اللہ کی طرف نسبت کر دی گئی ہے۔ اس طرح دونوں میں معنی تقابل ہو گیا اور آیت میں خطاب اگرچہ حضور ﷺ کو ہے، مگر مراد عام ہے۔ گویا اشارہ اس طرف ہے کہ آپ کو جب مکلف بنایا گیا ہے تو دوسرے بدرجہ اولیٰ مخاطب ہیں۔

ولو تریٰ اس کا مفعول محذوف ہے۔ ای لو تریٰ حالهم وقت فزعهم اور اذ بھی مفعول ہو سکتا ہے۔ ای لو تریٰ وقت فزعهم اور رویت کی اسناد وقت کی طرف مجاز ہے ورنہ لوگوں کی طرف ہونی چاہئے تھی۔ مفسر علامؒ نے قیامت کا وقت مراد لیا ہے یا غزوۂ بدر کے موقعہ پر مسلمانوں کے ہاتھوں جو کچھ کفار کا حشر ہوا وہ مراد ہے اور بعض نے پیشگوئی پر محمول کیا ہے کہ آخر زمانہ میں کوئی قوم ان کی سرکوبی کرے گی۔

من مکان قریب. بقول ابن کثیرؒ بمعنی اہل ولیلہ نہ چھوٹنے کی تاکید کے لئے ہے۔ کیونکہ چھوٹ جانا دور چلے جانے پر ہوا کرتا ہے اور بقول روح المعانی سرعت عذاب اور ان کی تباہی کا ناقابل التفات ہونا مراد ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے لئے قرب وبعد یکساں ہے۔

لهم التناوش. لهم التناوش مبتداء ہے اور انی خبر ہے۔ ای کیف لهم التناوش ولهم حال۔ ناش نیوش بمعنی تناول۔

من مکان بعید. ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ انهم یسألون الردو لیس حین رد. روح المعانی میں ہے کہ یہ تمثیل ہے ایمان کے ذریعہ چھٹکارہ پانے کی حالت کی۔ جب کہ ایمان فوت ہو چکا۔ کسی چیز کے دور نکل جانے کے بعد اسے حاصل کرنے کی ناکام کوشش کرنے سے۔

ویقذفون. اس کا عطف قد کفروا پر ہے۔ حکایت ماضی کے طور پر ای ویرمون النبی صلی الله علیه وسلم بما یعلمون یہ رائے مجاہدؒ کی ہے اور بقول قتادہؒ نکل پچھو قیامت وغیرہ کا انکار مراد ہے۔

مکان بعید یہاں دوسری جگہ تمثیل ہے علم حق سے دور ہونے والے ایسے شخص کے ساتھ جو مطلوب سے دور نکل گیا۔ یہ لفظ غیب کی تاکید کے لئے مفسرؒ نے ماغاب سے اشارہ کیا ہے۔ من مکان بعید ظرف مستقر غیب کی صفت ہے، دوسرے مفسرینؒ اس کو یقذفون کا صلہ کہتے ہیں۔ ای یرمون میں جانب بعید۔

مایشتهون حسنؒ کے نزدیک قبول ایمان مراد ہے اور بقول مجاہدؒ مال واولاد ہے۔

باشیاعهم من قبل متعلق ہے فعل کے یا اشیاعهم کے ای الذین شایعوهم قبل ذالک الحین اور من قبل کو بحر میں صرف اشیاعهم کے متعلق قرار دیا ہے کیونکہ سب کے ساتھ ایک ہی وقت کارروائی ہوگی۔

ربط: اوپر کی آیت میں پیغمبروں کو جھٹلانے کا بیان تھا۔ آیت قل انما اعظکم الخ میں پیغمبروں کی تصدیق کا گر بتلاتے ہیں اور وہ ایک معیار ہے، کسی کے جھوٹ سچ پرکھنے کا۔ یعنی جو شخص قرآن کے بے مثل ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس میں غور وفکر کرو کہ ایسی جرأت کا اقدام دو ہی آدمی کر سکتے ہیں۔ ایک وہ جس کا دماغ بالکل ہی جواب دے چکا ہو اور اسے جھوٹا ثابت ہو جانے پر اپنی رسوائی کا بھی کچھ احساس نہ ہو۔ دوسرے وہ شخص جسے آفتاب نصف النہار کی طرح اپنی سچائی اور حقانیت کا یقین ہو اور اعتماد کی چٹان پر کھڑا ہو اسے جھوٹا ہو جانے کا وسوسہ تک نہ ہو۔ اس معیار سے حضور ﷺ کو پرکھ کر دیکھو۔ اس کی صداقت کی تصویر کیسی صاف نظر آتی ہے۔

اس کے بعد آیت قل ماسالتکم الخ میں اس شبہ کا جواب ہے کہ آپ یہ سب کچھ اپنے اقتدار کی خاطر نہیں کر رہے، جیسا کہ مخالفین کے فاسد خیالات سے معلوم ہو رہا ہے۔ ریاست اور حاکمیت تو دور کی بات ہے، آپ تو کسی سے ایک پیسہ کے بھی روادار نہیں۔ آپ کی سرتا سر توجہ انعامات الٰہیہ کی طرف ہے۔ اس طرح اثبات نبوت کے بعد آپ حق کے غلبہ اور ناحق کے پست ہو کر رہنے کا اعلان فرما دیجئے اور یہ اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ خود حق لانے والا، حق کے خلاف گمراہی کی راہ اختیار کر کے سب سے بڑا خسارہ کیسے مول لے سکتا ہے؟ پھر آیت ولو تری الخ سے ان کی دوامی سزا اور حسرت کا ذکر ہے جو ان اصولوں کے منکر ہیں جن کا اس سورت میں بیان ہوا۔

شان نزول: ... آیت قل ان ضللت الخ کا شان نزول یہ ہے کہ کفار مکہ نے حضور ﷺ پر اعتراض کیا تم اپنے آباء و اجداد کے طریقہ کو چھوڑ کر گمراہ ہو گئے ہو۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی، جس کا حاصل یہ ہے کہ بقول تمہارے اس وجہ سے اگر میں گمراہ ہوں تو اس کا وبال و نقصان تو خود مجھ ہی کو ہوگا۔ تمہیں اس کی فکر کیوں ہے؟ تمہیں تو فکر خود اپنے نفع و نقصان کا ہونا چاہئے۔ حالانکہ اس فکر سے تمہارے دل و دماغ قطعاً خالی ہیں۔

﴿تشریح﴾:... حقانیت قرآن کی دلیل امتناعی: ... آیت قل انما اعظکم الخ میں تصدیق نبوت کا ایک معیار "برہان امتناعی" بیان کیا جا رہا ہے کہ تم اپنی خواہشات و مزعومات سے تھوڑی دیر کے لئے الگ تھلگ ہو کر اور نفسانیت کال کر محض للہ فی اللہ غور کرو کہ تم میں سے ہی ایک شخص جو قرآن کے بے مثل ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے ایسا دعویٰ دو ہی قسم کے آدمی کر سکتے ہیں۔ ایک وہ جو عقل سے بالکل کورا ہو اور انجام کی قطعاً اسے پروانہ ہو کہ اگر یہ دعویٰ غلط نکلا تو میری کرکری اور رسوائی ہوگی اور دوسرے وہ شخص اتنا بڑا دعویٰ کر سکتا ہے جو واقعی سچا نبی اور خدا کا فرستادہ ہو۔ جسے اپنی صداقت اور سچائی پر پورا اطمینان و اعتماد ہو اور اسے ذرہ برابر بھی اپنے اس دعویٰ کے غلط ہونے کا شبہ نہ ہو۔ ورنہ نبی نہ ہونے کی صورت میں کوئی بھی دانشمند اس قسم کا ادعا کرتے ہوئے ہچکچائے گا کہ کہیں میری رسوائی کا سامان نہ ہو جائے۔ اگر کوئی اس کلام کا مثل بنا لایا تو مری کیا رہ جائے گی۔

بہر حال ان دونوں مسلوں میں غور کرو اور غور وفکر عموماً کبھی تنہائی اور یکسوئی میں مفید ہوتا ہے اور کبھی ایک آدھ ہم مذاق کے ساتھ مل کر نتیجہ خیز ہو سکتا ہے۔ برخلاف مجمع عامہ کے کہ اکثر اس میں قوت فکریہ منتشر اور پراگندہ ہو جاتی ہے۔ اس لئے "مثنیٰ و فرادیٰ" فرمایا گیا۔

حضور ﷺ کا چالیس سالہ تابناک دور: ... غرضیکہ تعصب و عناد اور نفسانیت چھوڑ کر خلوص نیت کے ساتھ اللہ کے نام پر کھڑے ہو جاؤ۔ خواہ تنہائی میں سوچو یا باہمی رل مل کر مشورہ کر لو کہ محمد ﷺ چالیس سال سے زیادہ تمہاری نظروں کے سامنے

رہے۔ بچپن اور جوانی کا ایک ایک لمحہ تمہارے سامنے گزرا، اس کی امانت، دیانت، صداقت کو تم نے پوری طرح پرکھا۔ کہیں کسی معاملہ میں تمہیں انگلی رکھنے کی جگہ نہیں ملی۔ پس کیا ایسے شخص کے بارے میں تم باور کر سکتے ہو کہ العیاذ باللہ وہ باؤلا ہو سکتا ہے کہ خواہ مخواہ اس نے سب کو اپنا دشمن بنا لیا۔ کیا کوئی دیوانہ ایسی عقل و دانش اور علم و حکمت کی باتیں پیش کر سکتا ہے؟

یہ کام دیوانوں کا نہیں، بلکہ یہ کمالات ان اولوالعزم پیغمبروں کے ہوتے ہیں، جنہیں شریر دیوانے ہمیشہ دیوانہ کہتے اور سمجھتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کے منزل من اللہ ہونے پر دلائل برہانیہ بھی قائم ہیں۔ جیسی اعجاز قرآنی وغیرہ۔ اس لئے یہاں صرف برہان اقناعی میں صرف تنبیہ کافی ہوتی ہے۔ اس سے تدریجی طور پر ذہن نظر وفکر کا عادی بھی ہو جائے گا اور حصول مقصد دونوں طریقوں سے ہو جائے گا۔

سیاست واقتدار مقصود نہیں وسیلہ ہے: ... آیت ماھذا الا رجل الخ سے جو آپ کے حصول اقتدار کا اعتراض کفار نے کیا تھا۔ اس کا جواب اگرچہ اثبات نبوت سے ہو جاتا ہے۔ تاہم مستقلاً بھی اس سے تعرض کیا جارہا ہے کہ **قل ماسالتکم من اجر** یعنی میں تم سے کسی صلہ کا طلبگار نہیں۔ اس میں مال وجاہ سب آگئے۔ کیونکہ اعیان واعراض دونوں میں صلہ بننے کی صلاحیت ہے۔ تم اپنے صلہ اپنے پاس ہی رکھو، میرا صلہ تو اللہ کے پاس ہے۔ ہاں تم سے تمہارے ہی نفع کی خاطر ایمان واسلام کا ہی طالب ہوں۔ اس سے زائد میری کوئی غرض نہیں ہے۔ رہ گئے اصلاح معاملات اور فصل مقدمات، سیاسی، انتظامی سوان کا منشاء بھی تمہاری ہی بہترائی ہے۔ جیسے اپنے بچوں کی تادیب محض خیرخواہی کے مد میں کرتا ہے۔ کچھ اس میں خودغرضی نہیں ہوتی۔

اس لئے کان کھول کر سن لو کہ اللہ حق کو غالب کر رہا ہے۔ خواہ حجت سے، خواہ طاقت سے، اللہ کی وحی اتر رہی ہے، دین کی بارش ہو رہی ہے، موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دو، اس سے فائدہ اٹھاؤ، اللہ جب حق کو باطل کے سر مار رہا ہے۔ پھر باطل کے ٹھہرنے کا کیا سوال؟ جھوٹ کے پاؤں کہاں جو حق کے سامنے ٹک سکے۔ وہ تو اب نہ کرنے کا نہ دھرنے کا۔ فتح مکہ کے دن یہی آیت آپ کی زبان مبارک پر تھی۔ حق کے مٹ جانے کا یہ مطلب نہیں کہ اب کبھی باطل پرستوں کی شوکت نہیں ہوگی بلکہ منشاء یہ ہے کہ حق آنے سے پہلے جس طرح باطل پر کبھی حق ہونے کا گمان ہو جایا کرتا تھا اب اس لحاظ سے اس کی یہ حیثیت مٹ گئی اور اسکا بطلان خوب کھل گیا اور ہمیشہ کے لئے پردہ اٹھ گیا۔

آپ ان سے یہ بھی سنا دیجئے کہ اگر میں نے یہ ڈھونگ خود کھڑا کیا ہے تو کتنے روز رہے گا۔ اس میں بھی تو خود میرا نقصان ہے۔ دنیا بھر کی لڑائی الگ اور آخرت کی رسوائی الگ۔ لیکن اگر میں سیدھے راستے پر ہوں اور واقعی یہی ہے تو یہ سب اللہ کی وحی وہدایت سے ہے، وہ اپنے پیغام کو دنیا میں چمکائے گا۔ تم مانو یا نہ مانو۔ یہاں تم جتنی چاہو ڈینگیں مار لو۔ مگر تمہارا برا وقت ہی آ رہا ہے۔ اس وقت تمہیں پکڑنے کے لئے کہیں دور جانا نہیں پڑے گا۔ نہایت آسانی سے گرفتار ہو جاؤ گے۔ اس وقت بول اٹھو گے کہ ہمیں پیغمبروں کی باتوں پر یقین آ گیا۔ اس لئے جھک مار کر ماننا ہے اس کا کیا اعتبار! اس وقت دنیا میں تو کسی طرح مان کر نہیں دیا۔ اٹکل کے تیر ہی مارتے رہے۔ اب پچھتائے تو کیا۔ اب تو ان کی خواہشات اور ان کے درمیان ایک آڑ کھڑی کر دی گئی ہے۔ اسی قماش کے لوگ پہلے بھی گزر چکے ہیں۔ ان کے ساتھ جو معاملہ کیا گیا، ان سے بھی وہی سلوک ہوا۔ وہ لوگ بھی اسی طرح کے اوہام وخدشات میں گھرے رہے ہیں۔ جن سے انہیں کبھی چین نصیب نہ ہوا۔ یہاں شک سے مراد عام ہے۔ جس میں جحود وانکار بھی داخل ہے اور اس تعبیر میں نکتہ

یہ ہے کہ جب حق میں شک کرنا بھی مہلک ہے تو جو دو انکار بدرجہ اولیٰ تباہ کن ہوگا اور لفظ ریب میں بھی اسی نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب حق میں تردد اور دل کا ڈانواڈول ہونا مضر ہے تو خلاف حق پر جم جانا بدرجہ اولیٰ ضرر رساں ہوگا۔ یہ کہا جائے کہ حق جب بار بار اہل باطل کے کان میں پہنچتا ہے تو کچھ نہ کچھ احتمال مخالف جانب کا بھی اکثر ہو ہی جاتا ہے۔ مگر چونکہ حق جزم کے درجہ میں نہیں پہنچا۔ اس لئے باطل کا اتنا اکھڑ جانا بھی مقبول نہیں ہوا۔

ایک آیت **فارجعنا الخ** میں کفار کے قول سے ان کا مقصود صرف رجوع الی الدنیا معلوم ہوتا ہے اور یہاں **وقالوا امنا به الخ** سے قبولیت توبہ وایمان کا مقصود ہونا معلوم ہوتا ہے۔ پس دونوں مقصدوں میں منافات ہوئی۔ جواب یہ ہے کہ قبولیت توبہ کے مقصد میں تعمیم ہے، خواہ دنیا میں رجوع ہو یا نہ ہو۔ پس اب دونوں میں منافات نہیں رہی، بلکہ دونوں جگہ پر مقصود اصلی قبولیت ایمان اور نجات ہے۔ البتہ دنیا میں لوٹنا اس کا ایک طریقہ ہے، وہ مقصود نہیں، بلکہ اگر قبولیت ایمان کسی اور ذریعہ سے حاصل ہو جائے تو پھر رجوع دنیا کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

سُـــورَةُ فَاطِـــرٍ

سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ اَوْسِتٌّ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمِدَ تَعَالٰى نَفْسَهٗ بِذٰلِكَ كَمَا بُيِّنَ فِيْ اَوَّلِ سَبَا **فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** خَالِقُهُمَا عَلٰى غَيْرِ مِثَالٍ سَبَقَ **جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا** اِلَى الْاَنْبِيَاءِ **اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ** فِي الْمَلٰئِكَةِ وَغَيْرِهَا **مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴿۱﴾ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ** كَرِزْقٍ وَمَطَرٍ **فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ** مِنْ ذٰلِكَ **فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ** اَيْ بَعْدَ اِمْسَاكِهٖ **وَهُوَ الْعَزِيْزُ** الْغَالِبُ عَلٰى اَمْرِهٖ **الْحَكِيْمُ﴿۲﴾** فِيْ فِعْلِهٖ **يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ** اَيْ اَهْلَ مَكَّةَ **اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۭ** بِاِسْكَانِكُمُ الْحَرَمَ وَمَنْعِ الْغَارَاتِ عَنْكُمْ **هَلْ مِنْ خَالِقٍ** مِنْ زَائِدَةٍ وَّخَالِقٍ مُبْتَدَأٌ **غَيْرُ اللّٰهِ** بِالرَّفْعِ وَالْجَرِّ نَعْتٌ لِخَالِقٍ لَفْظًا وَمَحَلًّا وَخَبَرُ الْمُبْتَدَاِ **يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ** الْمَطَرِ **وَمِنَ الْاَرْضِ ۭ** النَّبَاتِ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيْرِ اَيْ لَاخَالِقَ رَازِقَ غَيْرُهٗ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ڮ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ﴿۳﴾** مِنْ اَيْنَ تُصْرَفُوْنَ عَنْ تَوْحِيْدِهٖ مَعَ اِقْرَارِكُمْ بِاَنَّهُ الْخَالِقُ الرَّازِقُ **وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ** يَا مُحَمَّدُ فِيْ مَجِيْئِكَ بِالتَّوْحِيْدِ وَالْبَعْثِ وَالْحِسَابِ وَالْعِقَابِ **فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۭ** فِيْ ذٰلِكَ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرُوْا **وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ﴿۴﴾** فِي الْاٰخِرَةِ فَيُجَازِي الْمُكَذِّبِيْنَ وَيَنْصُرُ الْمُرْسَلِيْنَ **يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ** بِالْبَعْثِ وَغَيْرِهٖ **حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۫** عَنِ الْاِيْمَانِ بِذٰلِكَ **وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ** فِيْ حِلْمِهٖ وَاِمْهَالِهٖ **الْغَرُوْرُ﴿۵﴾** الشَّيْطَانُ **اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ** بِطَاعَةِ اللّٰهِ وَلَا تُطِيْعُوْهُ **اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ** اَتْبَاعَهٗ فِي الْكُفْرِ **لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۭ﴿۶﴾** النَّارِ الشَّدِيْدَةِ **اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ڛ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ﴿۷﴾** فَهٰذَا بَيَانُ مَالِمُوَافِقِي الشَّيْطَانِ وَمَالِمُخَالِفِيْهِ ع ۱۳

وَنَزَلَ فِي اَبِي جَهْلٍ وَغَيْرِهِ **اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوْٓءُ عَمَلِهِ** بِالتَّمْوِيْهِ **فَرَاٰهُ حَسَنًا** مَنْ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهُ كَمَنْ هَدَاهُ اللّٰهُ لَادَلَّ عَلَيْهِ **فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ** عَلَى الْمُزَيَّنِ لَهُمْ **حَسَرٰتٍ** بِاغْتِمَامِكَ اَنْ لَا يُؤْمِنُوْا **اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ** ﴿۸﴾ فَيُجَازِيْهِمْ عَلَيْهِ **وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ** وَفِي قِرَاءَةٍ الرِّيْحَ **فَتُثِيْرُ سَحَابًا** الْمُضَارِعُ لِحِكَايَةِ الْحَالِ الْمَاضِيَةِ اَيْ تُزْعِجُهُ **فَسُقْنٰهُ** فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ **اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ لَانَبَاتَ بِهَا **فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ** مِنَ الْبَلَدِ **بَعْدَ مَوْتِهَا** يُبْسِهَا اَيْ اَنْبَتْنَا بِهِ الزَّرْعَ وَالْكَلَاءَ **كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ** ﴿۹﴾ اَيِ الْبَعْثُ وَالْاِحْيَاءُ **مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا** اَيْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلَا تَنَالُ مِنْهُ اِلَّا بِطَاعَتِهِ فَلْيُطِعْهُ **اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ** يَعْلَمُهُ وَهُوَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَنَحْوُهَا **وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ** يَقْبَلُهُ **وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ** الْمَكَرَاتِ **السَّيِّاٰتِ** بِالنَّبِيِّ فِي دَارِ النَّدْوَةِ مِنْ تَقْيِيْدِهِ اَوْ قَتْلِهِ اَوْ اِخْرَاجِهِ كَمَا ذُكِرَ فِي الْاَنْفَالِ **لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ** ﴿۱۰﴾ يَهْلِكُ **وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ** بِخَلْقِ اَبِيْكُمْ اٰدَمَ مِنْهُ **ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ** اَيْ مَنِيٍّ بِخَلْقِ ذُرِّيَّتِهِ مِنْهَا **ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا** ذُكُوْرًا وَاِنَاثًا **وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهِ** حَالٌ اَيْ مَعْلُوْمَةً لَهُ **وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ** اَيْ مَا يُزَادُ فِي عُمْرِ طَوِيْلِ الْعُمْرِ **وَلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ** اَيْ مِنْ ذٰلِكَ الْمُعَمَّرِ اَوْ مُعَمَّرٍ اٰخَرَ **اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ** هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ **اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ** ﴿۱۱﴾ هَيِّنٌ **وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ** شَدِيْدُ الْعُذُوْبَةِ **سَآئِغٌ شَرَابُهٗ** شُرْبُهُ **وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ** شَدِيْدُ الْمُلُوْحَةِ **وَمِنْ كُلٍّ** مِنْهُمَا **تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا** هُوَ السَّمَكُ **وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ** مِنَ الْمِلْحِ وَقِيْلَ مِنْهُمَا **حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا** هِيَ اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ **وَتَرَى** تُبْصِرُ **الْفُلْكَ** السُّفُنَ **فِيْهِ** فِي كُلٍّ مِنْهُمَا **مَوَاخِرَ** تَمْخُرُ الْمَاءَ اَيْ تَشُقُّهُ بِجَرْيِهَا فِيْهِ مُقْبِلَةً وَمُدْبِرَةً بِرِيْحٍ وَاحِدَةٍ **لِتَبْتَغُوْا** تَطْلُبُوْا **مِنْ فَضْلِهٖ** تَعَالٰى بِالتِّجَارَةِ **وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ** ﴿۱۲﴾ اللّٰهَ عَلٰى ذٰلِكَ **يُوْلِجُ** يُدْخِلُ اللّٰهُ **الَّيْلَ فِي النَّهَارِ** فَيَزِيْدُ **وَيُوْلِجُ النَّهَارَ** يُدْخِلُهُ **فِي الَّيْلِ** فَيَزِيْدُ **وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ** مِنْهُمَا **يَّجْرِيْ** فِي فَلَكِهِ **لِاَجَلٍ مُّسَمًّى** يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ** تَعْبُدُوْنَ **مِنْ دُوْنِهٖ** اَيْ غَيْرِهِ وَهُمُ الْاَصْنَامُ **مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ** ﴿۱۳﴾ لِفَافَةِ النَّوَاةِ **اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا** فَرْضًا **مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ** مَا اَجَابُوْكُمْ **وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ** بِاِشْرَاكِكُمْ اِيَّاهُمْ مَعَ اللّٰهِ اَيْ يَتَبَرَّءُوْنَ مِنْكُمْ مِنْ عِبَادَتِكُمْ اِيَّاهُمْ **وَلَا يُنَبِّئُكَ** بِاَحْوَالِ الدَّارَيْنِ **مِثْلُ خَبِيْرٍ** ﴿۱۴﴾ عَالِمٍ وَهُوَ اللّٰهُ تَعَالٰى

ع ۱۴

ترجمہ:.........سورۂ فاطر مکیہ ہے جس میں ۴۵ یا ۴۶ آیات ہیں۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ساری تعریف اللہ ہی کے لئے۔(اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف خود کی ہے سورۂ سبا کے شروع میں اس کی وجہ گزر چکی ہے) جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا (بغیر نمونہ کے بنانے والا) فرشتوں کو (پیغمبروں کے لئے) پیغام رساں بنانے والا ہے جو دو دو، تین تین، چار چار پردار بازو رکھتے ہیں۔ وہ (فرشتوں وغیرہ کی) پیدائش میں جو چاہے زیادہ کر سکتا ہے۔ بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ جو رحمت (جیسے رزق، بارش) لوگوں کے لئے کھول دے۔ سو اس کو اس سے کوئی باز نہیں رکھ سکتا۔ اور جو کچھ اللہ روک لے (اس میں سے) اس کو کوئی جاری کرنے والا نہیں ہے۔ اس (روک دینے) کے بعد اور وہی (اپنے معاملہ میں) غلبہ والا (اپنے کام میں) حکمت والا ہے (مکہ کے) لوگو! اللہ کے احسانات اپنے اوپر یاد کرو (تمہیں حرم شریف میں سکونت بخش کر اور لوٹ مار سے مامون کر کے) کیا کوئی خالق ہے (من زائد اور خالق مبتداء ہے) اللہ کے سوا (لفظ غیر رفع اور جر کے ساتھ بلحاظ لفظ اور بلحاظ محل خالق کی صفت ہے اور مبتداء کی خبر آگے ہے) جو تمہیں آسمان سے (بارش کی صورت میں) اور زمین سے (پیداوار کی صورت میں) روزی پہنچاتا ہو (اس میں استفہام تقریر کے لئے ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی خالق رازق نہیں ہے) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ سو تم کہاں الٹے چلے جا رہے ہو (اس کی توحید سے کیسے پھرے جا رہے ہو۔ جبکہ تمہیں اس کے خالق رازق ہونے کا اقرار ہے) اور یہ لوگ اگر آپ کو جھٹلا رہے ہیں (اے محمد ﷺ) آپ کے پیغام توحید، بعث، حساب، عذاب کے بارے میں) تو آپ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر جھٹلائے جا چکے ہیں (انہی۔ قوں کی نسبت) لہٰذا (آپ بھی انہی کی طرح صبر کیجئے) یہ سب معاملات اللہ ہی کے روبرو پیش کئے جائیں گے (قیامت میں، چنانچہ جھٹلانے والوں کو سزا ہوگی اور پیغمبروں کی کامیابی) لوگو! اللہ کا وعدہ (دربارۂ قیامت وغیرہ) سچا ہے، ایسا نہ ہو کہ دنیا کی زندگانی تمہیں (ان پر ایمان کے متعلق) دھوکہ میں ڈال دے اور نہ تم کو اللہ (کے حلم اور مہلت دینے) سے وہ بڑا فریبی (شیطان) دھوکہ میں ڈال دے۔ بلاشبہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے سو اس کو دشمن ہی سمجھتے رہو (اللہ کی فرمانبرداری رکھو اس کی پیروی نہ کرو) وہ تو (کفر کی طرف) اپنے پیروکاروں کو اس لئے بلاتا ہے کہ وہ لوگ دوزخیوں میں سے ہو جائیں (جہاں دہکتی آگ ہوگی) جو لوگ کافر ہو گئے، ان کے لئے سخت عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے (یہ بیان ہے شیطان کے موافقین و مخالفین کے انجاموں کا۔ آئندہ آیت ابوجہل وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے) سو کیا ایسا شخص جسے اس کا عمل بد (ملمع کر کے) خوشنما بنا کر بتلایا گیا اور وہ اس کو اچھا سمجھنے لگا (مــــن مبتداء ہے اس کی خبر کمن ھداہ اللہ ہے۔ یعنی اللہ نے جس کو ہدایت دی ہو اس کے برابر ہو سکتا ہے، ہرگز نہیں، جیسا کہ اگلی عبارت اس پر دلالت کر رہی ہے) سو اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے، اس طرح کہیں آپ کی جان جاتی نہ رہے ان (فریب خوردہ لوگوں) پر افسوس کر کے (آپ کے اس غم کی وجہ سے کہ یہ ایمان کیوں نہیں لائے) اللہ تعالیٰ کو ان سب کرتوتوں کی خبر ہے (لہٰذا وہ ان کو اس کا بدلہ دے گا) اور وہ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے (ایک قرأت میں ریح ہے) پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہے (لفظ تثیر مضارع ہے حکایت حال ماضیہ کے لئے یعنی ہوا بادلوں کو ہنکاتی ہے) پھر ہم کھینچ لے جاتے ہیں، بادلوں کو (اس میں غائب سے متکلم کی طرف التفات ہے) خشک خطہ زمین کی طرف (لفظ میت تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے جس زمین میں سرسبزی نہ ہو) پھر ہم اس کے ذریعہ سے زمین (کے خشک خطہ) کو ہرا بھرا کر دیتے ہیں، اس کے ناکارہ ہو جانے کے بعد (سوکھ جانے پر یعنی اس میں سبزی گھاس اگا دیتے ہیں) اسی طرح جی اٹھنا ہوگا (قبروں سے جی اٹھنا) جو شخص عزت حاصل کرنا چاہے تو تمام تر عذاب اللہ ہی کے لئے ہے (دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، سو وہ اس کی اطاعت سے ہی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس لئے اسے اللہ کی فرمانبرداری کرنی چاہئے) اچھی باتیں اسی تک پہنچتی ہے (لا الٰہ الا اللہ جیسے کلمات کو وہی جانتا ہے) اور نیک کام ان باتوں کو اونچا کر دیتا ہے (مقبول بنا دیتا ہے) اور جو لوگ بری بری تدبیریں (مکاریاں) کر رہے ہیں (پیغمبر کے متعلق دارالندوہ میں آپ کو گرفتار کرنے، قتل کرنے،

جلاوطن کر ڈالنے کی نسبت جیسا کہ سورۂ انفال میں گزر چکا ہے) انہیں سخت عذاب ہوگا اور ان لوگوں کا یہ مکر نیست و نابود (ناپید) ہو جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (یعنی نسل انسانی کے باپ آدم کو مٹی سے بنایا ہے) پھر نطفہ سے (یعنی ان کی اولاد کو ان کی منی سے پیدا کیا ہے) پھر اسی نے تمہیں (نر و مادہ کے) جوڑے جوڑے بنایا اور کسی عورت کو نہ حمل رہتا ہے۔ نہ وہ جنتی ہے مگر سب اس کی اطلاع سے ہوتا ہے (یہ حال ہے یعنی اس کو معلوم رہتا ہے) اور کسی کی عمر نہ زیادہ کی جاتی ہی (یعنی کسی کی عمر کو لمبی نہیں کیا جاتا) اور نہ کم کی جاتی ہے (پہلے ہی شخص کی عمر سے یا دوسرے شخص کی عمر سے) مگر یہ سب کتاب (لوح محفوظ) میں ہوتا ہے۔ یہ سب اللہ کے لئے آسان ہے اور دونوں دریا برابر نہیں ہیں۔ ایک تو شیریں (نہایت خوش ذائقہ) پیاس بجھانے والا ہے (اس کا پینا) اور ایک شور و تلخ ہے۔ (نہایت کھاری) اور تم (ان دونوں پانیوں میں سے) ہر ایک سے تازہ گوشت (مچھلی) کھاتے ہو اور برآمد کرتے ہیں (شور سمندر سے یا بعض نے کہا کہ شور و شیریں دونوں سمندروں سے) زیور جس کو تم پہنتے ہو (یہ موتی اور مانگا ہیں) اور تو دیکھتا ہے، کشتیوں کو اس میں (دونوں سمندروں میں) پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں (پانی کو پھاڑ دیتی ہے۔ یعنی آتے جاتے کشتی کے چلنے کی وجہ سے پانی پھٹ جاتا ہے ایک ہی ہوا سے) تاکہ تم اللہ کی روزی تلاش کر سکو (تجارت کے ذریعہ) اور تاکہ تم شکرگزار ہو سکو (اللہ کی ان نعمتوں پر) وہ (اللہ) رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے (جس سے دن بڑھ جاتا ہے) اور دن (داخل کرتا ہے) رات میں (جس سے وہ زیادہ ہو جاتی ہے) اور اس نے سورج چاند کو کام میں لگا رکھا ہے (ان میں سے) ہر ایک (اپنے مدار میں ایک مقررہ مدت قیامت) تک چلتے رہیں گے۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے۔ اسی کی سلطنت ہے اور جن کو تم پکارتے ہو (بندگی کرتے ہو) اس کے سوا (اللہ کے علاوہ بتوں کی) وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے (جھلی) کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔ اگر تم ان کو پکارو بھی تو وہ تمہاری پکار سنیں گے نہیں، اور (بالفرض) سن بھی لیں تو تمہارا کہنا نہ کر سکیں اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کرنے ہی کے منکر ہوں گے (کہ تم نے انہیں اللہ کے ساتھ شریک کیا تھا۔ یعنی تم نے ان کی جو پرستش کی تھی اس کا انکار کر دیں گے) اور تجھ کو (دونوں جہاں کا حال) کوئی نہیں بتلا سکتا (اللہ) خبیر کے برابر۔

تحقیق وترکیب: ...... **الحمد.** حق تعالیٰ نے اپنی تعظیم اور بندوں کی تعلیم کے لئے حمد فرمائی ہے۔ حمد کی اضافت اگر اللہ کی طرف ہو تو الف لام جنس یا استغراق کے لئے ہوگا۔ عہد کا اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اس کے علاوہ دوسری کوئی چیز معہود نہیں ہے۔ البتہ اگر بندوں کا حمد کرنا مراد ہو تو الف لام عہد کا بھی ہو سکتا ہے اور معہود اللہ کی بیان کردہ حمد ہوگی۔

اور سورۂ سبا کی ابتداء میں گذرا کہ اللہ کا اپنی حمد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اوصاف کمال سے وہ متصف ہے۔ سورۂ انعام، کہف، سبا، فاطر چاروں کی ابتداء حمد سے کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ ان میں دنیاوی اور دینی نعمتوں کا بیان ہے جن پر سورۂ فاتحہ مشتمل ہے۔

فاطر فطر بمعنی شق، خالق بھی چونکہ پردہ عدم پھاڑ کر مخلوق کو وجود میں لاتا ہے۔ اس لئے بمعنی خالق ہے اور چونکہ معنی ماضی ہے، اس لئے اضافت معنوی ہوگی، اسی لئے اللہ کی صفت بن گئی۔

جاعل الملائكة. جاعل بمعنی ماضی ہونے کی صورت میں یہ شبہ ہے کہ عمل نہیں ہو سکے گا۔ حالانکہ یہ عامل ہے رسلاً میں اگر معنی ماضی نہ ہو تو پھر یہ اضافت مخصصہ نہیں ہوگی۔ اس لئے معرفہ کی صفت بھی نہیں ہو سکے گی۔ مگر بقول طیبی جاعل استمرار ماضی کے لئے ہے۔ پس بمعنی ماضی ہونے کی وجہ سے تو معرفہ کی صفت ہو جائے گا اور حال و استقبال پر دلالت کی وجہ سے عامل بن جائے گا اور **جاعل الملائكه** سے بعض فرشتے مراد ہیں۔ کیونکہ تمام فرشتے پیغامبر نہیں ہیں۔

اور **اولی اجنحة** صفت ہے۔ رسلاً کی دونوں نکرہ ہونے کی وجہ سے لفظاً مناسب ہے یا ملائکہ کی صفت کاشفہ ہو اور یہ معنی مناسب ہے۔ کیونکہ سب فرشتے اولی اجنحۃ ہیں۔

مثنی. اس میں عدل معنوی ہے۔ اثنین اثنین سے عول ہوا ہے۔ یہی حال دوسرے الفاظ کا ہے اور مقصود ان الفاظ سے تعدد ہے نہ کہ حصر۔ کیونکہ بعض فرشتوں کے چھ سو بازو بھی روایات میں آئے ہیں۔

مایفتح اللہ. یہاں فتح مجاز ہے ارسال سے علاقہ سببیت کی وجہ سے۔ کیونکہ کسی بند چیز کو کھولنا اس کے اطلاق اور ارسال کا سبب ہوتا ہے۔ اسی لئے فتح کے مقابلہ میں لفظ یمسك لایا گیا۔ پھر اطلاق سے کنایہ اعطاء کی طرف ہے اور لفظ فتح کے ساتھ تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ رحمت الٰہی سب سے زیادہ نفیس خزانہ ہے اور تنکیر عموم کے لئے ہے کہ ہر چیز اللہ کی نعمت ورحمت ہے۔ حتیٰ کہ حضرت عروہؓ سواری کے وقت فرمایا کرتے۔ ھی واللہ رحمة فتحت للناس .ما یفتح اللہ للناس من رحمة الخ. یعنی سواری کا چلنا اور رکنا دونوں رحمت ہیں۔ ایک یفتح میں داخل اور دوسرا یمسك میں۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ سواری اگر چل کر نہ دے تب بھی مصیبت ہے اور اگر چل کر رکنے کا نام نہ لے، وہ بھی مصیبت اور آفت ہے۔ اس لئے سواری کا چلنا اور رکنا دونوں ہی اللہ کی رحمت سے ہیں۔ اس طرح موٹر، اسکوٹر، ٹرین، ہیلی کاپٹر، جہاز وغیرہ سب ہی سواریاں اس آیت کا مصداق ہیں۔

غیر اللہ. حمزہ، کسائی غیر کو مکسور پڑھتے ہیں، خالق کی صفت لفظی بناتے ہوئے۔

من خالق. مبتداء من زائد ہے۔ دوسرے قراء غیر کو مرفوع پڑھتے ہیں۔ اس صورت میں متعدد ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔ مبتداء کی خبر ہو یا خالق کی صفت محلاً ہو اور خبر یا محذوف ہے اور یا یرزقکم خبر ہے۔ تیسرے مرفوع ہو۔ اسم فاعل کی وجہ سے فاعلیت کی بناء پر

تؤفکون. افك بالفتح باب ضرب سے بمعنی صرف چنانچہ لتافکنا عن الھتنا میں ہے اور افك بالکسر بمعنی کذب ہے۔

فاصبر. حقیقۃ یہ جملہ جزاء ہے لیکن فقد کذبت جملہ سببیہ کو قائم مقام جزاء کر دیا گیا ہے۔

والی اللہ ترجع الامور. اس میں وعد اور وعید دونوں کا اشارہ ہے۔

الغرور. مراد شیطان ہے۔ کیونکہ وہ جھوٹی تمناؤں میں مبتلا کرتا ہے۔

الذین کفروا. اس میں تینوں اعراب ہوسکتے ہیں۔ مرفوع کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مبتداء ہو اور جملہ اس کی خبر ہو۔ دوسرے یہ کہ لھم خبر اور عذاب فاصل ہو یا لیکونوا کے واؤ سے بدل مانا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ منصوب مانا جائے حزبہ سے بدل مان کر یا اس کی صفت مان کر یا اذم وغیرہ فعل محذوف مان کر۔ تیسری صورت مجرور ہونے کی ہے بطور صفت کے یا اصحاب سے بدل بنا کر اور لیکونوا میں لام علت ہے یا لام صیرورت۔

افمن زین. بقول ابن عباسؓ مشرکین کے اور بقول سعید بن جبیرؒ اہل بدعت کے بارے میں آئندہ آیت نازل ہوئی ہے۔ یہ مبتداء ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے۔ ای کمن ھو لیس کذالك یا بقول مفسرؒ کمن ھداہ اللہ ہے۔ جس پر فان اللہ یضل دلالت کر رہا ہے۔ یا اس کو کمن لم یزین لہ کی خبر کہا جائے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ افمن زین لہ سوء عملہ ذھبت نفسک الخ اس دلالت کی وجہ سے جواب کو حذف کر دیا گیا ہے۔ آیت میں معتزلہ پر رد ہے جو بندوں کو خالق افعال مانتے ہیں۔ کیونکہ اضلال اور اہدی دونوں کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے جو مسلک معتزلہ کے خلاف ہے۔

فلا تذھب. زجاج کہتے ہیں کہ معنی یہ ہیں۔ افمن زین لہ سوء عملہ فراہ ذھبت نفسک علیھم یا افمن زین لہ سوء عملہ کمن ھداہ اللہ اور فلا تذھب کے معنی ہلاک نہ کرنے کے ہیں اور حسرات مفعول لہ ہے اور علیھم صلہ ہے تذھب کا جیسے کہا جائے ھلک علیہ حبا اور مات علیہ حزنا۔ حسرات سے متعلق کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مصدر کا صلہ مقدم نہیں ہوسکتا۔

حسرات. یہ مفعول لہ ہے اور حسرۃ مصدر ہونے کی وجہ سے اگرچہ قلیل وکثیر دونوں پر صادق آتا ہے۔ مگر حضور کے زیادہ عموم وصدمات بیان کرنے کے لئے جمع لایا گیا ہے۔

من کان. اس کی جزاء محذوف ہے۔ای فلیطلبہا من اللہ.
ارسل الریاح. ابن کثیرؒ، حمزہؒ، علیؒ کے نزدیک ریح اور باقی قراء کے نزدیک جمع کے ساتھ ہے۔
فسقناہ. التفات میں مزید صنعت کے اختصاص کا نکتہ ہے اور بلد بمعنی قطعہ زمین اور نشور بمعنی حیات ہے۔
احیینابہ. ضمیر سحاب کی طرف راجع ہے۔ سبب بعید ہے حیات کا اور یا تقدیر مضاف ہے ای بمائہ
من کان. اس کی جزاء محذوف ہے۔ای فلیطلبہا من اللہ.
میت. نافعؒ اور کوفیوں کے نزدیک ابوبکر کے علاوہ تشدید کے ساتھ ور دوسرے قراء کے نزدیک تخفیف کے ساتھ ہے۔
الکلم الطیب. کلم اسم جمع جنسی ہے۔ یہاں طیبۃ آنا چاہئے تھا۔ مگر جہاں جمع اور واحد میں تا کے ذریعہ فرق ہوتا ہے۔ وہاں مذکر و مؤنث دونوں جائز ہوتے ہیں۔ یہاں لفظ کی رعایت سے مذکر لایا گیا اور طیب بایں معنی کہ عقل وشرع اور فرشتوں کے نزدیک پسندیدہ ہیں۔ مفسر علامؒ نے یعلمہ سے صعود کے مجازی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں علم الٰہی مراد ہے۔ قبولیت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے صعود کہا گیا ہے۔ علاقہ لزوم کی وجہ سے مجاز مرسل ہے یا استعارہ ہے۔ قبول کو صعود کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور بعض نے حقیقت پر محمول کیا ہے، خواہ اعمال کا صعود ہو یا صحائف اعمال کا۔ اور کلم طیب سے مراد عام بھلائیاں ہیں۔
یرفعہ. یقبلہ سے مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ یرفع کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے اور رفع سے مراد قبولیت ہے۔ چنانچہ قتادہؒ فرماتے ہیں۔ یرفع اللہ العمل لصاحبہ. دوسری صورت یہ ہے کہ یرفع کی ضمیر عمل کی طرف اور ضمیر مفعول کلم کی طرف راجع ہو۔ اکثر آثار سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس صورت میں العمل الصالح مبتداء اور یرفعہ خبر ہو جائے گی۔ چنانچہ جو شخص محض ذکر اللہ کرتا ہے اور فرائض نہ ادا کرتا ہو۔ اللہ اس کے قول کو رد فرما دیتا ہے۔ بقول بغویؒ، ابن عباسؓ، سعیدؒ بن جبیر، عکرمہؒ اور اکثر حضرات کی رائے یہی ہے۔ تیسری صورت اس کا عکس ہے۔ای الکلم الطیب یرفع العمل الصالح. چنانچہ بلا توحید کوئی عمل مقبول نہیں ہے۔ کلبی اور مقاتل کی یہی رائے ہے۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ ضمیر مرفوع عمل کی طرف اور ضمیر منصوب عامل کی طرف راجع ہو۔ای العمل الصالح یرفع العامل الی الشرف.
السیئات. یہ صفت ہے نکرات موصوف محذوف کی یا مفعول مطلق ہے۔ یمکرون فعل لازم کا۔
مکرات. جمع مکرۃ کی ایک مرتبہ حیلہ و مکر کے معنی ہیں اور بعض نے یہاں ریاء اعمال کے معنی کئے ہیں۔
دار الندوۃ. ندوۃ بمعنی اجتماع، نادی مجلس۔
واللہ خلقکم. بعث و نشر کی دوسری دلیل ہے۔
الا بعلمہ. ای متلبسا بعلمہ انثی سے حال ہے استثنائے مفرغ ہے۔ای لا تحمل فی حال الاحال کونہ متلبسۃ بعلمہ معلومۃ لہ.
وما یعمر. عام قرأت یہی ہے۔
من عمرہ. ضمیر کا مرجع معمر ہے۔ لیکن معنی متبادر کے لحاظ سے نہیں بلکہ تاویلی معنی کے اعتبار سے ہے۔ یعنی مرجع میں معمر باعتبار مایؤل ہے اور ضمیر اصل محول عنہ کے لحاظ سے راجع کی گئی ہے۔ لا ینقص من عمر احد کا مطلب یہ ہے کہ ابتداء ہی سے کسی کی عمر ناقص کی جاتی ہے تو لوح میں لکھ دی جاتی ہے۔ جیسے کہا جائے ضیق فم الرکیۃ اس پر یہ شبہ کرنا کہ انسان معمر طویل العمر ہوگا یا قصیر العمر۔ پھر اس میں رد و بدل کیسے ممکن ہے؟ جس کی آیت میں اطلاع دی گئی۔ جواب دیا جائے گا کہ سامع اور مخاطب کے فہم پر اعتماد کر کے کلام کیا جا رہا ہے کہ ایک ہی شخص کی عمر کا طول و قصر مراد نہیں بلکہ دونوں کا مصداق الگ الگ اشخاص ہیں۔ چنانچہ بولا جاتا ہے۔

لایثیب اللہ عبدا ولا یعاقبہ الا بحق یا یہ تاویل کی جائے کہ ایک شخص کی عمر صحیفہ میں درج ہوتی ہے۔مگر جوں جوں زمانہ گزرتا رہتا ہے عمر کم ہوتی جاتی ہے۔اس کمی کا اندراج بھی صحیفہ میں ہوتا رہتا ہے۔نقصان عمر سے یہی مراد ہے اور قتادہؒ سے منقول ہے۔ **المعمر من بلغ ستین سنة والمقوص من یموت قبل ستین سنة.**

البحران. دریائے شور وشیرین سے کافر ومومن کی تمثیل ہے۔اسی کے ساتھ صرف دریائے شور کی برتری کافری کے مقابلہ میں بیان کی جارہی ہے کہ دریائے شور مچھیوں، موتیوں، کشتیوں اور جہازوں کے منافع رکھتا ہے۔مگر کافر کسی مصرف کے نہیں ہوتے۔ جیسے دوسری آیت ثم قست قلوبکم میں کفار کے قلوب کا پتھروں سے بدتر ہونا بیان کیا گیا ہے۔

سائغ. سہل وخوشگوار اور شراب سے مراد پانی ہے۔

حلية. مرجان یعنی چھوٹے موتی مراد ہیں۔بقول زہری وغیرہ ایک جماعت کے اور بقول طرطوسی انگلیوں کے پوروں کے برابر سرخ رنگ کے تار مغربی سمندر میں دیکھے گئے ہیں۔مچھلی اور موتی دریائے شور وشیریں دونوں سے برآمد ہوتے ہیں یا موتی مونگے دریائے شور سے اور مچھلیاں شور وشیریں دونوں سمندروں سے نکلتی ہیں۔

تری صیغہ مفرد لانے میں اشارہ ہے کہ رویت ہر ایک کی انفرادی طور پر ہوتی ہے۔برخلاف سمندروں سے انتفاع کے۔

قطمیر. چھوارے، کھجور کی گٹھلی پر باریک جھلی کو کہتے ہیں اور بعض نے گٹھلی کی کمر پر جو نکتہ ہوتا ہے اس کو قطمیر کہا ہے۔گٹھلی میں چار چیزیں ہوتی ہیں، جن سے کسی چیز کی تقلیل بیان کی جاتی ہے۔ایک فتیل جو گٹھلی کے شگاف میں باریک دھاگا سا ہوتا ہے، دوسرے قطمیر اس کے اوپر کی باریک جھلی کا غلاف، تیسرے نقیر جو گٹھلی کی کمر پر ہوتی ہے، چوتھے ثغروق جو کھجور اور گٹھلی کے درمیان سفید حصہ ہوتا ہے۔صراح میں ہے قطمیر کے معنی پوستک تنک دانہ خرما کے ہیں۔

لاینبئك . یہ خطاب عام بھی ہوسکتا ہے حضور کو خطاب خاص بھی۔

ربط: .... اس سورت کا زیادہ تر حصہ توحید کے اثبات اور شرک کے ابطال پر مشتمل ہے اور بعض آیات میں آنحضرت ﷺ کی تسلی اور بعض میں بعث وجزاء کا بیان ہے اور بعض آیات میں اعمال کے منافع اور مضار کا بیان ہے اور بعض میں کفر کی برائی اور اس پر وعید کا ذکر ہے۔پچھلی سورت کے آخر میں حق کے انکار پر عقاب آخرت کا ذکر تھا اور توحید بھی حق میں داخل ہے۔اس سے دونوں سورتوں کے آخر و اول کا مضمون مربوط ہوگیا۔

روایات: .... **رای رسول اللہ صلی اللہ عیہ السلام ،جبریل علیہ السلام المعراج ولہ ستمائة جناح بقول** ابن عباسؓ آیت افمن زین لہ الخ ابوجہل وغیرہ کفار کے بارے میں اور بقول سعید ابن جبیرؒ اہل بدع کے باب میں نازل ہوئی ہے۔

من کان یرید العزة اس آیت کا مضمون دوسری آیت الذین یتخذون الکافرین الخ کے قریب ہے۔حضور اکرم ﷺ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔من اراد عز الدارین فلیطع العزیز .زجاجؒ نے ایک عمدہ شعر نقل کیا ہے:

واذا تذللت الرقاب تواضعاً   منا الیک فعزھا فی ذلھا

﴿تشریح﴾: .... فاطر کے لفظ میں اشارہ ہے کہ عالم کی تخلیق اور وجود بلا نمونہ کے ہوا ہے اور ملائکہ سے مراد عام ہے۔خواہ وہ فرشتے شرائع لے کر آئیں یا بشارت۔اور الفاظ مثنیٰ وثلث ورباع میں سورہ نساء کی آیت کی طرح زائد کی نفی نہیں ہے۔چنانچہ حضرت جبریلؑ کو چھ سو بازوؤں میں آنحضرت ﷺ کا دیکھنا روایت معراج میں آیا اور فرشتوں کی پیغامبری کے تذکرہ کی حکمت مشرکین کے

اعتقادِ معبودیت کی تردید کرتا ہے۔

فرشتے اللہ کی طرف سے مامور ومحکوم ہیں نہ کہ معبود: .... کہ وہ تو ہمارے محکوم و مامور ہیں۔ بھلا وہ معبود کیسے ہوسکتے ہیں۔ نیز کسی حکمت کے پیش نظر اگر اللہ کسی مخلوق سے کوئی لے لے تو اس کے معنی محتاج ہونے کے نہیں۔ وہ بذات خود ہر چیز پر قادر ہے اور جسمانی رحمت ہو جیسے بارش اور روزی یا روحانی رحمت ہو، جیسے وحی الٰہی اور نبوت ورسالت کا سلسلہ۔ اللہ ہی ہے جو اس رحمت کا دروازہ کھولتا ہے اور اس کا کھولا ہوا دروازہ کون بند کرسکتا ہے؟ وہ اپنی حکمت بالغہ سے جو چاہے کرے اور کون روک سکتا ہے۔

خالق ورازق ہی معبود ہوسکتا ہے: .... اور جب اسی کو تنہا خالق ورازق مانتے ہو، پھر معبودیت کا استحقاق کسی دوسرے کو کہاں سے آ گیا، جو ذات وجود بخشنے والی، روزی رساں، یعنی وجود کو برقرار رکھنے والی ہے، وہی معبود بھی ہے۔ اتنی واضح اور کھلی ہوئی بات کو بھی اگر اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے یہ نہیں مانتے اور باز نہیں آتے تو ایسوں کا معاملہ اللہ کے حوالہ کیجئے۔ آپ غم نہ کیجئے، وہاں پہنچ کر سب باتوں کا فیصلہ ہوجائے گا۔ اللہ کی بڑی عدالت میں سب کو حاضر ہونا ہے۔ دنیا کی چندروزہ بہار اور ٹیپ ٹاپ پر نہ رجھو۔ اور اپنے دشمن اصلی دغاباز شیطان کے جال میں نہ پھنسو۔ وہ تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔ بلکہ تباہ وبرباد کرنے کی پوری کوشش کرے گا۔ بات تو جب ہے کہ اس کے چکموں میں نہ آؤ اور دوست کے لباس میں اس کی دشمنانہ کارروائیوں کو ناکام بنادو۔ شیطان کے فریب میں آ کر جو شخص اچھائی، برائی کا امتیاز کھو بیٹھے، بھلا وہ اس کے برابر کیسے ہوسکتا ہے۔ جو نیکی کو نیکی، بدی کو بدی سمجھے، اور جس طرح یہ دونوں شخص برابر نہیں ان دونوں کا انجام بھی برابر نہیں ہوسکتا۔ اور یہ خیال نہ کرو کہ کوئی آدمی دیکھتی آنکھوں برائی کو بھلائی کیسے سمجھ سکتا ہے۔ بات یہ ہے کہ اللہ جس کی بدفطری اور بداستعدادی کی وجہ سے کسی کو بھٹکانا چاہے تو اس کی سمجھ اسی طرح اوندھی ہوجاتی ہے اور کسی سلامتی فطرت اور حسن اختیار کی وجہ سے ہدایت دینا چاہے تو کسی شیطان کی مجال نہیں جو اسی غلط راہ پر ڈال سکے یا الٹی بات سمجھادے۔ پس جب ہدایت وضلالت دونوں اللہ کی مشیت وحکمت کے تابع ہیں۔ پھر آپ ان کی ہدایت کے غم میں کیوں گھلتے ہیں۔ آپ ان کا قصہ ایک طرف کیجئے جیسی ان کی کرتوت ہوگی خود بھگت لیں گے۔ آپ غمگین نہ ہوں۔

آیت کی دو تقریریں: .... اس طرح الذین کفروا اور الذین اٰمنوا کے مضمون پر افمن زین لہ متفرع ہے اور زین لہ کا سبب فان اللہ یضل ہے اور فان اللہ یضل پر فلا تذھب متفرع ہے۔ اس مقام کی دوسری تقریر اس سے اچھی یہ ہے کہ افمن زین کو غرور شیطانی پر متفرع کیا جائے۔ یعنی شیطانی فریب کا شکار کچھ ایسے بھی ہیں جو بری باتوں کو اچھا سمجھتے ہیں۔ البتہ یہ تفریع محض ''رویت حسن'' کی اعتبار سے ہوگی، اچھائی برائی کو یکساں سمجھنے والوں کی برابری کی نفی پر متفرع نہیں ہے۔ مقصود اس تقریر پر بھی حضور ﷺ کو تسلی دینا ہے جب ان لوگوں کو نیک وبد میں امتیاز کی تمیز بھی نہیں رہی تو آپ مایوس ہوجایئے اور غم چھوڑ دیجئے۔ اس صورت میں فان اللہ یضل اس تسلی کا سبب ہوجائے گا۔ البتہ بدستور سابق ان اللہ یضل پر لا تذھب متفرع رہے گا یا افمن زین لہ سے جو مضمون تسلی مفہوم ہورہا ہے اس پر متفرع ہوگا۔

مردہ زمین کی حیات کی طرح مردہ انسانوں کی حیات بھی یقینی ہے: ...... واللہ الذی ارسل۔ یعنی جہاں کھیتی اور سبزہ کچھ نہیں تھا، زمین ایک طرف مردہ پڑی ہوتی ہی۔ چاروں طرف خاک ہی خاک اڑتی ہوتی ہے۔ مگر اللہ کی حکم سے ہوائیں بادلوں کو اڑالاتی ہیں، بارش ہوتی ہے اور اس مردہ زمین میں جان پڑجاتی ہے۔ یہی حال انسانی مردوں کا ہوگا۔ حسب روایات عرش کے

نیچے سے خاص قسم کی با   س سے مردے جی اٹھیں گے۔ مشرکین عرب دوسرے معبودوں کی عبادت کو اللہ کے یہاں عزت و وجاہت کا ذریعہ سمجھتے تھے اور بہت سے لوگ اسی عزت کی خاطر مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستانہ مراسم رکھتے تھے۔ ایسے لوگوں کی تردید وتغلیط کے لئے من کان یرید العزۃ الخ فرمایا جا رہا ہے کہ عزیز مطلق اور عزت کا خزانہ تو اللہ کی ذات ہے۔ تمام عزتوں کا مالک وہی اکیلا ہے۔ جس کسی کو عزت ملی یا ملے گی اسی کے خزانہ سے ملی یا ملے گی۔ لہٰذا اسی کی فرمانبرداری اور یادگاری کرو۔ حاصل یہ ہے کہ ذاتی اللہ کی عزت ہے، دوسروں کو جو کچھ عزت ہے وہ محض عطائی ہے۔ اس لئے یہ آیت ان العزۃ دوسری آیت وللہ العزۃ کے خلاف نہیں ہے۔

جتنی اچھی باتیں ہیں، خواہ وہ عبادات ذکر واذکار ہوں، تلاوت قرآن، وعظ ونصیحت ہو، سب بارگاہ رب العزت میں پیش ہوتی ہیں اور انہیں قبولیت کی بلندی نصیب ہوتی ہے اور ان اچھی باتوں اور عمدہ کلام کے لئے اچھے کام کا سہارا بن کر انہیں اوپر اٹھا دیتے ہیں اور مقام بلند تک پہنچا دیتی ہے اور جو لوگ حق کو مٹانے کے لئے داؤ گھات میں لگے رہتے ہیں، آخر نا کام اور سوار ہوں گے۔ دارالندوہ میں بیٹھ بیٹھ کر کیا کچھ سازشوں کے تانے بانے نہیں بنے مگر معرکہ بدر میں کیا انجام ہوا۔ چن چن کر سب کو ذلت کے گڑھے میں ڈال دیا گیا۔ جو اسلام کو مٹانا چاہتے تھے، وہ سب خود ہی مٹ گئے۔

اچھا کلام اچھا کام اللہ کے یہاں قبول ہیں:............ اچھے کلام میں کلمہ توحید اور تمام اذکار و اوراد آ گئے، اور اچھے کام میں تصدیق قلبی اور تمام اعمال صالحہ خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی، سب داخل ہو گئے اور انکو بلند کرنا عام ہے۔ نفس قبول کو اور قبول تام کو۔ اس اجمال کی تفصیل دوسری دلائل سے معلوم ہوگئی کہ قلبی تصدیق کو تمام کلمات طیبات کے لئے نفس قبولیت کی شرط ہے اور اعمال صالحہ ان کلمات طیبات کے لئے قبولیت تام کی شرط ہے نہ کہ نفس قبولیت کی۔ پس کلمات طیبات اگر کسی فاسق سے بھی صادر ہوں گے، تب بھی قبول ہوں گے۔

یہ مضمون تو بطور جملہ معترضہ کے بیان ہوا۔ اصل مضمون توحید کا چل رہا ہے۔ توحید کی ایک دلیل تصرف تو الذی ارسل الخ میں بیان کی گئی تھی۔ دوسری دلیل تصرف واللہ خلقکم الخ میں بیان کی جارہی ہے کہ آدم کو مٹی سے اور ان کی اولاد کو پانی کی بوند سے اللہ نے پیدا کیا۔ پھر عورت مرد کے جوڑے بنائے، جس سے نسل انسانی چلی، استقرار حمل سے لے کر بچہ کی پیدائش تک جتنے مرحل گزرے، سب کی خبر خدا ہی کو ہے۔ ماں باپ بھی نہیں جانتے کہ اندر کیا گزر رہی ہے۔ اسی طرح کس کی عمر کتنی ہے اور عمر کے گھٹنے بڑھنے کے اسباب یا کون عمر طبعی کو پہنچے گا اور کون نہیں، سب اللہ کو معلوم ہے۔ ساری جزئیات وکلیات کا احاطہ بندوں کے لئے تو ناممکن ہے، پھر اللہ کے لئے کچھ دشوار نہیں۔ اس کا علم ذاتی اور قدیم ہے۔ اس کو اپنے اوپر قیاس نہیں کرو۔ اس کے کام دھیرے دھیرے ہوتے ہیں، جیسے آدمی کا بننا اور اس کا اپنی عمر کو پورا کرنا۔

اسلام کی تدریجی ترقی اور مدوجزر حکمت الٰہی کے مطابق ہے:...... اسلام کو بھی ایسا ہی سمجھو کہ بتدریج بڑھے گا اور آخر کار کفر کو مغلوب اور نیست ونابود کر کے رہے گا۔ اسلام اور کفر دونوں اگرچہ برابر نہیں، پر مسلمانوں کو دونوں سے فائدہ پہنچے گا۔ خود مسلمانوں سے دین کی قوت وشوکت کا اور کفار سے جزیہ اور خراج کا۔

وما یستوی البحران الخ سے دلائل قدرت کا بیان ہے کہ پانی کی طبیعت اور مادہ باوجودیکہ ایک ہے، مگر وحدت قابلیت کے باوجود اللہ نے شور وشیریں مختلف پانی پیدا کر دیئے۔ جن کی تاثیرات وخواص مختلف کر دیئے۔ تازہ بتازہ مچھلی کا لذیذ اور مفید گوشت، موتی، مونگے اور تجارتی منافع اور حمل ونقل کے لئے جہازوں کے ذریعہ سمندری سفر آسان کر دیا۔ یہ محض اللہ کا فضل ہے، ان تمام انعامات پر انسان کو اپنے مالک کا شکر گزار رہنا چاہیے۔

موتیوں کا برآمد ہونا اگر دریائے شور کے ساتھ خاص ہو، جیسا کہ مشہور ہے تو پھر استخراج حلیہ کی روایات بھی دریائے شور کے ساتھ خاص ہوگا۔ گویا مچھلیوں کی برآمد ہوگی۔ ابتہ اس خاص منفعت میں دریائے شور بڑھا ہوا ہے۔ علی ہذا جہازوں کا سمندر میں چلنا بھی اگرچہ دونوں قسم کے دریاؤں میں عام ہے، مگر اکثر بڑے بڑے جہازوں کا دریائے شور میں چلنا ان منافع کی وجہ سے ممکن ہے کہ خاص ہو اور وتری الفلک فیہ کی ضمیر بھی اسی اختصاص کی وجہ سے دریائے شور کی طرف راجع ہوگی۔

یولج الیل. میں یہ اشارہ ہے کہ دن رات کے ایک دوسرے پر غلبہ کی طرح اسلام وکفر میں بھی ایک دوسرے پر غلبہ اور مسابقت منشائے حکمت الٰہی ہے اور چاند وسورج کی طرح ہر چیز کی ایک مدت مقرر ہے۔ اس میں پل بھر دیر سویر نہیں ہوسکتی۔ پس مقرر وقت پر حق کا غلبہ بھی نمایاں ہوکر رہے گا۔

ذٰلکم اللّٰہ. یعنی سچا پروردگار ہی ہے جو کل عالم کا رکھوالی ہے۔ باقی جن فرضی خداؤں کی تم پوجا پاٹ کرتے ہو، وہ تو کھجور کی گٹھلی پر جو باریک سی جھلی ہوتی ہے، اس کے بھی مالک نہیں۔ پس وہ تمہاری پکار کیا سن سکتے ہیں اور وہ کیا کام آسکتے ہیں۔ وہ تو خودتم سے وقت پڑنے پر بیزاری کا اظہار کریں گے اور تمہارے دشمن ثابت ہوں گے اور اس بارے میں اللہ سے زیادہ کون جان سکتا ہے اور اس سے زیادہ کس کی پکی اور ٹھیک بات ہوسکتی ہے؟

باطل معبودوں کا ناکارہ ہونا: ...... پتھروں کے بت تو سماعت سے ہی محروم ہیں۔ البتہ کفار کے ذی روح معبود نفس سماعت تو رکھتے ہیں، مگر کفار کے عقیدہ کے مطابق دوام اور لزوم کے ساتھ سماعت نہیں رکھتے۔ اس لئے ان سے بھی نفع صحیح ہوگی اور **لایسمعوا دعاء کم** فرمایا۔

اسی طرح ولو سمعوا الخ میں جمادات اور بے جان بتوں کی نسبت تو محض بطور فرض کے ہے اور قضیہ شرطیہ میں ظاہر ہے کہ مقدم کا وقوع ضروری نہیں ہوتا۔ البتہ ذی روح معبودوں میں یہ تقدیر کبھی واقع ہوسکتی ہے۔ مگر استجابت نہ ہونے میں وہ بھی شریک ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پتھروں کے بت تو استجابت کی قابلیت ہی نہیں رکھتے۔ اور ذی معبودوں میں جو اللہ کے یہاں مقبول ہیں، جیسے فرشتے۔ وہ ناراض ہونے کی وجہ سے استجابت نہیں کریں گے۔ البتہ جو معبودان باطل نامقبول ہیں، جیسے شیاطین وہ غیر اختیاری چیزوں میں تو مجبور و بے بس ہونے کی وجہ سے اور اختیاری کاموں میں مستقل قدرت نہ ہونے کی وجہ سے خارج ہیں۔ یہ تو کفار کے خداؤں کی دنیاوی حالت ہوئی اور رہ گیا قیامت کا حال، سو وہاں وہ خود اپنے پرستاروں کی مخالفت کریں گے۔

ان آیات میں اللہ کے علم کے دلائل سے قدرت کے دلائل زیادہ لانے میں ممکن ہے۔ یہ نکتہ ہو کہ آثار علم کے مقابلہ میں آثار قدرت زیادہ نمایاں ہیں۔ نیز دوسری طرف دلائل آفاقیہ اور درمیان میں انفسی دلائل ممکن ہے اس لئے ہوں کہ آفاقی دلائل کی طرف زیادہ التفات ہوتا ہے۔

لطائف سلوک: ... وان یکذبوک. اس میں آنحضرت ﷺ کے لئے تسلی ہے اور دشمنوں کی یہ تکذیب ومخالفت پر صبر کا ارشاد ہے۔

فلا تذہب نفسک. اس میں اعراض کرنے والوں پر زیادہ غم نہ کرنے کا حکم ہے۔

والذین تدعون. جہلاء غیر اللہ میں علم وقدرت مانتے تھے۔ آیت میں اس پر انکار ہے اور بامید اجابت غیر اللہ کے پکارنے پر تحمیق ہے۔

یٰٓاَیُّھَا ا **ـمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ** بِکُلِّ حَالٍ **وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ** عَنْ خَلْقِہٖ **الْحَمِیْدُ﴿۱۵﴾** اَلْمَحْمُوْدُ فِیْ صُنْعِہٖ بِھِمْ **اِنْ یَّشَاْ یُذْھِبْکُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ﴿۱۶﴾** بَدْلَکُمْ **وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ﴿۱۷﴾** شَدِیْدٍ **وَلَا تَزِرُ** نَفْسٌ **وَازِرَۃٌ** اٰثِمَۃٌ اَیْ لَاتَحْمِلُ **وِزْرَ** نَفْسٍ **اُخْرٰی وَاِنْ تَدْعُ** نَفْسٌ **مُثْقَلَۃٌ** بِالْوِزْرِ **اِلٰی حِمْلِھَا** مِنْہُ اَحَدًا لِیَحْمِلَ بَعْضَہٗ **لَا یُحْمَلْ مِنْہُ شَیْءٌ وَّلَوْ کَانَ** الْمَدْعُوُّ **ذَا قُرْبٰی** قَرَابَۃٍ کَالْاَبِ وَالْاِبْنِ وَعَدَمُ الْحَمْلِ فِی الشِّقَّیْنِ حُکْمٌ مِنَ اللّٰہِ **اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَیْبِ** اَیْ یَخَافُوْنَہٗ وَمَا رَاَوْہُ لِاَنَّھُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِالْاِنْذَارِ **وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ** اَدَامُوْھَا **وَمَنْ تَزَکّٰی** تَطَھَّرَ مِنَ الشِّرْکِ وَغَیْرِہٖ **فَاِنَّمَا یَتَزَکّٰی لِنَفْسِہٖ** فَصَلَاحُہٗ مُخْتَصٌّ بِہٖ **وَاِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ﴿۱۸﴾** اَلْمَرْجِعُ فَیُجْزٰی بِالْعَمَلِ فِی الْاٰخِرَۃِ **وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ﴿۱۹﴾** اَلْکَافِرُ وَالْمُؤْمِنُ **وَلَا الظُّلُمٰتُ** اَلْکُفْرُ **وَلَا النُّوْرُ﴿۲۰﴾** اَلْاِیْمَانُ **وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ﴿۲۱﴾** اَلْجَنَّۃُ وَالنَّارُ **وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ** اَلْمُؤْمِنُوْنَ وَالْکُفَّارُ وَزِیَادَۃُ لَا فِی الثَّلٰثَۃِ تَاکِیْدٌ **اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ** ھِدَایَتَہٗ فَیُجِیْبُہٗ بِالْاِیْمَانِ **وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ﴿۲۲﴾** اَیِ الْکُفَّارُ شَبَّھَھُمْ بِالْمَوْتٰی فَلَا یُجِیْبُوْنَ **اِنْ مَا اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ﴿۲۳﴾** مُنْذِرٌ لَھُمْ **اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ** بِالْھُدٰی **بَشِیْرًا** مَنْ اَجَابَ اِلَیْہِ **وَّنَذِیْرًا** مَنْ لَمْ یُجِبْ اِلَیْہِ **وَاِنْ** مَا **مِنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا** سَلَفَ **فِیْھَا نَذِیْرٌ﴿۲۴﴾** نَبِیٌّ یُنْذِرُھَا **وَاِنْ یُّکَذِّبُوْکَ** اَیْ اَھْلُ مَکَّۃَ **فَقَدْ کَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ جَآءَتْھُمْ رُسُلُھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ** الْمُعْجِزَاتِ **وَبِالزُّبُرِ** صُحُفِ اِبْرَاھِیْمَ **وَبِالْکِتٰبِ الْمُنِیْرِ﴿۲۵﴾** ھُوَ التَّوْرٰۃُ وَالْاِنْجِیْلُ فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرُوْا **ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا** بِتَکْذِیْبِھِمْ **فَکَیْفَ کَانَ نَکِیْرِ﴿۲۶﴾** اِنْکَارِیْ عَلَیْھِمْ بِالْعُقُوْبَۃِ وَالْاِھْلَاکِ اَیْ ھُوَ وَاقِعٌ مَوْقِعَہٗ **اَلَمْ تَرَ** تَعْلَمْ **اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا** فِیْہِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغَیْبَۃِ **بِہٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُھَا** کَاَخْضَرَ وَاَحْمَرَ وَاَصْفَرَ وَغَیْرِھَا **وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ** جَمْعُ جُدَّۃٍ طَرِیْقٌ فِی الْجَبَلِ وَغَیْرِہٖ **بِیْضٌ وَّحُمْرٌ** وَصُفْرٌ **مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُھَا** بِالشِّدَّۃِ وَالضُّعْفِ **وَغَرَابِیْبُ سُوْدٌ﴿۲۷﴾** عَطْفٌ عَلٰی جُدَدٌ اَیْ صُخُوْرٌ شَدِیْدَۃُ السَّوَادِ یُقَالُ کَثِیْرًا اَسْوَدُ غِرْبِیْبٌ وَقَلِیْلًا غِرْبِیْبٌ اَسْوَدُ **وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُہٗ کَذٰلِکَ** کَاخْتِلَافِ الثِّمَارِ وَالْجِبَالِ **اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا** بِخِلَافِ الْجُھَّالِ کَکُفَّارِ مَکَّۃَ **اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ** فِیْ مُلْکِہٖ **غَفُوْرٌ﴿۲۸﴾** لِذُنُوْبِ عِبَادِہِ الْمُؤْمِنِیْنَ **اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ** یَقْرَءُوْنَ **کِتٰبَ اللّٰہِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ** اَدَامُوْھَا **وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً** زَکٰوۃً وَغَیْرَھَا **یَّرْجُوْنَ تِجَارَۃً لَّنْ تَبُوْرَ﴿۲۹﴾** تَھْلِکُ **لِیُوَفِّیَھُمْ اُجُوْرَھُمْ** ثَوَابَ اَعْمَالِھِمُ الْمَذْکُوْرَۃِ **وَیَزِیْدَھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ اِنَّہٗ غَفُوْرٌ** لِذُنُوْبِھِمْ **شَکُوْرٌ﴿۳۰﴾** لِطَاعَتِھِمْ

وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ القُرآنِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ ؕ تقدمہ من الکتب اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۳۱﴾ عَالِمٌ بِالبَوَاطِنِ وَالظَّوَاهِرِ ثُمَّ اَوْرَثْنَا اَعطَینَا الْكِتٰبَ القُرآنَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَهُم اُمَّتُكَ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ بِالتَّقصِیرِ فِی العَمَلِ بِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ یَعمَلُ بِهٖ فِی اَغلَبِ الاَوقَاتِ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ یَضُمُّ اِلَی العَمَلِ بِهِ التَّعلِیمَ وَالاِرشَادَ اِلَی العَمَلِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ بِاِرَادَتِهٖ ذٰلِكَ اَی اِیرَاثُهُمُ الکِتَابَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ﴿۳۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ اِقَامَةٍ یَّدْخُلُوْنَهَا اَی الثَّلَاثَةُ بِالبِنَاءِ لِلفَاعِلِ وَلِلمَفعُولِ خَبَرُ جَنَّاتِ المُبتَدَاءُ یُحَلَّوْنَ خَبَرٌ ثَانٍ فِیْهَا مِنْ بَعضِ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ مُرَصَّعٌ بِالذَّهَبِ وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ جَمِیعَهٗ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ لِلذُّنُوبِ شَكُوْرُ ﴿۳۴﴾ لِلطَّاعَاتِ الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ اَیِ الاِقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ تَعَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾ اِعیَاءٌ مِنَ التَّعَبِ لِعَدَمِ التَّكلِیفِ فِیهَا وَذِكرُ الثَّانِی التَّابِعِ لِلاَوَّلِ لِلتَّصرِیحِ بِنَفیِهٖ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا یُقْضٰی عَلَیْهِمْ بِالمَوتِ فَیَمُوْتُوْا یَستَرِیحُوا وَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ؕ طَرفَةَ عَینٍ كَذٰلِكَ كَمَا جَزَینَاهُم نَجْزِیْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾ كَافِرٍ بِالیَاءِ وَالنُّونِ المَفتُوحَةِ مَعَ كَسرِ الزَّایِ وَنَصبِ كُلَّ وَهُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا ۚ یَستَغِیثُونَ بِشِدَّةٍ وَعَوِیلٍ یَقُولُونَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنهَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ فَیُقَالُ لَهُم اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا وَقتًا یَتَذَكَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِیْرُ ؕ الرَّسُولُ فَمَا اَجَبتُم فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ الكَافِرِینَ مِنْ نَّصِیْرٍ ﴿۳۷﴾ یَدفَعُ العَذَابَ عَنهُم

ع ۱۱ ۱۶

ترجمہ: اے لوگو! تم (ہر حال میں) اللہ کے محتاج ہو اور اللہ (اپنی مخلوق سے) سراسر بے نیاز خوبیوں والا ہے (لوگوں کے ساتھ معاملات میں بہترین ہے) وہ اگر چاہے تو تم کو فنا کر دے اور (تمہارے بجائے) ایک نئی مخلوق پیدا کر دے اور یہ بات اللہ کو کچھ مشکل (دقت طلب) نہیں ہے اور کوئی (نفس) گنہگار (قصوروار) بوجھ نہیں اٹھائے گا کسی دوسرے (نفس) کا اور کوئی (نفس) اگر بلائے گا جو (گناہوں سے) لدا ہوا ہو کسی کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے تب بھی اس میں سے کچھ بوجھ بھی ہٹایا نہیں جائے گا۔ اگرچہ پکارا ہوا شخص رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو (مثلاً باپ بیٹا۔ اور دونوں صورتوں میں بوجھ نہ اٹھانے کا قانون اللہ کا ہے) آپ تو صرف انہی کو ڈرا سکتے ہیں جو بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں (یعنی بغیر دیکھے ہی اپنے اللہ سے خوف رکھتے ہیں کیونکہ فی الحقیقت ڈرانے سے فائدہ اٹھانے والے یہی لوگ ہیں) اور نماز کی پابندی کرتے ہیں (ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں) اور جو پاک ہوتا ہے (شرک وغیرہ سے صاف رہتا ہے) وہ اپنی ہی جان کے لئے صاف رہتا ہے (اس کی بھلائی خود اسی کو پہنچتی ہے) اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (لہذا وہی آخرت میں بدلہ دے گا) اور اندھا اور سنوکھا (کافر و مومن) برابر نہیں اور نہ (کفر کی) اندھیریاں اور نہ (ایمان کی) روشنی اور نہ چھاؤں اور نہ دھوپ (جنت و جہنم) برابر ہیں اور نہ زندے اور مردے برابر ہو سکتے ہیں (مومن و کافر۔ تینوں جگہ لا تاکید کے لئے ہے) بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے سنوا دیتا ہے (اللہ کی ہدایت کو پھر وہ اس کو ایمان لا کر قبول کر لیتا ہے) اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنوا سکتے جو قبروں میں

ہیں۔ (یعنی کفار۔ ان کو مردوں سے تشبیہ دی ہے چنانچہ وہ اس کا جواب نہیں دے سکتے) آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں۔ (نذیر بمعنی منذر) ہم نے ہی آپ کو حق (ہدایت) کے ساتھ بھیجا ہے خوشخبری سنانے والا (اس کے ماننے والے کو) اور ڈرانے والا (اس کو نہ ماننے والے کو) اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو (نبی جس نے ان کو ڈرایا ہو) اور اگر یہ لوگ (اہل مکہ) آپ کو جھٹلائیں تو جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں انہوں نے بھی تو جھٹلایا تھا ان کے پاس بھی ان کے پیغمبر کھلے ہوئے نشان (معجزے) اور صحیفے (ابراہیمی صحیفے) اور روشن کتابیں لے کر آئے تھے (تورات وانجیل۔ جس طرح انہوں نے صبر سے کام لیا آپ بھی صبر سے کام لیجئے) پھر میں نے ان کافروں کو پکڑ لیا (ان کی تکذیب کی پاداش میں) سو میرا عذاب کیسا ہوا (ان کو سزا اور تباہی کا سامنا کرنا پڑا یعنی بروقت عذاب آکر رہا) کیا تونے اس پر نظر نہیں کی (تو نہیں جانتا) کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا۔ پھر ہم نے نکالے (اس میں غیبت سے التفات ہے) اس کے ذریعہ سے مختلف رنگتوں کے پھل (جیسے سبز، سرخ، زرد وغیرہ) اور پہاڑوں میں بھی گھاٹیاں ہیں (جدد جمع ہے جدۃ کی پہاڑ وغیرہ کے ذرے) کوئی سفید اور کوئی سرخ (اور کوئی زرد) ان کی رنگتیں بھی مختلف ہیں (کچھ تیز کچھ ہلکی) اور کوئی بہت گہرے سیاہ (اس کا عطف جدد پر ہے یعنی نہایت کالے پتھر۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کثیرا اسود غربیب اور قلیلا غربیب اسود) اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی ایسے ہیں کہ ان کے رنگ مختلف ہیں (پھلوں اور پہاڑوں کے مختلف رنگوں کی طرح) اللہ سے تو اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں (برخلاف جاہلوں کے جیسے کفار مکہ) بے شک اللہ (اپنے ملک میں) زبرست ہے (اپنے گنہگار مومن بندوں کی) بڑی مغفرت کرنے والا ہے بلا شبہ جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے رہتے ہیں (پڑھتے رہتے ہیں) اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں (ہمیشہ نماز ادا کرتے ہیں) اور ہم نے جو کچھ ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے رہتے ہیں (زکوۃ وغیرہ کی صورت میں) وہ ایسی تجارت کی آس لگائے ہوئے ہیں جو کبھی ماند (مندی) نہ پڑے گی تاکہ ان کو ان کا پورا پورا صلہ (ان کے ان اعمال کا بدلہ) دے اور اپنے فضل سے اور بڑھا بھی دے بے شک وہ (ان کے گناہوں کو) بڑا بخشنے والا (ان کی طاعتوں کی) قدردانی کرنے والا ہے اور جو کتاب (قرآن) ہم نے آپ کے پاس بطور وحی بھیجی ہے وہ بالکل ٹھیک ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے بے شک اللہ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے (پوشیدہ اور علانیہ باتوں کو جانتا ہے) پھر ہم نے یہ کتاب (قرآن) ان لوگوں کے ہاتھوں میں بھی پہنچائی (عطا کی) جن کو اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا (اور وہ آپ کے امتی ہیں) پھر ان میں سے بعض تو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں (عمل میں کوتاہی کر کے) اور بعض ان میں سے متوسط درجہ کے ہیں (اکثر اوقات عمل کرتے رہتے ہیں) اور کچھ ان میں وہ بھی ہیں جو نیکیوں میں ترقی کئے چلے جاتے ہیں (اعمال کے ساتھ دوسروں کو بھی تعلیم اور دعوت عمل دیتے رہتے ہیں) اللہ کی توفیق (مشیت) سے یہ (کتاب ان کو پہنچانا) بہت ہی بڑا فضل ہے وہ باغات ہیں ہمیشہ رہنے (بسنے) کے جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے (تینوں الفاظ معروف اور مجہول دونوں طرح ہیں اور جنت مبتداء کی خبر ہے) اس میں انہیں پہنائے جائیں گے (یہ خبر ثانی ہے) سونے کے کنگن (من تبعیضیہ ہے) اور موتی (جو سونے سے جڑاؤ کئے ہوں گے) اور ان کی پوشاک ریشم کی ہوگی۔ اور یہ لوگ کہیں گے کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے (سارا) غم دور کیا۔ بیشک ہمارا پروردگار (گناہوں کا) بخشنے والا (طاعات کا) بڑا قدردان ہے جس نے ہمیں اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے مقام میں لا اتارا ہے جہاں ہمیں نہ کوئی تکلیف (دقت) ہوگی اور نہ ہمیں تھکن ہی محسوس ہوگی (مشقت کی وجہ سے کسی قسم کا اضمحلال نہیں ہوگا کیونکہ جنت تکلیف کا مقام نہیں ہے اس میں دوسرا جملہ جو پہلے جملہ کے تابع ہے صراحۃً نفی کے لئے لایا گیا ہے) اور جو لوگ کافر ہیں ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے۔ نہ تو (مرکر) ان کی سزا آئے گی کہ مر ہی جائیں (آرام میں ہو جائیں) اور نہ ان سے دوزخ کا عذاب (لمحہ بھر کے لئے بھی) ہلکا ہوگا ایسے ہی (جیسے ہم نے ان کو سزا دی) ہم ہر کافر کو سزا دیا کرتے ہیں (کفور بمعنی کافر ہے نجزی یا اور نون مفتوحہ کے ساتھ ہے مع کسر زا اور نصب کل کے) اور یہ اس میں چلائیں گے (شدت وسختی کی فریاد کریں گے۔ یہ کہیں گے) اے ہمارے پروردگار! ہمیں (یہاں سے نکال لے۔ اب ہم اچھے کام کریں گے برخلاف ان کاموں کے جو پہلے سے کرتے رہے ہیں (مگر ان کو جواب دیا جائے گا۔ کہ ہم نے تم کو اتنی عمر نہ

دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ سمجھ سکتا تھا اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا (پیغمبر مگر تم نے اس کو قبول نہیں کیا) سو مزہ چکھو کہ ظالموں (کافروں) کا کوئی مددگار نہیں ہے (جو انہیں عذاب سے بچا سکے۔)

تحقیق وترکیب

یا ایھا الناس. اگرچہ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کا محتاج ہے۔ لیکن عالم میں غنا کا طلب گار صرف انسان ہے۔ نیز ساری مخلوق سے زیادہ انسان ضروریات اور حوائج رکھتا ہے۔ اس لئے خطاب میں اس کی تخصیص کی محتاجگی میں انسان سب سے بڑھ کر ہے۔ اسی لئے صدیق اکبرؓ کا ارشاد ہے۔ من عرف نفسه فقد عرف ربه بنی انسان کو اپنی احتیاج وفقر کی معرفت اللہ کے غنا کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

لا تزر وازرة. مفسر علامؒ نے لفظ نفس نکال کر موصوف کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے یعنی کوئی گنہگار دوسرے گنہگار کا بوجھ قیامت میں نہیں اٹھائے گا۔

الیٰ حملها. حمل بمعنی محمول ہے۔ مفسر علامؒ نے منه صفت محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے اور ضمیر مجرور الیها وزر کی طرف راجع ہے۔

فی الشقین. شقین سے مراد حمل قہری ہے جس کا ذکر لا تزر الخ میں ہے اور حمل اختیاری ہے جس کا ذکر وان تدع میں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ قیامت میں کوئی ان دونوں بوجھوں میں سے کسی کو بھی نہیں اٹھا سکے گا۔

الظلمات. انواع کفر کی کثرت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے جمع کے ساتھ تعبیر کیا ہے برخلاف نور ایمان کے کہ وہ ایک ہی ہے۔

الحرور. گرم لو۔ جو دن میں ہوتی ہے اور سموم وہ گرم ہوا جو رات کو چلتی ہے اور بعض نے حرور اور سموم دونوں میں کوئی فرق نہیں کیا خواہ دن میں ہو یا رات میں۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حرور رات کی گرم ہوا اور سموم دن کی گرم ہوا۔ اور بعض نے حرور میں دھوپ کی قید بھی لگائی ہے اور لا تینوں مواقع میں تاکید نفی کے لئے زیادہ کیا گیا ہے ورنہ اصل نفی تو پہلی مرتبہ حاصل ہو چکی ہے اور بعض کی رائے ہے کہ جہاں جہاں تضاد ہے وہاں تکرار کیا گیا ہے برخلاف اعمیٰ اور بصیر کے۔ ان کی ذوات میں تضاد نہیں ہے۔ چنانچہ ایک شخص پہلے بصیر اور پھر اعمیٰ ہو سکتا ہے البتہ بلحاظ وصف دونوں میں تضاد پایا جاتا ہے۔

ان اللہ یسمع. یعنی اللہ ہی کو کسی کے ہدایت پانے نہ پانے کا علم ہے۔ لیکن پیغمبر کو یہ علم نہیں ہے کہ کون ہدایت پائے گا اور کون نہیں پائے گا۔ کفار کو مردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ سنی ہوئی بات سے دونوں نفع نہیں اٹھا سکتے۔

بالزبر. لکھی ہوئی چیزیں جیسے حضرت ابراہیمؑ کو عطا کردہ صحیفے جن کی تعداد تیس ۳۰ تھی اور حضرت موسیٰؑ کو تورات سے پہلے دس صحیفے ملے اور ساٹھ صحیفے حضرت شیثؑ کو عطا ہوئے تھے۔ اس طرح کل صحائف وکتب آسمانی ۱۰۴ ہوئیں۔

کیف کان نکیر. مفسر علامؒ نے انکاری سے نکیر بمعنی عذاب کی طرف اور "واقع موقعه" سے استفہام انکاری کی طرف اشارہ کیا ہے۔

فاخرجنا. یہاں التفات میں نکتہ یہ ہے کہ پانی اتارنے سے بڑھ کر پھل پھلاری پیدا کرنے میں زیادہ احسان ہے کیونکہ اس میں کمال قدرت کا اظہار ہے۔

ومن الجبال. واؤ استینافیه.

جدد. جمع ہے جدة کی جن پہاڑوں میں قدرتی راستے ہوتے ہیں اور طرائق سے مراد پہاڑی راستوں کی رنگتیں ہیں۔ اور ابو الفضلؒ نے ایسے پہاڑوں کو جدد کہا ہے جن کے راستوں کی رنگتیں گرد وپیش سے مختلف ہوں۔ جدة اس گدھے کو بھی کہتے ہیں جس کی کمر

پرسیاہ خط ہو۔زمخشریؒ اورامام رازیؒ کی رائے بھی یہی ہے۔بلحاظ ترکیب نحوی مختلف صفت ہے جدد کی اورالوانہا فاعل ہے۔ مختلف کوخبرمقدم اورالوان کومبتداءمؤخرماننا صحیح نہیں ہے۔کیونکہ اس صورت میں مختلفۃ ہوناچاہئے تھا۔

غرابیب سود. اس میں تین ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔۱۔حمرپرعطف ہو۔۲۔بیض پرعطف ہو۔۳۔جدد پرعطف ہو۔غرابیب غریب کی جمع ہے نہایت کالا۔لفظ سودکاغرابیب ایساہی تابع ہے جیسے اصفرفاقع۔احمرقانی میں ہے مبالغہ کے لئے صفت کوموصوف پرمقدم کیاگیاہے۔

صخو. بڑے پتھرکوکہتے ہیں۔

مختلف. مبتدائے محذوف کی صفت ہےاورمن الناس خبرہے۔

انما یخشی اللّٰہ. یعنی اللہ کی خشیت کے لئے علم شرط ہے۔چنانچہ جس قدرعلم زیدہ ہوگااتنی ہی خشیت بڑھے گی۔حدیث میں ہے انا اخشاکم باللّٰہ واتقاکم.البتہ علم کے لئے خشیت لازم نہیں ہے چنانچہ بہت سےاہل علم ہیں جن میں خشیت نہیں ہوتی۔ مگرخشیت بغیرعلم نہیں ہوسکتی۔ایک قراءت میں لفظ اللہ مرفوع اور العلمٰؤا منصوب ہے۔ای یعظم. ان اللّٰہ عزیز ای لان اللّٰہ عزیز گویاوجوب خشیت کی یہ علت ہے۔

ان الذین. ان کی خبرکےمتعلق دوصورتیں ہیں۔۱۔ایک یہ کہ جملہ یرجون خبرہواورلن تبور تجارۃ کی صفت ہواور لیوفیھم متعلق ہےیرجون کےیاتبور کےیامحذوف کے،پہلی دونوں صورتوں میں لام عاقبۃ ہوگا۔۲۔دوسری صورت یہ ہے۔کہ انہ غفور شکور خبر ہو۔زمخشریؒ نےحذف عائدکےساتھ اس کی اجازت دی ہے۔ای غفور لھم اس صورت میں یرجون حال ہوجائےگاانفقواسے۔

لیو فیھم. یہ متعلق ہےلن تبور کےمدلول سےیعنی اس تجارت میں کبھی ٹوٹانہیں۔بلکہ اجروثواب محذوف ہے۔

من الکتاب. من بیانیہ ہےیاجنس کےلئےیاتبعیض کےلئےہےاورلفظ ہوضمیرفصل ہےیامبتداء ہےاورمصدقاحال مؤکدہ ہے۔

ثم اورثنا. امت محمدیہ اوردوسری امتوں میں بعدرتبی کےلئے ثم لایاگیاہے۔وراثت میں جس طرح بلامشقت۔مفت مال ہاتھ آتاہےیہی حال کتاب الٰہی کاہےکہ انسان کوبےمحنت مل جاتی ہےاس لئےاعطاءکتاب کومیراث سےتعبیرکیاہے۔

فمنھم ظالم. ان تینوں الفاظ ظالم،مقتصد،سابق کی تفسیرسلف سےمختلف منقول ہے۔ابن عباسؓ سابق سےمخلص اور مقتصد سےریاکاراورظالم سےکفران نعمت کرنےوالامرادلیتےہیں۔ابوسعیدؓ سےمرفوعاًروایت ہےکہ آیت میں مذکورتینوں شخص جنتی ہیں۔اسی طرح حضرت عمرؓ سےمنقول ہےکہ سابق سابق ہےاورمقتصدنجات یافتہ اورظالم لائق مغفرت شخص ہے۔

ربیع بن انسؓ سےنقل ہےکہ ظالم کبیرہ گناہ کرنےوالااورمقتصدصغیرہ گناہ کرنےوالا اورسابق ہرقسم کےگناہ سےبچنےوالا۔ اورحسن فرماتےہیں کہ ظالم وہ جس کےگناہ بڑھےہوئےہوں اورسابق وہ جس کےاعمال حسنہ بڑھےہوئےہوں اورمقتصدوہ کہ جس کی نیکیاں بدیاں دونوں برابرہوں۔

عقبہ بن صہبان نےحضرت عائشہؓ سےاس آیت کی وضاحت چاہی۔فرمایایہ سب جنتی ہیں۔اورابوالدرداءحضورﷺ سےنقل کرتےہیں کہ آپ نےآیت تلاوت کرکےفرمایاکہ سابق بےحساب جنت میں جائےگااورمقتصدسےمعمولی طورپرپوچھ تاچھ ہوگی اور ظالم کی اچھی خاصی مزاج پرسی ہوگی۔غرض ان الفاظ کی تشریح میں پینتالیس(۴۵)اقوال ہیں۔

لُؤلُؤًا. تفسیری عبارت قراءت جرکی صورت میں ہے۔لیکن عاصمؒ ونافعؒ کی قرأت نصب کی صورت میں من اساور کومحل پر عطف کیاجائےگا۔

الحزن. عام مراد ہے دنیا کا غم ہو یا موت کا ڈر، معاش کا غم ہو یا ابلیس کا وسوسہ۔ یہ سب تعبیرات بطور تمثیل ہیں۔ چنانچہ زجاجؒ کہتے ہیں کہ جنتی کے سارے غم کافور ہو جائیں گے۔

لا یمسنا. یہ حال ہے احلنا کے مفعول اول یا مفعول ثانی سے۔

لغوب. نصب کی نفی کے بعد لغوب کی نفی کیوں کی گئی۔ جب کہ دونوں سبب مسبب ہیں؟ جواب یہ ہے کہ سبب کی نفی اگرچہ مسبب کی نفی کو مستلزم ہے مگر مبالغہ کے لئے صراحۃً نفی کردی گئی اور بعض نے دونوں میں فرق کیا ہے کہ نصب بدنی تکلیف کو اور لغوب نفسانی تکالیف کو کہتے ہیں۔ پس ایک دوسرے کو مستلزم نہیں ہیں۔ اس لئے الگ الگ نفی صحیح ہوگئی۔

اسی طرح قاموس میں ہے کہ نصب کے معنی محض عاجز ہونے کے ہیں۔ لیکن لغب باب سمع اور کرم سے زیادہ تھکنے کے ہیں پس دونوں میں فرق واضح ہوگیا۔ اور خطیب میں فرق اس طرح ظاہر کیا گیا ہے کہ نصب کہتے ہیں تعب ومشقت کو اور لغوب کہتے ہیں اس سے پیدا ہونے والے فتور کو جو اس کا نتیجہ اور ثمرہ ہوتا ہے اس لئے شبہ پھر وہی رہے گا کہ اول سبب ہے، دوسرے کے لئے اور انتفاء سبب مستلزم ہوتا ہے انتفاء مسبب کو پس نصب کی نفی کے بعد لغوب کی نفی کی ضرورت نہیں رہ جاتی پس سابقہ توجیہ ہی کی جائے گی کہ دونوں کی الگ الگ صراحۃً بھی کردی ہے مبالغہ کے لئے۔

یجزی. ابوعمرو یائے مضمومہ اور زائے مفتوحہ کے ساتھ لفظ کل کو مرفوع پڑھتے ہیں اور باقی قراء نون مفتوحہ اور زائے مکسورہ کے ساتھ کل کو منصوب پڑھتے ہیں۔

عویل. اعول چلا کر رونا عول۔ عولۃ۔ عویل تینوں مرفوع اسماء ہیں۔

ربنا تقدیر قول کے ساتھ ہے خواہ فعل مقدر مانا جائے ای **یقولون ربنا الخ** اور یا جملہ مستانفہ مقدر مانا جائے۔ ای **اخرجنا من النار وردنا الی الدنیا** اور یا فاعل **یصطرخون** سے حال مانا جائے ای **قائلین ربنا.**

صالحا غیر الذی یہ دونوں لفظ مصدر محذوف کی صفت ہیں ای **عملا صالحاً الخ** اور مفعول بہ محذوف کی صفت بھی یہ دونوں لفظ ہو سکتے ہیں۔ ای **نعمل شیئا صالحا غیر الذی** اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ **صالحا** مصدر کی صفت ہو اور **غیر الذی** مفعول بہ ہو۔

فیقال. زمانہ دراز کے بعد ان کو یہ جواب ملے گا۔

ما یتذکر کی تفسیری عبارت میں ما کے نکرہ موصوفہ ہونے کی طرف اشارہ کیا اور یا مصدر یہ سے زمانہ مراد ہے۔

نذیر. اکثر کے نزدیک رسول کے معنی ہیں اور بعض نے بڑھاپے اور بعض نے عقل کے معنی کہے ہیں۔

﴿تشریح﴾: اللہ کی ذات میں ساری خوبیاں اور تمام کمالات چونکہ جمع ہیں اور بندے ذاتی طور پر ان سے عاری ہیں۔ اس لئے اللہ کی شان غنی اور بندوں کی صفت محتاجگی ٹھہری اور وہ اس پر بھی قادر ہے کہ ہماری سرکشی کی صورت میں ہمیں فنا کر کے ایک فرمانبردار مخلوق پیدا کردے۔ یہ ہمارا فی الحال ضرر ہوا اگرچہ احتمال ہی سہی تاہم اللہ کو کچھ مشکل نہیں کہ کسی مصلحت سے اگر اس نے ڈھیل دے رکھی ہے تو اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے۔

قیامت کی نفسانفسی: آخرت کی سزا تو یقینی سر پر ہے ہی۔ وہاں ہر شخص کو ایسی نفسی نفسی پڑی ہوگی کہ کوئی کسی کا بوجھ اٹھانے کے لئے نہ از خود رعایۃً آمادہ ہوگا اور نہ بلانے پر کسی کے لئے تیار ہوگا چاہے وہ قرابتدار ہی کیوں نہ ہو۔ بس اللہ ہی کے فضل سے بیڑا پار ہوگا۔

آیت **لا یحمل منہ شئ** آیت عنکبوت **ولیحملن اثقالھم الخ** کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں منشاء یہ ہے کہ دوسرا

بوجھ اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ اصل مجرم بری الذمہ ہو جائے۔ بلکہ مجرم اور شریک کار دونوں پکڑے جائیں گے۔ اس تحذیر منکرین کے بعد آگے حضور اکرم ﷺ کو تسلی دینا ہے کہ آپ کفار کے غم میں فضول کیوں گھل رہے ہیں۔ آپ کی نصیحت تو اسی پر کارگر ہو سکتی ہے جو بن دیکھے اللہ سے ڈرتا ہو اور نماز کی پابندی رکھتا ہو۔ یعنی جو یائے حق کے لئے نصیحت نتیجہ خیز ہوا کرتی ہے خواہ فی الحال ایماندار ہو یا آئندہ جو شخص بھی آپ کی نصیحت پر کان دھرے گا اور اپنا حال درست کرے گا وہ خدا پر یا آپ پر احسان نہیں کرے گا۔ بلکہ اپنا ہی فائدہ کرے گا اور پورا فائدہ اللہ کے یہاں جاتے ہی ظاہر ہوگا۔ لیکن جس کے دل میں خوف خدا ہی نہ ہو وہ ان دھمکیوں سے کیا متاثر ہوگا۔ غرض کہ نفع اگر ہوگا تو ان کا ہوگا آپ غم میں کیوں گھلتے ہیں۔

دنیا کی چیزوں میں اختلاف فطری ہے:...... اور اصل راز یہ ہے کہ مومن وکافر دونوں برابر نہیں ہیں مومن کو اللہ نے آنکھ دی ہے وہ حق کے اجالے اور وحی کی روشنی میں بے کھٹکے راستہ قطع کرتا ہوا سیدھا جنت میں اور راحت الٰہی کے سایہ میں جا پہنچتا ہے۔ لیکن کافر جو دل کا اندھا اور ہوائے نفسانی کی اندھیریوں میں بھٹکتا ہوا جہنم کی جھلسنے والی آگ کی طرف بے تحاشہ دوڑا چلا جاتا ہے۔ پس کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اگر اندھا اور سنوکھا برابر نہیں ہو سکتے۔ اگر اندھیرا اور اجالا دونوں ایک دوسرے کے برابر نہیں ہو سکتے۔ اگر سایہ اور دھوپ دونوں برابر نہیں ہو سکتے اگر زندہ و مردہ برابر نہیں ہو سکتے۔ تو مومن وکافر میں تو اس سے زیادہ فرق ہے۔ وہ کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔

اصل دائمی زندگی تو ایمانی روح سے ملتی ہے۔ ورنہ کافر ایک زندہ نعش بلکہ ہزاروں مردوں سے بدتر سمجھنا چاہئے اور مردہ کو زندگی بخش دینا اللہ کی قدرت میں تو ہے پر بندہ کے بس کی بات نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ انہیں ہدایت دے دے تو اور بات ہے ورنہ آپ کی کوشش سے یہ حق قبول نہیں کریں گے۔ اللہ جسے چاہے سنوا سکتا ہے۔ مگر آپ قبروں میں ان مدفون لوگوں کو نہیں سنوا سکتے۔ پیغمبر کا کام تو صرف ڈراتے رہنا ہے اور یہ ڈراتے رہنا بھی بطور خود نہیں ہوتا۔ جیسا کہ منکرین نبوت کہا کرتے ہیں۔ بلکہ ہماری ہی طرف سے ہے۔ لیکن کافر ڈر بھی جائیں اور حق قبول بھی کرلیں یہ قطعاً آپ کی ذمہ داری نہیں پھر غیر متعلق بات کے غم میں آپ کیوں پڑیں۔

اشکال وجواب:...... ظلمت ونور اور ظل وحرور میں برابری کی نفی اس لئے نہیں کی جارہی ہے کہ ان کے مشبہ میں برابری کا شبہ تھا۔ بلکہ دراصل کفار کے ہدیت نہ ہونے پر استدلال ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دیکھو ان مذکورہ چیزوں کے شبہات یعنی ہدایت و ضلالت، جنت ودوزخ کی نابرابری تو معلوم ہے ہی اور ہر فریق کے لئے ایک ایک شق مقدر ہے۔ پس اس کے بعد کافروں کے لئے ہدایت کی توقع رکھنا ایسا ہوگا جیسے نور وظلمت میں برابری اور سایہ اور دھوپ میں یکسانیت کی توقع رکھنا جو محال ہے۔ پس بطور مبالغہ ملزوم بھی منفی ہے۔ **وما انت بمسمع من فی القبور** یعنی آپ قبر میں پڑے ہوؤں کو نہیں سنا سکتے۔ حالانکہ حدیث میں قبرستان جا کر سلام پڑھنے کا حکم آیا ہے اور بھی بہت سی جگہ مردوں کو خطاب کیا گیا ہے۔

بات یہ ہے کہ مردے کی روح تو سنتی ہے جو عالم ارواح میں ہے مگر اس کا دھڑ نہیں سنتا۔ جو قبر میں پڑا ہوا ہے اور آیت **ان انت الا نذیر** پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس میں تو صفت نذیر کا حصر ہے۔ حالانکہ آئندہ آیت **انا ارسلناك بشیرا ونذیرا** میں آپ کی دونوں شانیں ذکر کی گئی ہیں۔ کیونکہ اول تو اس حصر سے مقصود آپ کے بشیر ہونے کی نفی نہیں ہے بلکہ آپ کے مسئول عنہ ہونے کی نفی مقصود ہے۔ جیسے دوسری آیت **ولاتسئل عن اصحاب الجحیم** میں فرمایا گیا ہے دوسرے اگر بشیر ہونے کی نفی ہی مقصود ہو تو صرف کفار کے لحاظ سے ہے یعنی آپ کفار کے حق میں صرف نذیر ہیں اور بشیر صرف مومنین کے لئے ہیں۔ **وان من امة الا خلافیها نذیر** میں نذیر سے مراد عام ہے خواہ نبی ہو یا اس کا قائم مقام۔

آیت وان یکذبوک الخ میں آپ کو تسلی دینی ہے کہ آپ ان کی تکذیب کی پرواہ نہ کیجئے نہ یہ آپ کے لئے انوکھی بات ہے اور نہ ان کے لئے۔ پچھلے پیغمبر چھوٹی بڑی کتابیں صحیفے لے کر آئے اور روشن تعلیمات یا کھلے کھلے معجزات پیش کئے۔ مگر سب کے ساتھ یہی تکذیب کا نار،اسلوک کیا آخر دیکھا ان کا کیا انجام بنا؟ وہی سب کچھ تمہارے ساتھ کیا جائے گا۔

دلائل توحید: اس کے بعد آیت الم تر الخ سے مضمون توحید کا اعادہ ہے اور ساتھ ہی علم توحید کے ثمرہ عملی یعنی خشیت کو اور پھر اس کی علت میں بعض صفات الٰہیہ کا بیان ہے۔ فرماتے ہیں ہم نے بارش سے قسم قسم کے میوے اور ہر قسم میں رنگ برنگ کے پھل پیدا کئے۔ حالانکہ زمین ایک، پانی ایک، ہوا ایک۔ اس میں کس قدر قدرت کا اظہار ہے۔ پہاڑ پیدا کئے تو ان کی رنگتیں بھی مختلف در مختلف یہ سب نیرنگی قدرت ہے۔ پس جس طرح جمادات، نباتات، حیوانات میں اس درجہ اختلاف ہے تو سارے انسان مومن وکافر، نیک وبد کیسے ایک ہو سکتے ہیں۔ سب انسان ایک ہی رنگ اختیار کرلیں۔ ایک ہی ساخت کے ہو جائیں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ پس جو لوگ ان دلائل قدرت میں غور کرتے ہیں ان کو عظمت خداوندی کا علم ہو جاتا ہے۔

مذکورہ بالا چیزوں میں رنگتوں کا اختلاف چونکہ اجلی اور نمایاں ہے اور دلیل کے لئے مقدمات کا واضح اور روشن ہونا مفید ہوتا ہے اس لئے رنگتوں کی تخصیص کی ورنہ ان چیزوں کی تاثیرات، ذائقے، فوائد میں مختلف ہوتے ہیں۔ مگر رنگتوں کی طرح واضح نہیں ہیں۔

سابقہ آیات کے ارتباط کی دوسری عمدہ توجیہ: .... نیز اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی بھی ہے کہ آپ اس اختلاف طبائع سے رنجیدہ نہ ہوں۔ چنانچہ انسانوں میں اللہ سے ڈرنے والے بھی ہیں اور نڈر بھی۔ مگر ڈرتے وہی ہیں۔ جنہیں اللہ کی عظمت وجلال کا علم ہے۔ دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی پائیداری کو سمجھتے ہیں۔ احکام الٰہی کا علم رکھ کر مستقبل کی فکر رکھتے ہیں جس میں جس درجہ یہ علم ہوگا وہ اسی درجہ خدا سے ڈرے گا، جو خوف خدا سے بہرور نہیں وہ فی الحقیقت عالم نہیں۔ اللہ کی شانیں دو ہیں۔ وہ زبردست ہے کہ ہر خطا پر پکڑ سکتا ہے اور غفور الرحیم بھی ہے کہ ہر گناہ معاف کر سکتا ہے۔ پس جب نفع نقصان دونوں اسی کے قبضہ میں ہیں تو بندہ کو دونوں حیثیتوں سے ڈرنا چاہئے۔ وہ جب چاہے نفع کو روک لے اور ضرر کو لگا دے۔ عظمت الٰہی کا علم اگر اعتقادی ہے تو خشیت بھی اعتقادی ہے اور عظمت کا علم حالی ہے تو خشیت بھی حالی ہوگی۔

اب اس وضاحت کے بعد اس شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ بعض اہل علم کو خشیت سے خالی دیکھا جاتا ہے۔ حاصل یہ کہ مدار خشیت علم پر ہے نہ کہ مدار علم خشیت پر یعنی علم بدون خشیت کے ہو سکتا ہے مگر خشیت بدون علم کے نہیں ہو سکتی۔

اس کے بعد آیت ان الذین یتلون الخ میں جزا اور سزائے آخروی کا تفصیلی بیان ہے جو لوگ اللہ سے ڈر کر اس کی باتوں کو مانتے ہیں اور اس کی کتاب عقیدت سے پڑھتے ہیں، عبادات بدنی اور مالی میں کوتاہی نہیں کرتے وہ فی الحقیقۃ ایک زبردست بیوپار کے امیدوار ہیں جس میں ٹوٹے کا کوئی کھٹکا نہیں ہے۔ کیونکہ خدا ان کے اعمال کا خود خریدار ہوگا۔ تو نقصان کا کیا احتمال سراسر نفع ہی نفع ہے۔ وہ بڑی سے بڑی خطائیں معاف کر دیتا ہے اور معمولی سی طاعت کی بھی قدر ومنزلت کر لیتا ہے اور اعمال کا بدلہ مقررہ ضابطہ سے کہیں بڑھ چڑھ کر دیتا ہے۔

قرآن کی تلاوت اور جنت: اور یہ انعام الٰہی قرآن کریم پر عمل کرنے کی بدولت چونکہ ہے۔ اس لئے یہ قرآن کی جامعیت اور کمال کی دلیل ہے۔ پس اس کا عامل بھی اجر کامل کا مستحق ہے۔ تلاوت قرآن پر عطائے جنت بطور سبب ہے بطور موقوف علیہ نہیں۔ البتہ جنت میں فوری داخلہ کے لئے قرآن کی تلاوت کو مدار بنایا جائے تو تلاوت سے مراد قرآن پر عمل کرنا ہوگا جو مقصود تلاوت

ہوتا ہے۔ کیونکہ عمل کے بغیر محض تلاوت مقصود نہیں ہے۔

پیغمبر کے بعد اس کتاب کا وارث بنایا جو مجموعی اعتبار سے سب امتوں سے بڑھ کر ہے اگرچہ افراد واشخاص کے لحاظ سے سب یکساں نہیں ہیں۔ کچھ ان میں بلحاظ اعمال تھرڈ کلاس بھی ہیں اور کچھ سیکنڈ درجہ کے ہیں اور کچھ وہ بھی ہیں جو فسٹ کلاس میں ہیں۔ یوں برگزیدہ ہونے میں سب شریک ہیں مگر فرق مراتب کے ساتھ۔ حدیث میں ہے کہ گنہگار مسلمان کی بھی معافی ہو جائے گی اور میانہ رو، سلامت رو ہے اور اعلیٰ درجہ کے وہ اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ اللہ کریم ہے اس کے یہاں بخل نہیں ہے۔ جنت میں داخل ہونے والوں کو سونے اور موتیوں کے گہنے اور ریشمی لباس پہنایا جائے گا۔

حدیث میں ہے کہ جو مرد دنیا میں ریشم اور سونا پہنے گا وہ آخرت میں نہیں پہنے گا۔ جنتی نعمائے الٰہی پر حمد باری بجالائیں گے۔ کہ اللہ نے دنیا اور محشر کا غم دور کیا۔ گناہ معاف کر کے از راہ قدر دانی طاعت قبول فرمائی اور اس سے پہلے رہنے کا کوئی گر نہ تھا۔ ہر جگہ چل چلاؤ، روزی کا غم، دشمنوں کا ڈر اور طرح طرح کے رنج ومشقت مگر وہاں پہنچ کر سب کافور ہو گئے۔ لیکن کفار کا حال یہ ہوگا کہ جہنم میں رہنے کے ساتھ نہ ختم ہونے والی تکالیف میں مبتلا رہیں گے۔ انہیں موت بھی نہ آئے گی کہ اسی سے تکالیف کا خاتمہ ہو اور نہ عذاب ہلکا پڑے گا۔ ایسے ناشکروں کی اللہ کے یہاں یہی سزا ہے۔ ہر چند کہ چیخیں چلائیں گے کہ ذرا دوزخ سے نکال دیجئے۔ اب کے ہم نیکیاں سمیٹ لائیں گے اور فرمانبردار بن کر حاضر ہوں گے۔ واقعی ہم سے بدعملیاں ہوگئیں۔ مگر جواب ملے گا کہ تمہیں تو کام کرنے کا موقعہ دیا گیا تھا۔ اتنی عمر اور سمجھ بھی دی تھی۔ جس سے کھرے کھوٹے کا امتیاز اور پرکھ کر سکتے تھے۔ حتیٰ کہ بہت سے ساٹھ ستر برس تک دنیا میں پڑے رہے اور انہیں خواب غفلت سے چونکا دینے والی باتیں پیش آئیں مگر کسی طرح نہ سنبھلے۔ کیا اس کے بعد بھی کوئی عذر باقی رہ گیا ہے۔ اب اپنی کرنی کو بھگتو اور کسی طرف سے مدد کی آس نہ رکھو۔

بڑھاپا بھی نذیر ہے: ...... اولم نعمرکم میں دراصل عمر بلوغ مراد ہے جس میں ضروری سمجھ بوجھ آجاتی ہے اور شرعاً مکلف بن جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت قتادہؒ سے منقول ہے۔ اعلموا ان طول العمر حجة نزلت وان فیھم لا بن ثمان عشر سنة اور امام صاحب نے بلوغ کی اکثر مدت بھی اٹھارہ سال فرمائی ہے۔ اور بعض روایات میں جو ساٹھ سال تفسیر آئی ہے اس سے تخصیص مقصود نہیں۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ ساٹھ سال میں اور زیادہ حجت قائم ہو جاتی ہے۔ سفید بال اور پوتے نواسے بھی پیغام موت ہیں۔

لطائف سلوک: ...... انما یخشی اللہ الخ سے وہ علماء مراد ہیں جنہیں اللہ کی ذات وصفات اور افعال وشیون کی معرفت ہے۔ محض صرف ونحو وغیرہ، علوم نقلیہ وعقلیہ جاننے والے اس کا مصداق نہیں۔ کیونکہ خشیت کی بنیاد پہلا علم ہے نہ کہ دوسرا۔

آیت ثم اورثنا الخ میں کوتاہ عمل کو بھی چنے ہوئے لوگوں میں سے شمار کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ ولایت عام ہر مومن کو حاصل ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۳۸﴾ بِمَا فِی الْقُلُوْبِ فَعِلْمُهٗ بِغَيْرِهٖ اَوْلٰی بِالنَّظَرِ اِلٰی حَالِ النَّاسِ **هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ ؕ** جَمْعُ خَلِيْفَةٍ اَیْ يَخْلُفُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا **فَمَنْ كَفَرَ** مِنْكُمْ **فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ؕ** اَیْ وَبَالُ كُفْرِهٖ **وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ** غَضَبًا **وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾** لِلْاٰخِرَةِ **قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ**

الَّذِينَ تَدْعُونَ تَعْبُدُوْنَ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَیْ غَيْرِهٖ وَهُمُ الْاَصْنَامُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ شُرَكَاءُ اللّٰهِ تَعَالٰی **اَرُوْنِیْ** اَخْبِرُوْنِیْ **مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ** شِرْكَةٌ مَعَ اللّٰهِ **فِی** خَلْقِ **السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰی بَيِّنَتٍ** حُجَّةٍ **مِّنْهُ ۚ** بِاَنَّ لَهُمْ مَعِیْ شِرْكَةً لَاشَیْءَ مِنْ ذٰلِكَ **بَلْ اِنْ** مَا **يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ** الْكَافِرُوْنَ **بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا**﴿۴۰﴾ بَاطِلًا بِقَوْلِهِمُ الْاَصْنَامُ تَشْفَعُ لَهُمْ **اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ** اَیْ يَمْنَعُهُمَا مِنَ الزَّوَالِ **وَلَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **زَالَتَآ اِنْ** مَا **اَمْسَكَهُمَا** يُمْسِكُهُمَا **مِنْ اَحَدٍ مِّنْ ۢ بَعْدِهٖ ؕ** اَیْ سِوَاهُ **اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا**﴿۴۱﴾ فِیْ تَاخِيْرِ عِقَابِ الْكُفَّارِ **وَاَقْسَمُوْا** اَیْ كُفَّارُ مَكَّةَ **بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ** اَیْ غَايَةَ اجْتِهَادِهِمْ فِيْهَا **لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ** رَسُوْلٌ **لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰی مِنْ اِحْدَی الْاُمَمِ ۚ** اَلْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰی وَغَيْرِهِمَا اَیْ اَیَّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا لِمَا رَاَوْا مِنْ تَكْذِيْبِ بَعْضِهَا بَعْضًا اِذْ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصَارٰی عَلٰی شَیْءٍ وَّقَالَتِ النَّصَارٰی لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰی شَیْءٍ **فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ** مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **مَّا زَادَهُمْ** مَجِيْئُهٗ **اِلَّا نُفُوْرَا**ۨ﴿۴۲﴾ تَبَاعُدًا عَنِ الْهُدٰی **اسْتِكْبَارًا فِی الْاَرْضِ** عَنِ الْاِيْمَانِ مَفْعُوْلٌ لَهٗ **وَمَكْرَ** الْعَمَلِ **السَّيِّئِ ؕ** مِنَ الشِّرْكِ وَغَيْرِهٖ **وَلَا يَحِيْقُ** يُحِيْطُ **الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ** وَهُوَ الْمَاكِرُ وَوَصْفُ الْمَكْرِ بِالسَّيِّئِ اَصْلٌ وَاِضَافَتُهٗ اِلَيْهِ قَبْلَ اسْتِعْمَالٍ اٰخَرَ قُدِّرَ فِيْهِ مُضَافٌ حَذَرًا مِنَ الْاِضَافَةِ اِلَی الصِّفَةِ **فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ** يَنْتَظِرُوْنَ **اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ** سُنَّةَ اللّٰهِ فِيْهِمْ مِنْ تَعْذِيْبِهِمْ بِتَكْذِيْبِهِمْ رُسُلَهُمْ **فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا**﴿۴۳﴾ اَیْ لَا يُبَدَّلُ بِالْعَذَابِ غَيْرُهٗ وَلَا يُحَوَّلُ اِلٰی غَيْرِ مُسْتَحِقِّهٖ **اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ** فَاَهْلَكَهُمُ اللّٰهُ بِتَكْذِيْبِهِمْ رُسُلَهُمْ **وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَیْءٍ** يَسْبِقُهٗ وَيَفُوْتُهٗ **فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا** بِالْاَشْيَاءِ كُلِّهَا **قَدِيْرًا**﴿۴۴﴾ عَلَيْهَا **وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا** مِنَ الْمَعَاصِیْ **مَا تَرَكَ عَلٰی ظَهْرِهَا** اَیِ الْاَرْضِ **مِنْ دَآبَّةٍ** نَسَمَةٍ تَدِبُّ عَلَيْهَا **وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۚ** اَیْ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ **فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا**﴿۴۵﴾ فَيُجَازِيْهِمْ عَلٰی اَعْمَالِهِمْ بِاِثَابَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَعِقَابِ الْكَافِرِيْنَ

ترجمہ: ـــــ بلاشبہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا جاننے والا ہے۔ بیشک وہی دلوں کے بھید جاننے والا ہے (دل کی باتیں پس دل کے علاوہ اور باتیں لوگوں کی نظر کے لحاظ سے بدرجہ اولیٰ جاننے والا ہے) وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں آباد کیا ہے (خلیفہ کی جمع خلائف ہے یعنی یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں) پھر جو کوئی (تم میں سے) ناشکری کرے تو اس پر ناشکری کا

وبال پڑے گا اور کافروں کے لئے ان کا کفران کے پروردگار کے سامنے ناراضگی (غصہ) ہی بڑھائے گا اور کافروں کے لئے ان کا کفر (آخرت میں) خسارہ ہی کا باعث بنے گا۔ آپ کہئے ذرا دیکھو تو اپنے قرار داد شریک کو جن کو تم خدا کے سوا پکارا کرتے تھے (یعنی اللہ کے علاوہ بتوں کو جنہیں تم اپنے گمان میں اللہ کا شریک سمجھتے تھے) مجھے دکھلاؤ (بتلاؤ) تو کہ انہوں نے زمین کا کون سا حصہ پیدا کیا ہے یا ان کا کچھ ساجھا ہے (اللہ کے ساتھ شرکت ہے) آسمانوں (کے بنانے) میں یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے کہ اس کی دلیل پر قائم ہوں (اس پر کہ میں نے ان سے ساجھا کر رکھا ہے ان میں کوئی سی شق بھی نہیں پائی جاتی) بلکہ یہ ظالم (کافر) ایک دوسرے سے دھوکہ کی باتوں کا وعدہ کرتے آئے ہیں (بے اصل بات کہ بت ان کے لئے سفارشی ہوں گے) یقینی بات ہے کہ اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ ٹل نہ جائیں (یعنی موجودہ حالت کو نہ چھوڑ بیٹھیں) اور اگر (لام قسمیہ ہے) وہ ٹل جائیں تو پھر اللہ کے سو (علاوہ) کوئی انہیں سنبھال بھی نہ سکے وہ رہنمائی والا بخشش والا ہے (کفار کی سزا میں دیر کر کے) اور ان (مکہ کے) کفار نے بڑی زوردار قسمیں کھائی تھیں (پوری تاکید کے ساتھ) کہ اگر کوئی ان کے پاس ڈرانے والا (پیغمبر) آیا تو وہ ہر امت سے بڑھ چڑھ کر ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے (یعنی یہود ونصاریٰ کوئی سی بھی امت ہو سب سے بڑھ کر رہیں گے کیونکہ یہود نصرانیوں سے کہا کرتے تھے کہ تم کچھ نہیں ہو اور نصاریٰ جواب دیتے کہ تم کچھ نہیں) مگر جب ان کے پاس ڈرانے والے (محمد ﷺ) آپہنچے تو (آپ کی تشریف آوری سے) ان کی نفرت ہی کو ترقی ہوئی (ہدایت سے دوری بڑھی) اپنے کو دنیا میں بالا سمجھنے کی وجہ سے (ایمان سے استکبارا مفعول لہ ہے) اور ان کے برے داؤ پیچ کی وجہ سے (شرک وغیرہ کر کے) اور بری تدبیروں کا وبال بری تدبیریں کرنے والوں ہی پر پڑتا ہے (یعنی مکار پر اور مکر کی صفت لفظ سے اپنی اصل پر ہے البتہ اس سے پہلے لفظ **مکر السیء** ایک دوسرے استعمال پر آیا ہے کہ اس میں مضاف مقدر مانا گیا ہے اضافت الی الصفت سے بچنے کے لئے) سو کیا یہ نظر (انتظار) نہیں کر رہے ہیں مگر جو دستور اگلوں کے ساتھ ہوتا آیا ہے (کہ پیغمبروں کو جھٹلانے کی وجہ سے ان میں اللہ کے عذاب بھیجنے کا دستور رہا ہے) سو آپ خدا کے دستور کو کبھی بدلا ہوا نہیں پائیں گے اور نہ خدا کے دستور کو آپ کبھی ٹلتا ہوا پائیں گے (یعنی نہ عذاب کو کسی اور چیز سے بدلا جاتا ہے اور نہ اسے کسی غیر مجرم کی طرف پھیرا جائے گا) کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیا ہوا۔ حالانکہ وہ قوت میں ان سے بڑھے ہوئے تھے (مگر اللہ نے ان کو اپنے پیغمبروں کے جھٹلانے کی وجہ سے تباہ کر ڈالا) اور اللہ ایسا نہیں کہ کوئی چیز اسے ہرا دے (کہ اس سے آگے نکل کر اسے چھوڑ دے) نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں وہ (تمام باتوں کا) بڑا جاننے والا (ان پر) بڑی قدرت والا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ (ان) لوگوں پر دارو گیر فرمانے لگتا ان کے اعمال (بد) کی وجہ سے تو روئے زمین پر ایک متنفس کو نہ چھوڑتا (جو زمین پر چل پھر سکتا) لیکن اللہ انہیں ایک معین مدت (قیامت) تک مہلت دے رہا ہے۔ سو جب وہ میعاد آپہنچے گی اللہ اپنے بندوں کو آپ دیکھ لے گا (لہٰذا وہ لوگوں کو ان کے کئے کا ضرور بدلہ دے گا مؤمنین کو ثواب اور کافروں کو عذاب۔)

تحقیق وترکیب:...... **ذات الصدور**. پہلے جملہ میں خود کو اللہ نے آسمان وزمین کا غیب داں بتلایا تھا یہ جملہ اس کی دلیل ہے کہ جب وہ دلوں کے بھید جانتا ہے تو اور باتیں بطریق اولیٰ جانتا ہے اور تفسیر عبارت **بالنظر الی حال الناس** یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ اللہ کو تو سب چیزوں کا علم برابر ہے۔ پھر ان میں بعض کو اولیٰ یا غیر اولیٰ کہنا کیسے صحیح ہے؟ جواب یہ ہے کہ لوگوں کی ظاہری نظر کے لحاظ سے ایسا کہہ دیا کہ ہم دل کا حال جاننے کو زیادہ مشکل سمجھتے ہیں۔ ورنہ حقیقۃً اللہ کا علم یکساں ہے۔ چنانچہ اللہ کو عالم الغیب کہنا انسانی نظر کے لحاظ سے ہے۔ ورنہ اللہ کے لئے سب شہادۃ اور حاضر ہے۔ ذات صدر کے معنی سینہ میں پوشیدہ راز وخطرات کے ہیں پس ذات بمعنی صحبت ہے۔

لا یزید. یہ بیان ہے **فعلیہ کفرہ** کا اور بیان اگرچہ علیحدہ نہیں ہوتا۔ مگر زیادتی تفصیل کی وجہ سے فصل کر دیا گیا ہے اور اس جملہ کے تکرار میں نکتہ اس تنبیہ اور تقریر کو زیادہ کرتا ہے کہ کفر پر دو مستقل وبال اللہ کی ناراضی اور خسارہ کے ایسے ہیں کہ ان میں ہر ایک

وبال بھی کفر سے پرہیز کے لئے کافی ہے چہ جائیکہ دونوں وبال اکٹھے ہو جائیں۔

ارایتم. اس میں دو ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔ایک یہ کہ ہمزہ استفہام حقیقی ہے اور ارونی امر تعجیزی ہے۔دوسری صورت یہ ہے کہ استفہام مراد نہ لیا جائے بلکہ بمعنی اخبرونی ہو۔اس صورت میں یہ متعدی بدو مفعول ہوگا۔ایک مفعول شرکاء اور دوسرا مفعول استفہامیہ ہو۔یعنی ماذا خلقوا اور ارونی جملہ معترضہ ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تنازع فعلین ہو رہا ہے کہ ارایتم بھی ماذا خلقوا کو مفعول ثانی بنانا چاہتا ہے اور ارونی بھی مفعول لہ کا تقاضا کرتا ہے اور بطرز بصریین فعل ثانی کو عمل دے دیا جائے۔

ارونی. بمعنی اخبرنی ہونے کی وجہ سے ارایتم سے بدل الاشتمال ہے اور ہمزہ استفہام مانتے ہوئے بدل الکل بھی ہوسکتا ہے اور ارونی کو استیناف بھی مانا جاسکتا ہے ایک مفعول محذوف مان کر لیکن بدل کی صورت میں محذوف کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

ماذا خلقوا. ای ای شئ خلقوا. یہ مفعول ثانی کے قائم مقام ہے۔لیکن علامہ رضی کی رائے ہے کہ جو جملہ متضمن معنی استفہام ہو وہ محل اعراب نہیں ہوا کرتا۔

ام اٰتیناھم. اس میں التفات ہے۔

ان تزو لا عنھا سے مفسرؒ نے اشارہ کر دیا کہ حذف جار کے بعد ان تزو لا مفعول ثانی کے محل میں ہے اور مفعول لہ بھی بن سکتا ہے۔ای کراھۃ تزولا یا لئلا تزولا.

ان امسکھا. جواب قسم ہے اور جواب شرط محذوف ہے۔جس پر جواب قسم دلالت کر رہا ہے۔اسی لئے شرط فعل ماضی رہی۔

جھد ایمانھم. مفعول مطلق ہے ای اقساما بلیغا اور حال بھی بن سکتا ہے ای جاھدین فی ایمانھم.

لئن جاء ھم. یہ حکایت علی المعنی ہے۔

احدی الامم. یہود و نصاریٰ کہہ کر مفسر اشارہ کر رہے ہیں کہ الامم میں الف لام عہد کا ہے اور شان نزول کا قرینہ کی وجہ سے وہ امتیں برابر ہیں جو ایک دوسرے کی تکذیب کرتی ہیں۔لفظ احدی عام ہے کیونکہ ہر ایک امت سے بڑھ کر ہدایت یافتہ ہونا مراد ہے کسی خاص امت سے ہدایت یافتہ ہونا پیش نظر نہیں ہے۔

فلماء جاھم. خبر محذوف ہے ای نجازی کلا منھم.

لا یحیق. قاموس میں حاق ا بہ احاط جیسے احاق وفیہ السیف حاک وبھم الا مر بمعنی لازم، واجب اور نازل ہونا۔

مکر السئی. موصوف کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔اور خطیب نے اس کے علاوہ دو وجہیں اور بھی لکھی ہیں۔ایک موصوف کی اضافت صفت کی طرف۔کیونکہ اصل میں المکر السیّئ تھا۔دوسری ترکیب یہ ہے کہ و لا یحیق المکر السیّئ اپنی اصل پر ہے یعنی وقت تابع ہے تفسیر کی عبارت الاصل سے یہی مراد ہے۔اور قبل سے مراد قبل ہذا الترکیب ہے۔یعنی و المکر السیّئ جو خلاف اصل استعمال ہوا ہے۔جس میں صفت کی اضافت موصوف کی طرف کی گئی ہے۔مگر اس خرابی سے بچنے کے لئے کہا جائے گا کہ مکر محذوف کی طرف دراصل مضاف ہے اور وہ مضاف الیہ ہی موصوف ہے سیّٔ کا۔

اور سمین میں لکھا ہے کہ مکر السیّٔ میں دو توجیہیں ہیں۔واضح توجیہ تو یہ ہے کہ اس کو استکبار پر عطف کر لیا جائے۔دوسری صورت یہ ہے کہ نفورا پر اس کا عطف کیا جائے۔یہ اصل میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے۔کیونکہ اس کی اصل المکر السئ ہے البتہ بصری حذف محذوف کی تاویل کرتے ہیں۔ای العمل السئ.

فھل ینظرون. مجازاً مستقبل میں پیش آنے والی چیزوں اور منتظرہ سے تعبیر کیا ہے ورنہ متوقعاً ان کو کسی چیز کا انتظار نہیں تھا۔

سنۃ الاولین. اس میں مصدر مضاف الی المفعول ہے۔

اور لن تجد لسنۃ اللہ . میں مضاف الی الفاعل ہے۔پس مصدر کی دونوں اضافتیں درست ہیں اور فلن تجد میں فاتعلیل کے لئے ہے عذاب منتظرہ کی اور سنت اللہ میں تبدیل و تحویل کے مصداق کی نفی سے مراد بطریق برہان ان کے وجود کی نفی ہے اور مستقلاً نفی

کرنے میں تاکید نفی ہے اور لفظ تبدیل میں اشارہ ہے کہ نفس عذاب میں کسی دوسری چیز سے تبدیلی نہیں ہوگی اور تحویل میں اشارہ ہے کہ عذاب مستحق سے منتقل کر کے غیر مستحق کو نہیں دیا جائے گا اور دونوں کو جمع کرنے میں تہدید اور توبیخ ہے۔

اولم یسیروا. اس میں ہمزہ انکار یا نفی کے لئے ہے اور واؤ عطف مقدر پر عطف کے لئے ہے۔ای **قعدوا فی مساکنھم ولم یسیروا فی الارض فینظروا الخ** یہ جملہ سنت اللہ کے استشہاد کے سلسلہ میں ہے۔

کیف کان. جملہ حالیہ ہے یا پہلے جملہ **من قبلھم** پر معطوف ہے۔

ما ترك. مثلاً بارش روک لے اور سخت سوکھا پڑ جائے اور پیداوار نہ ہو تو ظالم تو اپنی پاداش میں ہلاک ہوں اور ظالم کے علاوہ دوسرے انسان اور غیر انسان وہ چنے کے ساتھ گھن کی طرح تباہی میں شریک ہو جائیں اور ظہر ارض سے زمین کو دابہ سے تشبیہ دی گئی ہے بلحاظ تمکن۔ اور کہیں لفظ وجہ الارض سے زمین کا ظاہر مراد ہے اور بطن سے باطن پس گویا ضدین کا اطلاق ایک چیز پر کیا جاسکتا ہے۔

روایات: .... درمنثور میں ابن ابی حاتمؒ نے ابو ہلالؒ سے تخریج کی ہے کہ قریش کہا کرتے تھے اللہ اگر ہمارے پاس بھی کسی نبی کو بھیجتا تو ہم سے زیادہ نہ اللہ کا فرمانبردار کوئی ہوتا اور نہ نبی اور کتاب اللہ کا کوئی قدردان ہوتا اور قسمیں کھا کر یقین دلایا کرتے۔ اسی طرح انصار مدینہ سے جب یہود کی جنگ ہوتی تو یہود آپ کا واسطہ دے کر فتح و نصرت کی دعائیں کیا کرتے۔ مگر آپ نے جب دعوت پیش کی تو انکار و مخالفت سے پیش آنے لگے۔ آیت **واقسموا باللہ الخ** میں اسی صورت حال کا ذکر ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... آیت **ان اللہ عالم الغیب الخ** میں اللہ کے کمال علمی اور **وھو الذی جعلکم الخ** میں اس کے کمال عملی کا تذکرہ اور آگے **ولا یزید الکافرین** سے انسانوں کی نافرمانیوں کا شکوہ ہے۔ بلاشبہ وہ عالم کے ذرہ ذرہ کے کلی حالات اور دلوں کے بھید سے واقف ہے۔ ہر ایک کی نیت اور استعداد و صلاحیت کو جانتا ہے وراسی کے مطابق معاملہ کرتا ہے۔

نافرمانوں کے جھوٹے وعدے: .... اسے خوب معلوم ہے کہ جو چلا رہے ہیں کہ "ہمیں چھوڑ دو آئندہ ایسی غلطی نہیں کریں گے" وہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ اگر ہزار بار بھی لوٹائے جائیں تب بھی شرارت سے باز نہیں آئیں گے۔ کیونکہ ان کی افتاد اور ساخت ہی ایسی ہے۔ دنیا میں آمد و رفت کا ایک سلسلہ لگا ہوا ہے اگلے موت کی آغوش میں جارہے ہیں پچھلے ان کی جگہ سنبھال رہے ہیں۔ لوگوں کو چاہئے کہ اس کا حق بجالائیں۔ کسی کی ناشکری سے اس کا اپنا نقصان تو ہے مگر اللہ کا کیا جاتا ہے۔ وہ ہماری تعریف و عبادت کا محتاج نہیں ہے۔ کفر و طغیان اور ناسپاسی سے اللہ کی ناراضی اور ناشکرے کے لئے ٹوٹا ہے۔ آخر جنہوں نے اللہ کے علاوہ پرستش کے ٹھکانے بنائے ہیں وہ دکھلائیں تو انہوں نے زمین کا کون سا ٹکڑہ بنایا یا آسمان کے کس حصہ کو تھام رکھا ہے اور جب کچھ نہیں تو پھر تخت خدائی کس طرح انہیں نصیب ہوگیا۔

شرک پر نقلی عقلی دلیل کچھ نہیں ہے: .... عقلیں کہاں ماری گئیں اور عقلی دلیل نہیں مل سکتی تو معتبر نقلی دلیل ہی پیش کر دو جس سے تمہارا کچھ تو بھرم رہ جائے۔ مگر دلیل کے نام سے ان کے پاس خاک نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ شیطان نے یہ پٹی پڑھادی ہے کہ یہ اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ حالانکہ سفارش تو کیا کوئی بڑی سے بڑی ہستی کفار کے حق میں زبان تک نہیں ہلا سکے گی۔ کیا ٹھکانہ ہے اس کے محکم نظام قدرت کا کہ اتنے بڑے عظیم کرے کس طرح تھامے ہوئے ہے۔ مجال نہیں کہ بال برابر اس میں فرق آجائے اور بالفرض اگر یہ چیزیں موجودہ نظام سے ٹل جائیں تو کون ہے جو ان کو قابو میں رکھ سکے۔ قیامت میں جب یہ سارا نظام اللہ درہم برہم کرے گا تو کوئی نہ روک سکے گا۔

زمین حرکت کرتی ہے یا آسمان: ...... آسمان وزمین کی موجودہ حالت خواہ حرکت بالفعل ہو یا سکون کی، پھر حرکت اینیہ ہو یا حرکت وضعیہ وہ برقرار ہے اس میں اگر کوئی تغیر ہوتا تو کسی کی طاقت نہیں کہ سنبھال سکے۔اس وضاحت کے بعد آیت سے زمین وآسمان کی حرکت وسکوت پر استدلال کرنا بے محل ہے اور یوں بھی قرآن کا یہ موضوع ہی نہیں اور نہ آیت اس سے تعرض کر رہی ہے۔

آگے ارشاد ہے۔ **انہ کان حلیماً غفوراً** یعنی تمہاری شرارتوں کو دیکھا جائے تو ایک دم سارا نظام عالم درہم برہم کر دیا جانا چاہئے۔مگر اس کے تحمل وبردباری نے دنیا کو تھام رکھا ہے۔

واقسموا باللہ الخ میں کفر کی حالت کا نبی کی آمد سے پہلے اور بعد میں موازنہ کر کے بتلایا جا رہا ہے کہ ان کے تکبر وغرور نے ان کو پیغمبر کے آگے گردن جھکانے کی اجازت نہیں دی اور وہ طاعت کی بجائے بغاوت پر کمربستہ ہوگئے۔ بلکہ مخالفانہ داؤگھات اور سازشوں کا تانا بانا بننے میں منہمک ہوگئے۔لیکن خوب یاد رکھیں کہ یہ اپنے بنے ہوئے سازشوں کے جال میں خود پھنسیں گے۔لیکن دنیا میں کسی وجہ سے اگر بچ بھی گئے تو وہاں آخرت سے تو کسی طرح نہ بچ سکیں گے۔

اللہ کا قانون پاداش: ...... اس لئے کفار کے حق میں ضرر کا حصر واقعی ہے یہ اگر انہیں نتائج کے منتظر ہیں جو پہلے مجرمین بھگت چکے ہیں تو انہیں مطمئن رہنا چاہئے کہ یقیناً ان کے ساتھ بھی ضرور ہی ایسا ہوگا کیونکہ اللہ کا قانون پاداش اٹل ہے اس میں نہ تبدیلی ہوتی ہے اور نہ وہ ٹلتا ہے۔تبدیلی یہ کہ مجرم کے ساتھ سزا کی بجائے نوازش کا معاملہ ہونے لگے اور اٹل ہونا یہ کہ اصل مجرم چھوڑ کر غیر مجرم کے گلے میں پھندا ڈال دیا جائے۔غرض کہ دونوں باتیں نہیں ہوں گی۔سنۃ اللہ کی اس تفہیم کے بعد معجزات وخوارق کے انکار پر اس آیت سے استدلال کی گنجائش نہیں رہی۔

اولم یسیروا کا حاصل یہ ہے کہ دنیا کے بڑے سے بڑے زور آور جیسے فرعون، عاد وثمود بھی اللہ کی پکڑ سے نہ بچ سکے یہ بیچارے تو کیا چیز ہیں کوئی طاقت اللہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی وہ علم وقدرت کا خزانہ ہے اور اللہ بڑی سمائی سے کام لیتا ہے ورنہ اگر ذرا ذرا سی بات پر پکڑ شروع کر دے تو کسی کا کہیں کوئی ٹھکانہ نہ رہے۔نافرمان تو اپنی نافرمانی کی وجہ سے تباہ کر دیئے جائیں اور سچے پکے اطاعت گزار جو عادۃً بہت ہی کم ہوتے ہیں اپنی انتہائی کم عددی کی وجہ سے نہ رہ سکیں۔ کیونکہ معدودے چند انسانوں کا باقی رہنا اس حکمت الٰہی کے مطابق نہیں جس کی رو سے نظام عالم قائم ہے اور جب انسان نہ رہا تو دوسری ہی چیزیں کیا رہیں گی۔کیونکہ کائنات کی یہ ساری محفل انسان ہی کے لئے سجائی گئی ہے۔پھر اس نے ایک مقررہ مدت تک ڈھیل دے رکھی ہے کہ ہر ہر جرم پر اور ہر ایک کی خود گرفت نہیں کرتا وقت مقررہ پر سب کو اس کے آگے پیش ہونا ہے۔کوئی ذرہ بھی اس کے علم محیط سے باہر نہیں ہے، اچھے برے کا دوٹوک فیصلہ فرما دے گا جس سے نہ مجرم بچ سکے گا اور نہ فرمانبردار کا حق مارا جائے گا۔یہی حاصل ہے **ولو یؤاخذ اللہ** کا۔

لطائف سلوک: ...... آیت **فلما جاءھم** سے اہل سلوک کا یہ فرمانا صحیح ہوگیا کہ اوراد ووظائف سے ایک فاسد الاستعداد شخص کا اخلاقی اور روحانی روگ اور بڑھ جاتا ہے اور استکبار اسے بھی اسی طرف اشارہ نکلتا ہے۔

سُوْرَةُ يٰسٓ

سُوْرَةُ يٰسٓ مَكِّيَّةٌ اِلَّا قَوْلَهٗ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا الْاٰيَةَ اَوْ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰسٓ﴿۱﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ **وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ**﴿۲﴾ اَلْمُحْكَمِ بِعَجِيْبِ النَّظْمِ وَبَدِيْعِ الْمَعَانِيْ **اِنَّكَ** يَا مُحَمَّدُ **لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ**﴿۳﴾ **عَلٰى** مُتَعَلِّقٌ بِمَا قَبْلَهٗ **صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ**﴿۴﴾ اَيْ طَرِيْقِ الْاَنْبِيَاءِ قَبْلَكَ التَّوْحِيْدِ وَالْهُدٰى وَالتَّاكِيْدُ بِالْقَسَمِ وَغَيْرِهٖ رَدٌّ لِقَوْلِ الْكُفَّارِ لَهٗ لَسْتَ مُرْسَلًا **تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ** فِيْ مُلْكِهٖ **الرَّحِيْمِ**﴿۵﴾ بِخَلْقِهٖ خَبَرُ مُبْتَدَاءٍ مُقَدَّرٍ اَيِ الْقُرْاٰنُ **لِتُنْذِرَ** بِهٖ **قَوْمًا** مُتَعَلِّقٌ بِتَنْزِيْلٍ **مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ** اَيْ لَمْ يُنْذَرُوْا فِيْ زَمَنِ الْفَتْرَةِ **فَهُمْ** اَيِ الْقَوْمُ **غٰفِلُوْنَ**﴿۶﴾ عَنِ الْاِيْمَانِ وَالرُّشْدِ **لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ** وَجَبَ **عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ**﴿۷﴾ اَيِ الْاَكْثَرُ **اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا** بِاَنْ تُضَمَّ اِلَيْهَا الْاَيْدِيْ لِاَنَّ الْغُلَّ يَجْمَعُ الْيَدَ اِلَى الْعُنُقِ **فَهِيَ** اَيِ الْاَيْدِيْ مَجْمُوْعَةٌ **اِلَى الْاَذْقَانِ** جَمْعُ ذَقَنٍ وَهُوَ مُجْتَمَعُ اللِّحْيَيْنِ **فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ**﴿۸﴾ رَافِعُوْنَ رُءُوْسَهُمْ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ خَفْضَهَا وَهٰذَا تَمْثِيْلٌ وَالْمُرَادُ اَنَّهُمْ لَا يَذْعَنُوْنَ لِلْاِيْمَانِ وَلَا يُخَفِّضُوْنَ رُءُوْسَهُمْ لَهٗ **وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا** بِفَتْحِ السِّيْنِ وَضَمِّهَا فِي الْمَوْضَعَيْنِ **فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ**﴿۹﴾ تَمْثِيْلٌ اَيْضًا لِسَدِّ طُرُقِ الْاِيْمَانِ عَلَيْهِمْ **وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا وَتَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ وَالْاُخْرٰى وَتَرْكِهٖ **اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ**﴿۱۰﴾ **اِنَّمَا تُنْذِرُ** يَنْفَعُ اِنْذَارُكَ **مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ** الْقُرْاٰنَ **وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ**

بِالْغَيْبِ خَافَهُ وَلَمْ يَرَهُ **فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ**﴿۱۱﴾ هُوَ الْجَنَّةُ **اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى** لِلْبَعْثِ **وَنَكْتُبُ** فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ **مَا قَدَّمُوْا** فِي حَيٰوتِهِمْ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ لِيُجَازُوْا عَلَيْهِ **وَاٰثَارَهُمْ** مَا اسْتَنَّ بِهِ بَعْدَهُمْ **وَكُلَّ شَيْءٍ** نَصَبَهُ بِفِعْلٍ يُفَسِّرُهُ **اَحْصَيْنٰهُ** ضَبَطْنَاهُ **فِيْ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ**﴿۱۲﴾ كِتَابٍ بَيِّنٍ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ **وَاضْرِبْ** اِجْعَلْ **لَهُمْ مَّثَلًا** مَفْعُوْلٌ اَوَّلٌ **اَصْحٰبَ** مَفْعُوْلٌ ثَانٍ **الْقَرْيَةِ** اِنْطَاكِيَةَ **اِذْ جَآءَهَا** اِلٰى اٰخِرِهِ بَدَلُ اِشْتِمَالٍ مِنْ اَصْحَابِ الْقَرْيَةِ **الْمُرْسَلُوْنَ**﴿۱۳﴾ اَيْ رُسُلُ عِيْسٰى **اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا** اِلٰى اٰخِرِهِ بَدَلٌ مِنْ اِذِ الْاُوْلٰى الخ **فَعَزَّزْنَا** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ قَوَّيْنَا الْاِثْنَيْنِ **بِثَالِثٍ فَقَالُوْآ اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ**﴿۱۴﴾ **قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ**﴿۱۵﴾ **قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ** جَارٍ مَجْرَى الْقَسَمِ وَزِيْدَ التَّاكِيْدُ بِهِ وَبِاللَّامِ عَلٰى مَا قَبْلَهُ لِزِيَادَةِ الْاِنْكَارِ فِيْ **اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ**﴿۱۶﴾ **وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ**﴿۱۷﴾ التَّبْلِيْغُ الْبَيِّنُ الظَّاهِرُ بِالْاَدِلَّةِ الْوَاضِحَةِ وَهِيَ اِبْرَاءُ الْاَكْمَهِ وَالْاَبْرَصِ وَالْمَرِيْضِ وَاِحْيَاءُ الْمَيِّتِ **قَالُوْآ اِنَّا تَطَيَّرْنَا** تَشَاءَمْنَا **بِكُمْ** لِانْقِطَاعِ الْمَطَرِ عَنَّا بِسَبَبِكُمْ **لَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ** بِالْحِجَارَةِ **وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ**﴿۱۸﴾ مُؤْلِمٌ **قَالُوْا طَآئِرُكُمْ** شُؤْمُكُمْ **مَّعَكُمْ اَئِنْ** هَمْزَةُ اِسْتِفْهَامٍ دَخَلَتْ عَلٰى اِنِ الشَّرْطِيَّةِ وَفِيْ هَمْزَتِهَا التَّحْقِيْقُ وَالتَّسْهِيْلُ وَاِدْخَالُ اَلِفٍ بَيْنَهَا بِوَجْهَيْهَا وَبَيْنَ الْاُخْرٰى **ذُكِّرْتُمْ** وُعِظْتُمْ وَخُوِّفْتُمْ وَجَوَابُ الشَّرْطِ مَحْذُوْفٌ اَيْ تَطَيَّرْتُمْ وَكَفَرْتُمْ وَهُوَ مَحَلُّ الْاِسْتِفْهَامِ وَالْمُرَادُ بِهِ التَّوْبِيْخُ **بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ**﴿۱۹﴾ مُتَجَاوِزُوْنَ الْحَدَّ بِشِرْكِكُمْ **وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ** هُوَ حَبِيْبُ النَّجَّارُ كَانَ قَدْ اٰمَنَ بِالرُّسُلِ وَمَنْزِلُهُ بِاَقْصٰى الْبَلَدِ **يَّسْعٰى** يَشْتَدُّ عَدْوًا لِمَا سَمِعَ بِتَكْذِيْبِ الْقَوْمِ الرُّسُلَ **قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ**﴿۲۰﴾ **اتَّبِعُوْا** تَاكِيْدٌ لِلْاَوَّلِ **مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا** عَلٰى رِسَالَتِهِ **وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ**﴿۲۱﴾

ترجمہ:...... سورہ یٰسین مکی ہے بجز آیت و اذا قیل لهم انفقوا الخ کے یا یہ سورت مدنی ہے اس میں ۸۳ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

یٰس (اس کی واقعی مراد تو اللہ کو معلوم ہے) قسم ہے قرآن حکیم کی (جو پکا اور عجیب نظم اور بہترین معانی والا ہے) بلاشبہ آپ (اے محمد ﷺ!) پیغمبروں میں سے ہیں۔ سیدھے (علیٰ کا تعلق پہلے سے ہے) رستہ پر ہیں (جو آپ سے پہلے انبیاء کا راستہ توحید و ہدایت ہے اور قسم وغیرہ کے ذریعہ تاکید لانے میں کفار کے قول" ولست مرسلا" کی تردید ہے) یہ قرآن نازل کیا گیا ہے خدا کی طرف سے جو (اپنے ملک میں) زبردست ہے (اپنی مخلوق پر) مہربان ہے (یہ جملہ خبر ہے مبتدائے محذوف یعنی قرآن کی) (تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں (لتنذر متعلق ہے تنزیل کے) جن کے کبھی باپ دادے نہیں ڈرائے گئے۔ (یعنی زمانہ فترۃ میں انہیں ڈرایا نہیں گیا) اس

لئے یہ بے خبر رہے (ایمان وہدایت سے) ان میں سے اکثروں پر بات ثابت (محقق) ہو چکی سو اسی لئے (اکثر) ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں (اس طرح کہ گلے پر ہاتھ باندھ دیئے کیونکہ غل کے معنی ہاتھوں کو گردن کی طرف اکٹھ کرنے کے ہیں) پھر وہ (گردن پر بندھے ہوئے ہاتھ) تھوڑیوں تک جا پہنچے ہیں (ذقن کی جمع ہے دونوں طرف کے جبڑوں کے ملاپ کی جگہ) جس سے ان کے سر اٹھ گئے (اوپر کو کھچ گئے کہ اب نیچے کو نہیں ہو سکتے یہ تو ایک مثال ہے ورنہ مراد یہ ہے کہ انہیں ایمان کا یقین ہی نہیں اور نہ سروں کو ایمان کے لئے جھکاتے ہیں) اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کر دیا ور ایک آڑ ان کے پیچھے کر دی (لفظ سد دونوں جگہ فتح سین ورضمہ سین کے ساتھ ہے) جس سے ہم نے ان کو گھیر دیا۔ سو وہ نہیں دیکھ سکتے (یہ بھی کفار پر راہ ایمان بند کر دینے کے لئے ایک تمثیل ہے) ان کے لئے برابر ہے آپ کا ڈرانا (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسری ہمزہ کو الف سے بدل کر اور تسہیل ہمزہ ثانیہ کے ساتھ اور ہمزہ مسہلہ اور غیر مسہلہ کے درمیان الف داخل کرتے ہوئے اور بغیر الف کے بڑھائے ہوئے) یا نہ ڈرانا۔ یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ آپ تو ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں (آپ کا ڈرانا مفید ہو سکتا ہے) جو (قرآن کی) نصیحت پر چلے اور بے دیکھے خدا سے ڈرتا ہو (اللہ کو دیکھا نہیں پھر بھی ڈرتا ہے) سو آپ اس کو مغفرت اور بہترین صلہ (جنت) کی خوشخبری سنا دیجئے۔ بے شک ہم مردوں کو جلائیں گے (قیامت کے لئے) اور ہم نے (لوح محفوظ میں) لکھ دیا ہے ان کے ان اعمال کو جو وہ پہلے کر چکے (اپنی زندگی میں نیکی اور بدی تاکہ ان کو بدلہ دیا جائے) اور ان کے پیچھے چھوٹنے والے اعمال بھی (جن کو بعد کے لوگ اپنا اسوہ بنالیں گے) اور ہر چیز کو (یہ منصوب ایسے فعل کے ذریعہ سے جس کی تفسیر کر رہا ہے) محفوظ (ضبط) کر دیا ہے ایک واضح کتاب میں (کھلی کتاب یعنی لوح محفوظ) اور آپ بیان کیجئے ان لوگوں کو ایک قصہ (یہ مفعول اول ہے) ایک بستی (انطاکیہ) والوں کا (یہ مفعول ثانی ہے) جب کہ (یہاں سے یہ عبارت ''اصحاب القریۃ'' سے بدل اشتمال ہے) آئے وہاں پیغامبر (یعنی حضرت عیسیٰ کے بھیجے ہوئے پیغامبر) جس وقت ہم نے ان کے پاس دو کو بھیجا تو ان لوگوں نے ان دونوں کو جھٹلا دیا (یہ عبارت پہلے اذ سے بدل ہے) پھر ہم نے ان دونوں کی تیسرے شخص کے ذریعہ تائید کی (لفظ عـزز نـا تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے یعنی ہم نے ان دونوں پیامبروں کو تیسرے پیامبر سے مضبوط کر دیا) سو وہ تینوں پیامبر بولے کہ ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تم تو ہماری طرح معمولی آدمی ہو اور خدائے رحمن نے کچھ بھی نازل نہیں کیا تم ہی بس جھوٹ بول رہے ہو۔ پیامبر بولے ہمارا پروردگار علیم ہے (یہ جملہ بجائے قسم ہے پہلے جملہ کے مقابلہ میں یہاں انکار زیادہ ہو جانے کی وجہ سے یعلم کے ذریعہ تاکید لائی گئی ہے اور لام کی وجہ سے بھی تاکید کی گئی ہے جو اگلے جملہ میں ہے) بلاشبہ ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں اور ہمارے ذمہ تو بس واضح طور پر پہنچا دینا تھا (تبلیغ کا کھلا ہوا ہونا دلائل واضحہ کی وجہ سے ہے اور وہ کوڑھیوں، جذامیوں اور بیماروں کا علاج اور مردے کو زندہ کر دینا ہیں) بستی والے کہنے لگے ہم تو تمہیں منحوس (بدبخت) سمجھتے ہیں (کیونکہ تمہاری وجہ سے بارش ہی ختم ہو گئی ہے) تم اگر باز نہ آئے (لام قسمیہ ہے) تو ہم تم پر پتھراؤ کریں گے اور تمہیں ہماری طرف سے اذیت ناک عذاب ہوگا۔ پیامبروں نے جواب دیا کہ تمہاری نحوست (بدبختی) تو تمہارے ساتھ ہی لگی ہوئی ہے۔ کیا تمہیں اگر (ان شرطیہ پر ہمزہ استفہام داخل ہے اور اس ہمزہ میں تحقیق اور تسہیل ہے اور ان دونوں صورتوں میں پھر ان دونوں ہمزاؤں کے درمیان الف داخل کرنا ہے) نصیحت کی جائے (وعظ کہا جائے ڈرایا جائے۔ جواب شرط محذوف ہے یعنی تم پھر بھی منحوس سمجھتے ہو اور کفر پر اتر آتے ہو اور یہ جواب شرط ہی استفہام کا محل ہے مراد اس سے توبیخ ہے) بلکہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو (شرک کر کے حد سے بڑھ جانے والے ہو) اور ایک شخص اس شہر کے کسی دور دراز مقام سے آیا (یعنی حبیب نجار جو ان پیغمبروں پر ایمان رکھتا تھا اور اس کا مکان شہر کے دروازہ پر تھا) دوڑتا ہو (تیز بھاگتا ہوا جب اس کو معلوم ہوا کہ قوم ان فرستادوں کی تکذیب کر رہی ہے) کہنے لگے اے میری قوم ان

پیغمبروں کی راہ چلو (دوسرا اتبعوا پہلے اتبعوا کی تاکید کے لئے ہے) جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے (پیغمبری پر) اور وہ خود ہدایت یافتہ بھی ہیں۔

تحقیق وترکیب: "علیٰ صراط" اس کا تعلق مرسلین سے ہے۔ ای ارسلوا الی صراط مستقیم اور حال بھی ہوسکتا ہے ضمیر جار مجرور سے جو آنحضرت ﷺ کی طرف راجع ہے یا صفت کی ضمیر مستتر سے حال ہے جو ضمیر موصول ہے اور خبر بعد خبر بھی ہوسکتی ہے۔

تنزیل. اگر اس کو مرفوع پڑھا جائے حمزہ، کسائی، ابن عامرؒ، حفصؒ کے نزدیک نصب کی قراءت میں مفعول مطلق ہوگا مقدر کے لئے ای نزل القرآن تنزیلا پھر فاعل کی طرف اضافت کردی گئی یا منصوب علی المدح ہو۔

عزیز الرحیم ان دونوں صفت کے لانے میں اشارہ ہے کہ صفات قہر کا تعلق کفار کے ساتھ اور صفات مہر کا تعلق مومنین کے ساتھ ہیں۔

ما انذر اس میں ما نافیہ ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ سے پہلے قریش میں کوئی بھی نبی نہیں آیا۔ پس یہ جملہ قوماً کی صفت ہوجائے گا۔ ای قوماً لم ینذروا اور یہ ما موصولہ یا نکرہ موصوفہ بھی ہوسکتا ہے اور دونوں صورتوں میں عائد محذوف ہوگا۔ ای ما انذرہ اباؤھم پس ما مع صلہ اور صفت کے مفعول ثانی کے محل میں ہونے کی وجہ سے منصوب المحل ہوگا۔ ای لتنذر قوما عذابا انذرہ اباؤھم من العذاب یا تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔

فھم غافلون ما نافیہ کی صورت میں اس کا تعلق نفی کے ساتھ ہوگا۔ فا سبب پر داخل ہے ای لم ینذروا فھم غافلون اور دوسری صورت میں اس کا تعلق لمن المرسلین سے ہوگا۔ ای ارسلناک الیھم لتنذرھم فھم غافلون اس وقت فا تعلیلیہ سبب پر داخل ہوگی۔

حق القول. اس سے مراد لاملان جھنم الخ ہے۔

فی اعناقھم. بقول نقشبندی دنیا کی شہوات، لذات، حرص وتمنا میں مراد ہیں اور اغلال کہتے ہیں ہاتھوں کو گردن میں باندھ دینا۔ پس اس کا تعلق گردن سے ہوا نہ کہ ہاتھ سے۔ چنانچہ ابن مسعودؓ کی قراءت میں ہے انا جعلنا فی ایمانھم اور ابن عباسؓ کی قرأت میں فی ایدیھم ہے پس لفظاً دلالت اس پر نہیں ہے۔

مقمحون. مقمح جس کی آنکھیں بند اور سر اوپر کردیا جائے قمح البعیر فھو قامح بولتے ہیں جب اونٹ کا سر اوپر آنکھیں نیچے کردی جائیں۔ دونوں ہاتھوں کو اگر تھوڑی کے نیچے کرکے باندھ دیا جائے تو پھر سر نیچے ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ بطور تمثیل اور استعارہ کے کہا گیا ہے ورنہ یہاں اغلال کہاں بلکہ جس طرح صاحب اغلال دیکھ نہیں سکتا۔ اسی طرح کفار بے التفاتی اور بے توجہی سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ یہ تمثیل زیادہ دور کی گمراہی میں مبتلا لوگوں کے لئے ہے اور آئندہ کی تمثیل کم درجہ کے گمراہوں کے لئے ہے اور ابوحیانؒ اس کو آخرت کے احوال پر حقیقۃً محمول کرتے ہیں۔ تمثیلاً نہیں مانتے۔

اس پر بظاہر سیاق سباق سے بے جوڑ ہونے کا شبہ ہوسکتا ہے لیکن اس کی یہ توجیہ ممکن ہے کہ حق القول کے بیان کے درجہ میں مان لیا جائے تو بے جوڑ نہیں رہتا۔ تاہم پہلے معنی تمثیل کی تائید ان آیات کے شان نزول سے ہوسکتی ہے جو آئندہ آرہا ہے۔ مگر اس کو بھی دونوں صورتوں پر منطبق کیا جاسکتا ہے۔ غرض کہ تمثیل اور حقیقۃً دونوں معنی میں ہوسکتے ہیں اول دنیاوی اور ثانی آخرت میں۔

من بین ایدیھم. اس سے مراد تمام جوانب واطراف ہیں۔

سدا. حمزہؒ، علیؒ، حفصؒ کے نزدیک فتح سین کے ساتھ اور باقی قراء کے نزدیک دونوں جگہ ضمہ کے ساتھ ہے اور اس میں یہ دونوں لغت ہیں۔ لیکن خلیلؒ کہتے ہیں مفتوح مصدر ہے اور مضموم اسم ہے۔ اور بعض اہل علم کی رائے ہے کہ انسانی فعل سے جس کا تعلق ہو وہ فتح سین کے ساتھ اور خدائی تخلیق سے جس کا تعلق ہو جیسے پہاڑ وغیرہ وہ ضم سین کے ساتھ ہے، یہ دوسری تمثیل قریبی رکاوٹوں کی ہے جو ایمان وہدایت کی راہ میں حائل ہوں۔ سد کی جمع اسداد آتی ہے۔

فاغشینا ھم. حذف مضاف کی صورت میں ہے ای اغشینا ابصارھم.

سواء علیھم. یہ پہلے جملہ کا نتیجہ ہے اور لا یؤ منون اس میں برابری کا بیان ہے اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی ہے۔

اثارھم جیسے حدیث میں ہے۔ **من سن سنة حسنة فله اجرھا واجر من عمل بھا من غیر ان ینقص من اجورھم شیئا ومن سن سنة سیئة فله وزرھا ووزر من عمل بھا من غیر ان ینقص او زارھم شیئا ثم تلاھذہ الایة و نکتب ما قدموا واثارھم.**

اصحب. قاضی نے اس کا عکس کہا ہے۔ ای اجعل مثل اھل القریة مثالاھم. اور بعض کی رائے میں یہ متعدی بیک مفعول ہے اور ثانی اول سے بدل ہے۔ بتقدیر المضاف ای مثل اصحاب القریة اس بدیت میں تفسیر بعد الابہام نہایت واضح ہے۔

اذ جاء ھا. یہ مقدر کا ظرف ہے۔ ای القصة الواقعة وقت المجئ.

اذارسلنا. یہ پہلے اد سے بدل ہے اور ارسلنا الیھم فرمایا ہے ارسلنا الیہ نہیں کہا۔ حالانکہ اذ جاء ھا کے مطابق دوسری عبارت ہوتی مگر حقیقۃً ارسال لوگوں کے لئے تھا بستی کے لئے نہیں تھا برخلاف مجی کے پھر **فکذبو ھما** اس کے بعد لانا اور بھی اس کو نمایاں کر رہا ہے۔

اثنین. یوحنا اور پولس مراد ہیں یا بقول بیضاویؒ یحییٰؑ، اور یونسؑ، اور بقول ابوالسعودؒ دوسرے دو حوری مراد ہیں۔

فعززنا. ای قوینا وشددنا. مفعول کو حذف کر دیا گیا ہے ماقبل کی دلالت کی وجہ سے کیونکہ مقصود تو معزز بہ کا ذکر ہے۔ ای عززنا ھما۔ یہ تیسرے حواری شمعون صفا جن کو شمعون صخرہ بھی کہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کے رفع سماوی کے بعد ان کے خلیفہ اور رئیس الحواریین تھے۔ ان تینوں کو حضرت عیسیٰ نے بامر اللہ تبلیغ دین کے لئے بھیجا ہے اس لئے اللہ نے اپنی طرف نسبت کر دی اور بعض حضرات ان کو رسول مانتے ہیں جو انطاکیہ کے بت پرستوں کی اصلاح کے لئے مامور ہوئے تھے۔ سب سے پہلے حبیب نجار سے ملاقات ہوئی جو جنگل میں بکریاں چرا رہے تھے اپنے بیمار لڑکے کے لئے ان سے دعا چاہی۔ نہوں نے دست مسیحائی پھیر دیا جس سے وہ شفایاب ہو گیا اور حبیب ان پر ایمان لے آیا اور لوگ بھی کچھ معتقد اور گرویدہ ہو گئے۔ شدہ شدہ یہ خبر بادشاہ وقت تک پہنچی وہ بھی ایمان لے آیا۔

ربنا یعلم اور پہلے **انا الیکم مرسلون** کو اس لئے مؤکد لایا گیا کہ بقول صاحب مفتاح وعدم سکاکیؒ دو فرستادوں کو جھٹلانا تیسرے کی تردید ہے اتحاد دعوت کی وجہ سے پھر جوں جوں انکار میں اضافہ ہوا تاکید میں بھی اضافہ ہوتا رہا ہے۔ **ربنا یعلم** یہ تاکید میں قسم کے قائم مقام ہے۔ اس کا جواب بھی وہی جواب قسم ہے پہلے **انا الیکم** میں صرف دو تاکیدیں ہیں۔ ان اور اسمیت جملہ لیکن جملہ **ما انتم الخ** میں تین وجوہ سے تاکید ثانی ہے۔ اس لئے **انا الیکم لمرسلون** میں بھی تین ہی تاکیدات لائی گئی ہیں۔ تفسیری عبارت زید کا تعلق لام سے ہے یعنی اس کی صفت ہے۔

بہر حال صاحب مفتاح کا نقطہ نظر تو ابھی گزرا۔ لیکن صاحب کشاف زمخشری **انا الیکم مرسلون** میں **کم تاکید اور**

دوسرے انا الیکم لمرسلون میں لام کی وجہ سے زیادہ تاکید مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک دو کی تکذیب سے تین کی تکذیب نہیں ہورہی ہے۔ کیونکہ پہلی مرتبہ جب تین فرستادے آئے ہی نہیں اور تینوں نے خبر نہیں دی۔ پھر تینوں کی تکذیب کیسی؟ ہاں پہلی تاکید صرف اعتناء اور اہتمام خبر کے لئے ہے۔

بالادلة. ای المؤید بالا دلة الواضحة.

انا تطیرنا. پرندوں کے ذریعہ زمانہ جاہلیت میں عرب اپنے کاموں کے متعلق اچھی بری فال لیا کرتے تھے۔ سانح کو خیر اور بارح کو باعث شر سمجھتے تھے۔ پھر مطلقاً فال کے معنی ہوگئے طائر الانسان اس کا عمل ہے جو اس کے گلے کا ہار ہے۔ اور مطیر نظیر سے اسم بھی آتا ہے۔ چنانچہ **لا طیر الا طیر اللّٰہ. لا امر الا امر اللّٰہ** کی طرح بولتے ہیں۔ اور ابن سکیتؒ **طائر اللّٰہ لا طائرک** کی اجازت دیتے ہیں لیکن طیر اللہ کہنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اسم طیرۃ بروزن عنبۃ ہے۔ حدیث میں ہے۔ **کان رسول اللّٰہ یحب الفال ویکرہ الطیرۃ** نیک فال میں چونکہ اللہ سے نیک گمان ہوتا ہے جو تقویت قلب کا باعث ہے اس لئے پسند فرمایا اور بدفالی میں بدگمانی ہوتی ہے جو انتشار اور ضعف قلب کا باعث ہے اس لئے ناپسند فرمایا۔ قرآن کریم یا مثنوی دیوان حافظ وغیرہ سے فال لینے میں علماء کا اختلاف ہے بعض نے اجازت دی بعض نے مکروہ کہا اور مالکیہ حرام کہتے ہیں۔ ممکن ہے جن حضرات کی نظر معنی پر رہی انہوں نے فال کو جائز یا مکروہ کہا ہو اور جن کی نظر صرف معنی پر گئی انہوں نے منع کر دیا ہو۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ مؤثر حقیقی اگر صرف اللہ کو یقین کرے تو جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔

ائن ذکرتم. اہل کوفہ، ابن عامرؒ کے نزدیک تحقیق ہمزتین اور ابن کثیرؒ اور ورشؒ کے نزدیک تسہیل ہے اور ابو عمرؒ، قالونؒ کے نزدیک تسہیل کے ساتھ دونوں کے درمیان الف بھی ہے۔ اس کا جواب سیبویہؒ کے نزدیک محذوف ہے۔ کیونکہ شرط و استفہام جب کہیں جمع ہوجائیں تو وہ جواب استفہام ہوجائے گا۔ لیکن یونس کے نزدیک وہ جواب شرط ہوگا۔ چنانچہ سیبویہؒ کے نزدیک تقدیر عبارت **ائن ذکرتم تتطیرون** ہے اور یونسؒ کے نزدیک **تطیروا** مجزوم ہے۔

رجل. بقول ابن عباسؓ ومقاتل ومجاہد۔ ان کا نام حبیب ابن اسرائیل النجار تھا۔ بت تراش تھے۔ پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی بشارت چونکہ انبیاء سابقین دیتے آئے ہیں اس لئے بہت سے لوگ آپ پر غائبانہ ایمان لائے ہیں جیسے حبیب نجار، تبع اکبر، ورقہ بن نوفل۔

یسعی. روح البیان میں ہے کہ سعی جلد اور لپک کر چلنا اس سے اوپر عدو بمعنی دوڑنا ہے۔

اتبعوا من لا یسئلکم اجرا یہ بدل ہے من المرسلین سے اعادہ عامل کے ساتھ۔ لیکن شیخؒ کی رائے ہے کہ یہ حرف جار عامل کسی صورت میں خاص ہے۔ اس کے علاوہ کی صورت میں بدل نہیں کہا جائے گا بلکہ تابع نام رکھا جائے گا یعنی تاکید لفظی۔

روایات: یٰسین. ابن عباسؓ سے اس کے معنی اے انسان کے منقول ہیں لغت بنی طے میں۔ اور محمدؒ بن الحنفیہ سے اے محمد (ﷺ) کے ہیں۔ حدیث میں ہے۔ **سمانی فی القران سبعة اسماء محمد واحمد وطه ویسین والمزمل و المدثر وعبد اللّٰہ.**

ترمذی میں حضرت انسؓ کی روایت ہے۔ **قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ان لکل شیء قلبا وقلب القران یسین ومن قرء یسین کتب اللّٰہ بها قراءة القران عشر مرات.** حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ **ان فی القران لسورة تشفع لقاریها وتغفر لمستمعها الا وهی سورة یٰسین تدعی فی التوراة المعمة قیل یا**

رسول الله وماالنعمة؟ قال تعم صاحبها بخير الدنيا وتدفع عنه اهوال الاخرة وتداعى ايضا الدافعة والقاضية قيل يا رسول الله وكيف ذالك قال تدفع عن صاحبها كل سوء وتقضى له كل حاجة.

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔قال النبي صلى الله عليه وسلم ان لكل شئى قلبا وقلب القران يسين من قرائها يريد بها وجه الله غفر الله له واعطى من الا جر كانما قرا ء القران عشر مرات وايما مسلم قرى عنده اذا نزل به ملك الموت سورة يسين نزل بكل حرف منها عشرة ملائكة يقومون بين يديه صفوفا يصلون عليه ويستغفرون له ويشهدون غسله ويشبعون جنازته ويصلون عليه ويشهدون دفنه وايما مسلم قرأ سورة يسين وهو فى سكرات الموت لم يقبض ملك الموت روحه حتى يجيئه رضوان بشربه من الجنة فيشربها وهو على فراشه فيقبض روحه وهو ريان ويمكث فى قبره وهو ريان ولا يحتاج الى حوض من حياض الانبياء حتى يدخل الجنة وهو ريان.

آیت وجعلنا من بين ايديهم سدا کا سبب نزول یہ ہے کہ ابوجہل نے ایک مرتبہ قسم کھائی کہ محمد اگر نماز پڑھیں گے۔تو میں پتھروں سے ان کا سر کچل دوں گا۔ چنانچہ حضور ﷺ کو نماز میں مشغول دیکھ کر ابوجہل پتھر اٹھالایا لیکن مارنے کے لئے جب ہاتھ اٹھایا تو پتھر ہاتھ سے چپک کر رہ گیا اور ہاتھ شل ہوگیا۔ناکام اپنے ساتھیوں میں پہنچا تب پتھر ہاتھ سے گرا۔ایک دوسرا مخزومی بولا کہ میں اس پتھر سے محمد ﷺ کا کام تمام کر کے آتا ہوں۔وہاں پہنچا تو اندھا ہوگیا۔

واضرب لهم مثلا اصحاب القرية کے ذیل میں روایت ہے کہ شہر انطاکیہ کے باشندے بت پرست تھے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دو خاص ایلچی ان کے پاس پیغام ہدایت دے کر بھیجے۔وہ جب بستی کے قریب پہنچے تو حبیب نجار ایک شخص کو بکریاں چراتے ہوئے پایا۔اس کو دعوت پیش کی تو اس نے نشان صداقت طلب کیا۔انہوں نے بتلایا۔کہ ہم لا علاج بیماروں کو اچھا کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے بیمار لڑکے کے پاس لے گیا۔انہوں نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ اچھا ہوگیا۔یہ دیکھ کر حبیب نجار ایمان لے آیا۔اس کے بعد بہت سے لوگ شفایاب ہوئے۔بادشاہ کو اطلاع ہوئی تو اس نے پوچھا کہ ہمارے معبودوں کے علاوہ کیا تمہارا کوئی اور خدا ہے؟ فرمایا ہاں! جس نے تجھے اور تیرے ان معبودوں کو پیدا کیا ہے۔بولا کہ چھ ٹھہرو میں غور کرتا ہوں۔یہ کہہ کر انہیں محبوس کر دیا۔تب حضرت عیسیٰ نے شمعون کو روانہ فرمایا۔وہ اپنی ہیئت تبدیل کر کے دربار شاہی میں پہنچے اور درباری امراء سے آشنائی پیدا کر کے بادشاہ تک رسائی حاصل کر لی اور اثنائے گفتگو میں بادشاہ سے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے دو آدمیوں کو گرفتار کر رکھا ہے۔کیا آپ نے کبھی ان کے خیالات اور باتیں بھی سنی ہیں۔بادشاہ نے انکار کیا۔چنانچہ پھر دونوں کو دربار میں طلب کیا گیا اور شمعون نے ان سے دریافت کیا کہ تمہیں کس نے بھیجا ہے؟ کہا کہ الله الذى خلق كل شئ وليس له شريك. شمعون بولے کہ اس کی کچھ صفات مختصر طور پر بتلاؤ۔ انہوں نے کہا۔يفعل مايشاء ويحكم مايريد. شمعون نے دریافت کیا۔تمہارے پاس رسول ہونے کا نشان کیا ہے؟ کہنے لگے بادشاہ جو چاہیں۔چنانچہ ایک لڑکا جس کی آنکھ ضائع ہو چکی تھی لایا گیا۔انہوں نے دعا کی اور آنکھیں ٹھیک ہوگئیں۔پھر پوچھا تم کسی مردے کو زندہ کر سکتے ہو۔جواب ملا ہاں! چنانچہ ایک ہفتہ کے مردہ لڑکے کو انہوں نے زندہ کر دیا۔لڑکے نے زندہ ہو کر کہا کہ مجھے جہنم کے ساتویں طبقے میں رکھا گیا تھا۔لہذا تمہاری خیر اسی میں ہے کہ تم ان ایلچی کی بات کو مان لو۔چنانچہ ایک خلقت ایمان لے آئی۔مگر بہت سے پھر بھی منکر رہے۔اور صیحہ جبریل سے تباہ و برباد ہوگئے۔

تاہم یہ ساری تفصیلات سیاق وسباق سے معلوم نہیں ہوتی۔یہاں تو صرف حبیب نجار کا موافق اور مومن ہونا معلوم ہو رہا

ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ مخفی طور پر بادشاہ وغیرہ عمال حکومت ایمان لے آئے ہوں۔

تفسیر زاہدی سے بھی اسی کی تائید ہو رہی ہے۔

قشیری سے روح البیان میں صرف بادشاہ کا خفیہ ایمان لانا مقصود ہے۔ اس کے بعد جب لوگوں میں شورش زیادہ ہوئی۔ تو بقول وہب بن منبہ اور کعب احبار بادشاہ بھی مرتد ہو گیا اور حضرت عیسیٰ کے ان حواریوں کو شہید کر ڈالا۔

آیت **قالوا طائر کم.** نیک فالی کی اسلام نے اجازت دی اور آنحضرت ﷺ بھی پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق جب آپ ﷺ کے ساتھ ہجرت کر رہے تھے تو راستہ میں مدینہ سے آتے ہوئے ایک شخص ملے۔ آپ نے ان کا نام دریافت فرمایا۔ عرض کیا 'بریدہ' ارشاد ہوا **برد امرنا وصلح ای سهل.**

ربط: ... سورۂ یٰسین کا حاصل ایک تو اثبات رسالت ہے۔ جس سے یہ سورت شروع ہو رہی ہے اور پچھلی سورت کفار کے انکار رسالت پر ختم ہوئی تھی۔ اس طرح پہلی سورت کا خاتمہ اور حالیہ سورت کا فاتحہ یکساں ہو گیا۔ اسی مناسبت سے **انا جعلنا الخ** میں آپ کی تسلی کی جا رہی ہے اور اسی کی تائید کے لئے اصحاب القریۃ کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔ آیت **وما علمناه الشعر الخ** میں بھی یہی مضمون ہے۔

دوسرے اثبات حشر مقصود ہے۔ پہلے تو مجمل طور پر **انا نحن نحي** میں پھر آیت **ویقولون** سے چوتھے رکوع کے قریب تک یہی مضمون چلا گیا ہے اور اس سورت کے اختتام پر پھر یہی مضمون دہرایا گیا ہے۔

تیسرے اثبات توحید ہے جو تیسرے رکوع میں آیت آیت کر کے دلائل توحید بیان کئے گئے۔ اور آیت **واذا قیل لهم اتقوا** اور آیت **واذا قیل لهم انفقوا** میں کفار کا ان دلائل سے کسی طرح بھی متاثر نہ ہونا بیان کیا گیا ہے کہ نہ ترغیب مفید ہوئی اور نہ ترہیب موثر بنی۔

پھر آیات **اولم یروا کم اهلکنا** اور **لو نشاء لطمسنا** میں کفار کے لئے کفر پر عذاب کی سخت دھمکی ہے۔

﴿تشریح﴾: **والقراٰن الحکیم** میں نہایت موکد طریقہ سے یہ تاثر دینا مقصود ہے کہ قرآن جیسی بیش بہا حکمت سے لبریز کتاب جب ایک امی شخص لے کر آئے تو کیا اس سے بڑھ کر بھی کسی اور نشان صداقت کی ضرورت رہ جاتی ہے۔ قرآن کی قسم اگر کلام نفس کے درجہ میں ہے تب تو غیر مخلوق کی قسم ہے جو باعث اشکال نہیں ہے اور اگر کلام لفظی کی حیثیت سے ہے تو پھر اس کی توجیہ آیت **لعمرک** میں گذر چکی ہے۔ بلاشبہ آپ اللہ کے سچے نبی ہیں اور آپ کی راہ سیدھی راہ ہے۔ اس کی پیروی کرنے والا یقیناً راہ یاب اور کامیاب ہے۔

قرآن کی خوبی. یہ قرآن ایسی ذات کی صفات کا آئینہ دار ہے جو قہر و مہر دونوں رکھتی ہے کہ اس سے مخالف بچ نہیں سکتا اور وہ موافق پر بخشش سے بھی چوک نہیں سکتا۔ ایک اس کے قہر کے آگے اگر مرحوم نہیں تو دوسرا مہر کی چوکھٹ پر محروم نہیں ہے۔

نبی امی کا کمال اور قوم وامت کو دعوت: ... **لتنذر قوما** یعنی یہ کٹھن کام ایک زبردست پیغمبر ہی سرانجام دے سکتا ہے جہاں صدیوں سے کوئی نور ہدایت نہ چمکا ہو اور ساری سرزمین بنجر پڑی ہو۔ جہاں ایک ایسی بے شعور قوم ہو جس کے پاس نہ شاندار

ماضی اور نہ پر عصید مستقبل نہ نیک و بد پر اس کی نظر اور نہ اسے برے بھلے کی تمیز۔ ایسوں کو تاریک در تاریک گہری اندھیریوں سے نکال کر بام عروج پر پہنچا دینا کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ اول اپنی قوم کو اور پھر ساری انسانیت کو اونچا اٹھانے میں یقیناً آپ نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے۔ پر جس کی قسمت ہی کھوٹی ہو اور ازل ہی سے وہ حرماں نصیب ہو۔ وہ اگر رہبر کامل سے بھی تشنہ ہی رہے تو یہ اس کا اپنا کھوٹ ہے، رہبر کا کیا قصور؟ ایسے لوگ بے شبہ نتائج بھگت کر رہیں گے۔ پھر آپ سے امید یہی ہے کہ اصلاح اور رہنمائی کی راہ میں اگر آپ کو ایسے ہمت شکن واقعات کا مقابلہ کرنا پڑے تو آپ خوش دلی سے اپنا فرض بجالائے جائیے ہرگز ملول ورنجیدہ نہ ہو جائیے بلکہ نتیجہ اللہ کے حوالے کیجئے۔

شبہات وجوابات: ...... اہل عرب میں اگرچہ بعض مضامین پچھلی شریعتوں کے منقول ہوتے چلے آئے ہیں۔ لیکن جو بات پیغمبر کے آنے سے ہوتی ہے وہ محض کچھ اخبار اور وہ بھی ناتمام نقل ہونے سے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ بالخصوص جب کہ نقل میں بھی ردوبدل ہو گیا ہو اور آنحضرت ﷺ نے اول اپنی قوم عرب کو اور پھر تمام امت کو دعوت دی ہے۔ اس لئے اس آیت سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے۔

طوق سلاسل سے کیا مراد ہے: ...... وجعلنا الاغلال۔ ان لوگوں کے بارے میں ارشاد ہے جو رسوم وعادات کی جکڑ بندیوں اور جاہ ومال کی زنجیروں میں اور آباء واجداد کے ریت پر چلنے کے طوق وسلاسل میں بندھے ہوئے ہیں۔ انہی بندوشوں نے ان کے گلے جکڑ بند کر رکھے ہیں۔ اور کبر وغرور کے مارے ان کے سر نیچے نہیں ہوتے۔ گردنیں اکڑی ہی رہتی ہیں۔ پیغمبر سے عداوت نے ان کے اور قبولیت ہدایت کے درمیان لمبی چوڑی دیواریں حائل کر دی ہیں۔ خاندانی رسم ورواج اور سماجی برائیوں میں اس طرح گھرے ہوئے ہیں کہ انہیں آگا پیچھا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اور نہ ماضی ومستقبل پر ان کی نظر رہتی ہے۔

یا ان دونوں آیات کو تمثیل پر محمول کر لیا جائے یعنی ایمان سے ان کی دوری اور مجبوریوں کو یوں سمجھو کہ گویا ہم نے ان کی گردنوں میں طوق اور پاؤں میں زنجیریں ڈال دی ہیں کہ وہ طوق اڑ کر رہ گئے اور سر اوپر کو الل گئے۔ جس سے نیچے دیکھ کر راہ ہدایت پانے کی توقع نہیں رہی۔

یا یوں سمجھو کہ ہم نے ان میں اور قبولیت ہدایت کے درمیان بہت سی رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں۔ اب انہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ چونکہ تمام اچھائیاں اور برائیاں اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ اس لئے ان افعال کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔ معتزلہ ایسے تمام مواقع پر سخت پریشان ہوتے ہیں اور اپنے بنائے ہوئے ترغے سے نکلنے کے لئے ہر چند ہاتھ پاؤں مارتے ہیں۔ مگر کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ علم کلام کے طلبہ پر واضح ہے۔

معتزلہ کا رد اور امام رازیؒ کے دو نکتے: ...... امام رازیؒ نے اس مقام پر بڑا عمدہ نکتہ لکھا ہے کہ پہلی آیت میں مقمحون فرما کر کفار سے دلائل انفسی پر غور کرنے کی نفی فرما دی ہے کیونکہ جب سر اوپر کو الل جائے تو اپنے بدن پر کیسے نظر پڑے گی؟ اسی طرح دوسری آیت میں آفاقی دلائل میں فکر کرنے کی بھی نفی ہو رہی ہے۔

آیت سواء علیھم الخ کا حاصل یہ ہے کہ ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کو سمجھانا خود ان کے لئے مفید نہ ہو۔ مگر ناصح کے لئے تو سراسر مفید ہے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کی خیراندیشی میں لگے رہنا بڑا صبر آزما کام ہے جو ایک بلند ہمت صاحب عزیمت ہی کر سکتا ہے اور کبھی اس کی یہ بے لوث کوشش اور پرخلوص سعی دوسروں کی ہدایت ہو جانے کا سبب بن جاتی ہے ہاں جس کے دل میں اللہ کا ڈر

ہواور نصیحت مان کر اس پر عمل پیرا ہونا چاہے اسے بلاشبہ نصیحت سودمند ہوتی ہے اور جسے نہ خوف خدا، نہ دنیا کی شرم وحیا اور نہ نصیحت کی کچھ پروا۔ اس پر نبی کے ڈرانے کا کیا خاک اثر ہوگا۔ وہ چکنے گھڑے کی طرح ہوگا کہ پانی پڑا اور ڈھلکا۔ ایسے لوگ تو عزت کے بجائے ذلت کے مستحق ہیں۔

آگے اشارہ ہے کہ ان دونوں فریق کی اصل عزت وذلت کا آغاز اور اظہار زندگی کے دوسرے دور میں ہوگا۔ جس کی ابتداء مرنے کے بعد ہوگی۔ دنیا اصل سزا وجزا کے ظہور کی جگہ نہیں۔ یوں کسی کو یہیں سزا جزا شروع ہو جائے تو دوسری بات ہے۔

مردہ شخص کو زندہ کرنے کی طرح کبھی مردہ قومیں بھی زندہ کردی جاتی ہیں:.......... آیت "انا نحن نحی الموتی" میں اسی یقینی زندگی کی اطلاع دی گئی ہے۔ نیز اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کبھی کبھی مردہ قوموں میں بھی خدا کی قدرت سے زندگی کی روح پھونک دی جاتی ہے کہ وہ کارہائے نمایاں کرکے آنے والی نسلوں کے لئے بڑی بڑی یادگاری نشانات چھوڑ جاتی ہیں۔

ماقدموا سے مراد انسان کے خود اپنے ہاتھ سے کئے ہوئے کام ہیں اور واثارھم سے وہ کام جو دوسروں کے لئے گمراہی اور ہدایت کا باعث بن جائیں۔ اس کے عموم میں قوموں کے وہ نشانات بھی آجاتے ہیں جو عبادت کرتے وقت کسی جگہ پڑ جائیں۔ جیسے حدیث میں ہے۔ دیارکم نکتب اثارکم جس طرح حق تعالیٰ کو تمام کاموں سے پہلے اور بعد دونوں میں علم رہتا ہے۔ اسی طرح اس کے یہاں کتابت اعمال کا نظم بھی دوہرا ہے۔ ایک لوح محفوظ میں اعمال سے پہلے کتابت اور ایک عمل کے بعد اعمال نامہ مرتب ہونا کراماً کاتبین کے ذریعہ اور یہ محض انتظامی مصالح کے پیش نظر کتابت کا نظام ہے ورنہ اللہ کے علم ازلی قدیم میں ہر چھوٹی بڑی چیزیں پہلے ہی سے ہیں۔ اسی کے موافق لوح محفوظ میں اندراج ہوگئیں۔ لوح محفوظ کو مبین بلحاظ تفصیلات کے فرمایا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کے فرستادوں کی جماعتی دعوت: .... آیت واضرب لھم الخ سے مومنین کی بشارت اور منکرین کی عبرت کے لئے ایک بستی کا حال بیان کیا جارہا ہے۔ بائبل میں اسی کے قریب قریب شہر انطاکیہ کا قصہ بیان ہوا ہے جس کو اکثر مفسرینؒ نے بھی انطاکیہ کے نام سے ذکر کردیا۔ لیکن ابن کثیر نے تاریخی روشنی میں اور سیاق قرآن میں اس پر کچھ اعتراضات کئے ہیں اور صاحب فتح المنان نے ان اعتراضات کے جوابات بھی دیئے ان اعتراضات وجوابات کا ضعف وقوت دراصل فروگی اختلاف پر ہوا کرتا ہے۔ البتہ چونکہ آیت کی تفسیر کسی خاص شہر پر موقوف نہیں ہے۔ اس لئے ابہام ہی بہتر ہے۔

بہرحال بستی کوئی ہو اس میں خدا کے یا کسی پیغمبر کے فرستادے پہنچے قصہ کے مختلف ہو جانے کی وجہ سے یہاں بھی ابہام اور تعمیم ہی مناسب ہے اگر وہ براہ راست اللہ کے رسول تھے تب تو ارسلنا اپنے ظاہر پر رہے گا اور نائب رسول تھے تو پھر ارسلنا بالواسطہ ہوگا۔ اولاً دو تھے بعد میں ایک کا اور اضافہ ہوگیا اور پھر تینوں نے اپنا پیغمبر ہونا ظاہر کیا۔ مگر لوگوں نے دیکھ کر کہا ہرگز نہیں تم محض معمولی آدمی ہو۔ تم میں کیا سرخاب کے پر لگ رہے ہیں۔ خواہ مخواہ خدا کا نام لیتے ہو جیسے تم ویسے ہم۔ تم تینوں مل بھگت کر رہے ہو۔ وہ بولے کہ بالفرض اگر ہم جھوٹے ہیں خدا تو دیکھ رہا ہے اور عملاً تائید کر رہا ہے کیا وہ جھوٹوں کی مسلسل تائید کر سکتا ہے۔ رہا تمہارا انکار کردینا سو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ یہ تمہاری اپنی مرضی کی بات ہے تم مانو نہ مانو اللہ پر خوب روشن ہے کہ ہم اس کے فرستادے ہیں خود ساختہ نہیں۔ ورنہ وہ ہماری عملاً تصدیق کیوں کرتا۔ ہم اپنی ذمہ داری اور فرض منصبی بجالا چکے ہیں اب آگے تمہارا کام رہ گیا تردید وانکار کی صورت میں ذرا اپنے انجام پر بھی نظر کرلینا غرضیکہ تینوں کے پیغمبر ہونے کی صورت میں ما انتم الا بشر مثلنا کا ظاہری مفہوم ہوگا یعنی تم انسان ہو اور

انسان پیغمبر نہیں ہوا کرتے۔ کیونکہ انسان اور نبی میں منافات ہے۔ اور اگر نائب رسول ہوں تو پھر کلام سے اصل میں اثبات مماثلت مقصود ہوگی یعنی تم ہم بالکل برابر ہیں تم میں کوئی امتیازی وصف نہیں کہ تمہیں ہم نائب رسول سمجھیں۔ اور ما انزل الرحمٰن سے مطلق پیغمبری کی نفی مقصود ہوگی۔ نیز اگر یہ حضرات رسول تھے۔ تب تو رسالت کی تائید اس واقعہ سے ظاہر ہے۔ البتہ اگر نائب رسول ہیں تو پھر نیابت بھی بالواسطہ اثبات رسالت کے لئے مفید ہوگی۔

علی ہذا نبی ہونے کی صورت میں بلاغ مبین کی تفسیر معجزات سے ہوگی اور نیابت کی صورت میں اثبات خوارق کی ضرورت ہی نہیں۔ اس کی ضرورت تو نبی کو ہوتی ہے بلکہ دلائل علمیہ مراد ہوں گے۔

نحوست سے کیا مراد ہے:...........غرض کہ اس صاف وصریح دعوت کو یک لخت جھٹلا دیا جس کی شامت سے بقول معالم مبتلائے قحط ہوئے یا اس دعوت کے سلسلے میں انہوں نے اپنے اندر بے حد اختلافات پیدا کر لئے اور وہ موت کا شکار ہو گئے۔ وہ بولے کہ میاں جب سے تمہارے قدم یہاں آئے ہیں۔ ہم ہی مصیبت میں پھنس گئے۔ یہ تمہاری ہی نحوست ہے پہلے ہم سکھ چین سے رہ رہے تھے۔ بس تم اپنی نصیحت کے دفتر لے کر چلتے بنو ورنہ ہم پتھراؤ کر کے نکال دیں گے۔ رسول بولے کہ یہ نحوست تو خود تمہاری پیدا کردہ ہے جس کا الزام ہمیں دے رہے ہو۔ اگر پیغام حق مان لیتے تو کچھ بھی نہ بگڑتا۔ یہ سب وبال تمہارے حق قبول نہ کرنے کا ہے۔ محض اتنی سی بات پر کہ نصیحت وفہمائش کی۔ قتل کی دھمکیاں دیتے ہو، کڑوی کسیلی باتیں کہتے ہو۔ تم آدمیت اور معقولیت سے ہی خارج ہو گئے ہو۔

علی الاطلاق اتحاد واتفاق کوئی مستحسن یا محمود چیز نہیں ہے:............خدائی فرستادوں سے پہلے ان میں جو کچھ اتحاد واتفاق تھا۔ وہ چونکہ باطل پر تھا اس لئے مستحسن نہیں کہا جا سکتا۔ فی نفسہ اتحاد واتفاق نہ محمود ہے نہ مطلوب ومقصود۔ ورنہ چوروں، ڈاکوؤں غنڈوں کا اتحاد واتفاق بھی مذموم نہیں رہے گا۔ البتہ صحیح مقاصد کے لئے اتحاد واتفاق بلاشبہ مطلوب ہے۔ اسی طرح پہلے قحط کا نہ ہونا وہ بطور استدراج یا حق نہ پہنچنے کی وجہ سے تھا۔ پس استدراجی حالت بھی کچھ سعادت مندی تو نہیں ہے۔ اسی سعادت مندی کی تحصیل کے لئے یہ پیامبر آئے اور ان کی لائی ہوئی سعادت کو ٹھکرا دیا تو انصاف کی آنکھ سے دیکھو کہ نحوست تو خود تم نے پیدا کی کہیں باہر سے نہیں آئی۔ باہر سے تو سعادت آئی تھی جو تمہیں پسند نہ آئی۔

حبیب النجار کی طرف سے دعوت کی پذیرائی وتائید:...........اس باہمی بات چیت اور گفتگو کا چرچا ہوا اور یہ خبر شائع ہوئی تو انہیں میں سے ایک شخص حبیب نامی اپنی قوم کی خیر خواہی کی مد میں اس اندیشہ سے کہ کہیں اشتعال میں لوگ پیامبروں کو قتل نہ کر ڈالیں۔ یہ صالح شخص شہر کے ایک کنارے رہتا۔ اپنی روزی حلال طریقہ سے کماتا اور اللہ اللہ کرتا تھا مگر یہ خبر سنتے ہی دوڑ پڑا۔ اس کی فطری صلاحیت نے چپ بیٹھنے نہ دیا۔ بلکہ ان کی بھرپور تائید میں کھڑا ہو گیا اور قوم کو للکارا کہ تم دیکھتے نہیں کیسے بے غرض لوگ ہیں خالص تمہاری خیر خواہی کے لئے سرگرداں ہیں۔ کچھ تم سے معاوضہ نہیں چاہتے۔ پھر ایسے بے لوث سچے بزرگوں کا کہا کیوں نہ مانا جائے۔

لطائف سلوک:...........آیت انما تنذر الخ سے ثابت ہوا کہ تربیت پر جو فوائد مرتب ہوتے ہیں ان میں دراصل جویائے حق کی استعداد وصلاحیت کا ظہور ہوتا ہے۔ ظاہر ہے مربی شیخ کی وہ عطا نہیں ہوتی۔

اذ ارسلنا. بقول صاحب روح المعانی حضرت عیسیٰ کے فرستادے تھے۔ جو اصلاح دعوت کے لئے دوسرے شہروں میں

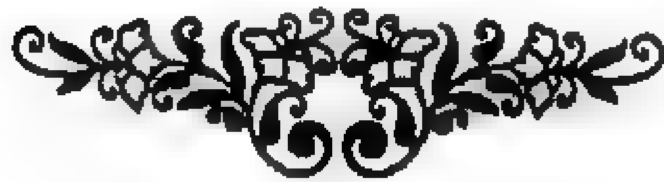
بھیجے گئے تھے۔ پس اسی طرح مشائخ کا اپنے خلفاء کو اصلاح وارشاد کے لئے مختلف شہروں میں مامور کرنا ہوتا ہے۔

قالوا ما انتم کا منشاء یہ ہے کہ ایک مبتدی اور منتہی بظاہر ایک دوسرے سے مشابہ معلوم ہوتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں یوں بعید ہوتے ہیں۔

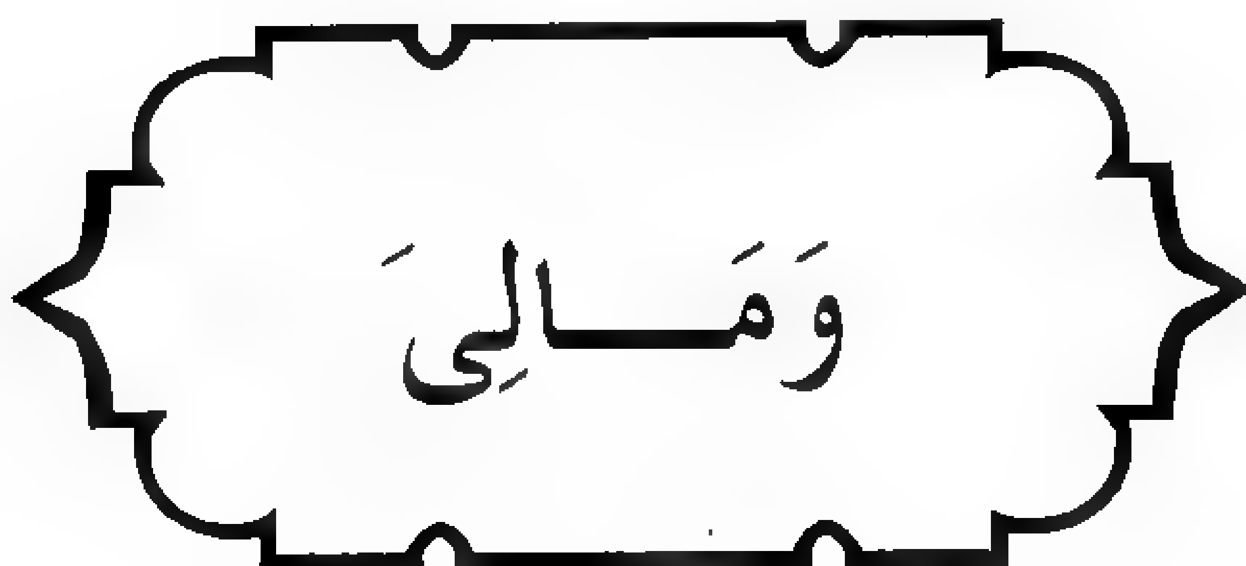
قالوا انا تطیر نا. بقول روح دعوت کو ٹھکرانے کے نتیجہ میں جس طرح ان پر قحط یا جذام مسلط ہو گیا اسی طرح بعض اوقات مقبولین کے انکار سے بھی اس قسم کی گرفتیں ہونے لگتی ہیں۔

قالوا طائر کم معکم میں ان کی بداستعدادی کی طرف اشارہ ہے۔

﴿الحمدللہ کہ پارہ ۲۲ **ومن یقنت** کی تفسیر مکمل ہوئی﴾



پارہ نمبر ﴿۲۳﴾



فہرست پارہ ﴿ومالی﴾

وَمَالِــىَ

فقيل له انت على دينهم فقال **وَمَالِىَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِىْ فَطَرَنِىْ** خلقنى اى لامانع لى من عبادته الموجود مقتضيها وانتم كذلك **وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ** ۲۲ بعد الموت فيجازيكم بكفركم **ءَ اَتَّخِذُ** فى الهمزتين منه ماتقدم فى ءانذرتهم وهو استفهام بمعنى النفى **مِنْ دُوْنِهٖٓ** اى غيره **اٰلِهَةً** اصناما **اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّىْ شَفَاعَتُهُمْ** التى زعمتموها **شَيْئًا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ** ۲۳ صفة الهة **اِنِّىْٓ اِذًا** ان عبدت غير الله **لَّفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ** ۲۴ بين **اِنِّىْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ** ۲۵ اى اسمعوا قولى فرجموه فمات **قِيْلَ** له عند موته **ادْخُلِ الْجَنَّةَ** وقيل دخلها حيا **قَالَ يٰـ** حرف تنبيه **لَيْتَ قَوْمِىْ يَعْلَمُوْنَ** ۲۶ **بِمَا غَفَرَلِىْ رَبِّىْ** بغفرانه **وَجَعَلَنِىْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ** ۲۷ **وَمَآ** نافية **اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ** اى حبيب **مِنْۢ بَعْدِهٖ** بعد موته **مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ** اى ملائكة لاهلاكهم **وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ** ۲۸ ملائكة لاهلاك احد **اِنْ** ما **كَانَتْ** عقوبتهم **اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً** صاح بهم جبرئيل **فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ** ۲۹ ساكتون ميتون **يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ** هؤلاء ونحوهم ممن كذبوا الرسل فاهلكوا وهى شدة التألم ونداؤها مجاز اى هذا اوانك فاحضرى **مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ** ۳۰ مسوق لبيان سببها لاشتماله على استهزائهم المؤدى الى اهلاكهم المسبب عنه الحسرة **اَلَمْ يَرَوْا** اى اهل مكة القائلون للنبى لست مرسلا والاستفهام للتقرير اى علموا **كَمْ** خبرية بمعنى كثيرا معمولة لما بعدها معلقة لما قبلها عن العمل والمعنى انا **اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ** كثيرا **مِّنَ الْقُرُوْنِ** الامم **اَنَّهُمْ** اى المهلكين **اِلَيْهِمْ** اى المكذبين **لَا يَرْجِعُوْنَ** ۳۱ افلا يعتبرون بهم وانهم الى اخره بدل مما قبله برعاية المعنى المذكور **وَاِنْ** نافية او مخففة **كُلٌّ** اى كل الخلائق مبتدأ **لَّمَّا** بالتشديد بمعنى الا وبالتخفيف فاللام فارقة وما مزيدة **جَمِيْعٌ** خبر المبتدأ اى مجموعون **لَّدَيْنَا** عندنا فى الموقف بعد

... مُحْضَرُونَ ۳۲

ترجمہ: (پس اس کو کہا گیا یا قوم نے دین پر ہے تو اس نے کہا) اور میرے لئے آخر کیا عذر ہے کہ میں اس معبود کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا (یعنی مقتضی عبادت کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں بلکہ عبادت کا تقاضا کرنے والی چیزیں پائی جاتی ہیں اور یہی حال تمہارا بھی ہے) اور تم سب کو اسی کے پاس جانا ہے (مرنے کے بعد جزا دوسروں کی طرح تمہیں بھی بدلہ ملے گا) کیا میں (ان دونوں ہمزاؤں میں وہی تفصیل ہے جو لفظ "اانذرتھم" میں پہلے گزر چکی ہے لفظ مالی استفہام بمعنی نفی ہے) اللہ کے علاوہ (دوسروں کو) خدا قرار دے لوں کہ اگر خدائے رحمن مجھ کو کچھ تکلیف پہنچانا چاہے تو نہ ان معبودوں کی سفارش میرے کچھ کام آسکے (جس کا تمہیں گمان ہے) اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں (یہ آلہۃ کی صفت ہے) میں اگر ایسا کروں (کہ غیر اللہ کی پوجا کرنے لگوں) تو کھلی گمراہی میں جاپڑوں گا (مبین بمعنی بین ہے) میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا سو تم میری بات سن لو (یعنی میری بات سن کر مان جاؤ مگر سب لوگوں نے اس کو سنگسار کردیا جس سے وہ شہید ہوگیا۔ ارشاد ہوا (موت کے وقت اس سے فرمایا گیا) کہ جا جنت میں داخل ہو (بعض کی رائے ہے کہ زندہ ہی جنت میں داخل ہوا) کہنے لگا کہ (یا حرف تنبیہ ہے) کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے (اپنی بخشش سے) میرے قصور معاف فرمادیئے اور مجھے عزت داروں میں شامل کردیا۔ اور ہم نے اس (حبیب کی قوم پر کوئی لشکر نہیں اتارا اس (ما نافیہ ہے۔ حبیب کے مرنے) کے بعد آسمان سے (یعنی ان کی ہلاکت کے لئے فرشتے) اور نہ ہمیں (کسی کو ہلاک کرنے کے لئے فرشتوں کو) اتارنے کی ضرورت ہے نہیں (ان نافیہ ہے) وہ سزا مگر بس ایک سخت چیخ (جو جبرائیل نے ماری تھی) اور وہ سب اسی دم بجھ کر رہ گئے (خاموش مرگئے) ان بندوں پر افسوس (اور ان جیسے سب پر جنہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا کر تباہی لے لی۔

(حسرۃ سخت مصیبت اور اس پر حرف ندا داخل کرنا مجازا ہے یعنی بربادی آجا کہ تیرے آنے کا یہی موقعہ ہے) ان کے پاس کبھی کوئی رسول نہیں آیا جس کی انہوں نے ہنسی نہ اڑائی ہو (منشاء اس کا ان کی تباہی کا سبب بیان کرنا ہے کیونکہ پیغمبروں کی آمد پر انہوں نے ٹھٹھہ اڑایا اور وہ سبب بنا تباہی کا اور تباہی باعث بنی حسرت وافسوس کی) کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی (مراد مکہ والے ہیں جنہوں نے پیغمبر سے کہدیا تھا لست مرسلا اور استفہام تقریری ہے یعنی یہ لوگ جانتے ہیں) کہ کتنی (کم خبریہ بمعنی کثیر ہے اپنے بعد کم اھلکنا کا معمول اور اپنے پہلے کو عمل سے روک دینے والا ہے اور معنی یہ ہیں کہ یقینا) صدیاں ان سے پہلے غارت کر چکے کہ وہ (برباد شدہ) پھر ان (مکہ والوں) کی طرف لوٹ کر نہیں آسکے (پس کیا اس سے انہیں عبرت نہیں ہوتی اور انھم الخ ماقبل سے بدل ہے معنی مذکور کی رعایت کرتے ہوئے) اور ان میں سے (یعنی ساری مخلوق یہ مبتداء ہے) کوئی ایسا نہیں (ان نافیہ ہے یا مخفف ہے) جو (لما تشدید کے ساتھ بمعنی الا ہے اور تخفیف کے ساتھ بھی ہے۔ پس لام ہی فرق کرنے والا ہے اور ما زائدہ ہے) مجتمع طور پر (یہ خبر ہو مبتداء کی یعنی مجموعی لحاظ سے) ہمارے روبرو پیش نہ کئے جائیں (حساب کے لئے یہ خبر ثانی ہے۔)

تحقیق وترکیب:......... **ومالی**. لطف آمیز طریقہ سے دعوت پیش کرنے کے لئے یہ طرز کلام اختیار کیا گیا کہ مخاطب کی بجائے خود اپنے کو نصیحت کرنا یہ زیادہ موثر ہوتا ہے۔ اس میں صنعت احتباک پائی جاتی ہے کہ کلام کے شروع سے کچھ حذف کرکے آخر میں اس کا اضافہ کردیا جائے۔ ای **ومالی لا اعبد الذی فطرنی وفطرکم والیه ترجعون وارجع**

اتخذ سورہ بقرہ کے شروع میں لفظ انذرتھم میں چار بلکہ پانچ قراءتیں گزر رہی ہیں وہی یہاں بھی مراد ہیں۔

فوطئوہ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ان کو پاؤں تلے روند دیا اور کچل ڈالا۔ جس سے ان کی آنتیں باہر نکل پڑیں۔

ادخل الجنة۔ شہید ہونے کی وجہ سے یہ خصوصی اعزاز بخشا گیا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ ان لوگوں نے قتل کرنا چاہتے تھے مگر زندہ اٹھا کر جنت میں پہنچا دیا گیا ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰ کے ساتھ ہوا۔ **ادخل الجنة** امر تکوینی ہوگا۔ یعنی کن فیکونی حکم جس کا منشا جلد تعمیل حکم ہوتا ہے۔

على العباد۔ الف لام جنسی ہے کفار منکرین مراد ہیں یہ تحسر فرشتوں یا مومنین کی طرف سے ہوتا ہے یا اللہ کی طرف سے۔ اس صورت میں اللہ کی طرف اس کی نسبت ضحک، نسیان، سخریہ، تعجب و تمنی جیسے الفاظ کی نسبت کی طرح ہوگی اور بعض نے عباد سے انبیاء اور رسول مراد لئے ہیں۔ اور **على** بمعنی **من** ہے۔ **الم یروا** رویت علمیہ سے ہے اور **کم** خبریہ **اھلکنا** کا مفعول مقدم اور **قبلھم**۔ **اھلکنا** کا اور **من القرون** **کم** کا بیان ہے۔

معمولة لما بعدھا۔ یعنی **یروا** کا عمل **کم** میں نہیں۔ کیونکہ **کم** خبریہ صدارت کلام چاہنے کی وجہ سے ماقبل کا معمول نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ مابعد یعنی **اھلکنا** کا معمول ہے اور یہ **کم** خبریہ کو ماقبل کے عمل سے بھی بے تعلق کر دیتا ہے۔ کیونکہ استفہام اصل ہے۔

والمعنى انا اھلكنا اى قد علموا انا اھلكنا اى اھلاكنا للامم السابقة كثيرا۔

انھم یہ مفعولیت کی وجہ سے محل نصب میں ہے اور لفظ **اھلکنا** سے بدل معنوی ہے۔

اى لم يعلموا كثرة اھلاكنا القرون الماضية والامم السابقة كونھم اى الھا لكين غير مراعاة المعنى المذكور یعنی ہلاک شدگان کا دوبارہ واپس نہ آنا۔

ان کل۔ تشدید **لما** کی صورت میں **ان** نافیہ ہے اور تخفیف **لما** کی صورت میں **ان** مخففہ من المثقلہ ہوگا اور **کل** پر تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے **اى كل الخلائق**۔ **ان** نافیہ کی حالت میں یہ مبتداء اور **ان** مخففہ مانتے ہوئے اسم **ان** ہو جائے گا۔ **جميع** خبر اول ہے اور **محضرون** خبر ثانی ہے۔

○ **تشریح** ﴿﴾: **روش کلام میں تبدیلی کا نکتہ**: آیت **ومالی** میں اصل گفتگو کا رخ مخاطب کی طرف ہے۔ یعنی **وما لکم** یعنی آخر تمہیں کیا ہوا کہ ناصح میں جب خود غرضی نہیں ہے جو مانع اتباع ہوتی ہے بلکہ اھتداء ہے جو اتباع پر ابھارنے والی بات ہوتی ہے پھر تم اللہ کی عبادت کیوں نہیں کرتے؟ اور روش کلام کی تبدیلی میں یہ نکتہ ہے کہ روئے سخن مخاطب کی طرف کرنے سے ہیں اس کو ہیجان اور اشتعال نہ ہو جائے۔ جو غور و فکر اور تدبر کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ مگر اپنے اوپر رکھ کر دوسروں کو سنانے میں اس کا خدشہ نہیں ہوتا۔

غرض کہ جب اللہ نے ہم کو پیدا کیا ہے اور پیدا کر کے آزاد بھی نہیں چھوڑ دیا کہ اب اس سے کوئی واسطہ نہ رہے۔ بلکہ سب کو پھر اس کے پاس جانا ہے۔ لہٰذا ابھی سے اس کی فکر رکھو۔ یعنی اسی کی بندگی میں لگے رہو۔ یہ تو اللہ کی عبادت کا استحقاق ہوا۔ آگے جھوٹے معبودوں کے عدم استحقاق عبادت کا بیان ہے کہ یہ کس درجہ نادانی اور ناسمجھی ہے کہ مہربان قادر مطلق کو چھوڑ کر ایک عاجز محض کا سہارا تکا جائے جو نہ خود قادر اور نہ قادر تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔ کیونکہ اول تو اینٹ پتھروں میں خود شفاعت کی قابلیت نہیں اور ہو بھی تو شفاعت بغیر اذن متحقق نہیں ہے۔

اور سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے یہ بھی کہا کہ سب سن رکھیں کہ میں کھلے بندوں اللہ پر ایمان لانے کا اعلان کرتا ہوں۔ مرسلین تو اس لئے سنیں کہ اللہ کے ہاں گواہ ہوں اور دوسروں کو سنانا اس لئے ہے کہ وہ بھی متاثر ہوں یا کم از کم دنیا کو ایک مرد مومن کی قلبی قوت

معلوم ہو جائے کہ کس طرح ایک تنہا کمزور آدمی بے دھڑک سب کو للکارتا ہے۔ مگر ان پتھروں پر کیا اثر ہوتا اور ہوا تو الٹا اثر یہ کہ انہیں بری طرح سے شہید کر ڈالا۔ مگر فوراً ہی جنت کا پروانہ مل گیا۔ چنانچہ شہداء کے لئے خصوصیت سے حشر سے پہلے ہی جنت میں جانا روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

جنت میں داخل ہونے سے کیا مراد ہے: تاہم جنت میں داخلہ سے مراد اگر فی الفور داخل ہونا ہے تو پھر جنت سے مراد حوالی جنت لی جائے گی۔ کیونکہ ادھر تو جنت میں داخل ہونے کے بعد پھر نکلنا نہیں اور حشر نشر یقیناً جنت سے باہر ہے۔ ہاں اگر جنت میں داخل ہونے کے بعد پھر حساب کتاب کے لئے باہر حشر نشر میں آ کر دوبارہ جنت میں جانا صحیح ہوتا یا حشر ونشر ہی جنت کے اندر ہوتے تو دونوں صورتوں میں کوئی اشکال نہیں تھا۔ لیکن فوری طور پر جنت میں داخلہ سے اشکال ہوگا۔ جس کے رفع کی صورت یہ ہے کہ جنت میں جانے سے مراد جنت کے آس پاس جانا ہے۔ اور اگر جنت کی خوشخبری مراد ہے تو پھر جنت اپنے متعارف معنی میں رہے گا۔ کسی توجیہ کی حاجت نہیں رہتی۔ لیکن کیا ٹھکانہ ہے اس عالی ظرفی اور ہمدردی کا کہ اپنی ناہنجار قوم کو وہاں بھی وہ فراموش نہ کر سکا اور ایک آس لگا بیٹھا کہ شاید میری خوشحالی کو دیکھ کر انہیں ایمان کی رغبت ہو۔ مگر قوم کے دن نہیں پھرے تھے۔ اس لئے بدستور وہ لوگ اپنی اکڑ میں رہے۔ حتیٰ کہ عذاب الٰہی نے انہیں آگھیرا اور تباہی نے انہیں آدبایا۔

عذاب کے لئے فرشتوں کے بھیجنے کی نہ حاجت پڑی اور نہ اہمیت دی گئی: ... اور ان کی سزا کے لئے اللہ کو کچھ اہتمام نہیں کرنا پڑا کہ فرشتوں کی ٹکڑیاں بھیجتے اور حق تعالیٰ کو ایسا کرنے کی حاجت بھی نہیں۔ یوں کبھی کسی خاص مصلحت سے کہیں فرشتے بھیج دیئے ہوں تو وہ دوسری بات ہے۔ اللہ کے یہاں تو بڑے بڑے سرکشوں اور گردن کشوں کو ٹھنڈا کرنے کے لئے بس ایک ڈانٹ ہی کافی ہے۔ یہی ہوا کہ جبرائیل وغیرہ کسی فرشتے نے ایک چیخ ماردی تو سارے یک لخت ڈھیر ہو گئے۔ غزوہ بدر وغیرہ میں فرشتوں کی آمد سے اشکال نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہاں مقصود صرف اللہ کی حاجت کی نفی ہے مصلحت کی نفی نہیں ہے۔ اگر کسی مصلحت سے کبھی فرشتوں کو بھیج دے تو گنجائش ہے۔

آگے بطور تذئیل کے فرماتے ہیں یا حسرة الخ لوگ دیکھتے سنتے ہیں کہ دنیا میں پیغمبروں سے ٹھٹھا کرنے والوں کا کیا عبرت ناک انجام ہوا۔ کس طرح عذاب کی چکی میں پس کر برابر ہو گئے۔ مگر افسوس کہ اس پر بھی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ جب کوئی نیا پیغمبر آیا انہوں نے وہی ڈگر اپنایا۔ چنانچہ حضور سرور کائنات ﷺ کی تشریف آوری پر پھر اپنی تاریخ دہرانے لگے۔

تباہ شدہ قوم سے مراد اہل مکہ ہیں یا دنیا کی اکثر قومیں: یہ نہ سمجھے کہ محض دنیا کی سزا پر قصہ ختم ہو جائے گا۔ ایک دن اللہ کی عدالت کے کٹہرے میں سب مجرمین کو پھر دھر گھسیٹا جائے گا۔

آیت الم یروا الخ کی ضمیر اگر صرف اہل مکہ کی طرف نہ لوٹائی جائے بلکہ سب کے لئے عام ہو تو پھر ہلاکت کا حکم بلحاظ اکثریت ہوگا۔

کیونکہ سب سے پہلے جو قرن ہلاک ہوا ہوگا اس پر کم اهلکنا قبلهم صادق نہیں آئے گا۔ حبیب نجار کے بعد تینوں پیامبروں کا کیا ہوا قرآن اس سے ساکت ہے۔

وایۃ لھم علی البعث خبر مقدم **الارض المیتۃ** بالتخفیف والتشدید **احیینھا** بالماء مبتدأ
واخرجنا **منھا حبا** کالحنطۃ **فمنہ یاکلون** ۳۳ **وجعلنا فیھا جنت** بساتین **من نخیل واعناب**
وفجرنا فیھا من العیون ۳۴ ای بعضھا **لیاکلوا من ثمرہ** بفتحتین وبضمتین ای ثمر المذکور
من النخیل وغیرہ **وما عملتہ ایدیھم** ای لم تعمل الثمر **افلا یشکرون** ۳۵ انعمہ تعالٰی علیھم
سبحن الذی خلق الازواج الاصناف **کلھا مما تنبت الارض** من الحبوب وغیرھا **ومن**
انفسھم من الذکور والاناث **ومما لایعلمون** ۳۶ من المخلوقات الغریبۃ العجیبۃ **وایۃ لھم** علی
قدرتہ العظیمۃ **الیل نسلخ** نفصل **منہ النھار فاذا ھم مظلمون** ۳۷ داخلون فی الظلام
والشمس تجری الخ من جملۃ الایۃ لھم او ایۃ اخری والقمر کذلک **لمستقر لھا** ای الیہ
لا تتجاوزہ **ذلک** جریھا **تقدیر العزیز** فی ملکہ **العلیم** ۳۸ بخلقہ **والقمر** بالرفع والنصب وھو
منصوب بفعل یفسرہ ما بعدہ **قدرنہ** من حیث سیرہ **منازل** ثمانیۃ وعشرین منزلا فی ثمان وعشرین
لیلۃ من کل شھر ویستتر لیلتین ان کان الشھر ثلثین یوما ولیلۃ ان کان تسعۃ وعشرین یوما **حتی عاد**
فی اخر منازلہ فی رای العین **کالعرجون القدیم** ۳۹ ای کعود الشماریخ اذا عتق فانہ یدق ویتقوس
ویصفر **لا الشمس ینبغی** یسھل ویصح **لھا ان تدرک القمر** فتجتمع معہ فی اللیل **ولا الیل**
سابق النھار ۴۰ فلا یاتی قبل انقضائہ **وکل** تنوینہ عوض عن المضاف الیہ من الشمس والقمر
والنجوم **فی فلک** مستدیر **یسبحون** ۴۰ یسیرون نزلوا منزلۃ العقلاء **وایۃ لھم** علی قدرتنا **انا**
حملنا ذریتھم وفی قراءۃ ذریاتھم ای اباءھم الاصول **فی الفلک** ای سفینۃ نوح **المشحون** ۴۱
المملوء **وخلقنا لھم من مثلہ** ای مثل فلک نوح وھو ما عملوہ علی شکلہ من السفن الصغار
والکبار بتعلیم اللہ تعالٰی **ما یرکبون** ۴۲ فیہ **وان نشا نغرقھم** مع ایجاد السفن **فلا صریخ** مغیث
لھم ولا ھم ینقذون ۴۳ ینجون **الا رحمۃ منا ومتاعا الی حین** ۴۴ ای لا ینجیھم الا رحمۃ منا
لھم وتمتیعنا ایاھم بلذاتھم الی انقضاء اجالھم **واذا قیل لھم اتقوا ما بین ایدیکم** من عذاب
الدنیا کغیرکم **وما خلفکم** من عذاب الاخرۃ **لعلکم ترحمون** ۴۵ اعرضوا **وما تاتیھم من ایۃ**
من ایت ربھم الا کانوا عنھا معرضین ۴۶ **واذا قیل** ای قال فقراء الصحابۃ **لھم انفقوا** علینا
مما رزقکم اللہ من الاموال **قال الذین کفروا للذین امنوا** استھزاء بھم **انطعم من لو یشاء اللہ**

اَطْعَمَهٗ فِی مُعْتَقَدِکُمْ هٰذَا اِنْ مَا اَنْتُمْ فِی قَوْلِکُمْ لَنَا ذٰلِکَ مَعَ مُعْتَقَدِکُمْ هٰذَا **اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۴۷﴾** بَیِّنٍ وَالتَّصْرِیْحُ بِکُفْرِهِمْ مَوْقِعٌ عَظِیْمٌ **وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ** بِالْبَعْثِ **اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۴۸﴾** فِیْهِ قَالَ تَعَالٰی **مَا یَنْظُرُوْنَ** یَنْتَظِرُوْنَ **اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً** وَهِیَ نَفْخَةُ اِسْرَافِیْلَ الْاُوْلٰی **تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ یَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾** بِالتَّشْدِیْدِ اَصْلُهٗ یَخْتَصِمُوْنَ نُقِلَتْ حَرَکَةُ التَّاءِ اِلَی الْخَاءِ وَاُدْغِمَتْ فِی الصَّادِ اَیْ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ عَنْهَا بِتَخَاصُمٍ وَتَبَایُعٍ وَاَکْلٍ وَشُرْبٍ وَغَیْرِ ذٰلِکَ وَفِیْ قِرَاءَةٍ یَخْصِمُوْنَ کَیَضْرِبُوْنَ اَیْ یَخْصِمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا **فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَةً** اَیْ بِاَنْ یُوْصُوْا **وَّلَآ اِلٰٓی اَهْلِهِمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾** مِنْ اَسْوَاقِهِمْ وَاَشْغَالِهِمْ بَلْ یَمُوْتُوْنَ فِیْهَا

ع ۱۸ ۳

ترجمہ: اور ایک نشانی ان لوگوں کے لئے (قیامت ہونے پر، یہ خبر مقدم ہے) مردہ زمین ہے (لفظ میتة تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے) ہم نے اس کو زندگی بخشی (پانی کے ذریعہ سے یہ مبتداء ہے) اور ہم نے غلہ کے دانے نکالے (جیسے گیہوں) سو ان میں سے یہ لوگ کھاتے ہیں اور ہم نے اس میں کھجوریں اور انگوروں کے باغ (چمن) لگائے اور اس میں ہم نے (بعض) چشمے بہائے تاکہ لوگ باغوں کے پھلوں میں سے کھائیں (ثمرة دونوں پر فتح، دونوں پر ضمہ یعنی کھجور وغیرہ مذکورہ پھل) اور ان کو ان کے ہاتھوں نے نہیں اگایا (یعنی پھلوں کو نہیں بنایا) سو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے (خدا تعالیٰ نے ان پر جو نعمتیں فرمائی ہیں) پاک ہے وہ ذات جس نے طرح طرح (کی قسموں) کے کل پھل پیدا کئے۔ زمین کی نباتات سے بھی (غلے وغیرہ) اور آدمیوں میں سے بھی (مرد وعورت) اور ان چیزوں میں سے جن کو لوگ نہیں جانتے (عجیب وغریب مخلوقات) اور ایک نشانی لوگوں کے لئے (اللہ کی قدرت عظیم پر) رات ہے کہ اس پر سے دن کو اتار لیتے (الگ کر لیتے) ہیں سو یکایک لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں (تاریکی میں چلے جاتے ہیں) اور سورج گردش کرتا رہتا ہے (یہ بھی لوگوں کے لئے منجملہ نشانیوں کے ہے یہ مستقل نشانی ہے اور یہی حال چاند کا ہے) اپنے محور کی طرف (اس سے ہٹ نہیں سکتا) یہ (رفتار) نشانہ مقرر کیا ہوا ہے۔ ایک زبردست طاقتور کا (زمین پر) واقف کار (مخلوق سے) اور چاند کے لئے (رفع اور نصب کے ساتھ یہ منصوب ہے ایسے فعل کے ساتھ جس کی تفسیر بعد میں آتی ہے) مقرر کی ہیں منزلیں (اس کی چال کے حساب سے ۲۸ درجے ہر ماہ کی ۲۸ راتیں اور مہینہ اگر تمیں کا ہو تو دو روز تک اور انتیس کا ہو تو ایک دن رات نظر نہیں آئے گا) یہاں تک کہ رہ جاتا ہے (آخری درجوں میں دکھائی پڑتا ہے) جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی (کھجور کی شاخ جب پرانی ہو کر سوکھ جائے اس وقت وہ پتلی بھی ہو جاتی ہے کمان کی طرح اور زرد پڑ جاتی ہے) نہ سورج کی یہ مجال ہے (آسان اور لائق ہے) کہ چاند کو جا پکڑے (اور رات میں دونوں اکٹھے ہو جائیں) اور نہ رات، دن سے پہلے آ سکتی ہے (تاوقتیکہ دن ختم ہو رات نہیں آ جاتی) اور دونوں میں سے ہر ایک (تنوین مضاف الیہ کے بدلہ میں ہے یعنی سورج چاند ستارے) اپنے اپنے مدار (دائرہ) میں تیرتے رہتے ہیں (رواں دواں رہتے ہیں الفاظ میں ان کو منزلہ ذوی العقول چیزوں کے مان لیا ہے) اور ایک نشانی (ہماری قدرت کی) ان کے لئے یہ ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو سوار کیا (ایک قرأت میں ذریاتهم ہے یعنی ان کے باپ دادے، اصول) کشتی (نوح) میں جو لدی (بھری) ہوئی تھی اور ہم نے ان کے لئے کشتی ہی جیسی اور چیزیں پیدا کیں (کشتی نوح کی طرح کی تھیں یعنی اس کی ہم شکل چھوٹی بڑی اور کشتیاں اور جہاز اللہ کی تعلیم سے انہوں نے بنائے) جن پر یہ لوگ سوار ہوتے ہیں اور ہم چاہیں (باوجود کشتیاں ایجاد کرنے کے) تو ان کو ڈبو دیں۔ پھر نہ تو کوئی فریاد رس ہو ان کے لئے اور نہ یہ

خلاصی (ربانی) دیئے جا سکیں مگر یہ ہماری مہربانی ہے اور ان کو ایک مقررہ وقت تک نفع پہنچانا ہے (یعنی کشتیوں سے پار نہیں لگ سکتے ہیں بجز ہماری رحمت کے البتہ ہم ان کی عمریں پوری ہونے تک انہیں لذت اندوز ہونے کا موقعہ دے رہے ہیں) اور جب ان سے کہا جاتا کہ تم لوگ اس عذاب سے ڈرو جو (دنیا میں تمہارے اور اوروں کے) سامنے ہے اور تمہارے بعد (آخرت میں) ہے تاکہ تم پر رحمت کی جائے (تو وہ بے رخی اختیار کر لیتے ہیں) اور ان کے پروردگار کی آیات میں سے کوئی آیت بھی ان کے پاس ایسی نہیں آتی جس سے یہ سرتابی نہ کرتے ہوں اور جب ان سے کہا جاتا ہے (فقراء صحابہ کہتے ہیں) کہ اللہ نے جو کچھ تم کو (مال) دیا ہے اس میں سے (ہم پر) خرچ کرو تو یہ کفار مسلمانوں سے (پھبتیاں کستے ہوئے) کہتے ہیں کہ کیا ہم ایسے لوگوں کو کھانے کو دیں جن کو اللہ اگر چاہے تو کھانا دے سکتا ہے (تمہارے عقیدے کی رو سے) تم لوگ (اسی عقیدے کے ساتھ ایسی باتیں کہنے میں) محض کھلی گمراہی میں پڑے ہو (اور ان کے کفر کی صراحت میں موقع عظیم ہے) اور کہتے ہیں کہ یہ وعدہ قیامت کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو (اس وعدہ میں ارشاد ہے) یہ لوگ منتظر ہیں بس ایک چیخ کے (اسرافیل کا پہلا صور پھونکنا) جو آ پکڑے گی اور وہ سب باہم جھگڑ رہے ہوں گے (تشدید کے ساتھ اصل میں یختصمون تھا۔ تا کی حرکت منتقل کر دی گئی اور صاد میں ادغام کر دیا گیا۔ یعنی لوگ قیامت سے لاپرواہی اور آپسی جھگڑے کھانا پینا وغیرہ اور ایک قرأت میں یخصمون یعنی ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہوں گے۔ سو نہ وصیت کرنے کی فرصت ہوگی (کہ ایک دوسرے کو ہیں) اور نہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جا سکیں گے (بازاروں سے اور کام کاج سے واپسی نہیں بلکہ وہیں مر رہے ہوں گے)۔

تحقیق وترکیب:

اٰیة لهم. موصوف صفت ہو کر خبر مقدم اور الارض المیتة مبتداء مؤخر ہے۔

میتة. نافع تشدید کے ساتھ اور باقی قراء تخفیف کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

احییناها. استیناف بھی ہو سکتا ہے۔ اور ارض کی خبر یا ارض سے حال بھی ہو سکتا ہے اور زمخشریؒ لفظ احیینا اور نسلخ دونوں کو ارض اور لیل کی صفت بنانے کی بھی گنجائش دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ الف لام کی وجہ سے معرفہ معلوم ہوتے ہیں الف لام جنسی تو نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے۔

من ثمره. اصل میں ثمرها ہونا چاہئے تھا۔ لیکن تفسیری عبارت میں مذکور کو مرجع قرار دیا ہے۔

ما عملته. اس ما میں چار احتمال ہیں ایک موصولہ اور عبارت گویا یوں ہے۔ ومن الذی عملته ایدیهم دوسرے نافیہ ای لم یعملوه هم بل الفاعل له هو الله تعالٰی. تیسرے نکرہ موصوفہ ہو اس میں عبارت کی تقدیر موصولہ کی طرح ہوگی۔ چوتھے ما مصدریہ اور مصدر مفعول بہ ہو اور تقدیر عبارت موصولہ یا موصوفہ کی طرح رہے گی۔

افلا یشکرون. فاء طفہ مقدر پر عطف ہو ای لا یذکرون النعمة فلا یشکرون.

الازواج. انواع واصناف مراد ہیں۔

ما لا یعلمون. چنانچہ خشکی اور تری میں ہزارہا مخلوق ایسی ہے جو انسانی معلومات سے باہر ہے۔

نسلخ. روح میں اس کے دو معنی لکھے ہیں ایک بکری کی کھال کھینچنا۔ دوسرے معنی اخراج۔ چنانچہ سلخت الاهاب عن الشاة. سلخت الشاة من الاهاب بولتے ہیں۔

منه. میں من بمعنی عن ہے یعنی رات کے اوپر دن کا پردہ پڑا ہوا تھا اس کو اتار لیا۔ اسی لئے اذا هم مظلمون فرمایا گیا۔ لفظ سلخ میں استعارہ ہے مراد دن کے بعد رات کا ہونا ہے پس نہار سے مراد روشنی ہے مجازاً یا مضاف محذوف ہے۔ اور معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے رات کی جگہ سے اور اس کی اندھیری کے محل یعنی ہوا سے روشنی سلب کر لی اور کھینچ لی۔ اس لئے کہ دن رات نام ہے سورج کا افق سے

اوپر اور نیچے ہوجانا۔ پس ایک دوسرے سے کشف کے معنی کچھ نہیں بنتے۔

فاذاھم. یہاں بظاہر فا مفاجات کے لئے ماننے میں یہ اشکال ہے۔ کہ مفاجات غیر متوقع صورت میں ہوا کرتی ہے اور ظاہر ہے کہ سلخ نہار کے بعد اظلام متوقع ہے۔ جواب یہ ہے کہ دن ختم ہونے کے بعد اس قدر تیز روشنی کا ایک دم اندھیرا ہوجانا غیر متوقع تھا۔ آہستہ آہستہ، بہت دیر میں اندھیرا آتا، مگر آ گیا تھوڑی ہی دیر میں۔ اس لئے اذا مفاجاتیہ لانا صحیح ہوگیا۔

والشمس تجری. تفسیری عبارت میں اشارہ ہے کہ یہ معطوف ہے آیت پر یا مبتداء ہے اور تجری صفت ہے اس صورت میں تفسیری عبارت "او آیة اخری" مبتداء ہوگی جس کی خبر محذوف ہے اور تجری کو بھی خبر بنایا جا سکتا ہے اس صورت میں جملہ معترضہ ہوجائے گا۔

والقمر کذالک کے معنی یہ ہیں کہ سورج کی طرح چاند بھی ایک نشانی ہے۔ لفظ تجری کا ظاہر سورج کی حرکت کو بتلا رہا ہے اور یہ کہ سورج کی حرکت ذاتی ہے حرکت فلک کے تابع نہیں ہے بلکہ مخالف یہ تاویل کر سکتا ہے کہ ظاہر نظر میں سورج حرکت میں ہے۔ رہی زمین کی حرکت تو مشہور یہی ہے کہ سورج کی حرکت کا قائل زمین کی حرکت کا منکر اور زمین کی حرکت کا قائل سورج کی حرکت کا منکر ہے۔ حالانکہ عقلا دونوں کی حرکت ممکن ہے۔

لمستقر. لام بمعنی الی ہے مستقر ظرف زمان ہے جہاں جا کر زمانہ ختم ہوجائے۔ ظاہر ہے دنیا کا منتہی قیامت ہوگا اور بعض کے نزدیک آسمان کا انتہائی بلندی پر عروجی نقطہ جو موسم گرما میں نقطہ انقلاب صیفی سرطان کہلاتا ہے اسی طرح انتہائی نقطہ ہوطی موسم سرما میں اول جدی ہوتا ہے۔ اس دوسرے تیسرے قول پر مستقر ظرف مکان ہوگا۔ چنانچہ بخاریؒ کی روایت میں آنحضرت ﷺ نے مستقر شمس تحت العرش فرمایا ہے اور یہ کہ سورج وہاں حاضر ہوکر سجدہ ریز ہوتا ہے۔

اس روایت کے سلسلہ میں صاحب جامع البیان کی رائے یہ ہے کہ عرش چونکہ کرہ محیط ہے اس لئے اس کی تحتیت مخصوص مکان کے لحاظ سے ہوگی اور بعض روایات کے ظاہر کی رو سے عرش ایک قبہ ہے جسے فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔ اس اعتبار سے وقت ظہر قرب عرش ہوگا اور نصف شب بعد عرش ہوگا۔ اس لئے آدھی رات سورج طلوع کی اجازت چاہتے ہوئے سجدہ ریز ہوتا ہوگا۔

والقمر اس میں اختلاف ہے کہ ہر مہینہ نیا چاند نکلتا ہے جیسا کہ رملی شافعی کی رائے ہے یا ایک ہی چاند ہے جو ہمیشہ ماہانہ نکلتا ہے۔ جیسا کہ اکثر روایات اور حکماء کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے۔ لفظ قمر ابو عمروؒ، ابن کثیرؒ، نافعؒ کی قرأت پر مرفوع اور باقی قراء کے نزدیک منصوب ہے۔ مابعد اس کی تفسیر کر رہا ہے اور چونکہ نفس قمر کی تقدیر مقصود نہیں۔ اس لئے منازل مضاف مقدر مانا جائے گا۔ ای قدرنا منازله اور بعض نے منصوب علی الظرفیہ مانا ہے اور بعض نے حذف وایصال کے اعتبار سے تقدیر اس طرح مانی ہے قدرنا له منازل یہ بارہ برج ہیں جن کے لئے ۲۸ منزلیں ہیں۔ قاضی بیضاویؒ نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔ ینزل القمر کل لیلة فی واحد منها

لا الشمس سورج کی سلطنت اور تسلط دن میں اور چاند کا رات میں ہے۔ سورج کا دائرہ ہے کہ بڑا ہے اس لئے اس کا دورہ بھی بڑا ہے کہ سال بھر میں پورا ہوتا ہے اور چاند کا مدار چھوٹا ہے اس کی رفتار تیز معلوم ہوتی ہے۔ اس کا دورہ ماہانہ مکمل ہوجاتا ہے۔ اس سے لا الشمس ینبغی لها ان تدرك القمر فرمایا۔ لیکن لا القمر ان تدرك الشمس نہیں فرمایا۔ کیونکہ چاند بعض دفعہ سورج کو پالیتا ہے۔ مگر کسی کا دوسرے پر تسلط نہیں ہے ورنہ نظام عالم درہم برہم ہوجائے۔

کل فی فلك. اس جملہ میں صفت قلب پائی جاتی ہے۔ سیدھا الٹا دونوں طرف سے یہی جملہ رہتا ہے۔ بعض نے فلک سے

مراد فلک اطلس لیا ہے جس کو فلک الافلاک کہتے ہیں۔ اسی کی حرکت سے نجوم متحرک ہوتے ہیں۔ حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں ابن حزم اور ابن جوزی سے اس پر اجماع نقل کرتے ہیں کہ آسمان کروی ہے اور حرکت مستدیر رکھتا ہے اور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فلکہ. فلكة المغزل کی طرح ہے اور اہل نجوم لفظ یسبحون سے چاند سورج ستاروں کے جاندار ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ لفظ ذی روح اور ذی عقل ہی پر بولا جاتا ہے۔ مگر امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اہل نجوم کی اس سے مراد اگر یہ ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ کی تسبیح خواں ہیں تب تو صحیح ہے وان من شئ الا یسبح کی رو سے۔ لیکن اگر ان کی مراد کچھ اور ہے تو وہ محتاج ثبوت ہے۔ رہا اس لفظ کا استعمال سو اس سے استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ اس طرح کا استعمال تو قرآن میں بتوں کے لئے بھی ہوا ہے جیسے الا تاکلون یمالکم لاتنطقون۔

علامہ نسفیؒ یہی فرماتے ہیں کہ سیاحت اور سبقت اور ادراک، اسی طرح واو نون کے ساتھ جمع لانا یہ سب صفات عقلاء ہیں جو ان ستاروں کے لئے ثابت کی گئی ہیں اگرچہ ان کو اختیاری افعال نہیں ہے۔

ذریتھم. لفظ ذریت مشترک ہے ضدین کے لئے اصول وفروع دونوں کے لئے یہاں بھی دونوں معنی ہو سکتے ہیں اور فی الفلک سے خاص کشتی نوح مراد ہے یا مطلق کشتی اور جہاز؟ دونوں احتمال ہیں۔ ارضی آیات چونکہ زیادہ نظر آتی ہیں۔ اس لئے ان ہی سے ابتداء ہوئی اور انہی پر اختتام ہوا۔

الصریخ. بمعنی فریادرس۔

الذین کفروا سے مکہ کے دہریئے مراد ہیں جو خدا کے منکر ہیں۔ ابن عباسؓ سے بھی ایسے ہی مروی ہے۔

انطعم انفقوا کے جواب میں اننفق کہنا چاہئے تھا لیکن ممکن ہے انفق سے مراد اطعام ہی ہو یا نطعم بمعنی نعطی لیا جائے یا اطعام کی ممانعت سے غیر طعام کی ممانعت پر بدرجہ اولیٰ دلالت کرنے کے لئے یہ لفظ لایا گیا ہے۔

من لویشاء الله. یہ انطعم کا مفعول ہے اور اطعمه لو کا جواب ہے۔

فی معتقد کم. مفسر علامؒ نے یہ قید اس لئے لگائی کہ بقول ابن عباسؓ اس سے مراد فرقہ معتزلہ ہے جو خدا کے وجود اور اس کی صفت اطعام کا منکر ہے۔ لیکن اگر اس سے قریش مراد ہوں تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ خدا جب باوجود قدرت کے اپنی مشیت اور مصلحت سے کسی کو رزق نہیں دیتا، تو ہم بھی اس کی موافقت کرتے ہوئے نہیں دیں گے۔

ان انتم. یہ اللہ کا ارشاد ہے یا مومنین کا مقولہ ہے اور یا منجملہ قول کفار کے ہے مسلمانوں کو جواب دیتے ہوئے۔

والتصریح. بکفرھم سے مفسر علامؒ یہ بتلا رہے ہیں کہ قال الذین کفروا میں کفر کی تصریح کر کے اشارہ مکہ کے دہریوں کی طرف ہے جو مشرکین سے بڑھ کر ہیں۔

یخصمون فتح خاء اور تشدید کے ساتھ ابن کثیرؒ، ورشؒ، ہشامؒ وغیرہ اکثر قراء کے نزدیک ہے اور ان کے علاوہ دوسرے قراء کے نزدیک علاوہ حمزہ کے کسر خاء کے ساتھ ہے، یخصمون دراصل یختصمون تھا۔ تا ساکن کر کے صاد سے تبدیل کر دیا اور پھر ادغام کر دیا اور کسرہ خاء التقاء ساکنین کی وجہ سے ہوا۔

ربط آیات: پچھلی آیات میں رسالت سے متعلق مضمون تھا۔ جس کے ذیل میں توحید بھی مفہوم ہو رہی تھی۔ آئندہ آیت میں بالقصد توحید کو ایسے دلائل کے ساتھ ذکر کیا جا رہا ہے۔ جن میں انعامات الٰہی اور احسانات خداوندی بھی ضمناً واضح ہو رہے ہیں اس لحاظ سے شرک کی برائی دوگونہ ہوگئی۔ اور آخر میں ذکر فلک کی مناسبت سے اشارہ ایک وعید کی طرف بھی کر دیا گیا ہے اور پھر اس وعید میں

بھی قدرت شرکاء کی نفی کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔

تشریح: **دوبارہ زندگی کی مثال:** مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو منکرین کبھی گلے سے نیچے اتارنے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے۔قرآن اسی حقیقت کو مردہ زمین کی مثال سے سمجھ رہا ہے۔ارشاد ہے وایة لهم الارض الميتة کہ اس کو یوں سمجھو کہ زمین خشک اور مردہ پڑی ہوتی ہے۔مگر دیکھتے ہی دیکھتے اللہ اس میں زندگی کی لہر دوڑا دیتا ہے وہ لہلہا اٹھتی ہے کہ ہر طرف سبزہ اور فرش مخملی نظر آنے لگتا ہے۔پھل پھلاری اور میووں سے وہی زمین لد جاتی ہے۔اسی طرح جان لو کہ مردہ جسموں میں بھی زندگی پھونک دی جائے گی۔خدا کی اس نشانی میں جس قدر غور کرو گے مرنے کے بعد کی زندگی اتنی ہی ذہن نشین ہو جائے گی۔

پچھلی آیت میں ترہیبی انداز سے توحید کا بیان تھا۔ان آیت میں ترغیب کا پہلو نمایاں کیا جا رہا ہے کہ خدا کی نعمتوں سے لدی ہوئی اس زمین پر تم ہمہ قسم کی نعمتوں سے مستفید ہو رہے ہو۔پس کیوں نہیں تم میں شکر گزاری کے جذبات ابھرتے۔

کیا مردہ دل قوم زندہ دل نہیں بن سکتی ہے: ماعملته ایدیهم میں ابن مسعودؓ اور عموماً سلف نے ما کو موصولہ لیا ہے۔لیکن اکثر متاخرین مـــا نافیہ مراد لیتے ہیں۔زمین تخم ریزی اور آب پاشی وغیرہ اگرچہ انسانی ہاتھوں سے عمل میں آتی ہے۔مگر درختوں،سبزیوں،پھلوں اور غلوں کو ان کی صورت نوعیہ عطا کرنا یقیناً دست قدرت کا عمل ہے اور خدائی نعمتوں کی شکر گزاری دراصل توحید کا پہلا زینہ ہے۔

آیات ارضی اور آیات نفسی سے استدلال توحید: بعض آفاقی ارضی نشانیوں سے استدلال کے بعد آیت سبحن الذی الخ سے عام استدلال کیا جا رہا ہے خواہ وہ ارضی آیات ہوں یا نفسی۔چنانچہ زمینی نباتات اور انسانوں میں اور دوسری مخلوق میں جن کی انہیں پوری خبر بھی نہیں جوڑے بنائے ہیں۔جن میں سے بعض متماثل ہیں۔مثلاً ایک ہی رنگ اور ایک ہی مزہ کے پھل اور ایک ہی شکل وصورت کے جانور اور بعض متقابل ہیں۔جیسے مرد وعورت،نر و مادہ،کھٹا میٹھا،سیاہ سفید،رات،دن،اندھیرا اجالا اس تقابل سے بڑھ کر بھی اگر کچھ اختلاف ہو۔بشرطیکہ وہ مقولات عشرہ میں سے کسی نہ کسی مقولہ کے نیچے آتا ہو۔خواہ بلا واسطہ ہو جیسے جزئیات اور اجناس سافلہ یا بواسطہ جزئیات کے ہو جیسے اجناس عالیہ کہ ان کی جزئیات کسی نہ کسی مقولہ میں ضرور داخل ہیں۔بہر حال مخلوق میں کوئی مخلوق بھی ایسی نہیں جس کا مماثل یا مقابل نہ ہو۔

یہ صرف خدا ہی کی ذات پاک ہے جس کا نہ کوئی مقابل ہے اور نہ مماثل کیونکہ مقابلہ اور مماثلت ان چیزوں میں ہو سکتی ہے جو کسی درجہ میں اشتراک رکھتی ہوں۔خالق ومخلوق میں کیا اشتراک؟ کیونکہ مقولات عشرہ میں سے جو کہ اجناس عالیہ ہیں کوئی بھی مقولہ یا جنس اللہ پر صادق نہیں آتی۔بلکہ کسی موجود کے ساتھ بھی کسی ذاتی میں اس کی شرکت نہیں۔

غرض کہ سب ازواج مخلوق اور وہ ان سب کا خالق ہے۔پس آیت ومن کل شئ خلقنا زوجین کا مفہوم بھی اس تقریر سے واضح ہو گیا۔آگے بعض آیات سماویہ آفاقیہ اور ان کے بعض آثار سے استدلال ہے۔

آیات سماویہ آفاقیہ بعض آثار سے توحید پر استدلال: رات کو اس لحاظ سے نشانی کہا جا رہا ہے کہ جس طرح بکری کی کھال اتار دینے سے مضغہ گوشت نمایاں ہو جاتا ہے۔اسی طرح رات کی اندھیری پر سے اگر دن کی چادر اتر جائے تو ہر طرف اندھیرا چھا جاتا ہے سورج آ کر پھر اجالا کر دیتا ہے۔اس تشریح میں ظلمت کو اصل مانا گیا ہے کہ اجرام نیرہ (چاند،سورج،ستارے) ظاہر

ہے کہ سب حادث ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو ان کا نور بھی نہ ہوتا۔ دن رات کے ان تقلبات سے یہ کھل جاتا ہے کہ اس عالم کو بھی وجود کی چادر اتار کر پھر پہنادی جائے گی اور فنا کے بعد پھر یہ وجود پذیر ہوگا۔

نیز اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جو ذات قدیر رات کو دن میں تبدیل کر سکتی ہے وہ کفر کی جہالت کی اندھیری کو آفتاب رسالت کے ذریعہ دور کر کے رہے گی۔

چاند کا روزانہ نقطہ افقیہ اور سورج کے سالانہ دورہ کا نقطہ افقیہ: .. لیکن ہر کام کا ایک مقررہ نظام ہے۔ وہ اسی کے مطابق ظہور پذیر ہوگا۔ سورج کی چال نقطہ افقیہ پر رات دن اس کی یومیہ گردش میں اور اسی طرح سال بھر کے چکر میں جہاں جہاں جس وقت اسے سالانہ دورہ کر کے نقطہ افقیہ پر پہنچنا ہے وہ پہنچ کر رہتا ہے، مقررہ رفتار اور مقدار سے ایک انچ یا ایک سیکنڈ ادھر ادھر نہیں ہوسکتا۔ کسی دم قرار نہیں۔ حتیٰ کہ ایک وقت آئے گا کہ اس پروگرام میں تبدیلی ہوگی، اسے حکم ہوگا کہ وہ طلوع وغروب کی سمت بدل دے۔ یہی وقت ہوگا کہ توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ پھر نہ ایمان لانا معتبر ہوگا اور نہ توبہ قبول ہوگی۔

اس آیت کی تفسیر میں ایک حدیث بھی ہے کہ سورج کا مستقر عرش ہے کہ روزانہ سورج سجدہ ریز ہو کر طلوع کی اجازت چاہتا ہے اور تاقرب قیامت یہی سلسلہ رہے گا۔ پھر طلوع وغروب کے نظام میں تبدیلی کا حکم ہوگا جو انقلاب عظیم یعنی قیامت کی طرف گویا اشارہ ہوگا۔ اس موقعہ پر چند تحقیقات پیش نظر رہنی چاہئیں۔

۱۔ مستقر کے تحت العرش ہونے میں دونوں افقی نقطے اور دونوں حرکتیں یعنی روزانہ اور سالانہ دورے بھی داخل ہیں رہا یہ شبہ کہ پھر تو مستقر تمام آسمانوں کے نیچے ہی ہونا چاہئے۔ نیز یہ نقطے بھی عام ہونے چاہئیں۔ پھر عرش کے ساتھ تخصیص کی کیا وجہ؟

جواب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ تخصیص ہی مقصود ہو بلکہ ممکن ہے یہ قید صرف واقعہ کا اظہار ہو اور مقصد اصلی سورج کے سجدہ کرنے کی اطلاع دینا ہو اور اس تعبیر کا فائدہ سورج کا امر الٰہی کے ماتحت ہونے کی تصریح کرنا ہو۔ کیونکہ بہت سی آیات میں استواء عرش کو احکام کے نفاذ تصرفات سے کنایہ کیا گیا ہے۔

روزانہ سورج کے سجدہ کرنے سے کیا مراد ہے: ..۲۔ چونکہ تمام مخلوقات میں من وجہ شعور مانا گیا ہے۔ جیسا کہ آیات وروایات سے واضح ہے۔ پس ممکن ہے کہ سورج بھی اسی شعور کی وجہ سے بارگاہ الٰہی میں خشوع وخضوع سے عرض ومعروض کرتا ہو اسی کو حدیث میں سجدہ سے تعبیر کر دیا گیا اور سب سے عمدہ اور آسان بات یہ ہے کہ سورج کی روح کو سجدہ ریز کہا جائے۔

۳۔ بظاہر سجدہ کے وقت سورج ساکن ہونا چاہئے۔ حالانکہ دلائل رصدیہ سے سورج کی مسلسل دائمی حرکت ثابت ہے　جواب یہ ہے کہ سجدہ کرنے کی جو توجیہات ابھی کی گئی ہیں ان کے لئے اول تو سکون ہونا ضروری نہیں بحالت حرکت بھی یہ سجدہ ہوسکتا ہے۔ دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ سکون تو آنی ہو اور حرکت زمانی ہو۔ اس لئے اس سجدہ سے نہ حساب رصدی میں فرق پڑتا ہے اور نہ یہ سکون خفی ہونے کی وجہ سے آلات رصدیہ سے محسوس ہوسکتا ہے۔

۴۔ چونکہ سورج کا غروب حقیقی کبھی نہیں ہوتا بلکہ غروب اضافی ہوتا ہے۔ یعنی ایک جگہ طلوع ہے تو دوسری جگہ غروب ہے پھر اس حدیث کے کیا معنی ہوئے؟

جواب یہ ہے کہ ممکن ہے معظم معمورہ یعنی دنیا کی اکثر آبادی کا غروب مراد ہو۔ یا خط استواء کا غروب مراد ہو جو آفتاب کی حرکت اعتدالی کا محل ہوتا ہے یا پھر خاص مدینہ منورہ کا غروب مراد ہو جو مقام وحی ہے۔ غرض کہ یہ مخبر صادق کا فرمان ہے جس میں کوئی عقلی

اشکال بھی نہیں اس لئے اس پر ایمان واجب اور اس کو ماننا ضروری ہے۔ یہ نہیں کہ خواہ مخواہ خیالی موشگافیاں نکال کر اس کا رد کیا جائے۔

چاند کا گھٹنا بڑھنا بھی نشان قدرت ہے: سورج کی طرح چاند بھی ایک نشانی ہے۔ مگر وہ سورج کی طرح ہمیشہ یکساں نہیں رہتا۔ بلکہ روزانہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ اللہ نے اس کے لئے ۲۸ منزلیں مقرر فرمادی ہیں جنہیں وہ ایک مقررہ نظام کے تحت طے کرتا ہے۔ پہلی آیت میں سورج کا ذکر تھا۔ جس سے فصل اور سال بنتے ہیں۔ اس آیت میں چاند کا تذکرہ ہے جس کی رفتار سے قمری مہینوں کا حساب وابستہ ہے۔ مہینہ کے آخر میں جب چاند سورج ملتے ہیں تو چاند چھپ جاتا ہے۔ پھر جب وہ آگے بڑھ جاتا ہے تب نظر آتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ چودھویں کو پورا ہو جاتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ گھٹنے لگتا ہے۔ حتیٰ کہ اسی پہلی حالت پر آ پہنچتا ہے اور کھجوری پرانی ٹہنی کی طرح دبلا پتلا خمدار ہو کر بے رونق سا ہو کر رہ جاتا ہے کھجوری شاخ سے تشبیہ پتلی اور خمدار ہونے میں ہے اور ممکن ہے رنگت کی زردی میں بھی تشبیہ دی گئی ہو۔

چاند سورج کی حدود سلطنت الگ الگ ہیں: سورج کی سلطنت دن میں ہے۔ تو چاند کی رات میں ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ سورج چاند کو آ دبائے اور دن آگے بڑھ کر رات کا کچھ حصہ اڑا لے یا دن کے ختم ہونے سے پہلے رات سبقت کر کے آ جائے جس جہاں جو انداز مقرر کر دیا ان کروں کی یہ مجال نہیں کہ ایک سیکنڈ آگے پیچھے ہو سکیں۔ ہر ایک سیارہ اپنے اپنے مدار میں بر بر چکر کاٹ رہا ہے۔ بال برابر ادھر ادھر نہیں ہو سکتا اور اس قدر تیز رفتاری کے باوجود اور اتنی کھلی ہوئی فضا ہوتے ہوئے نہ ہی ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے اور نہ اپنی مقررہ رفتار سے تیز یا سست ہوتا ہے۔

کیا یہ اس بات کا واضح نشان نہیں کہ یہ سب عظیم الشان مشینیں اور اس کے تمام پرزے کسی ایک زبردست مدبر و دانا ہستی کے قبضہ اقتدار میں اپنا اپنا کام کر رہے ہیں۔ پھر جو ذات چاند، سورج اور دن رات کی ادلی بدلی کرتی ہے۔ وہ تمہارے فنا کرنے اور پھر دوبارہ پیدا کرنے سے کیا عاجز ہوگی۔ (فوائد عثمانی)

چاند سورج اور موجودہ سائنس: اخیر مہینہ میں چاند سورج کا جو ملاپ ہوتا ہے اس میں چاند تو سورج کو پکڑتا ہے مگر سورج، چاند کو نہیں پکڑتا۔ اسی لئے لا الشمس ینبغی الخ فرمایا گیا لا القمر ینبغی نہیں کہا گیا۔

موجودہ سائنسی تھیوری یہ ہے کہ چاند بھی بہت سے ہیں اور سورج کی بھی نسل ہے اور متعدد سورج ہیں واللہ اعلم۔ اس صورت میں الشمس اور القمر کو اسم جنسی ماننا پڑے گا کہ تعدد شمس وقمر کی رو سے آیت میں اشکال نہ رہے۔ رہی شافعی کا قول ابھی گزر چکا ہے۔ نیز چاند سورج کا شخص فلک یعنی آسمان کے دل میں ہو کر تیرنا ضروری نہیں۔ جیسا کہ "فی فلک" کے ظاہر سے مفہوم ہوتا ہے اور قدیم حکمائے یونان اور فلاسفہ کے ایک نظریہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ بلکہ فلک سے مراد ان سب کے مدار ہیں۔ نیز چاند سورج ستارے سب فضا میں گردش کرتے ہیں۔ آسمان دنیا یا چوتھے آسمان پر نہیں گھومتے۔ جیسا کہ قدیم فلسفہ یونان کا ایک نظریہ یہ بھی ہے۔ چنانچہ راکٹوں کے ذریعہ چاند، سورج، سیاروں میں جانا آنا رہنا سہنا ناممکن نہیں ہے۔ بلکہ اب تو عام بات ہوگئی ہے۔

طوفان نوح کے وقت نسل انسانی کو اس بھری ہوئی کشتی پر پار کرانا بھی ایک نشانی ہے جو نوح نے الٰہی نگرانی میں بنائی تھی۔ اگر کشتی کے ذریعہ نہ بچے انسانوں کو نہ بچایا جاتا۔ تو انسان کی نسل ہی نہ چلتی۔ اسی لئے حضرت نوح گویا آدم ثانی ہوئے۔ پھر اس کے بعد بھی اسی نمونہ کی دوسری کشتیاں اور جہاز قدرت نے انسان کے لئے ایجاد کرا دیئے۔ جن پر ساز وسامان کے ساتھ انسان لدا پھرتا ہے۔

کشتی اور جہاز تین وجوہ سے نعمت الٰہی ہیں:.... اس طرح کی اور سواریاں بھی انسان کی خاطر پیدا کر دیں۔ چنانچہ خشکی میں اونٹ جیسا بے تکان جانور پیدا کر دیا جسے عرب میں سفائن البر والسراب بحر رہا کہا جاتا ہے۔ ان کشتیوں کا نعمت ہونا تین وجوہ سے ہے اول یہ کہ ایک طرف تو کشتی بھری ہوئی ہے اور ادھر پانی ہے۔ پس بوجھل ہونے کی وجہ سے ڈوب جانی چاہئے تھی۔ مگر پانی کی سطح پر اللہ نے رواں دواں کر دیا۔ دوسرے ان بچے ہوئے انسانوں کی پھر نسل چلا دینا۔ تیسرے سمندری تجارتی سفر اور شکاری کشتیوں سے مچھلیاں پکڑ کے روزی رزق دینا جس سے خود تو گھر بیٹھے رہیں اور اولاد کاروبار کرے۔ خوفناک سمندروں میں جہاں بڑے بڑے پہاڑوں کی کوئی حقیقت نہیں۔ ایک بڑے سے بڑا جہاز محض ایک تنکا کی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر اس لاغر اور کمزور انسان کو دیکھو بڑے بڑے سمندروں کو عبور کر لیتا ہے۔ اگر قدرت اسے غرق کرنے لگے تو کون ہے جو بچا سکے۔ مگر نادان انسان پھر بھی قدر نعمت نہیں کرتا۔

واذا قیل الخ یعنی جب انسان کو نصیحت کی جاتی ہے کہ قیامت کی سزا اور اپنے کرتوتوں کی پاداش سے بچنے کی فکر کر۔ تو نصیحت پر ذرا کان نہیں دھرتا۔ بلکہ ہمیشہ خدائی احکام وقوانین کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

کفار کی حماقت کا نمونہ: واذا قیل لھم انفقوا یعنی انکی سرتابی اور بدبختی تو یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ کہ فقیروں محتاجوں، مسکینوں پر خرچ کرنا خود ان کے نزدیک بھی انسانیت کے بہترین کام ہیں۔ مگر برا ہو اس بدعقلی کا کہ محض پیغمبر کی ضد اور مسلمانوں کی مخالفت نے ان کو اتنا اندھا کر دیا ہے کہ اپنی مسلمہ بات کو بھی نہایت بھونڈے طریقے اور پھبتی کے انداز میں اڑا دیتے ہیں۔ جب وہی بات مسلمان ان سے کہتے ہیں تو یہ کہہ کر انکار کر دیتے ہیں کہ جنہیں اللہ نے کھانے کو نہیں دیا انہیں ہم کیوں کھانے کو دیں۔ بھلا ہم اللہ کے خلاف کیسے کریں؟ جب اس کا منشاء ہے کہ ہم امیر اور مسلمان غریب محتاج رہیں تو پھر محتاج کر دینا اللہ کی مزاحمت کرنا ہے۔

کیا ٹھکانہ ہے اس بلادت اور سفاہت کا۔ کیا خدا کسی کو کچھ دینا چاہے تو اس کی بس یہی ایک صورت ہے کہ اس کے ہاتھ پر رزق رکھ دے، اسباب ووسائل کے ذریعہ دلانا بھی اگر اسی کا دلانا ہے تو پھر یہ فیصلہ کیسے کر لیا کہ اللہ انہیں روٹی دینا نہیں چاہتا۔ انہوں نے یہ کیوں نہ خیال کر لیا کہ وہ اغنیاء کا امتحان لینے کے لئے ان کو محتاجوں کی خبر گیری کا ذمہ دار قرار دے رہا ہے۔ پس جو اس امتحان میں ناکام ہوگا اسے اپنی شقاوت وبدنصیبی پر رونا چاہئے۔

کافروں سے خرچ مانگنے کا مطلب: مسلمانوں کا کافروں سے انفقوا کہنا حکم شرعی کے طور پر نہیں تھا۔ کیونکہ کفار اول تو احکام جزئیہ فرعیہ کے مکلف نہیں اور ہوں بھی تو بغیر ایمان ان کے اعمال فرعیہ مقبول نہیں ہیں۔ بلکہ مسلمان غرباء کی طرف سے اگر جملہ کہا گیا ہے تو حاجت اور شدید ضرورت کے وقت بطور سوال کے تھا جو جائز ہے اور بغیر حاجت اور سوال کے بھی اگر تھا تو محض سفارش پر محمول ہوگا اور سوال اور سفارش دونوں ظاہر ہے۔ کہ کسی کے کفر کی حالت میں بھی کی جاسکتی ہے۔

نیز کفار کا جواب بھی محض شرارۃ تھا۔ جس کا مقصد مسلمانوں پر الزام واعتراض تھا کہ تم جب اللہ کو مانتے ہو پھر ہم سے سوال یا سفارش کیوں کرتے ہو۔ اللہ رازق ہے تو اسی سے مانگو ہم سے کیوں مانگتے ہو۔

ایک شبہ کا ازالہ: اب یہ شبہ کرنا کہ کفار کا یہ کہنا تو فی نفسہ صحیح تھا۔ کہ ''خدا جس کو چاہے کھانے کو دے'' درست نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا مقصد تو محض مسلمانوں کو چپ کرانا بلکہ ان پر اعتراض والزام تھا۔ حالانکہ اعتقاد مشیت رکھتے ہوئے بھی انفاق کا حکم دیا جاسکتا ہے۔ ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ جس شخص کی عادت بھلائی میں خرچ کرنے کی ہوتی ہے اس کے لئے ذرا سا محرک بھی

کافی ہوجاتا ہے۔ وہ مانگنے والے کی خصوصیت کونہیں دیکھتا۔ کوئی بھی سوال کرے وہ بخشش کے لئے تیار ہوجاتا ہے۔ لیکن کفار نے مانگنے والے مسلمانوں کی خصوصیت پر جب نظر کی اور ان سے دشمنی ان کے لئے بخشش میں رکاوٹ بنی تو کفار کے اس اعتراض سے نعمتوں کی تذکیر اور ترغیب کا انفاق میں مؤثر نہ ہونا ثابت ہوگیا۔

اور واقعہ یہ ہے کہ کفار کا یہ اعتراض ہی مہمل ہے جیسا کہ ابھی گزر چکا۔ انسان کا کسی دوسرے کو کچھ دے دینا یہ اللہ کے دینے کے خلاف نہیں۔ بلکہ بندوں کا ایک دوسرے کو دینا یہ بالواسطہ اللہ ہی کا دینا ہے۔ چنانچہ کفار کے اعتراض سے پہلے رزقکم اللہ اسی جواب کی طرف اشارہ ہے۔

پھر یہ اعتراض تو خود کفار پر بھی پڑتا ہے کہ جب وہ اللہ کی رزاقیت کو تسلیم کرتے ہیں تو پھر اپنے دینے کو اس کے خلاف کیوں سمجھتے ہیں۔ اور بعض سلف نے ان آیات کو زندیقوں کے حق میں کہا ہے۔ اس صورت میں یہ مقولہ بطور تمسخر نہیں ہوگا۔ بلکہ بطور حقیقت ہوگا۔

کفار کی بہکی بہکی باتیں: ...... ان انتم الا فی ضلل مبین. یہ جملہ ظاہر یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا کفار کے متعلق ارشاد ہے کہ دیکھو یہ کیسی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔ نیک کام کا موقعہ آیا تو تقدیر کا حوالہ دے دیا اور جان بچالی۔ اور اپنے مطلب کی بات ہوئی تو حرص وطمع اور لالچ کا شکار رہے۔ لیکن یہ جملہ اگر کفار کا مقولہ بنایا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اے مسلمانو! تم صریح گمراہی میں پڑے ہو۔ جو ایسے لوگوں کو پیٹ بھرنا چاہتے ہو جن کا خدا پیٹ بھرنا نہیں چاہتا۔

ویقولون الخ یہ بھی کفار کا مقولہ بطور استہزاء ہے۔

ماینظرون یعنی قیامت ایسی اچانک آئے گی۔ کہ یہ کچھ بھی نہ کرسکیں گے۔ علامات قیامت کا سلسلہ اگرچہ بہت پہلے سے چل رہا ہوگا۔ اور اس معنی کر اس کو اچانک نہیں کہا جاسکتا۔ مگر منکرین کے حق میں تو وہ اچانک ہی ہوگی۔ کیونکہ وہ ہر علامت کا انکار کرتے رہے ہیں۔

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ هُوَ قَرْنٌ النَّفْخَةِ الثَّانِيَةِ لِلْبَعْثِ وَبَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ اَرْبَعُوْنَ سَنَةً **فَاِذَا هُمْ** اَلْمَقْبُوْرُوْنَ **مِّنَ الْاَجْدَاثِ** الْقُبُوْرِ **اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ** ﴿۵۱﴾ يَخْرُجُوْنَ بِسُرْعَةٍ **قَالُوْا** اَيِ الْكُفَّارُ مِنْهُمْ **يَا** لِلتَّنْبِيْهِ **وَيْلَنَا** هَلَاكَنَا وَهُوَ مَصْدَرٌ لَافِعْلَ لَهٗ مِنْ لَفْظِهٖ **مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا** سکتہ لِاَنَّهُمْ كَانُوْا بَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ نَائِمِيْنَ لَمْ يُعَذَّبُوْا **هٰذَا** اَيِ الْبَعْثُ **مَا** اَيِ الَّذِيْ **وَعَدَ** بِهٖ **الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ** فِيْهِ **الْمُرْسَلُوْنَ** ﴿۵۲﴾ اَقَرُّوْا حِيْنَ لَا يَنْفَعُهُمُ الْاِقْرَارُ وَقِيْلَ يُقَالُ لَهُمْ ذٰلِكَ **اِنْ** مَا **كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا** عِنْدَنَا **مُحْضَرُوْنَ** ﴿۵۳﴾ **فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا** جَزَاءَ **مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ** ﴿۵۴﴾ **اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِیْ شُغُلٍ** بِسُكُوْنِ الْغَيْنِ وَضَمِّهَا عَمَّا فِيْهِ اَهْلُ النَّارِ مِمَّا يَلْتَذُّوْنَ بِهٖ كَافْتِضَاضِ الْاَبْكَارِ لَاشُغُلٌ يَتْعَبُوْنَ فِيْهِ لِاَنَّ الْجَنَّةَ لَانَصَبَ فِيْهَا **فٰكِهُوْنَ** ﴿۵۵﴾ نَاعِمُوْنَ خَبَرٌ ثَانٍ لِاَنَّ وَالْاَوَّلُ فِیْ

شُغلٍ **هُمْ** مُبتدأٌ **وَاَزْوَاجُهُمْ فِیْ ظِلٰلٍ** جَمعُ ظُلَّةٍ اَوْ ظِلٍّ خبرٌ اَیْ لَا تُصِیبُهُمُ الشَّمسُ **عَلَی الْاَرَآئِکِ** جَمعُ اَرِیکَةٍ وَهِیَ السَّرِیرُ فِی الْحَجَلَةِ اَوِ الْفُرشِ فِیهَا **مُتَّکِئُوْنَ** ﴿۵۶﴾ خبرٌ ثَانٍ مُتَعَلِّقٌ عَلٰی **لَهُمْ فِیْهَا فَاکِهَةٌ وَّلَهُمْ** فِیْهَا **مَّا یَدَّعُوْنَ** ﴿۵۷﴾ یَتَمَنَّوْنَ **سَلٰمٌ** مُبتدأٌ **قَوْلًا** اَیْ بِالْقَوْلِ خَبَرُهٗ **مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ** ﴿۵۸﴾ بِهِمْ اَیْ یَقُولُ لَهُمْ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ وَ یَقُولُ **امْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ** ﴿۵۹﴾ اَیْ اِنْفَرِدُوْا عَنِ الْمُؤْمِنِینَ عِنْدَ اخْتِلَاطِهِمْ بِهِمْ **اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْکُمْ** اٰمُرُکُمْ **یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ** عَلٰی لِسَانِ رُسُلِی **اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ** لَا تُطِیعُوهُ **اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ** ﴿۶۰﴾ بَیِّنُ الْعَدَاوَةِ **وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ** وَحِّدُوْنِیْ وَاَطِیعُوْنِیْ **هٰذَا صِرَاطٌ** طَرِیقٌ **مُّسْتَقِیْمٌ** ﴿۶۱﴾ **وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْکُمْ جِبِلًّا** خَلْقًا جَمعُ جِبِیلٍ کَقَدِیمٍ وَفِی قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الْبَاءِ **کَثِیْرًا اَفَلَمْ تَکُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ** ﴿۶۲﴾ عَدَاوَتَهٗ وَاِضْلَالَهٗ اَوْ مَا حَلَّ بِهِمْ مِنَ الْعَذَابِ فَتُؤْمِنُوْنَ وَیُقَالُ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ **هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ** ﴿۶۳﴾ بِهَا **اِصْلَوْهَا الْیَوْمَ بِمَا کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ** ﴿۶۴﴾ **اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ** اَیِ الْکُفَّارِ لِقَوْلِهِمْ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ **وَتُکَلِّمُنَآ اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ** وَغَیْرُهَا **بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ** ﴿۶۵﴾ فَکُلُّ عُضْوٍ یَنْطِقُ بِمَا صَدَرَ مِنْهُ **وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓی اَعْیُنِهِمْ** لَاَعْمَیْنَاهَا طَمْسًا **فَاسْتَبَقُوا** ابْتَدَرُوْا **الصِّرَاطَ** الطَّرِیقَ ذَاهِبِینَ کَعَادَتِهِمْ **فَاَنّٰی** فَکَیْفَ **یُبْصِرُوْنَ** ﴿۶۶﴾ حِینَئِذٍ اَیْ لَا یُبْصِرُوْنَ **وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ** قِرَدَةً وَخَنَازِیرَ اَوْ حِجَارَةً **عَلٰی مَکَانَتِهِمْ** وَفِی قِرَاءَةٍ مَکَانَاتِهِمْ جَمعُ مَکَانَةٍ بِمَعْنٰی مَکَانٍ اَیْ فِی مَنَازِلِهِمْ **فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِیًّا وَّلَا یَرْجِعُوْنَ** ﴿۶۷﴾ اَیْ لَمْ یَقْدِرُوْا عَلٰی ذِهَابٍ وَّلَا مَجِیءٍ

ترجمہ: اور صور پھونکا جائے گا (قیامت کے لئے دوسری مرتبہ صور پھونکنا مراد ہے اور دونوں مرتبہ صور پھونکنے کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا) سو وہ (قبروں کے مردے) یکا یک بوسیدہ (قبروں سے) اپنے پروردگار کی طرف لپکتے ہوں گے (بڑی تیزی کے ساتھ قبروں سے نکل پڑیں گے) کہیں گے (کافر مردے) کہ ہائے (یا تنبیہ کے لئے ہے) ہماری کمبختی (تباہی۔ ویل مصدر ہے ان الفاظ میں اس کا فعل نہیں آتا) ہمیں قبروں سے کس نے اٹھا دیا (کیونکہ دونوں فحتوں کے درمیانی وقفہ میں یہ بلا عذاب سو رہے تھے) یہ (قیامت کا اٹھنا) وہی ہے (ما بمعنی الذی) جس کا رحمٰن نے وعدہ فرمایا تھا اور پیغمبر سچ کہہ کرتے تھے (یہ اقرار اس وقت کریں گے جب کہ اقرار سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور بعض کے نزدیک ان سے یہ کہا جائے گا) وہ بس ایک زور کی آواز ہوگی جس سے یکا یک سب جمع ہو کر ہمارے پاس حاضر کر دیئے جائیں گے۔ پھر اس روز کسی شخص پر ذرا ظلم نہ ہوگا۔ اور تمہیں بس انہی کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے۔ اہل جنت بے شک اس روز اپنے مشغلوں میں ہی (شغل سکون غین اور ضمہ غین۔ جہنمیوں کے دھندوں سے الگ تھلگ مزے کی باتوں میں لگے ہوں گے جیسے باکرہ عورتوں سے لطف اندوز ہونا۔ تکلیف دہ مشغولیت مراد نہیں ہے۔ کیونکہ بہشت آزار کی جگہ نہیں ہے) مگن ہوں گے (مسرور۔ یہ ان کی دوسری خبر ہے اور پہلی خبر فی شغل ہے) وہ (مبتداء ہے) اور ان کی بیویاں سایوں میں

(ظلال جمع ہے ظلۃ یا ظل کی۔ یعنی دھوپ نہیں پڑتی) مسہریوں پر (ارائک جمع اریکۃ دلہنوں کا چھپر کھٹ یا سیج یا قالین غالیچہ) تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے (یہ دوسری خبر ہے اور علی الارائک سے متعلق ہے) ان کے لئے وہاں میوے ہوں گے اور جو کچھ خواہش (تمنا) کریں گے انہیں عطا ہوگا۔ ان کو سلام (مبتداء ہے) فرمایا جائے گا (زبانی، اس کی خبر آئندہ ہے) مہربان پروردگار کی جانب سے (یعنی ان کو سلام علیکم کہا جائے گا) اور (کہہ دیا جائے گا کہ) اے مجرمو! آج الگ ہو جاؤ جب کہ کفار مسلمانوں کے ساتھ رلے ملے ہوں گے) کیا میں نے تم کو تاکید نہیں کی تھی (حکم نہیں دیا تھا) اے آدم کی اولاد (اپنے پیغمبروں کی معرفت) کہ تم شیطان کی پرستش (پیروی) نہ کرنا وہ تمہارا کھلا (مشہور) دشمن ہے اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا (مجھے ایک سمجھنا اور میری ہی پیروی کرنا) یہی سیدھا رستہ ہے اور وہ تم میں سے ایک بڑی جماعت کو گمراہ کر چکا (جبلا بمعنی مخلوق جبیل کی جمع ہے جو بروزن قدیم ہے اور ایک قراءت ضمہ باء کے ساتھ ہے) کیا تم اتنی بات نہیں سمجھتے (یعنی اس کی دشمنی اور اس کا بہکانا یا ان پر کیا عذاب نازل ہوا کہ تم ایمان لے آئے اور آخرت میں ان سے بولا جائے گا کہ) یہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا آج اپنے کفر کی وجہ سے اس میں داخل ہو جاؤ۔ آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے (یعنی کفار کے منہ پر ان کے واللّٰہ ربنا ما کنا مشرکین کہنے کے سبب) اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں (وغیرہ) شہادت دیں گے جو کچھ یہ لوگ کیا کرتے تھے (چنانچہ ہر عضو بول اٹھے گا اس سے جو کچھ کیا ہوگا) اور اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھوں کو ملیا میٹ کر دیتے۔ (اندھا چوپٹ بنا دیتے) پھر یہ دوڑتے (بھاگتے) پھرتے رستہ کی طرف (جیسا کہ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ایسے میں بھاگنے کا راستہ ڈھونڈتے ہیں) سو ان کو کہاں دکھائی دیتا (اس وقت یعنی ان کو نظر نہ آتا) اور اگر ہم چاہتے تو ان کی صورتیں بگاڑ ڈالتے (بندر یا خنزیر یا پتھر بنا کر) اس حالت میں کہ یہ جہاں ہیں وہیں کے وہیں رہ جاتے (اور ایک قراءت میں مکاناتھم ہے جمع مکانۃ بمعنی مکان۔ یعنی ان کی جگہوں ہی پر) جس کی وجہ سے یہ لوگ نہ آگے کو چل سکتے اور نہ پیچھے کو لوٹ سکتے (یعنی نہ ان میں جانے کی طاقت رہتی اور نہ آنے کی۔)

تحقیق و ترکیب:

الاجداث. بمعنی جدث بمعنی قبر۔ چونکہ اجزاء بدن اجزاء قبر میں پیوست ہوں گے۔ گویا ہر جزو جدث ہے۔

ینسلون چیونٹیوں کے دل کی طرح ایک دم نکل پڑنا خود سے نہیں ہوگا۔ بلکہ جبراً حکم الٰہی سے ہوگا۔

یا ویلنا. ضمیر متکلم کی طرف اضافت ہے اس میں تائے تانیث نہیں ہے ای یا ویلنا اور ابوالبقاء کوفیوں کی رائے نقل کرتے ہیں۔ کہ وی مستقل کلمہ ہے اور اس میں ل جار مجرور ہے تاہم یہ تکلف بارد ہے کیونکہ وہ تفسیر بمعنی اعجب ما اس طرح گویا عبارت یہ ہوگی یا عجب لنا اور ابن ابی لیلی اس میں تائے تانیث مانتے ہیں اور یا ویلتی بھی کہتے ہیں یا کو الف سے بدل کر جمع لانے کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک یا ویلتی کہے گا۔

من بعثنا. عام قراء فتح میم اور بعث فعل کے ساتھ پڑھتے ہیں ماقبل کی خبر اور ابن عباسؓ اور ضحاک وغیرہ کسر میم کے ساتھ حرف جر اور بعث مصدر مجرور پڑھتے ہیں۔ پہلا من ویل کے متعلق ہے اور دوسرا من بعث کے متعلق ہے۔

مرقد. رقاد معنی میں مصدر ہے یا ظرف مکان۔ مفرد لانا مقام جمع ہے لیکن پہلی توجیہ بہتر ہے۔ کیونکہ مصدر مطلقاً مفرد لایا جاتا ہے بمعنی بستر مراد قبر ہے۔

ما وعد ای وعدنا به اور صدق المرسلون ای صدقونا فیه یصدق فیه المرسلون دونوں کے مفعول محذوف ہیں۔ مگر مفسر علامؒ نے اس طرف اشارہ نہیں کیا ہے۔ اور اقرؤا الخ تفسیری عبارت میں اشارہ ہے کہ یہ کفار کا مقولہ ہوگا۔ اس صورت میں هذا مبتدا ہوگا اور موصول صلہ اس کی خبر ہوگی اور جملہ قالوا کی وجہ سے محل نصب میں ہوگا۔ سوال کا جواب چونکہ نہیں ملے گا۔

ان سے سوال وجواب خود ہی کریں گے پس مرقدنا پر وقف تام ہو جائے گا۔ اور قیل سے دوسری رائے نقل کر رہے ہیں کہ یہ جواب مومنین یا ملائکہ یا اللہ کی طرف سے ان کو دیا جائے گا۔ اس وقت هذا مبتداء اور ما بعد خبر ہو جائے گی۔

اور بعض نے هذا کو مرقدنا کی صفت یا بدل بنایا ہے اس صورت میں یہ جملہ مستانفہ ماقبل سے بے تعلق ہو جائے گا۔ ما موصول مبتداء اور خبر مقدر ہے۔ ای الذی وعده الرحمن وصدق المرسلون حق اور یہ بھی ممکن ہے کہ ما مبتداء مضمر کی خبر ہو ای هذا وعد الرحمن یا الذی وعده الرحمن یہ جواب حکیمانہ اسلوب پر ہے یعنی اہم بات یہ سوال ہے کہ ہولناک روز بعث کیا ہے؟

ان كانت اس سے مقصود قیامت کی ہولناکی بیان کرنا ہے۔

فاذاهم. یہ مبتداء ہے اور جمیع موصوف محضرون صفت مجموعہ خبر ہے۔

محضرون اس میں حشر جسمانی کے ساتھ حشر معنوی کی طرف بھی اشارہ ہے جو دنیا ہی میں سالک عاشق کو پیش آتی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ کائنات عالم کبیر ہے اور انسان عالم صغیر۔ پس جس طرح عالم کبیر کے تمام اجزاء پہلے نفحہ میں منتشر اور دوسرے نفحہ میں مجتمع ہو جائیں گے۔ یعنی وجود بعد العدم ہوگا۔ اسی طرح سالک عاشق پر کبھی جذبہ الٰہی سے انقطاع تعینات کی کیفیات طاری ہوتی ہیں۔ پھر اس پر دوسرا ظہور طاری ہوتا ہے۔ یہ بقا بعد الفناء ہے اور سالک اس مرتبہ پر پہنچ کر اسرافیل وقت ہو جاتا ہے۔

میں کہ اسرافیل وقت اندا اولیاء ۔۔۔ مردہ راز ایشان حیات ست ونما

جاں ہر یک مردہ از گورتن ۔۔۔ بر جہد زاو از شاں اندر کفن

فی شغل وہ کیفیت جو انسان کو بے خود بنا دے کمال استغراق مسرت کی وجہ سے جو یہاں مراد ہے یا کمال انہماک غم کی وجہ سے اس کو مبہم لا کر اس کی رفعت شان کی طرف اشارہ کر دیا۔ تفسیری عبارت میں لفظ افتضاض کے معنی توڑنے کے ہیں کنایہ ہے باکرہ عورتوں سے جماع کرنا۔ لیکن جنت میں ازالہ بکارت نہیں ہوگا۔ ہر مرتبہ حالت بدستور رہے گی۔

فاكهون. طیب نفس۔ طبیعت کی فرحت۔

لهم ما يدعون. خبر مقدم مبتداء مؤخر جملہ معطوفہ ہے۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ خبر از سلام ہو۔ ای مسلم خلص یا ذو سلامة ہے۔ اس میں تعلیل ہوئی ہے۔ دراصل يدتعيون تھا بروزن يفتعلون. یا پر ضمہ دشوار ہونے کی وجہ سے ماقبل منتقل کر دیا۔ پھر التقائے ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا يدتعون ہوا۔ پھر تا کو دال بنا کر دال میں ادغام کر دیا گیا دعا سے ماخوذ ہے بمعنی طلب اور افتعل بمعنی فعل بکثرت مستعمل ہے اور ادعاء سے بھی ماخوذ ہو سکتا ہے بمعنی تمنی ادع ماشئت ای تمنی علی. اور ما میں تین احتمال ہیں۔ (۱) موصولہ اسمیہ یا (۲) نکرہ موصوفہ۔ ان دونوں صورتوں میں عائد محذوف ہوگا۔ یا (۳) ما مصدریہ ہے۔

سلام قولا مفسر نے بالقول کہہ کر منصوب بنزع الخافض کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن دوسرے حضرات کے نزدیک یہ منصوب ہے فعل کے ذریعہ اور وہ سلام کی صفت ہے۔ اس میں کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ ۱۔ مایدعون کی خبر ہو۔ ۲۔ بدل ہو۔ ۳۔ ما کی صفت ہو جب کہ ما نکرہ موصوفہ ہوگی۔ لیکن اگر بمعنی الذی ہو یا مصدریہ ہو تو پھر یہ ترکیب نہیں ہوگی۔ کیونکہ نکرہ معرفہ کا فرق ہو جائے گا۔ ۴۔ مبتدائے محذوف کی خبر ہوگی ای هو سلام ۵۔ سلام مبتداء ہو اس کی خبر قولا کا ناصب ہو۔ ای يقال لهم قولا. اور بعض نے کہا کہ سلام عليكم تقدیر عبارت ہوگی۔ ۶۔ یہ مبتداء ہو اور من رب خبر ہو اور قولا مفعول مطلق تاکید کے لئے ہے اور یہ مبتدا خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور مفسر علامؒ نے يقول لهم سے جو تفسیر کی ہے اس کی تائید ابن ابی حاتم کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔

بینا اهل الجنة فی نعیمهم اذ سطع لهم نور فرفعوا رؤسهم فاذا الرب اشرف علیهم من فوقهم فقال السلام علیکم یا اهل الجنة فذالک قوله سلام قولا من رب الرحیم فینظرون الیه وینظر الیهم فلا یلتفتون الی شیٔ مادام ینظرون الیه حتی یحتجب منهم وبقی نوره وبرکته الیهم

نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مما یدعون سے سلام بدل ہو یا مبتدا محذوف الخبر ہو ای علیهم السلام اور جملہ خبر ثانی ہو۔ ان دونوں صورتوں میں قولا مصدر فعل محذوف ہوگا۔ ای یقال قولا کائنا من رب الرحیم یا اعنی مقدر مان کر منصوب علی المدح بھی ہوسکتا ہے۔

وامتازوا مفسر علامؒ نے یقول نکال کر اشارہ کردیا کہ اس کا عطف مضمون جملہ سابقہ پر ہو رہا ہے۔ ای انفردوا عن المومنین عند اختلاطهم بهم. میدان حشر میں سب مخلوط ہوں گے۔ اس کے بعد جنت وجہنم میں جانے کے لئے چھٹائی ہوجائے گی۔

جبلا ابن کثیرؒ، حمزہؒ، علیؒ کی قرأت میں ضمہ با اور تخفیف لام کے ساتھ ہے اور یعقوبؒ کے نزدیک تشدید لام کے ساتھ ہے اور ابوعمرؒ، ابن عامرؒ کے نزدیک ضمہ جیم اور سکون با کے ساتھ ہے۔

هذه جهنم. مفسرؒ نے تقدیر قال سے جملہ مستانفہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

الیوم نختم. حدیث میں ہے ان اول عظم من الانسان یتکلم یوم یختم علی افواهم فخذمن الرجل الیسری اسی طرح ابوموسیٰ اشعریؓ سے ابن جریرؒ نے روایت کی ہے۔ یدعی الکافر والمنافق للحساب فیعرض علیه فیجحد ویقول ای رب وعزتک لقد کتب علی الملک مالم اعمله فیقول له الملک اما عملت کذا یوم کذا فیقول لا وعزتک ای فح یختم علی فیه ویشهد علیه جوارحه. اس سے بعض حضرات نے کفار کے اعمال فرعیہ کے مکلف ہونے پر استدلال کیا ہے۔ لیکن ممکن ہے یہاں خاص اعمال کفریہ پر جوارح کی شہادت مراد ہو۔ عام اعمال فسقیہ مراد نہ ہوں۔ اس لئے استدلال ممکن نہیں ہے۔

فاستبقوا اس کا عطف لطمسنا پر ہے تو یہ محض علی سبیل الفرض ہوگا۔ لیکن عیسیٰؒ نے استبقوا صیغہ امر کے ساتھ پڑھا ہے یہ تقدیر قول ہو۔ ای فیقال لهم استبقوا اور یہ صراط ظرف مکان خاص ہو۔ جمہور کی رائے کے مطابق اسی لئے فعل کے تعلق میں تاویل کرنی پڑے گی کہ یہ مجازاً مفعول بہ ہے اور استبقوا علی ما وردوا کے معنی کو متضمن ہے۔ یہ حرف جار کہا جائے۔ ای فاستبقوا الی الصراط.

علی مکانتهم. مقدر سے متعلق ہو کر حال ہے ای ممسخنا هم مقعدین علی مکانتهم.

مضیا. دراصل مضوی تھا۔ واو ساکن یا کے ساتھ پائی گئی۔ اس لئے یا سے تبدیل کرکے ادغام کردیا اور ضمہ ضاد کو یا کی مناسبت اور تخفیف کے لئے کسرہ سے تبدیل کردیا۔

﴿تشریح﴾: ونفخ فی الصور. سے نفخہ ثانیہ کو ذکر فرمایا جارہا ہے جس کے بعد مردے قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اور فرشتے انہیں میدان حشر کی طرف دھکیل دیں گے۔ یہاں ینسلون اور دوسری جگہ فاذا هم قیام ینظرون فرمایا، ممکن ہے اول وہلہ میں ہولناک مناظر دیکھ کر ہکابکا رہ جائیں اور پھر فرشتوں کے ہانکنے سے دوڑنا شروع کردیں۔

اور مرقدنا ممکن ہے اس لحاظ سے کہیں گے کہ قیامت کی ہولناکیوں کے سامنے عذاب قبر غنیمت اور ایک طرح کا آرام اور نیند معلوم ہوگی اور یا پھر دونوں نفخوں کے درمیان واقعۃً ان پر نیند طاری ہوگی۔ اور مرقد سے مراد بطور تجرید مرگھٹ ہے۔

احوال آخرت: هذا ما وعد. منجانب اللہ جواب دیا جائے گا۔ کہ ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو یہ اللہ کا وعدہ اور پیغمبروں کا کہا ہوا سچ ہو رہا ہے۔ یہ روز قیامت کے جواب کی فی الحال نقل ہے یعنی الحال ہی مستقبل کو حاضر قرار دے کر ارشاد ہے۔

الیوم لا تظلم یعنی آج ٹھیک ٹھیک انصاف ہوگا جو بھی اچھا برا کام کیا ہوگا وہی بعینہ جزا اور سزا کی صورت میں سامنے آجائے گا نہ کسی کی نیکی ضائع ہوگی اور نہ کسی کی سزا جرم سے زیادہ ہوگی۔

اہل جہنم کے ذکر کے بعد اصحاب الجنة سے جنتیوں کا ذکر کیا جارہا ہے۔ پہلے لذائذ جسمانی کا ذکر قدرے تفصیل سے اور پھر سلام الخ سے روحانی لذائذ کی طرف اشارہ ہے اور جنت میں سلام سے مقصود یا محض اکرام ہے یا دائمی سلامتی کی بشارت دینا ہے۔ پس تحصیل حاصل کا شبہ نہ کیا جائے۔

ازواجهم سے عورت اور مسلمان بیویاں انفراداً اور اجتماعاً مراد ہیں۔ اور یدعون کے معنی اگر مانگنے کے ہوں تو اس میں بھی ایک طرح کا لطف ہوگا جو باعث کلفت نہیں ہوگا۔ بلکہ باعث نشاط ہوگا اور یدعون کے معنی اگر تمنا کرنے کے لئے جائیں تو جنت میں مانگنے کی کلفت کا سوال بھی نہیں رہتا اور جنتیوں کو سلام یا براہ راست حق تعالیٰ کی طرف سے ہوگا اور یا فرشتوں کے ذریعہ ہوگا۔ جیسا کہ ابن ماجہ کی روایت میں ہے۔ لیکن جہنمیوں کو ان سب لذائذ سے محروم کر کے الگ تھلگ کر دیا جائے گا۔

اشکال کا حل: الم اعهد میں انبیاء کے ذریعہ جو یہ ہدایات دی گئی تھیں انہی کو یاد دلایا جارہا ہے اور لقد اضل الخ میں اسی پر اظہار افسوس کیا جارہا ہے اور کثیراً اس لئے فرمایا کہ سب سے پہلے کافروں نے تو دوسرے کفار کا گمراہ ہونا اور ان پر وبال آنا نہیں دیکھا تھا۔ پس وہ خطاب میں شامل نہیں ہیں۔ لیکن ان کے لئے دوسری تنبیہات تھیں۔ اس لئے کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے۔

خلاصہ آیت یہ ہے کہ روز جزاء سے انبیاء علیہم السلام کی زبانی تمہیں بار بار سمجھایا گیا۔ کہ دیکھو شیطان کی پیروی ہرگز نہ کرنا جو تمہارا صریح دشمن ہے۔ وہ جہنم میں پہنچائے بغیر نہ چھوڑے گا۔ اگر ابدی نجات چاہتے ہو تو یہ سیدھی راہ پڑی ہوئی ہے اس پر چلو اور اکیلے خدا کی پرستش کرو۔ مگر وائے افسوس کہ اتنی فہمائش پر بھی تمہیں عقل نہ آئی اور دوست دشمن میں تمیز نہ کر سکے۔ اپنے نفع نقصان کو نہ پہچان سکے۔ دنیا کے کاموں میں تو اس قدر ہوشیاری دکھاتے ہو۔ مگر آخرت کے معاملے میں اتنے غبی بن گئے کہ موٹی موٹی باتوں کے سمجھنے کی لیاقت بھی نہ رہی۔ اب اپنی حماقتوں کا خمیازہ بھگتو۔ یہ دوزخ تیار ہے۔ جو کھوٹا ٹھکانہ ہے اس لئے اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاؤ۔ شیطان ملعون کے ہاتھوں کس قدر خلقت برباد ہوئی۔

قیامت میں ہاتھ پاؤں کی گواہی: ... الیوم نختم. میں یہ بتلانا ہے کہ آج تم اپنی زبان سے اپنے جرموں کا اعتراف نہ بھی کرو تو کیا ہوتا ہے ہم تمہارے منہ بند کر کے ہاتھ پاؤں سے سب کچھ اگلوالیں گے۔ غرض زبان، آنکھ، کان، کھال ہر عضو اپنے کئے کی گواہی دے گا۔

ختم. بمعنی مہر لگانا خواہ حقیقۃً ہو یا سکوت محض سے کنایہ اور مجوزہ ہو اور زبانی شہادت اور منہ پر مہر لگانے میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

ولو نشاء لطمسنا. میں اعضاء کے ردوبدل کا امکان بطور سزا کے دنیا ہی میں بتلاتے ہیں کہ قوم لوط کی طرح بینائی یا آنکھیں سب کرلی جائیں یا اصحاب السبت کی طرح صورتیں مسخ کر کے خنزیر و بندر بنادیے جائیں اور وہ بھی اپاہج قسم کے جانور بنادیے جائیں تو پھر کیا کریں گے؟ اس لئے ہماری آیات سے کیوں اندھے بن رہے ہیں اور شیطانی راستوں سے ہٹ کر اللہ کی راہ کیوں نہیں

چلتے ہیں۔ ہماری طرف سے ڈھیل تھی۔ آج وقت نہیں اور ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے کہ انہوں نے کن غلط کاموں میں ان کو لگایا تھا۔

جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستین کا

لطائف سلوک: الم اعهد اليكم الخ روح المعانی میں ہے کہ اس آیت میں شیطان کی اطاعت وپیروی کو اظہار نفرت کے لئے اس کی عبادت کرنے سے تعبیر کیا ہے۔ پس بعض صوفیاء کی عبارت میں جو اپنی نسبت بت پرست وغیرہ کے الفاظ ملتے ہیں۔ ان کو اقرار کفر پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ نفس کی اطاعت مراد ہوگی۔

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ باطالة اجله **نُنَكِّسْهُ** وفي قراءة بالتشديد من التنكيس **فِي الْخَلْقِ** اي خلقه فيكون بعد قوته وشبابه ضعيفا وهرما **اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ** ﴿٦٨﴾ ان القادر على ذلك المعلوم عندهم قادر على البعث فيؤمنون وفي قراءة بالتاء **وَمَا عَلَّمْنٰهُ** اي النبي **الشِّعْرَ** رد لقولهم ان ما اتى به من القرآن شعر **وَمَا يَنْبَغِيْ** يتسهل **لَهٗ** الشعر **اِنْ هُوَ** ليس الذي اتى به **اِلَّا ذِكْرٌ** عظة **وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ** ﴿٦٩﴾ مظهر للاحكام وغيرها **لِّيُنْذِرَ** بالياء والتاء به **مَنْ كَانَ حَيًّا** يعقل ما يخاطب به وهم المؤمنون **وَيَحِقَّ الْقَوْلُ** بالعذاب **عَلَى الْكٰفِرِيْنَ** ﴿٧٠﴾ وهم كالميتين لا يعقلون ما يخاطبون به **اَوَلَمْ يَرَوْا** يعلموا والاستفهام للتقرير والواو الداخلة عليها للعطف **اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ** في جملة الناس **مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ** اي عملناه بلا شريك ولا معين **اَنْعَامًا** هي الابل والبقر والغنم **فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ** ﴿٧١﴾ ضابطون **وَذَلَّلْنٰهَا** سخرناها **لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ** مركوبهم **وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ** ﴿٧٢﴾ **وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ** كاصوافها واوبارها واشعارها **وَمَشَارِبُ** من لبنها جمع مشرب بمعنى شرب او موضعه **اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ** ﴿٧٣﴾ المنعم عليهم بها فيؤمنون اي ما فعلوا ذلك **وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اي غيره **اٰلِهَةً** اصناما يعبدونها **لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ** ﴿٧٤﴾ يمنعون من عذاب الله بشفاعة آلهتهم بزعمهم **لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ** اي آلهتهم نزلوا منزلة العقلاء **نَصْرَهُمْ وَهُمْ** اي آلهتهم من الاصنام **لَهُمْ جُنْدٌ** بزعمهم نصرهم **مُّحْضَرُوْنَ** ﴿٧٥﴾ في النار معهم **فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ** لك لست مرسلا وغير ذلك **اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ** ﴿٧٦﴾ من ذلك وغيره فنجازيهم عليه **اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ** يعلم وهو العاصي بن وائل **اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ** مني الى ان صيرناه شديدا قويا **فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ** شديد الخصومة لنا **مُّبِيْنٌ** ﴿٧٧﴾ بينها في نفي البعث **وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا** في ذلك **وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ** من المني وهو اغرب من مثله **قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ** ﴿٧٨﴾ اي بالية ولم يقل بالتاء لانه اسم لا صفة روي انه اخذ عظما رميما ففتته وقال للنبي صلى الله عليه

وسلم ترى يحيي الله هذا بعد ما بلي ورم فقال صلى الله عليه وسلم نعم ويُدخِلُك النار **قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِيٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ** اي مخلوق **عَلِيْمُۨ** ﴿٧٩﴾ مُجملاً ومُفصّلاً قبلَ خلقه وبعد خلقه **الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ** في جملة الناس **مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ** المرخ والعفار او كلِّ شجرٍ الا العناب **نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ** ﴿٨٠﴾ تقدحون وهذا دالٌّ على القُدرة على البعث فإنّه جمعٌ فيه بين الماء والنار والخشب فلا الماء يُطفئ النار ولا النار يُحرق الخشب **اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ** مع عظمهما **بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ڲ** اي الاناسيّ في الصّغر **بَلٰي ۤ** اي هو قادرٌ على ذلك اجاب نفسه **وَهُوَ الْخَلّٰقُ** الكثير الخلق **الْعَلِيْمُ** ﴿٨١﴾ بكلِّ شيءٍ **اِنَّمَآ اَمْرُهٗ** شانُه **اِذَآ اَرَادَ شَيْـــًٔا** اي خلق شيء **اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ** ﴿٨٢﴾ اي فهو يكونُ وفي قراءةٍ بالنّصب عطفا على يقولُ **فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ** ملك زيدت الواو والتاء للمبالغة اي القُدرة على **كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ** ﴿٨٣﴾ تُرَدُّوْنَ في الآخرة

ربع

ترجمہ: ... اور ہم جس کی عمر بڑھا دیتے ہیں (لمبی مدت کرکے) تو اس کو لوٹا دیتے ہیں (ایک قرأت میں لفظ ننکسہ تشدید کے ساتھ تنکیس سے ماخوذ ہے) الٹی حالت میں (یعنی اس کی خلقت الٹ جاتی ہے قوت و شباب کے بعد کمزور اور بوڑھا ہو جاتا ہے) سو کیا وہ لوگ نہیں سمجھتے (کہ جو ذات ان کی اس معلومہ بات پر قدرت رکھتی ہے وہ مردوں کو جلانے پر بھی قادر ہے لہٰذا ان کو ایمان لے آنا چاہئے۔ ایک قراءت میں تعقلون تا کے ساتھ ہے) اور ہم نے آپ (یعنی نبی) کو شاعری نہیں سکھلائی (کفار کی اس بات کی تردید ہو رہی ہے کہ آپ کو جو قرآن ملا ہے وہ شعر ہے) اور آپ کے شایان شان (آسان) بھی نہیں ہے (شعر) وہ تو (جو کلام آپ پیش کر رہے ہیں) محض نصیحت اور واضح آسمانی کتاب ہے (جس میں احکام وغیرہ کا بیان ہے) تاکہ اس کے ذریعہ ڈرائے (یا اور تا کے ساتھ ہے) زندہ شخص کو (جو اس کلام کو سمجھتا ہو یعنی مومن کے لئے) اور وہ اس لئے کہ حجت (عذاب) کافروں پر ثابت ہو جائے (جن کی مثال مردوں جیسی ہے جو کلام سمجھتے ہی نہیں) کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی (نہیں جانتے۔ استفہام تقریری اور واؤ عاطفہ ہے) کہ ہم نے ان کے لئے (منجملہ اور لوگوں کے) پیدا کئے اپنے ہاتھ کی ساختہ چیزوں میں سے (جنہیں بلا شرکت غیرے صرف ہم نے پیدا کیا) مویشی (اونٹ گائے۔ بکری) پھر یہ لوگ ان کے مالک (قابض) بن رہے ہیں اور ہم نے ان مویشیوں کو ان کا بے گاری (تابع محض) بنا دیا ہے سو ان میں بعض تو ان کی سواریاں (رکوب بمعنی مرکوب) ہیں اور بعض کو وہ کھاتے ہیں اور ان مویشیوں میں لوگوں کے اور منافع (اون، رواں، بال) بھی ہیں اور پینے کی چیزیں بھی ہیں (یعنی ان کا دودھ۔ مشارب مشرب کی جمع ہے پینے یا پینے کی جگہ کے معنی ہیں) سو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے (ان انعامات کا کہ ایمان لے آتے یعنی انہوں نے ایسا نہیں کیا۔)

اور انہوں نے غیر اللہ کو معبود بنا رکھا ہے (بت پرستی کرتے ہیں) اس امید پر کہ ان کی مدد کی جائے گی (ان کا گمان یہ ہے کہ بتوں کی سفارش سے انہیں عذاب الٰہی سے چھٹکارا مل جائے گا) وہ ان کی کچھ بھی مدد نہیں کر سکتے (یعنی ان کے معبود جن کو بمنزلہ عقلاء کلام میں فرض کر لیا گیا ہے) اور وہ (یعنی ان کے معبود بت) ان لوگوں کے حق میں (ان کی مدد کے گمان پر) فریق بن جائیں گے جو (ان کے

ساتھ جہنم میں) حاضر کئے جائیں گے۔ سوان لوگوں کی باتیں (جیسے یہ کہ آپ پیغمبر نہیں ہیں) آپ کے لئے آزردگی کا باعث نہیں ہونی چاہئیں۔ بلاشبہ ہم سب کچھ جانتے ہیں جو یہ دل میں رکھتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں (خاص اسی بارہ میں اور دوسری چیزوں کے متعلق۔ لہٰذا ہم ان کو اس پر سزا دیں گے) کیا آدمی کو یہ بات معلوم نہیں (عاص بن وائل نہیں جانتا) کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا ہے (منی سے حتیٰ کہ ہم نے اسے مضبوط قوی بنادیا) پھر لگا وہ جھگڑنے (سخت جھگڑالو بن کر) کھلم کھلا (انکار قیامت علانیہ طور پر) اور ہماری شان میں (اس کے متعلق) ایک عجیب مضمون اس نے بیان کر ڈالا اور اپنی پیدائش بھول گیا (جو منی کے قطرہ سے ہوئی ہے۔ حالانکہ وہ اس کی مثال سے بھی بڑھ کر غریب ہے) کہنے لگا کہ کون ہے جو زندہ کردے ہڈیوں کو جب وہ کھوکری ہوجائیں (یعنی بوسیدہ اور لفظ **رمیم** تا کے ساتھ نہیں لایا گیا۔ کیونکہ یہ اسم ہے صفت نہیں ہے۔

روایت میں آتا ہے کہ عاص ابن وائل نے ایک پرانی ہڈی اٹھائی اور اسے چورا چورا کر کے حضور ﷺ سے عرض کرنے لگا کہ کیا آپ کا خیال ہے کہ اللہ اسے اتنی پرانی ہونے کے بعد بھی زندہ کردے گا؟ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک! اور تجھے جہنم رسید کرے گا) آپ جواب میں فرمادیجئے کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی بار ان کو بنایا اور وہ سب خلقت (مخلوق) کو جانتا ہے (مجملاً بھی اور مفصلاً بھی۔ پیدا کرنے سے پہلے بھی اور پیدا کرنے کے بعد بھی) وہ ایسا ہے کہ اس نے تمہارے لئے (منجملہ عام لوگوں کے) پیدا کردی ہرے بھرے درخت سے (مرخ اور عفار نامی درختوں سے یا عام درختوں سے بجز عناب کے درخت کے) آگ۔ پھر تم اس سے اور آگ سلگا لیتے ہو (جلا لیتے ہو۔ اس سے قدرت حشر پر دلالت ہورہی ہے۔ کیونکہ درخت میں پانی، آگ اور لکڑی جمع کردی۔ پس نہ پانی آگ کو بجھاتا ہے اور نہ آگ لکڑی جلاتی ہے) کیا جس نے آسمان و زمین (بڑے بڑے) پیدا کئے۔ وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسوں (معمولی آدمیوں) کو پیدا کردے؟ ضرور ہے (یعنی انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر ضرور قادر ہے۔ یہ اللہ نے خود جواب ارشاد فرمایا ہے) اور وہی بڑا پیدا کرنے والا خوب جاننے والا ہے (ہر چیز کا) بس اس کا معمول (شان) تو یہ ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو حکم کر ڈالتا ہے کہ ہو جا۔ بس وہ چیز ہو جاتی ہے (یعنی بن جاتی ہے اور ایک قراءت میں **فیکون** نصب کے ساتھ ہے **یقول** پر عطف کرتے ہوئے) سو اس کی پاک ذات ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا پورا اختیار ہے (ملکوت دراصل ملک ہے جس میں واؤ اور تا مبالغہ کے لئے زیادہ کردیئے گئے بمعنی قدرت) اور تم سب کو اس کے پاس لوٹ کر جانا ہے (آخرت میں پیش ہوں گے۔)

تحقیق وترکیب: **ننکسه** بقول مدارک **تنكيس السهم** سے ماخوذ ہے۔ تیر کو الٹا کرنا۔

وما ينبغي له یعنی آپ کی فطری ساخت ایسی تھی کہ نہ آپ اشعار لکھ سکتے تھے۔ جیسا کہ روایات میں ہے اور نہ پڑھ سکتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے دریافت کیا۔ کہ آپ ﷺ کو کوئی شعر یاد تھا؟ فرمایا کہ آپ کو شعر سے مناسبت نہیں تھی۔ ایک مرتبہ ابن رواحہ کا یہ شعر۔

ستبدی لک الایام ما کنت جاهلا ویاتیک بالاخبار من لم تزود

آنحضرت ﷺ نے اس طرح پڑھا۔ **وما یاتیک بالاخبار**.

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ حضور ﷺ شعر اس طرح نہیں ہے فرمایا کہ میں شاعر نہیں ہوں اور نہ میرے لئے مناسب ہے۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ روئے کہ جس کو دوسرے کا شعر بھی صحیح پڑھنا نہ آئے اس پر شاعریت کا الزام لگایا جاتا ہے۔

چنانچہ علماء فرماتے ہیں کہ آپ کسی کا شعر صحیح نہیں پڑھ سکتے تھے۔ تاکہ آپ پر شاعری کی تہمت نہ آسکے۔ البتہ بلا قصد و بلا

تکلف کلام کا موزوں ہو جانا دوسری بات ہے، جیسا کہ بعض آیات وروایات کی تقطیع کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے۔ مثلاً آیت لن تنالوا البر حتى تنفقوا مما تحبون اور حدیث حنین انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب یاھل انت الا اصبع دمیت وفی سبیل اللہ ما لقیت یا غزوہ خندق کے موقع پر باسم الا لہ و بیدانا ولو عبدنا غیرہ شقینا

پس گا ہے گا ہے بلا ارادہ کلام موزوں ہو جانے سے آپ کا شاعر ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اتفاقیہ کلام کو شعر نہیں کہتے۔ شعر دراصل نام ہے علم دقیق کا۔ چنانچہ بولا جاتا ہے بیت شعری اور عرف واصطلاح میں کلام موزوں مقفیٰ بالقصد کو کہتے ہیں اور شاعر وہ ہوتا ہے کہ صناعت شعر سے واقف ہو اور آیت میں شعر سے مراد منطقی تخیلات اور مقدمات کاذبہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ وحی اور کلام نبی سے واہی خیالات کا کیا جوڑ کذا قال الشریف الجر جانی فی حاشیۃ المطالع حیا اس میں استعارہ ہے۔

ایدینا. یہ حضرت کے لئے کنایہ عرفی ہے۔ جیسے کتبت بیدی و خلقت بیدی کہتے ہیں۔ بمعنی انفراد اور شرکت کی نفی ہے۔ اس آیت میں یدی تثنیہ ہے اور ید اللہ فوق ایدیھم میں مفرد، یہ عبارت کا تفنن ہے۔

ضابطون بمعنی طاقتور رجل ضابط، جمل ضابط بولا جاتا ہے۔

رکوب. جیسے حصور اور حلوب بمعنی مفعول ہیں۔

مشارب. مشرب کی جمع ہے مصدر بمعنی مفعول یا اسم ظرف ہے دودھ مراد ہے جو عام مشروبات میں بہترین اور اہل عرب کے لئے مرغوب ہوتا ہے اور جمع لانے میں اس کے مختلف اصناف کی طرف اشارہ ہے۔

وھم لھم ھم مبتداء اور جند خبر اول اور لھم بمعنی علیھم ہے جند سے متعلق ہے اور محضرون خبر ثانی ہے یا جند کی صفت ہے۔ بقول مفسر علامؒ ضمیر کا مرجع اصنام ہے اور کفار کی طرف بھی ضمیر راجع ہو سکتی ہے۔ محضرون کے معنی حسن کے نزدیک یمنعون عنہ کے ہیں۔ اور قتادہؒ کے نزدیک یغضبون لھم کے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک معنی یہ ہیں کہ کفار بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور سنتری پہرہ داروں کی طرح ان کے آگے کھڑے رہتے ہیں۔ گویا ان کے محافظ دستے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک یہ معنی ہیں کہ کفار عابد اور بت معبود سب جہنم میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ ایک دوسرے کا دفاع نہیں کر سکیں گے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ اصنام اللہ کا لشکر ہوں گے جو کفار پر لعنت بھیجیں گے اور کفار کی پرستش سے تبریہ کریں گے۔

مثلاً عجیب بات۔

ونسی حلقه اس کا عطف ضرب پر ہے۔ نفی کے تحت ہے اور خلق مصدر کی اضافت ضمیر کی طرف ہے جو مفعول ہے۔

رمیم. فعیل بمعنی فاعل ہے۔ اگرچہ مذکر و مؤنث کا فرق ضروری ہوتا ہے۔ لیکن مفسر علامؒ نے اسم لا صفة کہہ کر جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ صفت کے صیغہ میں تو یہ فرق ضروری ہے۔ البتہ اس پر اسمیت غالب آجانے کی وجہ سے یہ لفظ دونوں کے لئے استعمال ہو سکتا ہے۔ رمیم، رفت، رفات، تینوں کے معنی بوسیدہ ہڈیاں۔

ویدخلک النار اس جملہ سے عاص کا قطعی کافر ہونا معلوم ہوا اور جواب میں آنحضرت ﷺ کی طرف سے یا اضافہ اسلوب حکیم پر ہے۔ کیونکہ معاند و متعنت کو ایسا ہی جواب ملنا چاہئے۔

الشجر الاخضر مرخ یہ درخت بہت جلد آگ پکڑ لیتا ہے۔ اس کو عفار پر رگڑا جاتا ہے۔ عفار کو مرخ پر رگڑا جاتا تھا۔

جس سے چنگاریاں نکلتی تھیں۔ عفار بروزن سحاب بقول زمخشری مرخ مثل نر کے ہے اور عفار مثل مادہ کے۔ اور بعض علماء کے نزدیک عام درخت مراد ہے کہ سب لکڑیوں میں آگ کا مادہ ودیعت ہوتا ہے۔ بجز عناب کی لکڑی کے۔

کن. یہ بطور استعارہ ہے سرعت تاثیر مراد ہے یعنی فوراً کام ہو جانا۔

ملکوت. مفردات میں ہے کہ ملکوت مخصوص ہے ملک اللہ کے لئے۔

ترجعون. عام قرأت مجہول صیغہ کی ہے۔ لیکن زید بن علی معروف پڑھتے ہیں۔

شان نزول: آیت اولم یر الانسان کے ذیل میں حاکم بتوسط سعید بن جبیرؓ، ابن عباسؓ سے ناقل ہیں، کہ عاص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک بوسیدہ ہڈی کو چورا چورا کر کے کہنے لگا۔ کہ کیا اس کو اللہ دوبارہ جلائے گا؟ فرمایا ہاں۔ اور تو مرے گا پھر دوبارہ زندہ کر کے جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ لیکن ابن مردویہ ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی۔ اور مجاہد، قتادہ سے عبدالرزاق ابن المنذر نے اور ان سے ابو حاتم نے تخریج کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابی ابن خلف کے بارہ میں نازل ہوئی۔ جس کو حضور ﷺ نے قتل فرمایا تھا اور ابوالسعود کی رائے میں یہ ایک پوری جماعت منکرین تھی۔ جس میں مذکورہ بالا تینوں اور ولید ابن مغیرہ داخل ہیں اور عموم الفاظ کا اعتبار ہوا کرتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا۔

ربط آیات: سابقہ آیت ولو نشاء لطمسنا الخ میں انقلاب اعضاء کی سزا کا دنیا ہی میں ہونا بتلایا تھا اور اسی ذیل میں صورتوں کے مسخ کر ڈالنے کا بھی ذکر تھا۔

آگے آیت ومن نعمره الخ میں اس مسخ کی نظیر ارشاد ہے۔ یہاں تک قیامت وحشر کا ذکر تھا۔

اس کے بعد آیت وما علمناه الشعر سے رسالت اور سب سے بڑی اس دلیل قرآن کی حقانیت کا ذکر ہے۔ جس سے سورت شروع کی گئی تھی۔

نیز آیت سابقہ لهم الارض میں دلائل کے ساتھ توحید کا بیان تھا اور اسی ذیل میں خدائی نعمتوں کا ذکر تھا۔ آیت اولم یروا انا خلقنا لهم میں اسی مضمون کو دہرایا گیا ہے۔ البتہ شرکاء کا یہاں انکار صراحت کے ساتھ ہے اور پہلے اشارۃً تھا اور چونکہ پچھلی آیات میں اصل توحید کو انتہائی واضح صورت میں بیان فرمایا گیا ہے اور ان کا انکار مشرکین کی انتہائی معاندت ہے۔ جس سے حضور ﷺ کو صدمہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے فلا یحزنك قولهم سے آپ کی تسلی فرمائی جارہی ہے۔

اور انا نعلم الخ سے اسی کی تائید بیان ہو رہی ہے۔ اس سے مضمون رسالت کی بھی تائید ہو گئی۔ کہ جب توحید و بعث جیسے واضح حقائق کو بھی یہ لوگ جھٹلا رہے ہیں تو آپ کی رسالت کو جھٹلا دینا ان سے کیا بعید ہے اس لئے آپ کیوں رنج میں پڑے ہیں غرض کہ اس تقریر سے توحید و رسالت و بعث تینوں مضامین میں ربط ظاہر ہو گیا۔

آیت ویقولون متی هذا الوعد میں قیامت کے واقع ہونے سے بحث تھی۔

آگے آیت اولم یر الانسان میں قیامت کے امکان پر کلام کیا جارہا ہے۔ جیسا کہ عاص کے واقعہ سے معلوم ہو رہا ہے اگرچہ بالکل آخری آیت میں دوبارہ قیامت کے وقوع کا بیان ہے۔

﴿تشریح﴾:...... آیت ومن نعمرہ الخ میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ دنیا میں آنکھیں اور بینائی چھین لینے اور ان کی صورتیں بگاڑ کر بالکل اپاہج بنا ڈالنے کو یہ لوگ مستبعد نہ سمجھیں۔ اس کی نظیر ان کے سامنے موجود ہے۔ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ایک توانا و تندرست آدمی جب زیادہ بوڑھا ہو جاتا ہے تو کس طرح چلنے پھرنے دیکھنے سننے سے بالکل معذور ہو جاتا ہے۔ بچپن میں جس طرح آہستہ آہستہ یہ قوتیں اس میں آئی تھیں۔ بڑھاپے میں سب اعضاء ایک ایک کر کے کس طرح جواب دے جاتے ہیں اور بچپن کی طرح بڑھاپے میں بھی دوسروں کا ہر طرح محتاج اور دست نگر ہو کر رہ جانا پڑتا ہے اور رنگ و روغن، حسن و جمال سب ہی اڑ جاتا ہے۔ تو کیا یہ سب کیفیتیں بڑھاپے کی طرح جوانی میں خدا نہیں کر سکتا۔ پھر آخر کیوں اس درجہ بے فکر اور لاپرواہ بنے ہوئے ہیں۔

قرآن کوئی دیوان اشعار نہیں بلکہ حقائق واقعیہ کا صحیفہ ہے:

...... اور یہ باتیں محض شاعرانہ تخیلات نہیں۔ بلکہ حقائق واقعیہ ہیں۔ پیغمبر کو ہم نے جو قرآن دیا ہے۔ وہ نصیحتوں اور بہترین ہدایات سے بریز ہے۔ کوئی اشعار کا دیوان نہیں ہے۔ کہ ہوائی باتوں سے دماغی تفریح کا سامان ہو۔ آپ کی فطرت سلیمہ کو تو ہم نے اس کوچہ سے کوسوں دور رکھا ہے۔ حالانکہ آپ کے اعلیٰ خاندان قریش کی معمولی بچیاں بھی بہترین شعر کہنے کا سلیقہ رکھتی ہیں۔ مگر آپ مدت العمر اس دھندہ سے دور ہی رہے۔ یوں اتفاقیہ طور پر کبھی آپ کی زبان مبارک سے ایک آدھ رجز یہ موزوں کلمات نکل گئے ہوں وہ علیحدہ بات ہے۔ اسے شعر و شاعری نہیں کہا جاتا۔ آپ خود تو شعر کیا کہتے۔ دوسروں کا ایک آدھ مصرعہ بھی اگر کبھی نقل فرمایا تو اسے بدل دیا۔ کہ شعر نہ معلوم ہوا۔ البتہ اس کا مقصد ادا ہو جائے۔

آپ جن حقائق واقعیہ کے بلا کم و کاست اظہار کے لئے تشریف لائے تھے، ان میں شعری مبالغہ آرائی اور خیالی اور فرضی نکتہ آفرینی مقاصد کے خلاف تھی۔ البتہ شعر کا قابل تعریف پہلو اس کی تاثیر اور دلنشینی ہو سکتی ہے۔ سو وہ قرآن کریم کی معجزانہ عبارت میں بدرجہ اتم موجود ہے۔

قرآن کا اعجازی بیان اشعار سے زیادہ مؤثر ہے:

...... ساری دنیا نے اس کی شدت تاثیر کا لوہا مانا ہے۔ گویا سارے شعروں کی روح اس میں نچوڑ دی گئی ہے۔ حتیٰ کہ بڑے بڑے فصحائے عرب دنگ ہو کر قرآن کو شعر و سحر کہہ اٹھے۔ حالانکہ دیکھنے اور سوچنے کی بات ہے کہ آج تک کسی شعر یا شاعر نے دنیا کی کایا اس طرح پلٹ کر رکھ دی ہے جس طرح قرآن عظیم اور رسول کریم ﷺ نے جسموں، روحوں، قوموں، ملکوں کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ یہ کام شاعر کا نہیں پیغمبر کا ہے۔ اسی لئے اللہ نے آپ کو شعر و شاعری سے دور رکھا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ آپ نے شاعری سے ترقی کر کے پیغمبری کا دعویٰ کر ڈالا۔

حضرت ابوبکرؓ آنحضرت ﷺ کے دوسروں کا شعر بھی غلط پڑھنے پر رد کر دیا کرتے تھے۔ یہ لوگ پھر بھی آپ پر شاعری کی تہمت رکھتے ہیں۔ غرضیکہ آپ نہ وہبی طور پر شاعر ہیں اور نہ کسب کر کے شعر گوئی کرتے ہیں۔ سورۃ شعراء کی آیت والشعراء یتبعهم الخ کی تفسیر بھی ملاحظہ کر لی جائے۔

لتنذر من کان الخ میں مقصد قرآن کو بیان فرمایا جا رہا ہے کہ یہ زندہ دل اور نیک آدمی کے لئے اللہ سے ڈرنے کا ذریعہ ہے اور منکروں کے حق میں حجت تمام کرتا ہے۔

آیات تکوینیہ کا بیان:

...... آیت تنزیلیه کے بعد آیات اولم یروا انا خلقنا الخ سے تکوینی آیت بیان کی جا رہی ہیں کہ ایک طرف قرآن جیسی نصیحت آمیز کتاب کو دیکھو، دوسری طرف خدا کے بے پایاں احسانات کا سلسلہ نظر میں رکھو کہ اس نے کیسے کیسے

کارآمد اور مفید جانوروں کا تمہیں مالک بنادیا اور مختلف قسم کے تصرفات کا حق عطا فرمادیا۔ بڑے ڈیل ڈول اور تن و توش کے جانور بھی یک مزدور انسان کے سامنے بے بس و بے دم رہتے ہیں۔ ہزاروں ،ونٹوں کی نکیل ایک کمسن بچہ پکڑ کر جہاں چاہے لے جائے، چوں نہیں کرسکتے۔ وہ شہ زور جانوروں کی سواری کرتا ہے، گوشت خوری کے علاوہ ان کے روئیں، بال، کھال، دانت، آنت، ہڈیوں کو کام میں لاتا ہے اور اللہ نے دودھ کے چشمے تھنوں سے جاری کردیئے، مگر لوگ ہیں کہ پھر ناشکرے بنے رہتے ہیں اور ہاتھوں سے ساختہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے پیدا کرنے میں کسی دوسرے کا دخل نہیں ہے۔

ایک اشکال کا حل: ۔۔۔ انعام سے اگر خاص حلال جانور مراد ہو تو منہا تاکلون میں اگر من ابتدائیہ لیا جائے تب تو کوئی اشکال ہی نہیں، لیکن اگر من تبعیضیہ مراد ہو تو اس کی صحت کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک تو ان جانوروں کی عت بلحاظ اجزاء کے ہوگی۔ جانوروں کے افراد اور جزئیات کے لحاظ سے علت نہ ہوگی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جانور کے تمام اجزا کھانے میں نہیں آتے، بلکہ صرف بعض اجزا کھائے جاتے ہیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ عت تو بلحاظ جانوروں کے جزئیات اور افراد ہی کے لی جائے۔ مگر ان میں بعضیت بلحاظ مشروعیت کے نہیں، بلکہ واقعہ کے اعتبار سے ہے، کیونکہ کھانا اگرچہ کل حلال جانوروں کا جائز مشروع ہے، مگر کل کھائی نہیں جاتے بلکہ بعض کھائے جاتے ہیں۔

کفار کی احسان ناشناسی کا انجام: ۔۔۔ آیت واتخذوا الخ کا منشاء کفار کی احسان ناشناسی بیان کرنا ہے کہ ایک طرف تو ہمارے ان بے شمار اور عظیم احسانات کو دیکھو اور دوسری طرف ان کی نالائقیوں اور ناسپاسیوں کا موازنہ تو کرو کہ انہوں نے معبود حقیقی اور محسن عظیم کو چھوڑ کر بتوں کی چوکھٹوں پر سر رکھ دیا اور یہ سمجھے کہ آڑے وقت یہی کام آئیں گے اور ہماری مدد کریں گے۔ یاد رکھو کہ وہ تمہاری مدد تو کیا کرتے خود اپنی مدد بھی نہیں کرسکتے۔ بلکہ وقت پڑنے پر الٹا تمہیں ہی گرفتار کردیں گے۔ اس وقت صاف دکھائی دے گا کہ عمر بھر جن کے لئے مرتے پھرے کس طرح آج وہ آنکھیں دکھانے لگے۔

آگے ولا یحزنك میں آنحضرت ﷺ کو تسلی ہے کہ جب ہمارے ساتھ ان کا یہ حال ہے تو آپ کی کیا پروا کرسکتے ہیں۔ اس لئے دلگیر نہ ہوئیے، بلکہ ان سے آس لگائے ہوئے بغیر اپنا فرض انجام دیتے ہوئے ان کو ہمارے حوالے کیجئے۔ ہم ان کے اندر باہر سے خوب واقف ہیں، ہم اچھی طرح ان کی مزاج پرسی کردیں گے۔

انسان کی پیدائش سبق آموز ہے: ۔۔۔ اولم یر الانسان میں بدفطرت انسان کا حال بیان کیا جارہا ہے کہ اسے اپنی اصل یاد نہیں کہ ایک معمولی اور گندہ قطرہ تھا۔ مگر خدا نے اپنی قدرت سے کیا سے کیا کردیا۔ پانی کی اس بوند کا حال یہ ہے کہ خدا ہی کے مقابلہ میں کودنے اچھلنے لگا، بولنا سکھلایا تو بات بات پر ہمارے سے ہی الجھنے لگا اور خم ٹھونکنے لگا۔ کیسے کیسے فقرے ہم پر کستا ہے۔ کہتا ہے کہ جب بدن ریزہ ریزہ ہوگیا، ہڈی تک گھل کر گل گئی تو اس میں کون جان ڈال سکتا ہے؟ ایسا کہتے وقت اسے اپنی پیدائش بھی یاد نہیں رہتی اور خدا کی عظمت وقدرت بھی پیش نظر نہیں رہتی ورنہ اتنی بڑھ بڑھ کر باتیں نہ بناتا۔ کچھ تو شرماتا، کچھ تو اس کی عقل پر پانی پڑتا اور اس فطری آواز کو عقل کے کانوں سے سنتا۔ بھلا جس نے پہلی دفعہ ان ہڈیوں میں جان ڈالی، اسے دوسری بار جان ڈالنا آخر کیا مشکل ہے۔ خدائی نقطۂ نظر سے تو دونوں مرحلے یکساں آسان ہیں، لیکن انسانی نقطۂ نظر سے تو دوسرا مرحلہ پہلے مرحلہ کے مقابلہ میں آسان ہونا چاہئے، پھر یہ کیا تماشہ کہ مشکل صورت کو تو مانتا ہے اور آسان کو نہیں مانتا۔ آخر بدن کے اجزاء ہڈیوں کے ریزے جہاں کہیں بھی ہوں گے کیا اللہ کو ان کا پتہ نہیں؟ یا ان پر قدرت نہیں رہی؟ یا ان ذرات اور ریزوں میں قدرتی تاثیر قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رہی؟ لیکن اگر یہ تینوں

مقدمات پہلے ہی کی طرح صحیح ہیں تو پھر اس ناہنجار انسان کو اس اجماعی عقیدہ کے قبول کرنے میں کیوں تردد تامل ہے؟ درختوں ہی کو دیکھ لو کہ اول اللہ نے پانی سے پیدا کیا، سرسبز وشاداب بنایا، پھر اسے سکھا کر ایندھن بنا دیا، جس سے تم آگ نکال رہے ہو۔ پس جب اللہ ان حالات کی الٹ پھیر کر سکتا ہے تو کیا وہ ایک ہی چیز کی موت وحیات میں ادلی بدلی نہیں کر سکتا؟

مثلهم کے معنی محاورہ کے لحاظ سے ''تم جیسوں کے ہیں'' یعنی تمہاری تخصیص نہیں ہے، بلکہ سب کو پیدا کر سکتا ہوں، بعض سلف نے درختوں سے مراد خاص قسم کے درخت لئے ہیں۔ جن کے رگڑنے سے آگ نکلتی ہے جیسے بانس یا عرب میں ''مرخ وعفار''

امکان اور وقوع قیامت پر استدلال: اللہ نے جب آسمان، زمین، چاند، سورج، ستارے جیسے بڑے بڑے کائنات میں بنا ڈالے تو انسان کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ اور چھوٹی چیز ہو یا بڑی اسے پیدا کرنے میں دقت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ وہ سامان اسباب کا محتاج نہیں کہ ان کی فراہمی میں دشواری ہو۔ اس کے ہاں تو بس ارادہ کی دیر ہے۔ ادھر اس نے ارادہ کیا، ادھر وہ چیز موجود ہوگئی اور کہہ ہو جا! بس فوراً وہ چیز ہوئی رکھی ہے۔ ایک لحہ کی بھی دیر نہیں۔ گویا پہلی آیت میں اگر بدن پیدا کرنے کا بیان تھا تو اس میں روح کے نفخ کا مطلب سمجھا دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح فی الحال ساری کائنات اس کے ہاتھ میں ہے، آئندہ بھی سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اس کی ذات ہر قسم کے نقص وعیب سے پاک ہے۔

ان آیات میں متعدد استدلال جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اول یحیھا جس کی طرف خلقنه من نطفة اونسی خلقه میں بھی اشارہ ہے۔ دوسرے وهو بکل خلق علیم اور وهو الخلاق العلیم تیسرے لذی جعل لکم چوتھے اولیس الذی پانچواں انما امره الخ.

اور آیت فسبحن اللہ کی فا سے اشارہ ہے مذکورہ دلائل سے مطلوب کے ثبوت کی طرف اور کن فیکون کی ایک نادر تحقیق پہلے پارہ الم کے آخر میں گزر چکی جو قابل مطالعہ ہے۔ نیز چیزوں کے پیدا کرنے کے اسباب میں اگرچہ تدریج ہوتی ہے، مگر ان پر صورت نوعیہ کا ترتب دفعی ہوتا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ تدریجی چیزوں میں کن تدریجی ہوتا ہے اور دفعی چیزوں میں کن بھی دفعی ہوتا ہے فلا اشکال۔

لطائف سلوک: آیت فلا یحزنك الخ میں اشارہ ہے کہ مخالفین کی ریشہ دوانیوں کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔ اللہ سب حالات سے باخبر ہے۔ وہ خود ہی مناسب انتقام لے لے گا۔

فضائل سورۂ یسین: حدیث میں آتا ہے کہ سکرات موت کے وقت سورۂ یسین پڑھی جائے تو ہر حرف پر دس دس فرشتے مقرر ہو صف بستہ ہوتے ہیں اور مرنے والے کے لئے استغفار کرتے ہیں اور کفن، دفن، غسل ونماز سب میں شریک رہتے ہیں۔ نیز جو مسلمان سکرات کی حالت میں سورۂ یسین تلاوت کرے تو قبض روح سے پہلے ہی اس کو جنت کی بشارت سنا دی جاتی ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ سورۂ یسین کی تلاوت کا ثواب بیس حج کے برابر ہے اور اس کے سننے کا ثواب ایک ہزار اشرفیاں اللہ کی راہ میں خیرات کرنے کے برابر ہے اور جو اس کو لکھ کر پی لے گا تو گویا اس نے ہزار دوائیں پی لی ہیں اور ہزار نور اور ہزار برکتیں اور ہزار رحمتیں اس میں داخل ہوگئیں اور وہ ہر بیماری اور کھوٹ سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

نیز ارشاد ہے کہ سورۂ یسین پڑھا کرو کہ اس میں دس برکتیں ہیں۔ اس کے پڑھنے سے بھوک رفع ہوتی ہے، پیاس دور ہو جاتی ہے اور ننگے کو لباس مل جاتا ہے اور اس کی برکت سے شادی ہو جاتی ہے اور خوف وخطر جاتا رہتا ہے اور قیدی کو رہائی نصیب ہو جاتی ہے اور مسافر کے لئے سفر میں معین بن جاتی ہے اور گمشدہ چیز مل جاتی ہے اور سکرات میں سہولت ہو جاتی ہے۔ بیمار اچھا ہو جاتا ہے۔

نیز حدیث میں ہے کہ یسین جس غرض کے لئے بھی تلاوت کی جائے وہ پوری ہو جاتی ہے۔ (تفسیر زاہدی روح البیان)

امام ترمذی کی روایت حضرت انسؓ سے ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کا ایک قلب ہوتا ہے اور قرآن کا قلب سورۂ یسین ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح نظام بدن قلب سے وابستہ ہوتا ہے، اسی طرح تعلیمات قرآن عقیدۂ آخرت سے منسلک ہیں۔ امام رازیؒ اس رائے کی تحسین فرماتے ہیں۔

اور علامہ نسفیؒ کی تقریر کا حاصل یہ ہے کہ اس سورت میں چونکہ وحدانیت، رسالت اور حشر تین بنیادی اصول بیان کر دیئے گئے ہیں اور ان تینوں کا تعلق دل سے ہے اس لئے اس کو قلب کا درجہ دیا گیا ہے برخلاف دوسری سورتوں کے۔ ان میں اعمال لسان و ارکان بیان کئے گئے ہیں اور چونکہ اعمال قلب اسی سورت میں ذکر کئے گئے ہیں۔ ادھر سکرات کی حالت میں زبان اور ہاتھ پاؤں کمزور اور سست و بیکار ہو جاتے ہیں۔ صرف قلب بیدار اور متوجہ الی اللہ رہتا ہے اس لئے اس سورت کی تلاوت کا حکم ہے۔

سُوْرَةُ الصَّافَّاتِ

سُوْرَةُ وَالصَّافاتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَّاثْنَانِ وَثَمَانُوْنَ ايَةً

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالصّٰفّٰتِ صَفًّا ﴿۱﴾ اَلْمَلَائِكَةُ تَصِفُ نُفُوْسَهَا فِي الْعِبَادَةِ اَوْ اَجْنِحَتِهَا فِي الْهَوَاءِ تَنْتَظِرُ مَا تُؤْمَرُ بِهِ **فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا** ﴿۲﴾ اَلْمَلَائِكَةُ تَزْجُرُ السَّحَابَ اَيْ تَسُوْقُهُ **فَالتّٰلِيٰتِ** جَمَاعَةُ قُرَّاءِ الْقُرْاٰنِ تَتْلُوْهُ **ذِكْرًا** ﴿۳﴾ مَصْدَرٌ مِنْ مَعْنَى التَّالِيَاتِ **اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ** ﴿۴﴾ **رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ** ﴿۵﴾ اَيْ وَالْمَغَارِبِ لِلشَّمْسِ لَهَا كُلَّ يَوْمٍ مَشْرِقٌ وَّمَغْرِبٌ **اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ٭الْكَوَاكِبِ** ﴿۶﴾ اَيْ بِضَوْءِهَا اَوْبِهَا وَالْاِضَافَةُ لِلْبَيَانِ كَقِرَاءَةِ تَنْوِيْنِ زِيْنَةِ الْمُبَيِّنَةِ بِالْكَوَاكِبِ **وَحِفْظًا** مَنْصُوْبٌ بِفِعْلٍ مُقَدَّرٍ اَيْ حَفِظْنَاهَا بِالشُّهُبِ **مِّنْ كُلِّ** مُتَعَلِّقٌ بِالْمُقَدَّرِ **شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ** ﴿۷﴾ عَاتٍ خَارِجٍ عَنِ الطَّاعَةِ **لَا يَسَّمَّعُوْنَ** اَيِ الشَّيَاطِيْنُ مُسْتَانِفٌ وَسِمَاعُهُمْ هُوَ فِي الْمَعْنَى الْمَحْفُوْظِ عَنْهُ **اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى** الْمَلَائِكَةِ فِي السَّمَاءِ وَعُدِّيَ السِّمَاعُ بِاِلٰى لِتَضَمُّنِهِ مَعْنَى الْاِصْغَاءِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِتَشْدِيْدِ الْمِيْمِ وَالسِّيْنِ اَصْلُهُ يَتَسَمَّعُوْنَ اُدْغِمَتِ التَّاءُ فِي السِّيْنِ **وَيُقْذَفُوْنَ** اَيِ الشَّيَاطِيْنُ بِالشُّهُبِ **مِنْ كُلِّ جَانِبٍ** ﴿۸﴾ مِنْ اٰفَاقِ السَّمَاءِ **دُحُوْرًا** مَصْدَرٌ دَحَرَهُ اَيْ طَرَدَهُ وَاَبْعَدَهُ وَهُوَ مَفْعُوْلٌ لَهُ **وَّلَهُمْ** فِي الْاٰخِرَةِ **عَذَابٌ وَّاصِبٌ** ﴿۹﴾ دَائِمٌ **اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ** مَصْدَرٌ اَيِ الْمَرَّةَ وَالْاِسْتِثْنَاءُ مِنْ ضَمِيْرِ يَسْمَعُوْنَ اَيْ لَا يَسْمَعُ اِلَّا الشَّيْطَانُ الَّذِيْ سَمِعَ الْكَلِمَةَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ فَاَخَذَهَا بِسُرْعَةٍ **فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ** كَوْكَبٌ مُضِيْءٌ **ثَاقِبٌ** ﴿۱۰﴾ يَثْقُبُهُ اَوْيُحْرِقُهُ اَوْيُخَبِّلُهُ **فَاسْتَفْتِهِمْ** اِسْتَخْبِرْ كُفَّارَ مَكَّةَ تَقْرِيْرًا اَوْ تَوْبِيْخًا **اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا** مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَالسَّمٰوٰتِ وَالْاَرَضِيْنَ وَمَا فِيْهِمَا وَفِي الْاِتْيَانِ بِمَنْ تَغْلِيْبُ الْعُقَلَاءِ **اِنَّا**

خَلَقْنٰهُمْ اى اصلهم ادم **مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ** ﴿١١﴾ لازم يلصق باليد المعنى ان خلقهم ضعيف فلا يتكبروا بانكار النبى والقران المؤدى الى هلاكهم اليسير **بَلْ** للانتقال من غرض الى اخر وهو الاخبار بحاله وحالهم **عَجِبْتَ** بفتح التاء خطابا للنبى اى من تكذيبهم اياك **وَ هُمْ يَسْخَرُوْنَ** ﴿١٢﴾ من تعجبك **وَاِذَا ذُكِّرُوْا** وعظوا بالقران **لَا يَذْكُرُوْنَ** ﴿١٣﴾ لا يتعظون **وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً** كانشقاق القمر **يَّسْتَسْخِرُوْنَ** ﴿١٤﴾ يستهزءون بها **وَقَالُوْٓا** فيها **اِنْ** ما **هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ** ﴿١٥﴾ بين وقالوا منكرين للبعث **ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ** ﴿١٦﴾ فى الهمزتين فى الموضعين التحقيق وتسهيل الثانية وادخال الف بينهما على الوجهين **اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ** ﴿١٧﴾ بسكون الواو عطفا باو وبفتحها والهمزة للاستفهام والعطف بالواو والمعطوف عليه محل ان واسمها او الضمير فى لمبعوثون والفاصل همزة الاستفهام **قُلْ نَعَمْ** تبعثون **وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ** ﴿١٨﴾ صاغرون **فَاِنَّمَا هِيَ** ضمير مبهم يفسره ما بعده **زَجْرَةٌ** اى صيحة **وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ** اى الخلائق احياء **يَنْظُرُوْنَ** ﴿١٩﴾ ما يفعل بهم **وَقَالُوْا** اى الكفار يا للتنبيه **وَيْلَنَا** هلاكنا وهو مصدر لا فعل له من لفظه وتقول لهم الملائكة **هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ** ﴿٢٠﴾ اى الحساب والجزاء **هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ** بين الخلائق **الَّذِىْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ** ﴿٢١﴾

ترجمہ:............سورۂ صافات مکی ہے، جس میں ایک سو بیاسی (۱۸۲) آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. قسم ہے ان فرشتوں کی جو صف باندھ کر کھڑے رہتے ہیں (فرشتے خود عبادت کے لئے صف بستہ کھڑے یا فضاؤں میں پہرے جما کر حکم الٰہی کے منتظر ہیں) پھر ان فرشتوں کو جو ہنکانے والے ہیں (بادلوں کے چلانے پر مامور ہیں) پھر ان فرشتوں کی جو ذکر (قرآن کی تلاوت) کرنے والے ہیں (ذکر معنیٰ مصدر ہے تالیات کا) بلاشبہ تمہارا معبود ایک ہے، وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمینوں کا اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اس کا اور پروردگار ہے مشرقی حصوں کا (اور مغربی حصوں کا بھی۔ روزانہ آفتاب کا طلوع وغروب الگ الگ ہوتا ہے) اور ہم نے آراستہ کیا ہے آسمان دنیا کو ایک عجیب خوبصورتی سے ستاروں کی (یعنی ستاروں کی چمک دمک سے یا خود ستاروں ہی کے ذریعہ۔ اس میں اضافت بیانیہ ہے۔ جیسا کہ زینۃ کی تنوین کواکب کے بیان کے لئے) اور حفاظت کا ذریعہ بنایا ہے (حفظا منصوب ہے فعل مقدر کے ذریعہ یعنی آسمانوں کی حفاظت شہاب ستاروں کے ذریعہ کردی ہے) ہر شریر (سرکش باغی) شیطان سے (من کل فعل مقدر سے متعلق ہے) وہ شیاطین کان بھی نہیں لگا سکتے (یعنی شیاطین۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور شیاطین کا سننا دراصل محفوظ عنہ ہے) عالم بالا کی طرف (آسمانوں میں جو فرشتے ہیں لفظ سماع کو الیٰ کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے۔ معنی اصغاء کے ساتھ تضمین کرکے اور لفظ یسمعون ایک قرأت میں تشدید میم وتشدید سین کے ساتھ ہے۔ اصل میں یتسمعون تھا تا کو سین میں ادغام کردیا گیا ہے) اور وہ مار بھگائے گئے ہیں (یعنی شیاطین کو شہاب، ستاروں سے مار بھگایا جاتا ہے) ہر طرف سے (آسمانی کناروں کی) دھکے دے کر (دحور دحرہ کا مصدر ہے بمعنی دور کردینا یہ مفعول لہ ہے) اور ان کے لئے (آخرت میں) دائمی عذاب ہوگا (مسلسل) مگر جو شیطان کچھ خبر لے ہی بھاگے (الخطفة

مصدر ہے یعنی یک مرتبہ اچکنا اور استثناء ضمیر یسمعون سے ہے۔ یعنی آسمانی خبر کوئی نہیں سن سکتا، سوائے شیطان کے جو کوئی فرشتوں سے سن کر ایک دم اچک لے) تو ایک (چمکتا ہوا ستارہ) دہکتا ہوا انگارہ اس کے پیچھے لگ لیتا ہے (اس میں سوراخ کر ڈالتا ہے یا اسے جلا کر بھسم کر ڈالتا ہے یا اسے بدحواس بنا دیتا ہے) تو آپ ان سے پوچھئے (کفار مکہ سے دریافت کیجئے بطور تقریر یا توبیخ کے) کہ یہ لوگ بناوٹ میں زیادہ سخت ہیں یا ہماری یہ پیدا کی ہوئی چیزیں (یعنی فرشتے، آسمان، زمین اور ان کے درمیان کی مخلوق اور من لانے میں عقلاء کی تغلیب ہے) ہم نے ان لوگوں (یعنی ان کی اصل آدم) کو پیدا کیا چکنی مٹی سے (جو ہاتھ کو چپک جاتی ہے۔ یعنی ان کی بناوٹ کمزور ہے۔ لہذا پیغمبر قرآن کا انکار کر کے تکبر نہ کریں جو جلد تباہی کی طرف انہیں لے جائے) بلکہ (یہ ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف انتقال کے لئے۔ یعنی آپ کا ان کے حال کی خبر دینا ہے) آپ تو تعجب کرتے ہیں۔ فتحہ تاء کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے۔ یعنی ان کے آپ کو جھٹلانے سے) اور یہ لوگ تمسخر کرتے ہیں (آپ کے تعجب پر) اور جب ان کو سمجھایا جاتا ہے (قرآن کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے) تو یہ سمجھتے نہیں (نصیحت حاصل نہیں کرتے) اور جب یہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں (جیسے معجزہ شق القمر) تو اس کی ہنسی (مذاق) اڑاتے ہیں اور (اس کے متعلق) کہنے لگتے ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا (واضح) جادو ہے (اور منکرین قیامت ہیں کہ) بھلا جب ہم مر گئے، اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو کیا پھر ہم زندہ کئے جائیں گے (دونوں لفظوں کی دونوں ہمزاؤں میں تحقیق ہے اور دوسری ہمزہ کی تسہیل بھی ہے اور پھر ان دونوں صورتوں میں دونوں ہمزاؤں کے درمیان الف کی قرأت بھی ہے) اور کیا ہمارے باپ دادا بھی (لفظ او سکون واؤ کے ساتھ او کے ذریعہ عطف ہوگا اور فتحہ واؤ کے ساتھ بھی ہے۔ دونوں صورتوں میں ہمزہ استفہامیہ ہوگا اور واؤ عطف کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔ معطوف علیہ ان مع اسم کا محل ہوگا یا معطوف علیہ **معوثون** کی ضمیر ہے اور ہمزہ استفہام فاعل ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہاں (تم دوبارہ جلائے جاؤ گے) اور ذلیل بھی ہو گے، قیامت تو بس ایک للکار (چیخ) ہی ہوگی (**ھی** ضمیر مبہم ہے جس کی تفسیر آگے ہے) سو یکایک سب (مخلوق زندہ ہو کر) دیکھنے بھالنے لگیں گے (کہ ان کے ساتھ کیا کارروائی ہوتی ہے) اور (کفار) کہیں گے ہائے ہماری کمبختی (یا تنبیہ کے لئے ہے ویل بمعنی ہلاکت مصدر ہے ان لفظوں میں اس کا کوئی فعل نہیں ہے۔ فرشتے کافروں سے کہیں گے) یہ ہے روز جزاء (حساب اور بدلہ کا دن) یہ ہے (مخلوق کے) فیصلہ کا دن جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

تحقیق وترکیب: ...... والصّافات. یہاں فرشتوں کی مختلف قسموں کی قسمیں کھائی گئی ہیں۔ صافات نمازوں میں صف بستہ۔

زاجرات. بازاروں میں گھومنے والے یا گناہوں سے ڈانٹ ڈپٹ کرنے والے۔

تالیات. کتب الٰہیہ کی تلاوت اور ذکر اللہ کرنے والے فرشتے مراد ہیں۔ جیسا کہ ابن عباسؓ وابن مسعودؓ اور مجاہدؒ کی رائے ہے اور یا علماء باعمل کے نفوس قدسیہ مراد ہیں۔

صافات. تہجد گزار۔ پابند نماز۔ **زاجرات** وعظ ونصیحت کرنے والے۔ **تالیات.** آیات واحکام الٰہی کی تلاوت وتدریس کرنے والے یا پھر مجاہدین فی سبیل اللہ مراد ہیں۔ جو صف بستہ ہو کر لڑیں۔ فوجی گھوڑوں کو ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش کرنے والے فوجی ہیں اور اسی کے ساتھ ذکر الٰہی میں مصروف رہنے والے سالکین بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان آیت میں ارواح کی چار صفیں مراد ہیں۔ اول صف ارواح انبیاء ومرسلین کی۔ دوسری صف ارواح اولیاء کی۔ تیسری صف ارواح مؤمنین کی۔ چوتھی صف کفار ومنافقین کی جو اپنے اجسام میں داخل ہوتی ہیں۔

زاجرات سے مراد الہامات ربانیہ ہیں جو عوام کو منکرات سے اور خواص کو اپنی اطاعت پر گھمنڈ کرنے سے روکتے ہیں۔ اور اخص خواص کو غیر اللہ کے التفات سے باز رکھتے ہیں اور تالیات ذاکرات سے ہمہ وقت ذکر اللہ میں وقف حضرات مراد ہیں۔

صفا اور زجرا مصدر مؤکدہ ہیں اور فا ترتیب وار فضیلت کے لئے ہے۔ خواہ اول سے آخر کی طرف یا آخر سے اول کی طرف۔ ذکر کا طلاق قرآن پر بھی آتا ہے۔ هذا ذكر مبارك. انا نحن نزلنا الذكر. مفسر علامؒ اشارہ کر رہے ہیں کہ ذکر مصدر ہے تالیت کا بغیر لفظی اشتراک کے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ مفعول بہ ہے۔ ان بہت سی قسموں کو لانے میں اشکال یہ ہے کہ اگر مخاطب مومن ہیں تو انہیں ایک بھی قسم کی حاجت نہیں وہ ہر صورت میں تصدیق کرتے ہیں۔ اور کفار اگر مخاطب ہیں تو ان کے سامنے اتنی ہی قسمیں اور بھی استعمال کر لی جائیں تب بھی کوئی فائدہ نہیں۔ وہ بہرصورت یقین کرنے والے نہیں؟ لیکن جواب یہ ہے کہ قسم کا مقصد کسی مضمون کی محض تاکید اور اہمیت واضح کرنا ہے۔

المشارق چونکہ مشرق، مغرب کو مستلزم ہے۔ اس لئے ایک پر اکتفا فرمایا گیا ہے۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ دونوں کو ذکر فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح مفرد الفاظ بھی آئے ہیں۔ جنس کا ارادہ کرتے ہوئے اور تثنیہ بھی آیا ہے۔ سرما اور گرما کی موسموں کا اعتبار کرتے ہوئے۔ اور جمع کے صیغہ سے بھی آیا ہے روزانہ کے مشرق ومغرب کا مستقل اعتبار کرتے ہوئے۔

الكواكب. زينة سے بدل ہے۔ اگر كواكب سے مراد ستارہ ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوکب کی ضوء اور روشنی مراد ہو۔ اگرچہ تمام ستارے آسمان دنیا کے علاوہ دوسرے مختلف آسمانوں پر ہیں۔ تاہم نیچے رہنے والوں کو آسمان دنیا کی زینت نظر آتے ہیں۔ حمزہؒ اور عاصمؒ کے علاوہ دوسرے قراء کی قراءت پر اضافت بیانیہ ہے۔ مفسر علامؒ بیانیہ کی تائید میں فرماتے ہیں کہ زينة کی تنوین کی قراءت حمزہ اور حفصؒ کے نزدیک بینۃ کواکب سے عطف بیان یا بدل ہونے کی بناء پر اور ابوبکرؒ کی قراءت پر کواکب منصوب ہے مصدر کا مفعول ہونے کی وجہ سے یا اعنى مضمر مان کر یا محل زینت سے بدل کے طور پر۔ اس صورت میں بعض کی رائے پر اضافت مصدر مفعول کی طرف ہو جائے گی۔ ای بان ذان الله الكواكب وحسنها اور مصدر کی اضافت فاعل کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے۔

حفظا. یہ مقدر کا مفعول مطلق ہے۔ ای وحفظنا هابه حفظا اور معناً زينة پر بھی عطف ہو سکتا ہے۔ ای انا حلقناها زينة وحفظا ای حفظا بالشهب من كل شيطان.

لا يسمعون تخفیف کی قراءت پر معنی ہوں گے نہیں سنتے ہیں۔ اور تشدید کی قراءت پر معنی یہ ہیں کہ کان نہیں لگاتے۔

لا يسمعون کے مستانف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کلام مستقل اور الگ ہے یا وجہ حفاظت کے سوال کا جواب اور بیان بھی ہو سکتا ہے۔

يقذفون. کیفیت حفاظت کا بیان ہو جائے گا اور مقصود اصلی شیاطین کے سننے سے حفاظت کرنی ہے یا یوں کہا جائے کہ یہاں مضاف محذوف ہے۔ ای من سماع كل شيطان مارد.

الملاء الاعلى. چونکہ فرشتے آسمانوں میں ہیں۔ اس لئے ملاء اعلیٰ کہا گیا اور انس وجن زمینی ہیں۔ ان کو ملاء اسفل کہا جائے گا۔ الی کے ذریعہ تعدیہ کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ معنی اصغاء کے ساتھ تضمین کی گئی ہے جب اصغاء کی نفی ہو گئی تو سماع کی نفی بدرجہ اولیٰ ہو گئی۔

دحورا. بلحاظ معنی یہ يقذفون کا مفعول مطلق ہے۔

واصب. بمعنی دائم

الا من خطف. يسمعون کی ضمیر سے استثناء ہے اور من بدل ہے اور استثناء باعتبار مجموعہ کے استماع اور سمع کے۔ ای لا يستمعون ولا يسمعون الا من خطف فيستمع ويسمع.

فاتبعه. بمعنی تبعه۔

شہاب بروزن کتاب آگ کا شعلہ اور لپٹ جمع شہب ضمتین اور کسرہ کے ساتھ۔ مواہب میں ہے کہ شہاب کے اثر سے شیاطین غول بن کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

لازب۔ دراصل لازم تھا میم کو باء سے تبدیل کر دیا۔ جیسے بکہ سے مکہ۔ طین کے صفت لانے سے اس کی صورت اور حقارت کا استحضار مقصود ہے۔

بل۔ یہ اضراب کے لئے نہیں ہے بلکہ انتقال کے لئے ہے اور بعض نے کفار کا حال دریافت کرنے سے اضراب پر محمول کیا ہے ای لا یستفتهم فانهم معاندون مکابرون. بل کا مدخول مجموعہ ہے باتبع یسخرون کے۔

عجبت۔ حمزہ اور کسائی کے نزدیک ضمہ تا کے ساتھ ہے اور باقی قراء کے نزدیک فتحہ تا کے ساتھ ہے۔ اول صورت میں تعجب کی نسبت اللہ کی طرف انکار کے معنی میں ہے اور استحسان ورضاء کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے کہ حدیث میں ہے۔ عجب ربک من شاب لیس له صبوۃ اور اللہ کی طرف ایسی ہی ہے۔ جیسے سخر الله اور یستهزء الله میں ہے۔

یستسخرون۔ پہلے لفظ یسخرون سے دلیل کا مذاق اڑانا مراد ہے۔ اس لئے مجرد صیغہ لایا گیا اور یستسخرون میں دعویٰ کا استہزاء مقصود ہے۔ اس لئے باب استفعال لایا گیا ہے۔

اذا متنا اصل کلام اس طرح تھا۔ انبعث اذا متنا الخ لیکن ظرف کو مقدم کر دیا گیا ہے اور ہمزہ مکرر لایا گیا اور جملہ اسمیہ دوام اور استمرار کے لئے ہے۔ گویا انکار بعث میں مبالغہ کیا گیا ہے۔

او اباؤنا۔ او کے ذریعہ محل ان اور اس کے اسم پر عطف ہے اور شک کے لئے ہے۔ ای انحن معوثون ام اباؤنا اس صورت میں ضمیر لمبعوثون پر فصل نہ ہونے کی وجہ سے عطف درست نہیں۔ البتہ اگر لفظ او فتحہ واؤ کے ساتھ ہے تو ہمزہ استفہام انکار کے لئے ہوگا۔ اور تیسری صورت یہ کہ لفظ او نہ ہو بلکہ واؤ عاطفہ ہو اور اس تیسری قراءۃ پر ضمیر لمبعوثون پر عطف ہو جائے گا اور وہی ضمیر عامل ہوگی۔ رہا یہ شبہ کہ ہمزہ کا بعد ہمزہ سے پہلے کیسے عمل کر سکتا ہے؟ اس لئے بہتر یہ ہے کہ مبتداء محذوف الخبر قرار دیا جائے عبارت گویا اس طرح ہوگی۔ او اباؤنا یبعثون.

اور شہابؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ہمزہ اس صورت میں چونکہ مقصود نہیں بلکہ محض پہلے کی تاکید کے لئے ہے پس ہمزہ کو اول ہی فرض کیا جائے گا۔ اب گویا ہمزہ کا ماقبل ہمزہ کے بعد عامل ہوا اور ہمزہ کو ضمیر لمبعوثون، معطوف علیه اور اباؤنا معطوف کے درمیان فاصل مانا جائے گا۔

وانتم داخرون۔ جملہ حالیہ ہے اس میں عامل معنی نعم ہیں۔ ای تبعثون والحال انکم صاغرون.

ربط آیات: ...... سورۂ صافات مضمون توحید سے شروع کی گئی ہے۔ اس کے بعد دوسرے رکوع میں آخر تک قیامت کا ذکر ہے اور پھر آخر سورت تک مختلف انبیاء کرام کے حالات کے ذیل میں رسالت کی بحث چلی گئی ہے۔ غرض کہ پوری سورت میں لوٹ پھیر کر یہی مضامین ثلاثہ بیان کئے گئے ہیں۔ اس کلی ربط سے پچھلی سورت کے ساتھ بھی اس سورت کا ربط ظاہر ہو گیا۔

﴿تشریح﴾: ...... صافات سے مراد قطار در قطار فرشتے ہوں یا عبادت گزار اور مجاہد انسان ہوں جو نمازوں میں صف بستہ اور میدان جہاد میں صف آراء ہوتے ہیں۔ قسم منکر کے مقابلہ میں تاکید کے لئے ہوتی ہے یا کسی مضمون کے مہتم بالشان ظاہر کرنے کے لئے

ہوا کرتی ہے۔

قرآنی قسمیں: پس قرآن کریم میں جن چیزوں کی قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ وہ ان چیزوں کے لئے بطور دلیل وشواہد ہوتی ہیں جن کے لئے قسمیں استعمال کی گئی ہیں۔

زاجرات سے وہ فرشتے مراد ہیں جو آسمانی راز چوری چھپے سننے والے شیاطین کو ڈانٹ کر مار بھگاتے ہیں۔ یا انسانوں کو نیک راہ سمجھا کر برائیوں سے باز رکھتے ہیں۔ یا پھر وہ نیک نفس انسان مراد ہیں جو اپنے آپ کو بدی سے روکتے ہیں۔ اور دوسرے شریروں کو ڈانٹ ڈپٹ رکھ کر باز رکھتے ہیں۔ بالخصوص میدان جہاد میں دشمنوں کو للکارتے ہیں۔

اسی طرح تالیات سے مراد بھی عام ہے خواہ فرشتے ہوں یا انسان احکام الٰہی پڑھتے پڑھاتے سنتے سناتے ہیں۔ یہ سب چیزیں اس کی شاہد قولاً فعلاً ہر زمانہ میں رہی ہیں کہ اللہ ہی سب کا مالک ومعبود ہے۔ جن فرشتوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں ظاہر یہ ہے کہ یہ فرشتوں کی مختلف جماعتیں ہیں۔ کوئی احکام لانے پر، کوئی زمین کی تدبیر وانتظام پر، کوئی عبادت کرنے پر مقرر ہیں اور یہ فرشتے فرمانبرداروں کی طرح قطاریں باندھ کر کھڑے رہتے ہوں گے یا اصطفاف سے مراد تعمیل حکم کے لئے ہمہ وقت پر تولے رکھنا ہے۔

اسی طرح آسمانی فرشتوں میں کچھ تو تدبیر وانتظام میں مصروف ہوں گے۔ شیاطین کو دھتکارنا اور للکارنا بھی اسی میں داخل ہے اور کچھ تسبیح وتہلیل میں وقف رہتے ہوں گے۔ اس تفریق کی صورت میں تو عطف کے معنی ظاہر ہیں۔ لیکن اگر یہ سب کام ایک ہی جماعت سے وابستہ ہوں تو پھر عطف صفت میں مغایرت کی بنا پر درست ہو جائے گا اور کلمہ فا کی تعقیب قسم کے لحاظ سے ہے یعنی آگے پیچھے کئی قسمیں کھاتے ہیں اور جب قسمیں متعدد ہوں تو تلفظ میں تعاقب ضروری ہے۔

اور مخلوق کی قسم کھانے کی تحقیق سورۂ حجرات کی آیت لعمرك میں گزر چکی ہے اور مقصود ان قسموں سے استدلال نہیں ہے کیونکہ استدلال آگے آرہا ہے۔ دوسری نظیر یہ کہ صرف کلام کی تاکید کے لئے قسم لائی گئی اور ان مختلف قسموں میں مقسم علیہ کے احوال سے استدلال کی طرف اشارہ ہے یا یہ کہ مقسم بہ مقسم علیہ کی نظیر ہے۔ کیونکہ آیت نظیر میں بھی ایک گونہ استدلال ہوتا ہے۔ چنانچہ ان فرشتوں کے حالات سے جو مصنوع ہیں وجود صانع اور توحید پر استدلال ظاہر ہے۔

آسمانوں کا عجیب وغریب نظام: ...... مشرق سے مراد شمال سے جنوب تک وہ نقطے ہیں جن سے روزانہ سورج اور دوسرے ستارے طلوع ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے بالمقابل دوسری جانب کے فرضی نقطوں کو مغارب کہا جائے گا۔ ان کا ذکر یہاں تو اس لئے نہیں کیا کہ مقابلہ سے وہ خود سمجھ میں آجائیں گے اور یا اس لئے کہ اللہ کی شان کبریائی نمایاں کرنے میں جتنا دخل طلوع کو ہے غروب کو نہیں ہے۔ گو دوسری متعدد وجوہ سے غروب کی دلالت زیادہ واضح ہے۔

اندھیری رات میں آسمان بے شمار ستاروں کی جگمگاہٹ سے کتنا خوبصورت، پرکشش اور رونق دار معلوم ہوتا ہے اور جہاں ان ستاروں سے آسمان کی زینت وآرائش مقصود ہے وہیں بعض ستاروں سے یا ان کے ٹکڑوں یا کرنوں سے شیاطین کو مار بھگایا جاتا ہے۔ یہ نوری کواکب مستقل ہیں یا ان کی شعاعوں سے ہوا متکیف ہو کر سلگتی نظر آتی ہے اس میں حکماء مختلف ہیں۔

غرض اس طرح شیاطین کو فرشتوں کی مجلس میں پہنچنے نہیں دیا جاتا اور ہر طرف سے مار بھگایا جاتا ہے۔ یہ ذلت اور پھٹکار تو دنیا میں ہمیشہ ان پر رہے گی اور آخرت کا دائمی عذاب الگ رہا۔ اس تگ ودو میں کبھی تو شیاطین سننے کا ارادہ کرتے ہی مار ڈالے جاتے ہیں اور کبھی سنتے ہی تباہ کر دیئے جاتے ہیں اور ان خبروں کو دوسروں تک پہنچنے کی نوبت نہیں آتی اور بھاگ دوڑ میں کوئی ایک آدھ بات

اپنے پینے پر بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ یہ تمام تر انتظامات ایک اللہ کی کبریائی پر دلالت کرتے ہیں۔ اس دلیل کے بعض مقدمات اگرچہ نقلی ہیں لیکن خود اس سمعی دلیل کی صحت چونکہ عقلی دلیل سے ثابت ہے۔ اس لئے نقلی مقدمات بھی مثل عقلی کے ہوگئے ہیں۔ پس یہ دلیل توحید بھی معنی عقلی ہی رہی۔

علم ہئیت کے اشکال کا حل: آیت انا زینا السماء الدنیا الخ سے ان کواکب نوریہ کا آسمان دنیا میں ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور قدیم حکماء کے بیانات سے ان کا الگ الگ آسمانوں پر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اول تو حکماء کی دلیل ناکافی ہے۔ دوسرے اگر کسی صحیح دلیل سے یہ بات ثابت بھی ہو جائے تو آیت کی یہ توجیہ ہوگی یہ ستارے اگرچہ اوپر بھی ہوں تب بھی نچلے آسمان کے نیچے ہی سے نظر آئیں گے۔ اور یہ معلوم ہوگا۔ کہ اسی آسمان میں ٹنگ رہے ہیں اور ظاہر ہے لا یسمعون سے اکثر جنات وشیاطین سے سننے کی نفی ہو رہی ہے۔ پھر ایک آدھ بات شیاطین کے پلہ پڑ بھی جائے تو یقذفون سے اس کی نفی اور اس کے بعد بھی اتفاقیہ ایک آدھ بات کے نکل جانے کی نفی اتبعہ سے معلوم ہو رہی ہے۔ اور من کل جانب کا مطلب یہ نہیں کہ ہر طرف سے ان پر بوچھاڑ ہوتی ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ جس طرف بھی شیطان جاتا ہے ادھر ہی سے مار مار کر بھگا دیا جاتا ہے۔

اور شیطان کی اس حالت کے بیان کرنے سے جہاں توحید پر استدلال ہے وہیں شرک کی تردید بھی دوسرے طریقہ سے ہو جاتی ہے کہ جب شیاطین اس درجہ مردود ہیں کہ اوپر بھی نہیں جا سکتے۔ تو پھر لائق پرستش کیسے ہو سکتے ہیں۔

اور اس سے وحی ورسالت کی حفاظت وصحت بھی ثابت ہوگئی کہ اس میں کہانت وغیرہ کا شائبہ تک نہیں ہے۔ اور قیامت کا اثبات آگے خود آ رہا ہے۔ یعنی منکرین غور کر کے بتلائیں کہ جس خدا نے زمین وآسمان، چاند، سورج، ستارے، فرشتے، جنات وغیرہ بے شمار مخلوق بنا ڈالی۔ وہ ان کے نزدیک زیادہ مشکل کام ہے یا خود ان کو پیدا کرنا؟ اور وہ بھی پہلی مرتبہ نہیں بلکہ دوبارہ پیدا کرنا جو انسانی نقطۂ نظر سے بہ نسبت اول کے آسان ہے۔

عقیدہ قیامت عقلاً ونقلاً صحیح ہے: انسان اپنی اصل اور اول پیدائش پر نظر ڈالے کہ ایک طرح کا چپکتا ہوا گارا تھا جس میں نہ حاقت تھی اور نہ صلابت۔ پس اس سے بنے ہوئے انسان میں حاقت وصلابت کہاں سے آئی۔ اس عقلی دلیل سے واضح ہوگیا کہ قیامت ممکن ہے۔ رہا قیامت کا ممکن ہونا تو وہ پیغمبروں کے فرمان سے معلوم ہوتا ہے۔ اور پیغمبروں کی پیغمبری معجزات سے معلوم ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ معجزہ دیکھ کر بھی یہ ٹھٹھا کرتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ (العیاذ باللہ) یہ شخص کیسی بے سروپا باتیں کرتا ہے۔ وہی مرغے کی ایک ٹانگ گائے جاتا ہے۔ بھلا جب مر گل گئے اور ہڈیاں تک برادہ ہو کر خاک میں مل گئیں۔ تو پھر ہم کس طرح مان لیں کہ قرن اور صدیاں بیت جانے پر پھر جلا کر کھڑے کر دیئے جائیں گے؟

فرماتے ہیں کہ ضرور اٹھائے جاؤ گے اور اس انکار کی سزا بھگتو گے۔ ایک ہی ڈانٹ میں سب اٹھ کھڑے ہوں گے اور ہکا بکا رہ جائیں گے اور پکار اٹھیں گے کہ ہائے یہ تو وہی سزا بھگتنے کا وقت آ گیا۔ جس کی پیغمبروں نے برابر رٹ لگائے رکھی اور ہم نے ایک نہ سن کر دی۔

وَيُقَالُ لِلْمَلٰئِكَةِ **اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا** اَنْفُسَهُمْ بِالشِّرْكِ **وَاَزْوَاجَهُمْ** قُرَنَاءَهُمْ مِنَ الشَّيَاطِيْنِ **وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَىْ غَيْرَهُ مِنَ الْاَوْثَانِ **فَاهْدُوْهُمْ** دُلُّوْهُمْ وَسُوْقُوْهُمْ **اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿۲۳﴾** طَرِيْقِ النَّارِ **وَقِفُوْهُمْ** اِحْبِسُوْهُمْ عِنْدَ الصِّرَاطِ **اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾** عَنْ جَمِيْعِ اَقْوَالِهِمْ وَاَفْعَالِهِمْ وَيُقَالُ لَهُمْ تَوْبِيْخًا **مَالَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾** لَا يَنْصُرُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا كَحَالِكُمْ فِى الدُّنْيَا وَيُقَالُ لَهُمْ **بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾** مُنْقَادُوْنَ اِذْلَاءُ **وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾** يَتَلَاوَمُوْنَ وَيَتَخَاصَمُوْنَ **قَالُوْٓا** اَىِ الْاَتْبَاعُ مِنْهُمْ لِلْمَتْبُوْعِيْنَ **اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿۲۸﴾** عَنِ الْجِهَةِ الَّتِىْ كُنَّا نَأْمَنُكُمْ مِنْهَا بِحَلْفِكُمْ اَنَّكُمْ عَلَى الْحَقِّ فَصَدَّقْنَاكُمْ وَاتَّبَعْنَاكُمْ اَلْمَعْنٰى اَنَّكُمْ اَضْلَلْتُمُوْنَا **قَالُوْا** اَىِ الْمَتْبُوْعُوْنَ لَهُمْ **بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۹﴾** وَاِنَّمَا يَصْدُقُ الْاِضْلَالُ مِنَّا اَنْ لَوْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ فَرَجَعْتُمْ عَنِ الْاِيْمَانِ اِلَيْنَا **وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ** قُوَّةٍ وَّقُدْرَةٍ تَقْهَرُكُمْ عَلٰى مُتَابَعَتِنَا **بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿۳۰﴾** ضَالِّيْنَ مِثْلَنَا **فَحَقَّ** وَجَبَ **عَلَيْنَا** جَمِيْعًا **قَوْلُ رَبِّنَآ** بِالْعَذَابِ اَىْ قَوْلُهٗ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ **اِنَّا** جَمِيْعًا **لَذَآئِقُوْنَ ﴿۳۱﴾** الْعَذَابَ بِذٰلِكَ الْقَوْلِ وَنَشَاَ عَنْهُ قَوْلُهُمْ **فَاَغْوَيْنٰكُمْ** اَلْمُعَلَّلُ بِقَوْلِهِمْ **اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿۳۲﴾** قَالَ تَعَالٰى **فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ** يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾** لِاشْتِرَاكِهِمْ فِى الْغَوَايَةِ **اِنَّا كَذٰلِكَ** كَمَا نَفْعَلُ بِهٰٓؤُلَاءِ **نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۴﴾** غَيْرِ هٰٓؤُلَاءِ اَىْ نُعَذِّبُهُمُ التَّابِعَ مِنْهُمْ وَالْمَتْبُوْعَ **اِنَّهُمْ** اَىْ هٰٓؤُلَاءِ بِقَرِيْنَةِ مَابَعْدَهٗ **كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا** فِىْ هَمْزَتَيْهِ مَا تَقَدَّمَ **لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾** اَىْ لِاَجْلِ قَوْلِ مُحَمَّدٍ قَالَ تَعَالٰى **بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾** اَلْجَائِيْنَ بِهٖ وَهُوَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ **اِنَّكُمْ** فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ **لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا** جَزَاءَ **مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾** اَىِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِسْتِثْنَاءٌ مُنْقَطِعٌ اَىْ ذُكِرَ جَزَاؤُهُمْ فِىْ قَوْلِهٖ **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ** فِى الْجَنَّةِ **رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾** بُكْرَةً وَّعَشِيًّا **فَوَاكِهُ** بَدَلٌ اَوْ بَيَانٌ لِلرِّزْقِ وَهِىَ مَا يُؤْكَلُ تَلَذُّذًا لَا لِحِفْظِ صِحَّةٍ لِاَنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ مُسْتَغْنُوْنَ عَنْ حِفْظِهَا بِخَلْقِ اَجْسَامِهِمْ لِلْاَبَدِ **وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾** بِثَوَابِ اللّٰهِ **فِىْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾** لَا يَرٰى بَعْضُهُمْ قَفَا بَعْضٍ **يُطَافُ عَلَيْهِمْ** عَلٰى كُلٍّ مِّنْهُمْ **بِكَاْسٍ** هُوَ الْاِنَاءُ بِشَرَابِهٖ **مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾** مِنْ خَمْرٍ يَجْرِىْ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ كَاَنْهَارِ الْمَاءِ **بَيْضَآءَ** اَشَدَّ بَيَاضًا مِنَ

لبن **لَذَّةٍ** لذيذة **لِّلشّٰرِبِيْنَ** ﴿۴۶﴾ بخلاف خمر الدنيا فانها كريهة عند الشرب **لَا فِيْهَا غَوْلٌ** ما يغتال عقولهم **وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ** ﴿۴۷﴾ بفتح الزاي وكسرها من نزف الشارب وانزف اى يسكرون بخلاف خمر الدنيا **وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ** حابسات الاعين على ازواجهن لا ينظرن الى غيرهم لحسنهم عندهن **عِيْنٌ** ﴿۴۸﴾ ضخام الاعين حسانها **كَاَنَّهُنَّ** في اللون **بَيْضٌ** للنعام **مَّكْنُوْنٌ** ﴿۴۹﴾ مستور بريشه لا يصل اليه غبار ولونه وهو البياض في صفرة احسن الوان النساء **فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ** بعض اهل الجنة **عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ** ﴿۵۰﴾ عما مر بهم في الدنيا **قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ** ﴿۵۱﴾ صاحب ينكر البعث **يَّقُوْلُ** لي تبكيتا **ءَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ** ﴿۵۲﴾ بالبعث **ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا** في الهمزتين في ثلثة مواضع ما تقدم **لَمَدِيْنُوْنَ** ﴿۵۳﴾ مجزيون ومحاسبون انكر ذلك ايضا **قَالَ** ذلك القائل لاخوانه **هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ** ﴿۵۴﴾ معي الى النار لننظر حاله فيقولون لا **فَاطَّلَعَ** ذلك القائل من بعض كوى الجنة **فَرَاٰهُ** اى رأى قرينه **فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ** ﴿۵۵﴾ اى وسط النار **قَالَ لَهٗ** تشميتا **تَاللّٰهِ اِنْ** مخففة من الثقيلة **كِدْتَّ** قاربت **لَتُرْدِيْنِ** ﴿۵۶﴾ لتهلكني باغوائك **وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ** اى انعامه علي بالايمان **لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ** ﴿۵۷﴾ معك في النار ويقول اهل الجنة **اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ** ﴿۵۸﴾ **اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى** اى التي في الدنيا **وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ** ﴿۵۹﴾ هو استفهام تلذذ وتحدث بنعمة الله تعالى من تابيد الحيوة وعدم التعذيب **اِنَّ هٰذَا** الذي ذكر لاهل الجنة **لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ** ﴿۶۰﴾ **لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ** ﴿۶۱﴾ قيل يقال لهم ذلك وقيل هم يقولونه **اَذٰلِكَ** المذكور لهم **خَيْرٌ نُّزُلًا** وهو ما يعد للنازل من ضيف وغيره **اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ** ﴿۶۲﴾ المعدة لاهل النار وهي من اخبث الشجر المر بتهامة ينبتها الله في الجحيم كما سياتي **اِنَّا جَعَلْنٰهَا** بذلك **فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ** ﴿۶۳﴾ اى الكافرين من اهل مكة اذ قالوا النار تحرق الشجر فكيف تنبته **اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ** ﴿۶۴﴾ قعر جهنم واغصانها ترفع الى دركاتها **طَلْعُهَا** المشبه بطلع النخل **كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ** ﴿۶۵﴾ اى الحيات القبيحة المنظر **فَاِنَّهُمْ** اى الكفار **لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا** مع قبحها لشدة جوعهم **فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ** ﴿۶۶﴾ **ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ** ﴿۶۷﴾ اى ماء حار يشربونه فيختلط بالماكول منها فيصير شوبا له **ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ** ﴿۶۸﴾ يفيد انهم يخرجون منها لشرب

نحسِم وبئۃ نحارِجُها **اِنَّهُمْ اَلْفَوْا** وحدُوْا **اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ** ﴿۶۹﴾ **فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ** ﴿۷۰﴾ يُسرعُون الى اتباعِهِم فيُسرعُونَ اِليهِ **وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ** ﴿۷۱﴾ مِنَ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ **وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ** ﴿۷۲﴾ مِن الرُّسُلِ مُخوِّفِين **فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ** ﴿۷۳﴾ الكافِرِين اى عاقبتُهُم العذابُ **اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ** ﴿۷۴﴾ اَيِ الْمُؤْمِنِيْنَ فَاِنَّهُمْ نَجَوْا مِنَ الْعَذَابِ لِاِخْلَاصِهِمْ فِي الْعِبَادَةِ اَوْ لِاَنَّ اللّٰهَ اَخْلَصَهُمْ لَهَا عَلٰى قِرَاءَةِ فَتْحِ اللَّامِ

ترجمہ: (اور فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) جمع کرلو ان لوگوں کو جنہوں نے (شرک کر کے اپنی جانوں پر) ستم ڈھایا ہے اور ان جیسے اوروں کو (شیطانی دوستوں میں سے) اور ان معبودوں کو جن کی وہ لوگ عبادت کیا کرتے تھے خدا کو چھوڑ کر (اللہ کے علاوہ بت) پھر ان سب کو دوزخ کا رستہ (جہنم کی راہ) بتلا دو (دکھلا دو اور کھینچ کر ڈال دو) اور انہیں ٹھہرائے رکھو (جہنم کے پاس روکے رکھو) ان سے پوچھ گچھ کی جائے گی (ساری باتوں اور کاموں کی اور انہیں ڈانٹ پلائی جائے گی کہ) اب تمہیں کیا ہوگیا کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے (دنیا کی طرح آپس میں کیوں کام نہیں آتے۔ ان سے جھڑک کر کہا جائے گا) بلکہ آج وہ سب کے سب سرافگندہ ہیں (سرنگوں، ذلیل) ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے سوال وجواب کرنے لگیں گے (ملامت اور جھگڑا کریں گے) کہیں گے (معمولی لوگ ذی حیثیت لوگوں سے) تم ہمارے پاس شان وشوکت سے آیا کرتے تھے (جسے دیکھ کر ہمیں تمہاری قسموں پر اطمینان ہو جاتا تھا کہ تم برسر حق ہو اس لئے تمہاری ہم تصدیق اور پیروی کیا کرتے تھے یعنی تم ہمیں بھی لے ڈوبے ہو) جواب میں بولیں گے (ان کے پیشوا) نہیں تم خود ہی ایمان نہیں لاتے تھے (ہماری جانب سے گمراہ کرنا تو اس وقت کہا جاتا جب کہ خود تو تم ایمان لائے ہوئے ہوتے اور پھر ایمان سے روگردانی کر کے ہماری طرف پھر جاتے) ہماری تم پر کوئی زور زبردستی نہ تھی (ایسی کہ تمہیں اپنی پیروی پر مجبور کردیتے) بلکہ تم خود ہی سرکشی کیا کرتے تھے (ہماری طرح گمراہ تھے) ہم سب ہی پر ہمارے پروردگار کی بات متحقق ہو چکی (دوبارہ عذاب، ارشاد ربانی لاملان جہنم من الجنة والناس اجمعین کے مطابق) ہم سبھی کو مزہ چکھنا ہے (اس ارشاد ربانی کی وجہ سے عذاب کا۔ اسی ارشاد کے مطابق ان کی زبانوں پر بھی یہ بات آگئی) لہٰذا ہم نے تمہیں گمراہ بنایا (بقول ان کے گمراہی کا سبب بنے) ہم خود بھی گمراہ تھے (ارشاد الٰہی ہوگا) یہ سب لوگ (قیامت میں بھی) شریک عذاب رہیں گے (جیسے گمراہی میں شریک تھے) ہم ان کے ساتھ ایسا ہی کریں گے جیسے مجرمین کے ساتھ کیا کرتے ہیں (ان کے علاوہ یعنی ان پیروکاروں اور پیشواؤں سب کو سزا دیں گے) وہ لوگ (یعنی کفار۔ بعد کی عبارت اس پر قرینہ ہے) ایسے تھے کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے تو تکبر کیا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ کیا ہم (اس لفظ کی دونوں ہمزاؤں میں وہی تحقیق ہوگی جو گزر چکی ہے) اپنے معبودوں کو چھوڑ سکتے ہیں ایک دیوانہ شاعر (حضرت محمد ﷺ) کی وجہ سے (ارشاد ربانی ہے) بلکہ آپ ایک سچا دین لے کر آئے ہیں۔ اور دوسرے تمام پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہیں (جو کلمہ توحید کی دعوت لے کر آئے تھے) تم سب کو (اس میں صنعت التفات ہے) دردناک عذاب چکھنا پڑے گا اور تمہیں صرف تمہارے کئے کا بدلہ ملے گا۔ ہاں! مگر جو اللہ کے خاص بندے ہیں (یعنی مومن۔ یہ استثناء منقطع ہے۔ چنانچہ ان کا انعام آگے بیان کیا جارہا ہے) ان کے لئے (جنت میں) ایسی غذائیں ہوں گی جو مقرر ہیں (صبح شام) یعنی میوے (یہ رزق کا بدل یا بیان ہے اور پھل پھلاری محض ذائقہ اور مزے کے لئے ہوتے ہیں ان سے صحت کی حفاظت مقصود نہیں ہوتی۔ کیونکہ جنتیوں کے جسم ابدی ہوں گے جو حفاظت سے بے نیاز ہوں

گے) وروہ لوگ (اللہ کی عطا سے) بڑی عزت سے آرام کے باغوں میں آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے (ایک دوسرے کی پیٹھ نہیں ہوگی) پیش کیا جائے گا (ان میں سے) ہر ایک پر ایسا جام (شراب کا پیمانہ) جو بہتی شراب سے لبالب ہوگا (شراب کی نہر ایسی ہوگی جیسے زمین پر پانی کی نہر ہوتی ہے) سفید ہوگی (دودھ سے بھی زیادہ) پینے والوں کے لئے لذت دار (مزہ دار) ہوگی (دنیا کی شراب کے برخلاف جس کا پینا ناگوار ہوتا ہے) نہ اس میں بہکنا ہوگا (جس سے عقل میں فتور آ جائے) اور نہ اس میں بدمستی ہوگی (لفظ ینزفون فتحہ ز اور کسرہ ز کے ساتھ نزف الشارب وانزف سے ماخوذ ہے یعنی دنیا کی شراب جیسا نہیں ہوگا) اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والی (جو صرف اپنے شوہروں کے نظارہ میں محو رہتی ہیں کسی اور طرف خوبصورت سمجھ کر نظر نہیں اٹھاتیں) بڑی بڑی آنکھوں والی ہوں گی (جن کی نہایت خوبصورت آنکھیں ہوں گی) گویا وہ (رنگت کے اعتبار سے شترمرغ کے) انڈے ہیں جو محفوظ ہیں (پردوں میں چھپے ہوئے غبار سے محفوظ اور زردی آمیز سفید رنگ جو عورتوں میں پسندیدہ سمجھا جاتا ہے) ایک دوسرے کی طرف (جنتی) متوجہ ہو کر بات چیت کریں گے (دنیا میں کس طرح گزری ہے) ان میں ایک بولے گا میرا ایک ملاقاتی تھا (جو قیامت کا منکر تھا) کہا کرتا تھا (مجھے سرزنش کرتے ہوئے) کیا تو بھی (قیامت کے) معتقدین میں سے ہے۔ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے (تینوں مواقع کی دونوں ہمزاؤں میں گزشتہ تفصیل جاری ہوگی) تو کیا جزاء وسزا دیئے جائیں گے؟ (حساب کتاب ہوگا؟ اسے اس کا بھی انکار ہوگا) کہے گا (یہ کہنے والا اپنے دوستوں سے) کیا تم جھانک کر دیکھنا چاہتے ہو (میرے ساتھ جہنم کو وہ بولیں گے نہیں) سو وہ خود جھانکے گا (جنت کے کسی روشن دان سے) سو اس (اپنے ساتھی) کو جہنم کے بیچوں بیچ دیکھے گا بولے گا (دشمن کی بدحالی پر خوش ہوتے ہوئے) بخدا تو تو (ان مخففہ ہے) مجھے تباہ ہی کرنے کو تھا (مجھے بہکا کر بربادی کے قریب پہنچا دیا تھا) اور اگر میرے پروردگار کا مجھ پر فضل نہ ہوتا (کہ ایمان کی دولت دے کر مجھ پر انعام کیا) تو میں بھی گرفتار ہو جاتا (تیرے ساتھ جہنم میں۔ اور جنتی بولیں گے کہ) کیا ہم پھر دوبارہ نہیں مریں گے پہلی بار مرنے کے علاوہ (جو دنیا میں ہو چکا ہے) اور نہ ہمیں عذاب ہوگا (یہ پوچھنا مزہ لینے کے لئے اور ابدی زندگی اور عذاب نہ ہونے کے انعام کو یاد رکھنے کے لئے ہوگا) یہ بے شک (جس کا ذکر جنتیوں کے لئے ہوا ہے) بڑی کامیابی ہے۔ ایسی کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے (بعض کی رائے میں یہ بات اللہ کی طرف سے کہی جائے گی اور بعض کے نزدیک وہ خود آپس میں کہیں گے) بھلا یہ (اہل جنت کے بیان کردہ حالات) دعوت بہتر ہے (مہمان وغیرہ کی آمد پر جو کچھ پیش کیا جائے) یا زقوم کا درخت (جو جہنمیوں کے لئے تیار ہوگا۔ یہ تہامہ کے بدترین کڑوے درختوں میں سے ہے اللہ ان کے لئے دوزخ میں اگائے گا۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے) ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لئے ایک آزمائش بنایا ہے (مکہ کے کافروں کے لئے جنہوں نے کہا کہ آگ تو درخت کو جلا دیتی ہے پھر کس طرح وہاں اُگے گا) وہ ایک درخت ہے جو جہنم کی تہہ سے نکلے گا (جس کی جڑ قعر جہنم میں ہوگی اور شاخیں اس کے طبقات تک پھیلی ہوں گی) اس کے پھل (جو کھجور کے گچھوں کے برابر ہوں گے) ایسے ہیں جیسے سانپوں کے پھن (ہیبت ناک ناگ) سچ بات یہ ہے کہ یہ (کفار) اسی کو کھائیں گے (خراب ہونے کے باوجود، انتہائی بھوک کے مارے) اسی سے پیٹ بھریں گے پھر اس پر انہیں کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا (گرم پانی پلایا جائے گا جو کھانے کے ساتھ گھل مل جائے گا) پھر ان کا اخیر ٹھکانہ دوزخ ہی کی طرف ہوگا (لفظ مرجع سے یہ بات نکلتی ہے کہ گرم پانی پلانے کے لئے دوزخیوں کو باہر نکالا جائے گا اور گرم پانی دوزخ سے باہر ہوگا) انہوں نے اپنے بڑوں کو گمراہی کی حالت میں پایا تھا۔ پھر یہ انہی کے قدم بقدم تیزی سے چلتے رہے (یعنی ان کی پیروی میں دوڑ دھوپ کرتے رہے) اور ان سے پہلے بھی اگلے لوگوں میں (پچھلی امتوں میں) اکثر گمراہ ہو چکے ہیں اور ہم نے ان میں بھی ڈرانے والے (پیغمبر) بھیجے تھے۔ سو دیکھ لیجئے ان لوگوں کا کیسا برا انجام ہوا۔ جنہیں ڈرایا گیا تھا (یعنی کافروں کا انجام عذاب ہوا) ہاں مگر جو اللہ کے مخصوص بندے تھے (یعنی

مومن۔ انہیں اخلاص عبادت کی وجہ سے عذاب سے چھٹکارا رہا۔ یا اللہ نے انہیں بچا لیا، جب کہ مخلصین میں فتحہ لام کی قراءت ہو۔)

تحقیق وترکیب: احشروا۔ یہ اللہ کا حکم فرشتوں کو ہوگا۔ یا ایک دوسرے کو آپس میں کہیں گے خواہ اپنی اپنی جگہ سے دوزخ کی طرف جانے کے لئے یا موقف سے دوزخ میں جانے کے لئے۔

ازواج۔ اس کے معنی مشابہ مماثل کے ہیں زوج الخف موزہ کی جوڑی کو کہتے ہیں۔ سورۂ واقعہ میں **وکنتم ازواجا ثلثة** اسی قبیل سے ہے۔ بقول ضحاک ومقاتل ہر کافر اپنے ہمزاد شیطان کے ساتھ جہنم میں جھونکا جائے گا۔ اور ابن عباسؓ اور ابو عمرؓ فرماتے ہیں کہ بت پرست، بت پرستوں کے ساتھ کواکب پرست، کواکب پرستوں کے ساتھ علی ہذا زناکار، زناکاروں کے ساتھ، شرابی شرابیوں کے ساتھ ہوں گے۔ اور حسنؒ کی رائے میں مشرک مرد مشرک بیویوں کے ساتھ رکھے جائیں گے۔

وقفوهم پل صراط پر چونکہ پوچھ گچھ ہوگی اس لئے وہاں ٹھہرایا جائے گا۔

عن اليمين یہ حال تاتوننا کی ضمیر سے اور یمین سے مراد داہنا ہاتھ ہے اور مجاز مرسل یا استعارہ قوت سے ہے۔ کیونکہ داہنی جانب قوی ہوا کرتی ہے۔ اسی لئے اس سے چیزوں کو پکڑا جاتا ہے۔ ای **تقصدو ننا عن السلطان والعلبة حتى تحملونا على الضلال كذا قال الفراء** اور یا صف وقسم مراد ہے۔ کیونکہ معاملات طے کرنے میں قسم کھاتے ہوئے فریقین ایک دوسرے کا داہنا ہاتھ چھوتے ہیں۔ ای **یاتو ننا مقسمين حالفين** مفسر علامؒ نے دوسرے معنی لئے ہیں۔

فرجعتم عن الايمان۔ اس میں بھی دونوں احتمال ہیں۔ مفسر علام، دوسرے معانی مراد لے رہے ہیں۔

انا لذائقون یہ جملہ جہنمیوں کے قول کی حکایت ہے ورنہ **انكم لذائقون** کہنا چاہئے تھا۔

فاغويناكم بظاہر یہ **انا كنا غوين** کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ لیکن معنی یہ ہیں کہ ہم تمہاری گمراہی کا سبب تو بنے مگر ہم نے تمہیں گمراہی پر مجبور نہیں کیا تھا۔ صرف اپنی پسندیدہ راہ کی تمہیں دعوت دی تھی۔ جس کے ہم قصوروار ہیں مگر چلے تم اپنی مرضی سے۔ اس لئے تم ذمہ دار ہو۔

بالحق وصدق المرسلين کافروں کی تردید فرمادی کہ توحید کی دعوت حق ہے جس پر دلائل قائم ہیں اور تمام انبیاءؑ کا متفقہ عقیدہ ہے۔

انكم صیغہ غائب سے خطاب کی طرف التفات ہے شدت غضب ظاہر کرنے کے لئے۔

الا عباد الله۔ یہ استثناء منقطع ہے **ما تجزون** کی ضمیر سے بمعنی لکن اور **اولئک** خبر ہے۔ **ای الكفار لا يجزون الا بقدر اعمالهم واما عباد الله المخلصون فانهم يجزون اضعافا مضاعفة** یہی مطلب ہے عبارت مفسر **ای ذكر جزاؤهم فی قوله اولئك لهم الخ** کا۔

في جنت النعيم یہ **مكرمون** کا متعلق بھی ہوسکتا ہے اور خبر ثانی بھی۔ اسی طرح یہ اور **على سرر** اور **متقابلين** سب حال بھی ہوسکتے ہیں۔ نیز **على سرر**، **متقابلين** کے متعلق بھی ہوسکتا ہے اور **يطاف عليهم** **مكرمون** کی صفت بھی بن سکتی ہے۔ یا **متقابلين** کی ضمیر سے یا دونوں جار مجرور میں سے کسی ایک کی ضمیر سے بھی حال ہوسکتا ہے جب کہ وہ بھی حال ہوں۔

بكاس شیشہ کا پیالہ گلاس جب کہ اس میں شراب ہو۔ ورنہ خالی کو قدح کہا جاتا ہے۔

من معين **كاس** کی صفت ہے ای **كائنة من معين** اور معین کا موصوف مقدر ہے۔ ای **من خمر معين** بمعنی جاری۔

لذة۔ یہ لذ کا مؤنث ہے لذ بمعنی لذیذ جیسے طب بمعنی طیب۔ مصدر مبالغہ کے لئے ہے۔

غول. دنیاوی شراب کی آفات بدحالی، بے عقلی، سرگرانی، بدمستی وغیرہ ہیں۔

ینزفون. نزف، الشارب فهو نزيف ومنزوف زوال عقل کے معنی ہیں۔ جب کہ اکثر قراء کے مطابق فتحہ ز کے ساتھ ہو اور بقول حمزہؒ اور علیؒ کسرہ ز کے ساتھ انزف الشارب بمعنی بے عقلی یا شراب کا چلا جانا۔

قاصرات الطرف. صفت مشبہ کے قبیل سے ہے ای قاصرات اطرافهن جیسے منطلق اللسان اس صورت میں مضاف الیہ مرفوع المحل ہوگا۔ اور اصل کا اعتبار کرتے ہوئے باب اسم فاعل سے بھی ہوسکتا ہے۔ اس وقت مضاف الیہ مرفوع المحل ہوگا۔ ای قصرت اطرافهن علی ازواجهن کنایہ ہے عفت اور پاک دامنی سے۔

عین . جمع ہے عیناء کی اور مذکر کے لئے اعین آتا ہے۔ بمعنی بڑی بڑی آنکھیں۔ بقر وحشی کو عیناء اور اعین بولتے ہیں۔
بیض اسم جنس ہے یا جنس ہے۔ واحد بیضۃ ہے اور نعامہ کی تخصیص اس کے مفہوم میں داخل نہیں ہے خارجی مفہوم ہے۔

مکنون . یہ مفرد لایا گیا ہے۔ حالانکہ بیض موصوف جمع ہے۔ کیونکہ جہاں مفرد و جمع میں صرف تا کی وجہ سے فرق ہو وہاں مذکر و مؤنث یکساں ہوتے) ہیں۔

یتساء لون. یہ تفریحی گفتگو مجلس شراب میں ہوگی۔

مطلعون . تاکہ قرین کا حال معلوم ہوسکے۔

افما نحن بمیتین . ہمزہ کے بعد اس کا معطوف علیہ مقدر ہے ای انحن مخلدین فما نحن بمیتین .

الا موتتنا الاولی. مصدر کی وجہ سے منصوب ہے اور عامل اس سے پہلے وصف ہے یہ استثناء مفرغ ہے یا استثناء منقطع ای لکن الموتۃ الاولی کانت لنا فی الدنیا اور یہ کلام باہمی جنتیوں کا تلذذ اور نشاط کے لئے ہوگا۔ اور یا فرشتوں کی طرف روئے سخن ہوگا۔

ان هذا. یہ بھی جنتیوں کے کلام کا تتمہ ہے یا جواب اللہ ہے لیکن اہل جنت کے لئے جنت میں نہیں۔ کیونکہ **فلیعمل العاملون** وہاں بے محل ہے۔ البتہ دنیا میں رہتے ہوئے ارشاد ہو رہا ہے۔

الشجرۃ الزقوم. یہ درخت زہریلا ہوتا ہے۔ بدن کو لگ جائے تو ورم ہوجاتا ہے۔ نہایت بدذائقہ بدبودار ہوتا ہے۔ پتے چھوٹے ہوتے ہیں۔ تہامہ بستی میں ہوتا ہے۔ جس طرح طوبیٰ درخت کا پھیلاؤ اہل جنت کے لئے ہوگا اسی طرح زقوم جہنمیوں کے لئے ہوگا۔

رءوس الشیاطین. ناگ پھن اگر مراد ہیں تو کلام حقیقت پر محمول ہوگا ورنہ تشبیہ مراد ہے۔

ثم ان مرجعهم. بعض کی رائے یہ ہے کہ جہنم میں داخل ہونے سے پہلے ہی زقوم و حمیم دیا جائے گا۔ لیکن لفظ مرجع بے جوڑ ہوجاتا ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ جہنم سے باہر نکل کر واپس آنا مراد نہیں ہے۔ بلکہ جہنم میں رہتے ہوئے اپنے مستقر سے ہٹ کر پھر مستقر پر واپس ہونا مراد ہے اور ایک توجیہ مفسر علام کر رہے ہیں۔

شان نزول: .... آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب کی وفات کے وقت جب کلمہ توحید کی تلقین و دعوت فرمائی۔ تو قریش کا مجمع بھی وہاں تھا۔ آپ نے فرمایا۔ **قولوا لا الٰه الا الله تملكوا بها العرب وتداین لكم بها العجم** . مگر قریش نے یہ کہتے ہوئے رد کر دیا۔ **اننا لتارکوا الهتنا لشاعر مجنون** اس پر آیت **انهم كانوا اذا قيل** الخ نازل ہوئی۔

آیت **افما نحن** الخ کے سلسلہ میں خطیبؒ نے بعض کی طرف سے نقل کیا ہے کہ جنت میں داخل ہونے سے پہلے جنتیوں کو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ انہیں موت نہیں آئے گی۔ لیکن موت کو جب دنبہ کی صورت میں ذبح ہوتے دیکھیں گے تو فرشتوں سے بطور فرحت **افما نحن** الخ کہہ کر استفسار کریں گے فرشتے ان کو [illegible] جنتی یہ کلام اپنے

قرین سے سرزنش کرتے ہوئے کہے گا۔ آیت ان شجرۃ الزقوم جب نازل ہوئی تو ابوجہل بولا۔ **لا نعرف الزقوم الا التمر بالزبد** اس کا یہ انکار محض عناداً تھا۔

تشریح: بعض احوال قیامت کی تفصیل ذکر فرمائی جا رہی ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہوگا۔ **احشروا الذین ظلموا**۔

اور ازواج سے مراد شریک کفر و معصیت لوگ ہیں یا کافر بیویاں۔ اور **مایعبدون من دون اللّٰہ** سے بت وشیاطین وغیرہ مراد ہیں۔ اور موقف حشر میں کھڑا کر کے " **وما لکم لاتناصرون** " کا سوال کیا جائے گا۔ کہ دنیا میں تو "**نحن جمیع منتصر**" کہا کرتے تھے۔ پھر آج کیا ہوا؟ ایک دوسرے کی مدد تو کیا کرتے، جسے دیکھو کان ہلائے بغیر کشاں کشاں چلا آ رہا ہے۔

دنیا کی چودھراہٹ قیامت میں کام نہیں آئے گی: ...... **واقبل بعضهم الخ** سے دنیا میں جو زبردست اور زیر دست رہے ہوں گے ان کی گفتگو نقل ہو رہی ہے۔ زور وقوت چونکہ عموماً داہنے ہاتھ میں ہوا کرتا ہے۔ اس لئے یمین سے زور وقوت مراد ہے۔ یعنی دنیا میں تو بڑے زوردار طریقے سے ہم پر چڑھ دوڑا کرتے تھے۔ اور یمین سے مراد حلف اور خیر و برکت ہو سکتی ہے یعنی قسمیں کھا کھا کر یا زور دے کر خیر و برکت سے ہمیں باز رکھتے تھے۔ زیردستوں کے اس اعتراض کے جواب میں زبردست کہیں گے کہ ایمان تو خود نہیں لائے اور الزام ہم پر دھرتے ہو۔ ہم نے اگر کچھ کہا بھی تھا تو زبردستی تو نہیں کی تھی۔ ماننا نہ ماننا تو تمہارا کام تھا۔ اسی طرح بے غرض نصیحت کرنے والوں اور بہکانے والوں میں امتیاز کرنا تمہارا کام تھا۔ ہم چونکہ خود گمراہ تھے اس لئے دوسروں کو بھی گمراہی کی دعوت دے سکتے تھے۔ ہم سے اور کیا توقع ہو سکتی تھی۔ ہم نے وہی کیا جو ہمارے مناسب تھا۔ تم آخر کیوں چکمے میں آ گئے۔ خدا نے تمہیں عقل دی تھی اس سے کام لینا تھا۔ خیر اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ خدا کی بات "**لاملأن جهنم الخ**" پوری ہو رہی ہے۔ اس لئے ہمیں تمہیں اپنے کئے کی سزا بھگتنی ہے اور جس طرح دنیا میں درجہ بدرجہ شریک جرم رہے۔ آج بھی فرق مراتب کے ساتھ شریک سزا رہیں گے۔

غرور گھمنڈ اور شیخی کا انجام: دنیا میں خدا کی یکتائی کو چاہے منکرین دل میں سمجھتے ہوں مگر شیخی کے ہاتھوں نبی کی دعوت توحید کو رد کرتے رہے۔ اور ایسے شاعروں کی اپج اور مجذوبوں کی بڑ کہتے رہے۔ حالانکہ شاعرانہ تخیلات اور ہوائی ہفوات کا پیغمبرانہ حقائق وواقعات سے کیا جوڑ؟ اور کیا کبھی دیوانہ نے ایسے سچے اور پختہ احوال پیش کئے ہیں؟ اب انکار توحید اور گستاخی رسول کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ رہے اللہ کے مخلص بندے ان کا کیا پوچھنا؟ ان کے ساتھ تو خصوصی نوازش کا برتاؤ ہوگا۔ آگے الوان جنت کا ذکر ہے۔

چیزوں کی تاثیرات ہر جگہ الگ الگ ہوتی ہیں: ... **لا فيها غول** . یعنی دنیا کی طرح جنتی شراب میں سرگرانی، متلی، قے اور نشہ چڑھنے کی آفتیں نہیں ہوں گی اور نہ اس سے پھیپھڑے وغیرہ خراب ہوں گے اور حوریں شرم وحیا کی پتلی ہوں گی۔ عفت و پاک دامنی کی وجہ سے کسی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گی۔ ان کی رنگت ایسی صاف شفاف ہوگی جیسے شتر مرغ کے انڈے اور وہ بھی پروں کے نیچے چھپے ہوئے جو نہایت خوش رنگ ہوتے ہیں۔ تشبیہ سفیدی میں نہیں بلکہ خوش رنگ ہونے میں ہے۔ چنانچہ سورۂ رحمن میں یاقوت ومرجان سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اسی میں تفریحی مجلس گرم ہوں گی اور لوگ دنیا کے بیتے ہوئے حالات کی طرف گفتگو کا رخ پھیرتے ہوئے کچھ واقعات کا تذکرہ کریں گے۔ ایک بولے گا دنیا میں ہمارا ایک ملاقاتی تھا جو میرا آخرت پر یقین رکھنے کی وجہ سے مذاق اڑایا کرتا تھا۔ وہ اس

بات کو مہمل سمجھتا تھا کہ ایک شخص نیست و نابود ہو جائے اور حساب و کتاب کے لئے پھر از سر نو اس کو زندہ کیا جائے۔ بھلا ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ یقیناً آج وہ دوزخ میں پڑا ہوگا۔ آؤ ذرا جھانک کر دیکھیں کہ اس کا کیا حال ہے؟ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ خود اللہ میاں جنتی سے فرمائیں گے کہ کیا تم اس کی حالت دیکھنا چاہتے ہو؟ کیونکہ بلا اجازت از خود جھانکنا بظاہر مستبعد معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال دوزخیوں کا معائنہ کرایا جائے گا جس سے جنتی کو بڑی عبرت ہوگی۔ اور اللہ کے فضل و احسان سے اس کا دل لبریز ہو جائے گا۔ کہے گا منحوس تو نے تو مجھے بھی اپنے ساتھ تباہی کے غار میں دھکیلنا چاہا تھا وہ تو خدا نے بچالیا اور مجھے ڈگمگانے نہیں دیا۔ ورنہ آج میرا بھی یہی حشر ہوتا جو تیرا ہو رہا ہے۔

فاطلع کے اکثری استعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت اعلیٰ میں ہے اور دوزخ اسفل میں۔ اور اس وقت باہم ایسی نسبت ہوگی کہ جنت میں سے جھانکنے پر دوزخ نظر آجائے گی۔ اور جوش مسرت میں جنتی کہے گا کہ بس ایک دفعہ موت کا کڑوا گھونٹ بھر لیا اب تو ہمیشہ کی چین ہی چین ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا کامرانی ہوسکتی ہے۔ اس کے لئے تو بڑی سے بڑی قربانی گوارا ہے۔

بمثل هذا محاورہ میں **بمثل هذا** سے **هذا** ہی مراد ہے۔ جس جنتی کا یہاں حال بیان کیا جا رہا ہے کسی صحیح روایت سے اس کی تعیین نہیں ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ساری جنت میں ایسا ایک ہی شخص ہو۔

جنتیوں کے مقابلہ میں دوزخیوں کا حال: ...... اہل بہشت کی مہمانی کے بعد دوزخیوں کی مہمانی کا حال بھی سننے سے تعلق رکھتا ہے۔ ان دونوں کے متقابلات کا ذکر بلاغت کلام کے اضافہ کا باعث ہے چنانچہ **فواکه** اور **زقوم** میں۔ **کاس** اور **حمیم** میں تو تقابل ہے ہی۔ **تساء لون** میں بھی دونوں جگہ معنی تقابل ہے جس سے کلام کا لطف دوبالا ہوگیا۔

دوزخیوں کی غذا زقوم ہوگی:.......... بقول بیضاویؒ زقوم ایک نہایت کڑوا بدبودار درخت ہوتا ہے جس کے پتے چھوٹے ہوتے ہیں۔ تہامہ میں بکثرت پایا جاتا ہے جیسے ہمارے یہاں اس کے قریب قریب تھوہڑ اور سینڈھ اور ناگ پھن کے درخت ہوتے ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل میں اسی کو **فتنة للناس** اور **الشجرة الملعونة** فرمایا گیا ہے۔ لیکن اس درخت کا آگ میں پیدا ہونا کسی اور دلیل سے کفار کو معلوم ہوا ہوگا یا بطور تفسیر کے خود حضور ﷺ نے فرمایا ہوگا۔ یا سورۂ واقعہ کی آیت **ثم انکم ایها الضالون المکذبون لاٰکلون من شجر من زقوم** کو سن کر بطور لزوم عادی کے سمجھے ہوں گے کہ وہ درخت آگ میں ہوگا۔ کیونکہ سورۂ واقعہ سورۂ بنی اسرائیل سے بھی پہلے نازل ہوئی ہے۔ اور اس پر کفار نے یہ کہہ کر استہزاء کیا ہوگا کہ زقوم تو کھجور کے ساتھ مکھن کو کہتے ہیں۔ اور عرب اسی کو سامنے رکھ کر دوسرے کی تواضع کرتے ہیں کہ آؤ زقوم کھاؤ۔ پھر تو دوزخ میں بڑی مزہ دار غذا ملے گی؟ اس پر **صافات** کی یہ آیت **انما تخرج من اصل الجحیم** نازل ہوئی۔ گویا پہلے تو بنی سرائیل میں اس کو فتنہ اجمالاً کہہ کر سمجھایا گیا پھر یہاں **صافات** میں صراحۃً آگ میں پیدا کرنا بتلایا گیا ہے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ زقوم دنیا میں بھی بلا ثابت ہوا کہ گمراہوں کو ہنسی کا موقعہ ملا۔ کہنے لگے کہ ہرا بھرا درخت آگ میں کیسے پیدا ہوا؟ حالانکہ نہ تو خدا کی قدرت سے یہ باہر ہے اور نہ یہ فی نفسہ محال ہے۔ کیونکہ ممکن ہے اس کا مزہ بھی آگ کا ہو۔ چنانچہ آج بھی ایسے درخت دنیا میں پائے جاتے ہیں جن کی پرورش آگ اور حرارت سے ہوتی ہے۔ آخر "سمندر" آگ کا کیڑا آگ میں کس طرح پلتا اور رہتا ہے۔ یہ تو دنیاوی آزمائش ہوئی اور آخرت میں بھی وہ ظالموں کے لئے تباہی ہوگا اول تو سخت بھوک کی بے قراری، پھر اس پر اس کا کھانا کچھ کم مصیبت نہیں ہوگا اور کھانے کے بعد جو اس کے اثرات سے بے چینی بڑھے گی وہ مستزاد بر آں ہوگی۔

اشکال کا حل۔ بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوئی کہ زقوم آج کل عرب میں "برشومی" کو کہا جاتا ہے۔ جو نہایت لذیذ پھل ہوتا ہے پھر جہنمیوں کے لئے اس کا کھانا، سزا کیا ہوئی؟ لیکن اولاً تو برشومی کو زقوم کا مصداق کہنا، ممکن ہے بعد کی اصطلاح ہو۔ قرآنی دور کی اصطلاح نہ ہو اور اصطلاحیں مختلف زبانوں اور قوموں میں بدلتی رہتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ قرآن میں زقوم کا درخت کھلانے کو کہا جا رہا ہے اس کا پھل کھلانے کا ذکر نہیں ہے کہ "برشومی" پر اشکال ہو اور جواب دہی کی فکر کی جائے۔

زقوم کے ساتھ حمیم: ... بہر حال جہنمیوں کو کھانے کے لئے تو زقوم دیا جائے گا جس سے پیٹ میں جا کر اور آگ لگ جائے گی اور پیاس بجھانے کے لئے کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جس سے آنتیں کٹ کٹ کر باہر نکل پڑیں گی اور یہ کھلانا آگ سے باہر ہوگا۔ جہنم سے باہر نہیں ہوگا کہ اشکال ہو اور پھر ان کے اصلی ٹھکانہ آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ جیسا کہ مرجع کے لفظ سے سمجھ میں آ رہا ہے۔ **انھم الفوا** میں ان کی اندھی تقلید کا انجام بیان کیا۔ کہ جس راہ پر اگلے چلے پچھلوں نے آنکھیں بند کر کے اسی پر چلنا شروع کر دیا۔ نہ کنواں دیکھا نہ کھائی۔

اور اگلوں کے عذاب اور وبال کی وجہ خود ان کا گمراہی میں اصل ہونا ہے اور پچھلوں کے عذاب کا سبب پہلوں کی گمراہی کو اپنانا ہے۔ اللہ کی طرف سے ڈرانے والے ہر زمانہ میں آیا۔ لیکن ماننے والوں اور نہ ماننے والوں نے اپنا اپنا انجام دیکھ لیا۔ وہ تو بلا تفریق سب ہی کو ڈراتے ہیں، مگر بگڑے بچتے ہیں اور بد بکتے ہیں۔

لطائف سلوک: ان ھذا لھوا لفوز العظیم لمثل ھذا فلیعمل العاملون۔ سابقہ آیات میں جنت کی نعمتوں کی حور و قصور کو بیان کر کے صراحۃ ان کو مطلوب فرمایا گیا اور ترغیب دی گئی۔ اس سے ان مدعیوں کی غلطی معلوم ہوگئی جو کہتے ہیں کہ ہمیں جنت اور اس کی نعمتوں کی کیا پرواہ یا جہنم کا کیا ڈر۔ تاہم کاملین وہ ہیں جو مطلوب حقیقی اور مقصود اصلی تو ذات حق کو سمجھتے ہیں۔ مگر جنت کو بھی رضائے مولیٰ کی جگہ سمجھتے ہوئے مطلوب اور جہنم کو غضب خداوندی کا مظہر سمجھ کر واجب الاحتراز سمجھتے ہیں۔ مغلوب الحال حضرات کی بات دوسری ہے وہ اپنے حال اور کلام میں معذور ہیں۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ بِقَوْلِهٖ رَبِّ اِنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ **فَلَنِعْمَ الْمُجِیْبُوْنَ ﴿۷۵﴾** لَهٗ نَحْنُ اَیْ دَعَانَا عَلٰی قَوْمِهٖ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِالْغَرَقِ **وَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۶﴾** اَیِ الْغَرَقِ **وَجَعَلْنَا ذُرِّیَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِیْنَ ﴿۷۷﴾** فَالنَّاسُ كُلُّهُمْ مِنْ نَسْلِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَكَانَ لَهٗ ثَلٰثَةُ اَوْلَادٍ سَامٌ وَهُوَ اَبُو الْعَرَبِ وَفَارِسَ وَالرُّوْمِ وَحَامٌ وَهُوَ اَبُو السُّوْدَانِ وَیَافِثُ اَبُو التُّرْكِ وَالْخَزَرِ وَیَاجُوْجَ وَمَاجُوْجَ وَمَاهُنَالِكَ **وَتَرَكْنَا** اَبْقَیْنَا **عَلَیْهِ** ثَنَاءً حَسَنًا **فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۷۸﴾** مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَالْاُمَمِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ **سَلٰمٌ** مِنَّا **عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۹﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ** كَمَا جَزَیْنَاهُ **نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۸۲﴾** كُفَّارَ قَوْمِهٖ **وَاِنَّ مِنْ شِیْعَتِهٖ** اَیْ مِمَّنْ تَابَعَهٗ فِیْ اَصْلِ الدِّیْنِ **لَاِبْرٰهِیْمَ ﴿۸۳﴾** وَاِنْ طَالَ الزَّمَانُ بَیْنَهُمَا وَهُوَ اَلْفَانِ وَسِتُّمِائَةٍ وَاَرْبَعُوْنَ سَنَةً وَكَانَ بَیْنَهُمَا هُوْدٌ وَصَالِحٌ **اِذْ جَآءَ** اَیْ تَابَعَهٗ وَقْتَ

مجیئه **رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ** ﴿۸۴﴾ مِنَ الشَّكِّ وغَيْرِه **اِذْ قَالَ** فِي هٰذِهِ الحَالَةِ المُسْتَمِرَّةِ لَهٗ **لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ** مُوَبِّخًا **مَاذَا** ما الَّذِي **تَعْبُدُوْنَ** ﴿۸۵﴾ **اَئِفْكًا** فِي هَمْزَتَيْهِ مَا تَقَدَّمَ **اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ** ﴿۸۶﴾ وإفكًا مَفْعُوْلٌ لَهٗ وَاٰلِهَةً مَفْعُوْلٌ به لِتُرِيْدُوْنَ وَالْإِفْكُ اَسْوَءُ الْكِذْبِ اي اَتَعْبُدُوْنَ غَيْرَ اللّٰهِ **فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۸۷﴾ اِذْ عَبَدْتُّمْ غَيْرَهٗ اَنَّهٗ يَتْرُكُكُمْ بِلَاعِقَابٍ لَاوَكَانُوْا نُجَّامِيْنَ فَخَرَجُوْا اِلٰى عِيْدٍ لَهُمْ وَتَرَكُوْا طَعَامَهُمْ عِنْدَ اَصْنَامِهِمْ زَعَمُوا التَّبَرُّكَ عَلَيْهِ فَاِذَا رَجَعُوْا اَكَلُوْهُ وَقَالُوْا لِلسَّيِّدِ اِبْرَاهِيْمَ اُخْرُجْ مَعَنَا **فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ** ﴿۸۸﴾ اِيْهَامًا لَهُمْ اَنَّهٗ يَعْتَمِدُ عَلَيْهَا لِيَتَّبِعُوْهُ **فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ** ﴿۸۹﴾ عَلِيْلٌ اي سَاَسْقَمُ **فَتَوَلَّوْا عَنْهُ** اِلٰى عِيْدِهِمْ **مُدْبِرِيْنَ** ﴿۹۰﴾ **فَرَاغَ** مَالَ فِي خُفْيَةٍ **اِلٰى اٰلِهَتِهِمْ** وَهِيَ الْاَصْنَامُ وَعِنْدَهَا الطَّعَامُ **فَقَالَ** اِسْتِهْزَاءً **اَلَا تَاْكُلُوْنَ** ﴿۹۱﴾ فَلَمْ يَنْطِقُوْا فَقَالَ **مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ** ﴿۹۲﴾ فَلَمْ يُجِبْ **فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ** ﴿۹۳﴾ بِالْقُوَّةِ فَكَسَرَهَا فَبَلَغَ قَوْمَهٗ مَنْ رَاٰهُ **فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ** ﴿۹۴﴾ اي يُسْرِعُوْنَ الْمَشْيَ فَقَالُوْا نَحْنُ نَعْبُدُهَا وَاَنْتَ تَكْسِرُهَا **قَالَ** لَهُمْ مُوَبِّخًا **اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ** ﴿۹۵﴾ مِنَ الْحِجَارَةِ وَغَيْرِهَا اَصْنَامًا **وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ** ﴿۹۶﴾ مِنْ نَحْتِكُمْ وَمَنْحُوْتِكُمْ فَاعْبُدُوْهُ وَحْدَهٗ وَمَا مَصْدَرِيَّةٌ وَقِيْلَ مَوْصُوْلَةٌ وَقِيْلَ مَوْصُوْفَةٌ **قَالُوْا** بَيْنَهُمْ **ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا** فَامْلَئُوْهُ حَطَبًا وَاَضْرِمُوْهُ بِالنَّارِ فَاِذَا الْتَهَبَ **فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ** ﴿۹۷﴾ النَّارِ الشَّدِيْدَةِ **فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا** بِاِلْقَائِهٖ فِي النَّارِ لِتُهْلِكَهٗ **فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ** ﴿۹۸﴾ الْمَقْهُوْرِيْنَ فَخَرَجَ مِنَ النَّارِ سَالِمًا **وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ** مُهَاجِرًا اِلَيْهِ مِنْ دَارِ الْكُفْرِ **سَيَهْدِيْنِ** ﴿۹۹﴾ اِلٰى حَيْثُ اَمَرَنِيْ بِالْمَصِيْرِ اِلَيْهِ وَهُوَ الشَّامُ فَلَمَّا وَصَلَ اِلَى الْاَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ قَالَ **رَبِّ هَبْ لِيْ** وَلَدًا **مِنَ الصّٰلِحِيْنَ** ﴿۱۰۰﴾ **فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ** ﴿۱۰۱﴾ اي ذِيْ حِلْمٍ كَثِيْرٍ **فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ** اي اَنْ يَسْعٰى مَعَهٗ وَيُعِيْنَهٗ قِيْلَ بَلَغَ سَبْعَ سِنِيْنَ وَقِيْلَ ثَلَاثَةَ عَشَرَ سَنَةً **قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى** اي رَاَيْتُ **فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ** وَرُؤْيَا الْاَنْبِيَاءِ حَقٌّ وَاَفْعَالُهُمْ بِاَمْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى **فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى** مِنَ الرَّاْيِ شَاوَرَهٗ لِيَاْنَسَ بِالذَّبْحِ وَيَنْقَادَ لِلْاَمْرِ بِهٖ **قَالَ يٰٓاَبَتِ** التَّاءُ عِوَضٌ عَنْ يَاءِ الْاِضَافَةِ **افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ** بِهٖ **سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ** ﴿۱۰۲﴾ عَلٰى ذٰلِكَ **فَلَمَّآ اَسْلَمَا** خَضَعَا وَانْقَادَا لِاَمْرِ اللّٰهِ **وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ** ﴿۱۰۳﴾ صَرَعَهٗ عَلَيْهِ وَلِكُلِّ اِنْسَانٍ جَبِيْنَانِ بَيْنَهُمَا الْجَبْهَةُ وَكَانَ ذٰلِكَ بِمِنًى وَاَمَرَّ السِّكِّيْنَ عَلٰى حَلْقِهٖ فَلَمْ تَعْمَلْ شَيْئًا بِمَانِعٍ مِنَ الْقُدْرَةِ الْاِلٰهِيَّةِ **وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ** ﴿۱۰۴﴾ **قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا** بِمَا اَتَيْتَ بِهٖ مِمَّا اَمْكَنَكَ

مِنْ اَمْرِ الذَّبْحِ اَیْ یَکْفِیْكَ ذٰلِكَ فَجُمْلَةُ نَادَیْنَاهُ جَوَابُ لَمَّا بِزِیَادَةِ الْوَاوِ **اِنَّا كَذٰلِكَ** كَمَا جَزَیْنَاكَ **نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۰۵﴾** اَنْفُسَهُمْ بِامْتِثَالِ الْاَمْرِ بِاِفْرَاجِ الشِّدَّةِ عَنْهُمْ **اِنَّ هٰذَا** الذَّبْحَ الْمَاْمُوْرَبِهٖ **لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ﴿۱۰۶﴾** اَیِ الْاِخْتِبَارُ الظَّاهِرُ **وَفَدَیْنٰهُ** اَیِ الْمَاْمُوْرَ بِذَبْحِهٖ وَهُوَ اِسْمَاعِیْلُ اَوْاِسْحَاقُ قَوْلَانِ **بِذِبْحٍ** كَبْشٍ **عَظِیْمٍ ﴿۱۰۷﴾** مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ الَّذِیْ قَرَّبَهٗ هَابِیْلُ جَاءَ بِهٖ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَذَبَحَهُ السَّیِّدُ اِبْرَاهِیْمُ مُكَبِّرًا **وَتَرَكْنَا** اَبْقَیْنَا **عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۰۸﴾** ثَنَاءً حَسَنًا **سَلٰمٌ** مِنَّا **عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ** كَمَا جَزَیْنَاهُ **نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۱۰﴾** لِاَنْفُسِهِمْ **اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ** اُسْتُدِلَّ بِذٰلِكَ عَلٰی اَنَّ الذَّبِیْحَ غَیْرُهٗ **نَبِیًّا** حَالٌ مُقَدَّرَةٌ اَیْ یُوْجَدُ مُقَدَّرًا نُبُوَّتُهٗ **مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَیْهِ** بِتَكْثِیْرِ ذُرِّیَّتِهٖ **وَعَلٰٓی اِسْحٰقَ** وَلَدِهٖ بِجَعْلِنَا اَكْثَرَ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ نَسْلِهٖ **وَمِنْ ذُرِّیَّتِهِمَا مُحْسِنٌ** مُؤْمِنٌ **وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ** كَافِرٌ **مُبِیْنٌ ﴿۱۱۳﴾** بَیِّنُ الْكُفْرِ

ترجمہ:.........اور نوح نے ہمیں پکارا (رب انی مغلوب فانتصر سے دعا کرتے ہوئے) سو ہم اچھی طرح فریاد سننے والے ہیں (نوح کی یعنی نوح نے اپنی قوم کے لئے بددعا کی۔ چنانچہ ہم نے غرق کر کے انہیں ہلاک کر ڈالا) اور ہم نے ان کو اور ان کے پیرووں کو بڑے بھاری غم (غرق) سے نجات دے دی۔ اور ہم نے ان کی اولاد کو ہی باقی رہنے دیا (چنانچہ سارے انسان اب انہی کی نسل سے رہ گئے کیونکہ ان کے تین بیٹے تھے۔ ۱۔ سام جن سے عرب، فارس اور روم کی نسل چلی۔ ۲۔ حام جو سوڈانیوں کی اصل ہیں۔ ۳۔ یافث سے ترک، خزرج، یاجوج وماجوج اور دوسرے وہاں کے رہنے والوں کا سلسلہ منتہی ہوتا ہے) اور ہم نے ان کے لئے بعد کے آنے والوں (پیغمبروں اور قیامت تک امتوں) میں (ذکر خیر) رہنے دیا (ہماری طرف سے) نوح پر سلام ہو دنیا میں ہم اچھوں کو ایسا ہی صلہ (بدلہ) دیا کرتے ہیں بلاشبہ وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔ پھر ہم نے اوروں کو (ان کی قوم کے کافروں میں سے) غرق کر ڈالا اور نوح کے پیروکاروں میں سے (جو اصل دین میں ان کے نقش قدم پر تھے) ابراہیم بھی تھے (اگرچہ ان دونوں حضرات کے درمیان طویل وقفہ دو ہزار چھ سو چالیس سال کی مدت کا گزر چکا تھا اور بیچ میں ہود وصالح علیہما السلام بھی تشریف لا چکے تھے) جب کہ وہ متوجہ ہوئے (حضرت نوح کی پیروی کرتے ہوئے بعثت کے وقت) اپنے پروردگار کی طرف صاف دلی سے (شک وغیرہ سے پاک ہو کر) جب کہ انہوں نے (اپنی اس مسلسل حالت میں رہتے ہوئے) اپنے والد اور اپنی قوم سے (سرزنش کرتے ہوئے) کہا کہ تم کس چیز کی بندگی کیا کرتے ہو؟ کیا جھوٹ موٹ کے (ان دونوں ہمزاؤں میں پچھلی تحقیق جاری ہوگی) معبودوں کو اللہ کے سوا چاہتے ہو (لفظ افکاً مفعول لہ اور الھۃ مفعول بہ ہے تریدون کا اور افک بدترین جھوٹ کو کہتے ہیں یعنی کیا تم غیر اللہ کی پوجا کرتے ہو) سو پروردگار عالم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ (غیر اللہ کی پوجا کرنے سے کیا وہ تمہیں بلا سزا کے چھوڑ دے گا۔ یہ لوگ ستارہ پرست تھے۔ ان کا معمول یہ تھا کہ اپنے میلوں اور تہواروں میں شریک ہوتے ہوئے بتوں پر چڑھاوا چڑھاتے۔ اور واپسی پر تبرک سمجھتے ہوئے اس کو کھالیا کرتے۔ حضرت ابراہیم سے بھی انہوں نے اپنے ساتھ شریک ہونے کو کہا) چنانچہ ابراہیم نے ستاروں پر ایک نگاہ ڈالی (بطور ایہام یہ یقین دلانے کے لئے کہ وہ ان کے ہم عقیدہ ہیں تاکہ اس طرح لوگ ان کی پیروی کرنے لگیں) کہنے لگے کہ میں بیمار ہونے کو ہوں (جلد

ہی بیماری آنے والی معلوم ہوتی ہے) غرض وہ لوگ انہیں چھوڑ کر (اپنے میلے ٹھیلے میں) چلے گئے ۔ پھر فوراً ہی ابراہیمؑ (چپکے سے) ان کے بتوں میں جا گھسے (جہاں مندروں میں ان کے دیوتاؤں پر چڑھاوا بھی رکھا تھا) ان سے (مذاقیہ طور پر) کہنے لگے کہ کیا تم کھاتے نہیں ہو (اور وہ دیوتا بولتے نہیں تھے تو حضرت ابراہیمؑ بولے کہ) تمہیں کیا ہوگیا کہ تم بولتے بھی نہیں ؟ (مگر کسی نے کچھ جواب نہیں دیا) پھر بتوں پر ایک دم ٹوٹ پڑے اور پوری قوت سے مارنے لگے (طاقت سے انہیں توڑ پھوڑ دیا ۔ جب یہ خبر ان کی قوم کو پہنچی) سو وہ لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے پہنچے (گرتے پڑتے آ کر کہنے لگے کہ ہم تو ان کی پوجا کرتے ہیں اور تم نے انہیں توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے) ابراہیم نے (سرزنش کرتے ہوئے) جواب دیا کہ کیا تم ان بتوں کو پوجتے ہو جن کو تم خود تراشتے ہو (پتھر وغیرہ کے بت بنا رکھے ہیں) حالانکہ تم اور تمہاری ان بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے (یعنی تمہارا تراشنا اور تمہارے یہ تراشے سب اللہ کی طرف سے ہیں ۔ لہٰذا صرف اسی ایک کی تمہیں عبادت کرنی چاہئے ۔ اس میں ما مصدریہ ہے اور بعض نے ما موصولہ اور بعض نے موصوفہ مانا ہے) کہنے لگے (کہ آپس میں) ابراہیم کے لئے ایک آتش کدہ تیار کرو (اس میں لکڑیوں کا انبار لگا کر اس میں آگ دھینکا اور جب لپٹیں اٹھنے لگیں) فوراً دہکتی (بھڑکتی) آگ میں انہیں جھونک دو ۔ غرض ان لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ برائی کرنا چاہا (آگ میں انہیں جھونک کر بھسم کر ڈالنے کے لئے) لیکن ہم نے نیچا ہی دکھا دیا (ناکام کر دیا ۔ چنانچہ آگ کے الاؤ سے صحیح سلامت باہر نکل آئے) اور ابراہیم کہنے لگے کہ میں اپنے پروردگار کی طرف (دار الکفر سے) ہجرت کر جاتا ہوں وہ مجھے منزل پر پہنچا ہی دے گا (جہاں مجھے ہجرت کا حکم ملا یعنی ملک شام ۔ چنانچہ جب وہ اس پاک سرزمین پر پہنچے تو (دعا مانگی) اے میرے پروردگار ! مجھے ایک نیک فرزند دے دے ۔ سو ہم نے انہیں ایک بردبار (نہایت سنجیدہ) بیٹے کی بشارت سنائی ۔ وہ لڑکا جب ابراہیمؑ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا (یعنی ان کے ساتھ کام کاج میں ہاتھ بٹانے لگا اور ان کی قوت بازو بن گیا ۔ سات سالہ یا تیرہ سالہ ہوگیا تو) فرمایا برخوردار میں دیکھتا ہوں (خواب دیکھا) کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں (پیغمبروں کا خواب سچا ہوا کرتا ہے اور ان کے کام خدا کے حکم کے ماتحت ہوتے ہیں) سو تم بھی سوچ لو ! تمہاری کیا رائے ہے (لفظ ترى رائے سے ماخوذ ہے ۔ حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے سے اس لئے رائے دریافت کی کہ وہ ذبح سے نہ اچٹیں بلکہ اس کے لئے تیار ہو جائیں عرض کیا ابا جان ! (لفظ ابت کی تا یائے اضافت کے بدلہ میں ہے) آپ کو جو حکم ہوا ہے اسے کر ڈالئے انشاء اللہ مجھے آپ (اس پر) ثابت قدم پائیں گے ۔ غرض جب دونوں نے تسلیم کر لیا (آمادہ اور تیار ہوگئے) اور باپ نے بیٹے کو کروٹ کے بل لٹا دیا (پہلو پر گرالیا ۔ انسان کی جبین کے دو حصے ہوتے ہیں اور ان کے بیچ میں پیشانی ہوتی ہے ۔ یہ واقعہ منیٰ میں پیش آیا ۔ حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کے گلے پر چھری چلانی چاہی مگر کند ہوگئی ۔ کیونکہ قدرت الٰہی کو منظور نہیں ہوا) ہم نے ان کو آواز دی ۔ کہ ابراہیم ! تم نے خواب کو واقعی سچ کر دکھایا (ذبح کی جو ممکنہ صورت تمہارے بس میں تھی وہ کر دکھائی یعنی اتنا ہی کافی ہے ۔

جملہ نادیناہ لما کا جواب ہے واؤ زیادہ (کر کے) ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں (جو جی جان سے تعمیل کرتے ہیں ان کو مصیبت سے بچا لیتے ہیں) حقیقت یہ ہے کہ (حکم ذبح) تھا ہی بڑا امتحان (کھلی آزمائش) اور ہم نے اس کے عوض (جن کے بارے میں ذبح کا حکم ہوا وہ اسماعیل تھے یا اسحاق (علیہما السلام) اس میں دونوں رائیں ہیں) ایک ذبیحہ دے دیا (جنتی مینڈھا جو ہابیل نے بطور قربانی پیش کیا تھا جبرائیل نے اس کو لا حاضر کیا ۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے تکبیر پڑھتے ہوئے اس کو ذبح کر دیا) اور ہم نے بعد کے آنے والوں میں (ان کا ذکر خیر) باقی رہنے دیا ۔ ابراہیم پر ہمارا سلام ہو ہم مخلصین (جی جان سے تعمیل کرنے والوں) کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں (جیسا ان کو بدلہ دیا ہے) بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے ۔ اور ہم نے ان کو اسحٰق کی بشارت سنائی (اس سے معلوم ہوا کہ ذبیح ان کے علاوہ اور تھے) کہ نبی (یہ حال مقدرہ ہے یعنی وہ پیدا ہوں گے ان کے لئے نبوت تجویز ہو چکی ہے) اور نیک بختوں میں

سے ہوں گے اور ہم نے ابراہیم پر (نسل کی کثرت کر کے) اور اسحاق پر (ابراہیم کے صاحبزادے جن کی نسل میں اکثر انبیاء ہوئے ہیں) برکتیں نازل کی ہیں اور ان دونوں کی نسل میں بعض اچھے (مومن) بھی ہوتے ہیں اور بعض ایسے (کافر) بھی جو اپنا صریح نقصان (کھلا کفر) کر رہے ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... **ذریتہ خنزر.** مشہور پہاڑ۔حدیث ترمذی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سام ابو العرب، حام ابو الحبش، یافث ابو الترک والخزر تھے۔

ترکنا. مفسر علامؒ نے ثناء حسنا کے مفعول ثانی ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ کہ **ترکنا الخ** مستقل جملہ ہے اور **سلام علی نوح** مستقل جملہ دعائیہ ہے۔اور ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ **ترکنا** کا مفعول ثانی **سلام الخ** ہے یعنی قیامت تک نوحؑ پر سلام ہوتا رہے۔یعنی ان پر سلام بھیجتے رہو۔یہ مضمون تو کرخیؒ کا ہے۔لیکن سمین میں ہے کہ **سلام علی نوح** مبتداء خبر ہے اور اس کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ایک یہ کہ یہ **ترکنا** کی تفسیر ہو۔دوسرے یہ کہ **ترکنا** کے مفعول محذوف کی تفسیر ہو۔ای **ترکنا علیہ شیئا وھو سلام علی نوح** تیسرے یہ کہ **ترکنا** کے بعد لفظ قول مقدر ہو۔ای **فقلنا سلام**۔ چوتھے یہ کہ **ترکنا** متضمن معنی قلنا کو ہو۔ اور علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ کلمہ **سلام علی نوح فی العلمین** کو قیامت تک ان میں رہنے دیا۔جیسے کہا جائے۔قراءت سورۃ **انا انزلنا** گویا یہ بطور حکایت ہے۔کوفیوں کی رائے بھی یہی ہے کہ یہ جملہ **ترکنا** کے دونوں مفعولوں کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔

اذجاء ربہ ۔بطور استعارہ تبعیہ توجہ قلبی مراد ہے۔

انفکا. افلث بدترین جھوٹ۔مفعول کو فعل پر مقدم اہمیت کی وجہ سے کہا گیا ہے۔اس میں کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔زمخشریؒ کی رائے میں مفعول لہ ہے۔معمولات فعل اہتمام کی وجہ سے مقدم کر دیئے جاتے ہیں اور ابن عطیہؒ کے نزدیک مفعول بہ ہے **تریدون** کا اور **آلھۃ** بدل ہے مبالغہ کے لئے اس کو افک فرمایا گیا ہے۔تیسری صورت کی طرف زمخشریؒ نے اشارہ کیا ہے کہ **تریدون** سے حال بنایا جائے۔ای **تریدون الھۃ افکین** اور مصدر کو حال بنانا بکثرت ہے الا یہ کہ اما کے ساتھ ہو جیسے **اما علما فعالم**۔

الی عبدھم۔ ہرمز نامی بستی میں یہ میلہ جمتا تھا۔

ایھامـا. مفسر علامؒ نے علم نجوم میں اشتغال قوم کے لئے بتلایا۔حضرت ابراہیمؑ کا یہ شغل نہیں تھا۔بلکہ صورت حال سے انہوں نے فائدہ اٹھایا۔

انی سقیم. جیسے **انلث میت** کے معنی **انک ستموت** ہیں۔اسی طرح سقیم کے معنی **ساسقم** ہیں۔یا قوم کی کسی ناشائستہ حرکات کو دیکھ کر مقدر ہونا مراد ہے۔اور امام رازیؒ نے ایک اور توجیہ فرمائی ہے کہ ان کو بعض دفعہ دن رات میں بخار وغیرہ کی شکایت ہو جاتی۔انہوں نے ستاروں کو دیکھ کر بیماری کے ٹھیک وقت کا اندازہ کرنا چاہا۔جیسے کسی کو دوسرے سے بخار آتا ہو اور وہ گھڑی دیکھ کر دوسرہ اور باری کا وقت معلوم کرنا چاہے۔اس لئے حضرت ابراہیمؑ صادق القول تھے۔اور حدیث **لم یکذب ابراھیم الا ثلث کذبات** کے متعلق امام رازیؒ کا یہ فرمانا کہ اس میں راوی کی طرف کذب کی نسبت حضرت ابراہیمؑ کی طرف کذب کی نسبت کرنے سے بہتر ہے صحیح نہیں ہے۔کیونکہ روایت صحیحین کی ہے۔

فراغ. قاموس میں میلان اور حیلہ کرنے کے معنی ہیں۔

ضربا. یہ ضرب مقدر کا مفعول مطلق ہے یا فعل راغ کا مدلول ہے۔

یـزفـون . **ازف** کے دو معنی ہیں ایک دوڑنا، دوسرے زفاف العروس۔دلہنوں کی طرح چلنا۔ازف وغیرہ کے معنی ہیں۔

دوسرے کوزفیف یازفاف پرآمادہ کرنا۔ یہ حال ہے اقبلوا کے فاعل سے یا الیہ سے اور حمزہ یزفون پڑھتے ہیں۔ مفسر علامؒ کے انت تکسرھا کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم کے لوگ جانتے تھے کہ بت شکنی حضرت ابراہیمؑ نے کی ہے لیکن آیت "من فعل هذا" سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ناواقف تھے؟

جواب یہ ہے کہ ممکن ہے بعض واقف ہوں اور بعض ناواقف۔ اس لئے دونوں باتیں جمع ہوسکتی ہیں۔ یا کہا جائے کہ اولاً ناواقف ہوں گے۔ اس لئے " من فعل هذا" کہا اور قرائن وشواہد سے جب جان گئے تو انت تکسرھا کہنے لگے۔

ما تعملون. حرف میں چار احتمال ہیں۔ ۱۔ بمعنی الذی ۲۔ مصدریہ۔ اشاعرہ اسی لئے کہتے ہیں کہ بندوں کی طرح ان کے افعال کا خالق بھی اللہ ہے۔ ۳۔ استفہامیہ بطور توبیخ ۴۔ نافیہ بھی ہوسکتا ہے یعنی تم اپنے اعمال وافعال کے خالق نہیں۔ جملہ "واللہ خلقکم الخ" حالیہ بھی ہوسکتا ہے اور مستانفہ بھی۔

بنیانا. تیس ہاتھ اونچا اور دس ہاتھ چوڑا الاؤ تیار کیا گیا اور منجنیق کے ذریعہ حضرت ابراہیمؑ کو اس میں ڈال دیا گیا۔

فبشرناہ. یہ جملہ محذوفہ پر مرتب ہے۔ ای فاستجبنا له فبشرناہ سورۂ ہود وذاریات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بشارت فلسطین سے سدوم چلے جانے کے بعد دی گئی ہے۔

غلام. بچپن سے جوانی تک زمانہ یا بھرپور جوانی۔

فلما بلغ معه. لفظ معک کا تعلق بلغ کے ساتھ نہیں ہے۔ ورنہ دونوں کی بلوغ سعی ساتھ ہوجائے گی۔ کیونکہ بقول علامہ طیبی لفظ مع استحداث مصاحبت کے لئے ہے۔ بلغ سے حال ہونے کی وجہ سے اور معمول مصدر مقدم نہیں ہوا کرتا بلکہ لفظ مع محذوف کے متعلق ہے۔ گویا سوال ہوا کہ "من معه بلغ "جواب دیا گیا۔ مع ابیه اور ظروف میں توسع کی وجہ سے تقدیم کی گنجائش بھی ہے۔

اذبحك. حضرت ابراہیمؑ کو مقام خلۃ نصیب ہوا۔ جس میں غیر اللہ کے تعلق اور محبت کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے اور اولاد سے انسان کو طبعی تعلق خاطر ہوتا ہے۔ اس لئے ذبح اولاد کا حکم بطور آزمائش ہوا۔ جس سے اللہ کی محبت کا اولاد کی محبت پر غالب آنا معلوم ہوگیا۔ اور " اذبحك" سے یا تو مراد یہ ہے کہ میں فعل ذبح کررہا ہوں اور یا یہ مقصد ہے کہ مجھے ذبح کا حکم دیا گیا ہے پہلے احتمال کی طرف۔ افعل اور دوسرے احتمال کی طرف "قد صدقت الرؤیا" اشارہ کررہے ہیں اور چونکہ تین روز تک خواب دیکھنے میں رویت، رائے ومعرفت، قربانی ہوئی۔ اس لئے موسم حج میں پہلے روز کو "ترویہ" اور دوسرے کو "عرفہ" اور تیسرے کو "نحر" کہتے ہیں۔

ما تو مر. ما موصولہ ہے اور حذف با کرکے بنفسہٖ فعل کا تعدیہ کردیا گیا ہے اور ما مصدریہ ہو اور امر بمعنی مامور ہو تو پھر حذف کی ضرورت نہیں رہتی۔

وتله. اصل معنی ریت کا ٹیلہ پر ڈال دینا ہے۔ پھر مطلقاً پچھاڑنے کے معنی ہوں۔ یہ واقعہ صخرہ منیٰ پر پیش آیا تھا۔

للجبین. لام بمعنی علیٰ ہے۔ پیشانی کی دونوں جانبوں کو جبین اور درمیانی حصہ کو جبہہ کہتے ہیں۔

ونادیناہ. مفسر علامؒ اس کو لما کا جواب قرار دے رہے ہیں۔ لیکن زمخشریؒ لما کا جواب " صدقت الرؤیا" کے بعد محذوف مانتے ہیں۔ ای لما اسلما فکذا وکذا یعنی بے حد مسرور وخوش ہوئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض دفعہ اصل روح عمل پر نظر رہتی ہے صورت عمل پر نہیں۔ چنانچہ یہاں بھی قربانی نہ ہونے کا مقصود صرف ہمت واخلاص کو کافی سمجھ کر " قد صدقت الرؤیاء" فرمادیا گیا ہے۔ کیونکہ اپنی طرف سے تو ان دونوں نے پوری کوشش دکھلی۔ اس لئے انہیں کارگزار ہی سمجھا جائے گا۔

وبشرناہ باسحاق. مستدرک میں ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح ہیں۔ حسنؒ بھی

فرماتے ہیں کہ بلاشبہ حضرت اسماعیلؑ ہی مراد ہیں۔اور امام احمدؒ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت اسماعیلؑ مراد ہیں۔حضرت علیؓ، حضرت ابوہریرہؓ، سعید بن جبیرؒ اور شعبیؒ کی رائے بھی یہی ہے۔

لیکن ابن مسعودؓ، مجاہدؒ، عکرمہؒ، قتادہؒ، سدیؒ ابن اسحاقؒ وغیرہ کی رائے ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔اور حضرت علیؓ، ابن عباسؓ سے روایات مختلف ہیں۔اور عمرو بن عبدالعزیزؒ کی رائے یہ ہے کہ حضرت اسحاقؑ کو ذبیح قرار دینا یہود کی تحریفات میں سے ہے۔کیونکہ یہود ان کی نسل سے ہیں۔اور عرب اولاد اسماعیلؑ ہیں اور بعض سلف کی رائے یہ ہے کہ اسحاق نے کعب احبار سے اسرائیلیات نقل کردیں۔اس بارے میں کوئی ضعیف روایت بھی نہیں ہے۔

قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت اسماعیلؑ کا ذبیح ہونا زیادہ ظاہر ہے۔کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت انہی کی وجہ سے ہوئی۔دوسرے یہ کہ حضرت ابراہیمؑ نے مکہ میں انہی کو چھوڑا تھا۔حضرت اسحاق علیہ السلام اس وقت وہاں کہاں تھے؟ تیسرے حدیث انا ابن الذبیحین بھی اسی کی مؤید ہے۔کیونکہ آنحضرت ﷺ اولاد اسماعیلؑ میں سے ہیں نہ کہ اولاد اسحاقؑ میں سے۔پس اول ذبیح حضرت اسماعیلؑ ہوئے اور دوسرے ذبیح آپ کے والد عبداللہ ہیں۔اس حدیث کی تصحیح ابن جوزیؒ نے کی ہے۔

یہ حدیث اگرچہ کتب حدیث میں نہیں پائی جاتی۔تاہم حاکم نے یہ روایت تخریج کی ہے کہ ایک اعرابی نے یہ الفاظ کہہ کر آنحضرت ﷺ کو آواز دی۔یا ابن الذبیحین تو آپ ﷺ سن کر مسکرائے۔

اور چوتھا قرینہ یہ ہے کہ **وبشرناہ باسحق** اور عطف **فبشرناہ بغلام حلیم** پر ہو رہا ہے۔اور اس کا مصداق ظاہر ہے کہ حضرت اسماعیلؑ ہیں۔جو حضرت اسحٰق علیہ السلام سے بڑے تھے۔دونوں جملوں کا مصداق ایک ہی شخص کو قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ذبح عظیم۔ یہ جانور چونکہ دو مرتبہ قربانی کے لئے پیش ہوا۔ایک دفعہ ہابیل کی طرف سے اور دوسری مرتبہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں۔اس لئے عظیم فرمایا گیا۔اس دنبہ کے سینگ بیت اللہ میں لٹکے ہوئے تھے۔حتیٰ کہ عبداللہ ابن زبیرؓ کی شہادت کے واقعہ میں کعبہ میں آگ لگی اس وقت ضائع ہوگئے۔

استدل بذلک۔ یہ امام شافعیؒ کی رائے ہے۔لیکن امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ اس دلالت کو تسلیم نہیں کرتے۔وہ دونوں بشارتوں کا مصداق حضرت اسحٰق علیہ السلام کو مانتے ہیں۔اول بشارت ان کے وجود کی ہے اور دوسری بشارت ان کی نبوت کی۔

ربط آیات: ...... مسلمانوں کی تسلی اور منکرین کی عبرت کے لئے آگے بعض منذرین انبیاء اور منذرین قوموں کا حال بیان فرمایا جا رہا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... اکثر علماء کی رائے یہی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد سے قیامت تک دنیا کی آبادی صرف حضرت نوح علیہ السلام کی نسل سے ہے۔ظاہر آیات **لاتذر علی الارض من الکافرین دیارا** اور **قلنا احمل فیھا من کل زوجین اثنین** وغیرہ سے اور مذکورہ بالا روایات ترمذی سے آیت **جعلنا ذریتہ ھم الباقین** کا ظاہری مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ طوفان نوح عام ہوا۔

طوفان نوح: ...... کفار تو سارے غرق ہوگئے اور مومن سواران کشتی سے نسل نہیں چلی۔ساری نسل انسانی صرف انہی کے تین صاحبزادوں کے ذریعہ۔جمہور اسی طرف ہیں۔البتہ تھوڑے حضرات اس طرف ہیں کہ طوفان نوح صرف حجاز میں آیا تھا۔جہاں حضرت نوح علیہ السلام تشریف فرما تھے اور نصوص سابقہ کو زمین حجاز تک ہی محدود سمجھتے تھے۔پہلی صورت پر عموم بعثت کا شبہ نہ کیا جائے۔کیونکہ عموم

کا مفہوم یہ ہے کہ بہت سی مختلف قوموں کے نبی ہوں۔ لیکن جہاں ایک مختصر سی تعداد رہ گئی ہو وہ عموم نہیں کہلائے گا۔ جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی بعثت کو بھی کوئی عام نہیں کہہ سکتا۔

انا کذلک کا مطلب یہ ہے کہ جس درجہ کا احسان، اسی درجہ کی سزا ہے۔ اسی لئے انبیاء اور غیر انبیاء میں برابری لازم نہیں آتی۔ نیز ثم تراخی ذکری کے لئے ہے تاخر زمانی کے لئے نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ نوح پر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اصول دین میں سب شریک ہیں اور ایک دوسرے کا تصدیق کنندہ اور موید ہے۔ اگرچہ فروع اور تفصیلات الگ الگ ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پوری خوش اعتقادی اور خوش اخلاقی کے ساتھ تمام رزائل نفس سے پاک ہو کر خود ہی اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور قوم کو بھی شرک و بت پرستی سے باز رکھنے کی کوشش کی۔

انفکا الھۃ یعنی کیا سچ مچ جہان کی نگہبانی ان پتھر کی مورتیوں کے ہاتھ میں ہے یا کسی چھوٹے بڑے نقصان کے یہ مالک ہیں جو اللہ سچے مالک کو چھوڑ کر ان جھوٹے مالکوں کی خوشامد میں لگے ہو۔ پھر کیا تمہیں اللہ کے وجود میں شبہ ہے یا اس کے مرتبہ اور شان سے ناواقف ہو کہ مورتیوں کو اس کے برابر ٹھہرا رہے ہو۔ کیا اس کے غضب سے نہیں ڈرتے، تم نے خدا کو کیا سمجھ رکھا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا میلہ میں نہ جانے کا بہانہ اور اس کی توجیہات: ...... لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کے جب یہ تیور نوعمری ہی میں دیکھے تو سمجھے کہ ابھی بچہ ہے جو ایسی باتیں کرتا ہے، اسے اپنے ساتھ میلہ میں لے چلنا چاہئے۔ ممکن ہے ہماری شان و شوکت دیکھ کر کچھ متاثر ہو جائے اور ہمارے طور طریق پر آ جائے۔ اس لئے اس ڈوری پر لگانے کے لئے میلہ میں لے چلنا چاہئے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لبھانے کے لئے میلہ میں چلنے کی پیشکش کی گئی۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت سے فائدہ اٹھانے کے لئے یہ ذہنی خاکہ اور منصوبہ مرتب کر لیا کہ میں اکیلا رہ کر اس تہوار کے موقعہ پر ان بتوں کی مرمت کروں گا۔ مگر حیلہ کے ساتھ، ورنہ شبہ ہو گیا تو ساری اسکیم فیل ہو جائے گی۔ اس لئے بطور ایہام و توریہ ستاروں پر نظر ڈال کر فرمایا کہ میں میلہ میں نہیں جا سکتا۔ آنے جانے میں تھک جاؤں گا۔ وہاں کے ازدحام اور بے آرام ہونے سے طبیعت بگڑ جائے گی۔ یہی مطلب ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے انی سقیم فرمانے کا کہ وہاں جا کر میری طبیعت بگڑ جائے گی یا مطلقاً مستقبل میں بیمار ہونا مراد لیا ہوگا اور ظاہر ہے کہ انسان کبھی نہ کبھی بیمار ہو جاتا ہی ہے اور بھی کچھ نہیں تو موت تو یقینی ہے اور اس سے پہلے متعارف بیماری نہ بھی ہو۔ تب بھی موت نام ہے انزہاق روح کا اور اس سے پہلے اعتدالی حالت ہرگز نہیں رہ سکتی اور مزاج کا معتدل نہ رہنا یہی مرض ہے اور دنیا میں ایسا کون ہے جس کی طبیعت ہر طرح ٹھیک رہے۔ کچھ نہ کچھ اندرونی بیرونی عوارض کسی نہ کسی صورت میں لگے ہی رہتے ہیں۔ یہی بدمزگی کیا کم تھی کہ ہر وقت قوم کی بدحالی دیکھ دیکھ کر کڑھتے تھے۔ پس بیمار ہونے سے یہی طبیعت کا مکدر اور بدمزہ ہونا مراد ہے۔

حاصل یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس فرمانے کو خلاف واقعہ یا غلط بیانی نہیں کہا جا سکتا۔ تاہم حدیث میں جو ثلاث کذبات فرمایا گیا ہے وہ بلحاظ ظاہر فرمایا گیا ہے بظاہر حقیقت کے نہیں اور حدیث شفاعت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ڈرنا اپنی علو شان کے اعتبار سے ہے۔ بڑے لوگ معمولی بات میں بھی ڈرتے ہیں۔

تاہم لوگ چونکہ علم نجوم اور تاثیرات فلکیہ کے قائل تھے۔ سمجھے کہ شاید کسی زائچہ سے کسی آنے والی آفت کا علم ہوا ہوگا۔ سن کر خاموش ہو گئے اور مزید تعرض اور اصرار نہیں کیا۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستاروں پر نظر کرنا۔ اللہ کی عظمت کے استحضار کے لئے ہوگا جو مقصد صحیح ہے اور اس نظر کا مستحسن و مطلوب ہونا دوسری آیت اولم ینظروا فی ملکوت السموات والارض. یتفکرون فی خلق السموات والارض قل

نظروا ماذا فی السموات والارض سے واضح ہے۔

شبہات اور جوابات:........ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ ایہام وتوریہ قوم کی گمراہی کا سبب ہوا۔ جواب یہ ہے کہ گمراہ تو وہ پہلے ہی سے تھے۔ رہ گیا گمراہی پر باقی رہنا۔ سو چونکہ موقعہ پا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے توحید سے صراحۃً مناظرہ کرنا چاہتے تھے۔ جیسا کہ پہلے بھی بارہا مناظرے کر چکے تھے۔ اس لئے اس ایہام کو گمراہی پر رہنے میں مؤثر نہیں مانا جائے گا۔ رہا یہ شبہ کہ جب قوم صراحۃً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خیالات سے واقف تھی۔ پھر ستاروں پر اس نظر کو ایہام کیسے کہا جائے؟

جواب یہ ہے کہ جو چیز خواہش اور منشاء کے مطابق ہوا کرتی ہے۔ اس میں کمزور سے کمزور احتمال بھی خوش کن ہوا کرتا ہے اس لئے دل کو مطمئن کر لیا ہوگا۔ یا یہ سمجھے ہوں کہ ابراہیم علیہ السلام کی رائے بدل گئی ہوگی اور اب عنقریب ہمارے پورے ہم خیال ہو جائیں گے۔ لیکن اس کے باوجود اگر کسی درجہ میں پھر بھی گمراہ کرنے کا امکان متوہم ہو تو اول تو فوراً بعد کے مناظرہ سے وہ دور ہو گیا۔ دوسرے خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ارادہ اس توریہ سے ان کو گمراہ کرنے کا نہیں تھا بلکہ منشا اپنی جان چھڑانا تھا تاکہ یہ ذریعہ بن جائے۔ ان کو لاجواب کرنے کا۔ غرض اتنی مصالح کے ہوتے ہوئے اتنے معمولی ضرر کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

علم نجوم جائز ہے یا ناجائز؟:........ علم نجوم کی غرض اگر عجائبات قدرت سے معرفت الٰہی نہ ہو تو پھر اس کا مطالعہ اور شغل شرعاً جائز نہیں ہے۔ خواہ نجوم کے اصلاً باطل ہونے کی وجہ سے یا اس لئے کہ ستاروں کی تاثیرات سعادت ونحوست ثابت نہیں اور اس کے قواعد وضوابط کسی صحیح دلیل کی طرف مستند نہیں اور پھر اس پر بدعقیدگی اور شرک صریح اور توکل علی اللہ میں کمی اور علوم نافعہ سے محرومی جیسے مفاسد کثیرہ مرتب ہوتے ہیں، اس لئے علم نجوم کے شغل کی اجازت نہیں ہوگی۔

بظاہر ستاروں کی تاثیر سعادت ونحوست **ایام نحسات** اور **یوم نحس مستمر** سے جو سمجھ میں آرہی ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ نحوست بلحاظ عذاب کے ہے اور وہ بھی اہل عذاب کے حق میں ہے۔ ادنیٰ تعلق کی وجہ سے دونوں کی طرف نحوست کی نسبت کر دی گئی ہے۔ فی نفسہ زمان یا مکان میں نحوست نہیں ہوا کرتی ہے۔ ورنہ پہلی آیت کی رو سے جس کی تفسیر خود قرآن کریم میں **سبع لیال وثمانیۃ ایام** آئی ہے۔ پورا ہفتہ منحوس ہونا چاہئے۔ اسی طرح دوسری آیت کی تفسیر چہارشنبہ آئی ہے۔ حالانکہ نجومی بھی ہر چہارشنبہ کو منحوس نہیں کہتے اور استمرار یعنی دوام یوم کی نسبت نہیں ہے بلکہ نحس مصدر کی صفت ہے۔ یعنی ہمیشہ جہنم میں رہنے کی وجہ سے وہ نحوست بھی دوامی ہوگئی۔ چنانچہ دوسری آیت میں قیامت کے دن کو **فذلک یومئذ یوم عسیر علی الکافرین غیر یسیر** فرمایا گیا ہے۔

اور بعض واقعات کا نجومیوں کے کہنے کے موافق ہو جانا۔ اگر ان کے سچ ہونے کا تجربہ کہا جائے تو ان سے زیادہ واقعات کا خلاف ہو جانا ان کے جھوٹے ہونے کا بدرجہ اولیٰ تجربہ کہا جائے گا۔ اس لئے بعض واقعات میں موافقت کو دلیل صداقت نہیں کہا جا سکتا۔

اور فرعون کو نجومیوں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت اطلاع دینا بھی دلیل صداقت نہیں، کیونکہ ممکن ہے وہ خبر نجوم کی بجائے کہانت سے دی گئی ہو۔ یعنی کچھ آسمانی خبریں شیاطین سے سن لی ہوں اور وہ خبر نجومیوں نے دی دی ہو تو اس کو نجوم سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

غرضیکہ حاصل یہ نکلا کہ نجوم میں یقین رکھنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ خواہ اس کے قبیح لعینہ ہونے کی وجہ سے یا قبیح لغیرہ ہونے کی وجہ سے۔

اور وحی کی بجائے خواب میں ذبح کا حکم ہونے میں شاید یہ حکمت ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی انتہائی فرمانبرداری ظاہر ہو جائے کہ اتنے بڑے کام پر ایک خوابی اشارہ کی وجہ سے آمادہ ہو گئے۔ اس سے ان کے تعلق مع اللہ اور جذبہ صادقہ کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حکمت عملی: بہرحال اس تہوار اور میلہ سے فائدہ اٹھا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام مندر اور بت خانہ میں تنہا رہ گئے۔ پہلے تو بتوں کو مخاطب کر کے اور پھر ان پر جو چڑھاوا چڑھا تھا اس کے متعلق پوچھا کہ یہ تم کھاتے کیوں نہیں ہو؟ جب کچھ جواب نہ ملا تو کہنے لگے کہ تم بولتے کیوں نہیں؟ مقصد ان بتوں کا عجز ظاہر کرنا تھا اور یہ کہ کھاتے پیتے اور بولنے والے انسانوں کو دیکھو کہ بے حس و حرکت مورتیوں کے آگے سربسجود ہوتے ہیں اور ان سے مدد کے طالب ہوتے ہیں۔ اس کے بعد تبر مار کر بڑے بت کی گردن اڑا دی اور تبر اس کے کاندھے پر رکھ دیا۔ جیسا کہ سورۂ انبیاء میں مفصل گزر چکا ہے۔

لوگ جب میلے سے واپس آئے اور بتوں کا یہ منظر دیکھا تو غصہ میں جھنجھنا گئے اور قرائن سے یہ سمجھ کر کہ ہو نہ ہو یہ کام ابراہیم ہی کا ہو سکتا ہے۔ ان کی طرف جھپٹ پڑے۔ ابراہیم علیہ السلام بولے کہ یہ توڑ پھوڑ کسی نے بھی کی ہو، دیکھنا تو یہ ہے کہ تم یہ احمقانہ حرکتیں کرتے کیوں ہو؟ پتھر کی بے جان مورتیوں کو خود اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہو اور پھر ان کی پرستش کرنے لگتے ہو اور جس خدا نے تمہیں پیدا کیا اور تمہیں مورتیاں تراشنے خراشنے کی طاقت اور ہنر دیا اس کو چھوڑ بیٹھے۔ بھلا ہر چیز کو پیدا تو وہ کرے اور تم بندگی خود اپنی مرضی ہوئی گھڑی ہوئی مورتیوں کی کرو جو مخلوق در مخلوق ہیں۔ آخر یہ کیا اندھیر ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سخت آزمائش: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان معقول باتوں کا جب ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو باہمی مشورہ سے یہ تجویز ٹھہری کہ آگ کا ایک الاؤ تیار کر کے ابراہیم علیہ السلام کو اس میں جھونک دو۔ اس کارروائی سے لوگوں کے دلوں میں دہل بیٹھ جائے گی کہ مخالفین کا انجام کیسا بھیانک ہوتا ہے کہ پھر کوئی ایسی جرأت نہیں کر سکے گا اور ماننے والوں میں عقیدت مزید راسخ ہو جائے گی۔ مگر اللہ نے ان کی ساری اسکیم فیل کر دی اور یہ آتش نمرود ابراہیم علیہ السلام کے حق میں گلزار بن گئی۔ جس سے ثابت ہو گیا کہ سارے مل کر بھی ایک سچے بندے کا بال بیکا نہیں کر سکے۔ آگ کی کیا مجال کہ بلا اجازت ایک بال پر بھی آنچ آ سکے۔ آگ کا کام بلاشبہ جلانا ہے اور پانی کا کام ڈبونا ہے اور پتھر کا کام توڑ پھوڑ کرنا ہے۔ لیکن دنیا کی کسی چیز میں بھی ذاتی تاثیر نہیں ہے بلکہ سب چیزیں اللہ کے اذن و ارادہ کی محتاج ہیں۔ وہ جب چاہے اثر ظاہر ہو جاتا ہے اور جب چاہے اسباب سے تاثیر کھینچ لیتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت: اس ساری جدوجہد کے باوجود جب قوم کی طرف سے مایوسی ہوئی اور باپ نے بھی نگاہیں پھیر لیں تو مجبوراً حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی ٹھان لی۔ اللہ نے شام کی راہ دکھلا دی۔ وہاں پہنچ کر اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلا دیئے کہ اے اللہ! میں نے اپنا کنبہ اور وطن چھوڑا تو نیک اولاد عطا فرما جو دین کے کام میں میرا ہاتھ بٹائے اور یہ سلسلہ باقی رہے۔

رب ھب لی میں دعائے ابراہیم اور اس کی قبولیت کا ذکر ہے۔ چنانچہ پھر وہی لڑکا قربانی کے لئے پیش کیا۔

ذبیح اللہ حضرت اسماعیلؑ تھے یا اسحٰقؑ؟: اس میں اختلاف ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے یا اسحٰق علیہ السلام! روایات دونوں طرح کی ہیں۔ آیت کے سیاق سے ظاہر یہی ہے کہ اسماعیل علیہ السلام ذبیح تھے۔ کیونکہ ذبح وغیرہ کا قصہ ختم کر کے حضرت اسحٰق علیہ السلام کی بشارت کا جداگانہ ذکر **و بشرناہ باسحٰق** سے فرمایا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ **فبشرناہ بغلٰم حلیم** کا مصداق ان کے علاوہ اور لڑکا تھا۔ نیز یہاں حضرت اسحٰق کے نبی ہونے کی بھی بشارت سنائی گئی اور سورۂ ہود میں **ومن وراء اسحٰق یعقوب** سے یعقوب کا مژدہ بھی سنایا گیا جو حضرت اسحٰق علیہ السلام کے صاحبزادے ہوں گے۔ پھر کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ حضرت

اسحٰق علیہ السلام ذبیح ہوں۔ یعنی نبی بنائے جانے اور اولاد عطا کئے جانے سے پہلے ہی ذبح کر دیئے جائیں۔

بہ محالہ ماننا پڑے گا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ جن کی ولادت کی بشارت کے وقت نہ نبوت عطا فرمانے کا وعدہ ہوا نہ اولاد دیئے جانے کا۔ کیونکہ جب حضرت اسحٰق علیہ السلام کے صاحب اولاد ہونے کی بشارت ہو چکی تو خود معلوم ہو گیا کہ یہ ذبح نہ ہوں گے اور جب ذبح نہ ہونے کا اطمینان ہو گیا تو پھر امتحان عظیم کیا ہوا؟ چنانچہ موجودہ توریت سے بھی ثابت ہے کہ جولڑکا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے پیدا ہوا وہ اسماعیل علیہ السلام ہیں، اسی لئے ان کا نام ''اسماعیل'' رکھا۔

یہ نام دو لفظوں سے مرکب ہے ''سمع'' جس کے معنی سننے کے ہیں اور ''ایل'' کے معنی اللہ کے ہیں۔ یعنی اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کی دعا سن لی۔ جیسا کہ توراۃ میں ہے کہ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ اسماعیل کے بارے میں، میں نے تیری سن لی ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے شواہد: ...... یہی وجہ ہے کہ قربانی کی یادگار اور اس کی رسوم برابر اولاد اسماعیل علیہ السلام میں جاری رہی اور آج تم مسلمانوں میں جو اسماعیل کی روحانی اولاد ہیں یہ مقدس یادگاریں رائج ہیں۔

موجودہ توریت میں قربانی کا مقام ''موریا مریا'' آیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ وہی ''مروہ'' ہے جہاں طواف کعبہ کے بعد سعی کی جاتی ہے اور اس کے بعد عمرہ کرنے والے حلال ہو جاتے ہیں۔ ممکن ہے یہاں ''بلغ معه السعی'' سے مراد وہی سعی مروہ ہو۔

آنحضرت ﷺ نے بھی ''مروہ'' کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کی اصل قربان گاہ ہے اور قرآن کریم کی آیت **هدیا بالغ الکعبة** اور **ثم محلها الی البیت العتیق** سے بھی کعبہ کے قریب کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے حجاج اور قربانیوں کی کثرت کو دیکھتے ہوئے بعد میں منیٰ تک وسعت دے دی گئی ہو جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔

بہرحال آثار وقرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ذبیح اللہ اسماعیل علیہ السلام ہی تھے جو مکہ میں آکر رہے اور وہیں ان کی نسل پھیلی۔ توریت میں تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اکلوتے اور لاڈلے بیٹے کے ذبح کا حکم دیا گیا تھا اور یہ مسلم ہے کہ اسماعیل علیہ السلام عمر میں اسحٰق علیہ السلام سے بڑے تھے۔ پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی موجودگی میں حضرت اسحٰق علیہ السلام اکلوتے کیسے ہو سکتے ہیں۔

اور یہ عجیب بات ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو **ان ابراهیم لحلیم اواه منیب** اور **ان ابراهیم لاواه حلیم** فرمایا گیا۔ اسی طرح ان کی دعا کی قبولیت میں جس لڑکے کی بشارت **بغلام حلیم** فرمایا گیا وہ اسماعیل ہی ہو سکتے ہیں۔ حلیم اور صابر کا مفہوم قریب قریب ہی ہے۔ چنانچہ اسی غلام حلیم کی زبانی **ستجدنی ان شاء اللّٰه من الصابرین** کہلا کر کس طرح وعدے کو سچا کر دکھایا گیا۔

غرض حلیم، صابر، صادق الوعد سب کا مصداق ایک ہی ہے۔ پس قرآن کریم میں حلیم کا اطلاق صرف باپ بیٹے ابراہیم و اسماعیل پر ہوا ہے۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی بشارت کے سلسلہ میں غلام علیم فرمایا گیا ہے۔ نیز حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق سورۂ مریم میں **وکان عند ربه مرضیا** فرمایا گیا اور سورۂ بقرہ میں دعائیہ الفاظ اس طرح ہیں۔ **وجعلنا مسلمین لك ومن ذریتنا امة مسلمة لك** یہاں قربانی کے ذکر میں ''**فلما اسلما**'' اسی تثنیہ کو ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے بڑھ کر اسلام اور تسلیم ورضا، صبر وتحمل اور کیا ہو گا جو دونوں باپ بیٹے نے ذبح کرنے اور ذبح ہونے کے متعلق دکھلایا۔ یہ اسی قربانی کا صلہ ہے کہ ان دونوں کی ذریت کو ''امت مسلمہ'' کا وقیع لقب عطا ہوا۔

حضرت اسحٰق علیہ السلام کے ذبیح ہونے مؤیدات:۔ .... دوسرے حضرات کی رائے یہ ہے کہ فبشرناہ بغلام حلیم اور وبشرناہ باسحٰق دونوں بشارتوں سے مراد اسحاقؑ ہیں۔ پہلی بشارت ان کے پیدا ہونے کی اور دوسری بشارت ان کی نبوت کی ہے اور من وراء اسحاق یعقوب کا یہ جواب دیا کہ دونوں بشارتوں کا ایک ہی وقت میں ہونا کیا ضروری ہے۔ ممکن ہے یہ تیسری بشارت اس قربانی کے واقعہ کے بعد ہوئی ہو اور کچھ حضرات کی رائے یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ ذبح دونوں کے ساتھ پیش آیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ منیٰ میں اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کے ساتھ شام میں۔ مگر یہ بات نہایت تکلف کی ہے۔

عظیم قربانی کیا تھی؟:۔ ...... اسی طرح "ذبح عظیم" کی تعیین میں بھی کلام ہوا ہے۔ بعض کے نزدیک معمولی دنبہ تھا اور عظیم کے معنی فربہ، تیار اور قیمتی کے ہیں اور بعض نے اس کو جنت سے آنا کہا ہے اور عظیم سے عظیم القدر مراد لی ہے۔ جس طرح حجر اسود کا جنت سے آنا ثابت ہے تو اس کے آنے میں کیا بعد ہو سکتا ہے اور یہاں آکر یہاں کی خاصیت پیدا ہوگئی۔ اس لئے یہ اشکال نہیں رہتا کہ جنت کی چیز قربان کیسے ہوگئی اور اس کی جان کیسے نکل گئی؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کی تعبیر:۔ ...... فلما بلغ معه السعي. اسماعیل جب بڑے ہو کر اس قابل ہوئے کہ باپ کے ساتھ سعی کر سکیں تو ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا اور مسلسل تین رات دیکھتے رہے۔ تیسرے روز یہ یقین رکھتے ہوئے بھی کہ انبیاء کا خواب وحی اور سچ ہوتا ہے، فرزند سے خواب کہہ سنایا۔ یہ دیکھنے کے لئے یہ بخوشی آمادہ ہو جاتے ہیں، تب تو طبیعت یکسو ہو جائے گی یا زبردستی کرنی پڑے گی تو اس صورت میں سمجھا بجھا کر تیار کرنا ہوگا۔ مگر ہونہار بیٹے نے سنتے ہی بلا توقف کہہ ڈالا کہ ابا جان! مالک کا جو حکم ہو فوراً کر ڈالیئے۔ امر الٰہی کے امتثال میں نہ مشورے کی چنداں حاجت اور نہ شفقت پدری اس میں حائل ہونی چاہئے۔ آپ دیکھ لیں گے کہ کس طرح تسلیم و رضا سے انشاء اللہ تعمیل حکم کرتا ہوں۔

کیا کہنے ہیں ایسے باپ اور بیٹے کے۔ باپ خواب کو سچ کر دکھلانے پر آمادہ ہو گئے اور بیٹے کے ایماء پر ان کو اوندھا لٹا دیا تاکہ آنکھ ملنے پر کچھ لحاظ نہ آجائے، ہاتھ کانپ نہ جائیں، محبت پدری جوش نہ مارنے لگے اور کام ادھورا رہ جائے۔ یہ بات بیان سے باہر ہے کہ باپ کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی اور صبر آزما اور جاں گداز منظر کو دیکھ کر فرشتوں کا کیا حال ہوا ہوگا؟ باپ نے چھری چلانی چاہی، مگر نہ چل سکی کہ بغیر حکم الٰہی کے وہ گلا کیسے کاٹ سکتی تھی۔

فرمان الٰہی ہوا کہ بس بس! رہنے دو، تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا، بیٹے کو ذبح کرانا مقصود نہیں تھا، صرف امتحان محبت تھا۔ دونوں کامیاب نکلے اور پوری طرح پورے اترے۔

توریت میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے جب بیٹے کو قربان کرنا چاہا تو فرشتہ نے پکار کر کہا بس ہاتھ روک لو۔ اللہ فرماتا ہے کہ تو نے اپنے اکلوتے بیٹے کو بچا نہیں رکھا اور اپنی طرف سے یہ کام کر دکھایا۔ اس لئے میں تجھے برکت دوں گا اور تیری نسل کو آسمان کے ستاروں اور ساحل سمندر کی ریت کی طرح پھیلا دوں گا۔

اولاد اسماعیلؑ و اسحٰقؑ کی برکتیں: وبارکنا علیه وعلی اسحٰق الخ یعنی دونوں صاحبزادوں کی اولاد خوب پھیلی۔ چنانچہ اسماعیلؑ کی نسل میں عرب ہیں۔ آنحضرت ﷺ بھی اسماعیل وابراہیم کی اولاد میں ہیں اور اسحٰق کی نسل بنی اسرائیل کہلائی۔ ان دونوں کی نسل میں نہ سب اچھے ہوئے اور نہ سب برے۔ بلکہ جو اچھے ہوئے انہوں نے اپنے بڑوں کا نام روشن کیا۔ لیکن برے ننگ

اسلاف اور ننگ خاندان بنے۔

ومن ذریتھما کی ضمیر ابراہیم واسحٰق کی طرف لوٹانے کی نسبت، اسماعیل علیہ السلام واسحٰق علیہ السلام کی طرف لوٹانا مضمون میں زیادہ وسعت کا باعث ہے۔

لطائفِ سلوک: آیت ونجینہ سے معلوم ہوا کہ طبعی رنج وملال کمالات کے منافی نہیں ہے۔ اسی لئے کاملین بھی طبعی اور بشری تقاضوں سے خالی نہیں ہوتے۔ اس کے خلاف اگر کچھ منقول ہو تو وہ غلبہ حال کی بناء پر ہے۔

آیت اذ جاء ربه بقلب سلیم میں حق تعالیٰ کے آنے سے قرب خداوندی ہے۔ مگر اس کے لئے قلب کا نیت واعتقاد اور صفات کے فساد وآفات سے سلامت رہنا شرط ہے۔

آیت فنظر نظرة سے دفع شر کے لئے حیلہ کا جائز ہونا معلوم ہوا۔ وہ شر خواہ دینی ہو یا دنیاوی۔

آیت ان ھذا لھو البلاء المبین سے معلوم ہوا کہ کبھی خواص کی بھی آزمائش ہو جاتی ہے۔ البتہ یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ خواص کی آزمائش ہی ہوا کرے یا جس کی بھی آزمائش ہو وہ خواص ہی میں سے ہو۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ بِالنُّبُوَّةِ **وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا** بَنِي اِسْرَائِيْلَ **مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾** اَيْ اِسْتِعْبَادِ فِرْعَوْنَ اِيَّاهُمْ **وَنَصَرْنٰهُمْ** عَلَى الْقِبْطِ **فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾** اَلْبَلِيْغَ الْبَيَانَ فِيْمَا اَتٰى بِهِ مِنَ الْحُدُوْدِ وَالْاَحْكَامِ وَغَيْرِهِمَا وَهُوَ التَّوْرٰةُ **وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ** الطَّرِيْقَ **الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَتَرَكْنَا** اَبْقَيْنَا **عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾** ثَنَاءً حَسَنًا **سَلٰمٌ** مِنَّا **عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ** كَمَا جَزَيْنَاهُمَا **نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاِنَّ اِلْيَاسَ** بِالْهَمْزِ اَوَّلَهُ وَتَرْكُهُ **لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾** قِيْلَ هُوَ ابْنُ اَخِيْ هَارُوْنَ اَخِيْ مُوْسٰى وَاُرْسِلَ اِلٰى قَوْمٍ بِبَعْلَبَكَّ وَنَوَاحِيْهَا **اِذْ** مَنْصُوْبٌ بِاُذْكُرْ مُقَدَّرًا **قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾** اللّٰهَ **اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا** اِسْمُ صَنَمٍ لَهُمْ مِنْ ذَهَبٍ وَبِهٖ سُمِّيَ الْبَلَدُ مُضَافًا اِلٰى بَكَّ اَيْ اَتَعْبُدُوْنَهٗ **وَتَذَرُوْنَ** تَتْرُكُوْنَ **اَحْسَنَ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾** فَلَا تَعْبُدُوْنَهٗ **اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾** بِرَفْعِ الثَّلَاثَةِ عَلٰى اِضْمَارِ هُوَ وَبِنَصْبِهَا عَلَى الْبَدَلِ مِنْ اَحْسَنَ **فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾** فِي النَّارِ **اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾** اَيِ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُمْ فَاِنَّهُمْ نَجَوْا مِنْهَا **وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾** ثَنَاءً حَسَنًا **سَلٰمٌ** مِنَّا **عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾** هُوَ اِلْيَاسُ الْمُتَقَدِّمُ ذِكْرُهٗ وَقِيْلَ هُوَ وَمَنْ اٰمَنَ مَعَهٗ فَجُمِعُوْا مَعَهٗ تَغْلِيْبًا كَقَوْلِهِمْ لِلْمُهَلَّبِ وَقَوْمِهِ الْمُهَلَّبُوْنَ وَعَلٰى قِرَاءَةِ اٰلِ يَاسِيْنَ بِالْمَدِّ اَيْ اَهْلِهِ الْمُرَادُ بِهِ اِلْيَاسُ اَيْضًا **اِنَّا كَذٰلِكَ** كَمَا جَزَيْنَاهُ **نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَاِنَّ لُوْطًا لَمِنَ**

الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ اُذْکُرْ اِذْ نَجَّیْنٰہُ وَاَھْلَہٗٓ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۳۴﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ ﴿۱۳۵﴾ الباقین فی العذاب ثُمَّ دَمَّرْنَا اھلکنا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ کُفّار قومہ وَاِنَّکُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَیْھِمْ ای علی آثارھم ومنازلھم فی اسفارکم مُّصْبِحِیْنَ ﴿۱۳۷﴾ ای وقت الصباح یعنی بالنھار وَبِالَّیْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ یا اَھْلَ مَکَّۃَ مَاحَلَّ بِھِمْ فَتَعْتَبِرُوْنَ بِہٖ

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ اور ہارون (علیہ السلام) پر بھی (نبوت کا) احسان کیا۔ اور ہم نے ان کو اور ان کی قوم (بنی اسرائیل) کو بڑی آفت (فرعون کا ان سے بیگاری لینا) سے نکال لیا۔ اور ہم نے (قبطیوں کے مقابلے میں) انکی مدد کی۔ سو یہی لوگ غالب آ گئے اور ہم نے ان دونوں کو واضح کتاب دی (جس میں حدود و احکام وغیرہ کو نہایت کھلے انداز میں بیان کیا گیا ہے یعنی توریت) اور ہم نے انہیں سیدھے راستے پر رکھا اور ہم نے ان دونوں کے لئے پچھلی نسلوں میں (ذکر خیر) رہنے دیا۔ موسیٰ (علیہ السلام) اور ہارون (علیہ السلام) پر (ہمارا) سلام ہے۔ ہم مخلصین کو اسی طرح (جیسے ان کو بدلہ دیا) صلہ دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ وہ دونوں ہمارے خاص ایماندار بندوں میں سے تھے اور الیاس (شروع میں ہمزہ اور بغیر ہمزہ دونوں طرح ہے) بھی پیغمبروں میں سے تھے (بعض کی رائے میں یہ حضرت موسیٰ کے بھائی ہارون کے بھتیجے تھے، جنہیں بعلبک کے باشندوں اور آس پاس والوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا تھا) جبکہ (یہ منصوب ہے اذکر مقدر کے ذریعہ) انہوں نے اپنی قوم کو للکارا کہ کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے۔ کیا تم بعل بت کی پوجا کرتے ہو (سونے کے بت کا نام تھا پھر شہر کا نام ہو گیا۔ بک کی طرف اضافت کر کے یعنی کیا تم اس کی پرستش کرتے ہو) اور چھوڑ بیٹھے ہو اللہ سب سے بڑھ کر بنانے والے کو (یعنی اس کی بندگی نہیں کرتے) جو تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی پروردگار ہے (لفظ۔ اللہ ربکم ورب ابائکم تینوں مرفوع ہیں ضمیر ھو کو مضمر مان کر اور احسن سے بدل مان کر منصوب بھی ہو سکتے ہیں) سو ان لوگوں نے ان کو جھٹلا دیا۔ اس لئے وہ (جہنم میں) پکڑے جائیں گے مگر جو اللہ کے خاص بندے ہیں (مومن۔ وہ جہنم سے محفوظ رہیں گے) اور ہم نے الیاس کے بعد کی آنے والی نسلوں میں (ذکر خیر) رہنے دیا (ہمارا) سلام الیاس پر ہو (الیاسین۔ الیاس ہیں جس کا ذکر ہو رہا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ وہ اور ان پر ایمان لانے والے مراد ہیں۔ ان سب کو انہی کے ساتھ تغلیباً جمع کر دیا گیا ہے۔ جیسے مہلب اور اس کی قوم کو مہلبین کہتے ہیں اور ایک قرأت میں "آل یاسین" مد کے ساتھ آیا ہے۔ یعنی یاسین کے اہل اس سے بھی الیاس ہی مراد ہیں) ہم مخلصین کو یہی صلہ دیا کرتے ہیں (جیسے ان کو بدلہ دیا ہے) بلاشبہ وہ ہمارے خاص ایماندار بندوں میں سے تھے اور بے شک لوط بھی پیغمبروں میں سے تھے (اس وقت کو یاد کیجئے) جبکہ ہم نے ان کو اور ان کے متعلقین کو سب کو نجات دی۔ بجز ایک بڑھیا کہ جو (عذاب میں باقی) رہنے والوں میں رہ گئی۔ پھر ہم نے (ان کی قوم کے) اور کافروں کو تباہ (ہلاک) کر ڈالا اور تم ان پر گزر کرتے ہو (یعنی ان کے کھنڈرات اور مکانات پر سفر میں جاتے ہوئے) صبح (صبح کے وقت یعنی دن میں) اور رات کو۔ تو کیا پھر بھی نہیں سمجھتے ہو (مکہ والو! کہ ان کے حالات سے عبرت پکڑتے)۔

تحقیق وترکیب:......... **ولقد مننا.** اس قصہ کا پہلے واقعات پر عطف ہے اور لام قسمیہ ہے۔ ای وعزتنا وجلالتنا لقد انعمنا الخ نبوت ورسالت تمام انعامات دینی دنیاوی میں فائق تر ہیں۔ اس لئے مفسرؒ نے اس کی تخصیص کی ہے۔

ان الیاس. حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اخیانی بھائی حضرت ہارونؑ تھے اور حضرت الیاسؑ، حضرت ہارونؑ کے علاتی بھائی

کے صاحبزادے ہیں اور ابن مسعودؓ، قتادہؒ، ابن اسحٰق، نحاکؒ کی رائے میں یہ حضرت ادریسؑ ہیں۔ روح البیان میں ان کا شجرہ اس طرح ذکر کیا ہے۔ الیاس بن یاسین بن شیر ابن فنحاص بن غیزار بن ہارون۔ گویا حضرت ہارونؑ کے پوتے ہوئے مشہور یہی ہے۔

اتدعون بعلا. بیس ہاتھ لمبا بت تھا۔ جس کے چار منہ تھے۔ لوگ اس کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ حتیٰ کہ چار سو خدام اس کے خدمت گزار تھے جو خود کو اس کی اولاد سمجھتے تھے۔ اس کے اندر سے آوازیں نکلتی تھیں۔ پہلے تو جہاں یہ بت تھا، اس بستی کا نام بک تھا بعد میں بعلبک نام پڑ گیا۔ دع اور ذر دونوں امر کے صیغے ہیں مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ علم سے پہلے ترک کرنے کو دع کہتے ہیں اور علم کے بعد کسی چیز کے ترک کرنے کو ذر بولتے ہیں۔ چنانچہ بعض ائمہ نے جب امام رازیؒ سے سوال کیا کہ **تذرون احسن الخالقين** کیوں فرمایا گیا۔ **تدعون احسن الخالقين** زیادہ فصیح تھا؟ تو امام نے جواب میں یہی نکتہ ارشاد فرمایا کہ اس علم کے باوجود کہ اللہ سب کا رب ہے، پھر اس کو چھوڑ دیا۔ اس لئے **تدعون** کی بجائے **تذرون** فرمایا گیا ہے۔ **تذرون** حال بھی ہو سکتا ہے اور **تدعون** پر عطف بھی اس وقت نفی کے تحت میں داخل ہوگا۔

احسن الخالقين. **حلق** بمعنی **قدر** اصل معنی اختراع کے آتے ہیں۔ پس **احسن الخالقين** بمعنی **احسن المقدرين** اس سے معتزلہ کے نقطہ نظر پر خلق کی نسبت غیر اللہ کی طرف لازم نہیں آتی۔ اسم تفضیل کو مضاف الیہ کا بعض قرار دیتے ہوئے اور شہاب نے معتزلہ پر اس طرح رد کیا ہے کہ اللہ کا خلق تو بمعنی ایجاد ہے اور بندہ کا خلق بمعنی کسب ہے۔

الا عباد الله بظاہر یہ **محضرون** سے استثناء معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ **کذبوہ** کی ضمیر سے استثناء متصل ہے۔ یعنی قوم کے بعض لوگوں نے تکذیب نہیں کی تھی۔ اس کو استثناء منقطع ماننا بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ معنی یہ ہوں گے کہ ان کے علاوہ دوسرے **عباد الله المخلصين** عذاب کے وقت حاضر نہیں تھے۔ اس طرح نظم کلام مختل ہو جائے گا۔

الياسين. الیاس مراد ہونے کی صورت میں یہ لفظ مفرد ہوگا اور علمیۃ وعجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا، دوسری صورت قیل سے بیان کی ہے۔ اس صورت میں جمع مذکر سالم ہو جائے گا۔ تغلیبا سب کو الیاسین کہہ دیا ہے۔ ممکن ہے اس پر یہ شبہ ہو کہ نحاۃ کے نزدیک علم جب تثنیہ یا جمع کیا جائے تو الف لام تعریف لانا ضروری ہے۔ تاکہ اس کی علمیت کی تلافی ہو سکے اور تغلیب وغیرہ سے اس ضابطہ پر کچھ اثر نہیں پڑے گا۔ بلکہ قاعدہ دونوں صورتوں میں باقی رہے گا۔ جیسا کہ ابن حاجبؒ نے شرح مفصل میں لکھا ہے۔ جواب یہ ہے کہ ابن یعیشؒ نے شرح مفصل میں اس کے خلاف لکھا ہے کہ علم کو تثنیہ اور جمع بنا کر نکرہ استعمال کر سکتے ہیں اور بطور صفت کے بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ جیسے زیدون، کریمون، شیخ عبدالقادر جرجانیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

تیسری صورت آل یاسین کی قرأت پر ہوگی کہ آل سے مراد الیاس اور یاسین ان کے والد ہوں گے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ لفظ آل زائد ہے۔ جیسے آل موسیٰ، آل ہارون اور الیاسین سے مراد الیاس ہے۔ سریانی زبان میں یا اور نون بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے طور سینا کو طور سینین کہا جاتا ہے۔

اذ نجيناه مفسر علامؒ نے اشارہ کر دیا کہ اس کا تعلق مرسلین کے ساتھ نہیں ہے۔ ورنہ اس کا ایہام ہوگا کہ نجات سے پہلے حضرت لوط علیہ السلام پیغمبر نہیں تھے بلکہ اذکر مقدر کا ظرف ہے۔

تشریح: **من الكرب العظيم** یعنی فرعونیوں سے اور بحر قلزم کی ہولناک موجوں سے بسہولت نجات دی۔ فرعونیوں کا بیڑا غرق کر کے بنی اسرائیل کو مظفر ومنصور کر دیا اور قبطیوں کی جائیداد اور مال کا انہیں وارث بنا دیا اور پھر توریت دے کر احکام الٰہی کی تشریح کر دی اور دونوں پیغمبر بھائیوں کو ہر معاملہ میں سیدھی راہ چلایا جو عصمت کے لوازم میں سے ہے۔

حضرت الیاسؑ کون تھے؟: حضرت الیاسؑ کی نسبت طبری نے حضرت ہارونؑ کی نسل سے ہونا نقل کیا ہے۔ ملک شام کے شہر بعلبک کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور روح المعانی میں ہے کہ الیاسین الیاسؑ ہی کا ایک لغت ہے اور کشاف سے نقل کیا ہے۔ شاید سریانی زبان میں یا اور نون کے کچھ معنی ہوں اور خاص طور سے یہاں فواصل کی رعایت پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے اور آل یاسین کی قرأت پر لفظ آل زائد بھی ہوسکتا ہے۔ جیسے کما صلیت علی ال ابراھیم یا اللھم صل علی ال ابی ادفی میں ہے۔

احسن الخالقین۔ اس لئے کہا کہ انسان بھی صنعت وحرفت، ترکیب و تحلیل کر کے اگرچہ بہت سی چیزیں بنا لیتے ہیں، مگر بہترین بنانے والا تو اللہ ہے، جو تمام اصول وفروع، جواہر واعراض، صفت وموصوفات سب کا حقیقی خالق ہے۔ جس نے تمہیں اور تمہارے باپ دادوں کو پیدا کیا۔ پھر ایسے حقیقی خالق کو چھوڑ کر بعل بت کی پرستش کی جائے اور اس سے مدد مانگی جائے جو ایک ذرہ کو ظاہری طور پر بھی پیدا نہیں کر سکتا۔ بلکہ خود اس کی تراش خراش بھی پرستاروں کی رہین منت ہے۔ انہوں نے جیسا چاہا بنا کر کھڑا کر دیا۔

الا عجوزا حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی مراد ہے جو اپنے کفر کی وجہ سے یا کافروں سے ساز باز رکھنے کی وجہ سے گرفتار عذاب ہوئی۔

وانکم لتمرون۔ یہ اہل مکہ کو خطاب فرمایا جا رہا ہے، مکہ سے جو قافلے شام کو آتے جاتے تھے۔ قوم لوط کی یہ الٹی ہوئی بستیاں سر راہ نظر آتی تھیں اور دن رات ادھر گزرتے ہوئے ان کھنڈرات کی کہانیاں اور نشانات دیکھتے اور پھر بھی عبرت نہیں پکڑتے تھے۔ کیا یہ خطرہ نہیں ہوتا کہ جو حال ایک نافرمان قوم کا ہوا وہی حشر دوسری نا ہنجار قوم کا بھی ہوسکتا ہے۔

وَاِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ هرب **اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾** السَّفِينَةِ الْمَمْلُوْءَةِ حِيْنَ غَاضَبَ قَوْمَهُ لَمَّا لَمْ يَنْزِلْ بِهِمُ الْعَذَابُ الَّذِي وَعَدَهُمْ بِهِ فَرَكِبَ السَّفِيْنَةَ فَوَقَفَتْ فِي لُجَّةِ الْبَحْرِ فَقَالَ الْمَلَّاحُوْنَ هُنَا عَبْدٌ اٰبِقٌ مِنْ سَيِّدِهِ تُظْهِرُهُ الْقُرْعَةُ **فَسَاهَمَ** قَارَعَ اَهْلَ السَّفِيْنَةِ **فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۱﴾** الْمَغْلُوْبِيْنَ بِالْقُرْعَةِ فَاَلْقَوْهُ فِي الْبَحْرِ **فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ** اِبْتَلَعَهُ **وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾** اَيْ اٰتٍ بِمَا يُلَامُ عَلَيْهِ مِنْ ذَهَابِهِ اِلَى الْبَحْرِ وَرُكُوْبِهِ السَّفِيْنَةَ بِلَا اِذْنٍ مِنْ رَبِّهِ **فَلَوْلَا اَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾** الذَّاكِرِيْنَ بِقَوْلِهِ كَثِيْرًا فِي بَطْنِ الْحُوْتِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ **لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾** لَصَارَ بَطْنُ الْحُوْتِ قَبْرًا لَهُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ **فَنَبَذْنٰهُ** اَلْقَيْنَاهُ مِنْ بَطْنِ الْحُوْتِ **بِالْعَرَآءِ** بِوَجْهِ الْاَرْضِ اَيْ بِالسَّاحِلِ مِنْ يَوْمِهِ اَوْ بَعْدَ ثَلَاثَةٍ اَوْ سَبْعَةِ اَيَّامٍ اَوْ عِشْرِيْنَ اَوْ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا **وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾** عَلِيْلٌ كَالْفَرْخِ الْمُمَعَّطِ **وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾** وَهُوَ الْقَرْعُ تُظِلُّهُ وَهِيَ بِسَاقٍ عَلٰى خِلَافِ الْعَادَةِ فِي الْقَرْعِ مُعْجِزَةٌ لَهُ وَكَانَتْ تَاْتِيْهِ وَعْلَةٌ صَبَاحًا وَّمَسَاءً يَشْرَبُ مِنْ لَبَنِهَا حَتّٰى قَوِيَ **وَاَرْسَلْنٰهُ** بَعْدَ ذٰلِكَ كَقَبْلِهِ اِلٰى قَوْمٍ بِنِيْنَوٰى مِنْ اَرْضِ الْمَوْصِلِ **اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ** بَلْ

يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ عِشْرِيْنَ اَوْ ثَلَاثِيْنَ اَوْ سَبْعِيْنَ اَلْفًا **فَاٰمَنُوْا** عِنْدَ مُعَايَنَةِ الْعَذَابِ الْمَوْعُوْدِيْنَ بِهٖ **فَمَتَّعْنٰهُمْ** اَبْقَيْنَاهُمْ مُتَمَتِّعِيْنَ بِمَالِهِمْ **اِلٰى حِيْنٍ** ﴿۱۴۸﴾ تَنْقَضِيْ اٰجَالُهُمْ فِيْهِ **فَاسْتَفْتِهِمْ** اِسْتَخْبِرْ كُفَّارَ مَكَّةَ تَوْبِيْخًا لَهُمْ **اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ** بِزَعْمِهِمْ اَلْمَلَائِكَةُ بَنَاتُ اللّٰهِ **وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ** ﴿۱۴۹﴾ فَيَخْتَصُّوْنَ بِالْاَبْنَاءِ **اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ** ﴿۱۵۰﴾ خَلْقَنَا فَيَقُوْلُوْنَ ذٰلِكَ **اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ** كَذِبِهِمْ **لَيَقُوْلُوْنَ** ﴿۱۵۱﴾ **وَلَدَ اللّٰهُ** بِقَوْلِهِمُ الْمَلٰئِكَةُ بَنَاتُ اللّٰهِ **وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ** ﴿۱۵۲﴾ فِيْهِ **اَصْطَفَى** بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ لِلْاِسْتِفْهَامِ وَاسْتُغْنِيَ بِهَا عَنْ هَمْزَةِ الْوَصْلِ فَحُذِفَتْ اَيْ اَخْتَارَ **الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ** ﴿۱۵۳﴾ **مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ** ﴿۱۵۴﴾ هٰذَا الْحُكْمَ الْفَاسِدَ **اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ** ﴿۱۵۵﴾ بِاِدْغَامِ التَّاءِ فِي الذَّالِ اِنَّهٗ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى مُنَزَّهٌ عَنِ الْوَلَدِ **اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ** ﴿۱۵۶﴾ حُجَّةٌ وَاضِحَةٌ اَنَّ لِلّٰهِ وَلَدًا **فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ** التَّوْرَاةِ فَارُوْنِيْ ذٰلِكَ فِيْهِ **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** ﴿۱۵۷﴾ فِيْ قَوْلِكُمْ ذٰلِكَ **وَجَعَلُوْا** اَيِ الْمُشْرِكُوْنَ **بَيْنَهٗ** تَعَالٰى **وَبَيْنَ الْجِنَّةِ** اَيِ الْمَلَائِكَةِ لِاِجْتِنَانِهِمْ عَنِ الْاَبْصَارِ **نَسَبًا** بِقَوْلِهِمْ اَنَّهَا بَنَاتُ اللّٰهِ **وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ** اَيْ قَائِلِيْ ذٰلِكَ **لَمُحْضَرُوْنَ** ﴿۱۵۸﴾ لِلنَّارِ يُعَذَّبُوْنَ فِيْهَا **سُبْحٰنَ اللّٰهِ** تَنْزِيْهًا لَهٗ **عَمَّا يَصِفُوْنَ** ﴿۱۵۹﴾ بِاَنَّ لِلّٰهِ وَلَدًا **اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ** ﴿۱۶۰﴾ اَيِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِسْتِثْنَاءٌ مُنْقَطِعٌ اَيْ فَاِنَّهُمْ يُنَزِّهُوْنَ اللّٰهَ عَمَّا يَصِفُهٗ هٰؤُلَاءِ **فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ** ﴿۱۶۱﴾ مِنَ الْاَصْنَامِ **مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ** اَيْ عَلٰى مَعْبُوْدِكُمْ وَعَلَيْهِ مُتَعَلِّقٌ بِقَوْلِهٖ **بِفٰتِنِيْنَ** ﴿۱۶۲﴾ اَيْ اَحَدًا **اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ** ﴿۱۶۳﴾ فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى قَالَ جِبْرَئِيْلُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَمَا مِنَّآ** مَعْشَرَ الْمَلٰئِكَةِ اَحَدٌ **اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ** ﴿۱۶۴﴾ فِي السَّمٰوٰتِ يَعْبُدُ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى فِيْهِ لَا يَتَجَاوَزُهٗ **وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ** ﴿۱۶۵﴾ اَقْدَامَنَا فِي الصَّلٰوةِ **وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ** ﴿۱۶۶﴾ اَلْمُنَزِّهُوْنَ اللّٰهَ عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِهٖ **وَاِنْ** مُخَفَّفَةٌ مِّنَ الثَّقِيْلَةِ **كَانُوْا** اَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ **لَيَقُوْلُوْنَ** ﴿۱۶۷﴾ **لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا** كِتَابًا **مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ** ﴿۱۶۸﴾ اَيْ مِنْ كُتُبِ الْاُمَمِ الْمَاضِيْنَ **لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ** ﴿۱۶۹﴾ اَلْعِبَادَةَ لَهٗ قَالَ تَعَالٰى **فَكَفَرُوْا بِهٖ** اَيْ بِالْكِتَابِ الَّذِيْ جَاءَهُمْ وَهُوَ الْقُرْاٰنُ الْاَشْرَفُ مِنْ تِلْكَ الْكُتُبِ **فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ** ﴿۱۷۰﴾ عَاقِبَةَ كُفْرِهِمْ **وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا** بِالنَّصْرِ **لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ** ﴿۱۷۱﴾ وَهِيَ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ وَهِيَ قَوْلُهٗ **اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ** ﴿۱۷۲﴾ **وَاِنَّ جُنْدَنَا** اَيِ الْمُؤْمِنِيْنَ **لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ** ﴿۱۷۳﴾ الْكُفَّارَ بِالْحُجَّةِ وَالنُّصْرَةِ عَلَيْهِمْ فِي الدُّنْيَا وَاِنْ لَّمْ يَنْتَصِرْ بَعْضٌ مِّنْهُمْ فِي الدُّنْيَا فَفِي الْاٰخِرَةِ **فَتَوَلَّ عَنْهُمْ**

عرِضْ عَنْ كُفَّارِ مَكَّةَ **حَتّٰى حِيْنٍ** ﴿۱۷۴﴾ تُؤْمَرُ فِيْهِ بِقِتَالِهِمْ **وَّاَبْصِرْهُمْ** اِذَا نَزَلَ بِهِمُ الْعَذَابُ **فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ** ﴿۱۷۵﴾ عَاقِبَةَ كُفْرِهِمْ فَقَالُوْا اِسْتِهْزَاءً مَتٰى نُزُوْلُ هٰذَا الْعَذَابِ قَالَ تَعَالٰى تَهْدِيْدًا لَهُمْ **اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ** ﴿۱۷۶﴾ **فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ** بِفِنَائِهِمْ قَالَ الْفَرَّاءُ الْعَرَبُ تَكْتَفِيْ بِذِكْرِ السَّاحَةِ عَنِ الْقَوْمِ **فَسَآءَ** بِئْسَ صَبَاحًا **صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ** ﴿۱۷۷﴾ وَفِيْهِ اِقَامَةُ الظَّاهِرِ مَقَامَ الْمُضْمَرِ **وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ** ﴿۱۷۸﴾ **وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ** ﴿۱۷۹﴾ كَرَّرَ تَاكِيْدًا لِتَهْدِيْدِهِمْ وَتَسْلِيَةً لَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ** الْغَلَبَةِ **عَمَّا يَصِفُوْنَ** ﴿۱۸۰﴾ بِاَنَّ لَهُ وَلَدًا **وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ** ﴿۱۸۱﴾ الْمُبَلِّغِيْنَ عَنِ اللّٰهِ التَّوْحِيْدَ وَالشَّرَائِعَ **وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۱۸۲﴾ عَلٰى نَصْرِهِمْ وَهَلَاكِ الْكَافِرِيْنَ

ترجمہ: اور بلاشبہ یونس بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ جس وقت بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے (کشتی بالکل تیار کھڑی تھی۔ قوم سے بگڑ کر چلے گئے۔ جس عذاب کی انہوں نے دھمکی دی۔ جب وہ نہ آیا تو فوراً حضرت یونسؑ کشتی پر سوار ہو گئے۔ پھر آگے چل کر کشتی بھنور میں پھنس گئی۔ ملاح بولے کہ یہاں کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ قرعہ اندازی سے پتہ چل جائے گا) سو یونسؑ بھی قرعہ میں شریک ہوئے (جو کشتی والوں نے قرعہ اندازی کی) چنانچہ یہی ملزم ٹھہرے (قرعہ اندازی میں ان کا نام نکل آیا۔ جس کی وجہ سے انہیں سمندر میں ڈال دیا گیا) پھر مچھلی نے ان کو نگل لیا اور یہ خود کو ملامت کر رہے تھے (یعنی ساحل سمندر کی طرف بھاگنا اور بلا اجازت خداوندی کشتی پر سوار ہو جانا لائق ندامت تھا) سو اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے (مچھلی کے پیٹ میں لاالٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین کا ورد بکثرت نہ کرتے رہتے) تو قیامت تک اسی کے پیٹ میں رہتے (مچھلی کا پیٹ ہی قیامت تک ان کی قبر بنتا) سو ہم نے ان کو ایک میدان میں ڈال دیا (زمین کے ساحلی حصہ پر، اسی روز یا تیسرے یا ساتویں یا بیسویں یا چالیسویں روز) اور وہ اس وقت مضمحل تھے (پرندہ کے بے پر بچہ کی طرح) اور ہم نے ان پر ایک بیل دار درخت بھی اگا دیا تھا (کدو کی بیل ان پر سایہ فگن تھی۔ خلاف عادت بطور معجزہ کے کدو کا درخت تنہ دار ہو گیا تھا اور صبح شام ایک ہرنی آ کر انہیں دودھ پلا جاتی تھی۔ حتی کہ ان کو قوت آ گئی) اور ہم نے ان کو رسول بنا کر بھیجا (اس واقعہ کے بعد بھی جیسے کہ پہلے بھی مبعوث ہوئے تھے سرزمین موصل میں قوم نینوا کے پاس) ایک لاکھ یا اس سے زائد آدمیوں کی طرف (بیس یا تیس یا ستر ہزار زیادہ) پھر وہ لوگ ایمان لے آئے تھے (مقررہ عذاب کے آثار دیکھتے ہی) تو ہم نے انہیں عیش دیا ایک مدت تک (اپنے مال ومتاع سے زندگی بھر نفع اٹھاتے رہے) سو ان لوگوں سے پوچھئے (کفار مکہ سے سرزنش کے طور پر معلوم کیجئے) کہ کیا تیرے پروردگار کے لئے تو بیٹیاں (اپنے عقیدہ کے مطابق فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے) اور ان کے لئے بیٹے (کہ نرینہ اولاد کو چاہتے ہیں) ہاں کیا ہم نے فرشتوں کو عورت بنایا ہے اور وہ دیکھ رہے تھے (ہمارے پیدا کرنے کو جس پر وہ اس عقیدہ کا اظہار کرتے ہیں) خوب سن لو کہ وہ لوگ اپنی سخن سازی (دروغ بافی) سے کہتے ہیں کہ اللہ صاحب اولاد ہے (فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہنے کی وجہ سے) اور یقیناً وہ (اس میں) جھوٹے ہیں۔ کیا اللہ نے زیادہ پسند کیں (یہ لفظ ہمزہ استفہامیہ کے فتحہ سے ہے اور چونکہ ہمزہ وصل کی ضرورت نہیں رہی۔ اس لئے حذف ہو گیا۔ مطلب یہ ہے کہ کیا اللہ نے منتخب کر لی ہیں) لڑکیاں لڑکوں کے مقابلہ میں؟ تم کو کیا ہو گیا۔ تم کیسا (غلط) حکم لگاتے ہو۔ کیا تم سوچ سے کام نہیں لیتے ہو (تا کو ذال میں ادغام کر دیا۔ یعنی یہ کہ اللہ اولاد سے پاک ہے) ہاں تمہارے پاس کوئی واضح دلیل موجود ہے (اس بات کی کھلی حجت کہ خدا کے اولاد ہے) سو

اپنی کتاب پیش کرو (توریت وغیرہ کسی میں مجھے یہ مضمون دکھلاؤ) اگر تم سچے ہو (اس بارے میں) اور ان (مشرک) لوگوں نے اللہ تعالیٰ میں اور جنات میں (فرشتے مراد ہیں نگاہوں سے مستور ہونے کی وجہ سے) رشتہ داری قائم کر رکھی ہے (یہ کہہ کر کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں) اور جنات کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ (کافر جو اس کے قائل ہیں) گرفتار ہوں گے (جہنم میں انہیں عذاب دیا جائے گا) اللہ ان باتوں سے پاک (صاف) ہے۔ ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں (کہ اللہ کے اولاد ہے) مگر جو اللہ کے خاص بندے ہیں (یعنی مومن، استثناء منقطع ہے۔ یعنی مومن اللہ کو ان باتوں سے پاک سمجھتے ہیں جن کو کافر اللہ کے لئے مانتے ہیں) سو تم اور تمہارے سارے معبود (بت) خدا سے کسی کو (تمہارے معبود کی طرف۔ اس میں علیہ متعلق ہے اگلے قول سے) نہیں پھیر سکتے۔ مگر اسی کو جو جہنم رسیدہ ہونے والا ہے (اللہ کے علم کے مطابق جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا) اور ہم میں سے کوئی (فرشتہ) نہیں ہے مگر ہر ایک کا ایک معین درجہ ہے (آسمانوں میں اللہ کی بندگی کرتا ہے اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا) اور ہم صف بستہ کھڑے رہتے (نماز میں) اور ہم پاکی بیان کرنے میں لگے رہتے ہیں (نامناسب چیزوں کی نسبت اللہ کی طرف کرنے سے) اور یہ (کفار مکہ) کہا کرتے تھے (ان مخففہ ہے) کہ اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت (کتاب) پہلے لوگوں کے طور پر آتی (پچھلی امتوں کی کتابوں کے مطابق) تو ہم اللہ کی خاص بندگی کرنے والے (اس کے عبادت گزار) ہو جاتے (حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ) پھر یہ لوگ انکار کرنے لگے اس کا (قرآن پاک کا جو ان ساری کتابوں میں سب سے بڑھ کر ہے) سو اب ان کو معلوم ہوا جاتا ہے (کفر کا انجام) اور ہماری (مدد کی) بات ہمارے خاص بندوں پیغمبروں کے لئے پہلے ہی سے طے ہو چکی ہے (یعنی لاغلبن انا ورسلی یا اگلی آیت) کہ بلاشبہ وہی غالب کیے جائیں گے اور ہمارا لشکر (مسلمان) ہی غالب رہتا ہے (کفار پر دلیل اور مدد کے ذریعے دنیا میں۔ لیکن دنیا میں اگر غالب نہ ہوئے تو آخرت میں تو ضرور ہی غلبہ رہے گا) پس آپ ان کا خیال چھوڑیئے (کفار مکہ کا دھیان نہ کیجئے) کچھ وقت تک (جب تک آپ کو ان سے اجازت جہاد نہ ہو) اور ان کو دیکھتے رہیئے (ان پر عذاب نازل ہونے کے وقت) سو عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے (اپنے کفر کی پاداش کو، پر تمسخر کے انداز میں کفار کہنے لگے کہ عذاب کب آئے گا؟ ارشاد باری ہوا کہ) کیا یہ ہمارے عذاب کا تقاضا کر رہے ہیں۔ سو وہ جب ان کے روبرو آنازل ہوگا (ان کے گھروں میں اتر آئے گا۔ فراء کہتے ہیں کہ اہل عرب ساحة کا ذکر کر کے قوم مراد لیا کرتے ہیں) سو وہ دن (صبح کا وقت) بہت ہی برا ہوگا۔ ان لوگوں کے لئے جن کو ڈرایا گیا تھا (اس میں اسم ظاہر قائم مقام ضمیر کے کر لیا گیا ہے) اور آپ کچھ وقت تک ان کا خیال نہ کیجئے اور دیکھتے رہیے، سو یہ بھی عنقریب دیکھ لیں گے (یہ جملہ کفار کو دھمکانے اور آنحضرت ﷺ کی تسلی کے لئے دہرایا گیا ہے) آپ کا پروردگار جو بڑی عظمت (غلبہ) والا ہے۔ پاک ہے ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں (کہ اس کے اولاد ہے) اور سلام ہو پیغمبروں پر (جو اللہ کا پیغام توحید و احکام پہنچا رہے ہیں) اور تمام تر خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ جو تمام عالم کا پروردگار ہے (مسلمانوں کی مدد اور کافروں کے تباہ کرنے پر)۔

تحقیق و ترکیب: یونس یہ ذوالنون کہلاتے ہیں۔ یہ متی کے بیٹے ہیں۔ ان کی والدہ کے یہاں حضرت الیاس علیہ السلام قوم سے بھاگ کر رہتے ہیں چھ ماہ روپوش ہو گئے اور وہ ان کی خدمت کرتی رہیں۔ یونس علیہ السلام شیرخوار بچے تھے، پھر حضرت الیاس علیہ السلام اس قید تنہائی سے اکتا کر پہاڑوں میں نکل گئے۔ ادھر حضرت یونس علیہ السلام کی وفات ہو گئی۔ ان کی والدہ حضرت الیاس علیہ السلام کی تلاش میں پہاڑوں میں نکل گئیں۔ انہیں ڈھونڈ نکالا اور ان سے بیٹے کے زندہ ہونے کی دعا چاہی۔ چنانچہ حضرت الیاس علیہ السلام کی دعا کی برکت سے چودہ روز بعد حضرت یونس علیہ السلام زندہ ہوئے اور بڑے ہو کر سرزمین موصل کے شہر نینوی کی طرف مبعوث ہوئے۔

ابق. باب فتح سے اباق ۔ آقا سے غلام کا بھاگ جانا یہاں بلا اجازت نکل جانے کو استعارہ تصریحیہ کے طور پر اباق فرمایا۔

اذ. محذوف کا ظرف ہے۔ تقدیر اذکر

عاصب باب مفاعلت سے ہے۔ مگر شرکت کے معنی نہیں ہیں، بلکہ عاقبت اور سافرت کی طرح ہے اور اشتراک کے لئے بھی ہوسکتا ہے۔ یہ سارا سفر چونکہ بلا اجازت ہوا۔ اس لئے مچھلی کے پیٹ میں مبتلائے آزمائش ہوئے کشتی کے بھنور میں پھنس جانے پر ملاحوں کا ذہن اس زمانہ کے دستور کے مطابق آقا کی نافرمانی کی طرف گیا۔

المدحضين. اصل معنی مزلق اسم مفعول کے ہیں۔

مليم. ہمزہ تعدیہ کے ہے۔ یعنی خود کو ملامت کی۔ قاموس میں ہے۔ الام ای اتی بما یلام علیه او صار ذالائمة

الی یوم یبعثون. زندہ رہتے ہوئے یا وفات پا کر بطور خرق عادت مچھلی کے پیٹ میں قیامت تک رہتے یا صرف مرجانا مراد ہے اور ظاہر ہے کہ مرنا قیامت تک ہی سب کا ہوتا ہے۔ یعنی ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئے ہوتے۔ وہاں سے رہائی نصیب نہ ہوتی اور مچھلی بھی نیست و نابود ہوجاتی۔

بالعراء. کھلا میدان جس میں چھپنے کی کوئی صورت نہ ہو۔ یہ میدان ساحل دجلہ پر ہو یا یمن کی جانب جیسا کہ قتادہؒ اور مقاتل کی رائے ہے۔ مفسر علامؒ نے پانچ اقوال نقل کئے ہیں۔ اول شعبیؒ کی دوسری مقاتل کی، تیسری عطاءؒ کی اور چوتھی ضحاکؒ اور پانچویں سدیؒ کی رائے ہے۔

ممعط اصل لفظ منعط تھا۔ بدن پر بال نہ ہوں۔ امعط الشعر بولتے ہیں۔ یعنی بال و پر جھڑ گئے۔ محض گوشت کا لوتھڑا رہ گیا۔

یقطین. بقول سعید ابن جبیرؒ بیل دار درخت کو کہتے ہیں۔ یہاں بطور خرق عادت تنہ دار درخت ہوگیا تھا۔ کدو کی بیل اول تو بہت جلد بڑھتی ہے، دوسرے اس پر مکھی نہیں آتی۔ چونکہ حضرت یونس علیہ السلام کی کھال ایسی ہوگئی تھی کہ مکھی سے اذیت ہوتی اور بعض کی رائے ہے کہ وہ انجیر کا درخت تھا اور بعض نے کیلا کا درخت مانا ہے، جس کے پتے بڑے ہوتے ہیں۔

او یزیدون مقاتل، کلبی، فراءؒ، ابو عبیدہؒ او بمعنی بل مانتے ہیں اور ابن عباسؓ او بمعنی واؤ فرماتے ہیں۔ ایک قرأت میں وقیل اویزیدون ہے۔ یعنی دیکھنے والا زیادہ سمجھے۔ ترمذیؒ نے ابی بن کعبؓ سے مرفوعاً بیس ہزار زائد نقل کئے ہیں اور ابن عباسؓ سے تیس ہزار اور سعید ابن جبیرؒ نے حسن سے ستر ہزار زائد نقل کئے ہیں۔ جس طرح انبیاء سابقین کے لئے سلام ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت یونسؑ کے تذکرہ میں نہیں فرمایا گیا یا تو پہلے ذکر پر اکتفا کرتے ہوئے یا آخر سورۃ کے سلام علی المرسلین پر اکتفا کرتے ہوئے علیحدہ ضرورت نہیں سمجھی۔

ام خلقنا اور ام لکم ہمزہ منقطعہ ہے وهم شاهدون مبالغہ کے لئے مشاہدہ کی تخصیص کی گئی ہے، جب یہ نہیں تو اور دلائل بدرجہ اولیٰ نہیں ہیں۔

الا انهم. یہ استیناف ہے۔ حق تعالیٰ کی طرف سے کفار کے عقیدۂ ابنیت پر رد ہے۔

وجعلوا خطاب سے غیبت کی طرف التفات ہے جو اظہار نفرت کے لئے ہے۔

الجنة. فرشتوں کو جن کہنا مستور ہونے کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ مجاہدؒ و قتادہؒ کی رائے ہے یا جن ہی مراد ہوں۔

نسباً لغۃً عام ہے نسبت سے مراد خاص تعلق زوجیت و دامادی کا ہے۔ فرشتوں کو قریش نے اللہ کی بیٹیاں کہا تو ابوبکرؓ نے فرمایا کہ ان کی مائیں کون ہیں؟ کہنے لگے جنات کی شہزادیاں۔

سبحان اللّٰہ یہ فرشتوں کا کلام ہے۔

الا عباداللّٰہ یہ استثناء منقطع ہے مستثنیٰ منہ یجعلوا کا فاعل ہے یا یصفون کا فاعل ہے یا ضمیر محضرون ہے اور جملہ تسبیح معترضہ رہے گا اور ابوالبقاء کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ استثناء متصل بھی ہوسکتا ہے ضمیر جعلوا سے۔

ما انتم علیہ مدارک میں ہے کہ علیہ ای علی اللّٰہ بفاتنین ہوتے ہیں فتن فلان علی فلان امرأتہ ای اسندھا علیہ یعنی تم اللہ کے بارے میں کسی کو بہکا نہیں سکتے، بجز جہنمیوں کے اور مفسر علامؒ اشارہ کررہے ہیں کہ علیہ کی ضمیر ما تعبدون کی طرف راجع ہے۔ یعنی تم لوگ جو یہ باتیں کررہے ہو بت پرستی پر کسی کو گمراہ نہیں کرسکتے سوائے جہنمیوں کے اور فاتنین کے مفعول محذوف کی طرف احدا سے اشارہ کردیا اور فاتنین چونکہ معنی استیلاء کو متضمن ہے اس لئے علیہ متعلق ہے فاتنین کے اور بعض نے ماتعبدون کو قائم مقام خبر کے مانا ہے۔ یعنی تم اور تمہارے معبود سا تھ رہیں گے، دونوں مل کر بھی کسی کو خراب نہیں کرسکتے۔ بجز گمراہوں کے۔

وما منا اس میں فرشتہ کی بندگی کے اعتراف کا ذکر ہے۔ جیسا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آسمان میں ایک بالشت جگہ بھی ایسی نہیں۔ جہاں فرشتے مصروف تسبیح نہ ہوں۔ منا صفت ہے موصوف محذوف مل کر مبتداء ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ مبتداء محذوف ہو اور "الالہ" مقام صفت ہے۔ موصوف محذوف کی اور جار مجرور خبر ہے۔ ای وما منا احد الالہ مقام معلوم یہ فرشتوں کا کلام ہے تو بقول عامل مقدر ہے اور کلام الٰہی ہے تو بطور صفات ہے ورنہ ما منھم ہونا چاہئے تھا۔

ان کانوا۔ ان مخففہ میں لام ہوتا ہے اور ان نافیہ کے بعد الا آتا ہے۔

من الاولین ای من ذکر الاولین بمعنی من جنسہ ومثلہ لاعین ذکر الاولین

کلمتنا۔ کلمہ عام لفظ ہے کلام پر بھی بولا جاسکتا ہے۔ لیکن مفرد کے ساتھ خاص کرنا نحوی اصطلاح ہے۔

المنصورون۔ رسولوں کے لئے تو مفعول کا صیغہ بولا گیا ہے۔ یعنی خدائی مددان کو شامل ہوگی۔ جند کے لئے غالبون کا لفظ بولا گیا ہے۔ کیونکہ جند کا لفظ عام ہے۔ دوسروں پر بھی بولا جاتا ہے اس لئے اس خصوصی تعلق کو ظاہر نہیں کیا گیا۔

وان لم ینتصر الخ سے مفسر علامؒ اس شبہ کے جواب کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ بعض دفعہ لشکر اسلام غالب نہیں ہوتا؟ حاصل جواب یہ ہے کہ دنیا میں غالب نہیں تو آخرت میں غالب ہوں گے۔ بیضاویؒ نے دوسرا جواب دیا ہے کہ اکثریت کا اعتبار ہوتا ہے، غالب ہونا اکثری ہے اور مغلوب ہونا قلیل ہے۔

فسوف۔ یہ بطور وعید ہے نہ کہ بطور تبعید قرینہ مقامیہ کی وجہ سے، جیسے کہا جائے سوف انتقم منک۔

بساحتھم۔ ساحۃ خالی میدان کو کہتے ہیں اور فناء وار پیش گاہ منزل کو کہتے ہیں جو مکان کی ضروریات کے لئے چھوڑ دیا جائے۔

بئس مفسرؒ نے صباحاً سے اشارہ کیا ہے کہ ضمیر مخصوص بالمذمیت کی طرف راجع ہے اور تمیز محذوف ہے اور صباح المنذرین فاعل ہے مخصوص بالمذمیت نہیں ہے۔ اصل میں فساء صباحھم تھا یصباح سے دن یا خاص وقت یا اس وقت کی لوٹ مراد لی جائے۔

ربط آیات: ... جن انبیاء کا ذکر پہلے ہوا ان کی نبوت عقلاً ثابت ہے اور وہ سب موحد و مومن اور داعی توحید رہے ہیں۔ جس سے نقلاً توحید ثابت ہوئی۔ اس سے پہلے شروع سورت میں عقلی دلائل سے توحید ثابت ہوچکی ہے۔ پس آگے آیت فاستفتھم الخ سے بطور تفریع شرک وکفر کا بطلان فرمایا جارہا ہے۔ دلیل عقلی پر تو تفریع ظاہر ہے اور نقلی دلیل پر اس طرح ہے کہ نبوت کے لئے سچ لازم ہے۔ پس توحید ضروری ہوئی اور شرک کا بطلان اس کے لئے لازم ہے۔

اس کے بعد کفار ومشرکین کی برائی نقض وعدہ کی آیت وان کانوا لیقولون الخ سے بیان کی جارہی ہے اور اس پر ان کے

نئے وعید اور آنحضرت ﷺ کے لئے تسلی کا مضمون ہے اور جو کہ شروع سورت میں تین مضمون توحید، رسالت، بعثت اصل مقصود کے طور پر بیان ہوئے تھے۔

جہاں تک بعث کا تعلق ہے، اس کا اعتقاد واقعہ میں عقیدہ رسالت پر موقوف ہے اور رسالت کا ماننا توحید پر موقوف ہے۔ اگرچہ اعتقاد توحید، اعتقاد رسالت کو مستلزم نہیں ہے۔ اس لئے کلام کا آغاز بھی توحید سے ہوا اور اختتام بھی آیت سبحان ربك سے توحید ہی پر ہو رہا ہے اور درمیان میں پیغمبروں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور توحید کے بیان میں نقص وعیب کی نفی چونکہ مقدم ہے بہ نسبت کمالات ثابت کرنے کے۔ اس لئے سبحان ربك سے تنزیہ پہلے والحمد الخ سے تمجید میں بیان فرمائی گئی ہے۔

شانِ نزول: لربك البنات الخ روایت میں ہے کہ قریش نے فرشتوں کو جب خدا کی بیٹیاں کہا تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ پھر ان کی مائیں کون ہیں؟ بولے کہ جنات کی شہزادیاں۔

وما منا الا له الخ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ آسمان میں ایک بالشت جگہ بھی تسبیح کرنے والے فرشتوں سے خالی نہیں ہے اور بعض کی رائے ہے کہ آنحضرت ﷺ معراج میں جب سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو جبرائیل علیہ السلام نے علیحدہ ہونا چاہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اھھنا تفارقني؟ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا مااستطیع ان تقدم عن مکانه هذا. اس وقت یہ تین آیات نازل ہوئیں جن میں فرشتوں کے عذر کو نقل کیا گیا ہے۔

سبحان ربك. حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ جو قیامت میں بے حد ثواب کا خواہشمند ہو، اسے اپنے کلام کے آخر میں یہ آیات پڑھنی چاہئیں۔

قرطبی میں ابوسعید خدریؓ سے منقول ہے کہ میں نے بارہا آنحضرت ﷺ کو نماز کے آخر میں یا واپسی کے وقت یہ کلمات پڑھتے سنا۔

﴿تشریح﴾: حضرت یونسؑ نے قوم کو عذاب الٰہی کے بارے میں ڈرایا اور مقررہ دن پر اپنی رائے سے بستی سے باہر نکل گئے۔ لوگوں نے جب آثار عذاب دیکھے تو نادم وشرمندہ ہوئے اور ایمان لانے اور توبہ کے لئے حضرت یونس علیہ السلام کی تلاش شروع کردی۔ وہ نہیں ملے تو اللہ کے آگے توبہ تلا کی روئے، گڑگڑائے اور اجمالاً ایمان لے آئے عذاب ٹل گیا، ادھر کسی ذریعہ سے حضرت یونسؑ کو بھی یہ کیفیت معلوم ہوئی تو بلا اجازت خداوندی اس طرح از خود بستی سے نکلنے پر شرمندگی ہوئی اور اس اجتہادی غلطی کو محسوس کیا۔ اسی کیفیت کے غلبہ میں ساحل کی طرف بڑھتے۔ کشتی بھری تیار تھی، نیک سمجھ کر بلا کرایہ یا کرایہ لے کر سوار کرلیا۔ آگے طوفان آیا، کشتی ڈانواڈول ہونے لگی۔ ایسے میں مبتلائے مصیبت لوگوں کا دھیان مختلف اسباب کی طرف جاتا ہے۔ کشتی چکر کھانے لگی تو لوگ بولے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کشتی میں کوئی نیا قصوروار ہے۔ کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام تو پہلے ہی سمجھے ہوئے تھے، رائے قرعہ اندازی کی ہوئی تو یہ خود بھی اس میں شامل ہوگئے اور انہیں کا نام نکل آیا۔ لوگ نیک صورت دیکھ کر تیار نہیں ہوئے ہوں گے، مگر بار بار نام نکلنے پر مجبور ہوگئے۔ انہوں نے بھی خود کو سمندر کے حوالے کردیا۔ کنارہ قریب ہوگا اور شناوری کرکے پایاب ہوجانا چاہتے ہوں گے۔ اس لئے خودکشی کا شبہ نہیں کیا جاسکتا۔

قرعہ اندازی: ...... قرعہ اندازی اگر کسی کا حق ثابت کرنے کے لئے ہو تو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے لیکن یہاں قرعہ اندازی ایسی نہیں تھی۔ چنانچہ مالک کشتی کسی بھی وجہ سے کسی کو بھی کشتی سے اتار سکتے ہیں اور خود حضرت یونس علیہ السلام بھی اپنی خوشی سے کشتی سے اترنے کو تیار تھے۔ اس میں باہم کوئی تنازع نہیں تھا اور عذاب ٹل جانے سے وعدہ خداوندی کا شبہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ وہ وعدہ ایمان نہ لانے

کی صورت میں تھا اور وہ صورت پائی نہیں گئی۔

آیت کریمہ کی برکت: حضرت یونس کو ندامت تو تھی ہی مچھلی نے جب انہیں ثابت نگل لیا تو خطا کا زیادہ احساس ہوا اور زبان وقت لا الٰہ الا انت الخ ہوئی۔ اس لئے حق تعالیٰ کو جلد رحم آگیا اور انہیں مچھلی کے انو کھے قید خانہ سے نجات مل گئی۔

مچھلی کے اتنے بڑے ہونے پر تعجب نہ کیا جائے جو سالم انسان کو نگل لے۔ حالیہ مشاہدات نے ساری حیرت ختم کردی ہے۔ جب سمندروں میں قدرت کے کیسے کیسے تماشے دیکھنے میں آ جاتے ہیں۔ البتہ حضرت یونس علیہ السلام کا زندہ سلامت رہنا یہ قدرت کا خاص کرشمہ تھا۔ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی تنکا بھی حرکت نہیں کرسکتا۔ اللہ کا فضل نہ ہوتا تو حضرت یونس علیہ السلام کی قبر قیامت تک کے لئے مچھلی کا پیٹ بنتی۔ یعنی پیٹ سے نکلنا میسر نہ آتا بلکہ اسی کی غذا بن جاتے۔

یہ مطلب نہیں کہ وہ اور مچھلی کا پیٹ قیامت تک باقی رہتے، انبیاء حقیقی گناہ سے تو پاک صاف ہوتے ہیں۔ البتہ کبھی کبھی رائے یا عمل کی لغزش ہو جاتی ہے تو مقربان را بیش بود حیرانی کی رو سے ان کو جسمانی پاداش کردی جاتی ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کی لاغری کا علاج اور غذا کا بندوبست: مچھلی کو حکم ہوا کہ یونس علیہ السلام کو کنارے پر اگل دے، لیکن مناسب ہوا اور غذا نہ پہنچنے کی وجہ سے وہ مضمحل ہوگئے تھے، اتنے کہ دھوپ کی شعاع اور بدن پر کسی مکھی کا بیٹھنا بھی ناگوار ہوتا تھا اس میدان میں کوئی تنہ دار درخت ہوگا، جس میں کدو کی بیل چوڑے پتے والی پھیلی ہوئی تھی یا بطور خرق عادت کدو کی بیل ہی تنہ دار ہوگئی تھی اور ایک آدھ درخت کا ہونا عراء بمعنی میدان کے منافی نہیں ہے۔ غذا کے لئے ہرنی کے دودھ کا انتظام ہوگیا۔

قوم کی تعداد جو لاکھ یا زیادہ بتلائی ہے اس میں لفظ او شک کے لئے نہیں ہے بلکہ منشاء یہ ہے کہ صرف بڑوں کو شمار کیا جائے تو لاکھ تھے اور چھوٹے بڑوں کو شمار کیا جائے تو زیادہ تھے۔ یا کہا جائے کہ دولاکھ سے کم تعداد تھی۔ پس کسر کو شمار نہ کیا جائے تو لاکھ اور شمار کیا جائے تو لاکھ سے زیادہ تعداد تھی۔ یعنی او تمیز کے لئے ہے۔

کفار کے خیال میں فرشتوں اور جنات کا ناطہ: ان انبیاء کے حالات سے یہ واضح ہوگیا کہ بڑے سے بڑا مقرب بھی اس دستگیری اور اعانت و مدد سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ اب آگے **فاستفتهم الخ** سے فرشتوں اور جنوں کا بھی کچھ حال سن لو۔ جن کی نسبت واہی خیالات گھڑ رکھے ہیں۔ عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے اور جناتی پریوں کو ان کی مائیں مانتے تھے۔ اس طرح فرشتوں اور جنات کا تانا بانا جوڑ رکھا تھا۔ نفس اولاد کا خدا کے لئے محال ہونا اپنی جگہ مسلم مگر ان کی حماقت ملاحظہ ہو کہ اس کے لئے داد بھی تجویز کی تو اپنے خیال کے مطابق گھٹیا اور پھر اس کے بالمقابل اپنے لئے بڑھیا کے خواہاں ہوئے۔

علاوہ اس **قسمة ضيزى** کے مزید حماقت یہ کہ فرشتوں کو مادہ اور دیویاں فرض کیا کہ جس وقت ہم نے فرشتوں کو پیدا کیا، یہ کھڑے دیکھ رہے تھے کہ انہیں عورت بنایا جارہا ہے۔

کیا ٹھکانہ اس جہالت کا کہ ایک غلط نظریہ اگر قائم کرنا ہی تھا تو بالکل بے تکا تو نہیں ہونا چاہئے تھا۔ آخر عیب کرنے کے لئے بھی تو کچھ ہنر چاہئے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اپنے لئے تو بیٹے پسند اور خدا کے لئے بیٹیوں کی تجویز! اتنی مہمل اور لایعنی بات کہاں سے نکالی ہے، عقل تو اس کو چھو بھی نہیں گئی۔ پھر کیا کوئی نقلی سند ہے۔ جس پر اس عقیدہ کی بنیاد قائم کر رکھی ہے؟ ایسا ہے تو بسم اللہ ضرور دکھلانا۔

سبحان اللہ کیا باتیں کرتے ہیں جنات کے ساتھ خدا کی دامادی کا رشتہ قائم کردیا۔ موقعہ ملے تو ذرا ان جنوں سے پوچھ لینا کہ وہ خود اپنی نسبت کیا سمجھتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ دوسرے مجرموں کی طرح وہ بھی اللہ کے آگے پیش ہوں گے۔ کیا داماد کا سسرال سے

ساتھ یہی معاملہ ہوا کرتا ہے۔

اللہ سے جنات کے ناطے کا مطلب: بعض حضرات نے نسب کا یہ مطلب لیا ہے کہ یہ لوگ شیاطین الجن کو اللہ کا حریف اور مدمقابل سمجھتے ہیں۔ چنانچہ مجوس کا عقیدہ ہے کہ ایک نیکی کا خدا "یزدان" اور دوسرا بدی کا خدا "اہرمن" ہے۔ یہ لوگ ثنویت کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہاں! اللہ کے خاص بندے انسان ہوں یا جنات وہ بے شک قیامت کی پکڑ دھکڑ سے بچے رہیں گے۔

باقی یہ سمجھنا کہ فرشتوں کے ہاتھ میں نیکی کی اور جنوں کے ہاتھ میں بدی کی باگ ڈور ہے۔ وہ جسے چاہیں بھلائی پہنچائیں اور اللہ کا مقرب بنادیں اور جسے چاہیں برائی اور تکلیف میں ڈال کر گمراہ کردیں۔ محض مفروضہ خیالات ہیں۔ تمہارے اور ان کے ہاتھ میں کوئی مستقل اختیار نہیں۔ کسی کو اتنی بھی قدرت نہیں کہ اللہ کی مشیت کے بغیر زبردستی کسی کو گمراہ کر سکے۔

گمراہ وہی ہے جسے اللہ نے اس کی بد استعدادی کی بناء پر دوزخی لکھ دیا اور وہ اپنی بدکرداری کی وجہ سے دوزخ میں پہنچ گیا، فرشتوں کی زبانی اس حقیقت کا اعتراف اور اظہار کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ ہر فرشتہ کی حد مقرر ہے، اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ پھر ان کا بیٹی، بیوی، داماد کی کا رشتہ جوڑنا کیا حقیقت رکھتا ہے۔

مشرکین کی بہانہ بازیاں: ان مشرکین عرب کا حال یہ ہے کہ پیغمبروں کا نام تو سنتے تھے مگر ان کی حقیقت سے ناآشنا تھے۔ اس لئے کہا کرتے کہ اگر ہمیں پہلے لوگوں کے علوم حاصل ہوگئے ہوتے یا کوئی کتاب اور نصیحت کی بات اتر آتی تو ہم خوب معرفت حاصل کرتے اور عبادت و عمل کرکے اللہ کے خاص بندوں میں شامل ہو جاتے۔ لیکن اب جو نبی آئے تو انہیں کچھ یاد نہ رہا اور سب وعدوں، قول و قرار سے پھر گئے۔ سوعنقریب اس انحراف و انکار کا انجام دیکھ لیں گے۔ اللہ کے علم میں یہ طے ہے کہ منکرین کے مقابلہ میں اللہ والوں کی مدد ہوتی ہے اور آخر کار خدائی لشکر ہی غالب رہتا ہے۔ درمیان میں حالات کتنے ہی پلٹے کھائیں، مگر آخری فتح و کامیابی مخلص بندوں ہی کے لئے ہے۔ دلیل و برہان کے لحاظ سے بھی اور ظاہری مادی غلبہ کے اعتبار سے بھی بشرطیکہ واقعہ میں وہ اللہ کا لشکر ہوں۔ آپ چندے صبر فرمائیے ان کے حالات دیکھتے رہئے، یہ خود ہی اپنا انجام دیکھ لیں گے۔

انسان اپنی بدعقلی سے آفت کا خواہاں ہو جاتا ہے: یہ سن کر کفار نے کہا ہوگا کہ پھر دیر کیا ہے؟ ہمیں جلد ہمارا انجام دکھلا دیا جائے۔ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ اپنی کم بختی کو دعوت دے رہے ہو؟ آفت آ جائے گی تو وہ نہایت برا وقت ہوگا۔ یوں سمجھو جیسے کوئی دشمن گھات میں لگا ہوا ہو اور وہ اچانک شب خون پر چھاپہ مار دے کہ کسی کو سنبھلنے کا موقع نہ مل سکے۔ یہی حال حشر میں ان لوگوں کا بھی ہوگا جنہیں بار بار چونکا دیا گیا تھا مگر گہری غفلت میں پڑے رہے۔

خاتمہ کلام پر تمام اصولی مضامین سورت کا خلاصہ کر دیا گیا ہے۔ اللہ کی ذات کا جملہ نقائص سے بری ہونا اور تمام کمالات سے متصف ہونا جو توحید صحیح ہے اور انبیاء ورسل پر اللہ کا سلام جو ان کی عظمت و عصمت اور سالم و منصور ہونے کی دلیل ہے۔ احادیث سے نماز کے بعد اور اختتام مجلس پر ان آیات کے پڑھنے کی فضیلت ثابت ہے۔

لطائفِ سلوک: آیت اصطفی البنات الخ کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کے لئے جس طرح لڑکیاں نہیں۔ اسی طرح لڑکے بھی نہیں۔ دونوں کی نفی اس لحاظ سے اگرچہ برابر ہے مگر ذہن چونکہ لڑکیوں کو کم درجہ سمجھ جاتا ہے۔ اس لئے اللہ کا اس سے منزہ ہونا بدرجہ اولی ضروری ہوگا۔

اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ جس وجہ سے اللہ کا تصور اضطراراً ہوتا ہو اختیاراً بھی اسی وجہ سے اس کا تصور نا جائز ہوگا جو پہلی وجہ سے ادنیٰ اور کم درجہ ہو۔ مثلاً کسی کو اللہ کا تصور بڑی مقدار کے بغیر اگر نہ ہوسکتا ہو تو اس کے لئے اس کی اجازت نہیں ہوگی کہ وہ کسی چھوٹی مقدار کے ساتھ اللہ کا تصور کرے۔ اگرچہ اللہ مطلق مقدار سے پاک ہے نہ بڑی مقدار اس کے لئے ہے اور نہ چھوٹی۔ لیکن چھوٹی مقدار کا دھیان عرفاً بھی برا ہوگا۔ جیسا کہ عقلاً اور شرعاً برا ہے۔ ہاں کوئی طبعاً مقدار ہونے کے اعتبار سے نہ بچ سکے تو وہ معذور سمجھا جائے گا۔ تاہم عقلاً اس سے بھی پاک ہونے کا اعتقاد رکھنا ضروری ہوگا۔ یہ مقام نازک ہے نا اہل سے بیان کرنے میں احتیاط واجب ہے۔

آیت **وما منا الا له مقام** کے تحت روح المعانی نے سدیؒ سے نقل کیا ہے کہ فرشتوں کے لئے مقامات قرب ومشاہدہ وغیرہ متعین ہیں ان سے نہ ترقی ہوتی ہے اور نہ نزول۔ برخلاف انسان کے۔ اس کے لئے دونوں ہوتے ہیں۔

انی ذاهب الی ربی۔ مشائخؒ اس کو سیر الی اللہ کہتے ہیں جو مطلوب ہے۔

سُوْرَةُ صٓ

سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ اَوْثَمَانٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

صٓ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ **وَالْقُرْاٰنِ ذِى الذِّكْرِ** ﴿١﴾ اَىِ الْبَيَانِ اَوِ الشَّرَفِ وَجَوَابُ هٰذَا الْقَسَمِ مَحْذُوْفٌ اَىْ مَا الْاَمْرُ كَمَا قَالَ كُفَّارُ مَكَّةَ مِنْ تَعَدُّدِ الْاٰلِهَةِ **بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ **فِىْ عِزَّةٍ** حَمِيَّةٍ وَتَكَبُّرٍ عَنِ الْاِيْمَانِ **وَّشِقَاقٍ** ﴿٢﴾ خِلَافٍ وَعَدَاوَةٍ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **كَمْ** اَىْ كَثِيْرًا **اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ** اَىْ اُمَّةٍ مِنَ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ **فَنَادَوْا** حِيْنَ نُزُوْلِ الْعَذَابِ بِهِمْ **وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ** ﴿٣﴾ اَىْ لَيْسَ الْحِيْنُ حِيْنَ فِرَارٍ وَالتَّاءُ زَائِدَةٌ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِنْ فَاعِلِ نَادَوْا اَىْ اِسْتَغَاثُوْا وَالْحَالُ اَنْ لَامَهْرَبَ وَلَامَنْجَا وَمَا اعْتَبَرَ بِهِمْ كُفَّارُ مَكَّةَ **وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ** رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِهِمْ يُنْذِرُهُمْ يُخَوِّفُهُمْ بِالنَّارِ بَعْدَ الْبَعْثِ وَهُوَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ** فِيْهِ وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ **هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ** ﴿٤﴾ **اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا** حَيْثُ قَالَ لَهُمْ قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَىْ كَيْفَ يَسَعُ الْخَلْقَ كُلَّهُمْ اِلٰهٌ وَاحِدٌ **اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عُجَابٌ** ﴿٥﴾ عَجِيْبٌ **وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ** مِنْ مَجْلِسِ اجْتِمَاعِهِمْ عِنْدَ اَبِىْ طَالِبٍ وَسِمَاعِهِمْ فِيْهِ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ **اَنِ امْشُوْا** اَىْ يَقُوْلُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اِمْشُوْا **وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ** اُثْبُتُوْا عَلٰى عِبَادَتِهَا **اِنَّ هٰذَا** الْمَذْكُوْرَ مِنَ التَّوْحِيْدِ **لَشَىْءٌ يُّرَادُ** ﴿٦﴾ مِنَّا **مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِى الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ** اَىْ مِلَّةِ عِيْسٰى **اِنْ** مَا **هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ** ﴿٧﴾ كَذِبٌ ءَ**اُنْزِلَ** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ وَتَرْكِهٖ **عَلَيْهِ** عَلٰى مُحَمَّدٍ **الذِّكْرُ** الْقُرْاٰنُ **مِنْ بَيْنِنَا** وَلَيْسَ بِاَكْبَرِنَا وَلَا اَشْرَفِنَا اَىْ لَمْ يُنْزَلْ عَلَيْهِ قَالَ تَعَالٰى **بَلْ هُمْ فِىْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِىْ** وَحْيِىْ اَىِ الْقُرْاٰنِ حَيْثُ كَذَّبُوا الْجَائِىَ بِهٖ **بَلْ لَّمَّا** لَمْ

يَذُوْقُوْا عَذَابِ ﴿۸﴾ وَلَوْ ذَاقُوْهُ لَصَدَّقُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا جَاءَ بِهٖ وَلَا يَنْفَعُهُمُ التَّصْدِيْقُ حِيْنَئِذٍ **اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ** الْغَالِبِ **الْوَهَّابِ** ﴿۹﴾ مِنَ النُّبُوَّةِ وَغَيْرِهَا فَيُعْطُوْنَهَا مَنْ شَاءُوْا **اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا** اِنْ زَعَمُوْا ذٰلِكَ **فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ** ﴿۱۰﴾ الْمُوْصِلَةِ اِلَى السَّمَاءِ فَيَاْتُوْا بِالْوَحْيِ فَيَخُصُّوْا بِهٖ مَنْ شَاءُوْا وَاَمْ فِي الْمَوْضِعَيْنِ بِمَعْنٰى هَمْزَةِ الْاِنْكَارِ **جُنْدٌ مَّا** اَيْ هُمْ جُنْدٌ حَقِيْرٌ **هُنَالِكَ** اَيْ فِيْ تَكْذِيْبِهِمْ لَكَ **مَهْزُوْمٌ** صِفَةُ جُنْدٍ **مِّنَ الْاَحْزَابِ** ﴿۱۱﴾ صِفَةُ جُنْدٍ اَيْضًا اَيْ مِنْ جِنْسِ الْاَحْزَابِ الْمُتَحَزِّبِيْنَ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ قَبْلَكَ وَاُولٰٓئِكَ قَدْ قُهِرُوْا وَاُهْلِكُوْا فَكَذَا نُهْلِكُ هٰٓؤُلَاءِ **كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ** تَاْنِيْثُ قَوْمٍ بِاعْتِبَارِ الْمَعْنٰى **وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ** ﴿۱۲﴾ كَانَ يَتِدُ لِكُلِّ مَنْ يَّغْضَبُ عَلَيْهِ اَرْبَعَةَ اَوْتَادٍ وَيَشُدُّ اِلَيْهَا يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ وَيُعَذِّبُهٗ **وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ** اَيِ الْغَيْضَةِ وَهُمْ قَوْمُ شُعَيْبٍ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ **اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ** ﴿۱۳﴾ **اِنْ** مَا **كُلٌّ** مِنَ الْاَحْزَابِ **اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ** لِاَنَّهُمْ اِذَا كَذَّبُوْا وَاحِدًا مِّنْهُمْ فَقَدْ كَذَّبُوْا جَمِيْعَهُمْ لِاَنَّ دَعْوَتَهُمْ وَاحِدَةٌ وَهِيَ دَعْوَةُ التَّوْحِيْدِ **فَحَقَّ** وَجَبَ **عِقَابِ** ﴿۱۴﴾

ترجمہ:.........سورۂ ص مکی ہے۔جس میں ۸۶ یا ۸۸ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ص (اس کی حقیقی مراد اللہ کو معلوم ہے) قسم قرآن کی جو نصیحت پر ہے (یعنی بیان و شرف والا ہے۔اس قسم کا جواب محذوف ہے۔یعنی بہت سے خداؤں کا جو یہ کفار مانتے ہیں وہ غلط ہے) بلکہ یہ کافر (مکہ کے) تعصب (نخوت و کبر قبول ایمان میں) اور مخالفت کا شکار ہیں (پیغمبر ﷺ سے دشمنی اور عداوت رکھتے ہیں) ان سے پہلے کتنے ہی (بہت سے) لوگوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں (پچھلی امتوں میں) سو انہوں نے (عذاب آنے پر) بڑے ہائے پکار مچائی اور وہ وقت چھٹکارے کا نہیں تھا (یعنی بھاگنے کا وقت نہیں رہا تھا۔ولات میں تا زائد ہے اور جملہ حال ہے نادوا کے فاعل سے۔یعنی فریاد وزاری کی مگر جب کہ موقعہ نکل چکا تھا۔البتہ کفار مکہ اس سے عبرت نہیں پکڑتے) اور ان کفار نے اس بات پر تعجب کیا کہ ان کے پاس ان میں سے ایک ڈرانے والا آیا ہے (انہی میں سے پیغمبر جو ڈراتا ہے اور قیامت میں دوزخ میں جانے سے ڈراتا ہے۔اس سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں) اور کافر کہنے لگے (بجائے ضمیر کے اسم ظاہر لایا گیا ہے) کہ یہ شخص جادوگر جھوٹا ہے۔کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود مان لیا ہے (کیونکہ لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کو کہتا ہے۔یعنی ساری مخلوق کا صرف ایک خدا کیسے ہوسکتا ہے) واقعی یہ تو بڑی عجیب (غریب) بات ہے اور کفار قریش یہ کہتے ہوئے چلے (ابو طالب کی مجلس سے جب آنحضرت ﷺ سے لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کو سنا) کہ چلو (یعنی ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اٹھو) اور اپنے معبودوں پر جمے رہو (انہی کی پوجا پاٹ میں لگے رہو) یہ (توحید کی دعوت) بھی کوئی مطلب کی بات ہے (جو ہم سے چاہی جا رہی ہے) ہم نے تو یہ بات پچھلی ملت (عیسیٰ علیہ السلام کی ملت) میں سنی ہی نہیں۔ہو نہ ہو، یہ من گھڑت (جھوٹ) ہے کیا نازل کیا گیا ہے۔(دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے ہمزہ کی تسہیل کے ساتھ اور دونوں کے درمیان دونوں صورتوں میں الف داخل کر کے اور بغیر الف داخل کئے پڑھا گیا ہے) صرف اسی ایک شخص (محمد ﷺ) پر کلام الٰہی (قرآن) ہم سب میں (حالانکہ وہ ہم سب سے نہ بڑا ہے اور نہ سب سے برتر۔پھر

کیوں کی پر نازل ہوا۔ جواب میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) بلکہ یہ لوگ شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ میری وحی کے متعلق یعنی قرآن کے بارے میں۔ اسی لئے اس کے لانے والے کو جھٹلا رہے ہیں) بلکہ انہوں نے ابھی تک میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا (اگر اس کا مزہ چکھ لیتے تو نبی اور آپ کے پیغام کی تصدیق کرتے۔ حالانکہ اس وقت نہیں تصدیق کا فائدہ نہ ہوتا) کیا ان لوگوں کے پاس آپ کے پروردگار (زبردست) فیاض کی رحمت کے خزانے ہیں (یعنی نبوت وغیرہ کے کہ جسے یہ چاہیں بخش دیں) یا ان کو آسمان وزمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا اختیار حاصل ہے (اگر ان کا خیال ایسا ہی ہے) تو ان کو چاہئے کہ سیڑھیاں لگا کر چڑھ جائیں (جو آسمان تک انہیں پہنچا دیں۔ پھر یہ وحی لا کر جسے چاہیں اس وحی کے ساتھ مخصوص کر دیں۔ دونوں جگہ ام بمعنی ہمزہ انکار ہے) یوں ہی ایک بھیڑ ہے (یعنی یہ ایک معمولی ہجوم ہے) اس مقام پر (آپ کے جھٹلانے کے سلسلہ میں) جو شکست دی جائے گی (یہ صفت ہے جند کی) منجملہ اور گروہوں کے (یہ بھی جند کی صفت ہے۔ یعنی یہ لوگ منجملہ ان پارٹیوں کے ہیں۔ جنہوں نے آپ سے پہلے انبیاء کے مقابلے میں پارٹی بندی کی تھی۔ پس ان لوگوں پر قہر نازل ہوا اور ہلاک ہوئے۔ ایسے ہی ان پر بھی ہلاکت آئے گی) جھٹلایا تھا ان سے پہلے بھی قوم نوح (لفظ قوم کی تانیث باعتبار معنی ہے) اور عاد اور فرعون نے جس کے کھونٹے گڑ گئے تھے (جسے سزا دینی ہوتی تو اس کو فرعون چومیخ کر ڈالتا اور دونوں ہاتھ پاؤں باندھ کر عذاب دیا کرتا تھا) اور ثمود اور قوم لوط اور اصحاب ایکہ نے (یعنی جھاڑی والے۔ یہ حضرت شعیبؑ کی قوم والے تھے) وہ گروہ یہی لوگ ہیں ان سب (پارٹیوں) نے صرف پیغمبروں کو جھٹلایا تھا (کیونکہ ایک پیغمبر کو جھٹلایا تو گویا سارے پیغمبروں کو جھٹلا دیا اس لئے کہ سب کا ایک ہی دعویٰ دعوائے توحید تھا) سو واقع (لازم) ہو گیا میرا عذاب۔

تحقیق وترکیب۔ ص حروف معجمہ میں سے یہ ایک حرف تحدی کے لئے لایا گیا ہے۔ اس کے بعد قسم ذکر کی اور جواب محذوف ہے یعنی قسم ہے قرآن کریم کی یہ معجزانہ کلام ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ص مبتدائے محذوف کی خبر ہو سورت کا نام قرار دیتے ہوئے۔ یعنی قسم قرآن کی یہ سورت معجزہ ہے۔ گویا عبارت اس طرح ہوگی۔ **اقسمت بصادہ القران ذی الذکر انہ لکلام معجز** جیسے کہا جائے۔ **ھذا خاتم واللہ** جواب قسم کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔

۱۔ فراء کے علاوہ کوفیوں کی اور زجاج کی رائے میں جواب قسم **ان ذالک لحق** ہے۔ لیکن فراءؒ **والقران ذی الذکر** سے مؤخر ہونے کی وجہ سے اس کو مناسب نہیں سمجھتے۔

۲۔ فراء وثعلب کے نزدیک جواب قسم **کم اھلکنا** ہے۔ اصل میں **لکم اھلکنا** تھا۔ طول کلام کی وجہ سے لام حذف کر دیا ہے۔ جیسے **والشمس** کے بعد **قد افلح** میں لام حذف کر دیا گیا ہے۔

۳۔ اخفشؒ کے نزدیک جواب قسم **ان کل الا کذب الرسل** ہے۔

۴۔ فراء اور ثعلب کی ایک رائے یہ بھی ہے کہ جواب قسم ص ہے۔ جواب قسم کا مقدم ہونا جائز مانتے ہوئے اور یہ کہ حرف ص حرف مقطعہ پر دال ہے۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں ضعیف ہیں۔

۵۔ جواب قسم محذوف ہے جو فی لفظ **جاء کم الحق** وغیرہ عبارت مانتے ہیں اور ابن عطیہؒ بقول مفسر علامؒ **ما الامر کما قال الکفار** مانتے ہیں اور زمخشریؒ **انہ لمعجز** اور شیخؒ **انک لمن المرسلین** کہتے ہیں۔

بل الذین پہلا کلام جس مضمون کو متضمن ہے یعنی شرک کی نفی کا یا اعجاز قرآن کا یقین اس سے اضراب ہے ای **الکفار لایقرون ما قلنا بل یعاندون**

فی عزۃ مفسر علامؒ نے اشارہ کیا ہے کہ حقیقی عزت مراد نہیں ہے بلکہ نری شیخی مراد ہے اور **فی عزۃ و شقاق** میں تنکیر شدۃ

گئے ہے اور عزت کے معنی غفلت کے بھی کئے گئے ہیں۔ یعنی نظر صحیح اور اتباع حق سے غفلت میں ہیں۔

لات سیبویہ اور خلیل کے نزدیک یہ لا مشبہ بلیس ہے تا تانیث تاکید معنی نفی کے لئے زیادہ کی گئی ہے۔ چنانچہ تاء کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔ یا علامہ کی طرح تا مبالغہ کی مانی جائے۔ اس صورت میں اسم محذوف ہوگا۔ ای **لیس الحین مناص**۔ خبیب میں ہے کہ اہل یمن کے لغت میں لا بمعنی **لیس** آتا ہے۔ لیکن اخفش کے نزدیک لائے نفی جنس ہے جس پر تا زیادہ ہے جیسے رب سے ربت اور ثم سے ثمت اور **حین مناص** اسم منصوب ہے۔ خبر **لھم** محذوف ہے ای **لاحین مناص لھم** اور بعض نے اس کو فعل مقدر کے لئے ناصبہ مانا ہے۔ ای **لا ادی حین مناص ناص ینوص** بمعنی **فات یفوت** قاموس میں ہے کہ **مناص** بمعنی ملجاء۔

بل عجبوا یعنی رسول کا ان میں سے آنا ان کے نزدیک خارج از عقل ہونے کی وجہ سے باعث حیرت ہے۔

قال الکافرون ۔ اسم ظاہر لا کر اشارہ کر دیا کہ ایسی بات نمبری کافر ہی کہہ سکتا ہے۔

اجعل الالھة **جعل** بمعنی **تصیر** ہے۔ لیکن **تصییر** خارجی نہیں بلکہ **تصییر** قولی اور ذہنی مراد ہے۔ پھر یہ **جعل** ایک چیز کا دوسری چیز پر حکم لگانا نہیں، بلکہ ایک چیز کا انکار اور دوسری چیز کا اثبات ہے۔ اس لئے اس کو وحدت او جود کے انکار پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہ استفہام تعجبی ہے اور سبب انکار کفار کا قدیم کو حادث پر قیاس کرنا ہے کہ جس طرح ہم میں سے کوئی ایک سارا کام نہیں کر سکتا، یہی حال خدا کا بھی ہونا چاہئے۔

وانطلق **انطلق** متضمن معنی قول ہے یعنی یہ کہتے ہوئے اٹھ گئے۔

لشیء یراد یعنی آپ کی دعوت توحید کوئی مفید مطلب بات نہیں۔

الملة الاخرة عیسائی مذہب چونکہ سابقہ مذاہب کے لحاظ سے آخری ہے اور اس میں **عقیدہ تثلیث** ہے۔ اس لئے دعوت توحید ایک انوکھی چیز ہے۔ یہ ابن عباسؓ کی رائے ہے۔ لیکن بعض کے نزدیک **ملة اخری** سے مراد خود قریش کا اپنا مذہب ہے۔

بل ھم یہ مقدر سے اضراب ہے ای **انکارھم للذاکرین عن علم بل ھم فی شک منه**.

بل لما یہ اضراب انتقالی ہے۔ سبب شک بیان کے لئے یعنی چونکہ عذاب کا مزہ نہیں چکھا۔ اس لئے ابھی تک شک میں مبتلا ہیں۔ لیکن اس کے بعد تو قرآن پر ایقان و ایمان ہو جائے گا۔ یہاں **لما** بمعنی **لم** ہے۔ گویہ دونوں کلاموں سے اضراب ہے۔

فلیرتقوا فـ شرط مقدر کے جواب پر ہے۔ مفسر علام نے "ان زعموا" پہلے شرط محذوف مانی ہے۔ اسباب بمعنی طرق مراد ہے یعنی اور زینہ ہے۔

جند ما خبر ہے مبتدا مضمر کی ای **ھم** اور **ما** تقلیل کے لئے زائد ہے جس کی طرف مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے۔

ھنالك یہ ظرف ہے **مھزوم** کا یا **جند** کی صفت ثانیہ ہے مراد مکہ ہے، جہاں یہ باتیں بناتے تھے۔ اس لحاظ سے یہ پیش گوئی ہے جو واقع ہوئی یہ مشار الیہ **تکذیب** ہے اور بعض نے **جند** کو مبتداء کہا ہے اور **ما** تکثیر کے لئے ہے اور **مھزوم** خبر ہے۔

المتحزبین **تحزبوا** ای **اجتمعوا**

من الاحزاب جند کی صفت ثالثہ ہے۔

ذوالاوتاد **اوتاد وتد** کی جمع ہے میخ اور کیل کو کہتے ہیں۔ چومیخا کرنا۔ سزاؤں کا ایک بھیانک طریقہ تھا یا **ذوالاوتاد** مستعار ہے۔ یعنی اولشکر اور میخوں خیموں والا بادشاہ۔

الایکة جھاڑی اور بن کو کہتے ہیں، جہاں قوم شعیب رہتی تھی۔

ربط آیات: اس سورت میں زیادہ تر مضامین رسالت سے متعلق ہیں۔ بعض آیات میں نبوت کی تکذیب پر مذمت اور وعید ہے اور بعض میں اس کا اثبات ہے اور آنحضرت ﷺ کی تسلی مقصود ہے اور بعض واقعات سے اثبات رسالت اور تسلی کی تائید کی گئی ہے۔ اسی طرح بعض میں توحید اور قیامت کے انکار سے مخالفت رسول کی برائی بتلائی گئی ہے۔

اور بعض آیات میں توحید و بعث کی مجمل دلیل اور بعض میں دونوں کے واقع ہونے کی کچھ تفصیل ہے اور بعض آیات میں قرآن کی تعریف ہے جس سے مسئلہ رسالت کی تائید ہوتی ہے۔ اس سے پچھلی سورت میں بھی یہی مضامین تھے، پس اس سے دونوں سورتوں کے مابین اور ان کے مضامین میں باہمی ربط ظاہر ہو گیا۔

شان نزول: حضرت عمرؓ جب مسلمان ہوئے تو مسلمانوں میں تو خوشی کی ہر دوڑ گئی۔ مگر مشرکین میں صف ماتم بچھ گئی اور قریش میں سے ۲۵ چیدہ سردار آنحضرت ﷺ کے چچا ابو طالب کے پاس جمع ہوئے اور کہنے لگے۔ **انت شیخنا و کبیرنا** . آپ ہمارے سب سے بڑے بزرگ ہیں۔ ان بے وقوف مسلمانوں نے جو صورتحال کر رکھی ہے وہ آپ کو معلوم ہے۔ ہم آپ کے پاس اس لئے جمع ہوئے کہ آپ اپنے بھتیجے کو سمجھا لیں اور ہمارے اور ان کے درمیان تصفیہ کرا دیں۔

ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کو بلایا اور کہا کہ تمہاری برادری کے یہ لوگ تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ وہ سب بولے کہ آپ ہمارا اور ہمارے معبودوں کا تذکرہ نہ کیا کیجئے۔ ہمیں اپنے حال پر چھوڑ دیجئے۔ فرمایا کہ تم اس کے بدلہ میں میری صرف ایک بات اگر مان لوگے تو سارا عرب و عجم تمہارا غلام ہو جائے گا۔ لوگوں نے کہا ضرور بتلائے۔ فرمایا کہو لا الہ الا اللہ یہ سن کر سب لوگ بھڑک گئے اور کہنے لگے کہ تم سب معبودوں کو بس ایک کئے ڈال رہے ہو؟ **ان هذا لشیء عجاب** اور غصہ میں سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس پر سورۂ ص کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

﴿تشریح﴾: قرآنی قسموں کی توجیہ: شروع میں جو قرآن کی قسم کھائی گئی ہے۔ اگر قرآن سے مراد کلام نفسی ہے۔ جو صفت الٰہی اور غیر مخلوق ہے تب تو کوئی اشکال نہیں۔ لیکن اگر کلام لفظی مراد ہے تو اس کی تشریح سورۂ حجر کی آیت **لعمرک** کے ذیل میں بیان ہو چکی ہے دیکھ لی جائے۔ اور سورۂ صافات کی قسموں کے سلسلہ میں جو کچھ حکمت بیان ہوئی۔ اس کی روشنی میں یہاں یہ تقریر ہوگی۔ کہ قرآن رسالت کی دلیل ہے اور کفار کا رسالت سے انکار اس لئے نہیں کہ قرآن کی تعلیم میں کچھ قصور ہے یا حضور ﷺ کی تبلیغ میں کچھ کوتاہی ہے۔ بلکہ نصیحت سے لبریز اور معرفت و ہدایت کا خزانہ قرآن بآواز بلند شہادت دے رہا ہے کہ اس انحراف و انکار کا اصلی سبب خود ان لوگوں کی جھوٹی شیخی، جاہلانہ نخوت و غرور معاندانہ رویہ ہے۔ ذرا اس دلدل سے نکلیں تو حق و صداقت کی صاف شاہراہ انہیں نظر آ جائے گی۔ اسی کبر و غرور کی بدولت بہت سی پچھلی قومیں انبیاء سے مقابلہ ٹھان کر تباہ و برباد ہو چکی ہیں۔ جب ان کا برا وقت آیا اور عذاب الٰہی نے انہیں آ گھیرا تو بدحواس ہو کر وہ خدا کو پکارنے لگے۔ مگر وقت جا چکا تھا۔ اس لئے چیخ و پکار سے کچھ فائدہ نہ ہوا پس کہیں یہی انجام ان منکرین کا بھی نہ ہو۔

توحید و رسالت کی دعوت باعث حیرت ہے: انہیں اس پر حیرت ہے کہ انہی میں سے ایک آدمی کھڑے ہو کر ڈرا رہا ہے اور خود کو اللہ کا پیامبر ظاہر کرتا ہے۔ آسمانی فرشتہ اگر آتا تو خیر ایک بات تھی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک جادوگر ہے۔ جو کچھ ڈھونگ رچا کر اور کچھ کرشمے دکھا کر اور کچھ قصے کہانیاں سنا کر جھوٹا دعوے کر رہا ہے کہ یہ اللہ کے اتارے ہوئے علوم ہیں اور میں اس کا فرستادہ

ہوں۔ بھلا، بے شمار دیوتاؤں اور دیویوں کو خیر باد کہہ کر صرف ایک خدا کا سہارا لیتا ہے۔ آخر اتنے بڑے جہان کا سارا نظم صرف ایک خدا کیسے چلا سکتا ہے؟ زندگی کے مختلف گوشوں میں بہت سے خداؤں کی بندگی صدیوں قرنوں سے ہوتی چلی آرہی ہے۔ کیا وہ سب یک قلم موقوف کردی جائے۔ گویا ہمارے سب باپ دادے نرے جاہل اور احمق تھے۔ کہ اتنے مندروں میں اور اتنے دیوتاؤں کے آگے سر جھکاتے تھے؟

ابو طالب کی بیماری میں ابوجہل وغیرہ سرداران قریش جب آنحضرت ﷺ کی یہی شکایت لے کر ان کے پاس پہنچے۔ تو آپ نے یہی فرمایا کہ میں تم سے صرف ایک بات منوانا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد ساری دنیا تمہارا دم بھرنے لگے گی۔ وہ خوش ہو کر بولے۔ بتلایئے وہ کیا بات ہے؟ آپ ایک کلمہ کہتے ہیں ہم آپ کے دس کلمے ماننے کو تیار ہیں۔ فرمایا کہ بس صرف ایک کلمہ **لاالہ الا اللہ** ہے۔ سنتے ہی طیش میں آ کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے چلو جی! یہ اپنی رٹ سے کبھی باز نہ آئیں گے۔ یہ تو بس ہمارے معبودوں کے پیچھے ہی ہاتھ دھو کر پڑے ہیں۔ تم بھی مضبوطی سے اپنے دیوتاؤں کی پوجا پاٹ پر جمے رہو۔ ان کی انتھک کوشش کے مقابلہ میں ہمیں صبر و استقلال کی زیادہ ضرورت ہے۔

پیغمبر کی دعوت کی غلط توجیہ: ...... ان هذا لشئ يراد کا منشاء یہ ہے کہ محمد (ﷺ) جو اپنے منصوبہ پر اتنی سختی سے جمے ہوئے ہیں اس میں ضرور ان کا مطلب پوشیدہ ہے۔ وہ یہ کہ ایک خدا کا نام لے کر ہمیں اپنا محکوم بنانا چاہتے ہیں۔ تاکہ اس طرح دنیا کی ریاست حاصل کرلیں۔

یا یہ مطلب ہے کہ یہ ایسی بات ہے جس کے پورا کرنے کی محمد ﷺ نے ٹھان لی ہے۔ یہ اس سے کسی طرح باز آنے والے نہیں ہیں۔ یعنی اپنی فکرمندی کا اظہار کیا ہے۔ اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ حالات کا رخ دیکھ کر انہیں یقین ہو گیا کہ بس اب منظور خدا بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ملک میں انقلاب آ کر رہے گا۔ آج ہم سے عمر نکل گئے کل کوئی اور نکل جائے گا۔ اسی طرح دیکھتے دیکھتے یہ کامیاب ہو جائیں گے۔ جہاں تک ہو سکے صبر و تحمل سے اپنے قدیم ورثہ کی حفاظت میں لگے رہو باقی جو ہونے والی بات ہے اسے کون روک سکتا ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے بلکہ اغلب ہے کہ از راہ تحقیر کہا ہو کہ یہ بھی کوئی کام کی بات کہی ہے؟ یعنی بے کار اور لغو بات کہی ہے۔ ایسی باتیں یہیں چلا کرتی ہیں۔ لہٰذا تم اپنے ہی راستہ پر جمے رہو۔

اہل کتاب کے غلط نظریات کا سہارا: ...... ملة اخرة سے مراد یا تو اپنا آبائی طور طریق ہے جس ڈگر پر وہ چل رہے تھے۔ یعنی ہم نے تو کبھی اپنے بزرگوں سے یہ بات نہیں سنی کہ ساری دنیا میں بس ایک ہی خدا ہے اور یا بقول مفسرؒ خاص عیسائی مذہب مراد ہے۔ یعنی اہل کتاب سے بھی ہم نے یہ نہیں سنا۔ وہ بھی تین خداؤں کے تو قائل ہیں ہی۔ اگر اس کی کچھ اصلیت ہوتی تو وہ بھی تو کہتے۔ معلوم ہوتا ہے یہ نری محمد (ﷺ) کی اپج ہے۔ پھر اچھا چلو قرآن کو بھی اللہ کا کلام مان لو اور یہ بھی مان لو کہ آسمان سے فرشتہ آنے کی ضرورت نہیں۔ مگر یہ کیا اندھیر ہے کہ ہم سب میں اس کام کے لئے محمد (ﷺ) ہی رہ گئے تھے۔ آخر ایک سے ایک بڑھ کر ہمارے ملک میں رئیس امیر موجود ہیں ان میں سے کوئی خدا کو اس منصب کے لئے پسند نہیں آیا۔

فرمایا یہ واہیات بکواس ہے اصل یہ ہے کہ انہیں ہماری نصیحت کے بارے میں دھوکا لگا ہوا ہے۔ انہیں یقین نہیں کہ جس خوفناک اور بھیانک مستقبل سے ان کو آگاہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور پیش آ کر رہے گا۔ کیونکہ ابھی انہوں نے خدائی مار کا مزہ نہیں چکھا۔ جس

دن خدائی مار پڑے گی سب اگلی پچھلی بھول جائیں گے اور سارے شکوک وشبہات یک لخت کافور ہو جائیں گے۔ انہیں اتنی ہوش نہیں کہ رحمت کے خزانے اور زمین وآسمان کی حکومت سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ زبردست انتہائی بخشش والا ہے۔ وہ جس پر جو چاہے انعام کرے کون نکتہ چینی کرسکتا ہے۔ اگر وہ اپنی حکمت ودانائی سے کسی انسان کو منصب رسالت سے نواز دے تو تم دخل دینے والے کون ہو۔ کیا تم مالک ومختار ہو جو اس قسم کے لغو اعتراضات کرتے پھرتے ہو۔ ہاں! اگر نبوت کا دینا ان کے اختیار میں ہوتا تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ جب ہم نے فلاں کو نبی نہیں بنایا تو پھر وہ کیسے دعویٰ کرتا ہے۔ لیکن نبوت کا بخشنا تو اللہ کے قبضہ میں ہے۔ وہ جسے چاہے دے۔ اور بالفرض اگر کل خزانے ان کے قبضہ میں نہ ہوتے۔ بلکہ آسمان وزمین ہی قبضہ میں ہوتے۔ تب بھی نبوت کو اپنے قبضہ میں کہہ سکتے۔ اس لئے کہ نبوت کا تعلق شرعی نظام سے ہے۔ اور شرعی نظام سے تکوینی نظام متاثر ہے لیکن جب یہ بھی نہیں تو یہ بھی نہیں ہے۔

آسمان پر سیڑھیاں لگا کر رسیاں باندھ کر چڑھ جائیں:۔ اگر ہو تو اپنے تمام اسباب ووسائل کو کام میں لے آؤ۔ اور رسیاں تان کر آسمان پر چڑھ جاؤ اور وہاں جا کر محمد (ﷺ) پر وحی آنا بند کردو اور اپنی منشاء کے مطابق انتظام سنبھالو۔ یہ نہیں تو پھر خدائی انتظامات میں دخل دینا دیوانگی اور بے حیائی ہے اور کچھ نہیں۔ زمین وآسمان کی حکومت اور اس کے خزانوں کے مالک تو کیا ہوتے۔ یہ بے چارے تو چند شکست خوردہ آدمیوں کی ایک بھیڑ ہے جو اگلی تباہ شدہ قوموں کی طرح بربادہوتی نظر آتی ہے۔ پچھلوں نے آسمانوں میں چڑھنے کی کوشش کر کے کیا پایا جو یہ پائیں گے۔ بدر سے فتح مکہ تک دنیا نے قرآن کی اس صداقت کا تماشہ بھی دیکھ لیا۔ آگے نوح، عاد، فرعون، ثمود، ایکہ، لوط کی قوموں کا سرسری جائزہ پیش کردیا۔ کہ یہ عبرت کا سامان کافی ہے۔

اور فرعون کو ذو الاوتاد یا تو اس لئے کہا کہ اس نے اپنی حکومت وسلطنت کے کھونٹے گاڑ دیئے تھے۔ اور یا وہ چومیخا کرنے کی ایک خاص قسم کی بھیانک سزا دیا کرتا تھا۔ جس سے اس کا نام ہی ذو الاوتاد پڑ گیا تھا۔ پس اتنی نامور اور طاقتور قوموں کا انجام سامنے ہے پھر تمہاری کیا حقیقت ہے جو اس قدر اچھل رہے ہو۔

ان کل الا کذب الرسل کا یہ مطلب نہیں کہ ان میں کوئی اور برائی نہیں تھی۔ بلکہ اس وہم کو دفع کرنا ہے کہ شاید ان کی تباہی کا سبب کفر کے علاوہ کچھ اور ہو۔ پس گویا یہ حصر حقیقی نہیں۔ بلکہ ادعائی اضافی ہے یعنی اصل سبب کفر ہے۔ اگرچہ خود کفر کا سبب نافرمانیوں پر ان کا اصرار ہے۔

لطائف سلوک:۔ اجعل الألهة الٰها واحدا. بعض اہل غلو نے اس سے وحدت الوجود ثابت کیا ہے کہ کفار نے سب خداؤں کو ایک خدا کہنے پر انکار کیا۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے وحدت کا دعویٰ فرمایا ہوگا۔ لیکن یہ استدلال غلط ہے۔ کیونکہ آپ نے سب کے اتحاد کا دعویٰ نہیں فرمایا تھا۔ بلکہ ایک حقیقی خدا کا اثبات کر کے دوسرے فرضی خداؤں کا انکار فرمایا تھا۔ پس یہ جعل کے معنی ایسے ہی ہیں جیسے حدیث میں ہے۔ من جعل الھموم ھما واحداھم الاٰخرۃ حدیث کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ دنیا بھر کے غموں کو آخرت کے غم سے ملا کر ایک کردے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ دنیا کے سب غم مٹا کر اور بھلا کر صرف ایک غم آخرت سوار کرلے۔

ء انزل علیه الذکر سے معلوم ہوا کہ یہ کفریہ قول کبر سے پیدا ہوا۔ جس سے تکبر کی برائی واضح ہے کہ وہ کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

ومایَنظُرُ یَنتَظِرُ **هٰۤؤُلَآءِ** اَیْ کُفَّارُ مَکَّةَ **اِلَّاصَیۡحَةً وَّاحِدَةً** هِیَ نَفخَةُ القِیَامَةِ تَحُلُّ بِهِمُ العَذابُ **مَّالَهَا مِنۡ فَوَاقٍ** ﴿۱۵﴾ بِفَتحِ الفَاءِ وضَمِّهَا رُجُوعٌ **وَقَالُوۡا** لَمَّانَزَلَ فَاَمَّا مَنۡ اُوتِیَ کِتابَهٗ بِیَمِیۡنِهِ الخ **رَبَّنَا عَجِّلۡ لَّنَا قِطَّنَا** اَیْ کِتَابَ اَعمَالِنَا **قَبۡلَ یَوۡمِ الۡحِسَابِ** ﴿۱۶﴾ قَالُوا ذٰلِكَ اِستِهزَاءً قَالَ تَعالٰی **اِصۡبِرۡ عَلٰی مَایَقُوۡلُوۡنَ وَاذۡکُرۡ عَبۡدَنَا دَاوٗدَ ذَاالۡاَیۡدِ** اَیِ القُوَّةِ فِی العِبَادَةِ کَانَ یَصُوۡمُ یَوۡمًا وَیُفطِرُ یَوۡمًا وَیَقُوۡمُ نِصفَ اللَّیلِ وَیَنَامُ ثُلُثَهٗ وَیَقُوۡمُ سُدُسَهٗ **اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ** ﴿۱۷﴾ رَجَّاعٌ اِلٰی مَرضَاتِ اللّٰهِ **اِنَّا سَخَّرۡنَا الۡجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحۡنَ** بِتَسبِیحِهٖ **بِالۡعَشِیِّ** وَقتَ صَلٰوةِ العِشَاءِ **وَالۡاِشۡرَاقِ** ﴿۱۸﴾ وَقتَ صَلٰوةِ الضُّحٰی وَهُوَ اَنۡ تَشرُقَ الشَّمسُ وَیَتَنَاهٰی ضَوۡءُهَا **وَ** سَخَّرنَا **الطَّیۡرَ مَحۡشُوۡرَةً** مَجمُوۡعَةً اِلَیهِ تُسَبِّحُ مَعَهٗ **کُلٌّ** مِنَ الجِبَالِ وَالطَّیرِ **لَّهٗۤ اَوَّابٌ** ﴿۱۹﴾ رَجَّاعٌ اِلٰی طَاعَتِهٖ بِالتَّسبِیحِ **وَشَدَدۡنَا مُلۡکَهٗ** قَوَّیۡنَاهُ بِالحَرسِ وَالجُنُوۡدِ کَانَ یَحرُسُ مِحرَابَهٗ کُلَّ لَیلَةٍ ثَلٰثُوۡنَ اَلفَ رَجُلٍ **وَاٰتَیۡنٰهُ الۡحِکۡمَةَ** النُّبُوَّةَ وَالاِصَابَةَ فِی الۡاُمُوۡرِ **وَفَصۡلَ الۡخِطَابِ** ﴿۲۰﴾ البَیَانَ الشَّافِیَ فِی کُلِّ قَصۡدٍ **وَهَلۡ** مَعۡنَی الاِستِفهَامِ هُنَا التَّعجِیبُ وَالتَّشوِیقُ اِلَی استِمَاعِ مَابَعۡدَهٗ **اَتٰٮكَ** یَامُحَمَّدُ **نَبَؤُا الۡخَصۡمِ اِذۡ تَسَوَّرُوا الۡمِحۡرَابَ** ﴿۲۱﴾ مِحرَابَ دَاوٗدَ اَیۡ مَسجِدَهٗ حَیۡثُ مُنِعُوا الدُّخُوۡلَ عَلَیۡهِ مِنَ البَابِ لِشُغۡلِهٖ بِالعِبَادَةِ اَیۡ خَبَرُهُمۡ وَقِصَّتُهُمۡ **اِذۡ دَخَلُوۡا عَلٰی دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنۡهُمۡ قَالُوۡا لَاتَخَفۡ** نَحۡنُ **خَصۡمٰنِ** قِیۡلَ فَرِیۡقَانِ لِیُطَابِقَ مَاقَبۡلَهٗ مِنۡ ضَمِیۡرِ الجَمعِ وَقِیلَ اِثۡنَانِ وَالضَّمِیۡرُ بِمَعۡنَاهُمَا وَالخَصۡمُ یُطۡلَقُ عَلَی الوَاحِدِ وَاَکثَرَ وَهُمَا مَلَکَانِ جَاءَا فِی صُوۡرَةِ خَصۡمَیۡنِ وَقَعَ لَهُمَا مَاذُکِرَ عَلٰی سَبِیۡلِ الغَرضِ لِتَنۡبِیۡهِ دَاوٗدَ عَلَیۡهِ السَّلَامُ عَلٰی مَاوَقَعَ مِنۡهُ وَکَانَ لَهٗ تِسۡعٌ وَّتِسۡعُوۡنَ اِمۡرَاَةً وَطَلَبَ اِمۡرَاَةَ شَخۡصٍ لَیۡسَ لَهٗ غَیۡرُهَا وَتَزَوَّجَهَا وَدَخَلَ بِهَا **بَغٰی بَعۡضُنَا عَلٰی بَعۡضٍ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَنَا بِالۡحَقِّ وَلَا تُشۡطِطۡ** تَجُرۡ **وَاهۡدِنَاۤ** اَرۡشِدۡنَا **اِلٰی سَوَآءِ الصِّرَاطِ** ﴿۲۲﴾ وَسَطِ الطَّرِیۡقِ الصَّوَابِ **اِنَّ هٰذَاۤ اَخِیۡ** اَیۡ عَلٰی دِیۡنِیۡ **لَهٗ تِسۡعٌ وَّتِسۡعُوۡنَ نَعۡجَةً** یُعَبَّرُ بِهَا عَنِ المَرۡاَةِ **وَّلِیَ نَعۡجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَکۡفِلۡنِیۡهَا** اِجۡعَلۡنِیۡ کَافِلَهَا **وَعَزَّنِیۡ** غَلَبَنِیۡ **فِی الۡخِطَابِ** ﴿۲۳﴾ اَیِ الجِدَالِ وَاَقَرَّهُ الاٰخَرُ عَلٰی ذٰلِكَ **قَالَ لَقَدۡ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعۡجَتِكَ** لِیَضُمَّهَا **اِلٰی نِعَاجِهٖ وَاِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ الۡخُلَطَآءِ** الشُّرَکَاءِ **لَیَبۡغِیۡ بَعۡضُهُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِیۡلٌ مَّا هُمۡ** مَا لِتَاکِیۡدِ القِلَّةِ فَقَالَ المَلَکَانِ صَاعِدَیۡنِ فِی صُوۡرَتِهِمَا اِلَی السَّمَاءِ قَضَی الرَّجُلُ عَلٰی نَفۡسِهٖ فَتَنَبَّهَ دَاوٗدُ قَالَ تَعَالٰی **وَظَنَّ** اَیۡ اَیۡقَنَ **دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ** اَوۡقَعۡنَاهُ فِی فِتۡنَةٍ اَیۡ بَلِیَّةٍ بِمَحَبَّتِهٖ تِلۡكَ المَرۡاَةَ **فَاسۡتَغۡفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاکِعًا** اَیۡ سَاجِدًا **وَّاَنَابَ** ﴿۲۴﴾ السجدۃ

فَغَفَرْنَا لَهُ ذٰلِكَ ۗ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى اَىْ زِيَادَةُ خَيْرٍ فِى الدُّنْيَا وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ مَرْجِعٍ فِى الْاٰخِرَةِ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ تُدَبِّرُ اَمْرَ النَّاسِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى اَىْ هَوَى النَّفْسِ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۗ اَىْ عَنِ الدَّلَائِلِ الدَّالَّةِ عَلٰى تَوْحِيْدِهٖ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَىْ عَنِ الْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۢ بِمَا نَسُوْا بِنِسْيَانِهِمْ يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾ اَلْمُتَرَتَّبُ عَلَيْهِ تَرْكُهُمُ الْاِيْمَانَ وَلَوْ اَيْقَنُوْا بِيَوْمِ الْحِسَابِ لَاٰمَنُوْا فِى الدُّنْيَا

ع ۱۲ / ۱۱

ترجمہ: اور یہ لوگ (کفار مکہ) بس ایک چیخ کے منتظر ہیں (قیامت کا بگل بجے گا تو ان پر عذاب آئے گا) جس میں دم لینے کی مہلت نہ ہوگی (فواق فتح فا اور ضمہ کے ساتھ ہے یعنی اس سے نکلنے کا موقع نہ ملے گا) اور یہ لوگ کہنے لگے (جب آیت **فاما من اوتی کتابہ بیمینہ** الخ نازل ہوئی) اے ہمارے پروردگار! ہمارا حصہ (اعمالنامہ) ہمیں روز حساب سے پہلے دے دے (یہ بات دل لگی کے طور پر کہی تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا) آپ ان لوگوں کی باتوں پر صبر کیجئے اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو جو بڑی طاقت والے تھے (یعنی عبادت کی بڑی طاقت رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے اور آدھی رات تک نماز میں کھڑے رہتے اور تہائی رات سو کر پھر چھٹے حصے میں کھڑے رہتے) وہ بہت جھکنے والے تھے (اللہ کی مرضیات کی طرف) ہم نے پہاڑوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ تسبیح کیا کریں ان کی (تسبیح کے) ساتھ شام (عشاء کی نماز) میں اور صبح کے وقت (چاشت کی نماز کے وقت۔ جس وقت سورج نکل کر خوب روشن ہو جائے) اور پرندوں کو (ہم نے مسخر کر دیا) جو اکٹھے ہو جاتے تھے (حضرت داؤد کے ساتھ شریک تسبیح ہو جاتے تھے) سب چیزیں (پہاڑ۔ پرندے) اسی کی طرف مشغول ذکر رہتے (تسبیح کرتے ہوئے وقف طاعت رہتے) اور ہم نے ان کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا (چوکیداروں پہرے داروں کی وجہ سے محفوظ کر دیا تھا۔ ہر رات تیس ہزار فوج پہرہ دیا کرتی تھی) اور ہم نے ان کو عطا کی تھی حکمت (نبوت اور ہر کام میں صحیح قوت فیصلہ) اور خوش بیانی (ہر بات کو عمدہ طرز سے بیان کر دینا) اور بھلا (یہاں استفہام تعجب کے لئے ہے اور بعد والی بات کو شوق سے سننے کے لئے) آپ کو (اے محمد) پہنچی ہے ان مقدموں والوں کی خبر جب کہ وہ عبادت خانہ کی دیوار پھاند کر داؤد کے مشغول عبادت ہونے کی وجہ سے یعنی آپ کو ان کا واقعہ اور قصہ معلوم ہوا ہے؟ جب وہ داؤد کے سامنے پہنچے) تو وہ گھبرا گئے وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ ڈریئے نہیں (ہم) اہل معاملہ ہیں (بعض نے فرمایا کہ دو فریق مراد ہیں تاکہ پہلی ضمیر جمع کے مطابق ہو جائے اور بعض کی رائے ہے کہ صرف دو آدمی مراد ہیں اور ضمیر جمع معناً راجع ہوگی اور خصم ایک پر اور ایک سے زائد پر بھی بولا جاتا ہے۔ یہ دو فرشتے دو جھگڑالوؤں کی صورت میں پیش ہوئے تھے۔

وہ واقعہ فرضی صورت میں بیان کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے معاملہ پر تنبیہ کرنے کے لئے ہوا یہ کہ حضرت داؤد کے ۹۹ بیویاں موجود تھیں۔ مگر پھر انہوں نے دوسری عورت سے جو کسی شخص کی تنہا بیوی تھی شادی کر لی اور اس سے بیوی جیسا معاملہ کر لیا) کہ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔ اس لئے آپ انصاف سے ہمارا فیصلہ کر دیجئے اور بے انصافی (ظلم) نہ کیجئے اور ہم کو صحیح راہ (درمیانی راستہ جو درست ہے) بتلا دیجئے۔ یہ شخص میرا (دینی) بھائی ہے اس کے پاس ۹۹ دنبیاں ہیں (اشارہ ان کی بیویوں کی طرف تھا) اور میرے پاس ایک دنبی ہے۔ مگر یہ کہتا ہے کہ وہ بھی مجھے دے ڈال (میری تحویل میں دے دے) اور مجھ کو دباتا ہے (زور دکھاتا ہے) بات چیت میں (موجودہ تنازعہ میں دوسرے فریق نے اس کا اقرار بھی کر لیا) فرمایا داؤد نے اس نے تجھ پر زیادتی کی ہے۔ تیری دنبی کو اپنی دنبیوں میں

ملانے کا سوال کر کے اور اکثر شرکاء (ساجھی) ایک دوسرے پر زیادتی کیا کرتے ہیں۔ ہاں! مگر جو ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں وراپسے وگ بہت ہی کم ہیں (ما قلة کی تاکید کے لئے ہے۔ دونوں فرشتے پنی صورت میں تبدیل ہو کر یہ کہتے ہوئے آسمان پر اڑ گئے۔ کہ س شخص نے اپنے خلاف خود ہی فیصلہ صادر کر دیا ہے۔ فوراً حضرت داؤدؑ چونک پڑے۔ ارشاد باری ہے۔ کہ) داؤدؑ کو خیال (یقین) ہو گیا کہ ہم نے اس کا امتحان کیا ہے (ایک فتنہ میں ڈالا ہے۔ یعنی عورت کی بلائے محبت میں مبتلا کیا ہے) سوانہوں نے اپنے پروردگار کے آگے توبہ کی اور رکوع وسجدہ میں گر پڑے اور رجوع ہوئے۔ سو ہم نے ان کو معاف کر دیا اور ہمارے یہاں ان کا ایک مرتبہ ہے (دنیا میں بھلائی کی زیادتی اور نیک انجامی آخرت میں ہے) اے داؤد! ہم نے تم کو زمین پر حاکم بنایا ہے (لوگوں کے انتظامات کے لئے) سو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلے کرتے رہنا اور خواہش (نفس) کی پیروی نہ کرنا کہ وہ خدا کے راستہ سے (دلائل توحید سے) تمہیں بھٹکا دے گا۔ جو لوگ اللہ کے راستہ (ایمان) سے بھٹک گئے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہوگا ان کے روز حساب کو بھول جانے کے سبب سے (جس سے ایمان کی محرومی ہوئی اور اگر روز حساب کا یقین ہوتا تو دنیا ہی میں رہ کر ایمان لے آتے۔)

تحقیق وترکیب: من فواق. یہ مبتداء خبر سے مل کر جملہ محل نصب میں ہے۔ صیحة کی صفت ہونے کی وجہ سے اور من زائد ہے۔ لفظ فواق ضمہ اور فتحہ تا کے ساتھ دونوں لغت ہیں۔ پہلی مرتبہ دودھ دوھ کر دوسری مرتبہ جو دودھ دوہا جاتا ہے اس درمیانی وقفہ کو فواق کہتے ہیں۔

قطنا. قطه بمعنی قطعه یہاں حصہ اور نصب کے معنی ہیں صحیفہ جائزہ کو بھی کہتے ہیں۔ اسی لئے مفسرؒ نے اعمالنامہ کے معنی مراد لئے ہیں۔ ابن عباسؓ۔ قتادہؒ۔ مجاہدؒ سے یہی منقول ہے۔

ذا الايد صوم داؤدی بظاہر تو صوم وصال سے سہل معلوم ہوتا ہے۔ مگر فی الحقیقت مشکل ہے۔ کیونکہ کھانا اور فاقہ دونوں عادت بننے نہیں پاتی۔ اس لئے طبیعت پر شاق معلوم ہوتا ہے۔

یسبحن. زبانی تسبیح مراد ہے اور حضرت داؤدؑ بطور خرق عادت اس تسبیح کو سمجھتے تھے۔ اور یا تسبیح حالی مراد ہے اور مضارع تجدد وحدوث کے لئے ہے۔

والطیر محشورہ. بمعنی مجتمعة عام طور پر اس کو منصوب پڑھا ہے مفعول سخرنا پر عطف کرتے ہوئے یا حال در حال مانتے ہوئے۔ جیسے ضربت زيد امكتوفا وعمرا مطلقا اور بعض حضرات نے دونوں کو مرفوع مانا ہے مستقل جملہ قرار دیتے ہوئے اور اس کا جملہ اسمیہ ہونا اللہ کی قدرت پر زیادہ دلالت کرتا ہے۔ ایک دم پرندوں کی ٹکڑیوں کا اڑنا زیادہ عجیب معلوم ہوتا ہے بہ نسبت یکے بعد دیگرے اڑنے کے۔

بالعشی. اس سے مراد نماز مغرب ہے یا عشاء۔

والاشراق. ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نماز ضحیٰ میں نے اسی آیت سے سمجھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اشراق اور ضحیٰ ایک ہی ہے۔ جس کا اول وقت اشراق شمس سے شروع ہوتا ہے اور آدھے دن تک رہتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے کبھی اول وقت پڑھی اور کبھی آخر وقت۔ اس سے یہ سمجھا گیا کہ یہ دو نمازیں دو وقتوں میں ہیں۔ فقہائے شافعیہ کے اقوال سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

كل له اواب. ضمیر کا مرجع یا تو جبال وطیر ہیں اور یا اللہ کی طرف راجع کی جائے۔

الحکمة. عام معنی یہی ہیں اور خاص نبوت بھی مراد ہو سکتی ہے۔

فصل الخطاب. ای الخطاب الفاصل او المفصول.

اذا تسوروا. یہ منصوب ہے اتاک سے یا نبؤا سے یا محذوف کی وجہ سے مگر اتاک اور نبات دونوں نہ حضرت داؤدؑ کے زمانہ میں ہوئے ہیں اور نہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بلکہ اول آنحضرت ﷺ کے اور دوسرے حضرت داؤدؑ کے زمانہ میں ہوا۔ اس لئے ناصب محذوف ماننا ہی بہتر ہے۔ ای ھل اتاک نباء تحاکم الخصم. حضرت جبرائیلؑ ومیکائیلؑ مدعی ومدعا علیہ ہوں گے اور دوسرے فرشتے گواہ اور دیگر لوگ مزکی ہوں گے۔

خصمان. ضمیر جمع کا مرجع دو کرنے کی ایک توجیہ مفسرؒ نے یہ بھی بیان کی ہے کہ خصمان معنی جمع ہے۔ کیونکہ تثنیہ یہ میں جمع کے معنی ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے لحکمھم شاھدین میں حضرت سلیمانؑ وداؤدؑ مراد ہیں بلحاظ معنی کے چونکہ یہ نزاعی صورت فرضی تھی اس لئے فرشتوں پر جھوٹ کا شبہ نہیں ہوسکتا۔ جیسے استفتاء میں فرضی صورت پر بیان حکم ہوتا ہے۔ اس میں کذب نہیں کہا جاتا۔ دنبی کے فرضی واقعہ سے جس پر تنبیہ مقصود تھی وہ واقعہ یہ تھا کہ اوریا نامی ایک شخص کی بیوی پر اتفاقیہ حضرت داؤدؑ کی نظر پڑ گئی اور وہ ان کو بھا گئی تو اس کے خاوند سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ شوہر حضرت داؤدؑ کے دبدبہ اور ذاتی حیا کی وجہ سے انکار نہ کرسکا اور بیوی کو چھوڑ دیا۔ پھر وہ حضرت داؤدؑ کے نکاح میں آ گئی۔

اس قسم کی مروت کا معاملہ نہ صرف یہ کہ ان کی شریعت میں جائز تھا۔ بلکہ ابتدائے اسلام میں بھی ہوا ہے۔ جیسا کہ واقعہ ہجرت میں انصار نے اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو مہاجر بھائی کے لئے ضرورتاً چھوڑ دیا تھا۔ بعد میں جب اس کی ضرورت نہ رہی تو یہ عملدرآمد بھی ترک ہوگیا۔ مگر جہاں اس میں سابق شوہر کی مروت معلوم ہوتی ہے وہیں دوسرے شوہر کی بے مروتی بھی ہے۔ خاص کر جب کہ اس کے پاس بہت سی بیویاں ہوں اور دوسرے کے پاس صرف ایک ہی بیوی ہو۔ اس لئے حضرت داؤدؑ کو تنبیہ کی ضرورت پیش آئی۔

عزنی فی الخطاب. خطاب سے مراد یا تو گفتگو ہے یعنی بات چیت میں مجھ پر غالب آ جاتا ہے۔ اور خطبہ بمعنی پیغام نکاح ہے۔ یعنی خطبہ میں یہ مجھ سے بازی لے جاتا ہے۔ اشارہ حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ کی جانب ہوگا۔

واقرہ الاخر. کہہ کر مفسر علامؒ اس شبہ کو دور کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ نے صرف مدعی کے بیان پر کس طرح فیصلہ فرما دیا۔ ظاہر ہے کہ دوسرے فریق کے اقرار کے بعد یہ شبہ نہیں رہتا۔

الیٰ نعاجہ. مفسر علامؒ نے الیٰ کے متعلق محذوف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ای یضمھا الیٰ نعاجہ یا لفظ ضم جب کہ نعجہ کی طرف مضاف ہو اس کو متعلق مانا جائے۔ ای بسوال ضم نعجتک الیٰ نعاجہ اور مشہور یہ ہے کہ یہ سوال سے متعلق ہے متضمن بمعنی ضم ہونے کی وجہ سے۔

راکعا. چونکہ رکوع اور سجدہ دونوں میں جھکنا ہوتا ہے۔ اس لئے رکوع بول کر سجدہ مراد لیا ہے یا یوں کہا جائے کہ اول رکوع کیا، پھر سجدہ کیا۔ حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ چالیس روز تک سجدہ میں پڑے رہے۔ کھانا پینا موقوف کر دیا۔

واناب. شوافع کے نزدیک یہ آیت سجدہ نہیں ہے احناف اس کو آیت سجدہ سمجھتے ہیں۔

یا داؤد. مستقل کلام بھی ہوسکتا ہے یا ان لہ عندنا لزلفی کے معنی کئے گئے ہیں۔ یا قول محذوف کا مقولہ ہو کر فغفرنا کا معطوف علیہ ہوسکتا ہے۔ ای فغفرنا وقلنا الخ جس میں سابقہ خلافت کے باقی رہنے کی طرف اشارہ ہے۔

فاحکم. کیونکہ شرعی نظام میں تکوینی نظام کی بہترائی بھی مضمر ہوتی ہے اور بعض کی رائے ہے کہ ان کی امت مخاطب ہے۔ ورنہ نبی کے معصوم ہونے کی وجہ سے لا تتبع الھوی کے خطاب میں اشکال رہے گا۔ لیکن حضرت داؤدؑ بھی مخاطب ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ نبی برائی کے ارتکاب کو مستلزم نہیں۔ اس لئے خلاف عصمت کوئی بات لازم نہیں آتی یا یوں کہا جائے کہ مبالغہ ہے کہ جب نبی باوجود عصمت

کے مخاطب ہیں تو دوسرے بدرجہ اولیٰ مخاطب ہوں گے۔

یوم الحساب یہ مفعول ہے **نسوا** کا یا ظرف ہے **لهم عذاب** کا۔ نسیان سے مراد ترک ایمان ہے پس عذاب کا سبب تو ترک ایمان اور ترک ایمان کا سبب نسیان ہے۔

ربط وشان نزول:

آنحضرت ﷺ کی تسلی کے لئے حضرت داؤدؑ وغیرہ بعض انبیاء علیہم السلام کے کچھ احوال بیان کئے جارہے ہیں۔ چنانچہ حضرت داؤدؑ کی اتفاقیہ نظر ایک مرتبہ اوریا نامی ایک شخص کی بیوی پر پڑ گئی۔ تو اس کے شوہر سے اس کو چھوڑ دینے اور خود اپنے نکاح میں لے آنے کی خواہش کی تو اس نے بادل ناخواستہ تعمیل حکم کردی اور اس وقت ایسا ہو جایا کرتا تھا۔ جیسا کہ ہجرت کے موقعہ پر مسلمانوں میں بھی مواخات کے سلسلہ میں ایسا ہوا ہے۔

تشریح:

صیحة سے مراد ڈانٹ ڈپٹ ہے جو غصہ کے وقت ہوتی ہے اور یا صور قیامت مراد ہے کہ یہ ناہنجار اسی کے منتظر ہیں اور وہ بڑا ہولناک اور آنافاناً میں ہو جائے گا۔ اور اس وقت پچھتانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

مگر ان کی بے حسی ملاحظہ ہو کہ یہ لوگ شوق عذاب میں اس قدر بے چین ہیں کہ جلد بھجوانے کی فرمائش کررہے ہیں۔ گویا محض مسخراپن کرنے کے لئے۔

جالوتیوں کی تباہی اور داؤدؑ کی حکمرانی:

خیر آپ ﷺ اس کو بھی کڑوا گھونٹ سمجھ کر نگل لیجئے اور ثابت قدمی سے جھیل جائیے۔ طبیعت زیادہ پریشان ہو تو حضرت داؤدؑ پر نظر ڈالیئے کہ انہوں نے جالوت کے عہد میں کتنا ظلم برداشت کیا۔ آخر کار نقشہ کیسا پلٹا کہ جالوت تباہ ہوا اور حکومت ان کے ہاتھ آئی۔

ذوالاید یعنی ہاتھ کے بل والا۔ اسی لئے کہا کہ اب طاقت کا توازن ان کے حق میں ہو گیا تھا۔ یا خاص معجزہ مراد ہے کہ موم کی طرح لوہا ان کے ہاتھ میں نرم ہو گیا تھا۔ یا یہ کہ شاہی خزانہ سے اپنے اخراجات پورے نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اپنی قوت بازو اور ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔ جس سے کسب معاش کی فضیلت معلوم ہوئی۔ اور یہ کہ وہ توکل کے منافی نہیں ہے۔

چنانچہ اواب خدا کی طرف رجوع ہونے والا اس لئے کہا کہ ذرائع واسباب اختیار کرنے کے باوجود بھروسہ اللہ کی ذات پر تھا۔ اور پہاڑوں وغیرہ کے ان کے ساتھ تسبیح سے مراد بھی یہی ہو سکتی ہے کہ وہ بھی ان کے ساتھ اللہ ہی پر سہارا کرنے والے تھے۔

غرض کہ ان کو نیچے سے اوپر اٹھا کر تخت سلطنت پر بٹھلا دیا اور فوج فراء سے خوب ان کی دھاک بٹھلا دی۔ وہ بڑے دانا، مدبر، قوت فیصلہ کے مالک، زوربیان میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ اور ان سب سے بڑھ کر صاحب نبوت تھے۔ چنانچہ حضرت داؤدؑ نے اپنے دستور العمل تقسیم اوقات کے ساتھ اس طرح مرتب کر لیا تھا۔ کہ ایک دن دربار کرتے جس میں ملکی معاملات طے کرتے۔ ایک دن تدبیر منزل۔ گھریلو معاملات میں مصروف رہتے اور ایک دن خالص عبادت الٰہی اور خلوت میں گزارتے۔ عبادت کے دن کسی کو ان کے خلوت خانے میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔

حضرت داؤدؑ کی خلوت خاص میں دو اجنبیوں کا گھس آنا:

ہوا یہ کہ ایک روز اچانک کئی انجان آدمی ان کی خلوت خاص میں گھس آئے اور وہ بھی دروازے کی بجائے دیوار پھاند کر داؤدؑ کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ باوجودیکہ حضرت داؤدؑ جی دار اور باہمت تھے۔ مگر اس ناگہانی ماجرے سے گھبرا اٹھے اور سوچ بچار میں پڑ گئے۔ کہ اگر یہ آدمی ہیں تو اس طرح آنے کی ہمت کیسے

ہوئی اور اگر کوئی اور بات ہے تو وہ کیا ہے؟ پھر آنے کا منشاء اور غرض کیا ہوسکتی ہے۔ غرض اچانک یہ عجیب وغریب منظر دیکھ کر مختلف سوالات ان کے ذہن میں ابھر گئے اور عبادت کی یکسوئی میں خلل پڑ گیا۔ لیکن آنے والوں نے فوراً صورت حال کی نزاکت محسوس کر کے کہا کہ آپ گھبرایئے مت اور نہ ہم سے کچھ اندیشہ کیجئے۔ ہم اپنا مقدمہ لے کر آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں۔ ہم دونوں فریق ہیں۔ ہمارا منصفانہ فیصلہ فرما دیجئے۔ جس میں نہ جانب داری ہو اور نہ ٹالنے والی بات۔ ہم عدل وانصاف کے طالب ہیں اس طرز گفتگو سے ضرور حضرت داؤدؑ متحیر ہوئے ہوں گے۔ آگے مقدمہ کی روئیداد بتلائی کہ ہمارے اس ساتھی کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے۔ اور اسی کے ساتھ یہ مشکل آن پڑی ہے کہ مال میں جس طرح یہ مجھ سے بڑھ کر ہے زور بیان اور بات کرنے میں بھی مجھ سے تیز ہے۔ جب بولتا ہے مجھے دبالیتا ہے اور لوگ بھی اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ اس طرح یہ اپنی سو (۱۰۰) دنبیاں پوری کرنا چاہتا ہے۔ اور دھینگا مشتی کر کے میرے پاس ایک بھی رہنے نہیں دیتا اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا معاملہ کرتا ہے۔

حضرت داؤدؑ کی شخصیت وغیرہ سے متاثر ہو کر یا تو دوسرے فریق نے اس کا اقرار کرلیا ہوگا۔ جیسا کہ مفسر علامؒ نے رائے پیش کی ہے اور یا شرعی قاعدہ کی رو سے مدعی کی جانب سے ثبوت مکمل پیش ہوگیا ہوگا اور یا پھر کشف نبوت سے حضرت داؤدؑ کو اطمینان ہوگیا ہوگا۔ بہر حال ان تینوں احتمالات کا کوئی ذکر نہیں، مگر اصول مقدمہ کی رو سے مان لیا جائے گا۔ ورنہ فیصلہ یک طرفہ محض بیان پر ہوگا جو صحیح نہیں۔ حضرت داؤدؑ نے مقدمہ سن کر فیصلہ فرمایا کہ یہ اس کی زیادتی اور ناانصافی ہے، چاہتا ہے کہ اپنے غریب بھائی کا حق ہڑپ کر جائے۔ بھلا کس طرح اس بات کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

فرشتوں کے ظاہر ہوجانے کے بعد حضرت داؤدؑ کو تنبہ ہوا کہ یہ تو میرا امتحان ہوا تھا۔ اس خیال کے آتے ہی گھے توبہ تلا کرنے اور خدا کے آگے جھک پڑے، معافی کے خواستگار ہوئے چنانچہ معافی مل گئی۔

حضرت داؤدؑ کے واقعہ کی تحقیق: ..... حضرت داؤدؑ کی وہ کیا غلطی تھی؟ مفسرینؒ نے تو لمبے قصے لکھ دیئے ہیں۔ مگر حافظ ابن کثیر کا بیان ہے کہ یہ تو اسرائیلیات ہیں اور اس باب میں آنحضرت ﷺ سے کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں جس کا اتباع ضروری ہو۔

اسی طرح حافظ ابن حزمؒ نے بھی بڑی شدت سے ان قصوں کی تردید کی ہے۔ بلکہ تفسیر خازن میں ہے:۔

عن علي بن ابي طالب انه قال من حدثكم بحديث داؤد على ما يرويه القصاص جلدته مائة وستين جلدة وهو حد الفرية على الانبياء.

نیز تفسیر حقانی میں اس قصہ کا ماخذ کتاب صموئیل کو کہا ہے۔ حالانکہ اس کا پورا پتہ آج تک خود اہل کتاب کو بھی نہیں مل سکا کہ اس کا مصنف کون ہے۔ دراصل یہ ایک تاریخی کتاب تھی جو یہود میں مروج رہی۔ جس کو بعد میں اہل کتاب نے خواہ مخواہ الہامی کتاب فرض کرلیا۔

البتہ ابوحیانؒ وغیرہ نے اس داستان سرائی سے علیحدہ ہو کر آیات کا جو محمل بیان کیا ہے وہ بھی تکلف سے خالی نہیں۔ صاف بات حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بطور اعجاب حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ دن رات میں کوئی ساعت ایسی نہیں جس میں میرا عبادت خانہ خالی رہتا ہو، بلکہ میرے اہتمام کی وجہ سے ہر وقت آل داؤد میں سے کوئی نہ کوئی مشغول عبادت رہتا ہے، ممکن ہے اور بھی کچھ چیزیں اپنے حسن انتظام سے متعلق عرض کی ہوں گی، مگر یہ خودستائی حضرت داؤد علیہ السلام جیسے مقرب بندے سے اللہ کو پسند نہ آئی۔ ارشاد ہوا کہ داؤد! یہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے ورنہ خود تم کچھ نہیں کرسکتے۔ قسم ہے اپنے

جلال کی ایک روز اپنی توفیق سے ہٹا کر تمہیں تمہارے نفس کے حوالے کر دوں گا۔ پھر دیکھوں گا کہ کس طرح تم عبادت کرتے ہو۔ اور کس طرح نظام قائم رکھتے ہو۔ چنانچہ اسی روز یہ آزمائش ہوگئی اور حضرت داؤد باوجود اطمینان و یکسوئی کے اس ناگہانی افتاد سے متاثر ہوگئے اور کچھ دیر کے لئے ان کا قلبی سکون متزلزل ہو کر رہ گیا۔ وہ گھبرا گئے، پھر فرشتوں کے اطمینان دلانے سے کچھ سانس میں سانس آیا اور حواس بجا ہوئے۔ اسی کو فتنہ فرمایا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ سامنے سے دونوں ننھے منے نواسے حسنؓ و حسینؓ قمیض پہنے لڑکھڑاتے آگئے۔ آپ ﷺ نے خطبہ روک دیا اور نیچے اتر کر بے ساختہ انہیں گود میں اٹھالیا اور کہا اللہ نے سچ فرمایا ہے۔ انما اموالکم واولادکم فتنہ. غرض حضرت داؤد کی اس خود پسندی کو ناپسند کر کے اس تنبیہ سے اس کا تدارک اور اصلاح مقصود تھی۔

حضرت داؤدؑ کی آزمائش: ...... یا آزمائش کی تقریر معمولی تغیر سے اس طرح کی جائے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے صبر و استقلال کی جانچ مقصود تھی جو ایک سلطان اور حاکم کے لئے بے حد اہم اوصاف ہوتے ہیں۔ چنانچہ چوکی پہرہ کے باوجود ان کی خلوت خاص میں اس بے ڈھنگے پن سے آگھسنا اور پھر بھدے طریقہ سے بات چیت شروع کرنا کہ ذرومت کہ جس سے کہنے والے کا بڑا اور سننے والے کا چھوٹا ہونا ٹپکتا ہے۔ پھر یہ کہہ دینا کہ انصاف سے فیصلہ کیجئے۔ ناانصافی یا ٹال مٹول نہ کیجئے۔ حضرت داؤد کو بھڑکانے کے لئے کافی تھا۔

اتنی گستاخی کو دیکھ کر بھی حضرت داؤدؑ سنبھلے رہے اور بے انتہا برداشت کا برتاؤ کیا۔ اس سے اس کے غیر معمولی بھاری بھرکم ہونے کا امتحان ہوگیا اور ثابت ہوگیا کہ وہ اس منصب جلیل کے اہل ہیں، ورنہ اس گستاخانہ صورت پر دارو گیر کر سکتے تھے اور کچھ نہیں تو ان کا مقدمہ ملتوی کر کے ان پر توہین عدالت یا عزت ہتک کا مقدمہ قائم کر دیتے۔ مگر یہ سب کچھ نہیں کیا، بلکہ عفو و درگزر سے کام لیا اور مقدمہ کا فیصلہ نہایت ٹھنڈے دل سے بلا شائبہ ناراضگی کے کیا، جس کو کمال عدل کہا جائے گا۔ تاہم اتنا ضرور ہوا کہ شرعی دلیل قائم ہونے پر خواہ وہ ثبوت سے ہوئی یا اقرار فریق مخالف سے۔ صرف ظالم سے تعرض کرتے ہوئے انک ظالم او ظلمتہ کہنا چاہئے تھا۔ مگر انہوں نے مظلوم کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے لقد ظلمک فرمایا۔ جس سے ایک مظلوم سے ہمدردی ظاہر ہوئی۔ اگرچہ مظلوم کی یہ ہمدردی بھی عبادت ہے۔ بالخصوص مقدمہ ختم ہو جانے کے بعد۔ مگر فریق مقدمہ ہونے کی حیثیت سے یہ ہمدردی ایک طرح طرف داری اور جانبداری ہوگئی اور حاکم کی غیر جانب داری ہی فریقین کے اعتماد کا سبب ہوتی ہے۔ اس میں کسی جھول کا شائبہ بھی حضرت داؤد کی عدالت عالیہ کے شایان شان نہ ہوا۔ ان کے انصاف کا پیمانہ تو سب سے اونچا ہونا چاہئے تھا اور گو مقدمہ ختم ہوگیا تھا مگر مجلس تو ختم نہیں ہوئی تھی جو جامع المتفرقات ہوتی ہے۔ اس لئے اس فرمانے کا تعلق ایک گونہ مقدمہ ہی سے ہو سکتا ہے۔ بہر حال اس معمولی چوک پر حضرت داؤد کو تنبہ ہوا اور وہ خواستگار معافی ہوگئے۔ چنانچہ درگزر فرمادیا گیا۔ اس تقریر سے عدلیہ کی بہت اونچی مثال قائم ہو جاتی ہے۔

بعض حضرات کی رائے میں حضرت داؤدؑ کی کوتاہی: ...... بعض حضرات نے حضرت داؤد کو بلا تحقیق لقد ظلمک کہہ دینے کو کوتاہی قرار دیا ہے۔ اگرچہ یہ جملہ تعلیقیہ بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی ان فعل کذا فقد ظلمک. مگر صورتاً غیر معلق ہے۔ ہاں مدعی علیہ کا اقرار اگر مان لیا جائے تو پھر حضرت داؤد علیہ السلام کا فرمانا صحیح ہوگا اور گنجائش تاویل نہیں رہے گی۔ اسی طرح بعض نے کہا ہے کہ حضرت داؤد کو ان کی گستاخیوں پر غصہ آگیا تھا۔ اس لئے استغفار کیا۔ مگر غصہ کا آنا ثابت نہیں ہے۔ اس لئے پہلی دونوں

تقریروں کو بے غبار اور الفاظ قرآنیہ کے مطابق کہا جائے گا۔

اصبر علی مایقولون کہہ کر اس قصہ کو یاد دلانا اس کا قرینہ ہے کہ اس قصہ میں بھی اقوال پر صبر تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ مشرکین مکہ یہ کلمات کہتے تھے اور قصہ داؤدؑ میں کچھ گستاخانہ الفاظ تھے۔ البتہ یہ بات ظنی ہے کہ حضرت داؤدؑ نے بھی آزمائش کی بنیاد اقوال پر رکھی ہے۔

خلطاء کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں فریق میں باہمی شرکت ہوگی اور معاملہ کی صورت ایسی ہوگی جس میں ظالم تلبیس کر سکتا تھا اور خلطاء کے معنی قرابت دار بھی ہو سکتے ہیں۔

یا داؤد انا جعلناك خلیفة. یعنی داؤدؑ چونکہ اللہ کے خلیفہ ہیں اس لئے شریعت کے مطابق عدل وانصاف سے فیصلے کیا کرو۔ جس میں خواہش نفس کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ آنے پائے۔ کیونکہ جو اللہ کی راہ سے بھٹکا پھرا، پھر اس کا ٹھکانہ کہاں؟ اور اکثر نفسانی خواہش جب ہی غالب ہوتی ہے جب انسان کو حساب کا دینا نہ رہے۔ اس سے کام کی طاقت اور بڑھ گئی کہ داؤدؑ جس طرح تمہاری کچہری میں لوگ اہل مقدمہ بن کو پیش ہوتے ہیں، کبھی ہماری بڑی کچہری بھی ہوگی جس میں تمہیں اور سب کو پیش ہونا ہے اس کو دھیان میں رکھو۔

لطائف سلوک: .... وما ینظر کافر نہ قیامت کے معتقد تھے اور نہ منتظر۔ مگر پھر بھی ان کی دینی غفلت اور نیکی سے اعراض کی بناء پر ان کے حال سے یہ لازم آتا تھا کہ گویا وہ قیامت کے منتظر ہیں۔ اس کے آنے پر اپنی اصلاح کریں گے۔

اس سے ارشاد وتربیت میں بھی اس کی گنجائش نکل آئی کہ جو چیز خود بخود لازم آ رہی ہو اسی کو یوں سمجھ لینا چاہئے کہ کسی نے اس کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ مثلاً: کوئی مرید خود رائی کرتا ہو اور شیخ کی اتباع نہ کرتا ہو اور شیخ اس کو یوں کہنے لگے کہ تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہارا اتباع کروں اور تم میرا اتباع نہ کرو۔ حالانکہ مرید نے یہ لازم نہیں کیا کہ شیخ اس کا اتباع کرے۔ مگر اس کے حال اور طرز سے یہی لازم آ رہا ہے۔ البتہ مقام افتاء میں لازم کو ملتزم کی طرح قرار نہیں دیا جا سکتا۔

انا سخرنا الجبال اگر پہاڑ وغیرہ کی تسبیح سے مراد زبانی تسبیح لی جائے جیسا کہ ظاہر قرآن سے معلوم ہو رہا ہے اور اصحاب کشف بھی اس کو جانتے ہیں تو اس سے دو باتیں اور نکل رہی ہیں۔ ایک یہ کہ اجتماعی ذکر سے طبیعت میں نشاط اور ہمت میں قوت اور ذکر کی برکات کا باہمی انعکاس ہوتا ہے۔ دوسرے بعض ایسے اشغال کی صحت بھی معلوم ہوتی ہے جس سے تمام عالم کو ذاکر تصور کیا جاتا ہے اور یہ ذکر جمع ہمت اور قطع خطرات میں عجیب تاثیر رکھتا ہے۔

ولا تشطط. اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کے گستاخانہ کلمات سن کر ضبط کر لینے سے معلوم ہوا کہ حاکم، مفتی، شیخ کو ایسی چیزوں کا تحمل کرنا چاہئے۔ نیز اپنے تقدس پر ناز کرنے والے کے لئے اس میں عبرت ہے کہ پیغمبر معصوم سے جب یہ کہا جاتا ہے کہ حد سے نہ بڑھئے تو غیر معصوم اپنے نفس پر وثوق کر کے کیسے کہہ سکتا ہے کہ مجھ میں یہ احتمال نہیں، اس کو ایسا سمجھنا کیسا ہے۔

وان کثیرا من الخلطاء اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر لوگوں میں جبلۃً یا عادۃً ظلم وشر ہی غالب ہوتا ہے۔ لیکن جو لوگ فطرۃً یا مجاہدہ کر کے اس رذیلہ سے پاک ہو جائیں وہ بہت کم ہوتے ہیں۔

ولا تتبع الھوی. اس میں ہوائے نفسانی کی مذمت جس قدر ہے وہ ظاہر ہے، کیونکہ نفس سب سے بڑا بت ہے۔ دوسری آیت میں افرأیت من اتخذ الٰھه ھواه.

وما خلقنا السماء والارض وما بينهما باطلا اى عبثا **ذلك** اى خلق ما ذكر لا لشيء **ظن الذين كفروا** من اهل مكة **فويل** واد **للذين كفروا من النار** ﴿٢٧﴾ **ام نجعل الذين امنوا وعملوا الصلحت كالمفسدين في الارض ام نجعل المتقين كالفجار** ﴿٢٨﴾ نزل لما قال كفار مكة للمؤمنين انا نعطى في الاخرة مثل ما تعطون وام بمعنى همزة الانكار **كتب** خبر مبتدا محذوف اى هذا **انزلنه** اليك **مبرك ليدبروا** اصله يتدبروا ادغمت التاء في الدال **ايته** ينظروا في معانيها فيؤمنوا **وليتذكر** يتعظ **اولوا الالباب** ﴿٢٩﴾ اصحاب العقول **ووهبنا لداود سليمان** ابنه **نعم العبد** اى سليمان **انه اواب** ﴿٣٠﴾ رجاع في التسبيح والذكر في جميع الاوقات **اذ عرض عليه بالعشي** هو ما بعد الزوال **الصفنت** الخيل جمع صافنة وهي القائمة على ثلاث واقامة الاخرى على طرف الحافر وهي من صفن يصفن صفونا **الجياد** ﴿٣١﴾ جمع جواد وهو السابق المعنى انها ان استوقفت سكنت وان ركضت سبقت وكانت الف فرس عرضت عليه بعد ان صلى الظهر لارادته الجهاد عليها لعدو فعند بلوغ العرض تسع مائة منها غربت الشمس ولم يكن صلى العصر فاغتم **فقال اني احببت** اى اردت **حب الخير** اى الخيل **عن ذكر ربى** اى صلوة العصر **حتى توارت** اى الشمس **بالحجاب** ﴿٣٢﴾ اى استترت بما يحجبها عن الابصار **ردوها على** اى الخيل المعروضة فردوها **فطفق مسحا** بالسيف **بالسوق** جمع ساق **والاعناق** ﴿٣٣﴾ اى ذبحها وقطع ارجلها تقربا الى الله تعالى حيث اشتغل بها عن الصلوة وتصدق بلحمها فعوضه الله خيرا منها واسرع وهي الريح تجرى بامره كيف شاء **ولقد فتنا سليمن** ابتليناه بسلب ملكه وذلك لتزوجه بامراة هويها وكانت تعبد الصنم في داره من غير علمه وكان ملكه في خاتمه فنزعه مرة عند ارادة الخلاء ووضعه عند امراته المسماة بالامينة على عادته فجاءها جني في صورة سليمان فاخذه منها **والقينا على كرسيه جسدا** هو ذلك الجني وهو صخر او غيره جلس على كرسي سليمان وعكفت عليه الطير وغيرها فخرج سليمان في غير هيئته فراه على كرسيه وقال للناس انا سليمان فانكروه **ثم اناب** ﴿٣٤﴾ رجع سليمان الى ملكه بعد ايام بان وصل الى الخاتم فلبسه وجلس على كرسيه **قال رب اغفر لي وهب لي ملكا لا ينبغي** لا يكون **لاحد من بعدى** اى سواى نحو فمن يهديه من بعد الله اى سوى الله **انك انت الوهاب** ﴿٣٥﴾ **فسخرنا له الريح تجرى بامره رخاء** لينة **حيث**

اصاب. ﴿۳۶﴾ اراد وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ يبني الابنية العجيبة وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ في البحر ليستخرج اللؤلؤ وَّاٰخَرِيْنَ منهم مُقَرَّنِيْنَ مشدودين فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ القيود بجمع ايديهم الى اعناقهم وَقُلْنَا لَهُ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اعط منه من شئت اَوْ اَمْسِكْ عن الاعطاء بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ اي لا حساب عليك في ذلك وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾ تقدم مثله

۳ ع ۱۴ ۱۲

ترجمہ: اور ہم نے آسمان، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کو بے کار (فضول) نہیں پیدا کیا۔ یہ (یعنی ان چیزوں کو خالی از حکمت پیدا کرنا) کفار (مکہ) کا گمان ہے۔ سو کافروں کے لئے بڑی خرابی ہے (یعنی جہنم کی تباہی یا وادی) ہاں تو کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے، اچھے کام کئے، ان لوگوں کے برابر کردیں گے جو دنیا میں فساد کرتے پھرتے ہیں یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر کردیں گے۔ (یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب مکہ کے کافر مسلمانوں سے کہنے لگے کہ آخرت میں ہمیں بھی تم جیسا بدلہ ملے گا۔ یہاں ام بمعنی ہمزۂ انکار ہے) یہ ایک بابرکت کتاب ہے (خبر ہے مبتدا محذوف کی یعنی ھذا) جس کو آپ پر اس لئے نازل کیا ہے کہ لوگ غور کریں (اس کی اصل یتدبروا تھی تا کو دال میں ادغام کردیا گیا ہے) اس کی آیتوں میں اور نصیحت (موعظت) حاصل کریں۔ دانشور (عقلمند) اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا (بیٹا) بہت اچھے بندے تھے (سلیمان) یقیناً بہت رجوع کرنے والے تھے (ہروقت تسبیح وذکر میں مصروف رہتے) جب شام کے وقت (زوال کے بعد) ان کے روبرو اصیل گھوڑے (صافنات جمع ہے صافن کی جو گھوڑا تین ٹانگوں پر کھڑا ہو اور چوتھی ٹانگ کا کھر زمین پر رکھ لے۔ صفن یصفن صفونا سے ماخوذ ہے) عمدہ (جیاد جید کی جمع ہے، تیز رو گھوڑا یعنی ان گھوڑوں کو ٹھہرایا جائے تو ٹھہر جاتے تھے اور اگر ایڑ لگائی جائے تو سب سے آگے نکل جاتے تھے۔ ہزار گھوڑے تھے جو ظہر کے بعد ان کے معائنہ کے لئے) پیش ہوئے۔ دشمن سے جہاد کی تیاری کے سلسلے میں۔ نوسو گھوڑے معائنہ ہونے پر سورج غروب ہوگیا۔ حضرت سلیمانؑ نے نماز عصر نہیں پڑھی تھی۔ اس لئے غمگین ہوئے تو کہنے لگے کہ میں (گھوڑوں) کی محبت میں اپنے پروردگار کی یاد سے غافل ہوگیا۔ (یعنی نماز عصر رہ گئی) یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا (روپوش ہونے کی وجہ سے دکھائی نہیں دیتا تھا) کہ ان کو پھر پیش کرو (معائنہ کئے ہوئے گھوڑے دوبارہ لاؤ) چنانچہ انہوں نے گھوڑوں کی ٹانگوں (سوق جمع ساق کی ہے) اور گردنوں کو تلوار سے اڑانا شروع کردیا۔ (یعنی گھوڑوں کو اللہ کی راہ میں قربان کردیا اور ان کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ کیونکہ انہیں کے معائنہ کی وجہ سے نماز عصر چھوٹ گئی تھی اور ان قربانیوں کو خیرات کرڈالا۔ جس کے انعام میں اللہ نے ان کو ان سے بہتر اور تیز رفتار ہوا کو مسخر فرمادیا جو ان کے حکم کے مطابق جہاں چاہتے لے جاتی) اور ہم نے سلیمانؑ کو آزمائش میں ڈال (ان کی سلطنت چھین کر ان کا امتحان لیا) گیا جس کی صورت یہ ہوئی کہ کسی عورت پر فریفتہ ہوکر انہوں نے شادی کرلی اور وہ ان سے چھپ کر بت پرستی کرتی رہی۔ ادھر ان کی سلطنت کی تسخیر میں ان کی انگوٹھی کو دخل تھا۔ ایک دفعہ اس کو اتار کر حضرت سلیمانؑ بیت الخلا تشریف لے گئے اور انگشتری حسب عادت اپنی بیوی کے پاس رکھ دی۔ ایک جن حضرت سلیمانؑ کے حلیہ میں آ کر انگوٹھی مانگ لے گیا) اور ہم نے ان کے تخت پر ایک دھڑ لا ڈالا (یعنی انگشتری لے جانے والا جن یا کوئی دوسرا جن سلیمانؑ کی جگہ تخت نشین ہوگیا۔ چنانچہ پرندہ وغیرہ سب چیزیں اس کے سامنے حاضر ہوئیں۔ اب جو سلیمانؑ نے غیر شاہی لباس میں آ کر اس کو تخت نشین دیکھا اور لوگوں سے کہا کہ سلیمان تو میں ہوں تو کسی نے نہیں مانا) پھر انہوں نے رجوع کیا (یعنی چھ روز بعد سلیمانؑ کی سلطنت پر واپس آ گئے۔ انگوٹھی ان کو پھر مل گئی اور وہ تخت نشین ہوگئے) دعا مانگی اے میرے پروردگار! میرا قصور معاف فرما اور مجھے ایسی سلطنت عنایت فرما جو میرے علاوہ کسی کو میسر نہ ہو۔ (بعدی سے مراد میرے سوائے

ہے جیسے دوسری آیت یھدیہ من بعد اللہ میں بعد اللہ سے مراد سوی اللہ ہے) بے شک آپ بڑے دانا ہیں سو ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا کہ وہ ان کے حکم سے جہاں وہ چاہتے (ارادہ کرتے) نرمی (سہولت) سے چلتی اور جنات کو بھی ان کے تابع کر دیا۔ یعنی تمام تعمیر کرنے والے (عجیب وغریب عمارتیں بنانے والوں) اور غوطہ خوروں کو بھی (جو سمندر سے موتی نکال لاتے تھے) اور دوسرے جنات کو بھی (جس میں سے کچھ تو) زنجیروں سے بندھے (جکڑے) رہتے تھے (ہاتھ گردنوں میں جوڑ دیئے جاتے تھے اور ہم نے ان سے کہا) یہ ہمارا عطیہ ہے سو اس میں سے کسی کو دیجئے (بخشش کیجئے) یا نہ دیجئے (بخشش نہ کیجئے) تم سے کچھ دار و گیر نہیں (یعنی اس بارے میں تم سے کچھ باز پرس نہیں ہے) اور ان کے لئے ہمارے یہاں مرتبہ اور خوش انجامی ہے (پہلے یہ لفظ آ چکے ہیں)۔

تحقیق وترکیب: ...... **باطلا** . مصدر محذوف کی صفت ہے۔ یہ حال ہے ضمیر سے ای **ما خلقنا خلقا باطلا** اور ضمیر فاعل سے حال ہے اور مفعول لہ بھی ہو سکتا ہے۔

ذٰلک اشارہ مظنون مذکور کی طرف ہے۔ کفار اگرچہ اللہ کو خالق اکبر مانتے تھے، مگر قیامت کے منکر تھے اور جزائے اعمال ہی چونکہ خلق عالم کی حکمت ہے اس لئے جزاء کا منکر گویا حکمت خلق کا منکر ہے اور حکمت خلق کے انکار سے عالم کی تخلیق کا عبث اور بیکار ہونا لازم آتا ہے۔ اسی پر رد فرمایا جائے گا۔ پس اب یہ شبہ نہیں رہا کہ کفار اللہ کو مانتے تھے۔ پھر کیسے ان کو منکر حکمت خالق کہا گیا۔

لیدبروا . اس میں ضمیر سے مراد اولو الالباب ہے۔ اس تنازع میں ثانی کو عمل دیا گیا ہے۔

ووھبنا لداؤد . ستر سال کی عمر میں اوریا بیوی سے سلیمان علیہ السلام پیدا ہوئے۔

صافنات گھوڑے میں اس طرح کھڑے ہونے کی ہیئت بہترین ہونے کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ **صافنات** جمع مؤنث ہے اور تانیث بلحاظ اسم جنس یا جماعت کی صفت ہونے کے اعتبار سے ہے اور مؤنث کی مذکر پر تغلیب بھی ہو سکتی ہے یا صافن کی جمع ہو اور الف تا کے ساتھ جمع غیر ذوی العقول ہونے کی وجہ سے ہے۔ یہ گھوڑے یہ جنگ دمشق یا نصیبین میں مال غنیمت کے طور پر حاصل ہوئے تھے یا بطور صدقہ سے بطور میراث ان کے والد کی طرف سے ملے تھے۔ انہوں نے بیت المال میں ان کو داخل کر دیا اور بعض نے دریائی گھوڑے مانے ہیں جن کے پر بھی موجود تھے۔

حب الخیر . یہ احببت کا مفعول ہے۔ احببت **بمعنی اثرت** اور عن **بمعنی علی** ہے۔ نیز مصدر بھی ہو سکتا ہے۔ زوائد حذف کر کے۔ اس میں احببت ناصب ہوگا۔ اور مصدر تشبیہی بھی ہو سکتا ہے۔ **ای حبا مثل حب الخیر** اور چوتھی صورت یہ ہے کہ احببت بمعنی اثبت کو متضمن ہو۔ اسی لئے **عن** کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے۔ پانچویں احببت **بمعنی لزمت** ہو۔ چوتھے یہ مفعول لہ کہا جائے۔ جیسا کہ ترجمہ میں ظاہر کیا گیا ہے۔ حدیث میں بھی خیل کو خیر فرمایا گیا ہے۔ **الخیل معقود بنواصیھا الخیر**.

توارت ضمیر کا مرجع اگرچہ مذکور نہیں۔ لیکن لفظ **عشی** یا **صافنات** دلالت کر رہے ہیں۔

ردوھا ضمیر **خیل** کی طرف راجع ہے اور بعض نے شمس کی طرف لوٹائی ہے۔ مگر پہلی بات جمہور کی اور مشہور ہے، کیونکہ حضرت یوشعؑ اور حضرت علیؓ کی طرح آفتاب کی رجعت قہقری حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ثابت نہیں ہے۔

مسحا . ابن عباس، قتادہ، مقاتل، حسنؒ اور اکثر کے نزدیک مسح کنایہ ہے۔ ذبح اور قطع سے اس زمانہ میں گھوڑوں کی قربانی صحیح تھی۔ اس لئے امام اعظمؒ کے خلاف حجت نہیں ہو سکتی۔ دوسرے امام رازیؒ یہ فرماتے ہیں کہ نہ گھوڑوں کو قربان کیا اور نہ ان کی کونچیں کاٹیں۔ نہ نماز عصر ناغہ ہوئی بلکہ مسح سے مراد ان گھوڑوں کو ہاتھ سے چھو کر دیکھ بھال کرنا ہے۔ حضرت سلیمانؑ گھوڑوں کے ماہر تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سلطنت کے تقاضہ سے فوجی گھوڑوں کی پرکھ کا کام خود کرتے تھے، جو ان کی دلچسپی، بیدار مغزی اور تواضع کی دلیل ہے۔

فتنا سلیمان جس عورت کا ذکر مفسرؒ نے فرمایا ہے، کہا جاتا ہے کہ اس کے باپ کا انتقال ہوا تو اس کو بے حد رنج ہوا۔ حضرت سلیمانؑ نے جنات کو حکم دیا، انہوں نے باپ کی ایک شبیہ تیار کردی جس سے عورت کو سکون ہوگیا۔ عورت نے اپنے کپڑے شبیہ کو پہنا دیئے۔ سلیمان علیہ السلام جب کہیں چلے جاتے تو صبح شام برابر اظہار عقیدت کے لئے اس کے آگے جھکتی رہی ہوگی۔ پہلے کفار سے بھی شادی بیاہ کی اجازت تھی۔ ادھر سلیمانی انگشتری کی تاثیر سے جنات وغیرہ مسخر رہتے تھے۔ یہ جنتی انگشتری حضرت آدمؑ سے ان کو پہنچی تھی۔ صخر نامی جن نے آکر بی بی امینہ سے دھوکہ دے کر انگشتری حاصل کرلی۔ ایک چلہ ان کی بیوی چونکہ بت پرستی کرتی رہی اس لئے اتنی ہی مدت حضرت سلیمان علیہ السلام کو ابتلاء رہا۔

اس کے بعد جن بھاگ کھڑا ہوا اور انگشتری سلیمانؑ کو واپس مل گئی اور پہلے انقلاب کے بعد دوسرا انقلاب آیا کہ حضرت سلیمانؑ کے اختیارات پھر بحال ہوگئے۔

لیکن حسنؒ، وہبؒ بن منبہ کی اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ جن کو اللہ نے ان کی بیوی پر مسلط کردیا۔ اسی طرح مجاہدؒ وغیرہ بھی حسنؒ کی تائید کرتے ہیں۔ علامہ زمخشریؒ اس سارے افسانے ہی کو یہودی خرافات اور حافظ ابن کثیرؒ اسرائیلیات کہتے ہیں۔ اسی طرح قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ انبیاء ان واہیات باتوں سے پاک ہوتے ہیں۔ محققین اس سلسلہ میں صحیحین کی حدیث ابوہریرہؓ پیش کرتے ہیں۔ اس سے یہ آیات بلاتکلف حل ہوجاتی ہے۔

لاینبغی لاحد یا تو منشاء یہ ہے کہ وہ سلطنت میرے لئے معجزہ ہو یا یہ مطلب ہے کہ میری زندگی میں پھر کبھی انقلاب حکومت کا یہ واقعہ دہرایا نہ جائے اور دعا سے پہلے استغفار بطور وسیلہ کے کیا۔ اس سے استغفار کی اہمیت بھی معلوم ہوتی ہے۔ حضرت سلیمانؑ کے اس جذبہ کو حسد یا منافرت یا بخل پر محمول نہ کیا جائے بلکہ اس زمانہ کے جابر سلاطین کے مقابلہ میں ایسے ہی معجزہ کی فرمائش مناسب تھی۔

رخاء حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے یہ راحت افزا تھی۔ اگرچہ دوسروں کے حق میں تیز و تند ثابت ہوئی جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔ ولسلیمان الریح عاصفة یانی نفسہ ہوا تو سخت تھی مگر سلیمانؑ کے لئے نرم رہتی۔ یہ دونوں صورتیں نرم و تیز، یہ ان کے ارادہ کے تحت ہوتی تھی۔ یہ رخاء سے مراد یہ ہے کہ ہوا حضرت سلیمانؑ کے زیر فرمان رہتی۔ حکم عدولی نہیں کرسکتی تھی۔

اصاب یہاں چونکہ فعل صواب مراد نہیں۔ اس لئے بمعنی اراد ہے۔ جیسے اصاب الصواب فاخطاء والجواب ای ارادالصواب فاخطاء.

اخرین. اس کا عطف کل پر ہے۔ یعنی جنات دو طرح کے تھے۔ کارگزار اور سرکش۔

الاصفاد چونکہ ہاتھ گردن کے ساتھ بندھنا مراد ہے، اس لئے قید کے لفظ سے تفسیر مناسب نہیں، بلکہ طوق و اغلال سے مناسب ہے۔ اگرچہ لفظ صفد میں دونوں کی گنجائش ہے۔

بغیر حساب اس میں تین صورتیں ہیں۔ یا عطاء نا کے متعلق ہے۔ ای اعطیناک بغیر حساب مراد کثرت عطاء ہے اور یا عطاء نا سے حال ہے ای فی حال کونہ غیر محاسب علیہ یعنی بے شمار اور یا "امنن اور امسک" کے متعلق ہے اور ان کے فاعل سے حال بھی ہوسکتا ہے۔

ربط آیات: حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ سے پہلے توحید، رسالت، بعث تین مضامین کا بیان تھا۔

آیت وماخلقنا الخ سے انہی مضامین کو پھر دہرایا جا رہا ہے۔ اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت

سلیمان کے حالات ذکر ہیں۔

شان نزول: شیخین نے حضرت ابو ہریرہؓ سے حدیث نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمانؑ اپنے فوجی افسروں پر کسی جہادی کوتاہی کے سلسلہ میں ناراض ہوئے اور دل میں کہا میں ستر بیویوں سے آج ہمبستر ہوں گا۔ جن سے مجاہدین پیدا ہوں گے۔ وہ وہ منشاء کے مطابق کام کریں گے اور ان کمانڈروں کے نخروں سے بچ جاؤں گا اور یہ کہتے وقت انشاء اللہ نہیں کہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صرف ایک بیوی کے بچہ ہوا اور وہ بھی ناقص الخلقت۔

تشریح: آیت وما خلقنا الخ میں یہ بات بتلائی جا رہی ہے کہ جس کام کا کوئی نتیجہ نہ ہو، وہ کام بے کار ہے۔ اسی طرح دنیا کا نتیجہ آخرت ہے۔ کفار ومشرکین جو قیامت کا انکار کرتے ہیں اس سے تو اس کارخانہ کا فضول ہونا لازم آتا ہے جو ظاہر ہے کہ غلط ہے بلکہ دنیا، آخرت کی کھیتی ہے۔ یہاں رہ کر آخرت کے کام کرنے چاہئیں۔ یعنی نفسانی خواہشات چھوڑ کر فکر آخرت ہونی چاہئے۔ خالق ومخلوق دونوں سے اپنا معاملہ ٹھیک رکھنا چاہئے۔ یہ نہ سمجھے کہ بس جو کچھ ہے دنیا کی زندگانی ہے، جو کھا پی کر ختم کر دی جائے گی۔ آگے حساب کتاب کچھ نہیں۔

یہ تو کفار کا نظریہ ہے۔ جن کے لئے آگ تیار ہے۔ ہمارے انصاف وحکمت کا تقاضا ہے کہ نیک ایماندار بندوں کو شریروں اور مفسدوں کے یاڈرنے والوں اور نڈر کو برابر نہ رہنے دیں۔ دونوں میں فرق کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جزاء وسزا کے حساب کتاب کا کوئی وقت ہو۔ دنیا میں تو ایسا ہوتا ہے کہ بہت سے نیک مبتلائے آلام اور بدکار راحت وآرام میں رہتے ہیں۔ لیکن مخبر صادق نے یہ خبر دی ہے کہ یہ فرق آخرت میں بدلنا چاہئے۔ اس لئے بدلے گا۔ یہی حکمت ہے۔

آخرت کی حکمت واجبِ عقلی ہے یا واجب نقلی؟: پس جس طرح توحید حکمت ہے، اسی طرح قیامت بھی حکمت ہے۔ ان کے انکار سے حکمت الٰہی کا انکار لازم آتا ہے۔ معتزلہ تو اس حکمت کو واجب عقلی کہتے ہیں۔ مگر اہل سنت اس کا وجوب نقلی مانتے ہیں۔ یعنی سچے پیغمبروں کے فرمانے کو بھی اس ضروری ہونے میں شامل کیا جائے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس نقل کی صحت عقلی ہے۔

رہا یہ شبہ کہ قیامت کا واقع نہ ہونا خلاف حکمت ہونے کی وجہ سے جب محال ہے تو یہی وجوب عقلی ہے؟ جواب یہ ہے کہ خود یہ حکمت ہی واجب الوقوع نہیں ہے بلکہ جائز الوقوع ہے۔ چنانچہ اگر قیامت اللہ کی مرضی سے واقع نہ ہوتی تو اس وقت واقع نہ ہونے میں حکمت ہوتی۔ پس چونکہ جائز الوقوع کی خبر سچے پیغمبروں کے ذریعے اور قطعی دلائل سے معلوم ہو گئی۔ اس لئے اس کا ماننا ایمان اور نہ ماننا کفر ہے۔ خوب سمجھ لینا چاہئے تاکہ صاحب کشافؒ کی طرح نزع اعتزال میں ابتلاء نہ ہو جائے۔

البتہ مشہور تفسیر کی رو سے اگر آیت وما خلقنا السماء کے بیان کو حکمت قیامت پر محمول کیا جائے تو اس کی تقریر اس طرح ہوگی کہ ہم نے اس جہان کو بے حکمت پیدا نہیں کیا بلکہ حکمت سے بنایا اور منجملہ حکمت کے یہ ہے کہ لوگ اس سے نفع اٹھائیں اور پھر شکر و اطاعت بجا لائیں۔ تاکہ وعدہ کے مطابق آخرت میں فرمانبرداروں کو پائیدار ثمرہ ملے اور نافرمانوں کو عذاب بھگتنا پڑے۔

معجزات کا انکار کفر کیوں ہے؟: اور ذلک ظن الذین کفروا میں معجزات اور قیامت کے ثواب عذاب نہ ماننے کو کفر اس لئے فرمایا کہ اس میں شریعت سے ثابت شدہ ایک حقیقت کا انکار لازم آتا ہے۔ بہرحال عقلاً تو اس حکمت کا وقوع ہونا ممکن ہے، لیکن شرعی دلائل سے اس کا ماننا نقلاً واجب ہے اور دوسری آیت میں عنوان کی تبدیلی ممکن ہے اس لئے کر دی گئی ہو کہ پہلے عنوان میں کفر

مومنین کے ایمان کو ایمان اور اپنے فساد کو فساد ہی نہیں سمجھتے تھے۔ برخلاف دوسرے عنوان کے وہ واضح ہے کیونکہ بہت سی برائیاں عقل سے معلوم ہو جاتی ہیں اور کفار مسلمانوں کا ان سے بچنا اور خود مبتلا ہونا دیکھتے بھی تھے اور سمجھتے بھی تھے۔

تدبر سے قوت علمیہ اور تذکر سے قوت عملیہ کی طرف ممکن ہے اشارہ ہو۔

آگے پھر وہی انبیاء کے واقعات کا سلسلہ شروع کر دیا کہ حضرت سلیمانؑ کے معائنہ کے لئے شائستہ اصیل فوجی گھوڑے پیش ہوئے۔ ان کی جانچ پڑتال میں ایسے لگے کہ دن چھپ گیا اور اسی دن میں ان کی نماز یا وظیفہ رہ گیا۔ مگر جس طرح اللہ کی یاد دین ہے اسی طرح جہادی کام کی مصروفیت بھی تعمیل حکم کی وجہ سے عملاً یاد الٰہی اور دین ہے۔ اسی جوش جہاد اور فرط حمیت میں فرمایا کہ گھوڑے پھر واپس لاؤ۔ واپس لائے گئے تو حضرت سلیمانؑ پیار و محبت سے ان پر ہاتھ پھیرنے لگے، اور ان کی ٹانگیں صاف کرنے لگے۔ جیسا کہ حدیث میں جہادی گھوڑوں کی خیر و برکت بیان فرمائی ہے۔ **الخيل معقود في بنو اصيه الخير الى يوم القيمة** اور یہاں بھی حب الخیر ارشاد فرمایا گیا ہے۔

امام رازیؒ کی رائے عالی ... لیکن امام رازیؒ کی اس تفسیر کے علاوہ دوسرے علماء نے اس کا مطلب یہ بیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ سے وظیفہ یا نماز کا ذہول ہو گیا تو انہوں نے اپنی عالی ہمتی اور عالی ظرفی سے اس کو اپنی کوتاہی شمار کرتے ہوئے ان گھوڑوں ہی کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیا۔ تاکہ فی الجملہ کچھ تلافی اور کفارہ ہو جائے۔

اور گھوڑوں کی قربانی ان کی شریعت میں جائز ہوگی اور ان کے پاس گھوڑے وغیرہ جہادی ساز و سامان اتنا ہوگا کہ ان گھوڑوں کی قربانی سے اس مقصد کو نقصان نہیں پہنچا ہوگا۔ کیونکہ **فطفق مسحاً** سے یہ بھی تو لازم نہیں آتا کہ سب گھوڑے ذبح ہی کر دیئے ہوں، محض اس کا شروع کرنا معلوم ہوا۔

جس نماز کے چھوٹ جانے کا یہاں ذکر ہوا، اگر وہ نفل تھی تب تو کوئی اشکال ہی نہیں۔ تاہم پیغمبرانہ عظمت شایان پر یہ بات کچھ گراں گزری۔ جس کا تدارک حضرت سلیمانؑ نے قربانی سے کیا اور اسی کو اللہ کی راہ میں پیش کر دیا۔ جو اس کی اطاعت میں رکاوٹ بنی تھی اور فرض نماز میں بھی تو ذہول ونسیان معصیت نہیں اور چونکہ قربانی تھی اس لئے اضاعت مال نہیں کہا جا سکتا۔

اسلام میں اگرچہ زندہ جانوروں کی کونچیں کاٹ ڈالنا جائز نہیں، لیکن یہاں اول تو یہ ضروری نہیں کہ زندہ گھوڑوں کے ساتھ انہوں نے یہ برتاؤ کیا ہو۔ ممکن ہے قربانی کے بعد جیسے جانوروں کے ہاتھ پاؤں الگ کئے جاتے ہیں اسی طرح یہاں ہوا ہو۔ چونکہ گھوڑوں کا اصل نفع چلنا پاؤں سے متعلق ہے۔ اس لئے بالتخصیص اس کو ذکر کر دیا یا ان کی شریعت میں جانوروں کی قربانی اس طرح بھی جائز ہوگی کہ ذبح کرتے وقت ٹانگیں ساتھ ساتھ کاٹ دی جائیں یا غلبہ جذبہ میں انہوں نے یہ کیا ہو۔

حضرت سلیمانؑ کی آزمائش: ... **ولقد فتنا سليمان** میں جس آزمائش کا ذکر ہے وہ وہی واقعہ ہے جو حدیث صحیحین میں آیا ہے کہ ستر یا سو بیویوں سے ہمبستر ہو کر مجاہدین کے پیدا ہونے کی خواہش کا اظہار کیا۔ مگر زبان سے انشاء اللہ نہیں کہا۔ دل میں کہہ لیا ہوگا۔ مگر آداب نبوت سے اس کو بعید سمجھا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صرف ایک بیوی کے بچہ ہوا اور وہ بھی ناقص۔ جس کو **جسداً** سے تعبیر کیا گیا۔ مگر جب تنبہ اور احساس ہوا تو فوراً عاجزی وزاری شروع کر دی اور استغفار کیا۔

یہاں بھی بہت سے بے سروپا قصے کتب تفسیر میں لکھے گئے ہیں۔ جیسا کہ خود مفسر بھی ان کو لے رہے ہیں مگر محققین نے ان کو قبول نہیں کیا۔ کیونکہ عصمت انبیاءؑ نصوص قطعیہ اور اجماع سے ثابت شدہ ایک حقیقت ہے۔ پس محض بعض روایات سے اور وہ بھی

اسرائیلیات، یہ حقیقت متاثر نہیں ہوگی بلکہ قطعی چیز جوڑ دینے کی بجائے غیر معتبر روایات ہی کو نظر انداز کر دیا جائے گا اور جن حضرات نے ان روایتوں کو لیا ہے وہ بھی مناسب تاویلات کے ساتھ تاکہ حقیقت ثابتہ محفوظ رہے اور پھر جب ان سب انبیاء نے اپنی زلات کے بعد توبہ و استغفار کرلی اور ہر ایک کی معافی کا اعلان بھی ہو گیا تو اب معصیت کے صرف اس پہلو پر بحث رہ گئی کہ انبیاء سے گناہ کا صدور بھی ہوسکتا ہے یا نہیں؟ انشاء اللہ خاتمہ سورت میں اس پر کلام آرہا ہے۔

هب لی ملکا. حاصل دعا یہ ہے کہ بے نظیر سلطنت مجھے عنایت فرما کسی دوسرے میں اس کے سنبھالنے کی اہلیت ہی نہ ہو یا اس میں اتنا حوصلہ ہی نہ ہو کہ مجھ سے چھین سکے۔ سلیمان علیہ السلام چونکہ بادشاہ ہونے کے ساتھ نبی بھی تھے اس لئے سلطنت میں بھی اعجازی سلطنت کے طالب ہوئے۔ پھر چونکہ وہ زمانہ اور اس زمانہ کا مذاق اظہار شوکت وحشمت تھا اور ہر زمانہ کا معجزہ وقتی حالات کی مناسبت سے ہوا کرتا ہے۔ اس لئے اس اللہ نے ان کا تفوق اسی حیثیت سے ظاہر فرمایا۔ البتہ دیندار ہونے کی وجہ سے انہوں نے اس تفوق کو دین کی بالادستی کا ذریعہ بنایا۔

ہوا کی طرح جنات بھی حضرت سلیمانؑ کے لئے مسخر کئے گئے تھے اور وہ مختلف عظیم خدمات پر مامور تھے جو سرتابی کرتا وہ سزا یاب ہوتا۔ جنات چونکہ لطیف ہوتے ہیں اس لئے ان کی قید و بند بھی لطیف ہی لطیف ہوتی ہوگی۔ جیسے اب بھی عملیات کے ذریعہ ان کی گرفتاری سنی جاتی ہے۔

بغیر حساب. اللہ نے حضرت سلیمانؑ کو سب کچھ دیا اور بے روک ٹوک۔ مگر پھر بھی اپنے والد حضرت داؤدؑ کی طرح زرہ بنانے میں ان کے ساتھ شریک ہوں گے یا ٹوکرے بنا کر مزدوری کر کے روزی کماتے تھے۔

لطائف سلوک: جنہوں نے وحدت الوجود کی یہ غلط تعبیر کی ہے کہ خالق اور مخلوق دونوں ایک ہیں۔ وہ آیت **وما خلقنا السماء الخ** سے غلط طور پر استدلال کرتے ہیں۔ اس طرح کہ اس آیت کے ساتھ ایک تقریر حدیث کا مضمون ملا کر یوں کہتے ہیں۔ **الا کل شیء ما خلا اللّٰہ باطل. وما خلقنا السماء والارض وما بینھما باطلا.** یعنی حدیث سے معلوم ہوا کہ باطل کے معنی ماسوی اللہ اور آیت سے معلوم ہوا کہ مخلوق باطل نہیں ہے تو مجموعہ سے یہ نکلا کہ مخلوق ماسوی اللہ نہیں۔ حالانکہ یہ استدلال محض غلط ہے۔ کیونکہ قرآن میں باطل کے معنی بے فائدہ اور حدیث میں آنا ناپائیدار کے ہیں۔ پس جب دونوں جگہ باطل کے معنی ایک نہیں، پھر یہ حد اوسط کیسا؟ اور نتیجہ کہاں نکلا؟ بلکہ معنی یہ ہوئے کہ مخلوق ناپائیدار ہے مگر بے فائدہ نہیں ہے پس کیا جوڑ ہوا؟

آیت **اذ عرض علیه الخ** میں کئی باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ آرام کے سامان کا استعمال جائز ہے۔ خاص کر جبکہ اس میں دینی مصلحت بھی ہو۔ دوسرے یہ کہ خاص لوگوں سے مستحبات کا ذہول ممکن ہے۔ اگرچہ وہ مستحب ان کی شان عالی کے پیش نظر مؤکد تر ہو۔ تیسرے ایسے ذہول اور بہت معمولی کوتاہی پر اس چیز کو اپنے پاس ہی نہ رہنے دے۔ جس کی وجہ سے یہ ذہول ہوا۔ اصطلاح میں اس کو غیرت کہتے ہیں۔

رب هب لی سلطنت خود مقصود نہیں بلکہ تقرب الی اللہ اور لوگوں کی تکمیل کا ذریعہ ہونے کی حیثیت سے مطلوب ہے اور اچھا یہ ہے کہ احد اسے مراد اہل دنیا ہوں۔ چونکہ ایسی سلطنت وشوکت اہل دنیا کے لئے مضر ہوتی ہے اس لئے شفقت کی۔ یہ سے اہل دنیا کو مستثنیٰ کر دیا۔

پس جس طرح آیت سے یہ معلوم ہوا کہ جاہ و کمال دونوں جمع ہو سکتے ہیں اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک چیز ناقص کو مضر ہوتی ہے مگر کامل کو مضر نہیں ہوتی۔

فسخرنا له الريح یہ ایک خاص شان کی تسخیر تھی جو حضرت سلیمانؑ کے ساتھ مخصوص اور ان کا معجزہ تھی۔ ورنہ تسخیر تو اوروں کو بھی حاصل ہوسکتی ہے۔ اس لئے اب یہ شبہ نہیں رہا کہ بعض دفعہ اہل اللہ پر بھی عاملوں کی تسخیر چل جاتی ہے۔ کیونکہ حضرت سلیمانؑ کی تسخیر خاص شان کی تھی۔

هذا عطاؤنا یعنی ہر طرح تمہیں تصرف کی اجازت رہے گی۔ نہ خرچ کرنے پر حساب ہوگا اور نہ رکھنے پر۔ جس میں حکمت یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام کا دل مبتلائے تشویش نہ رہے اور دنیا کے اسباب میں اصل نقصان یہ تشویش ہی ہوتی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ بڑا سرمایہ سالک کا دل کی جمعیت اور سکون خاطر ہے۔ چنانچہ صوفیاء اس کا خاص اہتمام رکھتے ہیں۔

وقف لازم

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ اَیْ بِاَنِّیْ **مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ** بِضُرٍّ **وَّعَذَابٍ** ﴿۴۱﴾ اَلَمٍ وَنَسَبَ ذٰلِكَ اِلَی الشَّیْطَانِ وَاِنْ كَانَتِ الْاَشْیَاءُ كُلُّهَا مِنَ اللّٰهِ تَاَدُّبًا مَعَهٗ تَعَالٰی وَقِیْلَ لَهٗ **اُرْكُضْ** اِضْرِبْ **بِرِجْلِكَ** الْاَرْضَ فَضَرَبَ فَنَبَعَتْ عَيْنُ مَاءٍ فَقِيْلَ **هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ** اَیْ مَایُغْتَسَلُ بِهٖ **بَارِدٌ وَّشَرَابٌ** ﴿۴۲﴾ تَشْرَبُ مِنْهُ فَاغْتَسَلَ وَشَرِبَ فَذَهَبَ عَنْهُ كُلُّ دَاءٍ كَانَ بِظَاهِرِهٖ وَبَاطِنِهٖ **وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ** اَیْ اَحْيَی اللّٰهُ لَهٗ مَنْ مَاتَ مِنْ اَوْلَادِهٖ وَرَزَقَهٗ مِثْلَهُمْ **رَحْمَةً** نِعْمَةً **مِّنَّا وَذِكْرٰى** عِظَةً **لِاُولِى الْاَلْبَابِ** ﴿۴۳﴾ لِاَصْحَابِ الْعُقُوْلِ **وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا** هُوَ حُزْمَةٌ مِنْ حَشِيْشٍ اَوْ قُضْبَانٍ **فَاضْرِبْ بِّهٖ** زَوْجَتَكَ وَقَدْ كَانَ حَلَفَ لَيَضْرِبَنَّهَا مِائَةَ ضَرْبَةٍ لِاِبْطَائِهَا عَلَيْهِ يَوْمًا **وَلَا تَحْنَثْ** بِتَرْكِ ضَرْبِهَا فَاَخَذَ مِائَةَ عُوْدٍ مِنَ الْاِذْخِرِ اَوْ غَيْرِهٖ فَضَرَبَهَا بِهٖ ضَرْبَةً وَاحِدَةً **اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ** اَيُّوْبُ **اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ** ﴿۴۴﴾ رَجَّاعٌ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی **وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ** اَصْحَابِ الْقُوٰى فِی الْعِبَادَةِ **وَالْاَبْصَارِ** ﴿۴۵﴾ اَلْبَصَائِرِ فِی الدِّيْنِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ عَبْدَنَا وَاِبْرَاهِيْمَ بَيَانٌ لَهٗ وَمَا بَعْدَهٗ عَطْفٌ عَلٰى عَبْدَنَا **اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ** هِیَ **ذِكْرَى الدَّارِ** ﴿۴۶﴾ الْاٰخِرَةِ اَیْ ذِكْرُهَا وَالْعَمَلُ لَهَا وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالْاِضَافَةِ وَهِیَ لِلْبَيَانِ **وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ** الْمُخْتَارِيْنَ **الْاَخْيَارِ** ﴿۴۷﴾ جَمْعُ خَيِّرٍ بِالتَّشْدِيْدِ **وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ** هُوَ نَبِيٌّ وَاللَّامُ زَائِدَةٌ **وَذَا الْكِفْلِ ؕ** اُخْتُلِفَ فِیْ نُبُوَّتِهٖ قِيْلَ كَفَلَ مِائَةَ نَبِیٍّ فَرُّوْا اِلَيْهِ مِنَ الْقَتْلِ **وَكُلٌّ** اَیْ كُلُّهُمْ **مِّنَ الْاَخْيَارِ** ﴿۴۸﴾ جَمْعُ خَيْرٍ بِالتَّثْقِيْلِ **هٰذَا ذِكْرٌ ؕ** لَهُمْ بِالثَّنَاءِ الْجَمِيْلِ هُنَا **وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ** الشَّامِلِيْنَ لَهُمْ **لَحُسْنَ مَاٰبٍ** ﴿۴۹﴾ مَرْجِعٍ فِی الْاٰخِرَةِ **جَنّٰتِ عَدْنٍ** بَدَلٌ اَوْ عَطْفُ بَيَانٍ لِحُسْنَ مَاٰبٍ **مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ** ﴿۵۰﴾ مِنْهَا **مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا** عَلَی الْاَرَائِكِ **يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ** ﴿۵۱﴾ **وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ** حَابِسَاتُ الْعَيْنِ عَلٰى اَزْوَاجِهِنَّ **اَتْرَابٌ** ﴿۵۲﴾ اَسْنَانُهُنَّ وَاحِدَةٌ وَهُنَّ بَنَاتُ ثَلَاثٍ وَثَلَاثِيْنَ سَنَةً جَمْعُ تِرْبٍ **هٰذَا** الْمَذْكُوْرُ **مَا تُوْعَدُوْنَ** بِالْغَيْبَةِ

وبالحصاب التفاتًا **لِيَوْمِ الْحِسَابِ** ﴿۵۳﴾ ای لاجلہ **اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَالَهٗ مِنْ نَّفَادٍ** ﴿۵۴﴾ ای انقطاعٍ والجملۃ حالٌ مِن رِزقنا او خبرٌ ثانٍ لِاَنَّ ای دائمًا او دائمٌ **هٰذَا** المذکورُ لِلمؤمنینَ **وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ** مستانف **لَشَرَّ مَاٰبٍ** ﴿۵۵﴾ **جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا** یدخلونہا **فَبِئْسَ الْمِهَادُ** ﴿۵۶﴾ الفراشُ **هٰذَا** ای العذابُ المفہومُ مِمّا بعدہٗ **فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ** ای ماءٌ حارٌّ مُحرقٌ **وَّغَسَّاقٌ** ﴿۵۷﴾ بالتخفیفِ والتشدیدِ ماسیلُ مِن صدیدِ اہلِ النارِ **وَّاٰخَرُ** بالجمعِ والافرادِ **مِنْ شَكْلِهٖ** ای مِثلُ المذکورِ مِن الحمیمِ والغسّاقِ **اَزْوَاجٌ** ﴿۵۸﴾ اصنافٌ ای عذابُہم مِن انواعٍ مُختلفۃٍ ویُقالُ لَہُم عِندَ دُخولِہِمُ النّارَ باَتباعِہِم **هٰذَا فَوْجٌ** جمعٌ **مُّقْتَحِمٌ** داخلٌ **مَّعَكُمْ** النّارَ بشدّۃٍ فیقولُ المتبوعونَ **لَا مَرْحَبًا بِهِمْ** ای لا سعۃَ علیہم **اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ** ﴿۵۹﴾ **قَالُوْا** ای الاتباعُ **بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ** ای الکُفرَ **لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ** ﴿۶۰﴾ لنا ولکم النارُ **قَالُوْا** ایضًا **رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا** ای مِثلَ عذابہٖ علٰی کُفرہٖ **فِي النَّارِ** ﴿۶۱﴾ **وَقَالُوْا** ای کُفّارُ مکّۃَ وَہُم فی النارِ **مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ** فی الدُّنیا **مِّنَ الْاَشْرَارِ** ﴿۶۲﴾ **اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا** بضمِّ السّینِ وکسرِہا ای کُنّا نسخرُ بِہِم فِی الدُّنیا والیاءُ للنّسبۃِ ای امفقودونَ ہُم **اَمْ زَاغَتْ** مالَت **عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ** ﴿۶۳﴾ فلم نرہم وہُم فُقراءُ المُسلمینَ کعمّارٍ وبلالٍ وصُہیبٍ وسلمانَ **اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ** واجبٌ وُقوعُہٗ وہو **تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ** ﴿۶۴﴾ کما تقدَّمَ

ترجمہ: اور آپ ہمارے بندے ایوب کو یاد کیجئے۔ جبکہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ شیطان نے مجھے رنج (تکلیف) اور آزار پہنچایا ہے (صدمہ) اس کی نسبت شیطان کی طرف کی ہے۔ حالانکہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہوتی۔ محض اللہ کا ادب مقصود ہے۔ ایوب علیہ السلام سے فرمایا گیا کہ مارئیے اپنے پاؤں (زمین پر) چنانچہ انہوں نے جوں ہی زمین پر پاؤں مارا پانی ابلنے لگا۔ فرمایا یہ نہانے کے لئے ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کے لئے (چنانچہ ایوبؑ نے اس پانی سے غسل بھی کیا اور اس کو پیا بھی۔ جس سے ان کے ظاہری باطنی ہر قسم کے روگ دور ہو گئے) اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ عطا فرمایا اور ان کے ساتھ انہی جیسے اور بھی (یعنی اللہ نے ان کے وفات پائے ہوئے اہل وعیال جیسے اور فوت شدہ رزق جیسا اور عنایت فرما دیا) اپنی رحمت (نعمت) خاصہ سے اور دانشمندوں (یعنی سمجھداروں) کے لئے یادگار (سبق آموز) رہے اور تم اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا سینکوں کا لو (گٹھا گھاس یا سینکوں کا) اور اس سے مارو (اپنی بیوی کو حضرت ایوبؑ نے یہ قسم کھائی تھی کہ میں سو کوڑے ماروں گا، جب کہ ایک روز کام سے گھر واپس پہنچنے میں دیر کر دی تھی) اور قسم نہ توڑیئے (مارنا متوی کر کے، چنانچہ حضرت ایوبؑ نے اذخر وغیرہ کی سوکھیاں اکٹھی کر کے ایک ہی دفعہ بیوی کے مار دیں) بلاشبہ ہم نے ایوبؑ کو صابر پایا (ایوب) اچھے بندے تھے۔ بہت رجوع کرنے والے (اللہ کی طرف متوجہ ہونے والے) تھے اور ہمارے بندوں ابراہیم واسحٰق ویعقوب کو یاد کیجئے جو طاقتور (عبادت کرنے والے مضبوط) اور دانشور تھے (دینی سمجھ بوجھ رکھنے والے۔ اور ایک قرأت میں عبدنا ہے اور ابراہیم اس کا بیان ہے اور یعقوب سے بعد کی عبارت عبدنا پر عطف ہے) ہم نے ان کو ایک خاص بات سے

ساتھ مخصوص کر رکھا تھا (یعنی آخرت کی یاد سے عقبیٰ کے ذکر اور اس کے لئے عمل کرنے کی دھن تھی۔ اور ایک قرأت میں اضافت بیانیہ کے ساتھ ہے) اور وہ ہمارے برگزیدہ (منتخب) اور اچھے لوگوں میں ہیں (اخیار خیر کی جمع ہے جو مشدد ہے) اور اسماعیل اور الیسع (جو کہ نبی تھے الف لام زائد ہے) اور ذوالکفل کو یاد کیجئے (ان کی نبوت میں اختلاف ہوا ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ سو پیغمبروں کی انہوں نے کفالت کرلی تھی جو قتل ہونے سے بچ کران کی پناہ میں آگئے تھے) یہ سب بہت اچھے لوگوں میں تھے (اخیار خیر مشدد کی جمع ہے) یہ ایک یادداشت ہے (ان کی خوبیوں کی) اور یقیناً پرہیزگاروں کے لئے (جن میں یہ جنات بھی ہیں) اچھا ٹھکانہ (آخرت کا گھر) ہے یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں (یہ حسن ماٰب کا بدل یا عطف بیان ہے) جن کے دروازے ان کے لئے کھلے ہوئے ہوں گے، وہ ان باغات میں (گدوں پر) تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے اور وہاں بہت سے میوے اور پینے کی چیزیں منگوائیں گے اور ان کے پاس نیچی نگاہ والی (محض اپنے شوہروں پر نگاہ رکھنے والی) ہم عمر حوریں ہوں گی (سب کی عمریں یکساں ہوں گی۔ یعنی ۳۳ سال۔ اتـراب جمع تـرب کی ہے) یہ مذکورہ (مضمون) وہ ہے جس کا تم سے (صیغہ غائب کے ساتھ اور صیغہ خطاب میں التفات ہے) روز حساب آنے پر (بضرور) وعدہ کیا گیا ہے۔ بلا شبہ یہ ہماری نوازش ہے جس کا سلسلہ دوامی رہے گا (منقطع نہیں ہوگی اور جملہ حال ہے رزقنا سے یا ان کی خبر ثانی ہے اول صورت میں دائـمـا اور دوسری صورت میں دائم کے معنی ہوں گے) یہ (مومنین کے لئے) ہے اور سرکشوں کے لئے (جملہ مستانفہ ہے) برا ٹھکانہ جہنم ہے جس دوزخ میں ڈالے (داخل کئے) جائیں گے جو بہت بری جگہ (بستر) ہے یہ (یعنی جو عذاب بعد میں بیان کیا جارہا ہے) چکھو کھولتا ہوا پانی (انتہائی گرم) اور پیپ (تخفیف اور تشدید کے ساتھ وہ کچہو جو جہنمیوں کے ساتھ زخموں سے بہے گا) اور دوسری بھی (لفظ جمع اور مفرد کے ساتھ ہے) اس قسم کی (جیسے کھولتے ہوئے پانی اور کچاہو کا ذکر ہوا) طرح طرح کی چیزیں ہوں گی (مختلف انواع عذاب کی قسمیں ہوں گی۔ جب انہیں مع اپنے پیروکاروں کے دوزخ میں ڈالا جائے گا تو یوں کہا جائے گا) کہ یہ ایک جماعت اور آئی جو تمہارے ساتھ گھس رہی ہے دوزخ میں زبردستی کر کے۔ تو پیش رو بولیں گے) ان پر خدا کی مار (یعنی انہیں چین نہ ملے) یہ بھی دوزخ میں آرہے ہیں۔ کہیں گے (پیروکار) بلکہ تم پر ہی خدا کی مار تم نے ہی تو (کفر کو) پیش کیا ہے۔ سو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے (ہمارے تمہارے لئے دوزخ) دعا کریں گے کہ (نیز) اے ہمارے پروردگار جو شخص ہمارے آگے لایا اس کو دوزخ میں دوگنا عذاب دیجئے (جتنا کفر پر عذاب ہوا۔ اسی کے مثل)۔ اور وہ لوگ (کفار مکہ دوزخ میں رہتے ہوئے) کہیں گے۔ کیا بات ہے کہ ہم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے، جن کو ہم برے لوگوں میں شمار کیا کرتے تھے۔ کیا ہم نے ان کی ہنسی کر رکھی تھی (ضمہ سین اور کسر سین کے ساتھ۔ یعنی دنیا میں ہم میں سے ہر ایک ان کا مذاق اڑاتا تھا۔ یا نسبتی ہے کیا وہ لوگ موجود نہیں ہیں) یا ان سے ہماری نگاہیں چکرا رہی ہیں (اس لئے ہمیں نظر نہیں آتے اور اس شان کے لوگ مسلمان غرباء، فقراء ہیں۔ جیسے عمار، بلال، صہیب، سلمان رضی اللہ عنہم اجمعین) یہ بات سچ ہے (یقیناً ہونے والی ہے یعنی) دوزخیوں کا آپس میں لڑنا جھگڑنا (جیسا کہ اوپر ابھی گزرا ہے)

تحقیق وترکیب: ..... تـادیٰ۔ کہا جائے کہ اسناد مجازی ہے۔ یعنی وسوسہ شیطانی کے سبب فعل ہونے کی وجہ سے۔ چنانچہ حضرت ایوبؑ کے متعلق کہا گیا ہے۔ استغاثه مظلوم فلم یغیثه یاکل شاة وجاره جائع الی جنبه یا اعجب بکثرة ماله.

ارکض. مفسرؒ نے "قیل له" سے اس کے مستانفہ ہونے کی طرف اشارہ کردیا ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ اللہ نے ان کے لئے دو چشمے ظاہر فرمادیئے۔ ایک جابیہ شام میں گرم چشمہ جس میں نہانے سے بیماری کا ظاہری سبب دور ہوگیا اور دوسرا ٹھنڈا چشمہ جس کا پانی پینے سے بیماری کا اندرونی اثر بھی دور ہوگیا۔

مغتسل. یعنی اسم مکان نہیں بلکہ اسم مفعول ہے۔ حذف وایصال کے ساتھ۔

باطنہ. یعنی وساوس شیطانی بھی دور ہو گئے۔

اھلہ. حضرت ایوبؑ کی بیوی رحمت بنت افرائیم بن یوسف تھیں۔ یہ ماخر بنت میشا ابن یوسف یا یا بنت یعقوب یعنی حضرت یوسف کی ہمشیرہ تھیں۔

ضغث. تنکے یا گھاس یا کاغذ وغیرہ کے مٹھے کو کہتے ہیں۔ امام مالک تو قسم پوری کرنے کے لئے یہ صورت حضرت ایوبؑ کے ساتھ خاص رکھتے ہیں۔ لیکن امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ دونوں حضرات عطاء کے قول سے اتفاق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اب بھی کوئی ایسا حلف کرے تو اس کو ایسا ہی کرنے کی اجازت ہے۔

بخالصة. اسم فاعل یعنی خصلة خالصة جليلة الشان اور مضاف پڑھنے کی قرأت پر اضافت بیانیہ ہے۔ کیونکہ خالصة کبھی ذکری ہوتی ہے اور کبھی غیر ذکری اور خالصة مصدر بمعنی اخلاص ہے اور مضاف الى المفعول ہے فاعل محذوف ہے ای بان اخلصوا ذكرى الدار جب کہ دنیا فراموش ہو کر خالص آخرت پیش نظر رہ جائے۔ فاعلة کے وزن پر مصدر آتا ہے۔ جیسے عاقبته یا یہ معنی ہوں گے کہ ہم نے ان پیغمبروں کے لئے آخرت کو خاص کر دیا۔ اسی طرح بلا اضافت کی قرأت پر بھی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ مصدر بمعنی اخلاص ہو اور ذکری اس کی وجہ سے منصوب ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ خالصة بمعنی خلوص ہو۔ اس وقت ذکری اس کی وجہ سے مرفوع ہو جائے گا اور مصدر اضافت اور بلا اضافت کے دونوں صورتوں میں عامل رہتا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اسم فاعل ہو اور ذکری بدل یا اس کا بیان ہو اور بتقدیر اعنی منصوب ہو یا مبتدا مضمر مان کر اس کو مرفوع مانا جائے۔

دار ذکری کا مفعول بھی ہو سکتا ہے اور توسعاً ظرف بھی اور خالصة صفت کا موصوف محذوف ہے۔ ای خصلة خالصة.

احیار. قاموس میں ہے کہ خیر بتخفیف عادت وجمال کے لئے اور بالتشدید دین وصلاح کے لئے آتا ہے۔ احیار خیر کی جمع ایسی ہی ہے جیسے اموات جمع ہے۔ میت یا میّت کی۔

الیسع. لام زائد مگر لازم اور ضروری ہے اور باوجود عجمی ہونے کے لئے اس میں کچھ حرج نہیں۔ جیسے الاسکندر اور ایک قرأة اللیسع دو لام کے ساتھ بھی ہے۔

ذو الكفل. حاکمؒ نے وہبؒ سے نقل کیا ہے کہ اللہ نے ایوب علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے بشیر کو نبی بنایا۔ انہی کو ذوالکفل کہتے ہیں اور صحیح یہی ہے کہ وہ نبی تھے اور ذوالکفل کہنے کی ایک وجہ تو مفسرؒ نے بیان فرمائی اور یا اس لئے کہ انہوں نے قائم اللیل صائم الدھر رہنے کا تکفل اور عہد کیا تھا اور یہ کہ لوگوں کے فیصلے کروں گا اور یہ کہ غصہ نہیں کروں گا اور پھر ایفائے عہد بھی کیا۔ اس لئے ذوالکفل لقب ہوا۔

مفتحة. یہ جنات کی صفت ہے ور یا حال ہے اور اس میں معنی فعل عامل ہے اور ابواب مرفوع ہے اسم مفعول کی وجہ سے اور حال ذوالحال میں یا تو بصریوں کی رائے پر ضمیر کو ربط مانا جائے ای الابواب منها جیسا کہ مفسرؒ کی رائے ہے اور یا کوفیوں کی رائے پر الف لام کو اس کے قائم مقام مانا جائے۔

شراب اس کی صفت بمعنی کثیر نہیں کہا۔ کیونکہ عادتاً ماکولات بہ نسبت مشروب کے کثیر النوع ہی ہوتی ہیں۔

الاتراب. جمع ترب کی بمعنی تارب جیسے مثل بمعنی مماثل. اصل میں پیدائش کے وقت مٹی پر گر جانے کے معنی ہیں۔ ہم عمر ہونے سے کنایہ ہے جو طبعًا باہمی انسیت میں مؤثر ہے جو نکاح کا مقصد ہوتا ہے۔

ھذا. مفسرؒ نے خبر کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور مبتداء محذوف کی خبر بھی ہو سکتی ہے۔ ای الامر ھذا یا ھذا

کما ذکر یاخذ لھذا.

المھاد. استعارہ تشبیہیہ ہے۔

ھذا فلیذوقوہ. یہ مبتداء ہے اور **حمیم** خبر ہے اور **فلیذوقوا** جملہ معترضہ ہے جیسے کہا جائے **زید فانھم رجل صالح** **قلدہ** پر عطف نہ کیا جائے۔ لیکن اگر اس کو خبر بنایا جائے تو پھر وقف ہو سکتا ہے اور نحاس کی رائے ہے کہ **الامر ھذا** بھی تقدیر ہو سکتی ہے اور حمیم وغساق خبر نہیں ہوں گی اور فراء دونوں کو مرفوع کہتے ہیں۔ **ای منہ حمیم و عساق** اور **زیدا اضربہ** کی طرح ان کو منصوب علی اضمار التفسیر بھی کہہ سکتے ہیں اور **ھذا** میں نصب بہتر ہے۔ اس وقت **فلیذوقوہ** پر وقف کر کے حمیم وغساق کو علیحدہ پڑھا جائے یا تقدیر عبارت ہوگی۔ **لیذوقوہ ھذا فلیذوقوہ** بے فازائد ہوگی۔ یا تفسیر تعقیبیہ ہوگی۔ یا عبارت اس طرح ہوگی **ھو العذاب ھذا فلیذوقوا** اس صورت میں حمیم خبر ہوگی۔ **ھو** مبتداء محذوف کی۔

اخر. مبتداء ہے جس کی خبر محذوف ہے **ای لھم عذاب آخر.**

من شکلہ. یہ صفت آخر کی مفرد ہے۔ حالانکہ مرجع حمیم وغساق ہے بتاویل مذکور کے یا بحیثیت شراب کے دونوں کو شامل ہو جائے گی۔ اسی طرح لفظ آخر لفظاً مفرد اور معناً جمع ہے۔ کیونکہ عذاب مختلف انواع کا ہوتا ہے۔

ازواج. یہ دوسری صفت ہے آخر کی۔

لامرحبا بھم. یہ مفعول بہ ہے۔ فعل واجب الحذف کا۔ اور بہم میں با بیانیہ ہے جن کے لئے بددعا ہے ان کا بیان ہے **ای لااتیتم مرحبا ولا سمعتم مرحبا.**

دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو مصدریت کی وجہ سے منصوب مانا جائے، **ای لارحبتکم دارکم مرحبا بل ضیقاً** پھر یہ جملہ مستانفہ ہے بددعا کے لئے۔ دوسرے یہ جملہ حالیہ بھی ہو سکتا ہے رہا یہ کہ یہ جملہ دعائیہ حالیہ نہیں بن سکتا تو کہا جائے گا کہ بتقدیر قول حالی ہو جائے گی۔ **ای مقولا لھم لا مرحبا.**

انتم قدمتموہ. یہ محض علت ہے حقیقت تقدیر مراد نہیں۔ یعنی ہر تباہی میں تم ہی پیش پیش رہے۔

فی النار. یہ زدہ کا ظرف ہے یا عذاب کی صفت یا حال ہے تخصیص کی وجہ سے یا **زدہ** سے حال۔

سخریا. یہ دونوں قراءتوں پر نسبتی ہے مبالغہ کے لئے جیسے خصوص سے خصوصیۃ۔

ام زاغت. ام متصلہ ہے اور مقابلہ بلحاظ لازم کے لئے۔ یعنی ہم نے جن سے ٹھٹھا کیا تھا وہ لوگ کیا جہنم میں نہیں ہیں یا وہ جہنم میں تو ہیں مگر ہمیں نظر نہیں آتے۔ چونکہ فقراء مکہ میں کلام ہو رہا ہے اس لئے حضرت سلمانؓ کو ان میں شمار کرنا صحیح نہیں کیونکہ وہ مدینہ میں مسلمان ہوئے تھے۔

تخاصم. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ یہ جملہ **ذلک** کا بیان ہے اور حق سے بدل بھی ہو سکتا ہے۔ چونکہ پیشرووں اور پیروکار دونوں کی گفتگو لا مرحبا جیسے ناگوار کلمات کا تبادلہ ہوگا، اس لئے اسے تخاصم کہا گیا ہے۔

ربط آیات و روایات: ..... حضرت ایوبؑ کی داستان صبر بھی واقعات انبیاء کی ایک عجیب کڑی ہے اور انبیاء کا ذکر بھی آنحضرت ﷺ کی تسلی کے لئے کیا جا رہا ہے۔

ھذا ذکر الخ سے توحید و رسالت ومجازات کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ جس کو اجمالاً **و ما خلقنا الخ** میں بیان فرمایا گیا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت ایوبؑ کی بیوی ان کی غیر معمولی علالت کی تیمارداری میں لگی رہتی تھیں۔ اسی سلسلہ میں کہیں دوا وغیرہ کی تلاش میں نکلی ہوں گی کہ سرراہ شیطان ایک طبیب کی صورت میں ملا۔ بیوی نے شوہر کی علالت کا تذکرہ کیا تو کہنے لگا میں علاج کر سکتا ہوں۔ مگر صحت کے بعد تمہیں یہ کہنا پڑے گا کہ میں نے شفا دی ہے۔ بیوی نے اس شرط کو مان لیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو جب صورت حال معلوم ہوئی تو انہیں یہ بات ناگوار گزری۔ کیونکہ یہ کلام شرکیہ بے خفی ہی سہی۔

یا بقول مفسر علامؒ بیوی کو گھر واپسی میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی۔ جس کی وجہ سے حضرت ایوب کو سخت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ بیماری میں انہیں قدم قدم پر تیمارداری کی ضرورت رہتی تھی۔ ادھر گھر میں بیوی کے سوائے اور کوئی نہیں تھا۔ اس لئے حضرت ایوبؑ نے تنگ دل ہوکر قسم کھالی کہ میں بیوی کو سو کوڑے ماروں گا، مگر چونکہ بیوی نے غیر معمولی خدمت کی تھی اس لئے حق تعالیٰ کو یہ گوارا نہ ہوا کہ ان کی خدمات کا یہ صلہ ملے۔ ادھر قسم کا پورا کرنا بھی ضروری تھا۔ اس لئے یہ جملہ ارشاد فرمایا گیا کہ سو سینکوں یا تیلیوں کی ایک جھاڑو لے کر ایک بیوی کے ماردو، قسم پوری ہو جائے گی۔

تشریح: حق تعالیٰ جل مجدہٗ کی طرف سے آزمائش کے دو طریقے ہیں، کبھی وہ نعمت وراحت میں آزماتے ہیں اور کبھی نعمت ومصیبت میں۔

حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کا امتحان تو اول صورت میں ہوا کہ باوجود دنیا کی سطوت وسلطنت کے بھی خدا کو نہیں بھولے۔ بلکہ ذرا سی چوک پر فوراً جھک پڑی اور توبہ واستغفار کر کے اپنی کامل نیازمندی کا ثبوت دے دیا۔

حضرت ایوبؑ کا بے مثال صبر: ..... اس کے بعد حضرت ایوبؑ کی زندگی قابل عبرت ہے۔ وہ نعمت ومصیبت دونوں کی مکمل مرقعہ ہے۔ ایک طرف اگر وہ دولت وثروت میں شاکر بندے ثابت ہوئے تو دوسری جانب ناقابل برداشت مصائب اور ہر طرح کی مشکلات جھیل کر شاہکار صبر بنے رہے۔ انتہائی تکالیف کے باوجود جن کو ہنسی خوشی جھیلتے رہے۔ جب بیوی سے یہ معلوم ہوا کہ ایک طبیب صورت شخص نے علاج اور شفا کی یہ فیس چاہی کہ اس کو شافی کہہ دیا جائے، حالانکہ شافی مطلق اللہ ہے تو فرمایا کہ بھلی مانس وہ تو شیطان تھا۔ اس شرکیہ بات کا میرے پاس ہوتے ہوئے تجھے دھیان کیسے آیا؟ میری بیماری کی بدولت شیطان کا حوصلہ یہاں تک بڑھا کہ خاص میری بیوی سے ایسی بات کہلوا کر خوش ہونا چاہتا ہے۔ اس لئے میں عہد کرتا ہوں کہ اگر خدا نے مجھے شفا دے دی تو میں تیرے سو قمچیاں بطور کفارہ کے ماروں گا۔ چنانچہ پہلے بھی اگرچہ صحت کے خواہشمند تھے، لیکن اب اور زیادہ لگن سے دعائے صحت کی جو قبول ہوئی اور صحت بخش چشمہ کے ذریعہ اللہ نے انہیں مکمل تندرستی بخش دی۔

اس سلسلہ میں قصہ گوؤں نے جو مبالغہ آرائیاں کی ہیں وہ لائق احتیاط ہیں۔ کیونکہ گھناؤنی بیماریاں قابل نفرت ہوتی ہیں جو انبیاء کی وجاہت کے خلاف ہیں۔ پس اتنا ہی بیان کرنا چاہئے جو امتحان وابتلاء کا مقصد بھی پورا کرتا ہو اور وجاہت انبیاء کے خلاف بھی نہ ہو۔

قرآن کریم کے تتبع سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن چیزوں میں کوئی شر یا ایذاء کا پہلو ہو یا کسی صحیح مقصد کے چھوٹ جانے کا شاخسانہ نکلتا ہو تو اس کو شیطان کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ حضرت ایوبؑ کا ذہن یا تو بیماری کے آنے کے سلسلے میں اس طرف گیا کہ ضرور مجھ سے کوئی تساہل یا غلطی ہوئی ہوگی جو میرے شایان شان نہیں تھی۔ اس کے نتیجہ میں یہ آزار ہوا اور یا بیماری کی حالت میں شدت کے وقت شیطان وسوسہ اندازی کی کوشش کرتا ہوگا اور حضرت ایوبؑ اس کی مدافعت میں تعب اور مشقت برداشت کرتے ہوں گے۔ اسی کو

"نصب و عذاب" سے تعبیر فرمایا۔

اس ابتلائی دور کی کامیابی سے گزرنے کے بعد پھر اللہ نے ایک ایک نعمت انہیں بڑھا چڑھا کر واپس کردی۔ متاع صحت کی بازیابی بھی ہوئی۔ گھرانے کے لوگ جو چھت کے نیچے دب کر مر گئے تھے اللہ نے ان کا نعم البدل عطا فرمادیا۔

جائز وناجائز حیلے:...... تندرست ہونے کے بعد بیوی کو مارنے کا ایفائے عہد کرنا چاہا، مگر اول تو بیوی نے اس قدر وفاداری اور تندہی سے خدمت کی، پھر بے چاری چنداں قصوروار بھی نہ تھی۔ اس لئے اللہ نے اپنی مہربانی سے قسم سچا کرنے کا ایک حیلہ ان کو بتلادیا جوان ہی کے لئے مخصوص تھا۔ آج اگر کوئی اس طرح کی قسم کھا بیٹھے تو اس کے پورا کرنے کے لئے اتنی بات کافی نہ ہوگی بلکہ متبادر معنی لینے پڑیں گے۔ البتہ جہاں سزا دینا واجب نہ ہو، وہاں قسم توڑ دینا جائز اور جہاں جائز نہ ہو وہاں واجب ہوگا۔

اور اس قصہ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ احکام میں ہر جگہ حیلہ جائز ہے۔ جیسے زکوۃ وغیرہ ساقط ہونے کے حیلے لوگوں نے نکال لئے ہیں۔ بلکہ اس میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس حیلہ سے کوئی شرعی حکم یا حکمت اور غرض دینی فوت ہوتی ہو وہ حرام وناجائز ہے اور جہاں کسی مطلوب شرعی کی تحصیل اور کسی معروف کا ذریعہ بنتا ہو تو اس کی اجازت ہے، لیکن اس ضابطہ شرعی پر جزئیات کا انطباق وتبحر وتفقہ کو چاہتا ہے، ہرکس وناکس کا یہ مقام نہیں ہے۔ عظمت حق پیش نظر رہنی چاہئے۔

انبیاء کا امتیاز یہ ہے کہ انہیں اللہ وآخرت سب سے زیادہ پیش نظر رہتے ہیں۔ اسی لئے اللہ کے یہاں بھی مرتبہ میں سب سے زیادہ ان کا امتیاز ہے۔

الیسع حضرت لیاس کے خلیفہ تھے۔ پھر اللہ نے ان کو بھی نبوت عطا فرمادی۔ انبیاء کے بعد وان للمتقین سے عام متقین کا انجام بیان کیا جارہا ہے۔ یہاں مفتحۃ بغیر واؤ کے ہے۔ جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دروازے پہلے ہی سے اہل جنت کے لئے کھلے ہوئے ہوں گے۔ کھلوانے کے لئے انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ اس صورت میں وفتحت ابوابھا میں واؤ حالیہ ہوگا۔ لیکن بعض نے واؤ کو زائد مانا ہے۔ یعنی اہل جنت کے آنے کے بعد دروازے کھلیں گے۔ پس اس صورت میں مفتحۃ سے مقصود صرف دروازوں کا کھلنا ہوگا۔ پہلے ہونے کی قید ملحوظ نہیں ہوگی۔ لیکن واؤ کا زائد ہونا خلاف ظاہر ہے۔

اتراب۔ دنیا میں اگرچہ اپنے سے کم سن عورتوں کو نازوانداز کی وجہ سے پسند کیا جاتا ہے، لیکن جنت میں یہ باتیں چونکہ اعلیٰ پیمانے پر ہوں گی اس لئے ہم عمری زیدہ ملاطفت وموافقت کا باعث ہوگی۔ نیز یہ ہم عمری سن وسال کے لحاظ سے نہیں ہوگی بلکہ خوبرو اور شکل صورت کے اعتبار سے ہوگی۔

وان للطاغین سے شریروں کا انجام مذکور ہے۔

غساق۔ بعض کے نزدیک راد پیپ ہے۔ جس میں سانپ بچھوؤں کا زہر ملا ہوگا۔ اور بعض کے نزدیک حد سے زیدہ ٹھنڈا پانی مراد ہے جو حمیم کی ضد ہے۔ دونوں ہی اذیت ناک سزائیں ہیں۔

معکم سے مراد زمانی معیت نہیں ہے، بلکہ عذاب میں شرکت مقصود ہے۔

لطائف سلوک:...... اذ نادی ربہ انی مسنی الشیطان سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کا تسلط کاملین پر بھی ممکن ہے، بشرطیکہ وہ بات معصیت کی نہ ہو۔

فاضرب بہ ولا تحنث۔ بعض نے اس سے ہر قسم کے حیلہ کا جواز سمجھ لیا حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ کسی حیلہ سے کوئی شرعی

غرض اگر فوت ہوتی ہو تو وہ حیلہ شرعاً ناجائز ہوگا۔ چنانچہ کامل اگر کوئی حیلہ تجویز کرے گا تو اس کی نظر ضابطہ پر ضرور ہوگی۔ اس لئے اس کی تجویز پر خواہ مخواہ اعتراض کرنا زیبا نہیں ہے۔

انا وجدناہ صابرا۔ حضرت ایوبؑ کا صبر اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ اس کی مصیبت سے لذت اندوز ہوکر شکر گزار ہوتے تھے۔ مقام صبر کو جب انتہاء ہوتی ہے تو وہ شکر میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ اسی لئے بعض کامل عرفاء سے جب پوچھا گیا کہ شاکر نعمت افضل ہے یا صابر مصیبت؟ فرمایا کہ صابر مصیبت سب سے افضل ہے کیونکہ وہ اس کو یاد دوست کا ذریعہ سمجھتا ہے۔

ہر چہ از دوست می رسد نیکوست

ان کی نظر مصیبت پر نہیں ہوتی بلکہ بھیجنے والے پر رہتی ہے۔ پھر وہ صورۃً تو مصیبت معلوم ہوتی ہے مگر ہزار ہا مصلحتوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے حقیقۃً وہ بھی نعمت ہوجاتی ہے۔

واذکر عبدنا ابراھیم۔ یعنی صاحب قوت تھے۔ نفس اور نفسانی خواہشات اور شیطان کے مقابلہ میں اور صاحب بصیرت تھے لطائف خمسہ نفس وعقل وقلب وسر واخفی کے سلسلہ میں۔

وعندھم قاصرات الطرف۔ مقام ترغیب میں اس کا ذکر کرنا اس کی دلیل ہے کہ جائز عورتوں کی طرف رغبت نہ کمال کے خلاف ہے اور نہ حب الٰہی کے۔ جیسا کہ بعض ناقص اور مغلوب الحال سمجھتے ہیں۔

قُلْ یَا مُحَمَّدُ لِکُفَّارِ مَکَّةَ **اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ** مُخَوِّفٌ بِالنَّارِ **وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ** ﴿۶۵﴾ لِخَلْقِهٖ **رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا الْعَزِیْزُ** الْغَالِبُ عَلٰی اَمْرِهٖ **الْغَفَّارُ** ﴿۶۶﴾ لِاَوْلِیَاءِهٖ **قُلْ لَهُمْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِیْمٌ** ﴿۶۷﴾ **اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ** ﴿۶۸﴾ اَیِ الْقُرْاٰنُ الَّذِیْ اَنْبَأْتُکُمْ بِهٖ وَجِئْتُکُمْ فِیْهِ بِمَا لَا یُعْلَمُ اِلَّا بِوَحْیٍ وَهُوَ قَوْلُهٗ **مَا کَانَ لِیَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰی** اَیِ الْمَلَائِکَةِ **اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ** ﴿۶۹﴾ فِیْ شَانِ اٰدَمَ حِیْنَ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً **اِنْ** مَا **یُوْحٰی اِلَیَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا** اَیْ اِنِّیْ **نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ** ﴿۷۰﴾ بَیِّنُ الْاِنْذَارِ اُذْکُرْ **اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ** ﴿۷۱﴾ هُوَ اٰدَمُ **فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ** اَتْمَمْتُهٗ **وَنَفَخْتُ** اَجْرَیْتُ **فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ** فَصَارَ حَیًّا وَّاِضَافَةُ الرُّوْحِ اِلَیْهِ تَشْرِیْفٌ لِاٰدَمَ وَالرُّوْحُ جِسْمٌ لَطِیْفٌ یَحْیٰی بِهِ الْاِنْسَانُ بِنُفُوْذِهٖ فِیْهِ **فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ** ﴿۷۲﴾ سُجُوْدَ تَحِیَّةٍ بِالْاِنْحِنَاءِ **فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَةُ کُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ** ﴿۷۳﴾ فِیْهِ تَاکِیْدَانِ **اِلَّآ اِبْلِیْسَ** هُوَ اَبُو الْجِنِّ کَانَ بَیْنَ الْمَلٰٓئِکَةِ **اِسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ** ﴿۷۴﴾ فِیْ عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰی **قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ** اَیْ تَوَلَّیْتُ خَلْقَهٗ وَهٰذَا تَشْرِیْفٌ لِاٰدَمَ فَاِنَّ کُلَّ مَخْلُوْقٍ تَوَلَّی اللّٰهُ خَلْقَهٗ **اَسْتَکْبَرْتَ** اَلْاٰنَ عَنِ السُّجُوْدِ اِسْتِفْهَامُ تَوْبِیْخٍ **اَمْ کُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ** ﴿۷۵﴾ اَلْمُتَکَبِّرِیْنَ فَتَکَبَّرْتَ عَنِ السُّجُوْدِ لِکَوْنِکَ مِنْهُمْ **قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ** ﴿۷۶﴾ **قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا** اَیْ مِنَ الْجَنَّةِ وَقِیْلَ مِنَ السَّمٰوٰتِ **فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ** ﴿۷۷﴾ مَطْرُوْدٌ **وَّاِنَّ عَلَیْکَ لَعْنَتِیْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ** ﴿۷۸﴾ اَلْجَزَاءِ **قَالَ رَبِّ**

فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾ ای النَّاسُ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۸۰﴾ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۱﴾ وَقْتِ النَّفْخَۃِ الْاُوْلٰی قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۸۳﴾ ای المُؤمِنِیْنَ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿۸۴﴾ بِنَصْبِهِمَا وَرَفْعِ الْاَوَّلِ وَنَصْبِ الثَّانِی مَنْصُوْبٌ بِالْفِعْلِ بَعْدَهُ وَنَصْبُ الْاَوَّلِ قِیْلَ بِالْفِعْلِ الْمَذْکُوْرِ وَقِیْلَ عَلَی الْمَصْدَرِ ای اُحِقُّ الْحَقَّ وَقِیْلَ عَلٰی نَزْعِ حَرْفِ الْقَسَمِ وَرَفْعُهُ عَلٰی اَنَّهُ مُبْتَدَاءٌ مَحْذُوْفُ الْخَبَرِ ای فَالْحَقُّ مِنِّیْ وَقِیْلَ فَالْحَقُّ قَسَمِیْ وَجَوَابُ الْقَسَمِ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ بِذُرِّیَّتِكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ مِنَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ عَلٰی تَبْلِیْغِ الرِّسَالَۃِ مِنْ اَجْرٍ جُعْلٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِیْنَ ﴿۸۶﴾ الْمُتَقَوِّلِیْنَ الْقُرْاٰنَ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِیْ اِنْ هُوَ ای مَا الْقُرْاٰنُ اِلَّا ذِكْرٌ عِظَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۷﴾ لِلْاِنْسِ وَالْجِنِّ الْعُقَلَاءِ دُوْنَ الْمَلَائِكَۃِ وَلَتَعْلَمُنَّ یَا كُفَّارَ مَكَّۃَ نَبَاَهٗ خَبَرَ صِدْقِهٖ بَعْدَ حِیْنٍ ﴿۸۸﴾ ای یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَعَلِمَ بِمَعْنٰی عَرَفَ وَاللَّامُ قَبْلَهَا لَامُ قَسَمٍ مُقَدَّرٍ ای وَاللّٰهِ ع ۱۴

ترجمہ:........آپ (اے محمد! کفار مکہ سے) کہہ دیجئے کہ میں تو صرف (دوزخ کی آگ سے) ڈرانے والا ہوں اور اللہ واحد قہار کے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں ہے۔ وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان کے درمیان کی مخلوق کا۔ زبردست (اپنے حکم پر حاوی) بڑا بخشنے والا ہے (اپنے دوستوں کو) آپ (ان سے) کہہ دیجئے، یہ ایک عظیم الشان مضمون ہے جس سے تم بے پرواہ ہو رہے ہو (یعنی جس قرآن کی میں تمہیں اطلاع دے رہا ہوں اور اس میں ایسی باتیں لے کر آیا ہوں جو بجز وحی کے معلوم نہیں ہوسکتیں وہ یہ کہ مجھ کو عالم بالا (فرشتوں کی) کچھ بھی خبر نہ تھی جبکہ وہ گفتگو کر رہے تھے (کہ حضرت آدمؑ کی شان میں اللہ تعالیٰ نے **انی جاعل فی الارض خلیفہ** فرمایا ہے) میرے پاس وحی محض اس لئے آتی ہے کہ میں صاف صاف ڈرانے والا ہوں (اور یاد کرو) جب کہ آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں گارے سے ایک انسان بنانے والا ہوں (آدم) سو جب میں اس کو پورا (مکمل) بنا چکوں اور اس میں جان ڈال دوں (اور وہ جاندار ہو جائے اللہ نے روح کی اضافت اپنی طرف آدم کی تکریم کے لئے کی ہے اور روح جسم لطیف ہے جس کے مادی جسم میں سرایت کرنے سے انسان زندہ ہو جاتا ہے) تو تم سب اس کے روبرو سجدہ میں گر پڑنا (ان کی تکریم کے لئے بطور آداب جھک جانا) سو سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا (اس میں دو تاکیدیں ہیں) مگر ابلیس (جنات کی نسل جس سے چلی فرشتوں میں رہا کرتا تھا) کہ وہ غرور میں آ گیا۔ (علم الٰہی میں) کافروں میں سے تھا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس کس چیز نے تجھ کو باز رکھا اس کو سجدہ کرنے سے جسے میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا (یعنی میں نے اس کو پیدا کرنے کی ذمہ داری لی۔ اس میں بھی آدمؑ کی تکریم مقصود ہے ورنہ سب ہی چیزیں اللہ کی پیدا کردہ ہیں) کیا تو غرور میں آ یا (اب سجدہ کرنے سے، استفہام توبیخ کے لئے ہے) یا تو بڑے درجہ والوں میں سے ہے؟ (اس لئے تو سجدہ کرنے سے باز رہا کہ تو خود بڑا ہے) کہنے لگا کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ آپ نے مجھ کو آگ سے بنایا ہے اور اس کو خاک سے۔ ارشاد ہوا کہ تو نکل جا یہاں (جنت یا آسمانوں) سے کیونکہ تو یقیناً مردود (راندہ) ہو گیا اور بلاشبہ قیامت تک تجھ پر میری لعنت رہے گی۔ کہنے لگا تو پھر مجھ کو قیامت (لوگوں کے اٹھنے) تک مہلت دے دیجئے۔ ارشاد ہوا کہ تجھے مقررہ وقت (پہلے صور)

تک مہلت دی گئی۔ کہنے لگا تو تیری عزت کی قسم کہ میں ان سب کو گمراہ کردوں گا بجز آپ کے منتخب بندوں (مومنین) کے۔ ارشاد ہوا میں سچ کہتا ہوں اور میں تو سچ ہی کہا کرتا ہوں (لفظ الحق دونوں جگہ منصوب ہے یا اول مرفوع اور دوسرا منصوب ہے۔ دوسرے لفظ کا نصب تو بعد کے فعل اقول کی وجہ سے ہے اور پہلے کے نصب میں بعض کی رائے بعد کے فعل ہی کی وجہ سے ہے اور بعض کے نزدیک مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہے۔ ای احق الحق اور بعض کے نزدیک حرف قسم محذوف ہونے کی بناء پر ہے لیکن پہلے کا رفع مبتداء ہونے کی وجہ سے ہے جس کی خبر محذوف ہے۔ ای فالحق منی اور بعض نے تقدیر عبارت، فالحق قسمی نکالی ہے اس صورت میں جواب قسم آگے ہے) کہ میں تجھ سے (مع تیری نسل کے) اور جوان (لوگوں) میں تیرا ساتھ دے سب سے دوزخ بھر دوں گا۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (تبلیغ رسالت) پر نہ کچھ معاوضہ (اجرت) چاہتا ہوں اور نہ ہی بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں (کہ قرآن اپنی طرف سے گھڑ لیا ہو) یہ (قرآن) تو دنیا جہاں والوں کے لئے (عقل رکھنے والے انسان وجنات کے لئے نہ کہ فرشتوں کے لئے) بس ایک نصیحت (وعظ) ہے اور (اے مکہ والو!) تمہیں اس کا حال (سچائی کی خبر) تھوڑے دنوں بعد معلوم ہو جائے گی (قیامت میں اور علم معرفت کے معنی میں ہے اور اس سے پہلے لام قسمیہ ہے یعنی واللہ قسم محذوف ہے)۔

تحقیق وترکیب:

انما انا یہاں حصر سے ساحر، شاعر، کاہن ہونے کی نفی کرنا ہے۔ البتہ صرف آپ کا نذیر ہونا بیان کیا۔ حالانکہ آپ بشیر بھی تھے۔ کیونکہ آپ کی گفتگو کا رخ کفار کی طرف ہے اور ان کے لئے آپ نذیر ہیں۔

وھو قولہ. مفسر علامؒ نے اس بناء پر عظیم کا مصداق ماکان لی الخ کو مانا ہے۔ حالانکہ اس سے مراد اذ قال ربک الخ اگلا جملہ ہے۔ مگر چونکہ یہ پہلا جملہ دوسرے جملہ کی تمہید ہے اس لئے مفسرؒ نے اسی کو مصداق قرار دیا ہے۔

ماکان لی من علم یعنی فرشتوں کی گفتگو کا علم بجز کتب سابقہ کے مطالعہ کے معلوم نہیں ہوسکتا اور آپ رسمی طور پر لکھنے پڑھنے سے واقف نہیں۔ پس بجز وحی کے اس کے معلوم ہونے کا اور طریقہ کیا ہے؟

اذ یختصمون. یہ مصدریت کی وجہ سے منصوب ہے یا بتقدیر مضاف ہے ای بکلام الملاء الاعلی اور ضمیر ملاء اعلی کی طرف راجع ہے۔ فرشتوں کی گفتگو کو مجازاً اختصام فرمایا ہے اور بعض نے قریش کی طرف راجع کی ہے۔ یعنی بعض قریش ان کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں اور بعض کچھ اور۔

الا انا نذیر یعنی یا تو یہی وحی ہے۔ اس صورت میں لا کے بعد مرفوع ہوگا فاعلیت کی وجہ سے یا یہ معنی ہیں کہ مجھے صرف ڈرانے کا حکم ہوا ہے کفار کی وجہ سے ظاہر ہے کہ یہ تخصیص صحیح ہے۔

بشرا صاف بدن جس پر نہ بال و پر ہوں اور نہ اون اور چھلکا ہو۔ رہا یہ شبہ کہ فرشتے تو بشر سے ناواقف تھے پھر کیسے بشر کہہ کر اس کی پیدائش کی اطلاع دے دی؟ سو ممکن ہے اس کے اوصاف وعوارض بتلا دیئے گئے ہوں اور یہاں مختصر لفظ بشر پر اکتفا کر لیا ہو۔

خلقت بیدی. یعنی ماں باپ کے بغیر براہ راست پیدا کیا ہے اور چونکہ انسان اکثر کام ہاتھوں سے کیا کرتا ہے اس لئے تغلیباً یدین کا ذکر کر دیا اور اللہ کے لئے یہ لفظ متشابہ اور مجاز ہے۔

استکبرت. جمہور کے نزدیک ہمزہ استفہام توبیخی اور انکاری ہے اور ام متصلہ ہے۔ لیکن ابن عطیہؒ نے بعض نحویوں سے نقل کیا ہے کہ دونوں فعلوں کے مختلف ہونے کی صورت میں جیسا کہ یہاں ہے ام متصلہ بمعنی ہمزہ نہیں ہے۔ لیکن ایک فعل پر داخل ہونے کی صورت میں ہمزہ کے ساتھ آئے گا۔ جیسے اقام زیدا ام عمر یا ازید قام ام عمر. مگر یہ رائے جمہور کے خلاف اور غلط ہے۔ اس لئے سیبویہ نے اضربت زیدا ام قتلتہ کی اجازت دی ہے۔ گویا زید نے کچھ نہ کچھ کیا ہے مگر اس کی تعیین مطلوب ہے موقع فعل کی تحقیق

مقصود نہیں ہے۔ لیکن ابن کثیر وغیرہ ایک جماعت نے استکبرت کو ہمزہ وصل کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس میں دو ہی صورتیں ہوں گی یا ہمزہ وصل کو ہمزہ استفہام کے معنی میں لیا جائے، جیسا کہ ام سے معلوم ہو رہا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ام منقطعہ قرار دیتے ہوئے استکبرت کو صرف خبر قرار دے دیا جائے۔ اس کے ساتھ الآن کی قید لگا کر مفسرؒ ایک شبہ کا جواب دے رہے ہیں۔

شبہ یہ ہے کہ عالین کے معنی بھی متکبر کے ہیں۔ پس اس صورت میں تکرار ہو گیا۔ پھر دو صورتوں میں دائر کرنا کیسے صحیح ہوگا۔

جواب یہ ہے کہ تکبر کی دو صورتیں کر دی گئی ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ حالیہ تکبر کی وجہ سے تو نے سجدہ نہیں کیا یا قدیم تکبر کی وجہ سے باز رہا۔

انا خیر ۔ نار کے نورانی ہونے اور خاک کے ظلماتی ہونے سے شیطان دھوکہ کھا گیا ورنہ خاک و نار میں ایک فرق قابل لحاظ اور بھی تھا، جس کو اس نے نظر انداز کر دیا ہے۔ آگ تو راکھ بن کر بیکار ہو جاتی ہے، لیکن خاک سے ہر چیز بنتی ہے۔ گھاس پھونس، سبزی، بھاجی، پھول، پھل، جانور، انسان۔ ہر انسان براہ راست قدرت کا شاہکار ہے۔ چنانچہ خلقت بیدی میں فاعل کی شرافت کا فعل کے واسطے سے مفعول میں سرایت کرنے کی طرف اشارہ ہے اور دوسری خوبی حسن صورت ہے۔ جس کی طرف نفخت فیہ من روحی میں اشارہ کیا گیا ہے اور تیسری فضیلت عنایت خاصہ ہے جس کی طرف اسجدوا لادم سے اشارہ فرمایا گیا ہے۔

فالحق اگر مبتداء ہونے کی وجہ سے رفع ہے تو تقدیر عبارت الحق منی ہے اور خبر ہونے کی وجہ سے ہے تو عبارت انا الحق ہوگی اور مقسم بہ نصب ہونے کی وجہ سے ہے۔ جیسے اللہ لافعلن کذا۔ اس صورت میں یہ محذوف ہوگی اور لاملئن جواب ہوگا اور الحق اقول مقسم بہ اور مقسم علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہوگا اور الحق سے مراد اللہ کا نام ہے، جیسے ان اللہ ھو الحق فرمایا گیا ہے اور یا حق سے باطل کی ضد مراد ہے۔ دونوں جگہ فعل ناصب کا تکرار تاکید کے لئے ہوگا۔ بہرحال دوسرے لفظ الحق کے نصب کی تو صرف ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے۔ مگر اول لفظ کے نصب کی تین وجوہ مفسر علامؒ نے ذکر کی ہیں اور اول کے مرفوع ہونے کی دو صورتیں نکلتی ہیں۔

العلمین. اگرچہ فرشتے بھی اس میں آتے ہیں، مگر چونکہ ذکر و موعظت صرف انسان و جنات کے لئے ہے اس لئے فرشتے خارج ہو گئے۔

بعد حین. لفظ حین منصوب ہے۔ حین کے معنی دنیا کی مدت ہیں اور ابن عباسؓ کے نزدیک موت کے بعد اور بعض کے نزدیک قیامت مراد ہے۔

ربط آیات: قل انما انا منذر سے نبوت و توحید کا بیان ہے اور رسالت کے ذریعہ توحید کامل معلوم ہوئی۔ اس لئے یہاں زیادہ رسالت کی طرف توجہ کی گئی ہے اور چونکہ ملاء اعلیٰ کے احوال سے رسالت پر استدلال کیا گیا ہے۔

آگے اذ قال ربک سے آدم علیہ السلام کے قصہ سے ان حالات کا بیان ہے اور چونکہ اختصام کا وقت بھی اس قصہ کا وقت ہے اس لئے اذ قال بدل ہو جائے گا اذ یختصمون کا۔ اب یہ شبہ نہیں رہتا کہ یہاں اختصام تو بیان نہیں کیا گیا ہے، البتہ یہ شبہ رہے گا کہ اذ یختصمون جب کہ آنحضرت ﷺ کا قول ہے تو اذ قال ربک بھی آپ ﷺ ہی کا ارشاد ہونا چاہئے۔ تو اس لحاظ سے اذ قال ربک کی بجائے اذ قال ربی ہونا چاہئے تھا؟ جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ قول اللہ کے الفاظ کی حکایت ہے۔ یہاں تک تو رسالت سے متعلق کلام مناظرانہ تھا؟ اب قل ما اسئلکم سے ناصحانہ کلام ہو رہا ہے۔

﴿تشریح﴾: قل انما انا . یعنی میرا کام تو اتنا ہی ہے کہ میں تمہیں آنے والی خوفناک گھڑی اور بھیانک مستقبل سے ہوشیار کر دوں۔ میں کوئی بازی گر یا نجومی نہیں۔ باقی اصل پالا جس حاکم سے تمہارا پڑنے والا ہے اس کے آگے چھوٹا بڑا کون دم مار سکتا

ہے۔ ہر چیز اس کے سامنے سرنگوں ہے۔ کائنات کا یہ کارخانہ جب تک وہ چاہے قائم رکھے اور جب چاہے توڑ پھوڑ کر برابر کر دے۔ اس کا تھام ون پکڑ سکتا ہے اور اس کے قابو سے نکل کر کون بھاگ سکتا ہے۔ یہی حال اس کی وسیع رحمت کا ہے۔ کوئی اسے محدود نہیں کر سکتا۔ قرآن یا رسالت یا قیامت نہایت اہم اور بڑی بھاری بات ہے۔ مگر افسوس کہ تم ان کی طرف سے بالکل بے فکر ہو۔ تمہاری خیر خواہی کے لئے کر کچھ کہا جاتا ہے تو دھیان میں نہیں لاتے بلکہ الٹا مذاق اڑانے لگتے ہو۔

ملاء اعلیٰ کی کونسل کا مباحثہ: ملاء اعلیٰ مقرب فرشتوں کی کونسل جن کے ذریعے نظام تکوینی نافذ ہوتا ہے۔ یعنی نظام اعلیٰ کے فنا و بقا کے سلسلہ میں جو بحثیں ہوتی ہیں مجھے ان کی کیا خبر جو تم سے بتلاؤں۔ اللہ نے جتنی باتیں فرمادیں ان کو بیان کر دیتا ہوں۔ چنانچہ مجھے حکم ہوا ہے کہ آنے والے خوفناک مستقبل سے سب کو آگاہ کر دوں۔ رہا ٹھیک ٹھیک اس کا پتا تلا وقت نہ اس کا مجھے پتہ دیا گیا ہے اور نہ اس کی چنداں ضرورت۔

اسی طرح ملاء اعلیٰ والوں کی باہمی گفتگو مثلاً قیامت کی تعیین کے سلسلہ میں یا اسی طرح اور باتوں کے متعلق ان میں قیل وقال رہتی ہے۔ جیسے حدیث میں اللہ تعالیٰ کا آنحضرت ﷺ سے کئی دفعہ فرمانا فیم یختصم الملاء الاعلی اور آپ کا جواب دینا مذکور ہے۔ پس وہاں کے مباحثہ کا علم وحی الٰہی کے علاوہ اور کس طرح ہو سکتا ہے۔ یہی ذریعہ ہے جس سے جہنمیوں کے تخاصم کی آپ کو اطلاع ہوئی۔ وحی کے ذریعہ ہی ملاء اعلیٰ کی بات چیت کی آپ کو خبر لگی۔ اسی طرح ابلیس کا آدم کے بارے میں تخاصم جس کا ذکر آ رہا ہے وہ بھی وحی سے معلوم ہو۔ پس اس سے آپ کی رسالت ثابت ہو گئی۔

تخلیق آدم کے تدریجی مراحل: اذ قال ربک. فرشتوں کو پہلے آگاہ کر دیا جب کہ میں آدم کا پتلا تیار کر کے اس میں جان ڈال دوں۔ تو آداب و تعظیم بجا لانا۔

من طین. آدم کی تخلیق کے سلسلہ میں مختلف الفاظ قرآن میں آئے ہیں۔ تراب۔ طین۔ طین لازب. حما مسنون صلصال فخار سب کی اصل تراب ہے مختلف مراتب و مراحل کے لحاظ سے یہ الفاظ آئے ہیں۔ کہیں قریب حالت کو اور کہیں بعید حالت کو بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔ سب احوال والفاظ صحیح ہیں۔

روحی. اس لئے فرمایا کہ روح کا تعلق عالم آب وگل سے نہیں ہے۔ بلکہ عالم امر سے ہے۔ جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں گزر چکا۔

کان من الکفرین. یعنی علم الٰہی میں پہلے سے کافر تھا یا علم الٰہی کو جھٹلانے کی وجہ سے کافر ہو گیا تھا۔ محض سجدۂ واجب کے ترک کرنے کی وجہ سے کافر نہیں ہوا۔ جیسا کہ خوارج اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ بلکہ بدعقیدہ ہو جانے کی وجہ سے ہوا۔ یہ دونوں توجیہیں اس لئے کی گئیں کہ یہ شبہ نہ ہو کہ جب شیطان نے اس سے پہلے کوئی کفر نہیں کیا تھا۔ پھر کان ماضی کا صیغہ کیا گیا ہے اور بعض نے کان بمعنی صار کیا ہے۔ لیکن ابن فورک نے اس کی تردید کی ہے۔ کیونکہ اول تو کان بمعنی صار کا آنا ثابت نہیں ہے۔ دوسرے اس صورت میں فکان آنا چاہئے تھا۔ لیکن سب سے بہتر بات یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ ابلیس اصل میں کافر تھا۔ حضرت آدم کی پیدائش سے پہلے زمین میں جو کافر جنات رہتے تھے۔ وہ ان میں سے تھا۔ مگر عبادت و ریاضت کرتے کرتے ترقی پا گیا اور فرشتوں کے پاس آنے جانے لگا۔

شیطان کی حقیقت: لیکن قاضی بیضاویؒ کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس فرشتوں میں سے تھا۔ ورنہ اسجدوا کا حکم اس کو شامل نہیں ہوگا۔ اسی طرح الا ابلیس کا استثناء بھی صحیح نہیں ہوگا۔ اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ دوسری جگہ الا ابلیس کان من الجن فرمایا گیا۔ جس میں صاف طور پر اس کا جن ہونا معلوم ہو۔ پھر اس کو فرشتہ کیسے کہا گیا؟ کیونکہ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک تو یہ کہ ممکن ہے ابلیس بلحاظ کام کے تو جن ہو لیکن باعتبار نوع کے فرشتہ ہو۔ پس کفر کہنا بھی صحیح رہا۔ اور آیت کے خلاف بھی نہ ہوا۔

دوسرے ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ فرشتوں کی ایک قسم ایسی ہے کہ جن میں نسل کا سلسلہ جاری رہتا ہے جنہیں جن کہا جاتا ہے۔ ابلیس بھی انہی میں سے ہے۔

بہرحال اس طرح دونوں آیات میں تطبیق ہوگئی۔ البتہ یہ ضرور ہوگا کہ جس طرح انسانوں میں اکثریت غیر معصوموں کی ہے۔ مگر اقلیت یعنی انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح فرشتوں میں اکثریت معصوم ہوتی ہے۔ مگر اقلیت غیر معصوم ہوتی ہے۔ تاہم یہ کہنا بھی غلط نہیں کہ ابلیس دراصل جن تھا۔ مگر فرشتوں میں رہنے سہنے کی وجہ سے انہی میں شمار ہوا اور اسی اعتبار سے حکم سجدہ کا مخاطب بنا اور استثناء بھی صحیح ہو گیا۔

یا یوں کہا جائے کہ ابلیس جنات میں سے تھا اور سجدہ کا حکم فرشتوں کی طرح جنات کو بھی ہوا تھا۔ مگر جس طرح نصوص میں عام طور پر صرف مردوں کو خطاب ہے۔ اگرچہ احکام مرد و عورت دونوں کے لئے عام ہیں۔ اسی طرح فرشتوں کے مخاطب بنانے پر اکتفا کر لیا گیا۔ مگر حکم دونوں کو ہوا تھا اب فسجدوا میں فرشتے اور جنات سب شامل ہو جائیں گے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ فرشتوں کی کوئی قسم ایسی بھی ہو جو ابلیس سے ماہیت وحقیقت کے لحاظ سے مختلف نہ ہو۔ بلکہ دونوں کی ذوات یکساں ہوں۔ مگر جس طرح سب انسان انسان ہوتے ہوئے بھی صفات وعوارض کے لحاظ سے نیک و بد دو حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ان میں بھی ہو اور لفظ جن دونوں کو شامل ہو۔ اور ابلیس بھی اسی قسم میں داخل ہو۔ جیسا کہ ابن عباسؓ کا ارشاد نقل ہو چکا ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی الا ابلیس کان من الجن ففسق عن امر ربہ کے مطابق ابلیس میں تغیر حال بھی درست ہو گیا جو اصطلاح میں رجعت کہلاتی ہے اور اس پر ہبوط کا مرتب ہونا بھی درست ہو گیا۔

البتہ یہ شبہ رہ جاتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت انہ علیہ السلام قال خلقت الملائکۃ من النور و خلق الجن من مارج من النار کی رو سے تو معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کی حقیقتیں بھی مختلف ہیں۔ پھر یہ تقریر کیسے صحیح ہے؟

جواب یہ ہے کہ اس روایت سے تو اور اس کی تائید ہو رہی ہے۔ کیونکہ اس میں دونوں کی حقیقت کو نور و نار کی حقیقت سے سمجھایا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ نور و نار کی حقیقت روشن جوہر ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ آگ میں دھوئیں کی آمیزش بھی ہوتی ہے جو نور میں نہیں ہوتی۔ اس میں خالص روشنی ہی ہوتی ہے۔ اس لئے ان دونوں میں تحویل بھی ہوتا رہتا ہے۔ غرض اس طرح تمام نصوص میں بے تکلف تطبیق ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت آدمؑ کا مسجود ملائکہ ہونا: حضرت آدمؑ کے مسجود ملائکہ بننے سے آدمؑ کی فرشتوں پر برتری معلوم ہوتی ہے۔ جو اہل سنت کا مسلک ہے۔ اگرچہ یہ فضیلت جزئی ہی ہو۔ معتزلہ اس کے برعکس مانتے ہیں۔ نیز تکبر کی برائی معلوم ہوتی۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ کفر تک نوبت پہنچا دیتا ہے اور امتثال حکم کی ترغیب بھی معلوم ہوئی اور یہ کہ امر وجوب کے لئے آتا ہے اور یہ کہ اسرار الٰہی میں غور وخوض نہیں

رنا چاہئے۔ بلکہ احکام کے ظاہر پر قناعت کرنی چاہیے۔

اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ امر الٰہی میں جس کا کفر پر مرنا طے ہو چکا حقیقۃً کافر وہی ہے۔ کیونکہ مرنے سے پہلے کافر کے متعلق بھی امکان رہتا ہے کہ مسلمان ہو جائے اور مسلمان کے لئے بھی خطرہ رہتا ہے کہ وہ کافر مرنے۔ غرض خاتمہ کا اعتبار ہے۔ اشاعرہ کے یہاں یہ مسئلہ ''موافات'' کہلاتا ہے۔

سجدہ کی حقیقت اور اس کی اجازت وممانعت: رہا یہ کہ سجدہ آدم کی حقیقت کیا ہے۔ غیر اللہ کو سجدہ کرنے کا حکم خود اللہ کی طرف سے کیسے ہوا۔ یہ تو کھلا ہوا شرک ہے؟ سو بات یہ ہے کہ سجدہ دراصل نام ہے پستی اور سرنگوں ہونے کا۔

ع تری الا کم فیہ سجد للحوافر یا جیسے وقس لہ اسجد للیلی فاسجدا. ان دونوں جگہ سرنگوں ہونے کے معنی ہیں۔ لیکن شریعت میں سجدہ کہتے ہیں بطور عبادت زمین پر سر رکھ دینے کو، حضرت آدم کے لئے فرشتوں کو جس سجدہ کا حکم دیا گیا وہ اگر شرعی تھا تو سجدہ فی الحقیقت اللہ کو کرنا تھا۔ آدم علیہ السلام تو کعبۃ اللہ کی طرح صرف جہت سجدہ اور قبلہ سجدہ ہوئے۔ جس سے آدم کی شان بڑھانی مقصود تھی یا وہ سجدہ واجب ہونے کا سبب اور باعث بنے۔ جیسے کہ کعبۃ اللہ میں بھی یہی دونوں باتیں توجیہ سجدہ ہیں۔ نہ صورت آدم پیش نظر تھی اور نہ صورت کعبہ مقصود ہے۔ بلکہ دونوں تجلیات ربانی کا محور ومظہر ہیں۔ اور آدم علیہ السلام قدرت کا ایک مکمل شاہکار تھی۔ خلق اللّٰہ ادم علی صورتہ پس اسجدوا لا دم میں لام ایسا ہے۔ جیسے اقم الصلوۃ لدلوک الشمس میں لام سببیہ ہے یا حضرت حسانؓ کے اس شعر میں جو حضرت علیؓ کی شان میں ہے

الیس اول من صلی لقبلتکم واعرف الناس بالقران والسنۃ

یعنی لام بمعنی الی جانب اور طرف کے لئے ہے۔ غرض حضرت آدم مسجود نہیں تھے بلکہ مسجود الیہ تھے۔ اور یہ اگر یہ سجدہ تحیتی تھا سجدہ عبادت نہیں تھا تب تو بات اور ہلکی ہو جاتی ہے۔ یعنی تعظیم وآداب بجالانا مراد ہے۔ جیسے کہ حضرت یوسف کو ان کے بھائیوں نے سجدہ کیا تھا۔ یا آج بھی شاہی آداب میں سمجھا جاتا ہے۔

اور بعض نوابی ریاستوں اور رجواڑوں میں فرشی سلام کا طریقہ رائج ہے۔ لیکن شریعت اسلامیہ نے اس کو منع کر دیا ہے کیونکہ یہ مقدمہ شرک ہے اور اسلام کے پیش نظر کامل توحید ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے روبرو سجدہ سے، اسی طرح اپنی قبر مبارک کو سجدہ کرنا سختی سے منع فرمادیا اور فرمایا کہ اگر کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت ہوتی تو بیوی کو اپنے شوہر کے لئے سجدہ کرنا روا ہوتا۔ اس لئے عبادتی اور تحیتی سجدوں کا فرق کر کے کسی جاہل کے لئے غیر اللہ کو کسی بھی قسم کا سجدہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

نیز سجدہ کے لغوی معنی لیتے ہوئے حضرت آدم کو فرشتوں کے سجدہ کرنے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تکوینیات اور معاشیات وغیرہ میں ان کی اطاعت واعانت کریں اور ان کے خلاف نبرد آزمانہ ہوں۔

حضرت آدم کو دونوں ہاتھوں سے بنانے کا مطلب: لما خلقت بیدی یعنی آدم کے جسم کو ظاہر کے ہاتھ سے اور روح کو باطن وغیب کے ہاتھ سے بنایا۔ اللہ ظاہری چیزوں کو ایک طرح کی قدرت سے اور غیب کی چیزوں کو دوسری طرح کی قدرت سے پیدا فرماتا ہے۔ اور انسان میں ان دونوں طرح کی قدرتیں خرچ کی ہیں۔ کیونکہ وہ عالم صغیر ہے جو اس عالم کبیر کا نمونہ ہے۔ یہ حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ کی رائے کا خلاصہ تھا۔ لیکن اللہ کی صفات کے سلسلہ میں جمہور کا مسلک ہی احوط ہے۔

استکبرت. یعنی جان بوجھ کر خود کو بڑا بنانا چاہا یا واقع میں تو اپنا مرتبہ ہی اونچا سمجھتا ہے۔ آگ گرم اور پر جوش ہے اور مٹی

سر دو خاموش۔ ابلیس نے آگ کو پسند کیا اور اللہ نے مٹی کو۔

حضرت آدم کی تخلیق کا ذکر قرآن کریم کے قصص مکررہ میں سے ہے۔ یہاں اگرچہ شجر ممنوعہ کے کھالینے اور جنت سے اترنے کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن بہت سے انبیاء کا ذکر ختم ہو چکا ہے۔ ادھر عصمت انبیاء کے مسئلہ پر کلام ابتدائے سورہ بقرہ میں حضرت آدم کے واقعہ میں رہ گیا ہے اس لئے مختصری روشنی اس پر ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

قاضی بیضاوی نے حضرت آدم کی ذلت ولغزش کے سلسلہ میں حشویہ کے چھ استدلال عصمت انبیاء کے خلاف نقل کر کے ان کے چار جواب ارقام فرمائے ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

دلائل حشویہ: ا۔ حضرت آدم اس وقت بھی اللہ کے نبی تھے۔ جب کہ انہوں نے ممانعت کے باوجود اس کی خلاف ورزی کی جو معصیت ہے۔

۲۔ اللہ نے آدم کو اس کی وجہ سے ظالم فرمایا اور ظالم کو ملعون قرار دیا گیا ہے۔ **الا لعنة الله علی الظٰلمین**.

۳۔ اللہ نے ان کے متعلق "عصی ادم ربہ فغوی" فرمایا جس سے ان کا عصیان وطغیان ثابت ہوا۔

۴۔ اللہ نے ان کو توبہ کرنے کو فرمایا اور توبہ کہتے ہیں گناہ پر پچھتانے اور اس سے باز رہنے کو۔

۵۔ خود حضرت آدم نے اپنی دعا میں **وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین** کہہ کر اس کا اعتراف کرلیا کہ اگر بخشش نہ ہوئی تو خاسر رہ جاؤں گا اور خاسر کے معنی گناہ کبیرہ کرنے والے کے ہیں۔

۶۔ اگر حضرت آدم گنہگار نہ ہوتے تو لباس چھینے جانے، جنت سے نکالے جانے اور اوپر سے اترنے کا ماجرا نہ ہوتا۔

جوابات اہل حق: ا۔ حضرت آدم ممنوعہ چیز کھانے کے وقت نبی نہیں تھے۔ کیونکہ اس وقت کوئی امت ہی نہیں تھی۔ نبوت بعد میں آئی ہے۔ اس وقت عصمت بھی مانی جائے گی جو ان کی نبوت اس وقت بھی ماننا ہو تو اس کو ثابت کرنا اس کے ذمہ ہے۔

۲۔ حضرت آدم کے لئے کھانا حرام نہیں تھا کہ اعتراض ہو۔ بلکہ کراہت تنزیہی کے درجہ میں تھا جو خلاف عصمت نہیں رہا ان کا خود کو ظالم و خاسر کہنا تو ظلم وخسران کا معمولی مرتبہ مراد ہے جو ترک اولیٰ کے درجہ میں ہوتا ہے۔ لہٰذا دوسرا اور پانچواں استدلال غلط ہو گیا۔ البتہ غی و عصیان کی نسبت حضرت آدم کی طرف اس کا جواب عنقریب آ رہا ہے لہٰذا تیسری دلیل بھی ساقط۔ اور حضرت آدم کو توبہ کا حکم جو دیا گیا اسی طرح آپ پر جو کچھ عتاب ہوا وہ سب خلاف اولیٰ کے درجہ میں ہی تھے۔ اور جنت سے دنیا میں بھیجنا۔ وعدہ خلافت پورا کرنے کے لئے ہوا۔ جس کا اظہار اللہ نے فرشتوں سے کیا تھا۔ اس لئے چوتھا اور چھٹا استدلال بیکار ہو گیا۔

۳۔ حضرت آدم سے قصور دانستہ سرزد نہیں ہوا۔ بلکہ سہو ونسیان وناشتگی میں ہوا ہے۔ جیسا کہ **نسی ولم نجد له عزما** سے معلوم ہوتا ہے اور یہ ہے کہ سہو ونسیان معصیت نہیں ہوتا۔ البتہ اس کے باوجود پھر عتاب ہونا یا تو اسباب نسیان کی نگہداشت نہ کرنے پر ہوا۔ اور یہ عظمت انبیاء کے پیش نظر ایک معمولی بات پر سخت گرفت کی گئی۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے۔ **اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الاولیاء ثم الامثل فالامثل** مقرباں را بیش بود حیرانی۔ اسی لئے کہا گیا۔ **حسنات الابرار سیئات المقربین** اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت آدم کے ساتھ جو کچھ بھی جنتی لباس کا چھننا یا وہاں سے نکل کر دنیا میں آنا ہوا وہ بطور گرفت یا سزا کے نہیں ہوا۔ بلکہ لازمی ثمرہ یعنی موت وبلائیت وہ بہرحال ہو کر رہے گی۔ اس میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ یہی حال کوتاہیوں، قصوروں، لغزشوں، گناہوں اور کفر کا ہے۔ ہر ایک کا مزاج اور تاثیرات لازمی اور واقعی ہیں۔

رہ گئی آیت ما نہا کما ربکما اور قسمھما الخ جو بظاہر اس توجیہ کے برخلاف ہیں۔ سو ممکن ہے ممنوعہ چیز کھانے کے وقت یہ نہ ہو۔ بلکہ یہ پہلے ہوا ہو۔ چنانچہ اس وقت حضرت آدمؑ کو شیطانی وسوسہ سے کھانے کی طرف رغبت ہوئی ہو گی۔ پھر ممانعت خداوندی کی وجہ سے شروع میں رکتے رہے ہوں۔ مگر پھر آگے چل کر تقدیر الٰہی غالب آ گئی اور وہ بھول گئے۔ ادھر میلان طبعی پھر ابھر آیا اور حکم الٰہی کی یادداشت کی وجہ سے جو رکاوٹ ہو رہی تھی وہ دور ہو چکی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس بات سے بچ رہے تھے وہ کر بیٹھے۔

۴۔ حضرت آدمؑ سے خطائے اجتہادی ہوئی۔ یعنی وہ ممانعت الٰہی کو حرام سمجھنے کی بجائے معمولی بات خلاف ادب اور کراہت تنزیہی سمجھ بیٹھے۔ جس کے بہت سے دلائل موجود تھے۔ یا ممکن ہے انہوں نے ممانعت کو کسی خاص درخت سے متعلق سمجھ کر اسی قسم کے دوسرے درخت کو استعمال کر لیا ہو۔ اور یہ سمجھے ہوں کہ میں ممنوعہ درخت سے بچ گیا۔ اس لئے خلاف ورزی نہیں ہوئی۔ حالانکہ منشائے الٰہی اس قسم کے تمام درختوں سے روکنا تھا۔ گویا خطائے عملی کی بنیاد خطائے فکری ہوئی یعنی ممنوعہ سمجھ کر نہیں کھایا بلکہ غیر ممنوعہ سمجھ کر کھایا۔ تاہم تشدد آمیز برتاؤ پھر اس لئے کیا گیا۔ تاکہ لغزش کی اہمیت جتلا دی جائے اور آئندہ اولاد محتاط رہے۔ اس تفصیل و تحقیق کا اصل موقعہ تو سورۂ بقرہ کا چوتھا رکوع ہی تھا۔ جیسا کہ قاضیؒ نے برمحل اس کو سپرد قلم کیا۔ لیکن اب اخیر میں ہی سہی۔ من لم یدرک الکل لم یترک البعض

لطائف سلوک: ما منعك ان تسجد. بعض اہل اشاعرہ نے "یدین" کی تاویل اللہ کی صفت مہر و قہر سے کی ہے اور باقی صفات انہی دو کی طرف راجع ہیں۔ پس اس سے انسان کا مظہر اتم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور بعض اہل تاویل یہ کہتے ہیں کہ اپنے ہاتھوں سے کام کرنے کا مطلب بلا توسط اسباب براہ راست کسی چیز کو تیار کرنا ہو۔ پس آدمؑ کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرمایا اور اس عالم اصغر میں عالم اکبر کو سمو دیا ہے اور اس پر وہ خصوصی نوازشیں کیں جو کسی مخلوق پر نہیں ہوئیں۔ پوری توجہ سے اس میں مجموعہ محاسن بننے کی صلاحیت و اہلیت رکھ دی۔

وما انا من المتکلفین اس میں تکلف اور تصنع کی برائی معلوم ہوتی ہے۔ جس میں اکثر علماء و مشائخ مبتلا پائے جاتے ہیں۔ علامہ بیہقیؒ نے شعب الایمان میں ابن المنذرؒ سے تخریج کی ہے۔ ثلاث ان ینازل من فوقه ویتعاطی مالا ینال ویقول مالا یعلم.

سُوْرَةُ الزُّمَرِ

سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ الْآيَةَ فَمَدَنِيَّةٌ

وَهِيَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ الْقُرْاٰنِ مُبْتَدَأٌ **مِنَ اللّٰهِ** خَبَرُهُ **الْعَزِيْزِ** فِيْ مُلْكِهٖ **الْحَكِيْمِ** ۱ فِيْ صُنْعِهٖ **اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ** يَا مُحَمَّدُ **الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ** مُتَعَلِّقٌ بِاَنْزَلْنَا **فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ** ۲ مِنَ الشِّرْكِ اَيْ مُوَحِّدًا لَّهٗ **اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ** لَا يَسْتَحِقُّهٗ غَيْرُهٗ **وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ** اَيِ الْاَصْنَامَ **اَوْلِيَآءَ** وَهُمْ كُفَّارُ مَكَّةَ قَالُوْا **مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى** قُرْبٰى مَصْدَرٌ بِمَعْنَى تَقْرِيْبًا **اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ** وَبَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ **فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ** ۳ مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ فَيُدْخِلُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْجَنَّةَ وَالْكَافِرِيْنَ النَّارَ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ** فِيْ نِسْبَةِ الْوَلَدِ اِلَيْهِ **كَفَّارٌ** ۳ بِعِبَادَةِ غَيْرِ اللّٰهِ **لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا** كَمَا قَالُوْا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا **لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ** وَاتَّخَذَهٗ وَلَدًا غَيْرَ مَنْ قَالُوْا مِنَ الْمَلَائِكَةِ بَنَاتُ اللّٰهِ وَعُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ **سُبْحٰنَهٗ** تَنْزِيْهًا لَهٗ عَنْ اِتِّخَاذِ الْوَلَدِ **هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ** ۴ لِخَلْقِهٖ **خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ** مُتَعَلِّقٌ بِخَلَقَ **يُكَوِّرُ** يُدْخِلُ **الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ** فَيَزِيْدُ **وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ** يُدْخِلُهٗ **عَلَى الَّيْلِ** فَيَزِيْدُ **وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ** فِيْ فَلَكِهٖ لِاَجَلٍ **مُّسَمًّى** لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ **اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ** الْغَالِبُ عَلٰى اَمْرِهِ الْمُنْتَقِمُ مِنْ اَعْدَائِهٖ **الْغَفَّارُ** ۵ لِاَوْلِيَائِهٖ **خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ** اَيْ اٰدَمَ **ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا** حَوَّاءَ **وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ** الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ الضَّاْنِ وَالْمَعْزِ **ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ** مِنْ كُلٍّ زَوْجَانِ ذَكَرٌ وَّاُنْثٰى كَمَا بُيِّنَ فِيْ سُوْرَةِ الْاَنْعَامِ

يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ أي نُطَفًا ثُمَّ عَلَقًا ثُمَّ مُضَغًا **فِي ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ** هي ظُلْمَةُ البطن وظُلْمَةُ الرحم وظُلْمَةُ المشيمة **ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنّٰى تُصْرَفُوْنَ** ۶ عن عبادته إلى عبادة غيره **إِنْ تَكْفُرُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ** وإن أراده من بعضهم **وَإِنْ تَشْكُرُوْا** الله فتؤمنوا **يَرْضَهُ** بسكون الهاء وضمها مع إشباع ودونه أي الشكر **لَكُمْ وَلَا تَزِرُ** نفس **وَازِرَةٌ وِّزْرَ** نفس **أُخْرٰى** أي لا تحمله **ثُمَّ إِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ إِنَّهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ** ۷ بما في القلوب **وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ** أي الكافر **ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ** تضرّع **مُنِيْبًا** راجعا **إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً** أعطاه إنعاما **مِّنْهُ نَسِيَ** ترك **مَا كَانَ يَدْعُوْٓا** يتضرّع **إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ** وهو الله فما في موضع من **وَجَعَلَ لِلّٰهِ أَنْدَادًا** شركاء **لِّيُضِلَّ** بفتح الياء وضمها **عَنْ سَبِيْلِهِ** دين الإسلام **قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا** بقية أجلك **إِنَّكَ مِنْ أَصْحٰبِ النَّارِ** ۸ **أَمَّنْ** بتخفيف الميم **هُوَ قَانِتٌ** قائم بوظائف الطاعات **آنَآءَ الَّيْلِ** ساعاته **سَاجِدًا وَّقَآئِمًا** في الصلٰوة **يَّحْذَرُ الْآخِرَةَ** أي يخاف عذابها **وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهِ** جنّة ربّه كمن هو عاص بالكفر وغيره وفي قراءة أم من فأم بمعنى بل والهمزة **قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ** أي لا يستويان كما لا يستوي العالم والجاهل **إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ** يتّعظ **أُولُوا الْأَلْبَابِ** ۹ أصحاب العقول

ترجمہ: سورۂ زمر مکی ہے بجز آیت قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسهم کے یہ مدنی ہے۔ اس میں کل ۷۵ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے (قرآن یہ مبتداء ہے) اللہ کی طرف سے (خبر ہے) جو غالب ہے (اپنی سلطنت میں) حکمت والا ہے (اپنی صنعت میں) ہم نے (اے محمد!) آپ کی طرف نازل کیا ہے بالکل صحیح طریقہ پر (یہ انزلنا کے متعلق ہے) سو آپ اللہ کی عبادت کرتے رہئے خالص عقیدے کے ساتھ (شرک سے پاک یعنی توحید بجا لاتے ہوئے) یاد رکھو خالص عبادت اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے (دوسرا کوئی اس کا مستحق نہیں ہے) اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور شرکاء (بت) تجویز کر رکھے ہیں (یعنی کفار مکہ کہتے ہیں) کہ ہم تو ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ہم کو اللہ کا مقرب بنا دیں (زلفی بمعنی قربی مصدر ہے بمعنی تقرب) تو اللہ فیصلہ کر دے گا ان کے (اور مسلمانوں کے) باہمی اختلاف کا (یعنی دین کے متعلق لہٰذا مومنین کو جنت میں اور کفار کو دوزخ میں داخل کر دے گا) یقیناً اللہ ایسے شخص کو راہ پر نہیں لاتا جو جھوٹا ہو (اس کی طرف اولاد کی نسبت کرنے میں) اور کافر ہو (غیر اللہ کی عبادت کرنے میں) اگر اللہ کسی کو اولاد بنانے کا ارادہ کرتا (جیسا کہ ان کا کہنا ہے کہ رحمٰن نے بیٹا بنا لیا ہے) تو ضرور اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا منتخب فرما سکتا تھا (ان کے علاوہ کو جو کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور عزیر اور مسیح اللہ کے بیٹے ہیں) وہ پاک ہے (اولاد تجویز کرنے سے) وہ اللہ ایسا ہے جو واحد ہے اور (اپنی مخلوق پر) زبردست ہے۔ اس نے آسمان زمین حکمت سے پیدا کیا ہے (بالحق، خلق کے متعلق ہے) وہ رات کو

ن پر لپیٹتا ہے (زبردست ہے۔ اس نے آسمان زمین وحکمت سے پیدا کیا ہے (بالحق، خلق سے متعلق ہے) وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے (داخل کرتا ہے لہٰذا دن بڑھ جاتا ہے) اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے (داخل کرتا ہے اس لئے رات بڑھ جاتی ہے) اور سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے ہر ایک (اپنے مدار میں) ایک مقررہ وقت (قیامت) تک چلتا رہے گا۔ یاد رکھو کہ وہ زبردست ہے (اپنے حکم کو چلا سکتا ہے۔ اپنے دشمنوں سے بدلہ لے سکتا ہے) بڑا بخشنے والا ہے۔ (اپنے ماننے والوں کو) اس نے تم لوگوں کو ایک تن (آدم) سے پیدا کیا۔ پھر اسی سے اس کا جوڑا (حوا) بنایا اور تمہارے لئے چوپاؤں میں پیدا کئے (اونٹ، بیل، بھیڑ، بکری) آٹھ نر و مادہ (یعنی ہر قسم میں نر و مادہ کے جوڑے پیدا کئے۔ جیسے سورہ انعام میں گزر چکا ہے) وہ تمہیں پیدا کرتا ہے تمہاری ماؤں کے پیٹ میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر (نطفہ) خون بستہ، گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں) تین اندھیریوں میں (ایک پیٹ کی تاریکی، دوسرے رحم کی تاریکی، تیسرے بچہ دانی کی جھلی کی تاریکی) یہ ہے اللہ تمہارا پالنے والا۔ اسی کی سلطنت ہے اس کے علاوہ کوئی بھی لائق عبادت نہیں۔ سو تم کہاں پھرے چلے جارہے ہو (اس کی عبادت چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کررہے ہو) اگر تم کفر کرو گے تو اللہ تمہارا محتاج نہیں۔ اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر پسند نہیں کرتا (اگر بعض بندوں کے لئے وہ کفر کا ارادہ کرتا ہے) اور اگر تم شکر کرو گے (اللہ کا یعنی تم ایمان لے آؤ) تو اس کو پسند کرتا ہے (یرضہ سکون ہاء کے ساتھ ہے اور ضمہ کے ساتھ بھی خواہ کھینچ کر خواہ بلا کھینچے ہوئے یعنی شکر سے راضی ہے) تمہارے لئے اور کوئی (نفس) کسی دوسرے (نفس) کا بوجھ نہیں اٹھاتا (برداشت نہیں کرتا) پھر اپنے پروردگار کے پاس تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔ سو وہ تم کو تمہارے سب اعمال جتلا دے گا۔ بلاشبہ وہ سینہ (دلوں) کے بھید جاننے والا ہے۔ اور آدمی (کافر) کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو (گڑگڑا کر) اپنے رب کو (رجوع ہوکر) پکارنے لگتا ہے۔ پھر جب اللہ اسے اپنے پاس سے نعمت عطا فرما دیتا ہے (نعمت سے نواز دیتا ہے) تو جس کو پہلے سے پکار رہا تھا (گڑگڑا رہا تھا) اس کو بھول بیٹھتا ہے (یعنی اللہ کو پس ما، من کی جگہ ہے) اور اللہ کا ساجھی (شریک) بنانے لگتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ گمراہ کرنے لگتا ہے دوسروں کو (یضل فتحہ یا اور ضمہ یا کے ساتھ ہے) اللہ کی راہ (مذہب اسلام) سے آپ کہہ دیجئے کہ اپنے کفر کی بہار تھوڑے دنوں (مرنے تک) اور لوٹ لے یقیناً تو دوزخیوں میں سے ہونے والا ہے۔ بھلا جو شخص (امن تخفیف میم کے ساتھ ہے) عبادت کررہا ہو۔ (بندگی فرمانبرداری میں لگا ہو) رات کی گھڑیوں (لمحوں) میں سجدہ اور قیام کرکے (نماز پڑھتے ہوئے) آخرت سے ڈرتا ہو (اس کے عذاب کا خوف رکھتا ہو) اور اپنے پروردگار کی رحمت (جنت) کی امید رکھتا ہو (کیا وہ اس نافرمان کے برابر ہو سکتا ہے جو کفر وغیرہ کرے ایک قرأت میں "ام من" ہے پس ام۔ بل اور ہمزہ کے معنی میں ہے) آپ کہئے کہ کیا علم والے اور بے علم والے برابر ہو سکتے ہیں (یعنی نہیں۔ جیسا کہ عالم و جاہل برابر نہیں ہو سکتے) وہی لوگ نصیحت (موعظت) پکڑتے ہیں جو عقلمند (سمجھدار) ہیں۔

تحقیق وترکیب: ..... **بالحق** اس میں باسببیہ ہے یہ ظرف ہے۔ لیکن ظرف مستقر بھی بن سکتا ہے۔ **ای متلبسا بالحق**

مخلصا له الدين۔ یعنی شرک وغیرہ سے پاک اسی طرح ہوائے نفس، شرک وشرک سے آلودہ نہ ہو۔

والذين۔ مبتداء ہے خبر جملہ **ان الله يحكم** ہے۔

ما نعبدهم حال ہے بتقدیر القول **اتخذوا** کا اور بعض کی رائے ہے کہ خبر محذوف ہے۔ **ای یقولون ما نعبدهم الخ**

اتخذ کا مفعول اول مفسرؒ نے **الاصنام** ظاہر کردیا ہے اور **اولياء** مفعول ثانی ہے۔

زلفى۔ مفعول مطلق من غیر لفظہ ہے یا اسم قائم مقام مصدر ہے۔ جیسا کہ مفسرؒ نے فرمایا ہے۔ چنانچہ **انبتكم من الارض نباتا** اور **وتبتل اليه تبتيلا** میں مصدر ہے۔

سحکم بینهم علم وحجت کے لحاظ سے حق و باطل کا دنیا میں بھی فیصلہ ہو چکا۔ لیکن آخرت میں اہل حق اور اہل باطل کے مابین امتیاز کر کے حق ناحق کا فیصلہ ہو جائے گا۔

ان الله يهدى اى لا يوفق. یہ تمہید ہے لو اراد الله کی اور پہلے کا تتمہ بھی یعنی غیر اللہ کی طرف الوہیت کی نسبت کرنے میں تمہید ہے اور لو اراد میں بطور فرض وتقدیر گفتگو ہے۔ یہ آیت قیاس استثنائی ہے۔ جس کا صغریٰ اور نتیجہ محذوف ہے۔ پہلا مقدمہ تو آیت ہے اور دوسرا مقدمہ لكن لم يصطف من خلقه شيئا جس کا نتیجہ فلم يرد ان يتخذ شيئ ولدا ہے۔

من الملائكة. یہ بیان ہے اور بنات الله خبر ہے مبتدائے محذوف کی اور جملہ مقول ہے۔ اور عزیر امجرور معطوف ہے۔

سبحه. الله کے لئے اولاد کا ہونا عقلاً نقلاً دونوں طرح ممتنع ہے۔ امتناع عقلی تو اس لئے کہ اولاد والدین کی ہم جنس ہوا کرتی ہے اور یہاں مجانست مستلزم حدوث ہے اور اللہ کا حادث ہونا باطل اور مستلزم باطل باطل ہوا کرتا ہے اور نقلاً اس لئے کہ قرآن وحدیث اور کتب آسمانی اس سے بھری پڑی ہیں۔

يكون تکریر کے معنی لپیٹنا ہے گرمی میں دن اور سردی میں رات بڑھ جاتی ہے۔

روجها حواء پہلے جیسا کہ کہا جا رہا ہے کہ اولاد آدم ان کی پشت سے ذرات کی شکل میں نکل آئی۔ اس کے بعد حوا بنائی گئیں۔

وانزل لكم من الانعام چوپائے یا تو جنت ہی میں پیدا ہوئے۔ پھر حضرت آدم کے ساتھ اترے۔ یا چونکہ یہ جانور چارہ کے محتاج ہیں اور چارہ پانی سے پیدا ہوتا ہے اور پانی اوپر سے نازل ہوتا ہے۔ اس لئے جانور بھی گویا اوپر سے اترآئے۔

ذلكم الله ذلكم مبتدا، الله خبر اول ربكم خبر ثانی ہے۔ له الملك خبر ثالث اور لا اله الا هو خبر رابع بھی ہو سکتی ہے اور جملہ مستانفہ بھی۔

لا يرضى. کفر ومعصیت اللہ کے ارادہ سے ہوتے ہیں۔ مگر اس کی رضا ان سے متعلق نہیں۔ قتادہؓ اور سلف سے اسی طرح منقول ہے۔ جیسا کہ مسلک اہل سنت ہے۔ لیکن ابن عباسؓ اور سدیؒ سے نقل ہے کہ عباد سے مراد خاص مومن ہیں بعض اشاعرہ کی رائے بھی یہی ہے کہ کفر بھی اللہ کی رضا سے ہوتا ہے۔ مگر آیت ولا يرضى لعباده میں خاص مومن مراد ہیں۔ چنانچہ عباده کی اضافت تشریفی اس کا قرینہ ہے ماتریدیہ کی رائے یہ نہیں ہے۔

تاہم ابن ہمام نے مسائرہ میں لکھا ہے کہ یہ اس آیت کی تفسیر پر موقوف ہے۔ جو حضرات رضا اور ارادہ کو ایک سمجھتے ہیں۔ جس کے بالمقابل کراہت آتی ہے وہ دوسری بات کے قائل ہوتے ہیں اور جو رضا کے معنی محبت کے لیتے ہیں جس کے مقابلہ میں لفظ سخط آتا ہے بمعنی ناگواری وہ اول بات کے قائل ہو گئے۔ یعنی نزاع لفظی جیسا کہ اکثر مسائل میں اشاعرہ ماتریدیہ کے متعلق محققین کی رائے یہی ہے۔

يرضه. ضمہ اور اشباع کے ساتھ مکیؒ اور علیؒ کی قرائت ہے اور بغیر اشباع کے ضمہ کے ساتھ نافعؒ اور ہشامؒ اور عاصمؒ کی قرأت ہے اور ان کے علاوہ سکون ہا کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ يرضه اصل میں يرضاه تھا۔ الف جزائے شرط ہونے کی وجہ سے گر گیا اور ضمیر شکر کی طرف راجع ہے۔

لا تزر. بظاہر یہ روایت الدال على الشرالح کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ مگر جہاں تک اصل فعل کی ذمہ داری ہے وہ خود فاعل پر رہے گی۔ دوسرا اس میں شریک نہیں ہوگا۔ البتہ جہاں تک رہنمائی کا تعلق ہے وہ رہنما کا فعل ہے اس کی ذمہ داری خود رہنما پر ہے کیونکہ وہ اس کا فعل ہے۔

غرض کہ اصلی بدی کے ثمرات تو خود کرنے والے پر ہوں گے۔ البتہ بھلائی برائی کا سبب اور ذریعہ بن جانا بلا شبہ اس سے منسوب کرنے والا نہیں بچ سکتا۔ اس طرح تمام نصوص میں تطبیق ہو جاتی ہے اب نہ مسئلہ شفاعت میں اشکال رہتا ہے۔ اور نہ ایصال ثواب میں۔ کیونکہ دوسرے کی برائی اٹھانے کی نفی کی گئی ہے۔ اس لئے شفاعت یا ثواب سے فائدہ اٹھانا وزر میں داخل ہی نہیں۔ البتہ کافر کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

نسی ماکان یا تو ما بمعنی من ہے۔ جیسے وما خلق الذکر والانثی میں اور یا ما موصولہ سے مراد ضرر ہے۔ جس کے لئے یہ دعا مانگتا رہا۔ تیسری صورت یہ کہ ما مصدریہ ہو۔ ای نسی کونہ داعیا اور قبل سے مراد پچھلی حالت ہے۔

لیضل ابو عمرو، ابن کثیر ورش کے نزدیک فتحہ یا کے ساتھ اور باقی قراء کے نزدیک ضمہ کے ساتھ ہے اور یہ لام عاقبت ہے۔

امن هو قانت۔ نافع اور ابن کثیر تخفیف میم کے ساتھ اور باقی قراء تشدید میم کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ پہلی قرأت میں دو صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو ہمزہ استفہام من بمعنی الذی پر داخل ہے اور استفہام تقریری ہے اور مقابل محذوف ہے۔ ای امن هو قانت کمن جعل الله اندادا یا کہا جائے امن هو قانت کغیرہ اور حاصل یہ ہوگا کہ اھذا القانت خیر ام الکافر المخاطب بقل تمتع الخ پس مبتداء کی خبر محذوف ہوگی۔ دوسری صورت یہ ہوگی کہ ہمزہ ندائیہ ہو اور من منادیٰ جس سے آنحضرت ﷺ مراد ہیں اور وہی قل هل یستوی الخ کے مخاطب ہیں۔ لیکن اگر دوسری قرأت لی جائے تو پھر ام داخل ہوگا۔ من موصولہ پر پھر دونوں میم میں ادغام ہے خواہ یہ ام متصلہ مانا جائے اور اس کا مقابل محذوف ہو ای الکافر خیر ام الذی هو قانت اور یہ ام منقطعہ کہا جائے بمعنی بل وهمزہ۔ ای بل امن هو قانت کغیرہ

اناء الیل۔ اول یا درمیان یا آخر شب میں تہجد یا نوافل پڑھنا۔ اس سے نہاری نوافل سے زیادہ لیلی نوافل کی فضیلت معلوم ہوئی۔ جیسا کہ احادیث فضائل سے ثابت ہے۔

هل یستوی۔ اس سے فضیلت علم معلوم ہوئی اور چونکہ پہلی آیت میں قانت کا ذکر آچکا۔ اس لئے بے عمل علماء کی برائی بھی واضح ہوئی اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قانتین سے مراد وہ لوگ ہیں جو فنا فی اللہ ہو گئے۔

انما یتذکر۔ یہ مستقل کلام ہے قل کے تحت نہیں ہے۔ بلکہ حق تعالیٰ فرما رہے ہیں۔ کہ ان نصائح سے اہل عقل ہی فائدہ اٹھاتے ہیں بے عقل محروم رہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ بڑی دولت ہے۔ انسان اسی کی وجہ سے ممتاز ہے۔ اور یہی مدار احکام ہے۔

ربط آیات: پچھلی سورت میں زیادہ بیان رسالت کا تھا۔ اس سورت میں زیادہ زور توحید پر ہے۔ یعنی امکان اور وجوب توحید۔ موحدین کی تعریف و جزاء اور اس کی ضد توحید کا بطلان وممانعت اور مشرکین کی مذمت وسزا اور فریقین کا حال و مال غرض کوئی رکوع اس کے اجمالی یا تفصیلی بیان سے خالی نہیں اور دوسرے مضامین ضمناً آ گئے ہیں۔ مثلاً قرآن کی حقانیت جس پر پچھلی سورت ختم ہوئی تھی۔ اس سورت کے شروع میں بیان کی گئی ہے۔ اس طرح آغاز واختتام مربوط ہو گئے۔

شان نزول: سورہ زمر میں چونکہ زمرۂ اہل جنت اور زمرۂ اہل جہنم کا ذکر ہے۔ اس لئے یہ نام تجویز ہوا اور زمرہ بمعنی جماعت۔ حدیث میں ہے۔ کان رسول الله لا ینام حتی یقروا الزمر وبنی اسرائیل۔ اور آیت لهم من فوقها غرف کی وجہ سے اس کا نام سورہ غرف بھی ہے۔ حدیث میں ہے۔ من اراد یعرف قضاء الله فی خلقه فلیقراء سورة الغرف۔ حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی مدینہ طیبہ میں مسلمان ہوئے۔ آیت قل یا عبادی الذین الخ انہی کی تسلی کے لئے نازل ہوئی۔

بعض کے نزدیک یہ آیت اور آیت اللہ نزل احسن الحدیث دونوں مدینہ میں نازل ہوئیں۔ اور بعض کی رائے میں آیت قل یا عبادی الذین سے سات آیات مدینہ میں نازل ہوئیں۔ اس طرح مدنی آیت کے بارے میں تین قول ہو گئے۔

مشرکین کہا کرتے تھے انما یعلمه بشر اور ان به جنة اس پر جواباً آیت تنزیل الکتاب نازل ہوئی۔

تشریح: اللہ کے زبردست کہنے سے اشارہ اس طرف ہے کہ اس کے احکام نافذ ہو کر رہیں گے۔ کیونکہ اس کی شان محض حاکمانہ ہی نہیں حکیمانہ بھی ہے، دنیا کی کوئی کتاب بھی اس کی حکمتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور مخلصا له الدین کا مطلب یہ ہے کہ کوئی عبادت بھی خلوص نیت کے بغیر قبول نہیں ہو سکتی۔ خالی عمل کی پوچھ نہیں ہے۔

بتوں کی پوجا اور قرب خداوندی: عام مشرکین کا دعویٰ یہ تھا کہ بتوں کی پوجا محض قرب الٰہی کے وسیلہ کے لئے ہے مگر یہ مذر لنگ اور پوچ بہانہ تھا۔ جس سے شرک کا جواز اور اہل حق کی توحید کا غلط ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ علمی دلائل سے اگرچہ بار بار اس کو واضح کیا جا چکا ہے۔ مگر آخرت میں اس کا عملی فیصلہ بھی ہو جائے گا۔ اس وقت اگرچہ یہ لوگ پچھتائیں گے مگر کیا فائدہ؟

واقعہ یہ ہے کہ جس نے ناحق پر کھڑے رہنے کی ٹھان لی اور سچ نہ بولنے کی قسم کھالی ہو۔ اور سچے محسن کو چھوڑ کر جھوٹے محسنوں کی لیپ پوت میں لگا رہے۔ اللہ کی عادت ہے کہ کبھی اس کو کامیابی و کامرانی نہیں دیتا۔ مسیحی لوگ حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور تین خداؤں کو ایک خدا مانتے ہیں اور اس چیتاں کو متشابہات مذہبی کا نام دیتے ہیں۔

اسی طرح یہود بے بہود بھی عزیز کو یہی منصب دیتے ہیں اور بعض قبائل عرب ان سے بھی چار قدم آگے فرشتوں کو خدا کی بے شمار بیٹیاں مانتے ہیں۔ غرض اس دیو مالائی جال سے کوئی بچ ہوا نہیں۔ اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جب عالم میں خالق و مخلوق کے سوا اور کوئی نہیں۔ پس اللہ اگر کسی کو اولاد کے لئے منتخب کرتا تو مخلوق ہی میں سے کس کو منتخب کرتا اور اللہ واجب اور مخلوق ممکن۔ پس اس اختلاف جنسی کے ہوتے ہوئے اس رشتہ کی بیل منڈھے کیسے چڑھے۔ پس اولاد تجویز کرنا گویا محال تجویز کرنا ہے۔ اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں تجویز کرنے میں اس محال کے علاوہ عرفاً گھٹیا اولاد کا تجویز کرنا مزید برآں ہے مخلوق میں سے جب اولاد کے انتخاب ہی کی ٹھہری تو پھر اس کا کیا مطلب کہ اللہ اپنے لئے تو گھٹیا انتخاب کر لیتا اور بڑھیا اولاد چن چن کر تمہیں دے دیتا یہ کہاں کا انصاف ہے؟

پھر ہر چیز اس کے آگے سرنگوں، کوئی اس پر حاوی نہیں کہ دباؤ سے مجبور ہو کر وہ یہ کام کرے نہ اسے کوئی حاجت پھر آخر اولاد کس غرض سے ہو؟

نیز جس طرح وہ مالک مکان ہے اسی طرح مالک زمان بھی ہے۔ سارا زمانہ اس کے دست قدرت میں پٹا ہوا ہے۔ دن چھپے پورب کو دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کنارے سے ایک اندھیری چادر اٹھتی چلی آ رہی ہے اور دن کی روشنی کو اپنے سامنے پچھم کی طرف لپیٹتی چلی جا رہی ہے۔ یہی عجیب وغریب منظر صبح کے وقت دکھائی پڑتا ہے۔ کہ دن کا اجالا رات کی تاریکی کو پورب سے دھکیلتا ہوا آ رہا ہے۔ انسان کی شرارتیں اور گستاخیاں تو ایسی ہیں کہ زمان و مکان کا یہ سارا نظام یک لخت درہم برہم کر دیا جائے۔ لیکن وہ اپنے عفو و کرم سے مہلت دے رہا ہے۔ ایک دم نہیں پکڑتا۔

آگے اپنے مسلسل اور بیشمار احسانات کی یاد دلائی جا رہی ہے کہ دیکھو ایک جان سے تمہیں پیدا کر کے اس کائنات سے متمتع ہونے کا موقعہ بخشا ہے۔ پس ایسے ہی کیوں نہیں یقین کرتے کہ یہ ساری کائنات ایک ہی ہستی سے وجود پذیر ہوئی ہے۔ کثرت کی بنیاد وحدت ہی نکلتی ہے۔

دفعۃً پیدائش سے زیادہ عجیب تدریجی پیدائش ہے: ... پھر انسان کی پیدائش بھی یک لخت نہیں رکھی۔ اگرچہ اس کی قدرت کن فیکونی ہے۔ یہ کوئی عجیب اور مشکل مرحلہ نہیں۔ مگر اس سے زیادہ حیرت ناک معاملہ مرحلہ وار سلسلہ وار پیدائش کا ہے۔ جسے دیکھ کر عقلیں دنگ ہیں کہ ایک بے حقیقت قطرہ تدریجی مراحل طے کر کے تین کوٹھڑیوں میں سے کمالات وخوبیوں کا پیکر بن کر چلا آتا ہے۔ بس جس کی قدرت کا کرشمہ یہ ہے جب وہی خالق، مالک، پالن ہار ہے تو پرستش کا حق دوسرے کو کیوں ملتا ہے۔ منزل سے اتنا قریب ہو کر بھی پھر انسان کہاں بھٹک اور بہک رہا ہے۔ اس طرح تمہارے منہ موڑنے سے اس کا تو کچھ نہیں بگڑے گا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ تم کہیں کے نہ رہو گے۔ وہ تمہاری احسان فراموشی اور ناسپاسی سے کیسے خوش ہو سکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ تم سے سخت بیزار ہے اس سے اس کی خوشنودی ہی میں انسان کی اپنی بھلائی ہے۔

غرض جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ یہ نہیں کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔ اور اللہ کے علم سے ایک ذرہ برابر باہر نہیں ہے سب کیا دھرا سامنے آجائے گا۔

انسان کی عجیب وغریب فطرت: انسان کی یہ منطق بھی عجیب ہے کہ وقت پڑنے پر تو اسے یاد کرتا ہے۔ کیونکہ دیکھتا ہے کہ مصیبت کوئی ہٹانے والا نہیں۔ لیکن جونہی وقت نکلا اور انسان پھر پچھلی حالت یکسر فراموش کر دیتا ہے۔ نعمت کی سرمستیوں میں گم ہو کر ایسا بھول جاتا ہے کہ ہم سے کوئی واسطہ ہی نہ تھا۔ اور اچانک دوسروں سے آشنائی کر کے خدا کی جگہ ان کو دے دیتا ہے اور یہی نہیں کہ خود بگڑتا ہے۔ بلکہ اپنے قول وعمل سے دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ فرما دیجئے کہ بہت اچھا اے انسان! کر لے جو کرنا ہے خوب مزے اڑا لے۔ چند روزہ عیش کے بعد تراٹھکانہ دوزخ ہوگا۔ جہاں سے چھٹکارہ نصیب نہ ہوگا۔

اس کے مقابلہ میں ایک دوسرا بندہ ہے جو رات کی نیند وآرام چھوڑ کر دست بستہ اللہ کے آگے کھڑا رہے۔ کبھی جھکے۔ ایک طرف اگر آخرت کا خوف اسے بے قرار رکھتا ہے تو دوسری طرف اللہ کی رحمت کا آسرا بھی باندھے ہوئے ہے بھلا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ یقیناً ان میں سے ایک سعید ہے اور دوسرا بدبخت۔ اگر پہلا بدبخت اور دوسرا نیک بخت دونوں برابر ہو جائیں تو گویا عالم وجاہل اور عقلمند وبے وقوف میں کچھ فرق نہ رہا۔ مگر اس بات کو بھی وہی سمجھ سکتے ہیں جنہیں اللہ نے عقل دی ہے۔

لطائف سلوک: آیت فاعبد اللہ مخلصا له الدين میں اخلاص کا حکم ہے اور مطلق ہونے کی وجہ سے تمام مراتب اخلاص نفس وقلب وروح سب مرتب کو شامل ہے۔

آیت ما نعبدهم سے ثابت ہوا کہ اللہ کی خصوصیات دوسروں کے لئے ماننا قطعاً مذموم ہے اور اس میں بالذات اور بالعرض کا فرق لگانا سودمند نہیں ہے۔

آیت ان اللہ لا يهدى کے عموم الفاظ پر نظر کرتے ہوئے اس کے لئے تہدید ہے۔ جو ولایت کے کسی مرتبہ کا جھوٹا دعویٰ کرے بلکہ لا يهدى میں اس کے محروم ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

يكور الليل الخ میں ایک نظیر کو دوسری نظیر پر قیاس کرتے ہوئے سالکین کے احوال قبض وبسط، صحو وسکر، جمع وفرق، تجلی وستر کے یکے بعد دیگرے مرتب ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

امن قانت الخ میں آداب عبودیت کے مکمل اہتمام کی طرف اشارہ ہے۔ وہ آداب ظاہری ہوں یا باطنی بلا فتور ونقصان کے۔

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اي عذابه بان تطيعوه لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا بالطاعة
حَسَنَةٌ ۚ وهي الجنة وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۗ فهاجروا اليها من بين الكفار ومشاهدة المنكرات اِنَّمَا
يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ على الطاعات وما يبتلون به اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾ بغير مكيال ولا ميزان قُلْ
اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۙ من الشرك وَاُمِرْتُ لِاَنْ اي بان اَكُوْنَ اَوَّلَ
الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ من هذه الامة قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ
اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ﴿۱۴﴾ من الشرك فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ۭ غيره فيه تهديد لهم وايذان
بانهم لا يعبدون الله تعالى قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ
بتخليد الانفس في النار وبعدم وصولهم الى الحور المعدة لهم في الجنة لو امنوا اَلَا ذٰلِكَ هُوَ
الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۵﴾ البين لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ طباق مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۭ من النار
ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ۭ اي المؤمنين ليتقوه يدل عليه يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا
الطَّاغُوْتَ الاوثان اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اقبلوا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ بالجنة فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾
الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ وهو ما فيه صلاحهم اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ
وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾ اصحاب العقول اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۭ اي لَاَملأنّ
جهنم الاية اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ تخرج مَنْ فِي النَّارِ ﴿۱۹﴾ جواب الشرط واقيم فيه الظاهر مقام المضمر
والهمزة للانكار والمعنى لا تقدر على هدايته فتنقذه من النار لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ بان اطاعوه
لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ڛ اي من تحت الغرف الفوقانية
والتحتانية وَعْدَ اللّٰهِ ۭ منصوب بفعله المقدر لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ﴿۲۰﴾ وعده اَلَمْ تَرَ تعلم اَنَّ اللّٰهَ
اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ ادخله امكنة نبع فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا
اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ ييبس فَتَرٰىهُ بعد الخضرة مثلا مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ۭ فتاتا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَذِكْرٰى تذكيرا لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾ يتذكرون به لدلالته على وحدانية الله تعالى وقدرته اَفَمَنْ
شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فاهتدى فَهُوَ عَلٰي نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ كمن طبع على قلبه دل على هذا
فَوَيْلٌ كلمة عذاب لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اي عن قبول القران اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾
اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا بدل من احسن اي قرانا مُّتَشَابِهًا اي يشبه بعضه بعضا في

بَعْضُهُ وَغَيْرِهِ **مَّثَانِيَ** ثُنِّيَ فِيهِ الْوَعْدُ وَالْوَعِيدُ وَغَيْرُهُمَا **تَقْشَعِرُّ مِنْهُ** تَرْتَعِدُ عِنْدَ ذِكْرِ وَعِيدِهِ **جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ** يَخَافُونَ **رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِينُ** تَطْمَئِنُّ **جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ** أَيْ عِنْدَ ذِكْرِ وَعْدِهِ **ذَٰلِكَ** أَيِ الْكِتَابُ **هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٢٣﴾ أَفَمَن يَتَّقِي** يَلْقَى **بِوَجْهِهِ سُوءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ** أَيْ أَشَدَّهُ بِأَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ مَغْلُولَةً يَدَاهُ إِلَى عُنُقِهِ كَمَنْ أَمِنَ مِنْهُ بِدُخُولِ الْجَنَّةِ **وَقِيلَ لِلظَّالِمِينَ** أَيْ كُفَّارِ مَكَّةَ **ذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٢٤﴾** أَيْ جَزَاءَهُ **كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ** رُسُلَهُمْ فِي إِتْيَانِ الْعَذَابِ **فَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٥﴾** مِنْ جِهَةٍ لَا يَخْطُرُ بِبَالِهِمْ **فَأَذَاقَهُمُ اللَّهُ الْخِزْيَ** الذُّلَّ وَالْهَوَانَ مِنَ الْمَسْخِ وَالْقَتْلِ وَغَيْرِهِمَا **فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا** أَيِ الْمُكَذِّبُونَ **يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾** عَذَابَهَا مَا كَذَّبُوا **وَلَقَدْ ضَرَبْنَا** جَعَلْنَا **لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٢٧﴾** يَتَّعِظُونَ **قُرْآنًا عَرَبِيًّا** حَالٌ مُؤَكِّدَةٌ **غَيْرَ ذِي عِوَجٍ** أَيْ لَبْسٍ وَاخْتِلَافٍ **لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٢٨﴾** الْكُفْرَ **ضَرَبَ اللَّهُ** لِلْمُشْرِكِ وَالْمُوَحِّدِ **مَثَلًا رَّجُلًا** بَدَلٌ مِنْ مَثَلًا **فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ** مُتَنَازِعُونَ سَيِّئَةٌ أَخْلَاقُهُمْ **وَرَجُلًا سَلَمًا** خَالِصًا **لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ** تَمْيِيزٌ أَيْ لَا يَسْتَوِي الْعَبْدُ لِجَمَاعَةٍ وَالْعَبْدُ لِوَاحِدٍ فَإِنَّ الْأَوَّلَ إِذَا طَلَبَ مِنْهُ كُلٌّ مِنْ مَالِكِيهِ خِدْمَتَهُ فِي وَقْتٍ وَاحِدٍ تَحَيَّرَ فِيمَنْ يَخْدُمُهُ مِنْهُمْ وَهَذَا مَثَلٌ لِلْمُشْرِكِ وَالثَّانِي مَثَلٌ لِلْمُوَحِّدِ **الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ** وَحْدَهُ **بَلْ أَكْثَرُهُمْ** أَهْلُ مَكَّةَ **لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٩﴾** مَا يَصِيرُونَ إِلَيْهِ مِنَ الْعَذَابِ فَيُشْرِكُونَ **إِنَّكَ** خِطَابٌ لِلنَّبِيِّ **مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ﴿٣٠﴾** سَتَمُوتُ وَيَمُوتُونَ فَلَا شَمَاتَةَ بِالْمَوْتِ نَزَلَتْ لَمَّا اسْتَبْطَأُوا مَوْتَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **ثُمَّ إِنَّكُمْ** أَيُّهَا النَّاسُ فِيمَا بَيْنَكُمْ مِنَ الْمَظَالِمِ **يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِندَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ ﴿٣١﴾**

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے ایمان والے بندو! اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو (یعنی اس کے عذاب سے ڈر کر فرمانبرداری کرو) جو لوگ اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں (فرمانبرداری کر کے) ان کے لئے بہترین صلہ (جنت) ہے اور اللہ کی سرزمین فراخ ہے (لہٰذا کفار اور برائیوں سے نکل کر وہاں چلے جاؤ) جو لوگ (نیکیوں اور اس کی آزمائشوں میں) مستقل مزاج رہتے ہیں ان کا صلہ بے شمار ہی ہوگا (بغیر ناپ تول کے) آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو حکم ہوا ہے کہ میں اس کے لئے (شرک سے) پاک صاف عبادت کروں اور مجھ کو حکم ہوا ہے کہ میں (اس امت کے) مسلمانوں میں سب سے اول ہوں آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں اپنے رب کا کہنا نہ مانوں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف رکھتا ہوں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں اللہ ہی کی عبادت (شرک سے) پاک صاف کرتا ہوں۔ سو تم خدا کو چھوڑ کر جس چیز کی چاہے عبادت کرو (اس میں کافروں کو دھمکی ہے اور اس پر تنبیہ کرنا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو) آپ کہہ دیجئے کہ سخت ٹوٹے میں وہی لوگ ہیں جو اپنی جان اور متعلقین کے بارے میں قیامت کے روز ٹوٹے میں پڑیں گے (ہمیشہ دوزخ میں پڑ کر اور ان حوروں سے محروم رہ کر جو ایمان لانے کی صورت میں ان کو جنت میں نصیب ہوتیں) یاد رکھو کہ یہ کھلا ہوا ٹوٹا ہے۔ ان کے لئے اوپر

سے بھی آگ کے گھیرنے والے شعلے ہوں گے اور نیچے سے بھی۔ یہ وہی ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے (مسلمانوں کو تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔ اگلا جملہ اس پر دلالت کر رہا ہے) اے میرے بندو! مجھ سے ڈرو اور جو لوگ شیطان کی عبادت سے بچتے ہیں اور اللہ کی طرف جھکتے ہیں (رخ کرتے ہیں) وہ (جنت کی) خوشخبری سننے کے مستحق ہیں۔ سو آپ میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے جو اس کلام کو کان لگا کر سنتے ہیں۔ پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر (جن میں ان کی فلاح ہے) چلتے ہیں یہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی اور یہی ہیں جو ہوش مند (عقلمند) ہیں۔ بھلا جس شخص پر عذاب کی بات (یعنی لاملان جهنم الخ) محقق ہو چکی تو کیا آپ ایسے شخص کو جو دوزخ میں ہے چھڑا سکتے ہیں؟ (یہ جواب شرط ہے جس میں اسم ظاہر بجائے ضمیر کے ہے اور ہمزہ انکاری ہے۔ یعنی تم ان کی ہدایت پر کسی طرح قادر نہیں ہو کہ انہیں عذاب سے بچا سکو) لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں (اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں) ان کے لئے بالا خانے ہیں جن کے اوپر اور منزلیں ہیں جو بنے ہوئے تیار ہیں۔ ان کے نیچے نہریں چل رہی ہیں (یعنی بالائی اور زیریں منزلوں کے نیچے) یہ اللہ کا وعدہ ہے (فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے) وہ وعدہ خلاف نہیں ہے (میعاد بمعنی وعدہ)۔

کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی۔ کہ اللہ نے آسمان سے بارش برسائی۔ پھر اس کو سوتوں میں داخل کرتا ہے۔ (زمین کے اندر ذخیروں میں) زمین کے۔ پھر اس کے ذریعہ کھیتیاں پیدا کرتا ہے۔ جس کی مختلف قسمیں ہیں۔ پھر وہ کھیتی خشک ہو (سوکھ) جاتی ہے کہ تو اس کو زرد دیکھتا ہے (سرسبزی کے بعد مثلاً) پھر اس کو چورا چورا (ریزہ ریزہ) کر دیتا ہے۔ اس میں دانشمندوں کے لئے بڑی عبرت (نصیحت) ہے (جو اس سے سبق لیں۔ کیونکہ اس سے اللہ کی توحید وقدرت معلوم ہوتی ہے) سو جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا (جس سے اسے ہدایت نصیب ہوگئی) اور وہ اپنے پروردگار کے نور پر ہے (کیا وہ اس کے برابر ہو سکتا ہے جس کے دل پر مہر لگ گئی۔ جیسا کہ اگلے جملہ سے یہ سمجھ میں آ رہا ہے) سو جن لوگوں کے دل اللہ کے ذکر (قرآن قبول کرنے) کی صلاحیت نہیں رکھتے ان کے لئے بڑی خرابی (سزا کا بول) ہے یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے (یہ احسن سے بدل ہے یعنی قرآن پاک) جو باہم ملتی جلتی ہے (نظم وغیرہ میں ایک جیسی ہے) بار بار دہرائی گئی ہے (وعدہ و وعید وغیرہ کا بیان بار بار ہوتا رہتا ہے) اس سے کانپ اٹھتے ہیں (لرز جاتے ہیں وعید سن کر) بدن ان لوگوں کے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں (خوف زدہ ہیں) پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف (وعدہ ذکر ہونے کے وقت) متوجہ (مطمئن) ہو جاتے ہیں یہ (کتاب) اللہ کی ہدایت ہے جس کو وہ چاہتا ہے اس کے ذریعہ سے ہدایت کر دیتا ہے اور خدا جس کو گمراہ کرتا ہے اس کا کوئی ہادی نہیں۔

بھلا جو شخص اپنے منہ کو قیامت کے روز عذاب کی ڈھال بنائے گا (بدترین عذاب میں جھونک دیا جائے گا ہاتھ گردن میں باندھ کر۔ کیا وہ اس کے برابر ہو سکتا ہے جو جنت میں جانے کی وجہ سے دوزخ سے محفوظ ہو جائے) اور ایسے ظالموں (کفار مکہ) کو حکم ہوگا جو کچھ تم کیا کرتے تھے اس کا مزہ چکھو (سزا بھگتو) جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں انہوں نے بھی (عذاب کے معاملہ میں پیغمبروں کو) جھٹلایا تھا ان پر عذاب ایسی طرح آیا کہ ان کو خیال بھی نہ تھا (دل میں کبھی شبہ بھی نہیں گذرا تھا) سو اللہ تعالیٰ نے ان کو رسوائی کا مزہ چکھا دیا (ذلت و پستی، مسخ و قتل وغیرہ کی صورت میں) اسی دنیاوی زندگانی میں اور آخرت کا عذاب اور بھی بڑا ہے کاش یہ (جھٹلانے والے) سمجھ جاتے (عذاب کو تو اس کو جھٹلا نہ سکتے) اور ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کے مضامین بیان کئے ہیں تاکہ یہ لوگ نصیحت (موعظت) پکڑیں کہ وہ عربی قرآن ہے (حال مؤکدہ ہے) جس میں ذرا کجی نہیں (یعنی تلبیس واختلاف نہیں) تاکہ یہ لوگ (کفر سے) ڈریں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مثال (مشرک وموحد کی) بیان فرمائی کہ ایک شخص ہے (مثلاً سے بدل ہے) جس میں کئی ساجھی ہیں جن میں باہم ضد اضدی ہے (جھگڑالو بدخلق ہیں) اور ایک شخص اور ہے کہ پورا کا پورا (سالم) ایک ہی شخص کا ہے کیا ان دونوں کی حالت

یساں ہے (مثلاً تمیز ہے یعنی مشترک غلام اور ایک آقا کا غلام برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ پہلے غلام سے ایک ہی وقت میں جب سب آقا اپنی اپنی خدمتوں کا مطالبہ کریں گے تو وہ حیران رہ جائے گا کہ کس کی خدمت بجا لائے۔ یہ مثال تو مشترک کی ہے اور دوسری مثال پرستار توحید کی ہے) سب خوبیاں (ایک) اللہ کے لئے ہیں بلکہ ان میں سے اکثر (اہل مکہ) سمجھتے بھی نہیں (کہ کس قسم کے عذاب میں گرفتار ہوں گے اسی لئے شرک کرتے رہتے ہیں) آپ کو بھی (پیغمبر کو خطاب ہے) مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے (ایک نہ ایک دن آپ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی۔ پھر کسی کے مرنے پر خوشیاں منانا کیسا؟ مخالفین چونکہ آپ کے انتقال کے منتظر تھے اس لئے یہ آیت نازل ہوئی) پھر قیامت کے روز تم سب لوگ (اے لوگو! اپنے اپنے مظالم کے) مقدمات اپنے رب کے سامنے پیش کرو گے۔

تحقیق و ترکیب:

للذین احسنوا جملہ مستانفہ ہے۔ جس سے تقویٰ کے حکم کی علت معلوم ہو رہی ہے۔ اور **فی هذه الدنیا** کے ساتھ مقید کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دنیا آخرت کی کاشت ہے اور **ارض الله واسعة** کا اس پر عطف ہو رہا ہے یعنی محبت وطن بھی اگر اللہ کی اطاعت میں رکاوٹ ہو تو وطن بھی ایک بت ہے۔ ہاں البتہ اگر ایک جگہ جانا کسی وجہ سے مناسب نہ ہو تو پھر ملک خدا تنگ نیست۔ دوسری مناسب جگہ تلاش کرو۔ غرض کہ ترک وطن تو محض ہجرت کی صورت ہے۔ حقیقت ہجرت دراصل ہجران معاصی ہے۔ **المهاجر من هجر عن مانهی الله به** ۔ فتح مکہ سے پہلے ہجرت مدینہ اگرچہ شرط اسلام تھی۔ لیکن فتح مکہ کے بعد شرط کا درجہ منسوخ ہو گیا۔ لیکن بعض حالات میں واجب اور بعض میں مستحب و مباح رہی۔ بلکہ بعض صورتوں میں ہجرت مکروہ اور حرام بھی ہے۔ مثلاً بھلوں کو چھوڑ کر بروں کے یہاں چلا جانا۔

بغیر حساب. ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت ہے ان **المیزان لا تنصب لا هل البلاء بل یصب لهم الا مرحباً.**

قل انی امرت. انسان کا اپنا عمل چونکہ اس کی نصیحت کو دوسروں پر اثر انداز بناتا ہے۔ اس لئے آپ کو یہ حکم ہوا۔ اسی لئے عربی کہاوت ہے۔ **حال رجل فی الف رجل انفع من حال الف رجل فی رجل** اور **مان** سے مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ لام بمعنی باء ہے اور بعض لام کو زائد مانتے ہیں اور بعض اجلیہ مانتے ہیں۔

لهم من فوقهم **لهم** خبر مقدم ہے اور **من فوقهم** حال اور **ظلل** مبتداء ہے۔ آگ تو جلانے والی ہے۔ اس کو سائبان کہنا تہکم ہے۔ البتہ ما تحت کو ظلہ کہنا تو ایک وجہ تو یہ ہے کہ ایک ضد کا دوسری ضد پر بولنے کے باب سے کہہ جانے۔ دوسرے یہ کہ نچلا حصہ خود اس کے لئے ظلہ نہ ہو۔ البتہ اس سے نیچے کے لئے ظلہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جہنم کے اسی طرح مختلف درجات ہیں جس طرح جنت کے لئے مختلف درجات ہیں۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ دونوں حصے اذیت پہنچانے میں یکساں ہیں۔ اس مماثلت و مشابہت کی وجہ سے ظلہ بول دیا گیا۔

افانت. من شرطیہ اور **افانت** الخ جزاء ہے یا جزاء محذوف ہے اور **افانت** مستقل جملہ ہے۔ سابق جملہ کی تاکید کے لئے۔

وعدالله. مصدر مؤکدہ ہے۔ ای **وعدهم الله وعدا.**

افمن شرح الله جملہ مستانفہ ہے اولوا الالباب کے ساتھ نصیحت خاص کرنے کی وجہ بیان کی جا رہی ہے۔ اور شرح صدر سے مراد تکمیل استعداد ہے۔ کیونکہ سینہ محل قلب ہے اور قلب منبع روح و نفس ہے۔ پس سینہ کی شرح نفس کا منشرح ہو جانا ہے۔ اس میں ہمزہ انکاری ہے ورفا عاطفہ ہے جو جملہ مقدرہ پر ای **اکل الناس سواء.** **من** موصولہ مبتداء محذوف الخبر ہے۔ ای **کمن طبع علی قلبه** اور بعض نے اس کو جملہ شرطیہ کہا ہے۔

علی نور حدیث میں ہے کہ قلب میں جب نور آ جاتا ہے تو دل منشرح ہو جاتا ہے۔ عرض کیا گیا۔ اس کی پہچان کیا ہے؟ فرمایا۔ **الانابة الی دار الخلود والتجافی عن دار الغرور والتاهب للموت قبل نزوله**

من ذکر اللہ. مفسر نے اشارہ کیا ہے۔ کہ من بمعنی سے ہے اور مضاف محذوف ہے۔ یا من تعلیلیہ مانا جائے یعنی دل فاسد ہونے کی وجہ سے اس میں ذکر اللہ کرنے سے قساوت آجاتی ہے۔ جیسا کہ عمدہ غذا خراب معدہ کے لئے مضر ہو جاتی ہے۔ بعض اہل دل کا ارشاد ہے۔ **الا بذکر اللہ تزداد الذنوب وتنطمس البصائر والقلوب.**

متشا بھا. یعنی لفظی معنوی تشابہت ہے۔ اس سے قرآن کا متشابہ ہونا معلوم ہوا۔ اور ایک آیت میں **کتاب احکمت اٰیاتہ** فرمایا گیا ہے۔ جس سے قرآن کا محکم ہونا معلوم ہوتا ہے اور **آیات محکمات ھن ام الکتاب واخر متشابھات** سے دونوں ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن وجہ تطبیق یہ ہے کہ اس آیت سے محاسن بلاغت میں لفظی ومعنوی یکسانیت ہونا مراد ہے اور آیات کتاب کے محکم ہونے سے مراد یقینی اور حق ہے اور بعض آیت کے متشابہ ہونے کا مطلب خفی المراد اور بعض کے محکم ہونے کا مطلب ظاہر امراد ہونا ہے۔

مثانی. وعد ووعید، قصص وامثال کا مکرر ہونا مراد ہے۔ رہا یہ اشکال کہ کتاب مفرد ہے۔ اس کے لئے مثانی جمع قلت کیسے لائی گئی ہے؟ جواب یہ ہے کہ قرآن کی تفصیلات کے پیش نظر جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔ جیسے کہا جائے **الانسان عروق وعظام واعصاب**

الی ذکر اللہ. الی بمعنی عند ہے۔ اس کو تضمین فی الحرف کہتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ تلیین بمعنی تسکین لی جائے۔ مفسر علامؒ نے دونوں کو جمع کر دیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مومن آیت وعدہ سے امید ورجاء کی کیفیت سے سرشار اور آیات وعید سے ہیبت زدہ رہتا ہے۔ **الایمان بین الرجاء والخوف.** پس خوف ورجاء اس کے لئے دو بازو ہیں۔

افمن یتقی. اس کی خبر محذوف ہے۔ **ای کمن امن من العذاب.**

وجھہ اس لئے کہا کہ چہرہ سب سے زیادہ عزیز عضو ہے۔ اس کی حفاظت کی فکر بھی زیادہ ہوا کرتی ہے۔ اور جہنم کی آگ میں ہاتھ بندھے اوندھے گرنے والے کے چہرہ ہی پر سب سے پہلے آفت آئے گی۔ گویا چہرہ کی حفاظت کی بجائے الٹا اس سے مدافعت کا کام لینے پر مجبور ہو جائے گا۔

وقیل للظلمین اس کا عطف پہلے مفہوم پر ہے۔ **ای یعذب الظالمون ویقال لھم الخ** اور بعض نے واؤ حالیہ کہا ہے وقد مقدر ہوگا۔

ذوقوا ما کنتم مضاف مقدر یا بطور مجاز سبب کو مسبب پر بولا گیا ہے۔ **من کل مثل.** یعنی ضروری دینی مثالیں۔

قراٰنا عربیا اس میں تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مدح کی وجہ سے منصوب ہو۔ دوسرے یہ کہ **یتذکرون** کی وجہ سے منصوب ہو۔ تیسرے یہ کہ قرآن سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہو حال مؤکدہ موطئہ ہے۔ جیسے **جاء زید رجلاً صالحاً.**

غیر ذی عوج. قرآن کی صفت یا حال ثانی ہے۔ علامہ زمخشریؒ نے **مستقیماً** کی بجائے **غیر ذی عوج** کہنے کا نکتہ یہ لکھا ہے کہ اس میں دو فائدے ہیں۔ ایک تو یہ کہ قرآن میں کبھی بھی کجی نہیں ہو سکتی۔ دوسرے عوج معانی کے ساتھ مختص ہے اعیان کے ساتھ نہیں ہے۔ یعنی نفی کے بعد نکرہ ہے۔ اس لئے عموم نفی ہو رہی ہے نہ کہ نفی عموم۔ اور **مستقیماً** میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ اس لئے قرآنی لفظ ابلغ ہے۔ اور بعض نے عوج کے معنی شک والتباس کے لئے ہیں۔

ورجلا یہ مثلا سے بدل ہے بحذف مضاف **ای مثل رجل** ۔ اور **ضرب** کا مفعول ثانی بھی ہو سکتا ہے اور **شرکاء** کا مبتداء ہے اور **فیہ** خبر ہے۔

متشا کسون. **شرکاء** کی صفت ہے اور جملہ رجلا کی صفت ہے۔ یا **متشا کسون** خبر ہو اور **فیہ** متعلق ہے اس لفظ

کے معنی باہم بدخوئی کرنے کے ہیں۔ ابن کثیرؒ اور ابوعمروؒ سالما الف کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اور باقی قراء جیسے نافعؒ، ابن عمرؒ اور کوفی سلما پڑھتے ہیں۔ اور ابن جبیرؒ سین کے کسرہ اور سکون لام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اخیر کی دونوں قراءتیں مصدر ہوں گی بطور مبالغہ کے یا حذف مضاف کے ساتھ یا دونوں اسم فاعل کی بجائے ہیں۔ پس دونوں قراءتوں کا مآل ایک ہی ہوگا۔

مثلاً اصل میں فاعل تھا اب تمیز ہوگئی۔ اگر مثلین کی قراءت ہے تب تو کوئی اشکال نہیں۔ لیکن اگر مثلاً ہے تو رجلین مذکورین کے مطابق نہیں ہے مفرد ہونے کی وجہ سے۔ مگر ہر ایک کو انفراداً لیا جائے گا۔ اس لئے اشکال نہیں رہے گا۔ شماتت دشمن کی تکلیف پر خوش ہونے کو کہتے ہیں۔

ربط آیات: کفر وشرک کے ناپسندیدہ اور سخت عذاب کے مستحق ہونے کو اور اسی طرح ایمان واخلاص کے پسندیدہ اور مستحق انعام واکرام ہونے کو بیان فرما کر آیت قل انما امرت الخ میں ایمان واخلاص کا صریح حکم ہے۔ جس سے ان کا پسندیدہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور اخاف الخ میں کفر وشرک کی ممانعت اور ناپسند ہونا اشارۃ ہے۔

آگے چل کر آخرت کی اور زوال نعمتوں اور مصیبتوں کا ذکر کر کے ایمان واخلاص کی تقویت مقصود ہے۔

اس کے بعد آیت الم تر ان اللہ سے دنیا کے انہماک کا بیان ہے جو ایمان واخلاص میں سب سے بڑی رکاوٹ بنتی ہے۔

آیت افمن شرح اللہ میں مؤثر ایک اور تاثیر یکساں ہونے کے باوجود متاثر میں فرق ہو جانے سے تاثیرات بھی مختلف ہو جاتی ہیں۔ خوف خدا رکھنے والے پر جو اثر ہوتا ہے نڈر شخص پر اس کا الٹا اثر ہوتا ہے۔ آگے افمن یتقی سے دونوں کے مآل میں بھی فرق دکھلایا جا رہا ہے۔

آیت ولقد ضربنا سے فی نفسہ قرآن کا مؤثر ہونا بتلایا جا رہا ہے۔ فرق جو کچھ ہے وہ لوگوں کی قابلیت کا ہے۔

اس کے بعد ضرب اللہ سے مثال کے ذریعہ اسی کی تنویر وتقریر کی جا رہی ہے۔ لیکن معاندین ان کھلے فیصلوں کو بھی نہ مانیں تو وہ جانیں آخری فیصلہ خداوند قدوس کی بارگاہ میں ہوگا سب تیار رہیں۔

شان نزول: کفار مکہ آنحضرت ﷺ سے کہنے لگے کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو اور کر رہے ہو اس سے تمہارا مقصد اپنے آبائی ملت کو حقیر کرنا اور ان کا نام اونچا کرنا ہے۔ اس پر آیت قل انی اخاف الخ نازل ہوئی۔ جس سے مقصود یہ ہے کہ جب آپ کو باوجود معصوم ہونے کے ڈرایا جا رہا ہے۔ تو پھر دوسروں کا کیا حال ہوگا۔

نیز یہ کہ انسان کی نصیحت اسی وقت ہوا کرتی ہے جب وہ کاربند ہو۔ انبیاء وصلحاء بادشاہوں کی طرح نہیں ہوتے کہ دوسروں کو کہتے رہیں اور خود عمل پیرا نہ ہوں۔

آیت والذین یجتنبون الخ عثمان ابن عفان، عبدالرحمن ابن عوف، سعد، سعید، طلحہ، زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے خود ان کے ایمان لانے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایمان قبول کر لیا ہے۔ چنانچہ یہ سنتے ہی یہ سب ایمان لے آئے۔ اور کلبیؒ کہتے ہیں کہ انسان اپنے احباب کے پاس بیٹھ کر اچھی بری باتیں سنے مگر صرف اچھی باتوں کو اپنائے۔ وہ اس کا مصداق ہے۔

تشریح : قل یعباد .... یعنی اللہ کا پیغام اسکے بندوں کو پہنچا دو کہ آخرت کے لئے جو کچھ کرنا ہے وہ دنیا میں رہ کر ہی کیا جا سکتا ہے۔ اس زندگانی کو غنیمت جانو اور جو کچھ کرنا ہے کر گزرو۔ ایک جگہ اگر نیکی کرنے میں رکاوٹیں ہوں تو اس جگہ ہی کو خیر باد کہہ دو اور ہر چند کہ تکالیف ناقابل برداشت ہوں گی۔ مگر پروا مت کرو اور ہمت کر کے نکل کھڑے ہو اور دوسری مناسب جگہ منتقل ہو جاؤ۔ خدا اس کا بڑا ہی اجر عطا کرے گا۔

حب وطن اگر کوئی چیز ہے تو وطن سے مراد حقیقی وطن ہے جو واقعی ہے۔ یہ دروطن تو اصلی نہیں عارضی ہے بہر حال اس کو تو چھوٹنا ہے اسے لئے خود چھوڑ دو تو کچھ بات ہے۔

آنحضرت ﷺ کے پہلے مسلمان ہونے کا مطلب :...... وامرت لان اکون اول میں حقیقت حال کو بتایا گیا ہے۔ یونکہ امت مسلمہ کے لحاظ سے آپ ﷺ کا اول ہونا تو بداہتۃً اور مشاہدۃً ہے۔ لیکن بلحاظ عالم حقیقت کے بھی اولین و آخرین میں آپ ہی اول فرمانبردار ہیں۔ اس لئے آپ سنا دیجئے کہ میں تو صرف اللہ اکیلے کی بندگی کرتا ہوں تمہیں اپنا اختیار ہے۔ پر انجام کی فکر نہ کرنا۔ مشرکین نہ تو خود کو دوزخ سے بچا سکیں گے اور نہ گھر والوں کو۔ سب ہی کو جہنم میں جھلسنا ہوگا۔ جہاں ہر طرف آگ ہی آگ اور اس کی لپٹیں اور شعلے ہوں گے۔ البتہ جو سب سے ہٹ کر اللہ کا ہو جائے گا اس کے لئے یقیناً خوشخبری ہے۔ ایسے لوگ اگرچہ سب کی سب کچھ سنتے ہیں مگر چلتے ہیں صرف اچھی ہی باتوں پر۔ یا اچھی باتوں میں بھی اگر ادنیٰ اعلیٰ پہلو ہوں اور رخصت و عزیمت کے درجے ہوں تو یہ لوگ اعلیٰ قدروں کے قدر دان ہوتے ہیں۔

یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی سب ہی باتیں بہتر ہیں۔ ان سب ہی کا یہ اتباع کرتے ہیں۔ یا یہ کہ جن باتوں کے کرنے کا حکم ہو ان کا کرنا اور جن باتوں سے نہ کرنے کا حکم ہے۔ ان کا نہ کرنا بہتر ہے اور وہ ان سب کی پابندی کرتے ہیں۔ یہی کامیابی اور عقل کا راستہ ہے۔ لیکن جن کے لئے ضد و عناد اور بدعملیوں کی وجہ سے عذاب کا سزاوار ہونا ثابت ہو چکا۔ کیا یہ کامیابی کی راہ پا سکتے ہیں اور کوئی انہیں راہ پر لا سکتا ہے یا دوزخ کی آگ سے بچا سکتا ہے۔

بہر حال پرہیزگاروں کے لئے بھی سجائی جنت تیار ہے یہ نہیں کہ قیامت کے روز تیار کی جائے گی اور جب تیار ہے تو ان کو ملے گی بھی۔ اللہ تعالیٰ وعدہ خلاف نہیں ہے۔

زندگی اور موت کا عجیب نقشہ : آیت الم تر ان اللہ .... سے دلائل قدرت کا بیان ہے کہ ہر فصل زمین کی رت بدلتی ہے اور کھیتیاں کس طرح لہلہاتی ہیں لیکن دیکھتے ہی دیکھتے یہ سارا منظر تبدیل ہو جاتا ہے اور وہ سارا سبزہ چورے میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ یہی حال اس دنیا کی چہل پہل اور رونق کا ہے کہ چار روزہ یہ چمک دمک ایک دن ختم ہو جائے گی۔ چاہئے کہ عقلمند اس عارضی بہاروں پر نہ جائیں اور انجام سے بے فکر اور بے پرواہ نہ بن جائیں۔

کھیتی کے سارے نظام پر نظر ڈالو کہ اس میں غلہ بھی نکلتا ہے جو آدمیوں کی غذا بنتا ہے اور بھوسا بھی ہوتا ہے جو جانوروں کے چارے کے کام آتا ہے اور ان دونوں کو محنت سے الگ الگ کر کے کارآمد بنایا جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا کی زندگانی میں نیکی، بدی، رنج و راحت ملی جلی ہیں۔ مگر قیامت کے کھلیان میں سب الگ الگ کر کے اپنے ٹھکانوں پر پہنچا دی جائیں گی۔

کھیتی کے سارے نقشہ پر نظر ڈال کر سمجھ دار اپنے لئے سبق سیکھ سکتے ہیں۔ نیز جس خدا نے آسمانی بارش سے زمین میں چشمے جاری کردیئے۔ وہ جنت کے محلات میں بھی نہایت قرینہ سے نہروں کا سلسلہ جاری کرے گا۔ چشموں اور کنوؤں کے پانی بننے کے دو سبب ہوتے ہیں۔ ایک زمین کی برودت سے بخارات کا پانی بن جانا اور دوسرے بارش کے پانی کا زمین میں پیوست ہوکر اکٹھا ہو جانا۔

آیت میں دوسرے سبب کا ذکر ہے۔ لیکن اول سبب کی نفی بھی نہیں۔ اس لئے آیت کو مسئلہ فلسفیہ کے معارض نہیں کہا جائے گا۔ بالخصوص جب کہ بغدادی جیسے فلاسفہ کی رائے میں وہ بھی ایک سبب ہے۔

علم وعمل اور اخلاق کے اعلیٰ مراتب: افمن شرح اللہ میں نیکی بدی، نیک و بد کے فرق کو ایک دوسرے انداز سے سمجھایا جا رہا ہے کہ ایک وہ ہے جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے۔ اسے احکام الٰہیہ میں پوری طمانیت وسکون حاصل ہو جاتا ہے۔ علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین کی منازل طے کر کے روشنی اور اجالے میں پہنچ جاتا ہے۔ جہاں شک وشبہ کے کانٹوں کا شائبہ تک نہیں رہتا۔

یہ علم کا منتہیٰ اور کمال درجہ ہے۔ اس انشراح قلبی کے ساتھ عمل کی آخری حد بھی نصیب ہو جاتی ہے۔ کہ احکام شرع میں کوئی تکلف نہیں رہتا۔ بلکہ عادت وعبادت، شریعت وطریقت یکساں ہو جاتی ہیں۔ دونوں میں مزاحمت اور کشاکش نہیں رہتی۔ بلکہ دونوں کے تقاضے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ اسے اخلاق پختگی اتنی نصیب ہو جاتی ہے کہ وہ تخلقوا باخلاق اللہ کا مصداق بن جاتا ہے۔ اور وہ مختلف لوگوں کے طرز عمل سے متاثر نہیں ہوتا۔

اور دوسرا وہ بدبخت ہے جس کا دل پتھر کی طرح سخت ہو کہ نہ کوئی نصیحت اس پر کارگر ہو اور نہ وہ کسی خیر سے متاثر ہو، نہ کبھی اسے اللہ کی یاد کی توفیق ہو اور نہ اپنی اصلاح کی فکر بلکہ محض اوہام ورسوم کا بندہ بن کر رہ جائے۔ کیا یہ دونوں انسان برابر ہو سکتے ہیں۔

قرآنی آیات ایک سے ایک نرالی ہیں: اللہ نزل۔ قرآن پاک کا حال یہ ہے کہ صداقت، حقانیت، نافعیت اور فصیح وبلیغ اور مفید ومعقول ہونے میں سب آیات ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں کوئی کسی سے کم نہیں۔ باہمی آیتوں میں کوئی تخالف اور تضاد نہیں ہے اور کہیں جو بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے وہ ایسا نہیں کہ تامل کے بعد دور نہ کیا جا سکے۔ ترجیح، تنسیخ، تطبیق میں سے کسی نہ کسی صورت میں اس کو حل کیا جا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض آیات کی تفسیر خود آیات ہی کے ذریعہ بھی ہو سکتی ہے۔

اور قرآن اس معنی کے لحاظ سے مثانی ہے کہ اس کی آیات بار بار تلاوت کی جاتی ہیں۔ نیز بعض احکام اور قصص ومواعظ بار بار دہرائے جاتے ہیں اور بعض نے متشابہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قرآن کے بعض حصہ میں یا ایک ہی مضمون مختلف آیات میں دور تک چلا جاتا ہے۔

اور مثانی اس کے برخلاف یہ کہ ایک آیت میں ایک مضمون بیان کر کے دوسری آیت میں اس کے بالمقابل دوسری نوع کا مضمون ہے۔ مثلاً نیکی کے ساتھ بدی کا اور نیک کے ساتھ بد کا حال یا اس کے برعکس طریقہ بکثرت آیات میں آتا رہتا ہے۔

کلام الٰہی کی تاثیر اور وجد وحال: اس بے نظیر کلام کا اثر اللہ سے ڈرنے والوں پر تو یہ ہوتا ہے۔ کہ سن کر ان کا دل لرز جاتا ہے۔ بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یعنی ان کا ظاہر وباطن اللہ کے آگے جھک جاتا ہے اور یاد الٰہی کا اثر ان کے جسم وروح دونوں پر ہو جاتا ہے۔

یہ تو کاملین کا حال ہوا۔ رہ گئے وہ ضعفاء اور غیر کامل جن پر سن کر بے ہوشی، بے طاقتی یا وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے تو آیت میں اس کی نفی نہیں ہے۔ چنانچہ احادیث سے جہاں خلفائے اربعہ اور دوسرے اجلہ صحابہؓ کا حال معلوم ہوتا ہے وہیں ابوذرؓ اور ابو ہریرہؓ کی کیفیات بھی ماثور ہیں۔

بظاہر اگرچہ ان کیفیات کے حاملین اور جوش وخروش کرنے والے بڑھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مگر حقیقت حال ایسی نہیں ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ کمزوری کی وجہ سے مغلوب الحال لوگوں سے اسی قسم کی کیفیات کا اظہار ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ بے خود ہو کر چھلک جاتے ہیں۔ مگر طاقت ور اور کامل حضرات غالب الاحوال اور ضابط رہتے ہیں۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام کے حالات سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

بہر حال اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے حکمت الٰہی مقتضی ہوتی ہے تو ان پر ہدایت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور یہ منزل مقصود کی طرف چلتے رہتے ہیں۔ لیکن جن کو ان کی بداستعدادی کی وجہ سے اللہ توفیق نہ دے۔ تو پھر کون ہے جو ان کی رہنمائی کر سکے۔

جنتی اور جہنمی دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟: ...... آگے افمن یتقی سے افمن شرح اللہ کے بالمقابل کا حال بیان کیا جا رہا ہے کہ ایسا شخص جو بدترین عذاب کو اپنے منہ پر روکے اور اس سے کہا جائے کہ اب اپنے کئے کا مزہ چکھو جو دنیا میں تم نے کام کئے تھے۔ کیا وہ اس مومن کی طرح ہو سکتا ہے جو آخرت میں مامون ومحفوظ ہو؟ ہرگز نہیں آگے فرمایا جا رہا ہے کہ پچھلی کتنی قومیں انبیاء کو جھٹلانے کی پاداش میں تباہ اور رسوا کی جا چکی ہیں۔ اور آخرت کا بدترین عذاب ان پر جوں کا توں رہا۔ پھر کیا اب حال کے یہ معاندین مطمئن ہو بیٹھے ہیں کہ ان کے ساتھ کچھ نہیں کیا جائے گا۔ انہیں اگر سمجھ ہوتی تو اس کی کچھ فکر کرتے۔

کسی حملہ یا مصیبت کا روکنا اگرچہ ہاتھوں سے عام طور پر ہوا کرتا ہے۔ مگر جہنم میں چونکہ ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہوں گے اس لئے چہرہ کے ذریعہ دفاع کرنے کو کہا گیا ہے۔ جس میں مصیبت کے شدید ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ چہرہ کا تو بچاؤ کیا جاتا ہے نہ یہ کہ اس کو بچاؤ کا ذریعہ بنایا جائے۔ مگر سخت مجبوری میں اس کی بھی پرواہ نہیں کی جائے گی۔

قرآن کے کسی کو سمجھانے میں کوئی کمی یا فرق نہیں ہے۔ وہ تو ہر بات کو مثالوں اور دلیلوں سے سمجھاتا ہے کہ یہ لوگ دھیان کر کے اپنی عاقبت صحیح کر لیں۔ قرآن نے جن لوگوں کو پہلے پہل خطاب کیا۔ ان کی مادری زبان چونکہ عربی ہے اس لئے قرآن صاف عربی زبان میں آیا۔ جس میں سب سیدھی سچی باتیں ہیں۔ جو عقل سلیم کے لئے قابل قبول ہوں۔ اس میں کوئی ٹیڑھی، ترچھی بات نہیں۔ اس کے مضامین یا عبارت میں کوئی اینچ پیچ نہیں۔ وہ جن اعمال کی دعوت دیتا ہے نہ ان کا ماننا مشکل اور نہ ان پر عمل کرنا ناممکن۔ ہاں کوئی اپنی حماقت یا غفلت سے نہ سمجھے یا نہ کرے وہ دوسری بات ہے۔ مگر قرآن کی کوشش یہی ہے کہ لوگ بآسانی اس سے مستفید ہوں، اعتقادی یا تخیلی غلطیوں سے بچ کر چلیں۔ صاف صاف نصیحتیں سن کر اللہ سے ڈرتے رہیں۔

مشرک وموحد اور دنیا دار ودین دار کا مثالی فرق: ...... قرآن میں اللہ کی بیان کردہ ایک مثال سنو۔ فرض کرو ایک شخص بہت سے لوگوں کا غلام اور وہ سب اتفاق سے بدخلق، کج فہم، بے مروت اور سخت ضدی ہوں۔ ہر آقا یہی چاہتا ہو کہ غلام تنہا اس کے کام میں لگا رہے۔ دوسرے حصہ داروں سے اس کو کوئی سروکار نہ رہے۔ اس کھینچ تان میں ظاہر ہے کہ غلام سخت الجھن میں رہے گا

کہ کس کس کو خوش کروں اور کس کس کا کام کروں۔ سب کو کیسے راضی رکھوں یا کسی ایک کو کیسے ترجیح دوں۔ غرض اس کا سارا وقت اسی ادھیڑ بن میں گزرے گا اور ایک وہ شخص ہے جو صرف ایک ہی آقا کا غلام ہو۔ ظاہر ہے کہ اسے پوری طرح یکسوئی رہے گی اور کئی آقاؤں کو خوش رکھنے کی کشمکش میں گرفتار نہ ہوگا۔

پس جیسے یہ دونوں غلام برابر نہیں ہو سکتے۔ یہی حال مشرک اور موحد کا ہے۔ مشرک کا دل تو ہر وقت ڈانوا ڈول اور سب کی خوشامد میں لگا رہتا ہے۔ لیکن ایک موحد کی ساری دوڑ دھوپ ایک ہی کے گرد رہتی ہے۔ وہ پوری دلجمعی سے اپنا مرکز توجہ صرف ایک کو بنائے رکھتا ہے۔ اسے دوسروں کی فکر نہیں ہوتی۔ اس کے لئے ایک ہی کی خوشنودی بس کرتی ہے۔

اسی طرح ان دونوں میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ جو غلام کئی کا ہوگا ان میں سے کوئی بھی اسے اپنا نہ سمجھے گا۔ اور نہ اس کی پوری خبر لے گا۔ یہ مثال ہے کئی رب کے بندے کی۔ لیکن جو ایک کا غلام ہو تو وہ آقا بھی اس کو اپنا ہی سمجھے گا۔ اور اس کی پوری خبر گیری کرے گا۔ یہ مثال ہے ایک رب ماننے والے بندہ کی۔

الحمدللہ کہ قرآن کیسے حقائق اور اعلیٰ مطالب کو کیسی دلنشین مثالوں اور شواہد سے سمجھا دیتا ہے۔ اب کوئی بدنصیب اس پر بھی اتنی واضح مثالوں کو نہ سمجھے تو اس کا کیا علاج، علاج اگر ہے تو یہی کہ قیامت کے دن سب کے سامنے مشرک وموحد کے صحیح غلط ہونے کا عملی فیصلہ ہو جائے گا۔ جس وقت ایک طرف انبیاء اور ان کے پیروکار ہوں گے اور دوسری طرف اشرار و کفار ہوں گے۔ جو فضول جھگڑے اور بحثیں نکالیں گے۔ اس روز دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ الگ ہو جائے گا۔

حیات انبیاء پر آیت سے روشنی:............ انك ميت الخ سے معلوم ہوا کہ دوسروں کی طرح اگرچہ آنحضرت ﷺ کے لئے بھی وفات اور انتقال کا لفظ بولنا جائز ہے مگر حیات انبیاء کے اجماعی مسئلہ کے خلاف یہ آیت نہیں ہے۔ کیونکہ انبیاء کی حیات برزخی اتنی قوی ہوتی ہے کہ ناسوتی حیات کے تینوں اثرات برقرار رہتے ہیں۔

۱۔ ان کی ازواج سے نکاح کی اجازت نہیں ہے۔

۲۔ نہ ان کی میراث تقسیم ہوتی ہے۔

۳۔ ان کے اجسام میں زمین کے تغیرات پھوٹنا، پھٹنا، گلنا سڑنا نہیں پائے جاتے ہیں۔ انبیاء سے کم درجہ شہداء کی حیات ہوتی ہے۔ چنانچہ ان کے بدن بھی قبروں میں محفوظ رہتے ہیں۔ البتہ حرمت نکاح ازواج اور ممانعت میراث میں وہ انبیاء کے ساتھ شریک نہیں ہوتے اور عامہ مومنین کی برزخی حیات تو اور بھی کم ہوتی ہے۔ حتی کہ جسم کی حفاظت کا وعدہ بھی ان سے نہیں ہے اور کفار کی حیات برزخی حد درجہ کمزور ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ انك ميت وانهم ميتون فرمایا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ کیفیات موت میں انبیاء اور غیر انبیاء برابر نہیں ہوتے۔ بلکہ نوعیت الگ الگ ہے ورنہ انكم ميتون یا انك وانهم ميتون مختصر عبارت فرمانا کافی تھا۔ جیسا کہ یختصمون فرما کر سب کو شریک کر دیا گیا ہے۔ بہر حال حیات کی طرح ممات بھی مختلف ہے۔

لطائف سلوک:........ افمن شرح الله۔ حدیث میں اس نور اور شرح صدر کی پہچان یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ دار الخلد (آخرت) کی طرف توجہ اور اس دار الغرور (دنیاوی زندگی) سے بے تعلقی اور موت کے لئے تیاری ہونے لگتی ہے۔

فويل للقاسية قساوت قلبی چونکہ شرح صدر کے مقابلہ میں ہے تو اس کی علامت بھی اس کی عدمت کے بالمقابل ہوگی۔ یعنی شرح صدر کے آثار سے خالی ہونا۔ معلوم ہوا کہ بعض لوگ جو سمجھتے ہیں کہ طبعی رقت نہ ہو تو قساوت ہے۔ غلط ہے۔

الله نزل احسن الحديث میں ایک لطیف وجد کا ذکر ہے۔ لیکن اس سے بے ہوشی وغیرہ صحیح کیفیات کا غلط ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا۔ البتہ بعض اسلاف ابن سیرینؒ وغیرہ نے جو وجد و تواجد کا انکار اور رد کیا ہے اس سے مراد جھوٹے ریا کار وجد و حال کرنے والے لوگ مراد ہیں۔ علی ہذا صحیح وجد و حال بھی ضعف تحمل پر دلالت کرتا ہے۔ جو کمال نہیں کہا جا سکتا۔ کمال وہی ضبط و برداشت ہے۔ جیسا کہ حضرات صحابہؓ اور دور اول کے کاملین کی کیفیات تھیں۔

ضرب الله مثلاً یہی حالت دنیا کی کشاکش میں گرفتار اور فکر آخرت میں ڈوبے ہوئے اشخاص کی ہے کہ ایک سخت کشمکش میں مبتلا اور دوسرا سب الجھنوں سے آزاد ہوتا ہے۔

الحمد للہ کہ پارہ ومالی (۲۳) کی تفسیر مکمل ہوئی

پارہ نمبر ﴿۲۴﴾

فَمَنْ اَظْلَمُ

فہرست پارہ ﴿فمن اظلم﴾

فَمَنْ اَظْلَمُ

فَمَنْ اى لا احد **اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ** بِنِسْبَةِ الشَّرِيْكِ وَالْوَلَدِ اِلَيْهِ **وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ** بِالْقُرْاٰنِ **اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى** مَاْوًى **لِّلْكٰفِرِيْنَ** ﴿۳۲﴾ بَلٰى **وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ** هُوَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَصَدَّقَ بِهٖٓ** هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ فَالَّذِىْ بِمَعْنَى الَّذِيْنَ **اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ** ﴿۳۳﴾ الشِّرْكَ **لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ** ﴿۳۴﴾ لِاَنْفُسِهِمْ بِاِيْمَانِهِمْ **لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** ﴿۳۵﴾ سُوْءُ وَاَحْسَنُ بِمَعْنَى السَّيِّءِ وَالْحَسَنِ **اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ** اَىِ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلٰى **وَيُخَوِّفُوْنَكَ** الخطاب له **بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ** اَىِ الْاَصْنَامِ اَنْ تَقْتُلَهٗ اَوْ تُخَبِّلَهٗ **وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ** ﴿۳۶﴾ **وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ** غَالِبٍ عَلٰى اَمْرِهٖ **ذِى انْتِقَامٍ** ﴿۳۷﴾ مِنْ اَعْدَائِهٖ بَلٰى **وَلَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ** تَعْبُدُوْنَ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَىِ الْاَصْنَامِ **اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ** لَا **اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ** لَا وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالْاِضَافَةِ فِيْهِمَا **قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ** ﴿۳۸﴾ يَثِقُ الْوَاثِقُوْنَ **قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ** حَالَتِكُمْ **اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ** عَلٰى حَالَتِىْ **فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ** ﴿۳۹﴾ **مَنْ** مَوْصُوْلَةٌ مَفْعُوْلُ الْعِلْمِ **يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ** يَنْزِلُ **عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ** ﴿۴۰﴾ دَائِمٌ هُوَ عَذَابُ النَّارِ وَقَدْ اَخْزَاهُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ **اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ** مُتَعَلِّقٌ بِاَنْزَلَ **فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ** اهْتِدَاؤُهٗ **وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ**

بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾ فتجبرهم على الهدى **اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا** وَيتوفّٰى **الَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا** ۚ اي يتوفاها وقت النوم **فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى** ۭ اي وقت موتها والمرسلة نفس التمييز تبقى بدونها نفس الحيوة بخلاف العكس **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ** المذكور **لَاٰيٰتٍ** دلالات **لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ** ﴿۴۲﴾ فيعلمون ان القادر على ذلك قادر على البعث وقريش لم يتفكروا في ذلك **اَمِ** بل **اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اي الاصنام الهة **شُفَعَاۗءَ** ۭ عند الله بزعمهم **قُلْ** لهم أ يشفعون **وَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا** من الشفاعة وغيرها **وَّلَا يَعْقِلُوْنَ** ﴿۴۳﴾ انكم تعبدونهم ولا غير ذلك لا **قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا** ۭ اي هو مختص بها فلا يشفع احد الا باذنه **لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** ۭ **ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ** ﴿۴۴﴾ **وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ** اي دون الهتهم **اشْمَاَزَّتْ** نفرت وانقبضت **قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ** ۚ **وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ** اي الاصنام **اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ** ﴿۴۵﴾ **قُلِ اللّٰهُمَّ** بمعنى يا الله **فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** مبدعهما **عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ** ما غاب وما شوهد **اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ** ﴿۴۶﴾ من امر الدين اهدني لما اختلفوا فيه من الحق **وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْۗءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ** ۭ **وَبَدَا** ظهر **لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ** ﴿۴۷﴾ يظنون **وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ** نزل **بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ** ﴿۴۸﴾ اي العذاب **فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ** الجنس **ضُرٌّ دَعَانَا** ۡ **ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ** اعطيناه **نِعْمَةً** انعاما **مِّنَّا** ۙ **قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰي عِلْمٍ** ۭ من الله باني له اهل **بَلْ هِىَ** اي القولة **فِتْنَةٌ** بلية يبتلى بها العبد **وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ** ﴿۴۹﴾ ان التخويل استدراج وامتحان **قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ** من الامم كقارون وقومه الراضين بها **فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ** ﴿۵۰﴾ **فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا** ۭ اي جزاؤها **وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ** اي قريش **سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا** ۙ **وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ** ﴿۵۱﴾ بفائتين عذابنا فقحطوا سبع سنين ثم وسع عليهم **اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ** يوسعه **لِمَنْ يَّشَاۗءُ** امتحانا **وَيَقْدِرُ** ۭ يضيقه لمن يشاء ابتلاء **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ** ﴿۵۲﴾

ترجمہ: ...... سو اس شخص سے زیادہ کون بے انصاف ہوگا؟ (کوئی نہیں) جو اللہ پر (شریک اور اولاد کی نسبت کرتے ہوئے)

جھوٹ باندھے اور سچی بات (قرآن) کو جب کہ اس کے پاس پہنچے جھٹلا دے۔ کیا دوزخ میں کافروں کا ٹھکانہ (رہنے کا مقام) نہ ہوگا؟ (ضرور ہوگا) اور جو شخص (پیغمبر ﷺ) سچی بات لے کر آیا اور لوگوں نے اس کو سچ جانا (اس سے مراد مومنین ہیں ہذا الــذی معنی میں الــذین کے ہے) یہی لوگ پرہیزگار ہیں (شرک سے بچنے والے) وہ جو کچھ چاہیں گے ان کے پروردگار کے پاس سب کچھ ہے۔ یہ صلہ ہے نیکوکاروں کا (اپنی جانوں پر ایمان لا کر) تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے برے کاموں کو دور کر دے اور ان کے نیک کاموں کے عوض ان کو ان کا ثواب عطا کرے (لفظ اسواء اور احسن۔ برائی اور حسن کے معنی میں ہے) کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں ہے (یعنی پیغمبر ﷺ کے لیے ضرور کافی ہے) اور یہ لوگ آپ کو (آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے) ڈراتے ہیں ان سے جو خدا سے سوا ہیں (یعنی بت تمہیں مروا دیں گے یا باؤلا بنا دیں گے) اور جس کو گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے اور جس کو وہ ہدایت دے دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ہے۔ کیا خدا (اپنے کام میں) زبردست (دشمنوں سے) بدلہ لینے والا نہیں ہے (ضرور ہے) اور اگر آپ (لام قسمیہ ہے) ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ آپ کہیے کہ بھلا پھر یہ تو بتلاؤ کہ خدا کے علاوہ جن معبودوں (بتوں) کو تم پوجتے (بندگی کرتے) ہو اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہے۔ کیا یہ معبود اس کی دی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں (ہرگز نہیں) یا اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی عنایت کرنا چاہے۔ کیا یہ معبود اس کی عنایت کو روک سکتے ہیں (ہرگز نہیں۔ ایک قراءت میں دونوں جگہ کاشفات اور ممسکات اضافت کے ساتھ ہیں) آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے برادران وطن! تم اپنی حالت (طریقہ) پر عمل کرتے رہو میں بھی (اپنی حالت پر) عمل کر رہا ہوں۔ سو اب جلد ہی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ وہ کون شخص ہے (مــن موصولہ علم کا مفعول ہے) جس پر ایسا عذاب آیا چاہتا ہے جو اس کو رسوا کر دے گا اور اس پر دائمی عذاب نازل ہوگا (دوزخ کا عذاب۔ رہا رسوا کرنا سو وہ غزوۂ بدر میں ہو چکا ہے) ہم نے آپ پر یہ کتاب لوگوں کے لئے اتاری جو حق کو لئے ہوئے ہے (بــالــحــق انــزل کے متعلق ہے) سو جو شخص راہ راست پر آئے گا۔ سو (اس کا ہدایت پر آنا) اپنے نفس کے لئے ہے اور جو شخص بھٹکے گا تو اس کا بھٹکنا خود اسی پر ہوگا۔ اور آپ ان پر مسلط نہیں کئے گئے (کہ آپ ان کو راہ راست پر آنے کے لئے مجبور کر سکیں) اللہ ہی قبض کرتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اور (قبض کرتا ہے) ان جانوں کو بھی جن کی موت نہیں آتی سونے کی حالت میں (یعنی سوتے وقت ان کو بھی قبض کرتا ہے) پھر ان جانوں کو روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا اور باقی جانوں کو ایک مقررہ میعاد تک کے لئے رہا کر دیتا ہے (یعنی اس کی موت تک اور رہا شدہ تمیزی ہے جس کے بغیر بھی روح زندگی برقرار رہتی ہے برخلاف اس کی برعکس صورت کے) اس میں (جو بات ذکر ہوئی) نشانیاں (دلائل) ہیں ان لوگوں کے لئے جو سوچنے کے عادی ہیں (تاکہ انہیں پتہ لگ جائے کہ جو ذات اس نظم پر قادر ہے اسے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے اور قریش اس کو نہیں سوچتے تھے) ہاں کیا (ام بل کے معنی میں ہے) ان لوگوں نے خدا کے علاوہ دوسروں کو (بتوں کو معبود) قرار دے رکھا ہے۔ جو سفارش کریں گے (اللہ کے ہاں ان کے گمان کے مطابق) آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ کیا (سفارش کریں گے) اگرچہ کچھ بھی قدرت نہ رکھتے ہوں (سفارش وغیرہ کی) اور کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں (کہ تم ان کی پوجا کرتے ہو اور نہ دیگر باتوں کی) آپ کہہ دیجئے کہ سفارش تمام تر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے (یعنی وہ اس کا خصوصی اختیار ہے۔ کوئی کسی کی بلا اجازت سفارش نہیں کر سکے گا۔ تمام آسمان و زمین کی سلطنت اسی کی ہے۔ پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔ اور جب فقط اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے (ان کے معبودوں کے بغیر) تو منقبض ہو جاتے ہیں (نفرت اور اعراض کرنے لگتے ہیں) ان لوگوں کے دل جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور جب اللہ کے علاوہ اوروں (بتوں) کا ذکر آتا ہے تو ایک دم وہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔ آپ کہیے کہ اے اللہ! (الــلــهــم بمعنی اے اللہ) آسمان و زمین کے پیدا (ایجاد) کرنے والے باطن اور ظاہر کے جاننے والے (جو نگاہوں سے اوجھل اور

کاموں کے سامنے ہو) آپ ہی اپنے بندوں کے درمیان ان باتوں میں فیصلہ فرمادیں گے جن میں وہ باہم اختلاف کرتے تھے (مذہبی معاملہ میں آپ ان کے اختلافات میں مجھے حق کی طرف ہدایت فرمائیے) اور اگر ظلم کرنے والوں کے پاس دنیا بھر کی تمام چیزیں ہوں اور ان چیزوں کے ساتھ اتنی ہی چیزیں اور بھی ہوں۔ تو وہ لوگ قیامت کے دن سخت عذاب سے چھوٹ جانے کے لئے دینے دلانے لگیں اور اللہ کی طرف سے ان کو وہ معاملہ پیش آئے گا جس کا ان کو گمان (خیال) بھی نہ تھا۔ اور ان کو تمام اپنے برے اعمال ظاہر ہوجائیں گے اور جس چیز (عذاب) کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ وہ ان کو آگھیرے گا۔ پھر جس وقت آدمی (انسان) کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت (انعام) عنایت (عطا) فرمادیتے ہیں۔ تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو مجھ کو تدبیر سے ملی ہے (یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ میں اس کا اہل تھا) بلکہ یہ (بول) ایک آزمائش ہے (جس میں بندہ مبتلا ہوتا ہے) لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں (کہ یہ بخشش ایک طرح کی ڈھیل اور امتحان ہوا کرتا ہے) یہ بات تو ان لوگوں نے بھی کہی تھی جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں (پچھلے لوگ جیسے قارون اور اس کے ہم خیال وافراد) سو ان کی کارروائی ان کے کچھ کام نہ آئی۔ پھر ان کی تمام بداعمالیاں (یعنی ان کی سزائیں) ان پر آپڑیں اور ان میں بھی جو ظالم ہیں (یعنی قریش) ان پر بھی ان کی بداعمالیاں ابھی پڑنے والی ہیں اور یہ بچ نہیں سکتے (ہمارے عذاب سے چھوٹ نہیں سکتے۔ چنانچہ قریش سات سال قحط میں مبتلا رہے پھر نجات ملی) کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے (بطور امتحان) اس کو زیادہ (کشادہ) رزق دے دیتا ہے اور وہی تنگی کردیتا ہے (جسے چاہتا ہے آزمائشی طور سے روزی تنگ کردیتا ہے) اور اس میں ایمان والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

تحقیق وترکیب:

بالصدق. مبالغۃً قرآن کو صدق کہنا "**زید عدل**" کی طرح ہے۔

بلی. حدیث ابوداؤد میں ہے۔ **من قرء الیس اللہ باحکم الحاکمین فلیقل بلی ومن قرء الیس ذلک بقادر علی ان یحی الموتی فلیقل بلی** اسی لئے ایسے مواقع میں بلی کہنا مسنون ہے اور شوافعؒ کے نزدیک تو نماز میں بھی کہنا چاہئے۔

الذی جاء مفسرؒ نے جاء اور صدق کا فاعل الگ الگ قرار دیا ہے۔ لیکن دونوں کا فاعل ایک بھی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ تغائر کی صورت میں **بالذی** کا اضمار لازم آئے گا جو جائز نہیں ہے اور یا اضمار قبل الذکر لازم آئیگا۔ جو کہ غیر مناسب ہے۔ **الذی** بمعنی **الذین** لے کر مفسرؒ نے اس کے عموم کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جیسا کہ بقول بعض **اولئک هم المتقون** میں ضمیر جمع بھی عموم پر دلالت کررہی ہے۔

جزاء المحسنین معلوم ہوا کہ بھلائی برائی کا نفع نقصان انسان ہی کو ہوتا ہے اللہ کو نہیں۔

تخبله. قاموس میں ہے۔ **خبله افسد عقله او عضوه**۔

ذی انتقام. اس میں قریش کے لئے وعید اور مسلمانوں کے لئے وعدہ ہے۔

کاشفات. ابوعمروؒ کے علاوہ اور قراء نے دونوں لفظوں کو تنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔ مفسرؒ نے اسی قرأت کو لیا ہے۔

بوکیل. اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی ہے کہ آپ اپنی حدود سے زیادہ بوجھ نہ اٹھائیے۔ نہ ہدایت وگمراہی آپ کے قبضہ میں ہے اور نہ جبر واکراہ آپ کے حدود میں۔

اللہ یتوفی الانفس اس میں اختلاف ہے کہ انسان میں ایک ہی روح ہوتی ہے اور تعدد بلحاظ اوصاف ہوتا ہے۔ چنانچہ تحقیقی بات یہی ہے۔ یا دو روحیں ہوتی ہیں۔ ایک روح منامی کہ اس کے نکلنے پر انسان سوجاتا ہے اور واپس آنے پر جاگ جاتا ہے۔ اور دوسری روح حیاتی کہ اس کی موجودگی میں انسان زندہ رہتا ہے۔ سوتا جاگتا ہے۔ لیکن نکلنے پر مرجاتا ہے اور پھر تمیز واحساس سب ختم ہوجاتے ہیں۔

او لو کانوا　مفسرؒ نے ہمزہ کامدخول یشفعون محذوف قرار دیا ہے۔

واذا ذکر۔ یہ اذا شرطیہ ہے اور اذا هم میں اذا مفاجاتیہ ہے۔اس میں عامل معنی مفاجات ہیں۔ای فاجؤا وقت الذکر وقت الاستبشار　اور ظرفین کا تعلق ایک عامل سے ضروری نہیں ہے۔کیونکہ دوسرا اذا ظرفیت کی وجہ سے منصوب نہیں بلکہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے ہے۔گویا اذا مفاجاتیہ ہے معنی مفاجات عامل ہیں اور اذا شرطیہ میں جواب عامل ہے۔کیونکہ اس صورت میں اذا شرطیہ کا عامل فعل نہیں ہوسکتا۔اس لئے کہ وہ اذا مفاجاتیہ کے مضاف الیہ کے درجہ میں ہوجائے گا۔پھر مضاف میں یا اس کے پہلے کیسے عمل کرسکتا ہے۔اس لئے دونوں میں معنی مفاجات کو عامل ماننا پڑے گا۔لیکن اگر معنی شرط کو عامل مانا جائے۔جیسا کہ بعض کی رائے ہے اور علامہ رضیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔تو پھر اذا معنی شرط کو متضمن ہوجائے گا۔اور اذا مفاجاتیہ میں مفاجات کو عامل ماننا یہ صرف علامہ زمخشری کی رائے تھی۔جس میں علامہ ابن حاجب نے ان کا اتباع کیا ہے۔لیکن ابن ہشام اور ابوحیانؒ نے اس کو نہیں مانا۔علامہ رضی بھی اس پر راضی نہیں ہیں۔کیونکہ اس صورت میں اذا کو مفعولیت سے خارج کرنا پڑے گا۔بلکہ ان حضرات نے اس میں خبر کو عامل مانا ہے خواہ خبر مذکور ہو یا مقدر۔

یہ تفصیل تو اذا کو ظرف مکان یا زمان ماننے کی صورت میں تھی۔لیکن اذا کو حرف ماننے کی صورت میں پھر عامل کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ہاں اذا ظرف مکان ماننے کی صورت میں جیسا کہ مبردؒ کی رائے ہے، یہ خبر ہوجائے گا۔کائن سے متعلق ہوکر بعد کے مبتداء کی۔اور ظروف علامہ کے متعلقات کے مشابہ ہوجائے گا۔خرجت فاذا السبع کی تقدیر خرجت فبا لمکان السبع ہوگی۔

اسی طرح اذا کو ظرف مکان ماننے کی صورت میں جیسا کہ زجاجؒ کی رائے ہے کہا جائے گا کہ اذا السبع میں اذا مابعد کی خبر ہوگا۔تقدیر مضاف ای فاذا حصول السبع فی ذلک الوقت اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ خبر محذوف ہو اور اذا اس کا ظرف ہو۔مگر غیر قائم مقام ای ففی ذلک الوقت السبع بالباب　البتہ اگر خبر مذکور ہوگی جیسا کہ یہاں ہے تو پھر اذا میں وہی عامل ہوگی۔

یستبشرون.　مومن تو اللہ کے ذکر سے خوش اور اس کے چھوٹنے سے رنجیدہ ہوتے ہیں۔لیکن کفار و مشرکین کا حال برعکس ہے۔

اللهم　اس کی اصل یا اللہ ہے یا حذف کرکے اس کے عوض میم لایا گیا۔قرب حروف علت کی وجہ سے اور مشدد کردیا گیا تاکہ دونوں حرفوں کا عوض ہوجائے۔اسی لئے عوض اور معوض عنہ دونوں کو جمع کرکے یا اللھم نہیں کہا جائے گا۔

اهدنی۔یہی مقصود بالدعاء ہے۔

یستھزءون　مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ مضاف محذوف مان کر جزاء لھزئھم کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

خولناہ نعمة.　مفسرؒ نے انعام نکال کر تذکیر ضمیر کی توجیہ کردی ہے جو آگے انما اوتیتہ میں آرہی ہے۔لیکن یہ توجیہ ما کافہ کہنے کی صورت میں ہے اور ما موصولہ ہو تو پھر ضمیر اوتیتہ ما کی طرف راجع ہوگی اور ما کافہ زائد ہوتا ہے جو حروف نواسخ کے بعد آتا ہے جو افعال پر داخل ہوتے ہیں۔

بل هی　مفسرؒ نے اس کا مرجع قول کو قرار دیا ہے۔لیکن زمخشری نعمة کی طرف راجع کرتے ہیں اور تانیث باعتبار خبر یا لفظ نعمت کے ہوگی۔تانیث خبر کی مثال جیسے ماجاء تک حاجتک

ماکسبوا.　مفسرؒ نے تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔یا "جزاء السیئة سیئة" کے قبیل سے مشاکلت پر محمول کیا جائے۔

ربط آیات:　پچھلی آیت میں اختصام کا ذکر تھا۔آیت فمن اظلم الخ میں اس کا نتیجہ بیان کیا جارہا ہے۔اسی طرح اوپر کی آیات میں توحید واضح اور شرک باطل کیا گیا تھا۔اس پر بت پرست چراغ پا ہوئے کہ آپ ان کی شان میں گستاخی اور بے ادبی نہ

کہئے۔ ورنہ اس کے بارے میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اس پر آیت الیس اللہ بکاف میں آپ کو تسلی دی جا رہی ہے۔

اس کے بعد آیت اللہ یتوفی الانفس سے توحید کا بیان ہے۔ اسی ذیل میں مشرکین کے عناد و تکبر کا ذکر ہوا۔ اس سے آپ رنجیدہ ہو سکتے ہیں۔ اس لئے پھر آیت قل اللھم میں آپ کو تسلی کے لئے دعا کی تعلیم ہے اور ان کی سزا کا شکر ہے اور چونکہ آیت "ام اتخذوا" اور آیت اذا ذکر اللہ" میں مشرکوں کے عناد کے ساتھ ذکر اللہ سے ان کی ناگواری اور بتوں کے ذکر سے ان کی خوشی کا ذکر بھی تھا۔ اس لئے آیت "فاذا مس الانسان الخ" سے بطور عکس و نکس مشرکین کی ایک حالت کو فاء تفریعیہ سے اور اس کی تتمیم کے لئے پھر دوسری حالت کو بیان کر کے ان پر نتائج بد کا ثمرہ مرتب فرماتے ہیں۔

شان نزول: والذی جاء کے متعلق بعض حضرت علیؓ سے نقل ہیں کہ اس سے مراد آنحضرت ﷺ اور "صدق بہ" سے مراد ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ صدق بہ سے مراد تمام مومنین ہیں۔

اللہ یتوفی الانفس کے ذیل میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ فی ابن ادم نفس و روح فالنفس ھی التی بھا العقل والتمیز والروح ھی التی بھا النفس والحرکۃ فاذا نام العبد قبض اللہ نفسہ ولم یقبض روحہ اور حضرت علیؓ سے منقول ہے۔ یخرج الروح عند النوم ویبقی شعاعہ فی الجسدفاذا انتبہ فی النوم عاد الروح إلی جسدہ باسرع من لحظۃ۔

نیز حاکمؒ اور طبرانیؒ نے حضرت علیؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ مامن عبدولاامرۃ تنام فیمتلی نوماً الا یعرج بروحہ الی العرش فالذی لایستیقظ الاعنہ العرش فتلک الرؤیا التی تصدق والذی یستیقظ دون العرش فتلک الرؤیا التی تکذب۔

طبرانی ابن عباسؓ سے ناقل ہیں۔ ان ارواح الاحیاء و ارواح الاموات تلتقی فی المنام فیتعارف منھا ماشاء اللہ فیتساء لون بینھم فیمسک ارواح الموتی ویرسل ارواح الاحیاء ای اجسادھا الی انقضاء مدۃ حیاتھا۔

علی ہذا ابوالدرداء سے نقل ہے۔ اذا نام الانسان عرج بروحہ حتی توتی بھا الی العرش فمن کان منھم طاھرا اذن لھا بالسجود وان کان جنبا لم یوذن لھا فیہ۔

﴿ تشریح ﴾: فمن اظلم الخ یعنی جس شخص نے اللہ کا شریک ٹھہرایا یا اس کے لئے اولاد مانی یا غلط سلط باتیں اس کی طرف منسوب کیں۔ یہ سب جھوٹ ہیں جو اللہ پر باندھے گئے ہیں۔ اسی طرح پیغمبر جو خدائی پیغامات پہنچاتا ہے اس کو سنتے ہی بلا سوچے سمجھے جھٹلانے لگا۔ بلاشبہ جو شخص سچائی کا اتنا دشمن ہو، اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے۔

اظلم کون ہے؟: لیکن بعض اکابر اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ نبی اگر خدا کا نام جھوٹ لے کر کچھ کہتا ہو تو اس سے برا کون ہے؟ اور اگر وہ تو سچا ہے مگر تم نے اسے جھٹلایا تو تم سے برا کون؟ پہلی صورت میں تو من کذب علی اللہ اور کذب بالصدق کا مصداق اسی طرح الذی جاء بالصدق وصدق بہ کا مصداق ایک ایک ہوا اور دوسری صورت میں دونوں کا مصداق الگ الگ ہوا۔

دوزخ میں اور جنت میں جانے کے مختلف اسباب: جہنم میں جانے کے لئے خدا پر جھوٹ بولنا اور سچائی کو جھٹلانا دونوں کا مجموعہ شرط نہیں ہے، بلکہ ہر ایک تنہا بھی سبب ہو سکتا ہے۔ اسی طرح نجات پانے کے لئے بھی سچ کی طرف بلانا اور سچ کو

مات لینا دونوں کا مجموعہ موقوف علیہ نہیں ہے بلکہ اول تو پچھلی آیت میں جن فریقین کے درمیان اختصام کا ذکر ہوا، ان میں دونوں طرف مجموعہ محقق تھا۔ دوسرے یہ کہ پہلی آیت میں برائی کی زیادتی اور دوسری آیت میں اچھائی میں زیادتی بیان کرنا مقصود ہے۔ خلاصہ یہ کہ دونوں جگہ یہ تخصیص توقف کی حد تک نہیں بلکہ واقعہ کے لحاظ سے ہے یا مذمت اور تعریف کی زیادتی کے لئے ہے۔

رفع تعارض: ... اظلمیت کا ذکر آیات میں بھی متعدد جگہ آیا ہے۔ جیسے یہاں ہے۔ اسی طرح آیت **فمن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا** ومن اظلم ممن ذکر بآیات ربہ اور ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ وغیرہ میں۔ اسی طرح متعدد روایت میں بھی آیا ہے۔ لیکن اشکال یہ ہے کہ اظلم چونکہ اسم تفضیل ہے اور استفہام بمعنی نفی ہے ای **لا احد اظلم**۔ پس یہ خبر ہوئی جس کا مصداق ایک ہی فرد ہوسکتا ہے۔ پھر آخر وہ فرد کس کو قرار دیا جائے؟ اور چونکہ بقیہ سب افراد مفضل علیہ ہوں گے اس لئے ان کو پھر مفضل کس طرح بنایا جائے۔ کیونکہ اس سے ایک ہی چیز کا مفضل اور مفضل علیہ دونوں ہونا لازم آئے گا۔ جو تناقض ہے۔ اس کے کئی جواب ہیں۔

۱۔ ہر جگہ اظلمیت خاص اپنے صلہ کے لحاظ سے ہو۔ مثلاً **لا احد من الکاذبین اظلم ممن کذب الخ** اسی طرح **لا احد من المفترین اظلم ممن افتری الخ** علیٰ ہذا **لا احد من الداکرین اظلم ممن ذکر الخ** نیز **لا احد ممن اظلم ممن منع الخ** وغیرہ۔

۲۔ اظلمیت کی تخصیص بلحاظ سبقت ہو، یعنی سب سے پہلے ہونے کی وجہ سے بعد والوں پر یہ فوقیت ہے۔

۳۔ ابن حبان اس توجیہ کو صواب کہتے ہیں کہ ان نصوص میں اظلمیت کی نفی کی جارہی ہے۔ اس سے ظالمیت کی نفی لازم نہیں آتی۔ کیونکہ مقید کی نفی سے مطلق کی نفی لازم نہیں آیا کرتی اور جب ظالمیت کی نفی نہ ہوئی تو تناقض بھی لازم نہیں آیا۔ کیونکہ اظلمیت میں برابری ثابت ہوئی اور جب برابری ہوگئی تو کوئی کسی سے بڑھا ہوا نہ رہا۔ بلکہ سب برابر ہوگئے۔ گویا اظلمیت انسان کی طرح کلی متواطی ہوگئی جو مساوی طور پر مکذب، مفتری، متذکر، مانع وغیرہ سب پر صادق آئے گی۔ اب نہ ان سب کی اظلمیت میں مساوات پر کوئی اشکال رہا اور نہ یک کا دوسرے سے باہم اظلم ہونا لازم آیا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے **لا احد افقہ ظلم منھم**۔ حاصل یہ کہ تفضیل کی نفی سے مساوات کی نفی نہیں ہوتی۔

۴۔ بعض متاخرین کی رائے یہ ہے کہ اس استفہام کا مقصد ہول دلانا اور ہیبت ناک بتلانا ہے۔ حقیقۃً اظلمیت کا نہ اثبات مقصود ہے اور نہ نفی۔

۵۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اسم تفضیل بمعنی اسم فاعل ہے۔

مخالفین کی گیدڑ بھبکیاں: ... **لھم ما یشاء ون** کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نیکو کاروں کو بہتر بدلہ دے گا اور غلطی سے جو برا کام سرزد ہوگیا اس کو معاف فرمادے گا۔ ممکن ہے اسوء اور احسن میں تفضیل کے صیغے اس لئے اختیار کئے ہوں کہ بڑوں کی بھلائی بھی بڑی ہوتی ہے اور برائی بھی بڑی۔

الیس اللہ بکاف. میں کفر کے جھوٹے معبودوں کی طرف سے آپ پر کسی گزند کے خطرہ کا جواب ہے کہ جو ایک زبردست خدا کا بندہ بن چکا ہوا سے ان عاجز اور بے بس خداؤں کی پکڑ کا کیا کھٹکا ہوسکتا ہے۔ یہ بھی مشرکین کا خبط اور پاگل پن ہے کہ خدائے واحد کے پرستار کو اس طرح کی گیدڑ بھبکیوں سے خوفزدہ کرنا چاہ رہے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کو اس کی بدتمیزی پر اللہ تعالیٰ کامیابی کا راستہ نہ دے وہ اسی طرح خبطی اور پاگل ہوجاتا ہے کہ موٹی موٹی باتوں کے سمجھنے کی بھی اس میں صلاحیت نہیں رہ جاتی۔ بھلا جو خدا کی پناہ میں آگیا، کون سی طاقت ہے جو اس کا بال بیکا کرسکے۔ جو طاقت ٹکرائے گی پاش پاش کردی جائے گی۔ خدا کی غیرت

اپنے وفاداروں کا بدلہ دیے بدون نہ چھوڑے گی۔

پتھر کی بے جان مورتیاں کیا پرستش کے لائق ہیں: ولئن سالتھم ایک طرف تو خود تمہارے اقرار کے موافق تمام زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا خدا ہے اور دوسری طرف پتھر کی بے جان مورتیاں یا عاجز مخلوق جو سب مل کر بھی خدا کی بھیجی ہوئی ادنیٰ سے ادنیٰ تکلیف و راحت کو نہ ہٹاسکیں۔ تم ہی بتاؤ دونوں میں سے کس پر بھروسہ کیا جائے اور کس کو اپنی مدد کے لئے کافی سمجھا جائے۔ عنقریب پتہ لگ جائے گا کہ خدائے واحد کا بندہ غالب آتا ہے یا ہزاروں دروازوں کے بھکاری کامیاب ہوتے ہیں۔ واقعات جلد بتلادیں گے کہ جو بندہ اللہ کی حمایت اور پناہ میں آ گیا اس کا مقابلہ کرنے والا آخر کار ذلیل وخوار ہوا۔

انا انزلنا الخ کا حاصل یہ ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ آپ کی زبانی سچی بات سنادی گئی ہے اور دین کا راستہ ٹھیک بتلا دیا گیا ہے۔ آگے ہر ایک اپنا نفع نقصان سوچ لے۔ نصیحت پر چلے گا تو اسی کا بھلا ہے ورنہ اپنا ہی انجام خراب کرے گا۔ آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ صرف پیغام حق پہنچادینا آپ کا فرض تھا۔ آپ نے ادا کر دیا۔ آگے معاملہ خدا کے سپرد کیجئے۔ جس کے ہاتھ میں مارنا، جلانا، ہنسانا، رلانا، سلانا، جگانا سب کچھ ہے۔

نیند اور موت کی حالت میں جان کا نکل جانا: اللہ یتوفی الانفس ایک جان وہ ہوتی ہے جسے ظاہری ہوش کہتے ہیں اور ایک جان وہ ہے جس سے سانس چلتی ہے اور نبضیں اچھلتی ہیں اور کھانا ہضم ہوتا ہے۔ پہلی جان ہر روز نیند میں کھنچ جاتی ہے، پھر جاگنے پر واپس بھیج دی جاتی ہے۔ یہی نشان ہے آخرت کا۔ معلوم ہوا کہ نیند میں جو جان کھنچتی ہے وہی اگر کھنچی رہ جائے تو موت ہے اور دوسری جان موت سے پہلے نہیں کھنچتی۔ علامہ بغویؒ نے حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے کہ نیند میں روح نکل جاتی ہے۔ لیکن شعاع کے ذریعہ اس کا مخصوص تعلق بدن سے ایسے ہی رہتا ہے جیسے سورج لاکھوں میل سے شعاعوں کے ذریعہ زمین کو گرم رکھتا ہے۔ اس سے زندگی ختم نہیں ہوجاتی، لیکن موت کے وقت روح جب نکلتی ہے تو بدن سے بالکلیہ تعلق ختم ہوجاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ دونوں حالتوں میں روح ایک ہی ہے مگر اس کے نکلنے کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

اللہ کے یہاں سفارشی کون اور کس کے ہوں گے: ام اتخذوا۔ بتوں کی نسبت مشرکین کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں ان کے سفارشی ہیں۔ انہی کی سفارش سے کام لیتے ہیں۔ اسی لئے ان کی پوجا اور بھینٹ کی جاتی ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ بالفرض وہ شفیع بھی ہوں تو اس سے ان کی عبادت کا جواز کہاں سے نکل آیا۔ دوسرے شفیع بننے کے لئے بھی اللہ کی اجازت درکار ہے۔ تیسرے اسی کے حق میں وہ سفارش ہوسکتی ہے جس کے لئے منظوری ہو اور یہاں نہ اجازت ہے اور نہ منظوری۔ پھر یہ ہوئی قلعہ بندی کیسی؟ اور پھر جب آخری بات اللہ ہی پر جارکتی ہے تو براہ راست کیوں نہ اسی کا دروازہ کھٹکایا جائے۔ ان بے بنیاد جھمیلوں میں کیوں پڑ جائے اور اسی پر بھی تو نظر کی جائے کہ بتوں کو نہ کوئی اختیار ہے اور نہ سمجھ۔ پھر ان کو شفیع ماننا کیا تماشا ہے؟ ادھر اللہ کی شان یہ ہے کہ یہ ساری کائنات اس وقت بھی اس کے زیر نگین ہے اور آخر بھی سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اس کی اجازت ورضا کے بغیر کسی کی کیا مجال کہ زبان ہلا سکے۔

صرف اللہ کے ذکر سے مخالفین خوش نہیں ہوتے: آیت واذا ذکر اللہ۔ میں کفر کی اس خصلت اور فطرت کا بیان ہے کہ اگرچہ بعض وقت ان کی زبان پر اللہ کا نام آجاتا ہے مگر ان کا دل اکیلے خدا کے ذکر سے خوش نہیں ہوتا۔ ہاں ان کے دیوتاؤں

کی تعریف کردی جائے تو مارے خوشی کے اچھلنے لگتے ہیں اور چہروں پر خوشی کے آثار محسوس ہونے لگتے ہیں۔ پس جب ایسی موٹی باتوں میں بھی جھگڑے ہونے لگے اور اللہ کا اتنا وقار بھی دلوں میں نہ رہا تو دعا کیجئے کہ اے اللہ اب آپ ہی سے فریاد ہے۔ آپ ہی ان جھگڑوں کا عملی فیصلہ فرمائیے گا۔ قیامت کے دن جب ان اختلافات کا فیصلہ سنایا جائے گا تو اس وقت ان ظالموں کا سخت برا حال ہوگا جو اللہ کی شان گھٹایا کرتے تھے۔ اس روز روئے زمین کے خزانے بھی ان کے پاس ہوں تو چاہیں گے کہ سب دے دلا کر کسی طرح اپنا پیچھا چھڑ لیں جو بد معاشیاں دنیا میں کی تھیں، سب ایک ایک کر کے ان کی سامنے ہوں گی اور ایسے ہولناک قسم کے عذابوں کا مزہ چکھیں گے جو کبھی ان کے وہم وگمان میں بھی نہ گزرے تھے۔ غرض جس توحید خالص اور دین حق کا ٹھٹھہ کیا کرتے تھے اس کا وبال ان پر پڑ کر رہے گا اور جس عذاب کا مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان پر الٹ پڑے گا۔

اور مصیبت کے وقت خدا یاد آتا ہے: آیت فاذا مس الانسان میں نانجاروں کی اس خصلت کا ذکر ہے کہ جب ان پر کوئی آفت آتی ہے تو اس وقت انہیں وہی خدا یاد آتا ہے جس کے ذکر سے بھی انہیں انقباض ہوا کرتا تھا اور جن دیوتاؤں کے ذکر سے خوش ہوا کرتے تھے۔ انہیں یک لخت بھول جاتے ہیں۔ لیکن جب انہیں کوئی نعمت یا راحت پہنچتی ہے تو پھر ان کی نظر اپنی لیاقت پر جاتی ہے۔

جب تک اللہ کا فضل نہ ہو کسی کی لیاقت پر کچھ کام نہیں آتی: مگر اللہ کے فضل وکرم پر دھیان نہیں جاتا۔ ایسے لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ چونکہ ہم میں لیاقت ہے اور حصول ذرائع کا ہمیں علم ہے اور خدا کو ہماری صلاحیت معلوم ہے اس لئے یہ نعمت ہمیں ہی ملنی چاہئے تھی۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ نعمت دراصل خدا کی طرف سے ایک آزمائش ہے کہ بندہ اسے لے کر کہاں تک منعم حقیقی کو پہچانتا ہے اور اس کا ذکر گزار ہوتا ہے اگر ناشکری کی گئی تو یہ نعمت وبال بھی ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ پہلے مجرمین پر ان کی شرارتوں کا وبال پڑا۔ موجودہ شریروں پر بھی پڑنے والا ہے۔ یہ کسی تدبیر سے اللہ کو ہرا نہیں سکتے اور دنیا میں کسی کا دولت مند یا تنگدست ہو جانا، نہ کسی کے مقبول یا مردود ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتی۔ روزی کا ملنا کچھ عقل وذہانت اور علم ولیاقت پر منحصر نہیں ہے۔

دیکھ لو کتنے بے وقوف یا بد معاش چین اڑا رہے ہیں اور کتنے عقلمند اور نیک، فاقہ کشی کرتے ہیں۔ یہ تو رزق کے نظام تقسیم کی حکمت ومصلحت کے ماتحت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دو آدمیوں کے پاس ایک ہی سا سرمایہ اور ایک ہی سلیقہ، تدبیر وتجربہ ہوتا ہے۔ پھر ایک پر فراخی اور دوسرے پر تنگی رہتی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ وجہ فرق یہ ہے کہ ایک کی تدبیر بن آئی تو وہ کامیاب ہو گیا اور دوسرے کی بن نہیں پڑی اس لئے وہ ناکام ہو گیا تو یہ بھی غلط ہے، کیونکہ اگر وہ بن پڑنا دوسرے کے اختیار میں تھا تو اس نے کیوں نہیں اختیار کیا اور اگر اختیار میں نہیں ہے تو پھر ہمارا مدعا ثابت ہو گیا کہ انسان کی فارغ البالی اور تنگ حالی اختیاری نہیں ہے کیونکہ جب اس کی بنیاد اختیاری نہیں تو اس کی فروع بھی اختیاری نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ نظام روزگار میں فاعل مختار کی مشیت کارفرما ہے۔

لطائف سلوک: آیت فمن اظلم الخ کے عام الفاظ سے یہ معلوم ہوا کہ جو لوگ جھوٹی ولایت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ شریعت کو محض چھلکا سمجھ کر پس پشت ڈال دیتے ہیں وہ بھی اسی مفہوم میں داخل ہیں۔

آیت واذا ذکر اللّٰہ۔ اسی کے مشابہ جہلائے متصوفین کی یہ حالت بھی ہے کہ خدائے واحد کی قدرت وعظمت اور اس کی صفات کے امجد ہونے کا بیان ہو تو ان کے چہروں پر انقباض کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ مگر کسی پیر فقیر کا ذکر آ جائے اور اس کی

جھوٹی کرامات اناپ شناپ بیان کردی جائیں تو چہرے کھل پڑتے ہیں اور دلوں میں جذبات مسرت موجزن ہوجاتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات خالص توحید کا بیان کرنے والا ان کے نزدیک منکر اولیاء سمجھا جاتا ہے۔

آیت وبدالھم سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہورہی ہے جو اعمال ومجاہدات کے مقابلہ میں کشف کو مقصود سمجھتے ہیں۔ کشف اگر کمال ہوتا تو کفار کو کیوں حاصل ہوتا۔

آیت ثم اذا خولناہ میں ایسے لوگوں کی برائی معلوم ہورہی ہے جو ثمرات طریق کو انعام خداوندی سمجھنے کی بجائے محض اپنے عمل ومجاہدہ کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا بِكَسْرِ النُّوْنِ وَفَتْحِهَا وَقُرِئَ بِضَمِّهَا تَيْأَسُوْا **مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا** لِمَنْ تَابَ مِنَ الشِّرْكِ **اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ** ﴿۵۳﴾ **وَاَنِيْبُوْٓا** اِرْجِعُوْا **اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا** اَخْلِصُوا الْعَمَلَ **لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ** ﴿۵۴﴾ بِمَنْعِهٖ اِنْ لَّمْ تَتُوْبُوْا **وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ** هُوَ الْقُرْاٰنُ **مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ** ﴿۵۵﴾ قَبْلَ اِتْيَانِهٖ بِوَقْتِهٖ فَبَادِرُوْا اِلَيْهِ قَبْلَ **اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى** اَصْلُهٗ يَا حَسْرَتِيْ اَيْ نَدَامَتِيْ **عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ** اَيْ طَاعَتِهٖ **وَاِنْ** مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ اَيْ وَاِنِّيْ **كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ** ﴿۵۶﴾ بِدِيْنِهٖ وَكِتَابِهٖ **اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ** بِالطَّاعَةِ اَيْ فَاهْتَدَيْتُ **لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ** ﴿۵۷﴾ عَذَابَهٗ **اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً** رَجْعَةً اِلَى الدُّنْيَا **فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ** ﴿۵۸﴾ الْمُؤْمِنِيْنَ فَيُقَالُ لَهٗ مِنْ قِبَلِ اللّٰهِ **بَلٰى قَدْ جَاۗءَتْكَ اٰيٰتِيْ** الْقُرْاٰنُ وَهُوَ سَبَبُ الْهِدَايَةِ **فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ** تَكَبَّرْتَ عَنِ الْاِيْمَانِ بِهَا **وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ** ﴿۵۹﴾ **وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ** بِنِسْبَةِ الشَّرِيْكِ وَالْوَلَدِ اِلَيْهِ **وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى** مَاْوًى **لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ** ﴿۶۰﴾ عَنِ الْاِيْمَانِ بَلٰى **وَيُنَجِّي اللّٰهُ** مِنْ جَهَنَّمَ **الَّذِيْنَ اتَّقَوْا** الشِّرْكَ **بِمَفَازَتِهِمْ** اَيْ بِمَكَانِ فَوْزِهِمْ مِنَ الْجَنَّةِ بِاَنْ يُّجْعَلُوْا فِيْهِ **لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْۗءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** ﴿۶۱﴾ **اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۡ وَّهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ** ﴿۶۲﴾ مُتَصَرِّفٌ فِيْهِ كَيْفَ يَشَاۗءُ **لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ** اَيْ مَفَاتِيْحُ خَزَائِنِهِمَا مِنَ الْمَطَرِ وَالنَّبَاتِ وَغَيْرِهِمَا **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ** الْقُرْاٰنِ **اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ** ﴿۶۳﴾ مُتَّصِلٌ بِقَوْلِهٖ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا الخ وَمَا بَيْنَهُمَا اِعْتِرَاضٌ **قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْۗنِّىْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ** ﴿۶۴﴾ غَيْرَ مَنْصُوْبٌ بِاَعْبُدُ الْمَعْمُوْلِ لِتَاْمُرُوْنِيْ بِتَقْدِيْرِ اَنْ بِنُوْنٍ وَاحِدَةٍ وَبِنُوْنَيْنِ بِاِدْغَامٍ وَفَكٍّ **وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ** وَاللّٰهِ **لَئِنْ اَشْرَكْتَ** يَا مُحَمَّدُ فَرْضًا **لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ** ﴿۶۵﴾ **بَلِ اللّٰهَ** وَحْدَهٗ

فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ اِنْعَامَهٗ عَلَيْكَ **وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ** مَا عَرَفُوْهُ حَقَّ مَعْرِفَتِهٖ اَوْ مَا عَظَّمُوْهُ حَقَّ عَظْمَتِهٖ حِيْنَ اَشْرَكُوْا بِهٖ غَيْرَهٗ **وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا** حَالٌ اَيِ السَّبْعُ **قَبْضَتُهٗ** اَيْ مَقْبُوْضَةٌ لَهٗ فِيْ مِلْكِهٖ وَتَصَرُّفِهٖ **يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ** مَجْمُوْعَاتٌ **بِيَمِيْنِهٖ** بِقُدْرَتِهٖ **سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ** ﴿۶۷﴾ مَعَهٗ **وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ** النَّفْخَةُ الْاُوْلٰى **فَصَعِقَ** مَاتَ **مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ** مِنَ الْحُوْرِ وَالْوِلْدَانِ وَغَيْرِهِمَا **ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ** اَيْ جَمِيْعُ الْخَلَائِقِ الْمَوْتٰى **قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ** ﴿۶۸﴾ يَنْتَظِرُوْنَ مَا يُفْعَلُ بِهِمْ **وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ** اَضَاءَتْ **بِنُوْرِ رَبِّهَا** حِيْنَ يَتَجَلّٰى لِفَصْلِ الْقَضَاءِ **وَوُضِعَ الْكِتٰبُ** كِتَابُ الْاَعْمَالِ لِلْحِسَابِ **وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ** اَيْ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُمَّتِهٖ يَشْهَدُوْنَ لِلرُّسُلِ بِالْبَلَاغِ **وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ** اَيِ الْعَدْلِ **وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ** ﴿۶۹﴾ شَيْئًا **وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ** اَيْ جَزَاءَهٗ **وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ** ﴿۷۰﴾ فَلَا يَحْتَاجُ اِلٰى شَاهِدٍ **وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا** بِعُنْفٍ **اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا** جَمَاعَاتٍ مُّتَفَرِّقَةً **حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا** جَوَابُ اِذَا **وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ** الْقُرْاٰنَ وَغَيْرَهٗ **وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ** اَيْ لَاَمْلَاَنَّ جَهَنَّمَ الْاٰيَةَ **عَلَى الْكٰفِرِيْنَ** ﴿۷۱﴾ **قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ** مُقَدَّرِيْنَ الْخُلُوْدَ **فِيْهَا فَبِئْسَ مَثْوَى** مَاوَى **الْمُتَكَبِّرِيْنَ** ﴿۷۲﴾ جَهَنَّمُ **وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ** بِلُطْفٍ **اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا** اَلْوَاوُ فِيْهِ لِلْحَالِ بِتَقْدِيْرِ قَدْ **وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ** حَالًا **فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ** ﴿۷۳﴾ مُقَدَّرِيْنَ الْخُلُوْدَ فِيْهَا وَجَوَابُ اِذَا مُقَدَّرٌ اَيْ دَخَلُوْهَا وَسَوْقُهُمْ وَفَتْحُ الْاَبْوَابِ قَبْلَ مَجِيْئِهِمْ تَكْرِمَةٌ لَهُمْ وَسَوْقُ الْكُفَّارِ وَفَتْحُ اَبْوَابِ جَهَنَّمَ عِنْدَ مَجِيْئِهِمْ لِيَبْقٰى حَرُّهَا اِلَيْهِمْ اِهَانَةٌ لَهُمْ **وَقَالُوْا** عَطْفٌ عَلٰى دَخَلُوْهَا الْمُقَدَّرِ **الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ** بِالْجَنَّةِ **وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ** اَيْ اَرْضَ الْجَنَّةِ **نَتَبَوَّاُ** نَنْزِلُ **مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ** لِاَنَّهَا كُلُّهَا لَا يُخْتَارُ فِيْهَا مَكَانٌ عَلٰى مَكَانٍ **فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ** ﴿۷۴﴾ الْجَنَّةُ **وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ** حَالٌ **مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ** مِنْ كُلِّ جَانِبٍ مِنْهُ **يُسَبِّحُوْنَ** حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ حَافِّيْنَ **بِحَمْدِ رَبِّهِمْ** مُلَابِسِيْنَ لِلْحَمْدِ اَيْ يَقُوْلُوْنَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ **وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ** بَيْنَ جَمِيْعِ الْخَلَائِقِ **بِالْحَقِّ** اَيِ الْعَدْلِ فَيَدْخُلُ الْمُؤْمِنُوْنَ الْجَنَّةَ وَالْكَافِرُوْنَ النَّارَ **وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۷۵﴾ خُتِمَ اسْتِقْرَارُ الْفَرِيْقَيْنِ بِالْحَمْدِ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

ع ۷ ع ۸

ترجمہ: ...... آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں ناامید نہ ہوں (لا تقنطوا کسرۂ نون

مرفوع نون کے ساتھ ہے اور ایک قرأت میں ضمہ نون بھی ہے یعنی ناامید نہ ہو) خدا کی رحمت سے۔ یقیناً اللہ تمام گناہوں کو معاف کردے گا (شرک سے توبہ ہو جانے کے بعد) واقعی وہ بڑا بخشنے والا، بڑی رحمت والا ہے۔ تم رجوع ہو جاؤ (جھک جاؤ) اپنے پروردگار کی طرف اور اس کی فرمانبرداری کرو (عمل میں خلوص پیدا کرو) اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آنے لگے۔ پھر تمہاری مدد نہ کی جائے (عذاب موقوف کرنے کے لئے اگر تم نے توبہ نہ کی) اور تم پیروی کرو (ان اچھے اچھے کاموں کی جو تمہارے رب کی طرف سے آئے (یعنی قرآن) اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آپڑے اور تمہیں خیال بھی نہ ہو (ہر وقت اس کے آنے سے پہلے۔ بندہ اللہ کی طرف رجوع ہو) اس سے پہلے کہ کوئی کہنے لگے کہ افسوس (یاحسرتی کی اصل یاحسرتی ہے یعنی میری شرمندگی) کہ کوتاہی پر جو میں نے اللہ کی جناب (اطاعت) میں کی اور میں تو (ان مخففہ ہے یعنی انی تھا) ہنستا ہی رہا (دین اور قرآن پر) یا کوئی یوں کہنے لگے کہ اللہ مجھے ہدایت دیتا (اپنی فرمانبرداری کی، یعنی میں ضرور ہدایت پالیتا) تو میں بھی (عذاب سے) ڈرنے والوں میں ہوتا۔ یا کوئی عذاب دیکھ کر یوں کہنے لگے کہ کاش میرا لوٹنا ہو جائے (دنیا میں واپسی) تو پھر میں نیک بندوں میں ہو جاؤں گا (مومن۔ چنانچہ منجانب اللہ سے حکم ہوگا) ہاں بے شک تیرے پاس میری آیتیں پہنچی تھیں (قرآن جو ہدایت کا ذریعہ تھا) مگر تو نے ان کو جھٹلایا اور (ایمان لانے سے) غرور کیا اور کافروں میں شامل رہا اور آپ قیامت کے دن ان لوگوں کو جنہوں نے خدا پر جھوٹ بولا تھا (شریک اور اولاد کی نسبت اس کی طرف کر کے) دیکھیں گے کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ کیا ان کا ٹھکانہ (رہنے کا مقام) دوزخ میں نہیں جنہوں نے (ایمان لانے سے) تکبر کیا (بلاشبہ ضرور ہے) اور جو لوگ (شرک سے) بچتے رہے اللہ انہیں (دوزخ سے) نجات عطا فرمائے گا کامیابی کے ساتھ (یعنی کامیابی کی جگہ جنت انہیں عطا کرے گا) نہ ان کو تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے (جو چاہے تصرف کرے) اسی کے بس میں ہیں کنجیاں آسمان و زمین کی (یعنی بارش۔ پیداوار وغیرہ کے اسباب و ذرائع) اور جو لوگ اللہ کی آیتوں (قرآن) کو نہیں مانتے وہ بڑے خسارے میں رہیں گے (یہ مقابل ہے وینجی اللذین اتقوا الخ کے اور ان کے درمیان میں جملہ معترضہ ہے) آپ کہہ دیجئے کہ اے نادانو! کیا پھر بھی تم مجھ سے غیر اللہ کی عبادت کرنے کی فرمائش کرتے ہو (غیر اللہ اعبد کی وجہ سے منصوب ہے جو تامرونی کا معمول ہے تشدید اور تخفیف نون کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور دونوں کے ساتھ مع نون اور بغیر نون کے بھی آیا ہے) اور آپ کی طرف اور آپ سے پہلے جو پیغمبر ہو گزرے ہیں ان کی طرف یہی وحی بھیجی جا چکی ہے کہ (بخدا) آپ نے (اے محمد ﷺ بالفرض) اگر شرک کیا تو تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے گا اور تم خسارہ میں پڑ جاؤ گے۔ بلکہ اللہ ہی کی (تنہا) عبادت کرنا اور شکر گزار رہنا (جو اس نے آپ پر انعام کیا ہے اور ان لوگوں نے اللہ کی کچھ قدر نہ کی۔ جیسی کہ قدر کرنی چاہئے تھی (اللہ کی معرفت جیسی ہونی چاہئے تھی ویسی نہیں ہوئی۔ یا جیسی اس کی عظمت ہونی چاہئے وہ عظمت نہیں کی غیر اللہ کو شریک کرتے) حالانکہ ساری زمین (جمیعا حال ہے یعنی ساتوں طبقات زمین) اس کی مٹھی میں ہوگی (یعنی قبضہ میں اس کی ملک اور تصرف کے لحاظ سے) قیامت کے دن اور تمام آسمان لپٹے ہوئے (ایک ساتھ) ہوں گے۔ اس کے داہنے ہاتھ میں (قدرت) ہیں۔ وہ پاک اور برتر ہے۔ ان کے شرک سے (جو وہ اللہ کے ساتھ کرتے ہیں) اور صور میں پھونک ماری جائے گی (پہلے نفخہ پر) سو تمام زمین و آسمان والوں کے ہوش اڑ جائیں گے۔ مگر جس کو اللہ چاہے گا (یعنی حوریں بچے وغیرہ) پھر اس میں دوبارہ پھونک ماری جائے گی تو دفعتاً سب کے سب (تمام مری ہوئی مخلوق) کھڑے ہو جائیں گے دیکھنے لگیں گے (انتظار میں ہوں گے کہ ان کے لئے کیا کارروائی ہوتی ہے) اور زمین روشن (چمکیلی) ہو جائے گی اپنے پروردگار کے نور سے (جبکہ رونما ہوگی زمین مقدمات کے فیصلہ کے لئے) اور نامہ اعمال رکھ دیا جائے گا (حساب کا نامہ عمل) اور پیغمبر اور گواہ حاضر کئے جائیں گے (آنحضرت ﷺ اور آپ کی امت پیغمبروں کے حق میں گواہی دیں گے کہ پیغمبروں نے

لوگوں کو پیغام پہنچایا تھا) اور ان کا فیصلہ کیا جائے گا۔ (انصاف سے) ٹھیک ٹھیک اور ان پر ذرہ (بالکل) ظلم نہ ہوگا اور ہر شخص کو پورا پورا بدلہ (معاوضہ) دیا جائے گا اس کے کئے کا اور سب کے کاموں کو خوب جانتا ہے (اس لئے اسے گواہ کی ضرورت نہیں ہے) اور جو کافر ہیں وہ (زبردستی) دوزخ کی طرف ہنکائے جائیں گے گروہ بنا بنا کر (گروہ گروہ کر کے) یہاں تک کہ جب دوزخ کے پاس پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے (یہ اذا کا جواب ہے) اور ان سے دوزخ کے محافظ کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تم ہی لوگوں میں سے پیغمبر نہ آئے تھے جو تم کو تمہارے پروردگار کی آیتیں (قرآن وغیرہ) پڑھ پڑھ کر سنایا کرتے تھے اور تمہیں اس دن کے آنے سے ڈرایا کرتے تھے۔ کافر کہیں گے ہاں لیکن عذاب کا وعدہ (لاملئن جهنم الخ) کافروں پر پورا ہو کر رہا۔ کہا جائے گا کہ دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو (ہمیشہ) اس میں رہا کرو۔ غرضیکہ تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانہ (رہنے کا مقام) ہے (دوزخ) اور جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرا کرتے تھے (مہربانی سے) جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا ٹولیاں بنا بنا کر۔ یہاں تک کہ جب جنت کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے (اس میں واؤ حالیہ ہے اور قد مقدر ہے) اور وہاں کے محافظ ان سے کہیں گے السلام علیکم تم مزے میں ہو (یہ حال ہے) اس میں ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہو جاؤ (یہاں سے کبھی بھی نکلنا نہیں پڑے گا۔ اذا کا جواب مقدر ہے یعنی وہ داخل ہو جائیں گے۔ جنتیوں کو ایسی حالت میں لے جانا کہ جنت کے دروازے پہلے سے کھلے ہوئے ہوں اس پر ان کا اعزاز ہوگا اور جہنمیوں کو اس حالت میں لے جانا کہ ان کے پہنچنے پر دوزخ کے دروازے کھلیں گے۔ ان کو گرمی کا جھونکا پہنچانے کے لئے۔ جس میں ان کی اہانت مقصود ہوگی) اور وہ پکار اٹھیں گے (اس کا عطف دخلوھا مقدر پر ہے) کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ (جنت) سچ کر دکھایا اور ہمیں اس سرزمین (جنت) کا مالک بنا دیا کہ ہم جنت میں رہیں (ٹھہریں) جہاں چاہیں (کیونکہ ساری جنت یکساں ہوگی۔ کہیں روک ٹوک نہ ہوگی) غرض (جنت) عمل کرنے والوں کا اچھا بدلہ ہے اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ عرش کے گرداگرد (ہر طرف) حلقہ باندھے ہوں گے۔ تسبیح و تحمید کرتے ہوں گے (ضمیر حافین سے حال ہے) اپنے پروردگار کی (تسبیح کے ساتھ حمد بھی کریں گے۔ یعنی سبحان الله وبحمده پڑھیں گے) اور (سب مخلوق کے درمیان) باہمی فیصلہ ٹھیک ٹھیک کر دیا جائے گا (یعنی انصاف کے ساتھ۔ لہذا مؤمنین جنت میں اور کافر دوزخ میں داخل کر دیئے جائیں گے) اور کہا جائے گا کہ ساری خوبیاں اللہ ہی کے لئے زیبا ہیں جو سارے جہانوں کا پالنہار ہے (دونوں فریق کے اپنے اپنے مقام پر پہنچنے کو فرشتوں کی حمد پر ختم کیا گیا ہے)۔

تحقیق وترکیب۔ لا تقنطوا۔ قاموس میں ہے کہ قنط نصر اور ضرب سے قنوطا ہے اور قنط بروزن فرح قنطاً اور قناطة سے ہے۔

جمیعا۔ شرک کے علاوہ دوسرے گناہوں کی مغفرت بلا توبہ کے مراد ہے۔ ورنہ توبہ کے بعد تو کفر وشرک بھی معاف ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ان الله لا یغفر سے سمجھ میں آ رہا ہے۔ یہی اہلسنت کا مسلک ہے۔

احسن ما انزل۔ ما انزل سے مراد تو مطلقاً کتب سماویہ ہیں اور خطاب جنس کے لئے ہے اور احسن سے مراد قرآن کریم ہے۔

ان تقول۔ مفسرؒ نے فبادروا الخ عبارت مقدر مانی ہے۔ لیکن مشہور تقدیر یہاں ان تقول سے پہلے کراہت ان تقول یا لان لاتقول ہے۔

یاحسرتی۔ یعنی الف یائے متکلم سے بدلا ہوا ہے۔ چنانچہ ایک قرأت اصل کے موافق بھی ہے اور ایک قرأت یاحسرتای بھی ہے عوض اور معوض دونوں کو جمع کر کے۔

حسب اللہ یہ جانب سے ہے اور دوری چونکہ اشیا لوازم سے ہے، اس لئے جنت کا لفظ حق، طاعت، امر پر بھی بولا جاتا ہے مجازاً۔

فاکون. منصوب ہے دو وجہ سے۔ایک یہ کہ کرۃ مصدر صریح پر اکون مصدر تاویل کا عطف مان لیا جائے۔دوسرے یہ کہ جواب تمنی پر عطف کر لیا جائے۔جو لوان لی کرۃ سے مفہوم ہو رہی ہے۔

بلی قد جاء تک بلی چونکہ خاص ہے ایجاب نفی کے لئے اور یہاں کہیں نفی نہیں ہے اس لئے مفسر علامؒ نے تفسیر میں فیقال الخ نکال کر جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔حاصل یہ ہے کہ "لو ان اللہ ھدانی" اور اس کا جواب چونکہ نفی ہدایت کو متضمن ہے تو گویا عبارت اس طرح ہوئی "ماھدانی اللہ" اس کے جواب میں "بلی قد جاء تک" فرمایا جا رہا ہے۔یہاں کفار کے کلام میں ترتیب وجودی ہے کہ جہنمی اولاً حسرت کریں گے۔پھر کمزور باتوں کا سہارا لیتے ہوئے کہیں گے "لو ان اللہ ھدانی" پھر تیسرے نمبر پر دنیا میں واپسی کی تمنا کریں گے۔تاہم یہاں "بلی قد جاء تک" سے دوسری بات کا جواب دیا جا رہا ہے۔

کذبوا ظاہر آیت تو ہر جھوٹ کو عام اور شامل معلوم ہوتی ہے۔جیسے جھوٹی روایت بیان کرنا یا غلط فتوے دینا لیکن مفسرؒ نے خاص جھوٹ مراد لیا ہے جو منجر الی الکفر ہو۔

وجوھھم. یہ مبتدا، خبر مل کر حال ہے الذین کا اگر رویت بصریہ مراد لی جائے اور رویت علمیہ مراد ہو تو مفعول ثانی کے محل میں ہوگا۔لیکن لفظ وجوہ اور مسودۃ چونکہ محسوسات میں سے ہیں، اس لئے رویت حسیہ لینا ہی بہتر ہے۔

بمفازۃ. بروزن مفعلۃ فوز سے ماخوذ ہے۔بمعنی سعادت اور یا فاز بالمطلوب سے اس کو مصدر میمی کہا جائے کامیاب ہونا یا فاز منہ سے ہو بمعنی نجات پانا۔

اللہ خالق. اس میں فرقہ ثنویہ اور معتزلہ پر رد ہو گیا۔

مقالید. مقلاد یا مقلید کی جمع ہے بمعنی کنجی۔لیکن یہاں کنایہ ہے شدت تمکن اور تصرف سے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے اس لفظ کی تفسیر دریافت کی تو آپ ﷺ نے بھی اس کی تفسیر میں فرمایا کہ لاالہ الا اللہ واللہ اکبر و سبحان اللہ وبحمدہ واستغفر اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ھو الاول والاخر والظاھر والباطن بیدہ الخیر یحیی ویمیت وھو علی کل شیء قدیر یہ کلمات مفاتیح ہیں جو ان کو پڑھے گا اس کے لئے زمین و آسمان کے دروازے کھل جائیں گے۔

افغیر اللہ ای اتامرون ان اعبد غیر اللہ. مضارع مرفوع ہو گیا۔بحذف ان اور اس کے معمول کی تقدیم جائز ہے۔لیکن زمخشری وغیرہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔لہذا جن کے نزدیک تقدیم جائز ہوگی ان کے نزدیک غیر منصوب ہوگا اعبد کے ذریعہ اور تامرونی جملہ معترضہ ہوگا۔لیکن جن کے نزدیک تقدیم ناجائز ہے ان کے نزدیک یا تو یہی ترکیب ہوگی اور یا مجموعہ تامرونی ان اعبد کے معنی فعل کی وجہ سے نصب ہوگا۔

اعبد. غیر کا تو عامل ہے، مگر تامرونی کا معمول ہے۔ای تامرونی بان اعبد غیر اللہ اعبد کا مفعول مقدم ہو گیا تامرونی سے جو عامل العامل ہے باضمار ان مصدریہ اور جب ان حذف ہو گیا تو اس کا عمل بھی باطل ہو گیا۔

لفظ تامرونی نافع کے نزدیک ایک نون کے ساتھ مع فتحہ یا کے ہے اور ابن عامر کی قرأت دونوں کے ساتھ ہے۔پہلا نون مفتوحہ ہے اور دوسرا مکسورہ مع سکون یا کے۔ادغام کی صورت میں سکون یا اور فتحہ یہ دونوں ہیں اور بغیر ادغام کے حرف سکون یہ ہے۔اس پر چار قرأتیں ہو گئیں۔تین قرأتیں دو نون کی صورت میں اور ایک قرأت ایک نون کی صورت میں۔

لئن اشرکت. اگر مخاطب آنحضرت ﷺ ہیں تو بطور فرض فرمایا گیا۔اس لئے عصمت انبیاء پر شبہ نہیں ہوگا۔لیکن اگر مخاطب

عام افراد میں سے کوئی ہوتو پھر اشکال ہی نہیں کہ جواب وحی کی نوبت آئے۔ البتہ لئن اشرکتم کی بجائے اشرکت کہنا ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے کسانا الامیر حلة ای کسا کل واحد ماحلة.

ولتکونن من الخاسرین. مسبب کا عطف سبب پر ہو رہا ہے اور جملہ معطوفہ قسم ثانی لئن اشرکت کا جواب ہے اور یہ پورا مل کر اول قسم لقد اوحی کا جواب ہو جائے گا۔ البتہ لئن اشرکت شرط کا جواب قاعدہ کے مطابق حذف ہو جائے گا۔

فاعبد یہ شرط محذوف کی جزا ہے۔ ای لاتعبد ما امرک الکفار بعبادته بل ان عبدت فاعبد الله شرط حذف کر کے مفعول قائم مقام ہو گیا۔

وما قدروا الله. بظاہر معلوم ہوا کہ مؤمنین حق معرفت ادا کرتے ہیں۔ حالانکہ خود حضور ﷺ کا ارشاد ما عرفناک حق معرفتک اس کی تردید کر رہا ہے؟

جواب یہ ہے کہ آیت میں جس معرفت کا حکم ہے وہ صفات کمالیہ سے متصف ماننا اور صفات نقص سے بری ماننا ہے۔ اس کا انسان مکلف ہے۔ لیکن حدیث میں جس معرفت کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد حقیقت اور کنہ کا دریافت کر لینا ہے۔ لہذا دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ یہی مطلب ہے اس ارشاد کا ان العجز عن الادراک ادراک والبحث عن الذات اشراک ولم یکلفنا الله الا بان نترهه عما سواه سبحانه وتعالیٰ.

والارض. یہ مبتداء ہے اس کی خبر قبضه ہے اور جملہ الله سے حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ قبضة بمعنی مقبوضة قبض سے ماخوذ ہے۔ مصدر بول کر مفعول مراد ہے۔ ایک مرتبہ قبض کرنا مجاز املک مراد ہے اور زمخشری اس کو تخییل و تمثیل پر محمول کرتے ہیں۔ جیسے کہا جائے شابت لمة اللیل. بہر حال حقیقت پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ جسم و جسمانیات سے پاک ہے۔

الامن شاء الله. دوسری آیت میں بلا استثناء کل نفس ذائقة الموت فرمایا گیا ہے۔ بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ آیت استثناء تفسیر ہے۔ آیت کل شیء هالک الا وجهه اور آیت کل نفس ذائقة الموت کی یعنی یہاں بھی استثناء مراد ہے۔ اس لئے دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

ثم نفخ. پہلا نفخه فزع اور دوسرا نفخه بعث ہے۔ لیکن شیخ بن عربی ایک تیسرا نفخه بھی مانتے ہیں۔ جس کو نفخہ صعق کہا جائے گا۔ جیسا کہ ایک حدیث میں صراحۃً بھی ہے۔ البتہ جمہور نفخہ فزع اور نفخہ صعق دونوں کو ایک ہی مانتے ہیں۔ کیونکہ دونوں متلازم ہیں اور استثناء بھی دونوں میں مشترک ہے۔

فاذا هم قیام. قیام مرفوع ہے خبر کی وجہ سے اور زید بن علی حال کی وجہ سے منصوب کہتے ہیں۔ اس صورت میں ینظرون کی خبر ہوگی جو حال میں عامل ہے اور یا خبر عامل محذوف مانی جائے۔

ای فاذا هم مبعوثون. لیکن اگر اذا مفاجاتیہ حرف ہو تو پھر حال کا عامل ینظرون ہوگا یا خبر مقدر ہوگی۔

بنور ربها. یہ نور اللہ تعالیٰ براہ راست پیدا فرمائیں گے۔ اللہ کی طرف نسبت تشریفی ہے یا نور عدل وانصاف مراد ہے۔

زمرا. یہ زمرہ کی جمع ہے۔ زمر آواز کو کہتے ہیں اور مجمع آواز سے خالی نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے اس کے معنی جماعت کے ہیں۔

طبتم اس کی تمیز محذوف ہے ای طابت حالکم وحسنت. اذا کے جواب میں تین توجیہات ہو سکتی ہیں۔

۱۔ واؤ زائد ہو یہ رائے اخفشؒ اور کوفیوں کی ہے فتحت جواب ہوگا۔

۲۔ جواب وقال لهم خزنتها ہو یہاں بھی واؤ زائد مانا جائے۔

۳۔ جواب محذوف ہو... کی ... کہ خالدین کے بعد مقدر مانا جائے۔ ای اطمانوا اور مبرد سعدوا مقدر مانتے ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں وفتحت جملہ محل نصب میں ہوگا اور اس واؤ کو واؤ ثمانیہ کہا جاتا ہے۔ ابواب جنت آٹھ ہونے کی وجہ سے اور بعض نے تقدیر عبارت اس طرح مانی ہے۔ حتی اذا جاؤھا وفتحت ابوابھا یعنی جواب لفظ شرط کے ساتھ ہے۔

من الجنة علماء اسلام فرماتے ہیں کہ جنت دو طرح کی ہے۔ ایک جسمانی، دوسری روحانی۔ جسمانی جنت میں تو شرکت نہیں ہوگی۔ یعنی ہر جنتی کا ایک مخصوص مقام اور حصہ ہوگا۔ دوسرا اس میں شریک نہیں ہو سکے گا۔ لیکن روحانی جنت میں شرکت ہو سکے گی۔ یہاں وہی مراد ہوگی۔ واللہ اعلم۔

رابطہ آیات: پچھلی آیات میں شرک کی انتہائی برائی بیان ہوئی۔ اس پر بعض کو شبہ ہوا کہ جب شرک میں اس قدر برائی ہے تو اب ہم ایمان بھی لے آئیں تب بھی ان وعیدوں کے مستحق رہیں گے اور عذاب جھگتنا پڑے گا۔ پھر اسلام لانے سے کیا فائدہ؟

آیت قل یا عبادی الخ میں اسی کا جواب ہے اور توحید کو انتہائی ضروری فرمایا گیا ہے اور اس پر لطف و عنایت کا ذکر ہوا اور شرک کی برائی اور اس پر وعید بھی آئی۔

آیت اللہ خالق کل شیء سے الذی صفات کمالیہ بیان فرمائی گئی۔ جس سے مقصود توحید اور اس پر وعدہ ہے اور اس شرک کی ممانعت اور اس پر وعید مذکور ہے۔

آیت والارض الخ سے مجازات کی تمہید اور اجمالی بیان ہے۔ پھر ونفخ فی الصور سے آخر سورت تک مجازات کا مفصل تذکرہ ہے۔

شان نزول وروایات:

..... ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی نے آنحضرت ﷺ سے لکھ کر دریافت کیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ من قتل او اشرک اوزنی یلقی اثاما یضاعف له العذاب یوم القیمة اور میں ان جرائم کا مرتکب ہوں۔ ھل لی توبة؟ اس پر الا من امن الخ آیت نازل ہوئی۔ وحشی نے عرض کیا کہ یہ شرط سخت ہے اور میں اس پر پورا نہیں اترتا۔ کوئی دوسری آیت ارشاد فرمائیے۔ آپ ﷺ نے ان اللہ لایغفر آیت پڑھی۔ وحشی نے عرض کیا کہ اس سے تو مجھے اپنی مغفرت کا حال معلوم نہیں ہوا؟

اس پر قل یا عبادی الخ آیات نازل ہوئیں۔ اس کے بعد وحشی مسلمان ہو گئے اور گناہوں کی مغفرت خواہ فی الحال ہو جائے یا فی المآل۔ عذاب کے ساتھ یا بلا عذاب کے۔ اس لئے جمیعاً پر کوئی اشکال نہیں۔

اسی طرح ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ ہم پہلے یہ کہا کرتے تھے جو شخص مرتد ہو جائے تو اس کی توبہ نہیں ہو سکتی۔ مگر پھر آیات قل یا عبادی الخ نازل ہو گئیں۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ مشرکین نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔ اتضلل اباءک واجدادک اس پر آیات افغیر اللہ نازل ہوئیں۔

ونفخ فی الصور حدیث ابوسعید خدریؓ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ان صاحبی الصور بایدیھما قرنان یلاحظان النظر حتی یومران الخ اس سے معلوم ہوا کہ نفخ صور حضرت اسرافیل و جبرائیل علیہما السلام دو فرشتے کریں گے۔

بنورھا۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ سترون ربکم وقال کما لاتضارون فی الشمس فی یوم الضحو

تشریح: ..... **مسلک اہل سنت:** ..... قل یا عبادی مشرک، ملحد، زندیق، مرتد، یہودی، نصرانی، مجوسی، بدمعاش، بدعتی، فاسق، فاجر، کوئی ہو خدا کے اس بے پایاں اعلان رحمت کے بعد بالکلیہ خدائی رحمت سے مایوس ہوجانے اور آس توڑ بیٹھنے کی کوئی وجہ نہیں رہ جاتی۔ اللہ چاہے تو کسی کے بھی سب گناہ معاف کرسکتا ہے۔ کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ سخت سے سخت مایوس العلاج مریضوں کے حق میں یہ آیت اکسیر شفاء کا حکم رکھتی ہے۔ ہاں دوسری علامات سے اس نے یہ واضح کردیا کہ کفر وشرک بلا توبہ کے معاف نہیں ہوگا۔ حاصل یہ ہے کہ علاوہ کفر وشرک کے دوسرے چھوٹے بڑے گناہ بلا توبہ کے بھی چاہے تو معاف فرما سکتا ہے، جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے معتزلہ اس کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ مرجئہ مرتومہ کہتے ہیں۔

مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ توبہ کی ضرورت ہی نہیں بلکہ آیت ویغفر مادون ذلک میں جو قید ہے وہ صرف مشیت کی ہے۔ یعنی کفر وشرک میں مشیت بغیر توبہ کے متعلق نہیں ہوگی۔ البتہ تمام گناہوں میں بلا توبہ بھی مشیت متعلق ہوسکتی ہے۔

اللہ کے آگے جھک جاؤ: ..... چنانچہ اگلی آیت وانیبوا الخ میں مغفرت کی امید دلا کر توبہ کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ یعنی پچھلے گناہوں پر شرمندہ ہوکر اور کفر وطغیان کی راہ چھوڑ کر رب کریم کی بارگاہ میں جھک جاؤ اور انتہائی نیازمندی اور اخلاص سے بالکلیہ اس کے سپرد کردو اور اس کے آگے گردن جھکادو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ وقت آجائے کہ توبہ کا دروازہ بھی بند ہوجائے اور موقعہ ہاتھ سے نکل جائے۔ موت سر پر آجائے یا عذاب نظر آنے لگے۔ اس وقت توبہ بھی قبول نہ ہوگی۔ نہ اس وقت کوئی مدد کو پہنچ سکتا ہے۔ اس وقت بس انسان یہی کہے گا کہ ہائے افسوس! میں نفس کا غلام اور ہوا وہوس کا بندہ اور رسموں کا شکار ہوکر دنیا کے مزوں میں پڑ گیا اور خدا کو کچھ سمجھا ہی نہیں اور اس کے دین، پیغمبر اور عذاب کا مذاق اڑاتا رہا اور ان کی کوئی حقیقت ہی نہیں سمجھی کہ آج یہ برا وقت دیکھنا پڑا۔

حافظ ابن کثیرؒ کی رائے: ..... اور مذاق سے اگر عام معنی مراد لئے جائیں کہ خواہ اعتقاداً یا عملاً تو پھر آیت بھی کافر وعاصی کو عام ہوجائے گی۔ جیسا کہ حافظ ابن کثیرؒ کی رائے ہے۔

غرضیکہ یہ جہنمی کی پہلی کیفیت ہوئی۔ لیکن جب اس حسرت وندامت سے بھی کام نہیں چلے گا تو محض دل کے بہلانے کے لئے یہ مہمل بہانہ کرے گا کہ خدا، تو نے مجھے ہدایت نہ دی، ورنہ میں بھی متقین میں شامل ہوجاتا۔ جس کا جواب آگے قد جاء تک ایاتی آرہا ہے۔ لیکن ممکن ہے یہ کلام محض پاس ادب کے طور پر ہو۔ یعنی میں ہی اس لائق نہیں تھا کہ مجھے راہ ہدایت دکھلا کر منزل تک پہنچایا جاتا۔ ورنہ اگر مجھ میں اہلیت وصلاحیت ہوتی اور اللہ میری دستگیری فرماتا تو میں بھی آج متقیوں کے زمرے میں شامل ہوجاتا۔ مگر جب یہ بہانہ بازی بھی نہ چلے گی اور دوزخ کا عذاب بالکل ہی سامنے آکھڑا ہوگا تو گھبرا کر نہایت بے قراری سے بلبلائے گا کہ اچھا مجھے کسی طرح ایک دفعہ دنیا میں بھیج دیجئے اور دیکھئے کہ کیسا نیک بن کر آتا ہوں۔ یہ اس کے ترکش کا آخری تیسرا تیر ہوگا۔

مکمل مایوسی: ..... مگر وہ بھی ناکارہ ہوجائے گا۔ جواب ملے گا۔ بلی قد جاء تک یعنی یہ غلط ہے کہ اللہ نے راہ نہیں دکھلائی۔ اللہ نے سب کچھ کیا۔ مگر تو نے ہی کسی کی کوئی بات نہیں سنی۔ تکبر اور غرور سے سب کو جھٹلاتا رہا۔ تیری شیخی نے ہی تجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ ہمیں معلوم تھا کہ تیری افتاد طبع کیسی ہے۔ اگر ہزار بار بھی تجھے دنیا میں بھیجا جائے تب بھی وہی کرے گا جو پہلے کرچکا ہے۔ اس سے باز

نہیں آئے گا۔ ولو ردوا لعادوا لما نھوا عنہ

ویوم القیامۃ قیامت کے روز جھوٹ کی سیاہی منہ پر نمایاں ہو جائے گی اور تکبر کا انجام دوزخ کی رسوائی ہے۔ الیس فی جھنم میں یہی فرمایا گیا ہے۔ پس اسی طرح فکذبت بھا واستکبرت میں کفار کے دو وصف جو فرمائے گئے ہیں، ان دونوں کا انجام بد سامنے آ گیا۔

ینجی اللہ یعنی ایسی جگہ لے گی، جہاں دکھ کی بجائے سکھ ہی سکھ ہوگا۔ جس طرح دنیا میں اللہ نے ہر چیز کو وجود بخشا ہے۔ اسی طرح وجود کی بقا اور سامان بقا سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ایک آن بھی اس کی توجہ ہٹ جائے تو وجود باقی نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ قیامت میں یہی ہوگا۔ عالم کے خزانوں کی کنجیاں چونکہ اسی کے پاس ہیں، اسی لئے اس کی رحمت کا امیدوار اور اس کے غصہ سے خائف رہنا چاہئے۔ اس سے ہٹ کر آخر کہیں کسی کا ٹھکانہ ہے۔ مگر اس پر بھی کوئی خدا سے برگشتہ ہو کر دوسروں کی چوکھٹوں پر ماتھا ٹیکے یا پیغمبر سے الٹی توقع باندھے کہ وہ اپنی راہ چھوڑ کر ان کی راہ اختیار کرے گا تو اس کی حماقت و جہالت میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ مشرکین نے آپ کو اپنے دیوتاؤں کی پوجا کی دعوت دی۔

توحید کی دلیل نقلی:۔ اس پر آیت قل افغیر اللہ نازل ہوئی۔

آیت ولقد اوحی میں توحید کا نقلی پہلو واضح کیا جا رہا ہے کہ تمام ادیان سابقہ اور پچھلے تمام انبیاء توحید کی عصمت و دعوت میں متحد رہے ہیں اور شرک کے غلط ہونے پر سب متفق رہے ہیں اور عقلی حیثیت سے بھی دیکھا جائے تو نظر آ جائے گا کہ جب سب چیزیں اسی کی پیدا کردہ ہیں اور اسی نے تھام رکھی ہیں تو عبادت کا مستحق بھی بجز اس کے اور کون ہوسکتا ہے اور سب کی مرکزی وحی کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ آخرت میں مشرک کے تمام اعمال اکارت اور شرک لایعنی ہے۔ لہذا انسان کو چاہئے کہ وہ سب سے کٹ کر صرف اللہ کا ہو رہے اور اسی کا شکر گزار و وفادار بندہ بنے۔ مگر مشرک انسانوں نے اس کی قدر و منزلت نہ تو اس کی شایان شان پہچانی اور نہ ایک وفادار بندہ کی حیثیت سے جو پہچاننے کی حد تھی، اس کا لحاظ کیا۔ ورنہ کیا ایک پتھر کی بے جان مورتیوں کو اس کی برابری کا درجہ دیا جا سکتا تھا جس کی عظمت و قدرت کا حال یہ ہو کہ قیامت میں سارا جہاں اس کی مٹھی میں ہوگا اور یہ سارے آسمان لپٹے ہوئے کاغذ کی طرح اس کے ہاتھ میں ہوں گے۔ بلکہ ان کے شرکاء اس وقت بھی اسی کے زیر تصرف ہیں۔ ذرا زبان کان ہلا نہیں سکتے۔ مگر پھر ان کو شریک الوہیت گردانا کہاں کا انصاف ہے؟

یمین وغیرہ الفاظ متشابہات کہلاتے ہیں۔ جن پر بلا کیف اور بلا چون وچرا ایمان رکھنا ضروری ہے۔ اس سے خدا کی جسمیت کا شبہ نہ کیا جائے۔ جیسا کہ فرقہ مشبہ مجسمہ کو دھوکا ہو گیا ہے۔ چنانچہ بعض روایات میں و کلتا یدیہ یمین بھی آیا ہے۔

چار مرتبہ نفخ صور:۔ ونفخ فی الصور بعض اکابر چار مرتبہ نفخ صور مانتے ہیں۔ پہلا صور عالم کی فنائیت کا ہوگا، دوسرا صور زندہ ہونے کا، تیسرا حشر کے بعد ایک طرح کی بے ہوشی اور چوتھا بارگاہ خداوندی میں پیشی کے لئے خبردار کرنے کا۔ مگر جمہور کی رائے صرف پہلی دو نفخوں ہی کی ہے۔

الا من شاء اللہ میں بعض نے چاروں مقرب فرشتے مراد لئے ہیں اور بعض نے عاملین عرش فرشتوں کو بھی شامل کر لیا ہے اور بعض نے انبیاء وشہداء مراد لئے ہیں اور یہ استثناء دونوں نفخوں کے وقت ہے۔ پس ممکن ہے، اس کے بعد کل شیء ھالک اور کل نفس ذائقۃ الموت اور لمن الملک الیوم الخ آیات کی رو سے یہ بھی فنا ہو جائیں گے۔ خواہ ایک لحہ ہی کے لئے سہی۔

زمین نورِ الٰہی سے چمک اٹھے گی: ...... اس کے بعد واشرقت الارض کا ظہور ہوگا۔ یعنی کہ حساب کتاب کے لئے اپنی شایان شان بے کیف نور کے ساتھ حق تعالیٰ اجلال فرمائیں گے۔ جس سے زمین محشر چمک اٹھے گی۔ یا نور عدل مراد ہے کہ میزان عدل قائم کی جائے گی اور انصاف کی کچہری سے مناسب فیصلے سرزد ہوں گے اور شہداء سے مراد امت محمدیہ کے نیک یا براماً کے نیک دگّ اور انسان کے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء ہیں، جن کی گواہی معتبر ہوگی اور کسی کی نیکی بدی میں ذرہ برابر کمی بیشی نہیں ہوگی اور یہ گواہی محض اتمام حجت اور الزام کے طور پر ہوگی۔ ورنہ اللہ سے کیا چیز پوشیدہ ہے۔

فتحت ابوابها. دوزخ کی مثال دنیا میں جیل خانہ کی ہے۔ یہاں بھی قیدی کے آنے پر جیل خانہ کا پھاٹک کھلتا ہے۔ پہلے سے کھلا نہیں رہتا۔ وہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ برخلاف جنت کے، اس کی مثال مہمان خانہ کی ہے۔ اس میں پہلے سے مہمان کے انتظار میں دروازے کھلے رہتے ہیں۔ اکرام مہمان کی خاطر۔

قالوا بلیٰ یعنی پیغمبر یقیناً آئے اور ضرور آئے۔ انہوں نے اللہ کے پیغامات سنائے۔ آج کے دن سے بہت کچھ ڈرایا۔ مگر ہماری بدبختی اور نالائقی کہ ہم نے ان کی ایک نہ سنی۔ آخر خدا کی اٹل تقدیر سامنے آکر رہی۔ حکم ہوگا کہ اچھا اب تم شیخی اور غرور کا مزہ چکھو اور ہمیشہ دوزخ کی مصیبتیں بھگتو۔

جنتی اور جہنمیوں کی ٹکڑیاں: ...... وسیق الذین. لفظ سیق کے دونوں جگہ بلحاظ نوعیت الگ الگ مفہوم ہوں گے۔ مجرمین کے ساتھ تو دھکیلنے کی کیفیت ہوگی اور جنتیوں کے ساتھ پرشوق انداز میں ہنکنے کی ہوگی۔ اسی طرح چونکہ کفر اور ایمان کے مراتب مختلف رہے ہوں گے اس لئے وہاں بھی اسی مناسبت سے ٹکڑیاں بنائی جائیں گی۔ سب کو ایک لاٹھی سے نہیں ہنکایا جائے گا اور نہ سب کو ایک گھاٹ پانی پلایا جائے گا۔

وقال لهم خزنتها. یہ خوش آمدید کہنے والے فرشتوں کی استقبالی پارٹی ہوگی جو ترحیبی کلمات کہہ کر استقبال کرے گی۔ جس کے جواب میں آنے والے مہمان شکریہ کے مناسب الفاظ کہیں گے۔

حیث نشاء کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کے مناسب مقررہ جگہیں تو ہوں گی۔ مگر سیر وسیاحت کے لئے عام آزادی بھی ہوگی۔ کوئی روک ٹوک نہ ہوگی۔ یا یہ مطلب ہے کہ اہل جنت کو اختیار دے دیا جائے گا کہ آزادی سے جہاں چاہیں رہیں۔ مگر خود وہ اختیار اور پسند انہی جگہوں کو کریں گے جو پروگرام کے مطابق پہلے سے طے شدہ ہوں گی۔

وتری الملائکة. یہ دربار کی برخاستگی کا منظر ہے جو نعرہ ہائے تسبیح وحمد کے درمیان برخاست ہوگی۔ **سبحان الله والحمد لله، اللهم ارزقاها برحمتک وبجاه نبیک.**

لطائف سلوک: ...... ویوم القیامة. چونکہ عالم معاد، کشف حقائق کا عالم ہے، اس لئے وہاں قلب کی اندرونی سیاہی چہروں میں جھلکے گی۔ یوم تبلی السرائر اور یہ اس کے منافی نہیں کہ چہروں پر کلونس کا دوسرا سبب عذاب کی شدت بھی ہو۔

وسیق الذین اتقوا کے ذیل میں بعض عارفین تو یہ کہتے ہیں کہ جنت میں داخل ہونے سے پہلے حدیث مسلم کی رو سے محشر میں چونکہ حق تعالیٰ کا دیدار ہو چکے گا اس لئے اس کیف کی مستی اور ذوق میں یا آئندہ دیدار کی امید پر جنت میں جانے سے ہچکچائیں گے اور فرشتوں کو سوق اور کھینچنے کی نوبت آئے گی۔ لیکن بعض عارفین کا خیال یہ ہے کہ لقائے رب کے شوق میں یہ سوق یعنی لپکنا ہوگا کہ دوڑ کر جنت میں جاکر دیدار کرلیں۔ بہرحال دونوں اقوال میں قدر مشترک جمال الٰہی کو مقصود بالذات سمجھنا ہے۔

وقف الهوى بي حيث انت فليس لي متأخر عنه ولا متقدم

ورنہ خالی جنت مقصود بالذات نہیں ہوگی۔ امید دید محبوب ہونے کی وجہ سے مطلوب رہے گی۔ تاہم ان دونوں اقوال میں اس طرح تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ جب تک انہیں یہ علم نہیں ہوگا کہ جنت تجلی گاہ ہے یا محشر کی سابقہ تجلیات میں سرشار ہونے یا دوبارہ تجلی محشر کے امیدوار ہونے کی وجہ سے اول اول تو فرشتوں کو سوق کی نوبت آئے گی لیکن جونہی انہیں معلوم ہوگا کہ جنت جلوہ گاہ محبوب ہے تو ایک دم جنت کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ اس تقریر پر دونوں قول جمع ہو گئے۔

غرضیکہ جہنمیوں کے سائق تو ملائکہ غضب ہوں گے اور جنتیوں کے لئے ملائکہ رحمت یا ذوق وشوق سائق بنے گی۔ رہی حدیث مسلم تو اس کا حاصل یہ ہے کہ ابوہریرہؓ آنحضرت ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ محشر میں پہلے حق کی تجلی غیر متعارف صورت میں ہوگی اور انا ربکم کا اعلان ہوگا۔ تو محشر والے انکار کر دیں گے۔ نعوذ باللہ منک هذا مکاننا حتی یاتینا ربنا اس کے بعد تجلی متعارف ہوگی اور انا ربکم کہہ کر حق کا اعلان ہوگا تب بے ساختہ سب پکار اٹھیں گے انت ربنا اور اس کے پیچھے چل پڑیں گے۔

سُوْرَةُ غَافِرٍ

سُوْرَةُ غَافِرٍ مَكِّيَّةٌ اِلَّا الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ الْاٰيَتَيْنِ خَمْسٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ **تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ** الْقُرْاٰنِ مُبْتَدَأٌ **مِنَ اللّٰهِ** خَبَرُهٗ **الْعَزِيْزِ** فِيْ مُلْكِهٖ **الْعَلِيْمِ**(۲) بِخَلْقِهٖ **غَافِرِ الذَّنْۢبِ** لِلْمُؤْمِنِيْنَ **وَقَابِلِ التَّوْبِ** لَهُمْ مَصْدَرٌ **شَدِيْدِ الْعِقَابِ** لِلْكَافِرِيْنَ اَيْ مُشَدِّدِهٖ **ذِي الطَّوْلِ** اَيِ الْاِنْعَامِ الْوَاسِعِ وَهُوَ مَوْصُوْفٌ عَلَى الدَّوَامِ بِكُلٍّ مِنْ هٰذِهِ الصِّفَاتِ فَاِضَافَةُ الْمُشْتَقِّ مِنْهَا لِلتَّعْرِيْفِ كَالْاَخِيْرَةِ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ**(۳) الْمَرْجِعُ **مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ** الْقُرْاٰنِ **اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ **فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ**(۴) لِلْمَعَاشِ سَالِمِيْنَ فَاِنَّ عَاقِبَتَهُمُ النَّارُ **كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ** كَعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَغَيْرِهِمَا **مِنْۢ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ** يَقْتُلُوْهُ **وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا** يُزِيْلُوْا **بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ** بِالْعِقَابِ **فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ**(۵) لَهُمْ اَيْ هُوَ وَاقِعٌ مَوْقِعَهٗ **وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ** اَيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ الْاٰيَةَ **عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ**(۶) بَدَلٌ مِنْ كَلِمَةُ **اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ** مُبْتَدَأٌ **وَمَنْ حَوْلَهٗ** عَطْفٌ عَلَيْهِ **يُسَبِّحُوْنَ** خَبَرُهٗ **بِحَمْدِ رَبِّهِمْ** مُلَابِسِيْنَ لِلْحَمْدِ اَيْ يَقُوْلُوْنَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ **وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ** تَعَالٰى بِبَصَائِرِهِمْ اَيْ يُصَدِّقُوْنَ بِوَحْدَانِيَّتِهٖ تَعَالٰى **وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** يَقُوْلُوْنَ **رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا** اَيْ وَسِعَ رَحْمَتُكَ كُلَّ شَيْءٍ وَعِلْمُكَ كُلَّ شَيْءٍ **فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا** مِنَ الشِّرْكِ **وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ** دِيْنَ الْاِسْلَامِ **وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ**(۷) النَّارِ **رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ** اِقَامَةٍ **اَلَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ** عَطْفٌ عَلٰى هُمْ فِيْ وَاَدْخِلْهُمْ اَوْ فِيْ وَعَدْتَّهُمْ **مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ**(۸) فِيْ صُنْعِهٖ **وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ**

فی ای عذابها وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ يوم القيمة فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ من قبل الملئكة وهم يمقتون انفسهم عند دخولهم النار لَمَقْتُ اللّٰهِ اياكم اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ فى الدنيا اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ اماتتين وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ احيائين لانهم كانوا نطفا امواتا فاحيوا ثم اميتوا ثم احيوا للبعث فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا بكفرنا بالبعث فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ من النار والرجوع الى الدنيا لنطيع ربنا مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۱۱﴾ طريق وجوابهم لا ذٰلِكُمْ اى العذاب الذى انتم فيه بِاَنَّهٗ اى بسبب انه فى الدنيا اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ بتوحيده وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ يجعل له شريك تُؤْمِنُوْا ۭ تصدقوا بالاشراك فَالْحُكْمُ فى تعذيبكم لِلّٰهِ الْعَلِيِّ على خلقه الْكَبِيْرِ ﴿۱۲﴾ العظيم هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ دلائل توحيده وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ رِزْقًا ۭ بالمطر وَمَا يَتَذَكَّرُ يتعظ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ يرجع عن الشرك فَادْعُوا اللّٰهَ اعبدوه مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ من الشرك وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ اخلاصكم منه رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ اى الله عظيم الصفات او رافع درجات المؤمنين فى الجنة ذُو الْعَرْشِ ۚ خالقه يُلْقِي الرُّوْحَ الوحى مِنْ اَمْرِهٖ اى قوله عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يخوف الملقى عليه الناس يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾ بحذف الياء واثباتها يوم القيمة لتلاقى اهل السماء والارض والعابد والمعبود والظالم والمظلوم فيه يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ خارجون من قبورهم لَا يَخْفٰى عَلَي اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ يقوله تعالى ويجيب نفسه لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾ اى لخلقه اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾ يحاسب جميع الخلق فى قدر نصف نهار من ايام الدنيا لحديث بذلك وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ يوم القيمة من ازف الرحيل قرب اِذِ الْقُلُوْبُ ترتفع خوفا لَدَى عند الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ڛ ممتلئين غما حال من القلوب عوملت بالجمع بالياء والنون معاملة اصحابها مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ محب وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿۱۸﴾ لا مفهوم للوصف اذ لا شفيع لهم اصلا فما لنا من شافعين او له مفهوم بناء على زعمهم ان لهم شفعاء اى لو شفعوا فرضا لم يقبلوا يَعْلَمُ اى الله خَاۗىِٕنَةَ الْاَعْيُنِ بمسارقتها النظر الى محرم وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾ القلوب وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يعبدون اى كفار مكة بالياء والتاء مِنْ دُوْنِهٖ وهم الاصنام لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۭ فكيف يكونون شركاء لله اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ لاقوالهم الْبَصِيْرُ ﴿۲۰﴾ بافعالهم

ترجمہ: سورۂ غافر مکی ہے۔بجز الذین یجادلون دو آیت کے۔کل ۸۵ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حٰمٓ (اس کی حقیقی مراد اللہ کو معلوم ہے) یہ کتاب اتاری گئی (مبتداء ہے) اللہ کی طرف سے (خبر ہے) جو (اپنے ملک میں) زبردست (اپنی مخلوق کا) جاننے والا ہے (مسلمانوں کے) گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا (ان کی، یہ مصدر ہے) یہ سخت سزا دینے والا ہے (کافروں کو اور شدید بمعنی مشدد ہے) وسعت والا ہے (یعنی وسیع انعام والا ہے اور اللہ ہمیشہ ان خوبیوں سے متصف ہے۔ان مشتقات صیغوں کی اضافت تعریف کے لئے ہے۔جیسا کہ ''ذی الطول'' میں بھی اضافت تعریفی ہے) اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔اسی کے پاس جانا ہے (سو نہ) اللہ تعالیٰ کے ساتھ (قرآن کی) ان آیتوں میں وہی لوگ جھگڑے نکالتے ہیں جو (مکہ والوں میں سے) منکر ہیں۔سو ان کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو اشتباہ میں نہ ڈالے (معاش میں خوش حال ہونا۔کیونکہ انکا انجام جہنم ہے) ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور دوسرے گروہوں نے بھی (جیسے عاد اور ثمود وغیرہ) جو انکے بعد ہوئے ہیں جھٹلایا تھا اور ہر امت نے اپنے پیغمبر کو (قتل کے لئے) گرفتار کرنے کا ارادہ کیا تھا اور ناحق کے جھگڑے نکالے۔تاکہ اس ناحق کے ذریعے حق کو ملیامیٹ (ناکارہ) کردیں۔سو میں نے (عذاب کے ذریعہ) داروگیر کی۔سو ہماری سزا کیسی ہوئی (یعنی ان کو کیسی برموقعہ ہوئی) اور اسی طرح آپ کے پروردگار کی یہ بات (لازامد ہے یعنی لا ملان جھنم الخ) تمام کافروں پر ثابت ہو چکی ہے کہ وہ لوگ دوزخی ہوں گے (یہ کلمہ سے بدل ہے) جو فرشتے کہ عرش کو تھامے ہوئے ہیں (مبتداء ہے) اور جو فرشتے اس کے گرداگرد ہیں (یہ معطوف ہے) وہ تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں (خبر ہے) اپنے پروردگار کی (یعنی سبحان اللہ وبحمدہ پڑھتے رہتے ہیں) اور اس پر ایمان رکھتے ہیں (دلائل کے ساتھ۔یعنی اللہ کی وحدانیت کی تصدیق کرتے ہیں) اور ایمان والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں (یہ کہتے ہوئے) کہ اے ہمارے پروردگار! (آپ کی رحمت اور علم) ہر چیز کو شامل ہے (یعنی آپ کی رحمت ہر چیز پر ہے اور آپ کا علم بھی عام ہے) سو ان لوگوں کو بخش دیجئے جنہوں نے (شرک سے) توبہ کرلی ہے اور آپ کے راستے (دین اسلام) پر چلتے ہیں اور انہیں دوزخ کے عذاب (آگ) سے بچا لیجئے۔اے ہمارے پروردگار! اور ان کو داخل کردیجئے ہمیشہ رہنے کی بہشتوں (جنت) میں، جن کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے اور جو لائق ہوں (ادخلھم یا عدتھم میں جو ھم ہے اس پر یہ معطوف ہے) ان کے ماں باپ اور بیویوں اور اولاد میں سے بھی ان کو داخل کردیجئے۔بلاشبہ آپ زبردست حکمت والے ہیں (اپنی کاریگری میں) اور ان کو تکالیف (عذاب) سے بچائیے اور آپ جس کو اس دن کی تکالیف (عذاب) سے بچالیں تو اس پر آپ کی مہربانی ہوگی اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے جو لوگ کافر ہیں انہیں پکارا جائے گا (فرشتوں کی طرف سے جبکہ وہ دوزخ میں داخل ہوتے وقت خود کو برا بھلا کہتے ہوں گے) کہ اللہ کو تم سے بڑھ کر نفرت ہے اس نفرت کے مقابلہ میں جو تمہیں خود اپنے سے ہے جبکہ تم ایمان کی طرف (دنیا میں) بلائے جاتے تھے۔پھر تم مانا نہیں کرتے تھے۔وہ لوگ بولیں گے اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہم کو دو مرتبہ مردہ کیا اور دوبارہ زندگی بخشی (کیونکہ پہلے بے جان نطفے تھے۔پھر زندہ کیا، پھر موت دی۔پھر قیامت کے لئے جلایا) سو ہم اپنی خطاؤں (انکار قیامت) کا اقرار کرتے ہیں۔سو کیا (دوزخ سے چھوٹ کر دوبارہ دنیا میں جاکر پروردگار کی اطاعت کے لئے) نکلنے کی کوئی صورت ہے (اس کا جواب یہ ہے کہ ''نہیں'') یہ (عذاب جس میں تم گرفتار ہو) اس لئے ہے کہ (یعنی جنبہ یہ ہے کہ دنیا میں جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا تھا تو تم (اس کی توحید کا) انکار کردیا کرتے تھے اور اگر کسی کو اس کے ساتھ شریک کرکے (شرک) بیان کیا جاتا تو تم مان لیتے تھے۔(شرک کی تصدیق کردیتے) سو یہ فیصلہ اللہ کا ہے جو (اپنی مخلوق پر) بالادست بڑے رتبہ والا (بزرگ) ہے۔وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں (دلائل توحید) دکھلاتا ہے اور آسمانوں سے تمہارے لئے رزق (بارش) اتارتا ہے اور صرف وہی شخص نصیحت (وعظ) قبول کرتا ہے جو (شرک سے) رجوع کرتا ہے۔سو تم لوگ اللہ کو پکارو (اس کی عبادت کرو)

کر کے دین کو (شرک سے) پاک کر کے اگرچہ کافروں کو ناگوار گزرے (اللہ سے تمہارا اخلاص کرنا) وہ بلند مراتب ہے (یعنی اللہ بڑی شان والا ہے یا مومنین کے درجے جنت میں بلند کرنے والا ہے) وہ عرش کا مالک (خالق) ہے وہ (وحی) یعنی حکم (ارشاد) بھیجتا ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے تا کہ ڈرائے (خوف دلائے لوگوں کو) اکٹھے ہونے کے دن سے (لفظ تلاق حذف یا اور اثبات یا کے ساتھ دونوں طریقے سے ہے۔ قیامت کا دن جس میں تمام آسمان و زمین والے عابد، معبود، ظالم و مظلوم جمع ہوں گے) جس روز جب سب آ موجود ہوں گے (قبروں سے نکل پڑیں گے) ان کی کوئی بات اللہ سے چھپی نہ رہے گی۔ آج کس کی حکومت ہے؟ (اللہ تعالیٰ ہی پوچھیں گے اور وہی خود جواب دیں گے کہ) بس اللہ ہی کی جو یکتا غالب ہے (اپنی مخلوق پر) آج ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے گا۔ آج کچھ ظلم نہ ہوگا اللہ بہت جلد حساب بنا دے گا (سارے عالم کا حساب کتاب دنیا کے آدھے دن کے برابر وقت میں چیک کیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے) اور آپ ان لوگوں کو ایک قریب آنے والی مصیبت کے دن (قیامت۔ ازفت الرحیل بمعنی قرب سے یہ لفظ بنا ہے) سے ڈرائیے۔ جس وقت کلیجے منہ کو آ جائیں گے (ڈر کے مارے نکلنے پڑیں گے) گھٹ گھٹ جائیں گے (اندر ہی اندر غم میں گھٹتے ہوئے۔ یہ قلوب سے حال ہے۔ کظمین واؤ نون کے ساتھ جمع لائی گئی۔ اصحاب قلوب کی رعایت کرتے ہوئے) ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا کہ جس کا کہا مانا جائے (یطاع یہ صفت احترازی نہیں ہے اس لئے اس کے مفہوم کی رعایت پیش نظر نہیں ہے۔ کیونکہ فی نفسہ ان کا کوئی سفارشی ہی نہیں ہوگا۔ جیسا کہ فمالنا من شافعین سے معلوم ہو رہا ہے اور یا اس مفہوم کا لحاظ کیا جائے گا۔ مگر ان کے عقیدے کی رو سے کہ "ہمارے سفارشی ہوں گے" حاصل یہ ہوگا کہ اگر ان کا بفرض سفارشی ہونا بھی مان لیا جائے تو وہ سفارش نہیں سنی جائے گی۔ وہ (اللہ) آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے (نامحرم کے گھورنے کو) اور ان کو بھی جو سینوں (دلوں) میں پوشیدہ ہیں اور اللہ تعالیٰ بالکل ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے گا اور جن کو یہ پکارتے ہیں (یعنی کفار مکہ جن کی عبادت کرتے ہیں یدعون یا اور تا کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں) اللہ کے علاوہ (بتوں کو) وہ کسی بھی طرح کا فیصلہ نہیں کر سکتے (پھر وہ اللہ کے شریک کیسے ہو گئے؟) اللہ ہی سب کچھ سننے والا (باتوں کا) سب کچھ دیکھنے والا (کاموں کا) ہے۔

تحقیق و ترکیب:

......الا الذین۔ مفسرؒ کو الا ان الذین الخ کہنا چاہیے تھا۔

ایتین میں پہلی آیت تو یہی ہے اور دوسری آیت لخلق السموات ہے۔ یہ دونوں آیت مدنی ہیں۔

وقابل التوب واو لانے میں یہ نکتہ ہے کہ حق تعالیٰ مومنین کے لئے دونوں برتاؤ فرمائے گا۔ گناہوں کی معافی اور توبہ کا قبول کرنا۔ کیونکہ ان دونوں وصفوں میں تلازم نہیں۔ توبہ کے لئے تین باتیں شرط ضروری ہیں۔

۱۔ گناہ چھوڑ دینا۔

۲۔ اس پر اظہار ندامت کرنا۔

۳۔ آئندہ کے لئے نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنا۔

اور استغفار کے معنی یہ ہیں کہ گناہ کو برا سمجھ کر مغفرت مانگنا۔ پس توبہ پہلے ہوگی اور استغفار بعد میں۔

شدید اگر فعیل کے وزن پر اس کو صفت مشبہ مانا جائے تو یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس کی اضافت فاعل کی طرف اضافت لفظیہ ہونے کی وجہ سے مفید تعریف نہیں۔ اس لئے اس کو معرفہ کی صفت بھی نہیں بنایا جا سکتا۔ پس مفسرؒ کو مشددة کہہ کر اعتراض کے دفعیہ کی طرف اشارہ کرنا پڑا کہ فعیل صفت مشبہ نہیں بلکہ بمعنی اسم فاعل ہے۔ جیسے اذین بمعنی مؤذن۔

ذی الطول فتحہ کے ساتھ بولا جاتا ہے۔ لفلان علی فلان طول ای زیادة اسی لئے طول کو غنی بھی کہا جاتا ہے۔

کیونکہ مالداری سے زائد چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ اللہ کی طرف سے ثواب وانعام طول کہیں گے۔ یہی معنی ہیں انعام واسع کے اور بعض نے یہاں ترک عقاب مراد لیا ہے۔ قاموس میں اس کے معنی قدرت، غنی، سعۃ، فضل کہے ہیں۔ ان آیات میں بعض صفات ترہیبی ہیں اور بعض ترغیبی۔

وھو موصوف الخ سے اس سابقہ شبہ کا جواب دے رہے ہیں یہ تینوں صفات اضافت لفظیہ کی وجہ سے مفید تعریف نہیں؟ حاصل جواب یہ ہے کہ ان میں استمرار ودوام کے معنی لئے جائیں گے تو پھر یہ اضافتیں مفید تعریف بن جائیں گی اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ تینوں بدل ہیں صفت نہیں ہیں اور بدل میں مبدل منہ کے تابع اور موافق ہونا شرط نہیں ہے اور ایک جواب پہلے گزر چکا ہے کہ یہ اسم فاعل ہے۔

فلا یغررك شرط مقدر کی جزاء ہے۔ ای اذا علمت انھم کفار فلا یغررک اموالھم اس میں آپ کو تسلی ہے۔ جیسا کہ آئندہ آیت کذبت قبلھم میں تسلی ہے۔

عقاب۔ مفسرؒ نے لھم کہہ کر حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے اور یعقوبؒ نے عقابی پڑھا ہے۔ تفسیر مدارک میں ہے یہ استفہام تقریر تثبیت یا تحقیق کے لئے ہے۔

وکذلك یعنی آخرت میں ان کو پچھلے لوگوں کی طرح ضرور سزائیں ملیں گی۔ البتہ دنیا میں ان کو آپ کی برکت کی وجہ سے چھوڑ رکھا ہے۔

انھم اصحاب النار اگر کلمہ سے مراد یہی جملہ ہے تب تو یہ بدل الکل ہوگا اور اگر مفسرؒ کی رائے کے مطابق لاملان الخ ہو تو پھر بدل الاشتمال ہو جائے گا۔

ومن حولہ یہ الذین یحملون پر معطوف ہے اور ربنا وسعت بین یہ حال ہو جائے گا یستغفرون کا۔ مفسرؒ نے ای وسع رحمتک الخ سے اشارہ کیا ہے کہ رحمۃ و علما تمیز ہیں مگر دراصل فاعل تھے۔

ویؤمنون بہ خطیبؒ کے کہنے کے مطابق یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یسبحون سے متصف کرنے کے بعد یؤمنون کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر مفسرؒ نے بصائرھم کہہ کر اشارہ جواب کی طرف کیا ہے کہ تسبیح کرنا تو زبان کے وظائف میں سے ہے۔ لیکن ایمان لانا وظائف قلب سے ہے۔ اس لئے دونوں کی ضرورت ہوئی۔ نیز اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان جس طرح دنیا میں دلائل پر نظر رکھنے کی وجہ سے حقیقت ادراک سے محجوب رہتے ہیں، فرشتے بھی ادراک بالبصائر کے مرتبہ میں حقیقی ادراک سے محجوب رہتے ہیں۔

من اباء ھم ان تینوں کے ساتھ جنت میں رہنا چونکہ باعث نشاط ہوگا اس لئے ان کے داخلہ کی دعا کی۔

ادخلھم کے ہم پر داخلہ کرنے میں چونکہ صریحی دعا ہے بہ نسبت وعدتھم کے ہم پر عطف کرنے کے اس لئے اول ترکیب بہتر ہے۔

لمقت اللہ مفسر علامؒ نے دونوں وقتوں کا زمانہ ایک مانا ہے۔ یعنی دوزخ میں جانے کے وقت۔ مگر دونوں کے فاعل علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اول کا فاعل اللہ اور دوسرے کا فاعل خوف کفار۔ لیکن تقدیر عبارت اس طرح بھی ہو سکتی ہے۔ لمقت اللہ انفسکم فی الدنیا اذ تدعون الی الایمان فتکفرون اشد من مقتکم انفسکم الیوم وانتم فی النار اس صورت میں پہلے مقت کا زمانہ دنیا اور دوسرے مقت کا زمانہ آخرت ہوگا۔ گویا فاعل کی طرح دونوں زمانے بھی مختلف ہوئے۔ یہ رائے مجاہدؒ سے منقول ہے۔ مگر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ مصدر اور اس کے صلہ کے درمیان اجنبی یعنی خبر کا فصل ہو جائے گا۔ لیکن امالی ابن حاجب میں ہے کہ ظروف میں

توضیح ہوتا ہے۔ اس نے گنجائش ہے۔

امتنا اثنتین. دونوں حالتوں کو موت سے تعبیر کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے۔ **سبحان من صغر جسم البعوضة و کبر جسم الفیل** اسی طرح دونوں حیات سے مراد دنیاوی اور اخروی زندگانی ہیں۔ جیسے کہ ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ، قتادہؒ، ضحاکؒ کی رائے ہے۔ لیکن سدیؒ کی رائے ہے کہ پہلی زندگی سے مراد برزخی زندگی ہے۔ پس پہلی صورت میں حقیقت ومجاز کا جمع کرنا یا عموم مشترک لازم آئے گا۔ کیونکہ اماتت کی تفسیر اموات کو پیدا کرنا اگر مجازی ہیں تو پہلا اشکال یعنی حقیقت مجاز کا جمع کرنا رہے گا اور معنی حقیقی ہیں تو پھر دوسرا اشکال لازم آئے گا۔ لیکن اماتت کے معنی اموات کردینے کے لے کر عموم مجازی کی توجیہ کرلی جائے گی۔

اس آیت سے تناسخ اور آواگون کا غلط ہونا معلوم ہو۔ کیونکہ یہاں صرف دو حالتوں میں حصر ہے۔ یعنی موت بھی صرف دو مرتبہ اور زندگی بھی صرف دومرتبہ۔ حالانکہ تناسخ ماننے والے موت وحیات کا چکر مسلسل مانتے ہیں۔

رفیع الدرجات. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ رفیع صفت مشبہ خبر ہے مبتداء محذوف ھو کی۔

او رافع الخ سے اشارہ ہے کہ فعیل مبالغہ کے لئے ہے۔ ورنہ دراصل اسم فاعل تھا۔ بغویؒ نے صرف اخیر کی توجیہ کی ہے۔

یلقی الروح وحی کو روح سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی جیسی روح بدن میں حلول سریانی کرتی ہے ایسے ہی وحی قلب میں سرایت کرتی ہے۔ اسی لئے انبیاء کو نسیان وحی نہیں ہوتا۔

من امرہ روح کا بیان یا حال ہے یا صفت ہے یا یلقی کے متعلق ہے اور من سببیہ ہے اور امر سے مراد قول ہے۔ جیسا کہ مفسرؒ کی رائے ہے یا بقول ابن عباسؓ قضا مراد ہے۔

لینذر مفسرؒ نے یخوف سے اس کے معنی ظاہر کردیئے اور مطلق یلقی اس کا فاعل ہے جو من یشاء کا مصداق ہے اور یہ کہ ینذر کا پہلا مفعول الناس محذوف یا کے ساتھ ہے۔ لیکن ابن کثیرؒ اور یعقوبؒ یا کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

یوم ھم یہ بدل ہے یوم التلاق سے۔ اس میں یوم جملہ اسمیہ کی طرف مضاف ہو رہا ہے۔ جیسے کہا جائے۔ اتیتک زمن الحجاج امیر

لایخفی. یہ دوسری خبر ہے یا حال ہے۔ یوں تو ہر آن اللہ سے کوئی بات مخفی نہیں۔ مگر چونکہ قیامت کے اژدہام کی وجہ سے وہم کس گمان کا ہوسکتا تھا، اس لئے نفی میں اس روز کی تخصیص فرمادی۔

لمن الملک خبر مقدم مبتداء موخر اور یوم ظرف ہے اور للہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ جملہ مستانفہ سوال مقدر کے جواب میں ہے۔ ای مادا یکون حینئذ یہ جواب حق تعالیٰ بہ نفس نفیس عطا فرمائیں گے۔ یا اہل محشر کی طرف سے ہوگا۔

یوم الازفة بمعنی قریبہ اس کا موصوف مقدر ہے ای الحطة یہ قرب یا تو ماضی کی نسبت سے ہے اور یا اس لئے کہ کل ات قریب. ازف الرحیل کہا جاتا ہے۔

اذ القلوب. یہ کنایہ ہے شدت خوف یا انتہائی تکلیف سے۔

کاظمین اس میں قلوب کا ذکر اصحاب قلوب پر دلالت کر رہا ہے جو ذوالحال ہے اور قلوب بھی ذوالحال ہوسکتا ہے۔ نیز مبتداء بھی ذوالحال بن سکتا ہے۔ یہ ماخوذ ہے کظلم القربة سے۔ مشکیزہ کا منہ بند کردینا۔ چونکہ کظم افعال عقلاء میں سے ہے اس لئے جمع مذکر لائی گئی۔

خائنة الاعین اس میں چار ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔

ا۔ یہ هو الذی یریکم اٰیاته کی خبر ثانی ہے اور یہی ظاہر ہے۔
۲۔ اس کا تعلق وانذرهم سے ہو۔
۳۔ یہ متصل هو سریع الحساب سے۔
۴۔ یہ متصل هو لایخفی علی الله سے۔

پہلی دونوں صورتوں میں یہ جملہ محل اعراب میں نہیں ہوگا۔ کیونکہ حکم انذار کے لئے بمنزلہ علت ہے اور آخر کی دونوں صورتوں میں یا قائم مقام علۃ کے ہوگا اور یا حال کی وجہ سے محل نصب میں مانا جائے گا۔

یدعون اکثر کے نزدیک یا کے ساتھ اور نافع وہشام کے نزدیک تا کے ساتھ قرأت ہے بطور التفات کے یاقل مضمر مان کر۔

ربط آیات: اس صورت میں تین مضمون ہیں۔

ا۔ توحید ۲۔ مجادلین کی دھمکی ۳۔ آنحضرت ﷺ کو تسلی۔

توحید کا بیان کہیں استدلالی ہے اور کہیں اس کا حکم ہے اور کفر کی ممانعت اور کہیں اہل توحید کی تعریف وبشارت۔ اسی طرح مجادلین حق میں بھی عام ہیں۔ پس مخالفت رسالت بھی اس میں داخل ہے۔ ان کو دنیاوی عقوبت اور اخروی عذاب کی دھمکیاں ہیں اور مضمون تسلی کے سلسلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ کسی قدر تفصیل سے اور پچھلے پیغمبروں کا مبعوث ہونا مجملاً بیان ہوا ہے۔

نیز پچھلی سورت کے ختم پر مومن وکافر کا اخروی فرق بیان فرمایا گیا تھا اور یہاں دونوں کا دنیاوی فرق بیان ہورہا ہے کہ ایک ماننے والا ہے تو دوسرا انبردآزما۔ پس اس طرح دونوں سورتوں کی ابتداء اور انتہاء میں بھی باہمی ربط ہوگیا اور اس دنیاوی حالت کے بیان سے پہلے قرآن کی حقانیت اور بھیجنے والے کی بعض صفات مع توحید جو ارشاد فرمائی جارہی ہے وہ بطور تمہید ہیں۔ اس لئے بے تکلف ربط ہوجائے۔

سورہ مومن سے سورہ احقاف تک مسلسل سات سورتیں حٰمٓ سے شروع ہوئی ہیں اور ان کا ابتدائی مضمون ایک ہی ہے کہ قرآن اللہ کی وحی ہے۔

شان نزول وروایات: ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حٰمٓ اسم اعظم ہے اور یہ کہ الٓر، حٰمٓ، نٓ یہ حروف مقطعات ہیں الرحمٰن کے۔

جنت عدن التی وعدتهم کا بیان یہ ہے کہ جنتی جنت میں داخل ہوکر عرض کرے گا۔ **این ابی این امی این ولدی این زوجتی؟** جواب ملے گا۔ **انهم لم یعملوا عملک** اس پر جنتی پھر عرض گزار ہوگا۔ **انی کنت اعمل لی ولهم.** چنانچہ سب کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت مل جائے گی۔ تاکہ اس کی خوشی مکمل ہوجائے۔

ربنا امتنا اثنتین کے ذیل میں ابن عباسؓ، قتادہؓ، ضحاکؒ سے منقول ہے۔ **کانوا امواتا فی اصلاب اباء هم فاحیاهم الله تعالی فی الدنیا ثم اماتهم الموتة الاولی التی لابدمنها ثم احیاهم لبعث یوم القیمة فهما موتتان وحیاتان** جیسا کہ دوسری آیۃ **وکنتم امواتا فاحیاکم الخ** سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

یوم هم بارزون حدیث میں ہے یحشرون عراتا حفاة عرلا یعنی ننگ دھڑنگ، برہنہ پا، غیر مختون قبروں سے برآمد ہوں گے۔

﴿ تشریح ﴾ : گناہوں کی مغفرت اور توبہ کی قبولیت دونوں کو جمع کرنے کا منشاء یہ ہے کہ وہ توبہ قبول کرکے ایسا پاک و صاف کردیتا ہے کہ گویا کبھی گناہ کیا ہی نہیں تھا۔ بلکہ توبہ کو مستقل عبادت شمار کرکے اس پر مزید اجر عنایت فرماتا ہے۔

دنیا کے چندروزہ عیش پر نہ رجھیں : ما یجادل. اللہ کی آیات اور اس کی عظمت وقدرت کے نشانات ایسے واضح ہیں کہ ان میں کسی کے جھگڑے کی گنجائش ہی نہیں۔ مگر جن لوگوں نے یہ ٹھان کر قسم کھا رکھی ہے کہ روشن سے روشن دلائل اور کھلی کھلی باتوں کا بھی انکار کریں گے، وہ سچی باتوں میں ناحق جھگڑے نکالتے ہیں۔ پس ایسے لوگ اگرچہ ظاہراً مزے کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ہر طرف چلتے پھرتے، کھاتے پیتے دکھائی دیتے ہیں، مگر اس سے دھوکہ میں نہیں پڑنا چاہئے۔ یہ چندروزہ ڈھیل ہے۔ چند سے چل پھر کر دنیا میں مزے اڑالیں۔ پھر ایک دم غفلت کے نشہ میں پوری طرح چور پکڑ لئے جائیں گے۔ ان کا انجام تباہی اور ہلاکت ہے۔ جیسا کہ پہلی قوموں کا بھی یہی حشر ہوا۔

چنانچہ پہلے شریروں نے اپنے پیغمبروں کو پکڑ کر قتل کرنا چاہا اور مقتول کے ڈھکوسلے کھڑے کرکے سچے دین کو مٹانا چاہا۔ حق کی آواز دبانے کی کوشش کی۔ مگر اللہ نے ان کا داؤ چلنے نہ دیا اور انہیں دھر گھسیٹا۔

دیکھ لو میری سزا کیسی ہوئی۔ ان کی سانس آواز تک نہ سنائی دی۔ ان تباہ شدہ قوموں کے کچھ آثار آج بھی بہت جگہ موجود ہیں۔ انہیں دیکھ کر ہی انسان ان کی تباہی کا اندازہ کرسکتا ہے۔

پس اگلی قوموں کے آئینہ میں ان شریروں کو بھی اپنے چہرے دیکھ لینے چاہئیں اور جس طرح دنیا میں پیغمبروں کی بات پوری اتری، آپ کے پروردگار کے یہاں یہ حقیقت بھی طے شدہ سمجھو کہ آخرت میں ان شریروں کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔

سچے مومنین کا حال ومآل : الذین یحملون. میں منکرین کے مقابل اطاعت شعار مومنین کا حال بیان کیا جارہا ہے جو فرشتے حاملین عرش اور اس کے اردگرد طواف کرنے والے ہیں۔ ان کی زبانوں پر تسبیح وحمد کے ترانے اور دلوں میں جذبہ طاعت موجزن رہتا ہے۔ وہ پروردگار کی بارگاہ میں مومنین کے حق میں دعا گو رہتے ہیں۔ گویا فرش خاک پر رہنے والے مومنین سے جو خطائیں سرزد ہوتی ہیں ان کے لئے بارگاہ صمدیت میں مقربان عرش غائبانہ دعائیں کرنے کے لئے مامور ہیں۔

ان کی دعائیہ کلمات کا حاصل یہ ہے کہ اے بارالہ! اگر تیرے ماننے والوں سے بتقاضائے بشریت کچھ لغزشیں اور کمزوریاں ہوجائیں تو آپ انہیں اپنے فضل وکرم سے معاف فرمادیجئے کہ دنیا میں ان سے کوئی دار وگیر ہو اور نہ دوزخ کا منہ دیکھنا پڑے۔ البتہ جو گنہگار مسلمان توبہ وانابت سے محروم ہیں ان آیات میں ان کا ذکر نہیں ہے اور نہ بظاہر فرشتے ان کے حق میں دعا گو ہوں گے۔ یہ شرف تو توبہ گذار مومنین کا معلوم ہوتا ہے۔

جنت میں متعلقین کی معیت : ومن صلح من اباۂم الخ کی قید سے اور دوسری نصوص سے یہ بات طے شدہ ہے کہ ایمان واصلاح کے بغیر محض کسی کے ایمان وعمل کی وجہ سے جنت میں داخلہ نہیں ہوسکے گا۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ ایک کے ایمان وعمل سے دوسروں کی ترقی مراتب ہوسکے گی۔ والذین امنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم وما التناھم من عملھم من شیء۔ اسی طرح یہ بھی عین ممکن ہے کہ یہ لاحقین بھی دنیا میں آرزو رکھتے ہیں کہ ہم بھی اسی مرد صالح کی چال چلیں۔ ان کی یہ نیک بختی اللہ کے یہاں قبول ہوجائے تو فی الحقیقت ان لواحقین ہی کے عمل کا بدلہ ہوا۔ یا صلحاء کے اعزاز واکرام ہی کی ایک صورت یہ ہو کہ ان

کے متعلقین کو ان ہی کے درجہ میں رکھا جائے کہ دنیا کی طرح وہاں یہ بھی دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے رہیں۔

وقھم السیئات میں سیئات سے مراد خلاف مزاج ناگوار باتیں، پریشانیاں اور مصائب ہیں اور یا اعمال سیہ مراد ہیں۔ یعنی انہیں ان دونوں سے محفوظ فرمادے اور ان میں ایسی خوبیاں پیدا کردے کہ یہ برائیوں کی طرف جائیں ہی نہیں اور جو دنیا میں برائیوں سے بچ گیا۔ اس پر اللہ کا فضل ہوگیا۔ وہ آخرت میں بھی برے نتائج سے محفوظ رہے گا۔ پہلی صورت میں یومئذ سے مراد آخرت اور دوسری صورت میں دنیا ہوگی۔

اللہ کی ناراضگی زیادہ ہونے کا مطلب:۔ اور لمقت اللہ اکبر کے دو مفہوم ہوسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ آخرت کی تکالیف دیکھ کر جس قدر تم اپنی جانوں سے بیزار ہورہے ہو، اللہ تعالیٰ دنیا میں تمہارے اعمال سے اس سے زیادہ بیزار تھا اور دوسرا یہ کہ آخرت میں جس قدر عذاب دیکھ کر تم اپنے لئے بیزار ہورہے ہو اللہ اس سے زیادہ خود تم سے بیزار ہے۔ اس دوسری صورت میں دونوں بیزاریوں کا زمانہ ایک ہی رہا۔

ربنا امتنا۔ یعنی پہلے مٹی یا نطفہ تھے تو مردے ہی تھے پھر جان پڑی تو زندہ ہوئے۔ پھر مرے۔ پھر زندہ کر کے اٹھالئے گئے۔

وکنتم امواتا الخ یہ بھی دو موتیں اور حیاتیں۔ بعض حضرات نے ان کا مصداق اور بیان کیا ہے۔ بہر حال اپنی اس غلطی کا اعتراف کریں گے کہ مرنے کے بعد پھر جینا نہیں ہے اور حساب کتاب اور کوئی قصہ بھی نہیں ہوگا۔ اسی لئے شرارتوں پر کمر بستہ رہے۔ مگر اب دیکھ لیا کہ جس طرح پہلی موت کے بعد آپ نے ہم کو زندہ کیا، وجود بخشا، پھر موت کے بعد دوبارہ زندگی بخشی، اس رد و بدل سے دوبارہ زندہ ہونے کے تمام مراحل اور مناظر سامنے آگئے، جن کا پہلے ہم انکار کیا کرتے تھے اور اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ ہم اپنی غلطیوں کا اقرار کریں۔ مگر افسوس کہ اب بظاہر یہاں سے بھاگ نکلنے کی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ ہاں! اللہ کے لئے ناممکن نہیں کہ جو اتنی تبدیلیوں پر قادر ہے وہ ایک تبدیلی اور کر کے ہمیں پھر دنیا میں لوٹا دے اور ایسا ہوا تو ہم خوب نیکیاں سمیٹ کر لائیں گے۔

دنیا میں دوبارہ آنے کی درخواست بہانہ بازی ہے:۔ لیکن اس جھوٹے بہانہ کو یہ کہہ کر رد کردیا جائے گا کہ تم نے دنیا میں رہتے ہوئے کبھی خدا کی دعوت وحدانیت پر کان ہی نہیں دھرا۔ ہمیشہ انکار ہی کرتے رہے، ہاں جھوٹے دیوتا کے نام سے کبھی کوئی پکار ہوئی تو فوراً اس کے پیچھے ہو لئے۔ اس سے تمہاری سرشت اور خو کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ تمہاری افتاد طبع یہ ہوئی کہ ہزار بار بھی تمہیں دنیا میں بھیجا جائے تو وہی کر کے آؤ گے جواب تک کر کے لائے ہو۔

عدالت عالیہ کے فیصلہ کی اپیل نہیں۔ بس اب تو تمہارے جرموں کی ٹھیک سزا یہی ہے جو عدالت عالیہ سے حبس دوام کا فیصلہ صادر ہوگیا ہے۔ اب آگے اس کی اپیل ہی نہیں۔ اس لئے رہائی کی آرزو فضول ہے۔

جہاں تک اللہ کی عظمت وقدرت کا تعلق ہے، انسان کی اپنی روزی کے انتظامات پر نظر ڈالنے سے ہی بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ زمین و آسمان کی ساری مشینری اور اس کے کل پرزے مسلسل جڑے ہوئے ہیں۔ مگر جب کوئی غور وفکر ہی نہ کرے تو کیا خاک سمجھ میں آسکتا ہے۔ چاہئے تو یہی کہ خدا کے بندے سمجھ سے کام لے کر بلا شرکت غیرے صرف اللہ ایک کی پرخلوص عبادت میں جی جان سے جت جائیں۔ چاہے شرک زدہ لوگ اس موحدانہ طرز عمل پر ناک بھوں ہی کیوں نہ چڑھائیں کہ سارے دیوتاؤں کو اڑا کر صرف ایک ہی خدا پر قناعت کرلی مگر پکا موحد سب کو نظر انداز کر کے ایک ہی کا ہو رہتا ہے اور کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔

رفیع الدرجات تفسیر خازن وغیرہ کے مطابق اسکے دو معنی ہوسکتے ہیں۔

۱۔رفیع بمعنی رافع، چنانچہ دنیا میں بلندی درجات کی انتہاء نبوت و رسالت تک ہے۔جیسا کہ یلقی الروح میں اس طرف اشارہ ہے۔اسی طرح قیامت میں بلحاظ اعمال ترقی مراتب فرمائے گا۔جیسا کہ هم درجات عند الله فرمایا گیا ہے۔
۲۔مفسر علامؒ نے رفیع کے معنی مرتفع کے لئے ہیں۔حقیقی معنی تو معارج ومدارج ہوں گے۔مگر مجازاً صفات پر اطلاق کیا جائے گا۔یعنی وہ عظیم الصفات ہے۔

محشر کی ہولناکی ناقابل برداشت ہوگی: وحی الٰہی روح عالم ہے۔جس سے روحانی حیات وابستہ ہے۔نظام عالم جب درہم برہم ہوگا تو قبروں سے نکل کر اور سب اولین وآخرین مل کر اللہ کی عدالت میں پیشی کے لئے کھلے میدان میں حاضر ہوں گے اور اپنے اچھے برے کئے سے ملیں گے اور یہ اس کا دربار ہوگا۔جس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔سب اترے پترے کھل کر سامنے آجائیں گے۔

لمن الملك یعنی قیامت کے دن تمام وسائط اٹھ جائیں گے۔ظاہری اور مجازی رنگ میں بھی کسی کی بادشاہت نہ رہے گی۔بلکہ درمیانی سب حجابات اٹھ جائیں گے۔کھلی آنکھوں اسی اکیلے شہنشاہ مطلق کا راج ہوگا۔خوف اور گھبراہٹ سے دل دھڑک کر گلوں تک پہنچ رہے ہوں گے اور لوگ دونوں ہاتھ سے ان کو پکڑ کر دبائیں گے کہ کہیں سانس کے ساتھ باہر نہ نکل پڑیں۔

ایک علمی نکتہ:............لمن الملك اليوم فرمانا درمنثور میں دو مرتبہ آیا ہے۔ایک نفخہ اولیٰ کے بعد جب سب کچھ فنا ہو جائے گا دوسرے نفخہ ثانیہ کے بعد حساب کتاب شروع ہونے سے پہلے۔لیکن آیات کی تفسیر ان روایات پر موقوف نہیں ہے۔ظاہر قرآنی مدلول یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس ندا کی حکایت نہیں۔جیسا کہ تحقیق کے ذیل میں عرض کیا گیا۔بلکہ بطور مبالغہ اس دن کو حاضر فرض کر کے استفہام تقریری کے طریقہ پر سوال کرتے ہوئے ارشاد فرما رہے ہیں۔اسی فرض کی وجہ سے یوم مشند کی بجائے الیوم فرمایا ہے۔پس یہ آیت نہ اس روایت کو مقتضی ہے اور نہ اس کے خلاف۔یعنی نہ ان میں باہم تلازم ہے نہ تزاحم۔

اللہ کے یہاں سفارش:.........ما للظالمين یعنی نہ ان کا ایسا کوئی جگری دوست ہوگا اور نہ کوئی ایسا سفارشی کہ جس کی بات ضرور مانی جائے۔کیونکہ سفارش میں دو پابندیاں ہوں گی۔
۱۔سفارش کنندہ بھی اجازت کا پابند ہوگا۔
۲۔اور جس کے لئے سفارش ہوگی وہ بھی بے اجازت نہ ہو سکے گی۔

غرضیکہ دنیا کی طرح اندھا دھند اور دھاندلی کی سفارش اس کے یہاں نہیں ہوگی۔کیونکہ اس کے دائرہ علم کا حال یہ ہوگا کہ مخلوق کی نظر بچا کر بھی کسی نے چوری چھپے اگر نگاہ ڈالی یا کن انکھیوں سے دیکھا یا دل میں کچھ نیت کی یا دل میں کوئی ارادہ یا خیال آیا تو اللہ ہر چیز کو چونکہ جانتا ہے اس لئے انصاف سے فیصلہ کردے گا۔کیونکہ انصاف سے فیصلہ کرنا اسی کا کام ہو سکتا ہے جو سمجھنے اور جاننے والا ہو۔بھلا پتھر کی بے جان مورتیں جنہیں تم خدا کہہ کر پکارتے ہو کیا خاک فیصلہ کریں گی اور جو فیصلہ نہ کر سکے وہ خدائی کیا کرے گا۔

لطائف سلوک: ما يجادل فى ايات الله میں مطلق جدال کی ممانعت نہیں ہے۔چنانچہ فوراً بعد و جادلوا بالباطل الخ کا ارشاد ہے۔بلکہ وجادلهم بالتى هى احسن میں جدال حق کا حکم ہے۔البتہ آیت میں جدال باطل کی مذمت ہے اور ان دونوں میں فرق کرنا اہل اللہ کے خواص سے ہے۔

الذین یحملون العرش میں ایمان اور اہل ایمان کا شرف واضح ہے کہ اللہ کے مقرب ترین فرشتے ان کے لئے غائبانہ وقف استغفار رہتے ہیں۔

یعلم خائنة الاعین. آیت کے اطلاق اور عموم میں وہ صورت بھی داخل ہے کہ محبوب حقیقی کے علاوہ پر بنظر استحسان واستلذاذ نگاہ کی جائے یا دل سے اس کی تمنا کی جائے۔ اسی طرح آیت میں تزکیہ ظاہر کے ساتھ تزکیہ باطن کا ہونا بھی ضروری معلوم ہو رہا ہے۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وفی قراءة منكم **وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ** من مصانع وقصور **فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ** اهلكهم **بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ** ﴿۲۱﴾ عذابه **ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ** بالمعجزات الظاهرات **فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ** ﴿۲۲﴾ **وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ** ﴿۲۳﴾ برهان بين ظاهر **اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا** هو **سٰحِرٌ كَذَّابٌ** ﴿۲۴﴾ **فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْحَقِّ** بالصدق **مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَاۗءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا** استبقوا **نِسَاۗءَهُمْ ۭ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ** ﴿۲۵﴾ هلاك **وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى** لانهم كانوا يكفونه عن قتله **وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ** ليمنعه منى **اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ** من عبادتكم اياى فتتبعونه **اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ** ﴿۲۶﴾ من قتل وغيره وفی قراءة بالواو وفی اخری بفتح الياء والهاء وضم الدال **وَقَالَ مُوْسٰٓى** لقومه وقد سمع ذلك **اِنِّىْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ** ﴿۲۷﴾ **وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ڰ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ** قيل هو ابن عمه **يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ** اى لان **يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَاۗءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ** بالمعجزات الظاهرات **مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ** اى ضرر كذبه **وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ** به من العذاب عاجلا **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ** مشرك **كَذَّابٌ** ﴿۲۸﴾ مفتر **يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ** غالبين حال **فِي الْاَرْضِ ۡ** ارض مصر **فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ** عذابه ان قتلتم اولياءه **اِنْ جَاۗءَنَا ۭ** اى لا ناصر لنا **قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى** اى ما اشير عليكم الا بما اشير به على نفسى وهو قتل موسى **وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ** ﴿۲۹﴾ طريق الصواب **وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ** ﴿۳۰﴾ اى يوم حزب بعد حزب **مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ** مثل بدل من مثل قبله اى مثل جزاء عادة من كفر

ع ۸

فَسَيُكُم مِنْ تعذيبهم في الدُّنْيَا **وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ** ﴿٣١﴾ **وَيٰقَوْمِ اِنِّيٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ** ﴿٣٢﴾ بحذف الياء واثباتها اى يوم القيمة يكثر فيه نداءُ اَصْحَابِ الْجَنَّةِ اَصْحَابَ النَّارِ وَبِالْعَكْسِ والنداء بالسعادة لاهلها والشقاوة لاهلها وغير ذلك **يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ** عن موقف الحساب الى النار **مَالَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ** من عذابه **مِنْ عَاصِمٍ** مانع **وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ هَادٍ** ﴿٣٣﴾ **وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ** اى قبل موسى وهو يوسف بن يعقوب في قول عُمّر الى زمان موسى او يوسف بن ابراهيم بن يوسف بن يعقوب في قول **بِالْبَيِّنٰتِ** بالمعجزات الظاهرات **فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ** من غير برهان **لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ** اى فلن تزالوا كافرين بيوسف وغيره **كَذٰلِكَ** اى مثل اضلالكم **يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ** مشرك **مُّرْتَابُۨ** ﴿٣٤﴾ شاكّ فيما شهدت به البينات **ۨالَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ** معجزاته مبتدأ **بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ** برهان **اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ** جدالهم خبر المبتدأ **مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ** اى مثل اضلالهم **يَطْبَعُ** يختم **اللّٰهُ** بالضلال **عَلٰي كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ** ﴿٣٥﴾ بتنوين قلب ودونه ومتى تكبر القلب تكبر صاحبه وبالعكس وكل على القراء تين لعموم الضلال جميع القلب لالعموم القلوب **وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا** بناء عاليا **لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ** ﴿٣٦﴾ **اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ** طرقها الموصلة اليها **فَاَطَّلِعَ** بالرفع عطفا على ابلغ وبالنصب جوابا لابن **اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّىْ لَاَظُنُّهٗ** اى موسى **كَاذِبًا ۭ** في ان له الها غيري وقال فرعون ذلك تمويها **وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ۭ** طريق الهدى بفتح الصاد وضمها **وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ** ﴿٣٧﴾ خسار

ترجمہ: کیا ان لوگوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا کیسا انجام رہا۔ وہ لوگ ان سے بہت زیادہ تھے قوت میں (ایک قرأت میں منھم کی بجائے منکم ہے) اور ان نشانات میں جو زمین پر چھوڑ گئے (محلات اور قلعے) سو اللہ نے انہیں پکڑ لیا (تباہ کر ڈالا) ان کے گناہوں کی وجہ سے اور ان کو خدا (کے عذاب) سے بچانے والا کوئی نہ ہوا۔ یہ اس لئے ہوا کہ ان کے پاس پیغمبر واضح دلیلیں (کھلے معجزات) لے کر آتے رہے مگر انہوں نے نہ مانا تو اللہ نے ان پر دارو گیر فرمائی۔ بلاشبہ وہ بڑی طاقت والا سخت سزا دینے والا ہے۔ اور ہم نے موسیٰ کو اپنے احکام اور کھلی دلیل کے ساتھ فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تو وہ سب کہنے لگے کہ یہ جادوگر جھوٹا ہے۔ پھر جب وہ لوگوں کے پاس ہمارا دین حق (سچ) لے کر پہنچے تو وہ لوگ بولے کہ ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کی نرینہ اولاد کو ختم کر ڈالو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ (باقی) رہنے دو۔ اور ان کافروں کی تدبیر محض بے اثر (بے کار) رہی اور فرعون کہنے لگا کہ ذرا مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کا کام تمام کر دوں (کیونکہ لوگ فرعون کو موسیٰ کے قتل سے باز رکھے

ہوئے تھے) اور موسیٰ اپنے رب کو پکار لے (تاکہ وہ اس کو مجھ سے بچا لے) مجھے اندیشہ ہے کہیں وہ تمہارے دین کو بدل ڈالے (تمہیں میری پرستش سے روکے اور تم اس کا کہنا مان لو) یا ملک میں کوئی خرابی پھیلا دے (قتل وغیرہ۔ ایک قرأت میں لفظ واؤ ہے اور ایک اور قرأت میں لفظ **یظهر** فتحہ یا اور فتحہ ہا کے ساتھ اور لفظ **الفساد** ضمہ دال کے ساتھ ہے) اور موسیٰ نے (اپنی قوم سے یہ سن کر) فرمایا کہ میں اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں ہر خردماغ سے جو روز حساب پر یقین نہیں رکھتا اور ایک مومن شخص نے جو کہ فرعون کے خاندان میں سے تھے (کہا جاتا ہے کہ فرعون کا چچازاد بھائی تھا) اپنے ایمان پوشیدہ رکھتے تھے۔ کہا تم ایک شخص کو اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ ہے۔ حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے دلیلیں (کھلے پیغامات) لے کر آیا ہے اور اگر وہ جھوٹا ہی ہے تو اس کا جھوٹ (یعنی جھوٹ کا نقصان) اسی پر پڑے گا اور اگر سچا ہو تو وہ جو کچھ پیشگوئی کر رہا ہے (جلد عذاب دنیا کی) اس میں کچھ تم پر پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو مقصود تک نہیں پہنچاتا جو حد سے گزرنے والا (مشرک) بہت جھوٹ بولنے والا (افتراء پرداز) ہو۔ اے میرے بھائیو! آج تو تمہاری سلطنت ہے کہ اس سرزمین (مصر) میں تم حاکم ہو (غالب۔ یہ حال ہے) سو خدا کے عذاب میں ہماری کون مدد کرے گا (اگر تم نے اس کے دوستوں کو مار ڈالا) اگر وہ ہم پر آپڑا (یعنی کوئی ہمارا مددگار نہیں بن سکتا) فرعون کہنے لگا میں تو وہی رائے دوں گا جو خود سمجھ رہا ہوں (یعنی تمہارے لئے میرا وہی مشورہ ہے جو خود اپنے لئے ہے۔ یعنی موسیٰ کو قتل کرنا) اور میں تمہیں عین طریق مصلحت (درست راستہ) بتلا رہا ہوں اور وہ مومن بولا کہ صاحبو! مجھے تمہارے متعلق (یکے بعد دیگرے) دوسری امتوں جیسے روز بد کا اندیشہ ہے جیسے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والوں کا حال ہوا تھا۔ (دوسرا مثل پہلے مثل کا بدل ہے۔ یعنی تم سے پہلے کفر کرنے والوں کو دنیا میں عذاب دینے کا جو طریقہ ہوا اس جیسا) اللہ تعالیٰ تو بندوں پر کسی طرح کا ظلم نہیں چاہتا اور صاحبو! مجھے تمہارے متعلق اس دن کا اندیشہ ہے جس میں بکثرت چیخ و پکار ہوگی (لفظ تناد حذف یا اور اثبات یا کے ساتھ ہے۔ یعنی قیامت کے روز جس میں جنتی جہنمیوں کو اور جہنمی جنتیوں کو بار بار پکاریں گے۔ اہل سعادت کو سعادت کی اور اہل شقاوت کو شقاوت کی آواز لگے گی۔ وغیرہ) اس روز پیٹھ پھیر کر لوٹو گے (حساب کتاب کے میدان سے دوزخ کی طرف) تمہیں اللہ (کے عذاب) سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور اللہ جسے گمراہ کر دے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں ہے اور اس سے پہلے تمہارے یوسف (یعنی موسیٰ سے پہلے ایک قول کے مطابق یوسف بن یعقوب ہیں جو موسیٰ کے وقت تک زندہ رہے اور ایک قول کے مطابق یوسف بن ابراہیم بن یوسف بن یعقوب ہیں) دلائل (کھلے معجزات) لے کر آچکے تھے۔ سو تم ان باتوں میں برابر شک ہی میں رہے جو وہ تمہارے پاس لے کر آئے تھے۔ حتیٰ کہ جب ان کی وفات ہوگئی تو تم لوگ کہنے لگے (بلا دلیل) کہ بس اب اللہ کسی رسول کو نہیں بھیجے گا (یعنی اسی لئے تم یوسف وغیرہ کے منکر رہے) اسی طرح (جیسے تم گمراہ ہوگئے) اللہ تعالیٰ بچلائے رکھتا ہے آپے سے باہر ہو جانیوالوں کو (مشرکوں) شبہات میں گرفتار رہنے والوں کو (جو یقینی باتوں کی نسبت شک میں پڑے رہتے ہیں) جو جھگڑے نکالتے رہتے ہیں اللہ کی آیتوں میں (معجزات میں۔ مبتداء ہے) بلا کسی سند (حجت) کے جو ان کے پاس ہوتی ہے بڑی ہے (ان کی یہ لڑائی۔ یہ خبر ہے مبتداء کی) نفرت اللہ کو اور مومنین کو اس سے، اس طرح (جیسے یہ گمراہ ہوئے) مہر کر دیتا ہے (گمراہی کی) ہر مغرور و جابر کے پورے دل پر (قلب تنوین کے ساتھ اور بلا تنوین کے ہے اور دل کے تکبر کا اثر دل والے پر اور دل والے کے تکبر کا اثر دل پر پڑتا ہے اور لفظ کل پورے دل کی گمراہی کے لئے نہ کہ ہر دل کی تعمیم کے لئے) اور فرعون بولا۔ اے ہامان! میرے لئے ایک بلند (اونچی) عمارت بنواؤ، ممکن ہے میں آسمان پر جانے کی راہوں تک (جو آسمان میں لے جانے والی ہوں) پہنچ جاؤں۔ پھر دیکھوں بھالوں (اطلع رفع کے ساتھ ہے ابلغ پر عطف ہے اور نصب کے ساتھ ابن کا جواب ہے) موسیٰ کے خدا کو اور میں تو موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں (اس بارے میں کہ میرے علاوہ اس کا کوئی معبود ہے۔ تعمیر کا حکم فرعون نے تبلیس کے لئے

کیا تھا) اور اسی طرح فرعون کی بدکرداریاں اس کو بھلی معلوم ہوتی تھیں اور وہ راستے سے بھٹک گیا تھا۔ (سیدھی راہ سے۔ لفظ صد فتحہ صاد اور ضمہ صاد کے ساتھ آیا ہے) اور فرعون کی تدبیر غارت (ناکام) ہوگئی۔

تحقیق وترکیب

اولم یسیروا ای اعغلوا ولم یسیروا الخ کیف خبر مقدم ہے کان کی اور عاقبة اسم ہے اور جملہ مفعول ہونے کی وجہ سے محض نصب میں ہے اور کانوا جواب ہے کیف کا جس میں ضمیر اسم فصل کے لئے اور اشد خبر ہے۔

مصنع حوض اور ڈیم کو کہتے ہیں جہاں پانی جمع کیا جائے۔ مصانع قلعے۔

فقالوا موسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہ الفاظ فرعون اور اس کی قوم کہتے تھے۔ تغلیباً سب کی طرف کردی گئی۔ ہامان اور قارون نے یہ باتیں نہیں کیں۔

درونی لوگوں نے اس خیال سے موسیٰ کو قتل کرنے سے روکا ہوگا کہ لوگ یہ نہ کہیں دلیل کا جواب تلوار سے دیا گیا۔ لیکن **درونی** کا مفہوم بے ضرورہ بھی ہوسکتا ہے کہ ذرا مجھے چھوڑنا فلاں کو ٹھیک کردوں یا میرا جوتا لینا میں فلاں کی مرمت کردوں۔

او ان یظهر. ابوعمرہ، ابن کثیرؒ، نافعؒ، ابن عامرؒ کے نزدیک واؤ کے ساتھ ہے اور باقی قراء کے نزدیک او کے ساتھ ہے اور حفصؒ کے علاوہ کوفیوں کے نزدیک فتحہ یا کے ساتھ ہے اور الفساد ضمہ دال کے ساتھ فاعل ہے اور جمہور کی قرأت پر منصوب ہے مفعول کی بناء پر۔

رجل مؤمن ابن عباسؓ فرماتے ہیں فرعون کی بیوی آسیہ مومنہ تھی۔ اور ایک مومن وہ جنہوں نے آکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع دی تھی۔ ان الملأ یاتمرون بك لیقتلوك اور تیسرے مومن یہ تھے جو در پردہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے۔

من آل فرعون صفت ہے رجل کی اور بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ فرعون کے چچا زاد بھائی نہیں تھے بلکہ اسرائیلی تھے۔ اس صورت میں من آل فرعون. یکتم کا صلہ ہو جائے گا۔ یعنی فرعونیوں سے اپنا ایمان پوشیدہ رکھتے ہوئے۔ لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو فرعون ان کی بات کی طرف دھیان نہ دیتا۔ خاندانی تعلق کی وجہ سے بھی ان کی بات قابل التفات سمجھی۔ ابن عباسؓ اور اکثر کے نزدیک ان کا نام حزقیل تھا۔ اور بعض حبیب اور بعض شمعان کہتے ہیں۔

قد جاء کم یہ رجلاً مفعول سے حال ہوسکتا ہے۔ رجلاً جملہ کا نکرہ ہونا۔ سو چونکہ استفہام کی خبر ہے۔ اس لئے مبتداء بنانے کی بھی گنجائش ہے اور حال بنانے کی بھی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یقول کے فاعل سے حال ہو۔

ان یك كاذبا مومن کا یہ کلام انتہائی انصاف اور بے تعصبی پر مبنی ہے۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت جھوٹ کے احتمال کو پہلے بیان کیا۔ قوم کی نفسیات اور مذاق کی رعایت کرتے ہوئے۔ نیز سچا ہونے کی تقدیر پر معمولی مصیبت پر بھی بچنے کی کوشش ضروری ہے۔ چہ جائیکہ پورے عذاب کا خطرہ ہو تو عاقل کو اور بھی محتاط ہونا چاہئے۔ نیز کم از کم دنیوی عذاب ہی کا لحاظ رکھو۔ اگر آخرت کا خیال پیش نظر نہیں ہے۔

ان الله لایهدی یہ مومن کا کلام موسیٰ کے لئے ہے یا فرعون کے حق میں ہے۔ اول صورت میں حاصل مفہوم یہ ہے کہ موسیٰ چونکہ معجزات کے ساتھ پیغام ہدایت لے کر آئے ہیں، اس لئے وہ مسرف کذاب نہیں ہیں اور دوسری صورت میں حاصل کلام یہ ہے کہ فرعون حضرت موسیٰ کے ارادہ قتل میں مسرف ہے اور دعوائے الوہیت میں کاذب ہے۔ اس لئے یقیناً اللہ ایسے کو ہدایت نہیں دے گا۔

لکم الملك الیوم. یعنی موجودہ سلطنت کے گھمنڈ میں آکر کہیں اس شخص کو قتل مت کر ڈالنا۔ ایسا نہ ہو کہ پھر عذاب الٰہی کی زد سے نہ بچ سکو۔

یوم الاحزاب. احزاب جمع ہے حزب کی۔ مختلف اوقات میں عذاب آیا ہے۔ ایک ہی دن نہیں۔

ظلماً للعباد. یعنی نہ بلاقصور سزا دیتا ہے اور نہ قصوروار کو چھوڑتا ہے۔

یوم التناد سورۂ اعراف کی آیات **ونادی اصحاب الجنة** کی طرف اشارہ ہے اور اہل سعادت وشقاوت کو نام بنام پکارا جائے گا۔ علی ہذا موت کے ذبح کرنے پر اعلان ہوگا۔ **یا اهل الجنة خلود فلا موت ویااهل النار خلود فلا موت**

یوسف من قبل یہ یوسف علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک زندہ رہے۔ یہ فرعون یوسف موسیٰ علیہ السلام کے وقت تک جیتا رہا۔ جیسا کہ زمخشریؒ، قاضیؒ، نسفیؒ کی رائے ہے اور صحیح یہ ہے کہ فرعون موسیٰ قبطی تھا۔ جس کا نام ریان ہے اور فرعون یوسف مقدم ہے تھا جس کا نام ولید تھا اور یوسف وموسیٰ کے درمیان ۴۶۰ سال کا فصل ہے۔ اسی لئے مفسرینؒ نے مفسر علامؒ کی رائے سے اتفاق نہیں کیا۔ اسی لئے مفسرؒ کو یوں کہنا چاہئے تھا۔ **عمر الی زمن فرعون** کیونکہ فرعون کی عمر اتنی لمبی ہوئی ہے۔ مفسرؒ کے دوسرے قول سے اس کی تائید ہو رہی ہے۔ اس صورت میں **ولقد جاء کم** کا خطاب فرعون اور اس کی قوم کو ہوگا۔ گویا دوسرے قول میں یوسف ثانی اول یوسف کے پوتے ہوئے جو بیس سال تک نبوت پر مامور رہے۔

من بعده رسولا. بظاہر آیت کے دونوں میں تعارض معلوم ہو رہا ہے۔ اول سے شک کی وجہ سے یوسف پر ایمان نہ ہونا معلوم ہو رہا ہے۔ لیکن **لن یبعث الله** سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو رسول مانتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کے بعد رسول کے آنے سے ناامید ہو گئے تھے۔ مفسر علامؒ نے تفسیری عبارت **ای فلن تزالو** میں اسی شبہ کا ازالہ کیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ یوسف کی جاہ وسلطنت سے مرعوب ہو کر مطیع بنے ہوئے تھے۔ فی الحقیقت دل سے مؤمن نہیں تھے۔

الذین یجادلون. یہ مسرف سے بدل ہو رہا ہے باوجود جمع ہونے کے۔ کیونکہ ایک مسرف مراد نہیں ہے بلکہ ہر مسرف مراد ہے جو حکماً جمع ہے۔

علی کل قلب. لفظ قلب میں چونکہ مفسرؒ نے دو قرأتیں ذکر کی ہیں، اس لئے ان دونوں میں تطبیق کے لئے **ومتی تکبر القلب** سے توجیہ کی ہے۔ ابوعمروؒ اور ابن ذکوان کی قرأت تو تنوین کے ساتھ ہے۔ گویا قلب متکبر ہوا اور باقی قرأ اضافت مانتے ہیں۔ اب صاحب قلب متکبر ہوئے اور زمخشری پہلی قرأت میں بھی مضاف مقدر مانتے ہیں۔ **ای علی کل ذی قلب متکبر** . اس صورت میں دونوں قرأتوں کا مآل صاحب قلب ہی نکلتا ہے اور یہ کل افرادی نہیں بلکہ کل مجموعی ہے۔ یعنی یہ راول'' بطور اخراج کلام علی خلاف مقتضی ظاہر ہے۔ کیونکہ ظاہر تو یہی ہے کہ لفظ کل نکرہ یا معرفہ مجموعہ پر داخل ہو تو عموم افراد ہونا چاہئے۔ جیسا کہ یہاں ہے اور جب مفرد معرفہ پر داخل ہو تو عموم اجزاء مراد ہونے چاہئیں۔

وقال فرعون. یہ بطور ملمع سازی کے کہا یا جاہلانہ گفتگو کی۔

صرحا. واضح عمارت کو کہتے ہیں۔ اس لئے لاٹھ یا اونچا منارہ مراد ہے۔

وصد. دونوں قرأتیں مشہور ہیں۔

ربط آیات:...... پچھلی آیات میں آخرت کی ہولناکیوں کا ذکر کفار کی تخویف کے لئے کیا گیا تھا۔

آیت **اولم یسیروا** الخ سے دنیاوی عقوبتوں کا ذکر ہے۔

اس کے بعد آیت **ولقد ارسلنا** سے آنحضرت ﷺ کو تسلی اور منکرین توحید ورسالت کی تہدید کے لئے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون اور دونوں کے ماننے والوں کے واقعات بیان فرمائے جا رہے ہیں۔ ضمناً حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کی امت کا ذکر بھی آ گیا۔

تشریح: اولم یسیروا یعنی ماضی کے واقعات سے سبق حاصل کرو کہ پہلے لوگوں کے پاس کیسے مضبوط قلعے، شاندار عمارتیں اور ہر طرح کا ساز وسامان تھا۔ لیکن جب قہر الٰہی کا بگل بجا تو کچھ کام نہ آسکا۔ جب دنیا میں یہ ہوا تو آخرت میں کون کام آئے گا۔ اب پیغمبر اسلام کے مخالفین کو اپنے انجام پر غور کر لینا چاہئے۔

آیات سے معجزات اور سلطان مبین سے خاص معجزات مراد ہیں۔ یا آیات سے احکام اور تعلیمات مراد ہوں اور سلطان مبین سے معجزات یا پھر تائید غیبی اور پیغمبر کی قوت قدسیہ مراد ہو۔ جس کے آثار دیکھنے والوں کو کھلے طور پر نظر آجایا کرتے ہیں۔

فرعون، ہامان، قارون کا مثلث: فرعون شاہ مصر کا عام لقب تھا اور ریان نام تھا۔ ہامان اس کا وزیر اور قارون اس دور کا رئیس اعظم اور ملک التجار تھا۔ گویا ملک کا سارا طاقتور حصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مدمقابل آگیا تھا۔ انہوں نے دعویٰ رسالت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا اور معجزات کے سلسلہ میں جادوگر مشہور کر دیا۔ جیسا کہ سرمایہ داروں کے پروپیگنڈہ کی عادت ہوتی ہے اور بنی اسرائیل کے لئے قتل اولاد کا حکم دوسری بار معلوم ہوتا ہے۔ جس کا منشاء اسرائیلیوں کو کمزور کرنا اور ان کی توہین و تذلیل تھا اور سب سے بڑھ کر یہ تاثر دینا تھا کہ قوم پر یہ ساری آفت آئی ہے۔ اس طرح لوگ تنگ آکر موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ چھوڑ دیں گے اور دہشت انگیزی کی اسکیم کامیاب ہو جائے گی۔ لیکن ایسے اوچھے ہتھکنڈوں سے کیا ہوتا ہے۔ اللہ اپنے خاص بندوں کی مدد فرما کر مخالفین کے سارے منصوبے خاک میں ملا دیتا ہے۔

فرعون کا سیاسی نعرہ: فرعون نے درونی جو کہ ممکن ہے ارکان سلطنت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقدس سے مرعوب ہو کر یا ان کے معجزات سے ڈر کر قتل سے باز رہنے کا مشورہ دیا۔ فرعون بھی دل میں سہما ہوا اور ڈرا ہوا تھا کہ اس کے وبال میں ناگہانی مبتلا نہ ہو جائیں۔ لیکن اپنا جھوٹا رعب قائم رکھنے اور اپنی دلیری دکھانے کے لئے سیاسی حربہ کے طور پر یہ نعرہ لگایا۔ تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ کوئی کمزوری نہ دکھلا رہا ہے۔ چنانچہ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا کہ موسیٰ کو اگر زندہ چھوڑ دیا گیا تو ممکن ہے یہ اپنے وعظ اور جادو بیانی سے لوگوں کو مسحور کر ڈالے اور ہمارے پیچھے ڈگر کو بدل کر رکھ دے یا سازشوں کا جال پھیلا کر ملک میں بدامنی برپا کر دے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلے کہ حکومت ہمارے ہاتھوں سے نکل کر اسرائیلیوں کے ہاتھوں میں چلی جائے۔ اس طرح ہم اپنے مذہب کو ہی کھو بیٹھیں اور سلطنت کو بھی گنوا ڈالیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیغمبرانہ جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب ان مشوروں کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے نہایت لاپرواہی سے کہا۔ مجھے ان دھمکیوں کی مطلق پرواہ نہیں ہے۔ فرعون و ہامان و قارون کیا ساری دنیا کے طاقتور اور دولت کے نشہ میں چور بھی جمع ہو جائیں تب بھی اکیلا پروردگار مدد کے لئے کافی ہے۔ میں خود کو اسی کے حوالہ کرتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ ان ناگفتہ بہ حالات میں ایسی پر اطمینان بات اس پرسکون لب ولہجہ میں ایک پیغمبر حق ہی کہہ سکتا ہے۔

مرد حقانی کی تقریر دلپذیر: فرعون کی تقریر کے دوران ایک مرد حق آگاہ بول اٹھا کہ کیا ایک شخص کو محض اس وجہ سے ناحق قتل کر دینا چاہئے کہ وہ صرف ایک اللہ کو اپنا کیوں کہتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنی سچائی کے لئے کھلے نشانات بار بار دکھلا چکا ہے۔ مان لو کہ وہ جھوٹا ہے تو اللہ پر جھوٹ باندھنے سے ضرور ہے کہ اللہ خود اسے ہلاک یا رسوا کر دے گا۔ کیوں کہ ایسے جھوٹوں کو پنپنے دینا خدا کی عادت

نہیں بلکہ دنیا کو دھوکا سے بچانے کے لئے قدرت ایک نہ ایک دن اس کی قلعی کھول کر رکھ دیتی ہے۔ اس لئے تمہیں ناحق خون میں ہاتھ رنگنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی اور فی الواقع اگر وہ سچا ہے تو جس عذاب سے وہ اپنے مخالفین کو ڈراتا ہے اس کا کچھ حصہ اگر تم پر آ پڑا تو تمہارے بچنے کی کوئی صورت نہیں اور عذاب پورا پہنچ گیا تب تو مصیبت کا کیا ٹھکانہ۔ حاصل یہ نکلا کہ پہلی صورت میں تمہیں قتل کرنے کی ضرورت نہیں اور دوسری صورت میں قتل سخت ضرر رساں ہوگا۔

ایک علمی نکتہ: مرد مومن کی یہ تقریر خاص ایسے موقعہ کے لئے جہاں کسی مدعی نبوت کا جھوٹ ظاہر نہ ہوا ہو۔ لیکن اگر کسی مفتری کا جھوٹ دلائل و براہین سے روشن ہو جائے تو بلاشبہ وہ واجب القتل ہے۔ جیسے آنحضرت ﷺ کی نبوت قطعی دلائل سے ثابت ہو چکی ہے پس جو بھی دعویٰ نبوت لے کر کھڑا ہوگا اسے مار ڈالا جائے گا۔ جیسے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی وغیرہ کے ساتھ صحابہؓ نے کر دکھایا۔

یقوم لکم الخ میں اپنے ساز و سامان، لاؤ لشکر پر نہ رنجھو۔ کیونکہ آج سب کچھ ہے مگر کل کچھ نہ رہے اور عذاب الٰہی تمہیں آگھیرے تو تمہیں بچانے والا کون ہوگا۔ یہ سامان تو یوں ہی دھرا رہ جائے گا۔

یہ تقریر دلپذیر سن کر فرعون بولا کہ تمہاری اس لچھے دار باتوں سے میری رائے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ میری دانست میں جو بات صحیح ہے وہی تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ "نہ رہے بانس نہ بجے بانسری"۔

ایک مرد حق گو نے پورے ملک کو للکار دیا: مرد مومن نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے آگاہ کیا کہ دنیا میں کون سی حکومت ہے جو اپنے سفراء، وزراء کو قتل ہوتے دیکھتی رہے اور مجرمین کو کیفر کردار تک نہ پہنچائے۔ تم بھی اگر اپنی عداوت اور دشمنی پر جمے رہے تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہی دن نہ دیکھنا پڑے جو پہلی قومیں اپنی حق پرستوں کے مقابلہ میں دیکھ چکی ہیں۔ اللہ کے یہاں بہرحال ناانصافی نہیں ہے۔

عام مفسرین "یوم التناد" سے مراد روز قیامت لیتے ہیں۔ لیکن بعض اکابر کہتے ہیں کہ فرعونیوں پر غضب الٰہی نازل ہوتے کے وقت جو چیخ و پکار اور ہائے واویلا مچی تھی وہ مراد ہے۔ ممکن ہے مرد صالح کو کشف ہوا ہو یا انہوں نے بطور قیاس سمجھا ہو کہ ہر قوم پر ایسے ہی عذاب آیا کرتا ہے۔

آگے یوم تولون سے بھی یہی دو مفہوم نکلیں گے کہ محشر سے پیٹھ پھیر کر دوزخ کی طرف ہنکائے جاؤ گے اور یا دنیاوی قہر نازل ہونے کے وقت بھاگنا چاہو گے مگر بھاگ نہ سکو گے۔ میرا کام سمجھانا تھا۔ میں پوری طرح سمجھا چکا۔ اس پر بھی تم نہ مانو تو سمجھ لو کہ تمہاری اس کج طبعی سے اللہ نے ارادہ کر ہی لیا کہ وہ اس دلدل میں پڑا رہنے دے۔ پھر ایسے شخص کے سنبھلنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

حضرت یوسفؑ کے ماننے اور نہ ماننے کا مطلب: حضرت یوسفؑ کے زمانہ کے لوگوں کا حال دیکھو۔ یا تو حضرت یوسفؑ کو مان نہیں رہے تھے اور یا مانا تو یہ کہ ان کے انتقال کے بعد لوگوں نے یقین کر لیا کہ اب کوئی نبی نہیں آئے گا یا یہ مطلب ہے کہ یوسف علیہ السلام کی زندگی میں تو انہیں نبی مانا نہیں لیکن انتقال کے بعد جب نظام سلطنت تہہ و بالا ہوا تو کہنے لگے ان کا قدم بڑا ہی مبارک قدم تھا۔ ایسا نبی اب کوئی نہیں آئے گا۔ یہ دو انکار یا یہ اقرار غرضیکہ افراط ہے اور تفریط۔ راہ اعتدال کا سرا ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ دونوں صورتوں کا مفہوم قریب قریب ایک ہی ہے اور یہ مطلب ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی میں تو ان کی نسبت تردد میں پڑے رہے اور انہیں نبی مان کر نہیں دیا۔ لیکن وفات کے بعد یہ یقین کر بیٹھے کہ اب کوئی اور نبی آنے والا نہیں ہے۔ گویا سرے سے

رسالت ہی کے منکر ہو گئے۔ایسے ہی لوگ اللہ کی باتوں میں جھگڑا کرتے ہیں۔اللہ اور اس کے ایماندار بندے ان سے سخت بیزار رہتے ہیں۔ اسی لئے یہ راندہ درگاہ ہوئے۔ جو لوگ نہ حق کے آگے جھکیں اور نہ اہل حق کے سامنے سرنگوں ہوں۔ آخر ان کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے اور وہ قبول حق کی صلاحیت ہی کھو بیٹھتے ہیں۔

وقال فرعون۔ کہتے ہیں کہ چیونٹی کی جب موت آتی ہے تو اس کے پر لگ جاتے ہیں۔فرعون ملعون کی کم بختی کا وقت آ ہی چکا تھا۔ اس لئے اس نے انتہائی بے شرمی اور بے باکی سے اللہ کا مذاق اڑایا۔ کہنے لگا کہ زمین پر تو اپنے سوا کوئی رب نظر نہیں آتا۔اگر موسیٰ کا خدا آسمان پر ہے تو میں اس کی خبر لیتا ہوں۔

لطائف سلوک: **وقال رجل مؤمن** سے معلوم ہوا کہ اہل باطل سے حق چھپانا برا نہیں ہے جبکہ کوئی اندیشہ ہو۔خاص کر جب کہ اس میں رشد کی سہولت بھی پیش نظر ہو۔

وان یک کاذبا سے معلوم ہوا کہ سننے والوں کی فہم کی رعایت سے کلام کرنا مناسب ہے ورنہ ظاہر ہے کہ نبی کا جھوٹا ہونا جیسے فی الواقع غلط ہے خواہ ان در پردہ ایمان لانے والے کی نظر میں بھی دائرہ احتمال سے خارج تھا۔

وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ باثبات الیاء وحذفها **اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾** تقدم **یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ** تمتع یزول **وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ** بضم الیاء وفتح الخاء وبالعکس **یُرْزَقُوْنَ فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾** رزقا واسعا بلا تبعة **وَیٰقَوْمِ مَا لِیْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَی النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَی النَّارِ ﴿۴۱﴾ تَدْعُوْنَنِیْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ۖ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَی الْعَزِیْزِ** الغالب علی امره **الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾** لمن تاب **لَا جَرَمَ** حقا **اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ** لاعبده **لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا** ای استجابة دعوة **وَلَا فِی الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ** مرجعنا **اِلَی اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ** الکافرین **هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ** اذا عاینتم العذاب **مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۚ وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾** قال ذلک لما توعدوه بمخالفته دینهم **فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا** به من القتل **وَحَاقَ** نزل **بِاٰلِ فِرْعَوْنَ** قومه معه **سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾** الغرق ثم **اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا** یحرقون بها **غُدُوًّا وَّعَشِیًّا ۚ** صباحا ومساء **وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫** یقال **اَدْخِلُوْٓا** یا **اٰلَ فِرْعَوْنَ** وفی قراءة بفتح الهمزة وکسر الخاء امر للملٰئکة **اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾** عذاب جهنم و اذکر **اِذْ یَتَحَآجُّوْنَ** یتخاصم الکفار **فِی النَّارِ فَیَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا** جمع تابع **فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ** دافعون **عَنَّا نَصِیْبًا** جزءا **مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا**

اَنَا كُلٌّ فِيْهَآ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾ فادخل المؤمنين الجنة و الكافرين النار وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا اى قدر يوم مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوْٓا اى الخزنة تهكما اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ط بالمعجزات الظاهرات قَالُوْا بَلٰى ط اى فكفرنا بهم قَالُوْا فَادْعُوْا ج انتم فانا لا نشفع لكافر قال تعالى وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ انعدام

ع ۱۳ د ۱۰

ترجمہ: اور اس مومن نے کہا اے بھائیو! تم میری راہ چلو (اثبات یا اور حذف کے ساتھ) میں تمہیں ٹھیک راستہ بتلاتا ہوں (یہ لفظ پہلے گذر چکے) اے بھائیو! یہ دنیاوی زندگانی تو محض چند روزہ ہے (جو گزر جائے گی) اور ہمیشہ رہنے کا مقام تو آخرت ہے۔ جو شخص گناہ کرتا ہے اس کو تو برابر سرابر ہی بدلہ ملتا ہے اور جو نیک کام کرتا ہے۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو ایسے لوگ جنت میں جائیں گے۔ لفظ یدخلون ضمہ یا اور فتحہ خا کے ساتھ اور اس کے برعکس دونوں طرح ہے) وہاں بے حساب (بے اندازہ بے منت) ان کو رزق ملے گا اور اے میرے بھائیو! یہ کیا بات ہے کہ میں تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھ کو دوزخ کی طرف بلاتے ہو۔ تم مجھے اس بات کی طرف بلاتے ہو کہ میں خدا کے ساتھ شرک کروں اور ایسی چیز کو ساجھی بناؤں جس کی میرے پاس کوئی بھی دلیل نہیں اور میں تم کو خدا کی طرف بلاتا ہوں جو زبردست (بالادست) خطا بخش ہے (توبہ کرنے والے کے لئے) یقینی بات ہے کہ تم جس چیز کی طرف مجھ کو بلاتے ہو (اس کی عبادت کے لئے) وہ نہ تو دنیا ہی میں پکارے جانے کے قابل ہے (کہ اس کی پکار مقبول ہو) اور نہ آخرت ہی میں اور ہم سب کو خدا کے پاس جانا (لوٹنا) ہے جو لوگ حد سے نکل رہے ہیں (کافر) وہ سب دوزخی ہوں گے، سو آگے چل کر (جب عذاب سامنے آئے گا) تم میری بات کو یاد کرو گے اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ اللہ سب بندوں کا نگران ہے (یہ تقریر اس وقت کی جب انہیں اپنے دین کی مخالفت پر قوم نے دھمکایا) چنانچہ اللہ نے مرد مومن کو (قتل کی) مضر تدبیروں سے باز رکھا اور فرعونیوں (قوم فرعون) پر موذی عذاب (غرق) نازل ہوا۔ وہ لوگ آگ کے سامنے (جلانے کے لئے) صبح و شام لائے جاتے ہیں اور جس روز قیامت قائم ہوگی (تو کہا جائے گا) داخل کردو فرعونیوں کو (ایک قرأت میں ادخلوا فتحہ ہمزہ اور کسرہ خا کے ساتھ ہے فرشتوں کو حکم ہوگا) سخت عذاب میں (دوزخ کے) اور جبکہ دوزخ میں جھگڑیں گے (کفار آپس میں) تو ادنیٰ درجہ کے لوگ بڑے درجہ کے لوگوں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے تابع تھے (تبع تابع کی جمع ہے) کیا تم ہم سے آگ کا کوئی حصہ (جز) ہٹا سکتے (دفع کر سکتے) ہو تو بڑے لوگ بولیں گے کہ ہم سب ہی دوزخ میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا (مسلمانوں کو جنت میں اور کافروں کو دوزخ میں داخل کر دیا) اور جتنے لوگ دوزخ میں ہوں گے دوزخ کے موکل فرشتوں سے کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ کسی دن (یعنی ایک دن کے برابر وقت) تو ہم سے عذاب ہلکا کر دے۔ (دوزخ کے فرشتے بطور مذاق) کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس پیغمبر (کھلے) معجزات لے کر نہیں آتے تھے۔ تو دوزخی بولیں گے کہ ہاں! (مگر ہم نے ان کو نہیں مانا تھا) فرشتے کہیں گے تو پھر تم ہی دعا کرلو (کیونکہ ہم کافر کی سفارش نہیں کر سکتے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) کافروں کی دعا محض بے اثر (بے کار) ہوگی۔

تحقیق و ترکیب: وقال الذی امن. اس سے مراد وہی مرد مومن ہے اور بعض نے حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد لئے ہیں۔

اتبعونی ابن کثیرؒ و یعقوبؒ و سہلؒ کی قرأت اثبات یاء کی ہے اور باقی قراءؒ حذف یاء کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

بغیر حساب ابتداء تو ان الحسنة بعشر امثالها ہوا۔ لیکن انتہاء نعمت بے اندازہ ہو جائیں گے اور بے منت و بے

مرتب ہوں گے۔

ویقوم یہ کلام بھی مردمومن کا ہے۔ بقول زمخشریؒ پہلی اور تیسری جگہ ویقوم واؤ کے ساتھ آیا ہے۔ مستقل کلام ہونے کی وجہ سے اور دوسری جگہ چونکہ مستقل کلام نہیں، بلکہ اور تفسیر وبیان کے درجہ میں ہے اس لئے واؤ نہیں لایا گیا۔

تدعوننی یہ جملہ مستانفہ ہے اور تقدیر عبارت ومالکم تدعوننی الی النار بھی ہوسکتی ہے اور تدعوننی لاکفر پہلے تدعوننی کا بدل تفصیلی ہے۔

لاجرم۔ جرم فعل ماضی بمعنی حق۔ انما تدعوننی الیه اس کا فاعل ہے۔ ای حق وجب عدم استجابة دعوة الهتکم اور بعض نے جرم فعل جرم سے ماخوذ مانا ہے بمعنی قطع جیسا کہ لابد میں بد فعل تبدید سے ماخوذ ہے بمعنی تفریق۔ لیکن بقول ابوسعودؒ مفسرؒ کی عبارت حقا اس کی تائید نہیں کر رہی ہے اور فراءؒ کی رائے یہ ہے کہ لابد اور لامحالہ کی طرح لاجرم بھی اپنی اصل پر برقرار ہے۔ حتی کہ معنی میں قسم کے ہوکر بمنزلہ حقا ہوگیا۔ اسی لئے جواب قسم کی طرح اس کے جواب میں لام آتا ہے۔ جیسے لاجرم لاتیک

لیس له دعوة۔ مفسرؒ نے مضاف مقدر کر کے استجابة دعوة کہا ہے۔ یا علاقہ سببیت ومشاکلت کی وجہ دعوت بول کر مجازا استجابة مراد لی جائے۔ حاصل یہ ہے کہ بتوں کی سفارش نہ دنیا میں موثر اور نہ آخرت میں کارگر ہے۔ اور بعض نے یہ مطلب لیا ہے کہ بت نہ مدعی دعوت ہیں اور نہ اپنی عبادت کے داعی بلکہ آخرت میں تبری کریں گے۔

فوقاه الله کہا جاتا ہے کہ وہ مرد درویش لوگوں کی یورش سے بچ کر پہاڑوں میں روپوش ہوگئے۔ فرعون نے تعاقب میں پولیس بھیجی تو سپاہیوں نے دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں اور پہاڑی جانور چاروں طرف ان کے محافظ بنے ہوئے ہیں۔ حتی کہ بعض سپاہیوں کو درندوں نے پھاڑ ڈالا اور بعض بھاگ کھڑے ہوئے مگر پھر فرعون نے ان کو مار ڈالا۔ اسی لئے مفسر علامؒ نے القتل سے اشارہ کر دیا کہ فرعونی انہیں قتل نہیں کر سکے، لیکن غرق وغیرہ جن مصائب میں فرعونی مبتلا ہوئے اس سے یہ بچ گئے۔

ثم النار لفظ ثم استیناف کلام کے لئے ہے اور النار مبتداء یعرضون خبر ہے۔ ابن شیخؒ کہتے ہیں کہ لفظ یعرضون بتلا رہا ہے کہ آگ سے آگے ان کی پیشی ہوگی۔ آگ ان کو جائے گی نہیں اور غدوا وعشیا کنایہ دوام سے بھی ہوسکتا ہے۔

یوم تقوم ادخلوا کا معمول بنایا جائے یا محذوف کا ای یقال لهم جیسے کہ مفسرؒ کی رائے ہے۔

ادخلوا ابوعمرو اور ابن کثیرؒ اور ابن عامرؒ اور ابوبکرؒ کے نزدیک ضمہ ہمزہ اور ضمہ خا کے ساتھ ہے اور باقی قراء کے نزدیک فتحہ ہمزہ اور کسرہ خا کے ساتھ ہے۔

مغنون مفسرؒ نے اشارہ کیا کہ مغنون متضمن معنی دافعون کے ہے اور معنی عاملون کو بھی متضمن ہوسکتا ہے اور من النار صفت ہے نصیبا کی۔

یوما من العذاب چونکہ آخرت میں لیل ونہار نہیں ہوگا۔ اس لئے مفسرؒ نے قدر یوم تفسیری عبارت نکالی ہے۔

من العذاب میں من تبعیضیہ ہے۔

ربط آیات: آیت وقال الذی سے اسی مرد مومن کی تقریر کا سلسلہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حمایت میں فرعونی دربار میں فرما رہے تھے۔ اس کے بعد دوزخیوں کا حال آیت واذ یتحاجون سے ذکر کیا جا رہا ہے جن میں یہ آل فرعون بھی ہوں گے۔

روایات: ابن عباسؓ وابن مسعودؓ سے روایت ہے ارواح الکفار فی حوف طیر سود تغدوا علی جهنم و تروح کل یوم مرتین اور عدوا وعشیا دونوں دوام سے بھی کنایہ ہوسکتے ہیں۔ اس آیت النار یعرضون الخ سے اور روایت سے عذاب برزخ ثابت ہورہا ہے۔

تشریح: ۔۔۔ فرعون نے کہا تھا۔ وما اهديكم الى سبيل الرشاد مردمومن نے اسی کا جواب دیا کہ سبیل الرشاد وہ نہیں ہے جو فرعونیوں کا تجویز کردہ ہے بلکہ میرا اختیار کردہ راستہ ہے، جس کی تمہیں بھی پیروی کرنی چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی زندگانی چند روزہ عیش وکامرانی ہے۔ اس کے بعد دائمی زندگی شروع ہونے والی ہے۔ عقلمند وہ ہے جو اس کی تیاری اور فکر میں لگا رہے اور اخروی زندگی میں مال ومنال کی پوچھ نہ ہوگی۔ بلکہ ایمان اور نیک چلنی کا اعتبار ہوگا اور چونکہ اللہ کی رحمت، غضب پر غالب ہے، اس لئے اسے گنوانا نہیں چاہئے۔

فرعون اور مردمومن کے نقطہ نظر کا فرق: اے برادرو! میرے اور تمہارے نقطہ نظر میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ تمہارے فکر کا حاصل تو یہ ہے کہ میں اللہ یگانہ کا انکار کردوں اور اس کے پیغمبروں اور اس کی راہ کو نہ مانوں اور جاہلوں کی طرح ان خداؤں کو مان لوں کہ جن کی خدائیت پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف دلائل ہیں۔ پھر مجھے نہیں معلوم کہ کس طرح انہیں خدا بنالیا گیا ہے اور اس کے برعکس میرا مدعا یہ ہے کہ کسی طرح میں تمہارا سر اللہ واحد کی چوکھٹ پر جھکا دوں جو نہایت زبردست ہے۔ خطاؤں کو بہت معاف کرنے والا ہے۔ یعنی مجرم کو اگر پکڑ لے تو کوئی چھڑانے والا نہیں اور اگر معاف کردے تو کوئی روکنے والا نہیں۔ وہی اس لائق ہے کہ اس سے ڈرکر اور اسی سے امید باندھ کر بندگی و نیاز میں لگا جائے۔ میں خود بھی اسی کی پناہ میں آچکا اور تمہیں بھی بلا رہا ہوں۔ اور تمہاری دعوت ایسی بے بس اور عاجز چیزوں کی طرف ہے جن میں بہت چیزیں خود اپنی طرف دعوت نہیں دیتیں بلکہ ان میں یہ صلاحیت بھی نہیں۔ حالانکہ انجام کار اللہ یگانہ کی طرف جانا ہے۔ وہاں پہنچ کر سب کو اپنی زیادتیوں کا نتیجہ معلوم ہوجائے گا۔ بھلا اس سے بڑھ کر اور زیادتی کیا ہوگی کہ بے بس مخلوق کو خالق کا درجہ دے دیا جائے۔ ایک وقت آئے گا جب تم میری نصیحتوں کو یاد کروگے کہ واقعی ایک مرد خدا ہمیں سمجھایا کرتا تھا اور وہ ٹھیک کہا کرتا تھا مگر اس وقت پچھتانے سے کیا فائدہ؟

میرا کام سمجھانا تھا وہ میں کرچکا۔ اب آگے تمہارا کام ہے۔ تم نہیں مانتے تم جانو میرا تم سے کچھ مطلب نہیں۔ خدا کے حوالے کرتا ہوں۔ وہ میرا تمہارا حال دیکھ رہا ہے۔ کوئی ادنیٰ چیز اس سے چھپی نہیں۔ تم مجھے ستاؤ گے تو یاد رکھو کہ وہ خود جواب دے گا۔

فوقاه الله. حق وباطل کی اس آویزش کا آخری نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء کو جن میں یہ مردمومن بھی تھے۔ دشمنوں کے چنگل سے بچا لیا اور فرعونیوں کے داؤ پیچ خود ان پر ہی الٹ پڑے۔ اس کی ساری قوم کا بیڑہ بحر قلزم میں غرق ہوگیا۔

عالم برزخ کا ثبوت قرآن وحدیث سے: النار يعرضون میں برزخ کا حال بیان کیا جارہا ہے۔ عالم برزخ کا ثبوت احادیث سے ہے۔ روزانہ صبح وشام برزخ میں جنتیوں کے سامنے جنت کا اور جہنمیوں کے سامنے دوزخ کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے کہ تاکہ آنے والے حالات کا نمونہ اور اندازہ ہوسکے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے یہاں ایک سوال وجواب لکھا ہے وہ یہ کہ "النار یعرضون" تو مکی ہے۔ مگر روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں کسی یہودی عورت کو حضرت عائشہؓ نے کچھ خیرات دی۔ تو اس فقیرنی نے دعا دی

کہ اللہ تمہیں عذاب قبر سے بچائے۔ حضرت عائشہؓ نے جب آنحضرت ﷺ سے اس کا ذکر کرتے ہوئے عذاب قبر کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے انکار فرمایا۔ مگر پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے وحی سے معلوم ہوا ہے کہ قبر میں عذاب ہوتا ہے۔

پس حاصل اشکال یہ ہے کہ آیت النار الخ جب مکہ معظمہ میں نازل ہو چکی، پھر آپ کا مدینہ میں عذاب قبر سے انکار کیسے ہوسکتا ہے؟ اس کے کئی جواب ہیں۔ منجملہ ان کے ایک جواب یہ ہے کہ آپ نے مطلق عذاب قبر کا انکار نہیں فرمایا تھا بلکہ صرف مسلمانوں کے لئے انکار فرمایا تھا، جیسا کہ امام احمدؒ کی روایت میں ہے۔ انما یفتن یهود. پھر وحی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ گنہگار مسلمانوں کو بھی عذاب قبر ہوگا جو پہلے معلوم نہیں تھا۔ چنانچہ اسی روایت میں ہے۔ فلبثنا لیالی ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انکم یفتنون فی القبور

لیکن سہل جواب یہ ہے کہ اس آیت سے صرف فرعونیوں کے لئے عذاب ہونا ثابت ہوا۔ دوسروں کے لئے نفی نہیں تھی۔ مگر آپ نفی سمجھے۔ بعد میں آپ کو وحی سے بتلایا گیا کہ جو بھی نافرمان ہوگا مسلمان ہو یا مسلمان سب کو یہ مرحلہ علی فرق مراتب درپیش ہوگا۔

جنتیوں کی طرح دوزخیوں کو بھی برزخ میں رکھا جائے گا: اور بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح جنتیوں میں شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے جوف میں داخل ہو کر جنت کی سیر کرتی ہیں، اسی طرح دوزخیوں میں فرعونیوں کی ارواح کو سیاہ پرندوں کے پپوٹوں میں ڈال کر روزانہ صبح وشام دوزخ میں گھمایا جاتا ہے۔ البتہ روحوں کو ان کے جسموں سمیت مستقل طور پر جنت یا دوزخ میں رہنا آخرت میں ہوگا۔

عالم برزخ ایک درمیانی منزل ہے، جس کے ایک طرف یہ عالم ناسوت ومادیت ہے اور دوسری طرف عالم آخرت ہے۔ اس لئے اس کا فی الجملہ دونوں عالموں سے تعلق ہے اور دونوں کا اس سے۔ عالم برزخ کی حیثیت حوالات جیسی سمجھنی چاہئے کہ اس میں قید ہونے کے بعد بھی کچھ تقاضے پورے کئے جاتے ہیں اور کھانا پینا، رہنا، سونا، جاگنا وغیرہ آرام وراحت کی صورتیں بھی ہوتی ہیں۔ لیکن آخرت کی پیشی کے بعد جو فیصلہ ہوگا وہی کیس کا اصل نتیجہ سمجھا جائے گا۔ یا حبس دوام اور یا بخشش عام۔

متکبرین کا اپنے ماننے والوں کو مایوسانہ جواب: قال الذین استکبروا یعنی دنیا میں جو لوگ بڑے بنتے تھے وہ کمزوروں کی فریاد کا جواب دیں گے کہ آج ہم سب مصیبت میں مبتلا ہیں۔ ہر ایک کے جرم کے مطابق فیصلہ سنا دیا گیا ہے۔ ابھی موقع نہیں رہا کہ کوئی کسی کے کام آئے۔ ہر شخص اپنی اپنی مصیبت میں گرفتار ہے۔ کمزور لوگ اپنے سرداروں کا یہ مایوسانہ جواب سن کر دوزخ کے منتظم فرشتے سے درخواست کریں گے کہ اللہ سے سفارش کر کے کسی دن کی چھٹی اور تعطیل ہی کرا دو کہ کچھ تو دم لینے کی مہلت ملے۔ مگر فرشتوں کا جواب بھی یہی ہوگا کہ اب موقع نکل چکا ہے۔ کوئی کوشش یا سفارش یا خوشامد اب موثر نہیں ہوگی۔ نہ ہم ایسے معاملات میں سفارش کر سکتے ہیں اور نہ تمہاری چیخ وپکار سے کچھ کام بنے گا۔ اور یوں بھی ہم عذاب دینے پر مقرر ہیں، ہمارا کام سفارش کرنا نہیں۔ یہ ایسا ہے جیسے جیل خانہ کا جیلر یا جلاد سفارش کرنے لگے۔ جو اس کے منصب کے خلاف ہے۔ یہ کام رسولوں کا ہے۔ مگر تم نے کبھی انکا کہنا ہی مان کر نہیں دیا۔

اس آیت سے جہاں سفارش کا قانون معلوم ہوتا ہے کہ وہ کفار کے حق میں نہیں ہوسکتی، وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ آخرت میں خود کافروں کی دعا کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ باقی دنیا میں ان کی دعا میں پوری کر دی جائیں۔ وہ دوسری بات ہے۔ آیت اس کے خلاف نہیں ہے۔ جیسے کہ ابلیس کی درخواست پر قیامت تک کے لئے مہلت مل گئی۔ اگرچہ بعض حضرات جو اس کو عام مانتے ہیں کہ کفار کی دعا دنیا میں قبول ہوتی ہے اور نہ آخرت میں وہ واقعہ ابلیس میں یہ توجیہ کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ابلیس کی دعا قبول نہیں کی بلکہ یہ فرمادیا کہ انک من المنظرین یعنی ہمارا پہلے ہی سے یہ فیصلہ ہو چکا ہے۔ دعا کا یہ اثر نہیں ہے بلکہ حکمت کا تقاضہ ہے۔

انا لننصر رسلنا والذين امنوا في الحيوة الدنيا ويوم يقوم الاشهاد ﴿۵۱﴾ جمع شاهد وهم الملائكة يشهدون للرسل بالبلاغ وعلى الكفار بالتكذيب **يوم لا تنفع** بالتاء والياء **الظلمين معذرتهم** عذرهم لو اعتذروا **ولهم اللعنة** اي البعد من الرحمة **ولهم سوء الدار** ﴿۵۲﴾ الآخرة اي شدة عذابها **ولقد اتينا موسى الهدى** التورة والمعجزات **واورثنا بني اسرآءيل** من بعد موسى **الكتب** ﴿۵۳﴾ التورة **هدى** هاديا **وذكرى لاولي الالباب** ﴿۵۴﴾ تذكرة لاصحاب العقول **فاصبر** يا محمد **ان وعد الله** بنصر اوليائه **حق** وانت ومن تبعك منهم **واستغفر لذنبك** ليستن بك **وسبح** صل متلبسا **بحمد ربك بالعشي** هو من بعد الزوال **والابكار** ﴿۵۵﴾ الصلوات الخمس **ان الذين يجادلون في ايت الله** القران **بغير سلطن** برهان **اتهم ان** ما **في صدورهم الا كبر** تكبر وطمع ان يعلوا عليك **وما هم ببالغيه فاستعذ بالله** من شرهم **انه هو السميع** لاقوالهم **البصير** ﴿۵۶﴾ باحوالهم ونزل في منكري البعث **لخلق السموت والارض** ابتداء **اكبر من خلق الناس** مرة ثانية وهي الاعادة **ولكن اكثر الناس** اي الكفار **لا يعلمون** ﴿۵۷﴾ ذلك فهم كالاعمى ومن يعلمه كالبصير **وما يستوي الاعمى والبصير ولا الذين امنوا وعملوا الصلحت** وهو المحسن **ولا المسيء** فيه زيادة لا **قليلا ما يتذكرون** ﴿۵۸﴾ يتعظون بالياء والتاء اي تذكرهم قليل جدا **ان الساعة لاتية لا ريب** شك **فيها ولكن اكثر الناس لا يؤمنون** ﴿۵۹﴾ بها **وقال ربكم ادعوني استجب لكم** اي اعبدوني اثبكم بقرينة ما بعده **ان الذين يستكبرون عن عبادتي سيدخلون** بفتح الياء وضم الخاء وبالعكس **جهنم دخرين** ﴿۶۰﴾ صاغرين **الله الذي جعل لكم اليل لتسكنوا فيه والنهار مبصرا** اسناد الابصار اليه مجازي لانه يبصر فيه **ان الله لذو فضل على الناس ولكن اكثر الناس لا يشكرون** ﴿۶۱﴾ الله فلا يؤمنون **ذلكم الله ربكم خالق كل شيء لا اله الا هو فانى تؤفكون** ﴿۶۲﴾ فكيف تصرفون عن الايمان مع قيام البرهان **كذلك يؤفك** اي مثل افك هؤلاء افك **الذين كانوا بايت الله** معجزاته **يجحدون** ﴿۶۳﴾ **الله الذي جعل لكم الارض قرارا والسماء بناء** سقفا **وصوركم فاحسن صوركم ورزقكم من الطيبت ذلكم الله ربكم فتبرك الله رب العلمين** ﴿۶۴﴾ **هو الحي لا اله الا هو فادعوه** اعبدوه **مخلصين له الدين** من الشرك **الحمد لله رب العلمين** ﴿۶۵﴾ **قل اني نهيت ان اعبد الذين**

تدعون تعبدون من دون الله لما جاءني البينت دلائل التوحيد من ربي وامرت ان اسلم لرب العلمين ٦٦ هو الذي خلقكم من تراب بخلق ابيكم آدم منه ثم من نطفة مني ثم من علقة دم غليظ ثم يخرجكم طفلا بمعنى اطفالا ثم يبقيكم لتبلغوا اشدكم تكامل قوتكم من ثلاثين سنة الى الاربعين ثم لتكونوا شيوخا بضم الشين وكسرها ومنكم من يتوفى من قبل اى قبل الاشد والشيخوخة فعل ذلك بكم لتعيشوا ولتبلغوا اجلا مسمى وقتا محدودا ولعلكم تعقلون ٦٧ دلائل التوحيد فتؤمنون هو الذي يحي ويميت فاذا قضى امرا اراد ايجاد شيء فانما يقول له كن فيكون ٦٨ بضم النون وفتحها بتقدير ان اى يوجد عقب الارادة التي هي معنى القول المذكور

ترجمہ: ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگانی میں مدد کرتے ہیں اور اس روز بھی جب گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے (اشہاد جمع شاہد کی ہے، فرشتے مراد ہیں جو پیغمبروں کے حق میں تبلیغ اور کفار کے خلاف ان کی تکذیب کی گواہی دیں گے) جس دن کہ ظالموں کو ان کی معذرت (اگر وہ معذرت کریں گے) کچھ نفع نہیں دے گی (تاء اور یاء کے ساتھ دونوں طرح ہے) اور ان کے لئے لعنت (رحمت سے دوری) ہوگی اور ان کے لئے خرابی ہوگی اس عالم میں (مراد آخرت ہے یعنی عذاب میں شدت ہوگی) اور ہم موسیٰ کو ہدایت نامہ (توریت اور معجزات) دے چکے ہیں اور ہم نے (موسیٰ کے بعد) بنی اسرائیل کو کتاب (توریت) پہنچائی تھی جو ہدایت (کرنے والی) اور نصیحت تھی عقلمندوں کے لئے (دانشوروں کے لئے سبق آموز) سو (اے محمد!) آپ صبر کیجئے، بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اور اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگئے (تاکہ آپ کی امت آپ کی سنت کو اپنائے) اور اپنے پروردگار کی ثنا وحمد کیجئے (صلوۃ الحمد پڑھئے) شام (زوال کے بعد) اور صبح (پنجگانہ نمازیں) جو لوگ (قرآن) کی آیتوں میں جھگڑا نکالا کرتے ہیں بلا کسی سند (دلیل) کے جو ان کے پاس موجود ہو، ان کے دلوں میں نری بڑائی ہے (کبر وطمع ہے کہ آپ پر غالب آجائیں) حالانکہ وہ اس تک کبھی پہنچنے والے نہیں۔ سو آپ (ان کے شر سے) اللہ کی پناہ مانگتے رہئے۔ وہی ہے سب کچھ (ان کے اقوال) سننے والا، سب کچھ (ان کے احوال) جاننے والا (منکرین قیامت سے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں) بالیقین آسمان زمین کا پیدا کرنا (ابتداء) آدمیوں کے پیدا کرنے کی نسبت بڑا کام ہے (دوبارہ پیدا کرنے سے جس کو اعادہ کہنا چاہئے) لیکن اکثر آدمی (کفار) نہیں سمجھتے (یہ بات۔ ان کی مثال نابینا جیسی اور جاننے والوں کی مثال بینا جیسی ہے) اور برابر نہیں ہیں نابینا اور بینا اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے (یعنی نیکوکار) اور بدکار (ولا المسیء میں لا زائد ہے) یہ لوگ بہت ہی کم سمجھتے ہیں (یتذکرون بمعنی یتعظون ہے یاء اور تاء کے ساتھ یعنی ان کی نصیحت بہت ہی کم ہے) قیامت تو ضرور آکر رہے گی اس میں کوئی شبہ (شک) ہی نہیں ہے۔ مگر اکثر لوگ نہیں مانتے (اس کو) اور تمہارے پروردگار نے فرمادیا ہے۔ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا (یعنی میری عبادت کرو میں تمہیں ثواب دوں گا۔ جیسا کہ بعد کے قرینہ سے معلوم ہورہا ہے) جو لوگ میری عبادت سے روگردانی کرتے ہیں وہ عنقریب داخل ہوں گے (فتحہ یاء اور ضمہ خاء کے ساتھ ہے اور اس کا برعکس بھی) دوزخ میں ذلیل (خوار) ہوکر۔ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور اسی نے دن کو روشن بنایا (دکھانے کی نسبت دن کی طرف مجازی ہے۔ کیونکہ دن دیکھنے کا وقت ہے) بلاشبہ حق تعالیٰ

لوگوں پر بڑا ہی فضل ہے۔ لیکن اکثر آدمی شکر نہیں کرتے۔ اللہ کا (اسی لئے وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے) یہ اللہ ہے تمہارا پروردگار، ہر چیز کا پیدا کرنے والا، اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ سو تم لوگ کہاں الٹے جا رہے ہو (دلیل کے ہوتے ہوئے پھر ایمان سے کیسے سرتابی کر رہے ہو) اسی طرح (جیسے یہ لوگ ٹیڑھے چل رہے ہیں) وہ لوگ بھی الٹا چلا کرتے تھے جو اللہ کی نشانیوں (معجزات) کا انکار کیا کرتے تھے۔ اللہ ہی ہے جس نے زمین کو قرارگاہ بنایا اور آسمان کو (چھت) بنایا اور تمہارا نقشہ بنایا سو خوب نقشہ بنایا اور تمہیں بہترین چیزیں کھانے کو دیں۔ یہ اللہ ہے تمہارا رب۔ سو بڑا عالی شان ہے اللہ جو سارے جہان کا پروردگار ہے۔ وہی زندہ ہے، اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، سو اسی کو پکارا کرو (اسی کی عبادت کیا کرو) خالص اعتقاد کے ساتھ (شرک سے پاک) تمام خوبیاں اسی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہان کا۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے اس سے ممانعت کر دی گئی ہے کہ میں انکی عبادت کروں، جن کو تم پکارتے ہو (عبادت کرتے ہو) اللہ کے علاوہ۔ جب کہ میرے پروردگار کی کھلی نشانیاں میرے پاس (توحید کی دلیلیں) آ چکیں اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ میں رب العالمین کے سامنے گردن جھکاؤں۔ وہی ہے جس نے تم کو (یعنی تمہارے باپ آدم کو) مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ (منی) سے پھر خون کے لوتھڑے (جمع ہوئے خون) سے پھر تم کو بچہ (بچے) بنا کر نکالتا ہے پھر (تمہیں باقی رکھتا ہے) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو (تمہاری طاقت تمیں سے چالیس سال کی عمر تک مکمل ہو جانے) پھر تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ (شیوخ ضمہ شین اور کسرہ شین کے ساتھ ہے) اور کوئی کوئی تم میں سے پہلے ہی مر جاتا ہے (یعنی جوانی، بڑھاپے سے پہلے۔ تمہاری پیدائش کے لئے یہ کیا ہے) اور تاکہ تم وقت مقرر (معین) تک پہنچ جاؤ اور تاکہ تم سمجھ سکو (دلائل توحید پر ایمان لے آؤ) وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ پھر جب وہ کسی کام کو پورا (کسی چیز کو موجود) کرنا چاہتا ہے سو بس اس کی نسبت فرما دیتا کہ ہو جا۔ سو وہ ہو جاتا ہے۔ (فیکون ضمہ نون اور فتحہ نون کے ساتھ ہے۔ ان مقدر ہے۔ یعنی کن سے مراد ارادہ الٰہی ہے۔ اس کے ہوتے ہی وہ چیز موجود ہو جاتی ہے)۔

تحقیق وترکیب: ...... **انا لننصر** دلیل وحجت سے تائید مراد ہے۔ اور بعض انبیاءؑ کے مخالفین سے انتقام بھی لیا گیا ہے۔ خواہ ان کے بعد ہی سہی۔ جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت کے بعد ستر ہزار کافر قتل کئے گئے۔ **یا رسلنا** سے مراد اکثریت لی جائے تمام رسول مراد نہ ہوں یا صرف وہ پیغمبر مراد ہوں جن کو جہاد کی اجازت رہی۔ عام انبیاءؑ مراد نہیں۔

واستغفر لذنبك. یہ حکم محض تعبدی ہے۔ جیسے قال رب احکم بالحق میں تعبدی حکم ہے۔ یہ توجیہ سب توجیہات میں بہتر ہے۔

بالعشی. حسنؒ کے نزدیک **عشی** سے نماز عصر اور **الابکار** سے نماز فجر مراد ہے۔ کیونکہ یہی دو نمازیں دو دو رکعت واجب تھیں اور بعض نے ان دو وقتوں میں تسبیح کرنا مراد لیا ہے۔ لیکن ابن عباسؓ کی رائے نماز پنجگانہ کی۔ **العشی** میں ظہر سے عشاء تک اور **الابکار** میں نماز صبح۔ اور بعض نے **فاستعذ باللہ** سے استغفار واستعاذہ دونوں تعلیم امت کے لئے ہے۔ ورنہ پیغمبر معلوم ہوتا ہے نبوت سے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔

لخلق السمٰوٰت یہ انکار قیامت پر رد ہے۔ اگر خلق الناس سے مراد دوبارہ زندہ کرنا ہو اور بقول ابوالعالیہ اگر دجال مراد ہو تو اس پر رد ہو جائے گا۔

ولا المسیٔ. مفسر علامؒ نے الذین امنوا کو المحسن کے معنی میں لے کر مقابلہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس میں لا زائد ہے تاکید نفی کے لئے لایا گیا ہے کیونکہ صلہ کی وجہ سے عبارت طویل ہو گئی تھی۔ ورنہ نفی سے ذہول ہو جاتا اور یہ شبہ ہوتا کہ یہاں سے کلام علیحدہ ہے۔

قلیلاما. اس میں ما زائد ہے اور قلیلا مفعول مطلق ہو کر موصوف محذوف کی صفت ہو جائے گی۔ ای یتذکرون تذکرا قلیلا یعنی مفسر کی تفسیری عبارت میں قلیل سے تذکر کی خبر ہونے کی طرف اور مرفوع ہونے کی طرف اشارہ ہے اور خبر کو محذوف مان کر اس کو حال منصوب بھی کہا جا سکتا ہے۔ ای یحصل حال کونہ قلیلاً۔

استجب لکم. اجابت دعا کی چند شرائط ہیں۔ مثلاً بندہ کا بالکلیہ اللہ کی طرف متوجہ ہونا۔ اس طرح کہ دوسرے کی طرف التفات نہ رہے اور دعا بھی قطع رحمی کے لئے نہ ہو اور یہ کہ قبولیت دعا کے لئے جلدی نہ مچائے۔ قبولیت دعا کا پکا یقین ہو۔ اگر دعا کی ان شرائط میں سے کل یا بعض نہ ہوں تو اجابت کا پھر وعدہ نہیں ہے۔ لیکن اگر بظاہر سب شرائط کے باوجود بھی دعا قبول نہ ہو تو سمجھے ممکن ہے حقیقت میں کوئی شرط موجود نہ ہو یا کوئی مانع پیش آ گیا ہو۔ اس لئے قبولیت نہیں ہوتی یا قبول تو ہوئی مگر ظہور اس کا دیر میں ہوگا۔ یا اس کی بجائے دوسری چیز عطا ہو جائے یا اس دعا کو اس کے گناہوں کا کفارہ شمار کر لیا جائے۔ یہ تو حقیقی معنی کے لحاظ سے تقریر ہوئی۔ لیکن مفسر مجازی معنی عبادت کے لے رہے ہیں کہ اس پر ضرور ثواب مرتب ہوگا۔

سید حلون. ضمہ یا اور فتحہ خا کی قرأت ابو بکرؒ وابن کثیرؒ کی ہے۔

والنهار مبصرا. زمانہ کی طرف اسناد مجازی ہے۔

ذو فصل. اضافت کے ساتھ اور فضل کو نکرہ لانے میں جو خاص بات ہے وہ مفضل اور متفضل کہنے میں بھی نہیں ہے۔

اکثر الناس. بظاہر اکثرھم کافی تھا اور لفظ ناس کا تکرار بھی نہ رہتا۔ لیکن کفران نعمت کی تخصیص کے لئے ایسا کیا گیا ہے۔ جیسے ان الانسان لکفور اور ان الانسان لظلوم کفار میں ہے۔

کذلک یوفک. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ مضارع بمعنی ماضی ہے۔ مگر استحضار صورت غریبہ کے لئے مضارع لایا گیا ہے۔

جعل لکم الارض. فصل زمانی کے بعد فضل مکانی بیان فرمایا جا رہا ہے اور فاحسن صورکم میں فضل جانی کا ذکر ہے۔

فاحسن میں فا تفسیریہ ہے انسان کے احسن تقویم اور احسن صورت ہونے کا مطلب مستقیم القامت بادی البشرہ متناسب الاعضاء ہونا ہے۔

الذی خلقکم ان آیت میں پہلے چار آفاقی دلائل ذکر فرمائے۔ دن، رات، زمین، آسمان، اسی طرح تین انفسی دلائل بیان فرمائے۔ انسان کی صورت، حسن صورت، رزق طیبات۔ پھر اس کے بعد ابتداء سے انتہا تک خلق النفس کی کیفیت ارشاد فرمادی ہے۔

خلقکم من تراب سے مراد اگر آدم ہیں، تب تو مضاف محذوف ہوگا۔ ای خلق ابوکم۔ ورنہ کلام کو اپنے ظاہر پر بھی رکھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ انسان کا مبتداء اول تو مٹی ہی ہے۔ قرآن کریم کی مختلف آیت میں مختلف مراحل تخلیق کا لحاظ کرتے ہوئے الفاظ مختلف لائے گئے ہیں۔ یخرجکم طفلاً مفسرؒ نے اطفال جمع کے صیغہ سے اس لئے تعبیر کیا تا کہ طفلا حال کی مطابقت یخرجکم جمع کے ساتھ ہو جائے تو گویا طفلا لفظی طور پر مفرد ہے۔ مگر معنی جمع ہے یا اسم جنس ہے۔ اسی لئے مذکر، مؤنث، مفرد، جمع سب کے لئے آتا ہے۔ جیسے او الطفل الذین لم یظھروا میں ہے۔ طفولیت چھ سال تک کے زمانہ کو کہا جاتا ہے۔

ثم لتبلغوا مفسرؒ نے یبقیکم سے لام کے متعلق محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہ لام تعلیلیہ ہے معطوف ہے علۃ محذوفہ پر ای لتعیشوا اور معلل کی طرف "فعل ذلک" سے اشارہ ہے۔

کن فیکون. مفسر علامؒ کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ لفظ کن سے حقیقۃً یہ لفظ مراد نہیں بلکہ سرعت ایجاد سے کنایہ ہے۔ اس کی

مکمل تحقیق پارہ الم کے آخر میں گزر چکی ہے۔ تفسیر عبارت گنجلک سے خالی نہیں ہے۔ عبارت اس طرح ہوتی تو اچھا ہوتا۔ وھذا القول المذکور کنایة عن سرعة الایجاد بہر حال اللہ کو جب دفعی پیدا کرنے پر قدرت ہے تو تدریجا پیدا کرنے پر بدرجہ اولی قدرت ہوئی۔

ربط آیات: پچھلی آیات میں جگہ جگہ چونکہ تہدیدی مضامین کے ذیل میں منکرین حق کا اختلاف اور کٹ حجتی مذکور تھی۔ جس سے آنحضرت ﷺ کو رنجش وملال ہوتا تھا۔ اس لئے بطور تسلی آیات انا لننصر الخ سے پچھلے انبیاء کی نصرت کا حال بیان کیا گیا ہے اور صبر واستغفار تسبیح کا حکم دیا گیا ہے۔

پھر آگے اللہ الذی جعل الخ سے توحید کا ذکر مدلل طریقہ سے بیان فرمایا گیا جو اصل مقاصد سورت میں سے ہے۔

روایات: ابوالعالیہؒ سے منقول ہے کہ جب یہود نے یہ کہا کہ دجال ہمارا ہی آدمی ہے۔ اس کا خروج ہم میں سے ہوگا، وہ تمام روئے زمین کا مالک ہوگا کہ طرح طرح کے کارنامے انجام دے گا تو آیت فاستعذ باللہ نازل ہوئی۔ جس میں فتنہ دجال سے پناہ مانگنے کا حکم ہے۔ ابن ابی حاتمؒ نے اس کو روایت کیا ہے۔ سیوطیؒ اس کو صحیح مرسل کہتے ہیں اور یہ کہ قرآن میں صرف اسی آیت میں فتنہ دجال کی طرف اشارہ ہے۔

آیت وقال ربکم ادعونی کی تائید میں حدیث بھی ہے۔ لیسئل احدکم ربه حاجته کلھا حتی فی شسع نعله اذا انقطع اسی اجابت دعا کے لئے بھی حدیث میں ہے۔ اذقال العبد یارب، قال اللہ لبیک یاعبدی اور دعا بمعنی عبادت کی تائید بھی حدیث سے ہوتی ہے۔ الدعاء ھو العبادة چنانچہ حضور ﷺ نے اپنے اس ارشاد کی تائید میں یہ آیت تلاوت فرمائی اور ابن عباسؓ سے ادعونی کے معنی وحدونی بھی منقول ہیں۔ اور بعض نے سلونی اعطکم معنی لئے ہیں۔

﴿تشریح﴾: **اہل حق کا غلبہ:**.............انا لننصر الخ یعنی حق پرستوں کی قربانیاں کبھی ضائع نہیں جاتیں۔ درمیان میں کتنے ہی اتار چڑھاؤ اور کیسے ہی امتحانات پیش آئیں، مگر آخر ان کا مشن کامیاب ہو کر رہتا ہے۔ جس مقصد کے لئے وہ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس میں ان کا بول بالا ہوتا ہے۔ علمی حیثیت سے تو وہ ہمیشہ مظفر ومنصور اور دلیل وبرہان میں غالب رہتے ہیں، لیکن ظاہری فتح وکامرانی اور مادی عزت بھی آخر کار انہی کے حصہ میں آتی ہے۔ سچائی کے دشمن کبھی بھی حقیقی طور پر کامیاب نہیں ہوتے۔ صرف دیر کا ابال اور اچھال ہوتا ہے۔ پھر وہی پستی ان کی مہر قسمت ہو جاتی ہے۔ اما الزبد فیذھب جفاءً واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض

اسی طرح عقبی میں جب سب اولین آخرین سے میدان حشر پٹا ہوا ہوگا، اہل حق کی بلندی اور برتری ظاہر فرمادے گا۔ دنیا میں تو کچھ خفا اور التباس بھی کبھی رہا ہوگا۔ مگر آخرت میں سب حجابات اٹھ کر حقائق سامنے آجائیں گے۔ لیکن باطل پرستوں کا انجام اس کے برعکس ہوگا۔ چنانچہ دنیا ہی میں دیکھ لو کہ فرعون جیسی باطل طاقت جس کا آفتاب اقبال نصف النہار پر پہنچا ہوا تھا، جب موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل جیسی کمزور مگر حق پرست جماعت ٹکرائی تو دنیا نے حق وباطل کی آویزش کا انجام دیکھ لیا کہ باطل سرنگوں ہوا اور حق ابھر کر چمکا اور موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے کمزور قوم ایک عظیم الشان کتاب ہدایت کی وارث بنی۔ جس نے دانشوروں کے لئے شمع ہدایت کا کام دیا۔

حافظ عمادالدین ابن کثیرؒ نے نصرت کے معنی بدلہ کے بھی لکھے ہیں۔ یعنی رسولوں اور مومنین کو اگر کبھی مغلوبیت اور مخالفین غالب آجاتے ہیں تو ہم ان کا بدلہ ضرور کسی نہ کسی وقت لے کر رہتے ہیں۔ چنانچہ قرآن وحدیث اور تاریخ اس کے گواہ ہیں۔ یہ تقریر بہت عمدہ ہے۔

صبر ہی کامیابی کی کنجی ہے: فاصبر الخ میں آنحضرت ﷺ کی تسلی فرمائی جارہی ہے کہ آپ کے ساتھ جو وعدہ یا یہ جب وعدہ ور پورا ہو کر رہے گا۔ ضرورت اس کی ہے کہ اللہ کی رضا جوئی اور خوشنودی کے لئے ہر طرح کے مصائب و مشکلات پر صبر کریں اور اپنی اپنی کوتاہیوں کے امکان کے پیش نظر اللہ سے معافی کے خواستگار اور ہمہ وقت مصرف توبہ و استغفار رہیں۔ ظاہر و باطن ور عمل سے اس کی یاد تازہ رکھیں۔ پھر اللہ کی کھلی مدد کا تماشہ دیکھیں۔

آیت کے اصل مخاطب امت کے لوگ ہیں۔ کیونکہ جب نبی معصوم روزانہ سو بار استغفار کرتے ہیں تو اوروں کا استغفار کتنا ہونا چاہئے۔ ہر بندہ کی تقصیر اس کے درجہ کے مطابق ہوتی ہے۔ اللہ سب سے بے نیاز ہے۔ اس سے کوئی بے نیاز نہیں۔

حق اور اہل حق کا بول بالا: ان الذین جو لوگ دلائل توحید اور آسمانی کتابوں اور پیغمبروں اور معجزات و ہدایت میں فضول جھگڑے اور خواہ مخواہ بے دلیل باتیں نکال کر حق کی آواز کو دبانا چاہتے ہیں، نہ ان کے پاس دلیل و برہان ہے اور نہ فی الواقع ان کھلی ہوئی باتوں میں شک وشبہ کا موقعہ صرف شیخی اور غرور رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ وہ اپنے کو بہت اونچا سمجھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ پیغمبر سے اوپر ہو کر رہیں اور حق اور اہل حق کے سامنے جھکنا نہ پڑے۔ مگر یاد رکھیں، وہ اس مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ انہیں پیغمبر کے سامنے جھکنا پڑے گا۔ ورنہ ذلیل و رسوا ہوں گے۔ یہی ہوا کہ جو کچھ جھک گئے تو کامیاب ہو گئے اور جو نہیں جھکے ذلیل وخوار ہوئے۔ آپ تو اللہ کی پناہ مانگئے کہ وہ ان شریروں کے خیالات سے بچائے۔

ایک اندھا اور سوانکھا برابر نہیں تو مومن و کافر کیسے برابر ہو سکتے ہیں: ... لخلق السموات میں انکار توحید ور انکار قیامت کا جواب ہے۔ سارے دلائل توحید و قدرت بیان کئے گئے ہیں۔ چار آفاقی اور تین انفسی کفار و مشرکین بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ زمین و آسمان اللہ کے پیدا کردہ ہیں پھر انسان کو پہلی یا دوسری مرتبہ پیدا کرنا بھلا اس کے لئے کیا مشکل ہو سکتا ہے۔ کیا یہ لوگ اتنی موٹی سی بات کو نہیں سمجھتے۔ ایک اندھا اور سنوانکھا۔ ایک مومن اور کافر اگر برابر نہیں اور یقیناً برابر نہیں تو ضرور ایک دن ایسا آئے گا جب حق و باطل کا فرق کھل کر سامنے آجائے گا۔ اور علم و عمل کے ثمرات اپنی اکمل ترین صورت میں ظاہر ہو کر رہیں گے۔ مگر افسوس تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

آداب دعا: وقال ربکم ادعونی۔ یعنی اللہ کی عبادت کرو۔ یہ عبادت خالی نہ جائے گی وہی صلہ دے گا۔ اس سے مانگنا عبادت ہے۔ ورنہ مانگنا کبر و غرور ہے۔ جو خدا کی بندگی کے شایان شان نہیں۔ یہ بات تو برحق ہے کہ وہ بندوں کی پکار کو پہنچتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو مانگو وہی فوراً پورا کر دیا جائے گا بلکہ اس کے دینے کے بہت سے ڈھنگ ہیں۔ پھر ہر حکم کی طرح مانگنے کے بھی کچھ آداب وشرائط ہیں اور کچھ موانع ہیں۔ ان کا پورا ہونا ضروری ہے۔ کچھ نہ کچھ کسر رہ جاتی ہے۔ مگر بندہ کی نظر وہاں تک نہیں پہنچتی اور سمجھ بیٹھتا ہے کہ چونکہ میرا کہا پورا نہیں ہوا اس لئے وعدہ غلط ہوا۔ ایسا نہیں، بلکہ ضرور اس میں کوئی چھپی حکمت و مصلحت ایسی ہوگی کہ مشیت الٰہی اس کے تابع ہے اور بندہ کی نظر قاصر ہے۔ بندے کا کام مانگنا ہے کہ وہی مغز عبادت ہے پورا کرنا اللہ کی مصلحت پر ہے۔

انسان اور اس کی روزی کے طور نرالے مگر کام کس قدر ملیے: ... اللہ الذی۔ زمین و آسمان کی طرح لیل و نہار کی گردش بھی آیات الٰہی ہیں۔ زمانہ کی یہ زنجیر اسی کے دست قدرت میں ہے۔ رات کی تاریکی اور ٹھنڈک کو دیکھو جو عموماً سونے اور آرام

مرے کے لئے بنائی گئی ہے۔ دنیا پر ایک طرح کا سناٹا چھا جاتا ہے اور فضا پر سکون ہو جاتی ہے۔ مگر جب دن کا اجالا ہوتا ہے تو پھر زندگی کی ہر دوڑ جاتی ہے اور کاروبار تیز ہو جاتا ہے۔ رات کی طرح اب مصنوعی روشنیوں کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اللہ کی ان نعمتوں پر جان و دل، زبان و عمل سے شکر بجا لاتے۔ مگر شکر کی بجائے شرک کیا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ حق ناشناسی اور ناسپاسی اور کیا ہوگی۔ یعنی اگر وہی سب کا خالق اور پالنہار ہے تو پھر بندگی بھی اسی ایک کی ہونی چاہئے۔ یہ کیا کہ مالک حقیقی تو کوئی اور ہو اور بندگی کسی اور کی جائے۔ اور پھر انسان تو یوں بھی ساری مخلوق سے نرالا ہے۔ اس کی روزی بھی سب سے نرالی ہے۔ مگر کام دیکھو تو کیسے میلے ہیں۔

اللہ کی کن فیکونی قدرت کے کرشمے: ...... هو الحی. اللہ کی حیات جب ذاتی ہے، کسی حیثیت سے بھی اس پر فنا طاری نہیں تو تمام لوازم حیات بھی اس کے ذاتی ہونے چاہئیں۔ کیونکہ سب کمالات اور خوبیاں وجود و حیات ہی کے تابع ہیں۔ پس وہی معبود برحق اور ساری خوبیوں کا مالک ہے۔ حالانکہ انسان خود اپنی خلقت پر نظر کرے تو اس کے لئے یہ بہکنا اور بھٹکنا روا نہیں۔ پہلے انسان کو اگر براہ راست مٹی کا پتلہ بنایا تو ساری نسل کی اصل اول بھی خاک ہی سے ہے۔ اس لئے اسے خاکساری چاہئے۔ پھر مٹی سے پیداوار ہوئی اور وہ پیداوار سبب پیدائش بنی کہ پانی کی ایک بوند سے اور خون سے اور وہ خون اور لوتھڑے کی صورت میں تبدیل ہو کر ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے ایک جیتے جاگتے بچے کے روپ میں سامنے آئی۔ پھر عہد طفلی سے نکل کر اس نے عہد شباب میں قدم دھرا اور پھر آخری منزل بڑھاپے کی آئی۔ جس کے بعد پھر فنا کی گود میں چلا جاتا ہے اور کتنے ہی انسان ہیں کہ ان ساری منزلوں کو طے نہیں کر پاتے بلکہ درمیان ہی میں کھسک جاتے ہیں۔ بہرحال ایک معینہ حد کے بعد آخر کار موت اور حشر کے حوالہ ہونا پڑتا ہے۔

جب اتنے احوال گزر چکے ہیں تو ممکن ہے ایک اور حال بھی گزرے۔ "یعنی مر کر جینا" آخر اسے محال کیوں سمجھتے ہیں۔ یہ بات اس کی کن فیکونی قدرت سے کیوں بعید سمجھتے ہو؟

لطائف سلوک: واستغفر لذنبك. عصمت انبیاء چونکہ قطعی ہے۔ اس لئے "ذنب" کے معنی متعارف گناہ کے نہیں ہوں گے۔ بلکہ بشری تقاضوں کی رو سے جو طبعی باتیں سرزد ہو جاتی ہیں اور وہ انبیاء کی عظمت شان سے کچھ ہٹی ہوئی ہوں ان سے بھی استغفار کیجئے۔ کیونکہ وہ لغزش بھی بڑوں کی نظر میں گناہ سے کم نہیں ہوتی۔ اس سے حسنات الابرار سیئات المقربین کی اصل نکل آئی۔

ادعونی استجب لکم اس میں عبدیت کی فضیلت نکل رہی ہے اور یہ کہ دعا تفویض و توکل کے خلاف نہیں ہے۔

اللہ الذی جعل لکم الیل. رات میں ہر شخص کا سکون علیحدہ ہوتا ہے۔ عوام کو تو بدنی راحت و آرام سے سکون میسر آتا ہے۔ لیکن اہل طاعت کی راحت اعمال کی ساتھ ہوتی ہے اور اہل محبت کے لئے حلاوت قلبی شوق و ذوق ہے۔

فاحسن صورکم اگر ظاہری صورت مراد لی جائے تو بد شکل کے متعلق اشکال ہوگا کہ وہ احسن صورت کیسے ہے، لیکن یہاں مراد یہ ہے کہ ہم نے اپنے جمال و جلال کا تمہیں آئینہ بنایا ہے۔

الم تر الى الذين يجادلون فى ايت الله القرآن **انى** كيف **يصرفون** ﴿۶۹﴾ عن الايمان **الذين كذبوا بالكتب** القرآن **وبما ارسلنا به رسلنا** من التوحيد والبعث وهم كفار مكة **فسوف يعلمون** ﴿۷۰﴾ عقوبة تكذيبهم **اذ الاغلل فى اعناقهم** اذ بمعنى اذا **والسلسل** عطف على الاغلال فتكون فى الاعناق او مبتدأ خبره محذوف اى فى ارجلهم او خبره **يسحبون** ﴿۷۱﴾ اى يجرون بها **فى الحميم** اى جهنم **ثم فى النار يسجرون** ﴿۷۲﴾ يوقدون **ثم قيل لهم** تبكيتا **اين ما كنتم تشركون** ﴿۷۳﴾ **من دون الله** معه وهى الاصنام **قالوا ضلوا** غابوا **عنا** فلا نراهم **بل لم نكن ندعوا من قبل شيئا** انكروا عبادتهم اياها ثم احضرت قال تعالى انكم وما تعبدون من دون الله حصب جهنم اى وقودها **كذلك** اى مثل اضلال هؤلاء المكذبين **يضل الله الكفرين** ﴿۷۴﴾ ويقال لهم ايضا **ذلكم** العذاب **بما كنتم تفرحون فى الارض بغير الحق** من الاشراك وانكار البعث **وبما كنتم تمرحون** ﴿۷۵﴾ تتوسعون فى الفرح **ادخلوا ابواب جهنم خلدين فيها فبئس مثوى** ماوى **المتكبرين** ﴿۷۶﴾ **فاصبر ان وعد الله** بعذابهم **حق فاما نرينك** فيه ان الشرطية مدغمة وما زائدة تؤكد معنى الشرط اول الفعل والنون تؤكد آخره **بعض الذى نعدهم** به من العذاب فى حياتك وجواب الشرط محذوف اى فذاك **او نتوفينك** قبل تعذيبهم **فالينا يرجعون** ﴿۷۷﴾ فنعذبهم اشد العذاب فالجواب المذكور للمعطوف فقط **ولقد ارسلنا رسلا من قبلك منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك** روى انه تعالى بعث ثمانية الاف نبى اربعة الاف نبى من بنى اسرائيل واربعة الاف نبى من سائر الناس **وما كان لرسول** منهم **ان يأتى باية الا باذن الله** لانهم عبيد مربوبون **فاذا جاء امر الله** بنزول العذاب على الكفار **قضى** بين الرسل ومكذبيها **بالحق وخسر هنالك المبطلون** ﴿۷۸﴾ اى ظهر القضاء والخسران للناس وهم خاسرون فى كل وقت قبل ذلك **الله الذى جعل لكم الانعام** قيل الابل هنا خاصة والظاهر والبقر والغنم **لتركبوا منها ومنها تاكلون** ﴿۷۹﴾ **ولكم فيها منافع** من الدر والنسل والوبر والصوف **ولتبلغوا عليها حاجة فى صدوركم** هى حمل الاثقال الى البلاد **وعليها** فى البر **وعلى الفلك** السفن فى البحر **تحملون** ﴿۸۰﴾ **ويريكم ايته فاى ايت الله** الدالة على وحدانيته **تنكرون** ﴿۸۱﴾ استفهام توبيخ وتذكير اى اشهر من تأنيثه **افلم يسيروا فى الارض فينظروا كيف كان عاقبة الذين من**

قَبْلِهِمْ ۖ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ من مصانع وقصور فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ المعجزات الظاهرات فَرِحُوْا ای الکفار بِمَا عِنْدَهُمْ ای الرسل مِّنَ الْعِلْمِ فرح استهزاء وضحک منکرین له وَحَاقَ نزل بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ ای العذاب فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ای شدة عذابنا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۖ سُنَّتَ اللّٰهِ نصبه على المصدر بفعل مقدر من لفظه الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ في الأمم ان لا ينفعهم الإيمان وقت نزول العذاب وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ تبين خسرانهم لكل احد وهم خاسرون في كل وقت قبل ذلك

ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں (قرآن میں) جھگڑے نکالتے ہیں کہ وہ کہاں (ایمان سے) پھرے چلے جارہے ہیں، جن لوگوں نے اس کتاب (قرآن) کو جھٹلایا اور اس چیز کو بھی جو ہم نے اپنے پیغمبروں کو دے کر بھیجا (یعنی توحید و بعث کی دعوت، مراد کفار مکہ ہیں) سو ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے (جھٹلانے کا انجام) جبکہ (اذ بمعنی اذا ہے) طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں (یہ اغلال پر معطوف ہے۔ اس لئے زنجیریں بھی گردنوں میں ہوں گی۔ یا یہ مبتداء ہے جس کی خبر محذوف ہوگی۔ ای السلاسل فی ارجلهم یا اس کی خبر آگے ہے۔ ان کو گھسیٹے (زنجیروں کے ساتھ کھینچتے) ہوئے کھولتے ہوئے پانی (دوزخ) میں لے جائیں گے۔ پھر آگ میں جھونک دیئے (دھونکا دیئے) جائیں گے پھر ان سے (ڈانٹتے ہوئے) پوچھا جائے گا کہ وہ کہاں گئے جن کو تم شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔ غیر اللہ کو (اس کے ساتھ یعنی بت) وہ بولیں گے۔ وہ تو سب ہم سے کھو (غائب) گئے (ہمیں نظر ہی نہیں آتے) بلکہ ہم سب اس سے پہلے کسی کو پوجتے ہی نہیں تھے (بتوں کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں گے۔ پھر بتوں کو حاضر کیا جائے گا۔ جیسا کہ آیت انکم وما تعبدون من دون الله حصب جهنم فرمایا گیا۔ یعنی ان کو بھی دوزخ کا ایندھن بنایا جائے گا) اسی طرح (جیسے ان جھٹلانے والوں کو بچلایا) اللہ تعالیٰ کافروں کو گمراہی میں پھنساتا ہے (اور ان سے کہہ دیا جائے گا کہ) یہ (عذاب) اس کے بدلہ میں ہے کہ تم دنیا میں ناحق (شرک و انکار قیامت کے بارے میں) خوشیاں منایا کرتے تھے اور اس کے بدلہ میں کہ تم اترایا کرتے تھے (حد سے زیادہ مگن رہتے تھے) جاؤ جہنم کے دروازوں میں سے ہمیشہ کے لئے، سو متکبروں کا وہ برا ٹھکانا (مقام) ہے۔ پس آپ صبر کیجئے۔ بلاشبہ اللہ کا وعدہ (عذاب ان کے حق میں) سچا ہے۔ پھر یا ہم آپ کو دکھلا دیں گے (ان شرطیہ کا ادغام ما زائدہ میں ہو رہا ہے جو فعل کے شروع میں شرط تاکید کے لئے ہے اور نون آخر میں تاکید کے لئے آتا ہے) کچھ تھوڑا سا اس میں سے جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں (یعنی آپ کی زندگی میں عذاب، جواب شرط محذوف ہے یعنی فذاک) یا ہم آپ کو وفات دے دیں گے (ان کو عذاب دینے سے پہلے) سو ہمارے ہی پاس ان سب کو آنا ہے (اس وقت بھیانک عذاب دیں گے یہ حرف معطوف کا جواب ہے) اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے جن میں سے بعض تو وہ ہیں کہ ان کا قصہ ہم نے آپ سے بیان کیا ہے اور بعض وہ ہیں جن کو ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا (روایت ہے کہ اللہ نے آٹھ ہزار انبیاء بھیجے جن میں سے چار ہزار بنی اسرائیل سے اور چار ہزار اور لوگوں میں مبعوث فرمائے) اور (ان میں سے) کسی بھی رسول سے یہ نہیں ہوسکا کہ کوئی معجزہ اذن الٰہی کے بغیر ظاہر کر سکے (کیونکہ سب اللہ کے بندے اور فرمانبردار ہیں) پھر جب اللہ کا حکم (کفار پر عذاب) کا آئے گا تو (انبیاء اور ان کے مخالفین کے درمیان) ٹھیک ٹھیک فیصلہ

ہو جائے گا اور اس وقت اہل باطل خسارہ میں رہ جائیں گے۔ یعنی لوگوں پر ان کے متعلق فیصلہ اور نقصان کا انکشاف ہو جائے گا۔ ورنہ اس سے پہلے بھی یہ لوگ ہمیشہ خسارہ ہی میں رہے) اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے مویشی بنائے (بعض کی رائے میں خاص طور پر یہاں اونٹ مراد ہیں۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ بیل بکری بھی ہیں) تا کہ ان میں سے بعض سے سواری لو اور بعض کو کھاتے بھی رہو اور تمہارے لئے ان میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں (دودھ، نسل، بال و اون کے) اور تا کہ تم ان پر ہو کر اپنی حاجت تک پہنچو جو تمہارے دلوں میں ہے (بوجھوں کو شہروں تک ڈھونا) اور ان پر (خشکی میں) اور کشتی پر (دریاؤں میں) لدے پھندے پھرتے ہو اور تم کو اور بھی نشانیاں دکھلاتا رہتا ہے۔ سو تم اللہ کی کون کونسی نشانیوں کا (جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں) انکار کرو گے (یہ استفہام سرزنش وفہمائش کے لئے ہے اور ای کا مذکر لانا مونث لانے سے زیادہ مشہور ہے) کیا ان لوگوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیسا ہوا؟ وہ لوگ ان سے زیادہ تھے طاقت اور یادگاروں میں جو زمین پر چھوڑ گئے ہیں (حویلیاں اور قلعے) سو ان کی کمائی ان کے کچھ بھی کام نہ آسکی۔ الغرض جب انکے پیغمبر ان کے پاس کھلی نشانیاں (واضح معجزات) لے کر آئے تو وہ لوگ (کفار) بڑے نازاں ہوئے (پیغمبروں کے) علم پر (تمسخر کے طور پر اور انکار کی ہنسی کرتے ہوئے) اور ان پر وہ عذاب آپڑا (نازل ہوگیا) جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ پھر جب انہوں نے ہمارا غضب دیکھا یہ (عذاب کی شدت) تو کہنے لگے ہم خدائے واحد پر ایمان لے آئے اور ان سب چیزوں سے پھر گئے جن کو ہم اس کے ساتھ شریک کیا کرتے تھے۔ سو ان کو ان کا یہ ایمان لانا نفع بخش نہیں ہوگا۔ جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہی معمول مقرر کر رکھا ہے (مفعول مطلق کی وجہ سے منصوب ہے۔ اس کے ہم لفظ فعل مقدر کی بناء پر) جو اس کے بندوں میں پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے (پچھلی امتوں میں کہ عذاب آنے پر ایمان لانا مفید نہیں ہوتا) اور اس وقت کافر خسارہ میں رہ جائیں گے (ہر ایک کا نقصان ظاہر ہو جائے گا ورنہ اس سے پہلے بھی ہر وقت خسارہ ہی میں تھے)۔

تحقیق وترکیب:

الذین کذبوا یہ پہلے موصول کا بدل بھی ہو سکتا ہے اور یہاں بھی اسی طرح صفت بھی ہو سکتی ہے یا مبتدا محذوف کی خبر مانی جائے اور مذمت کی وجہ سے منصوب بھی ہو سکتا ہے۔ ان تمام صورتوں میں **فسوف یعلمون** جملہ مستانفہ ہوگا اور مبتداء بھی ہو سکتا ہے۔ جس کی خبر **فسوف یعلمون** ہے۔

اذ الاغلال مفسرؒ نے ایک شبہ کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ شبہ یہ ہے کہ **سوف** استقبال کے لئے ہوتا ہے اور **اذ** ماضی کے لئے آتا ہے اور ظاہر ہے کہ دونوں میں منافات ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے **سوف اصوم امس** اس لئے مفسرؒ نے **اذ** بمعنی **اذا** کہہ کر اس کا جواب دے دیا اور چونکہ امور مستقبلہ اللہ کی خبروں میں ماضی کی طرح یقینی ہوتی ہے اس لئے **اذ** لایا گیا۔ گویا یہ لفظاً ماضی ہے اور معناً مستقبل۔

یسحبون مفسرؒ نے بہا نکال کر عائد محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

الحمیم گرم کھولتا ہوا پانی۔ کنایہ جہنم سے ہے۔ کیونکہ جہنم کے اندر ہوگا۔ لیکن اگر حمیم جہنم سے باہر ہو تو پھر اصل معنی رہیں گے۔ چنانچہ آگے **ثم فی النار** اسی کا قرینہ ہے۔ الا یہ کہ یوں کہا جائے کہ گھسیٹنا پہلے ہوگا اور دھونکنا بعد میں۔

ثم قیل ماضی تحقق وقوع کے لئے لائی گئی۔

بل لم تکن مفسرؒ نے اس کو بت پرستی کے انکار پر محمول کیا ہے۔ لیکن ابوالسعودؒ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ ہم جن معبودوں کی پرستش کیا کرتے تھے، اب معلوم ہوا کہ وہ کچھ بھی نہیں تھے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے **حسبتہ شیئاً فلم یکن**

کذلک یعنی جس طرح یہ گمراہی بے سود رہی، اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کو مفید چیز کی رہنمائی نہیں کیا کرتا اور یا یہ

مطلب یہ ہے کہ جس طرح ان کے معبود غائب ہو جائیں گے اسی طرح کفار بھی اپنے معبودوں سے غائب ہو جائیں گے اور علامہ قرطبی لم نکن ندعوا الخ کے معنی یہ لیتے ہیں کہ ہماری عبادت بیکار اور بے فائدہ رہی۔ ورنہ نفس عبادت کا انکار روز حساب میں کیسے کر سکیں گے لیکن بقول مفسر علام مطلب یہ ہے کہ ابتداءً تو عبادت ہی کا انکار کر دیں گے کہ شاید اس سے کام چل جائے۔ لیکن بات بھی سامنے لا کھڑے کر دیئے جائیں گے تو پھر لاجواب اور مجبور ہو جائیں گے۔ اس لئے اس آیت اور دوسری آیت انکم وما تعبدون میں اختلاف بھی نہیں رہا۔

فبئس مثوی اگر مدخل کو برا کہا جاتا تو وہ چونکہ دوامی نہیں ہوتا، اس لئے برائی بھی دوامی نہیں رہتی۔ لیکن اب مثوی ٹھکانہ کے دوامی ہونے سے برائی بھی دوامی ہوگی۔

فاصبر اس میں آنحضرت ﷺ کے لئے وعدہ اور مخالفین کے لئے وعید ہے۔

فاما نرینک اس کے جواب محذوف کی طرف مفسر نے ای فذاک سے اشارہ کیا ہے اور نتوفینک کا جواب فالینا یرجعون ہے اور بقول بیضاویؒ یہ دونوں شرطوں کا جواب بھی ہو سکتا ہے۔

ولقد ارسلنا اس میں بھی آپ کے لئے تسلی ہے۔

منہم من قصصنا صرف پندرہ انبیاء کا قرآن میں ذکر ہے۔ باقی کا ذکر نہیں ہے۔ مفسرؒ نے جس روایت کا ذکر کیا ہے بیضاوی اور صاحب کشاف نے اس کو قیل سے ذکر کیا ہے۔ لیکن شرح مقاصد میں ابوذر غفاریؓ سے منقول ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے انبیاء کی تعداد پوچھی تو آپ ﷺ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی۔ لیکن عین المعانی میں قرآن میں اٹھارہ انبیاء کے ذکر کو لکھا ہے اور حاشیہ میں ۲۹ تعداد بتائی ہے اور علامہ طیبیؒ نے امام احمدؒ کی روایت کو صحیح کہا ہے۔ وہ یہ کہ ابوذرؓ نے آنحضرت ﷺ سے انبیاء کی تعداد دریافت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ہیں، جن میں سے ۳۱۵ رسول ہیں۔

وما کان لرسول کفار کی طرف سے معجزات کی فرمائش کا یہ جواب ہے۔ یعنی معجزہ پیغمبر کی اختیار میں نہیں ہوتا۔ چنانچہ قریش نے آنحضرت ﷺ سے "صفا مروہ" کو سونے میں تبدیل کر دینے کی خواہش کی تھی۔

ھنالک یہ ظرف مکان کے لئے آتا ہے۔ یہاں ظرف زمان کے لئے استعارہ ہے۔

المبطلون چونکہ حق کے مقابلہ میں آیا ہے اس لئے مبطلون فرمایا اور ختم سورت پر چونکہ ایمان کے مقابلہ میں ہے اس لئے الکفرون فرمایا گیا۔ مفسرؒ نے ھنالک کی جو توجیہ لکھی ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ کفار کا خسران تو ازلی ہے، البتہ اس کا ظہور اس موقعہ پر ہوگا۔

منہا من ابتدائیہ یا تبعیضیہ ہے۔

تحملون ممکن ہے عورتوں، بچوں کا ہودجوں میں سوار کرنا مراد ہو۔ اسی لئے رکوب سے الگ ذکر کیا گیا ہے اور کشتی کو اونٹ کے ساتھ مناسبت ہے۔ کشتی اگر سفائن البحر ہے تو اونٹ کو سفائن البر کہا جاتا ہے۔

فای ایۃ آیت اللہ نہیں فرمایا۔ کیونکہ اسماء جامدہ میں مذکر مونث کا فرق نادر ہے اور ای میں ابہام کی وجہ سے یہ فرق کرنا اور بھی شاذ و نادر ہے۔

افلم یسیروا ہمزہ کا مدخول محذوف ہے اور فا عاطفہ ہے۔ ای اعجزوا فلم یسیروا استفہام انکاری ہے۔

بما عندہم مفسرؒ نے کفار کو مرجع نہیں بنایا ہے بلکہ انبیاء کو مرجع بنایا ہے اور فرحت کو استخفاف پر محمول کیا ہے۔ لیکن بعض کے نزدیک کفار مرجع ہیں اور علم سے مراد ان کے مزعومات و مزخرفات ہیں۔ جو کہ فی الحقیقت جہل ہیں۔ یا علم سے مراد معاشیات، سائنس

وغیرہ علوم و فنون ہیں۔ جس پر وہ نازاں رہتے تھے۔ چنانچہ حکیم سقراط سے جب کہا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو تو کہنے لگا نحن قوم مهدیون فلا حاجة لنا الی من یهدینا

فلم یک کان کا اسم ہونے کی وجہ سے ایمان مرفوع ہے اور جملہ ینفعهم خبر مقدم ہے اور ایمان ینفع کے فاعل ہونے کی وجہ سے بھی مرفوع ہوسکتا ہے اور کان میں ضمیر شان ہو جائے گی اور حرف نفی کان پر لایا گیا۔ نفع پر نہیں داخل کیا گیا ہے۔ جیسے ما کان ان یتخذ من ولد بمعنی لایصح ولا ینبغی.

سنت اللّٰہ ای سن الله بهم سنة اور تخصیص کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے۔ ای احذروا سنة اللّٰہ

ربط آیات: پچھلی آیات میں کفار کو سرزنش اور آپ کی تسلی تھی۔ آگے بھی یہی مضمون ہے۔ مگر وہاں جزائے کفر اجمالاً تھی اور یہاں الم تر الی الذین الخ میں تفصیل نیز وہاں صرف موسیٰ کا ذکر جزوی طریقہ پر تھا۔ یہاں تمام انبیاءؑ و رسل کا ذکر کلیۃ ہے۔

اسی طرح پچھلی آیت الله الذی جعل لکم الیل الخ میں توحید کا بیان تھا۔ آیت الله الذی جعل لکم الانعام میں بھی آخر سورت تک یہی مضمون ہے۔ پہلے اس کی دلیل پھر انکار پر سرزنش پھر پہلے مشرکین کا حال یاد دلا کر موجودہ کافروں کے لئے دھمکی ہے۔ اور یہ کہ عذاب آ جانے پر پھر توبہ کے قبول ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ کیونکہ ایمان بالغیب نہیں رہتا۔

تشریح: الذین کذبوا کا منشاء یہ نہیں کہ عذاب کا مدار ان دونوں کی تکذیب پر ہے۔ بلکہ یہ بتلانا ہے کہ یہ دوسری تکذیب کے مرتکب ہوئے۔ ورنہ ایک تکذیب بھی دائمی عذاب کے لئے کافی تھی۔ طوق گردن اور زنجیر پاؤں میں ڈالی جاتی ہے۔ لیکن زنجیر کے گردن سے وابستہ کرنے کی بھی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ اس کا ایک سرا طوق میں ڈال دیا جائے اور دوسرا سرا فرشتے تھامے ہوئے ہوں جیسے جانور یا قیدی کو لے کر چلتے ہیں۔

حمیم جہنم سے باہر ہوگا یا اندر: یسحبون فی الحمیم سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کھولتے ہوئے پانی کا عذاب جہنم سے باہر ہوگا اور آگ کا عذاب دوزخ کے اندر جیسا کہ بعض علماء اس کے قائل ہیں۔ چنانچہ سورۂ صافات کی آیت ثم ان مرجعهم لا الی الجحیم کو بھی انہوں نے اسی معنی پر محمول کیا ہے۔ جیسا کہ مرجع کے لفظ سے بھی یہی مفہوم نکلتا ہے کہ باہر سے کھولتا ہوا پانی پلا کر جہنم میں اور پھر جہنم سے دوبارہ پانی کے لئے باہر لایا جائے گا۔ اسی طرح سلسلہ رہے گا۔

لیکن بعض علماء اس کے قائل نہیں ہیں۔ خذوه فاعتلوه الی سواء الجحیم ثم صبوا فوق راسه من عذاب الحمیم اور وماهم بخارجین من النار سے استدلال کرتے ہیں کہ پہلی آیت سے دوزخ میں جانا پہلے اور کھولتا ہوا پانی پلانا بعد میں اور دوسری آیت سے دوزخ سے باہر نکلنا معلوم ہو رہا ہے۔ اس لئے ان کی رائے ہے کہ دوزخ میں انواع و اقسام کے عذاب ہوں گے۔ کھولتا ہوا پانی اور آگ وغیرہ۔ کبھی ایک عذاب پہلے ہوگا اور دوسرا بعد میں اور کبھی اس کا برعکس۔ اس طرح ان کا سلسلہ جاری رہے گا۔ دونوں نوع ایک فرد کے اعتبار سے دوسری نوع سے مقدم ہوگی اور دوسرے فرد کے لحاظ سے مؤخر بھی۔

اور دوزخ جہیم کے بالمقابل معنی پر بھی بولی جاتی ہے اور عام مفہوم پر بھی۔ کیونکہ حمیم کا حمیم ہونا آگ کے اثر سے ہوگا۔ لیکن یہ اثر اس سے متعلق ہوگا۔ اس لئے پہلے معنی کے اعتبار سے حمیم کو جحیم سے خارج اور دوسرے معنی کے لحاظ سے دوزخیوں کے دوزخ سے نہ نکلنے کا حکم صحیح رہے گا۔ اس طرح تمام آیات میں تطبیق ہو جائے گی۔ چنانچہ آیت هٰذه جهنم التی یکذب بها المجرمون یطوفون بینها وبین حمیم ان.

حافظ ابن کثیرؒ اس موقع پر لکھتے ہیں یسحبونهم علی وجوههم تارة الی الحميم وتارة الی الجحيم اور بظاہر جملہ صلوا عنا الخ آیت انکم وما تعبدون من دون الله حصب جهنم اور قال قرينه ربنا ما اطغيته کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ پہلی آیت سے بتوں کا غائب ہونا اور دوسری آیت سے عاجز ہونا معلوم ہو رہا ہے۔ اس کا ایک جواب تو مفسرؒ نے دیا ہے کہ وہ اول نظروں سے اوجھل ہوں گے۔ پھر لاحاضر کئے جائیں گے۔ اس لئے دو باتیں صحیح ہوگئیں۔ دوسری سہل تر توجیہ یہ ہے کہ ضلوا عن نصرتنا کے معنی ہیں۔ یعنی حاضر ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں کرسکیں گے۔ گویا ہوئے نہ ہوئے برابر۔

دھوکہ کا سراب: اور بل لم نكن ندعوا کا مطلب اکثر مفسرین نے یہ لیا ہے کہ ہم دنیا میں جن کو پکارتے رہے، اب کھلا کہ واقعہ میں وہ کچھ نہ تھے۔ ہمیں اپنی غلطی کا اعتراف ہے۔ لیکن مفسرؒ کی رائے ہے کہ وہ سرے سے ان کو پکارنے اور ان کی عبادت کرنے ہی کا انکار کردیں گے اور جب آدمی مبہوت اور پریشان ہوجاتا ہے تو بہکی بہکی اور الٹی سیدھی باتیں کیا ہی کرتا ہے۔ اس سے بحث نہیں ہوتی کہ یہ بات چلے گی یا نہیں۔ چنانچہ كذلك يضل الله کا ماحصل بھی یہی ہے کہ جس طرح یہاں انکار کرتے کرتے بچل گئے اور جب اقرار کر لیا۔ دنیا میں بھی ان کافروں کا یہی حال تھا۔ اب دیکھ لیا کہ ناحق کی شیخی اور غرور و کبر کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ ساری اکڑفوں دھری رہ گئی۔

ادخلوا ابواب جهنم کا منشاء یہ ہے کہ مجرمین کے لئے ان کے جرائم کی نوعیت کے پیش نظر الگ الگ نامزد دروازے ہوں گے۔ ان میں سے داخلہ کا حکم ہوگا۔

پیغمبر کی بددعا رحمت کے منافی نہیں: فاصبر الخ آپ کے مخالفین کو عذاب کے سلسلہ میں اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ وہ آپ کی زندگی ہی میں ہو۔ جیسے بدر اور فتح مکہ کے موقعہ پر ہوا۔ یا آپ کے بعد بہرحال یہ بچ کر کہاں جائیں گے۔ ہیں تو ہمارے قبضہ میں یہاں نہیں تو وہاں نمٹیں گے، چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔

وعدۂ عذاب کے متعلق یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اتنے مہربان اور شفیق تھے، پھر ان کے حق میں عذاب کی خواہش کیوں کی؟ جواب یہ ہے کہ ان کے ایمان و ہدایت سے مایوس ہوجانے کے بعد اہل حق کی ہمدردی کا تقاضہ یہ ہے کہ ان پر ظلم کرنے والوں سے انتقام لیا جائے یا ان پر کسی آسمانی آفت کی تمنا کی جائے۔ اس کو شفقت و رحمت کے خلاف نہیں کہا جائے گا یہ ایسا ہی ہے جیسے مظلوم کی حمیت وانصاف کے سلسلہ میں ظالم کو سزا دی جائے۔ جہاد کی حکمت بھی یہی ہے۔ کیا اس کو رحم کے خلاف کہا جاسکتا ہے؟

معجزہ یا کرامت اللہ کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں ہیں: ولقد ارسلنا۔ دنیا میں بہت سے انبیاء آئے جن کا حال معلوم ہے۔ ان پر تفصیلاً اور جن کا نام یا حال معلوم نہیں ان پر اجمالاً ایمان لانا واجب ہے۔ جہاں تک معجزوں کا تعلق ہے، اس معاملہ میں ان کو اختیار نہیں۔ رسولوں کو یہ اختیار نہیں کہ جو چاہیں اور جب چاہیں معجزے دکھلایا کریں۔ اللہ کی اجازت کے بعد ہی یہ ممکن ہے۔ اس لئے نبیوں سے ایسی فرمائشیں کرنا اور ان سے ایسی توقعات رکھنا لغو ہے۔ اللہ جب چاہتا ہے اہل حق اور اہل باطل کے درمیان فیصل اور فیصلہ کرنے کے لئے کوئی نشان ظاہر کردیتا ہے۔ جس سے اہل حق کامران اور مخالفین مبتلائے خسران ہوجاتے ہیں۔ دراصل معجزہ دلیل نبوت نہیں ہوتا بلکہ علامت اور نشان کا درجہ رکھتا ہے۔

الله الذی جعل لكم الانعام۔ جانوروں پر سواری بجائے خود ایک مقصد ہے اور بہت سے منافع و مقاصد حاصل کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔ ان آیت میں اس دور کے مناسب حمل و نقل کے ابتدائی اسباب کا ذکر کیا۔ آج دنیا نے کہاں تک ترقی کرلی ہے اور

آئندہ نقطہ عروج کیا ہوگا۔ وہ سب اسباب ان آیات کے مفہوم میں آجاتے ہیں۔

مادیت کے پرستار دین کی باتوں کا مذاق اڑاتے ہیں: افلم یسیروا یعنی پچھلی قوموں کے عروج وزوال کی کہانیاں کا مطالعہ کرو۔ ان کی ترقیات کے نشانات دیکھو۔ وہ خدا کی گرفت سے اس قدر عظیم طاقت رکھنے کے باوجود کیا بچ سکے؟ پھر تم ہوش ہو میں تمہارے پاس تو یہ سازوسامان بھی نہیں جو تمہارے لئے کچھ سہارا بن سکے۔ ہر دور میں مادیت کے دلدادہ اور حسیت کے شیدائیوں نے روحانی لوگوں کا اور ان کے علوم کا مذاق اڑایا ہے مادی علوم اور غلط نظریات وافکار کا سہارا لے کر ہمیشہ غرور وگھمنڈ کیا گیا اور اہل حق اور انبیاء کی تحقیر کی گئی۔ لیکن آخر ایک وقت آیا جب انہیں ہنسی مذاق کی حقیقت کھلی۔ تو پھر ان کا مذاق خود ان پر الٹ پڑا اور جب عذاب الٰہی آنکھوں کے سامنے آکھڑا ہوا تب ہوش آیا اور ایمان وتوبہ کی سوجھی اور سمجھے کہ اصل طاقت کا سرچشمہ اور قوت کا خزانہ اللہ ہے۔ باقی سب چیزیں ہیچ ہیں۔ ہماری غلطی تھی اور سخت حماقت وگستاخی تھی کہ خدائی تخت پر ادنیٰ مخلوق کو بٹھا دیا تھا۔ مگر اب پچھتانے سے کیا فائدہ؟ ایمان وتوبہ کا وقت جا چکا۔ اب تو سزا کا وقت ہے۔ اس لئے غرغرہ اور یاس کا ایمان معتبر نہیں۔ جیسا کہ نساء میں گزر چکا ہے۔

لوگوں کی ہمیشہ یہی عادت رہی ہے کہ پہلے اللہ ورسول کی باتوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ورمہلت اور ڈھیل کے بعد جب پکڑے جاتے ہیں تو شور مچانے لگتے ہیں اور توبہ تلافی کرنے لگتے ہیں۔ اللہ کی عادت بھی یہی ہے کہ بے وقت توبہ قبول نہیں کیا کرتا۔ آخر مجرمین اپنے جرائم کا خمیازہ بھگتتے ہیں اور قصہ پاک کر دیا جاتا ہے۔ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا

لطائف سلوک: ... وما کان لرسول. جب معجزہ کا یہ حال ہے جو شان نبی ہے، حالانکہ نبی کو ماننا ضروری ہے تو کچھ کرامت اور تصرفات اولیاء کا کیا حال ہوگا۔ نیز اولیاء ان میں کیسے منتقل ہو سکتے ہیں۔ جبکہ خاص طور سے ان اولیاء کا ماننا بھی ضروری نہیں ہے۔

اللہ الذی جعل لکم الانعام سے معلوم ہوا کہ اسباب معیشت سے نفع اندوز ہونا طریق کے خلاف نہیں ہے جیسا کہ بعض زاہدان خشک سمجھتے ہیں۔

فلما جاء تھم رسلھم سے معلوم ہوا کہ شریعت کے خلاف علوم پر نازاں ہونا جن میں غلط تصوف بھی ہے لائق مذمت ہے۔

سُوْرَةُ فُصِّلَتْ

سُوْرَةُ فُصِّلَتْ مَكِّيَّةٌ ثَلَاثٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَة

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

حٰمٓ ﴿۱﴾ اللّٰه اعلم بمراده به **تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ** ﴿۲﴾ مبتدأ **كِتٰبٌ** خبره **فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ** بينت بالاحكام والقصص والمواعظ **قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا** حال من كتب بصفته **لِّقَوْمٍ** متعلق بفصلت **يَّعْلَمُوْنَ** ﴿۳﴾ يفهمون ذلك وهم العرب **بَشِيْرًا** صفة قرأن **وَّنَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ** ﴿۴﴾ سماع قبول **وَقَالُوْا** للنبي **قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ** اغطية **مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ** ثقل **وَّمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ** خلاف في الدين **فَاعْمَلْ** على دينك **اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ** ﴿۵﴾ على ديننا **قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ** بالايمان والطاعة **وَاسْتَغْفِرُوْهُ وَوَيْلٌ** كلمة عذاب **لِّلْمُشْرِكِيْنَ** ﴿۶﴾ **الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ** تاكيد **كٰفِرُوْنَ** ﴿۷﴾ **اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ** ﴿۸﴾ مقطوع **قُلْ اَئِنَّكُمْ** بتحقيق الهمزة الثانية وتسهيلها وادخال الف بينها بوجهيها وبين الاولى **لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ** الاحد والاثنين **وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا** شركاء **ذٰلِكَ رَبُّ** مالك **الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۹﴾ جمع عالم وهو ما سوى الله وجمع لاختلاف انواعه بالياء والنون تغليبا للعقلاء **وَجَعَلَ** مستانف ولا يجوز عطفه على صلة الذي للفاصل الاجنبي **فِيْهَا رَوَاسِيَ** جبالا ثوابت **مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا** بكثرة المياه والزروع والضروع **وَقَدَّرَ** قسم **فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا** للناس والبهائم **فِيْٓ** تمام **اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ** اي الجعل وما ذكر معه في يوم الثلاثاء والاربعاء **سَوَآءً** منصوب على المصدر اي استوت الاربعة استواء لا تزيد ولا تنقص **لِّلسَّآئِلِيْنَ** ﴿۱۰﴾ عن خلق الارض بما فيها **ثُمَّ اسْتَوٰٓى** قصد **اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ** بخار مرتفع **فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ**

ائْتِيَا [illegible] طَوْعًا اَوْ كَرْهًا [illegible] قَالَتَا اَتَيْنَا [illegible]
طَآئِعِيْنَ [illegible] فَقَضٰهُنَّ [illegible]
[illegible] سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِىْ يَوْمَيْنِ [illegible]
[illegible]
[illegible] وَاَوْحٰى فِىْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا [illegible] وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا
بِمَصَابِيْحَ [illegible] وَحِفْظًا [illegible]
ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ [illegible] الْعَلِيْمِ [illegible] فَاِنْ اَعْرَضُوْا اى كفار مكة عن الايمان [illegible]
[illegible] فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ [illegible] صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ [illegible] اى عذابا يهلككم [illegible]
[illegible] اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ [illegible]
[illegible] اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً
فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ [illegible] كٰفِرُوْنَ [illegible] فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ
وَقَالُوْا [illegible] مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً [illegible]
[illegible] اَوَلَمْ يَرَوْا [illegible] اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَكَانُوْا
بِاٰيٰتِنَا [illegible] يَجْحَدُوْنَ [illegible] فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا [illegible] فِىْ
اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ [illegible] لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْىِ [illegible] فِى الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى [illegible] وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ [illegible] وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ [illegible]
[illegible] فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى [illegible] عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ
[illegible] بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ [illegible] وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ [illegible]

[illegible]

[illegible]

ہے) کہتے ہیں کہ جس بات کی آپ ہم کو دعوت دیتے ہیں، ہمارے دل اس سے پردوں (غلافوں) میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ (رکاوٹ) لگی ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک قسم کا حجاب (دینی اختلاف) ہے سو آپ (اپنے دین میں رہتے ہوئے) کام کئے جائیے۔ ہم (اپنے مذہب کے مطابق اپنا کام) کر رہے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ میں بھی تم جیسا ہی انسان ہوں۔ مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ سو اس کی طرف (ایمان و طاعت کے ذریعہ) سیدھے بندھ لو اور اس سے معافی مانگو اور تباہی ہے (کلمہ عذاب ہے) ان مشرکین کے لئے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت ہی کے (ہم تاکید کے لئے ہے) منکر ہیں۔ جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کے لئے یقیناً ایسا اجر ہے جو موقوف (ختم) ہونے والا نہیں۔ آپ فرمائیے کیا تم لوگ (دوسری ہمزہ کی تحقیق اور تسہیل کے ساتھ اور دونوں صورتوں میں دونوں ہمزوں کے درمیان الف داخل کر کے) ایسے خدا کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو روز (اتوار، پیر) میں بنا ڈالا۔ اور تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو۔ یہی سارے جہان کا رب (مالک) ہے (عالمین۔ عالم کی جمع ہے۔ اللہ کے سوا سب چیزوں کا عالم کہتے ہیں اور مختلف نوعوں کی وجہ سے یا نون کے ساتھ جمع لائی گئی ہے۔ اہل عقل کی رعایت کرتے ہوئے) اور اس نے بنا دیئے (جملہ مستانفہ ہے الذی کے صلہ پر اس کا عطف جائز نہیں ہے۔ اجنبی کے فاصلہ کی وجہ سے) زمین میں اس کے اوپر پہاڑ (مضبوط جمے ہوئے) اور اس میں برکت کی چیزیں رکھ دیں (پانی، کھیتی، دودھ کی کثرت) اور اس میں مقدار (منقسم) کر دیں (لوگوں اور چوپایوں کی غذائیں) غرض یہ چار روز میں (پورے ہوئے یعنی پہاڑ وغیرہ کو منگل، بدھ کے دن) مکمل طریقہ پر (سواء مصدر ہے مفعول مطلق کی وجہ سے منصوب ہے یعنی چار روز مکمل ہوئے نہ زیادہ نہ کم) معلوم کرنے والوں کے لئے (جو زمین و زمینیات کی پیدائش کو دریافت کریں) پھر اللہ نے آسمان کی طرف توجہ (ارادہ) فرمایا اور وہ دھواں سا (بخارات اٹھنے والا) تھا۔ سو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ (ہمارا مقصد بجا لاؤ) یا زبردستی (حال کے موقع پر ہے یعنی شوق سے یا بلا شوق کے) دونوں نے عرض کیا ہم (اپنی چیزوں سمیت) خوشی سے حاضر ہیں (اس میں مذکر عاقل کی رعایت سے جمع لائی گئی ہے یا ان کی گفتگو کو اہل حق کے درجہ میں شمار کر لیا) سو بنا ڈالے (ضمیر جمع مؤنث سماء کی طرف راجع ہے۔ کیونکہ یہ معنی جمع ہے۔ یعنی ہم نے ان کو کر دیا) دو روز میں سات آسمان (جمعرات، جمعہ۔ آخر ساعت جمعہ میں ان سے فراغت ہوئی۔ پھر آخری گھڑی میں آدم کو پیدا فرمایا۔ اسی لئے یہاں لفظ سواء نہیں فرمایا۔ اس کا مضمون ان آیات کے مطابق ہو گیا جن میں آسمان و زمین کی پیدائش چھ دن میں ہوئی ہے) اور ہر آسمان میں اس کے مناسب اپنا حکم بھیج دیا (جو وہاں رہنے والی مخلوق کی اطاعت و عبادت سے متعلق تھا) اور ہم نے اس آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے زینت بخشی اور اس کی حفاظت کی (فعل منصوب کی وجہ سے مقدر ہے۔ یعنی شیاطین کے چوری چھپے سننے سے "شہاب ثاقب" کے ذریعہ حفاظت کی) یہ تجویز ہے (اپنے ملک میں) زبردست (اپنی مخلوق سے) پورے واقف کی۔ پھر اگر اعراض کریں (کفار مکہ ان بیان کے بعد بھی ایمان لانے سے) تو آپ فرما دیجئے میں تم کو ایسی آفت سے ڈراتا ہوں (خوف دلاتا) ہوں۔ جیسی عاد و ثمود پر آفت آئی تھی (ایسا عذاب جو تمہیں بھی ان کی طرح ہلاک کر ڈالے) جبکہ ان کے پاس پہلے بھی اور بعد میں رسول آئے (یعنی سامنے سے بھی اور پیچھے سے بھی پیغمبر آئے۔ مگر لوگوں نے کفر کیا۔ جیسا کہ آگے ہے اور ہلاک کرنا صرف اسی زمانے میں ہوا ہے) کہ اللہ کے سوا کسی اور کی مت پوجو۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہمارے پروردگار کو منظور ہوتا تو فرشتوں کو بھیجتا۔ سو ہم اس سے بھی منکر ہیں جس کو دے کر (تمہارے خیال کے مطابق) تم بھیجے گئے ہو۔ پھر عاد کے لوگ تھے وہ دنیا میں ناحق تکبر کرنے لگے اور (جب انہیں عذاب سے ڈرایا گیا تو) کہنے لگے ہم سے زیادہ طاقت میں کون ہے؟ (یعنی کوئی نہیں۔ چنانچہ ایک ایک آدمی پہاڑ کی چٹان اکھاڑ کر جہاں چاہتا رکھ دیتا تھا) کیا ان کو یہ نظر نہ آیا کہ جس نے ان کو پیدا کیا وہ ان سے قوت میں زیادہ ہے اور یہ لوگ ہماری آیتوں (معجزات) کا انکار کرتے رہے تو ہم نے ان پر ایک تیز و تند ہوا بھیج (سخت برفانی ہوا جس میں گرج تو تھی مگر بارش نہیں تھی) نحوس دنوں میں (نحسات کسر حا اور سکون حا کے ساتھ ہے۔ وہ دن ان کے لئے منحوس تھے) تاکہ ہم ان کو مزہ چکھا دیں رسوائی (ذلت) کے عذاب کا اس دنیا ہی میں اور آخرت کا عذاب اور بھی رسوا کن (سخت ترین) عذاب ہوگا اور ان کی مدد نہیں ہوگی (ان سے عذاب دفع کر کے) اور قوم ثمود کو ہم نے

رستہ بتلایا (ہدایت کی راہ ان کو سجھا دی) مگر انہوں نے پسند کیا۔ گمراہی کو (کفر کو ترجیح دے لی) ہدایت کے مقابلہ میں پس ان کو عذاب سراپا ذلت (اہانت) کی آفت نے آ دبایا۔ ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے اور ہم نے (ان میں سے) ان لوگوں کو نجات دے دی جو ایمان لائے اور ڈرتے رہے (اللہ سے)۔

تحقیق وترکیب: سورۂ فصلت۔ کتاب فصلت أياته کی وجہ سے اس سورت کا نام سورۂ فصلت ہے اور آیت سجدہ کی وجہ سے "سورۂ حم سجدہ" بھی نام ہے۔ تسمیته الکل باسم الجزء کی طریقہ پر اگرچہ تمام سورتوں کے نام توقیفی ہیں۔

تنزیل مصدر بمعنی مفعول نکرہ موصوفہ مبتداء ہے اسی طرح کتاب خبر بھی موصوف ہے۔

قرانا عربیا اسم جامد موصوف صفت مل کر کتاب سے حال ہے۔

بشيرا و نذيرا قرآن کی دونوں صفتیں ہیں اور یہ حال ہیں کتاب سے یا آیات اور یا قرانا کی ضمیر منوی سے۔ زید بن علی مرفوع پڑھتے ہیں۔ کتاب کی صفت یا مبتداء مضمر کی خبر ہونے کی وجہ سے ای هو بشير.

فاعرض. اس کا عطف فصلت پر ہے اور قالوا کا خود اس پر عطف ہے۔

من بيننا. من ابتدائے غایۃ کے لئے ہے۔ حاصل یہ ہے کہ درمیانی پردہ دونوں کے لئے مانع ہے۔ ایک کو دوسرے کی بات معلوم ہونے سے۔

انما انا بشر یہ حجاب کا جواب ہے کہ جب دونوں میں بشریت اور جنسیت ہے۔ پھر حجاب کا بہانہ کیسا؟ پھر میرا پیغام اور دعوت بھی توحید الٰہی کی فطری ہے۔ غیر مانوس اور غیر معقول نہیں ہے بلکہ عقلی نقلی دلائل کا انبار جمع ہے۔ ہاں البتہ پیغمبر کے فرشتہ یا جن ہونے کی صورت میں کسی قدر تمہارا عذر روزنی ہوتا۔

واستغفروه معلوم ہوا کہ استقامت کے لئے استغفار ضرورت ہے۔ ورنہ گناہ سے ایسی ناگواری ہونی چاہئے جیسے آگ میں گھسنے سے۔

لايؤتون الزكوة میں زکوٰۃ کی تحقیق اور پھر اس کے ساتھ کفر آخرت کو ملانا اس لئے ہے کہ مال اور جان دونوں برابر ہیں جو اللہ کی راہ میں مال لٹائے گا وہ گویا دین میں مضبوط ہوگا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو جان کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ یعنی کلمہ گو نہیں ہیں کہ اپنے نفوس کو توحید سے پاک کرلیں۔ رہا یہ شبہ کہ زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی ہے اور یہ آیت مکی ہے۔ کہا جائے گا کہ زکوٰۃ سے مراد بمعنی انفاق فی سبیل اللہ اور خیرات کے ہیں۔

قل ائنکم اس لفظ میں قرأت سبعہ میں سے چار ہیں۔ جن میں یہاں دو کو ذکر کیا گیا ہے۔ ترک الف والی دو قرأتوں کو ذکر نہیں کیا۔

يومين یعنی اتنی مقدار اور مدت میں ورنہ اس وقت دن رات کہاں تھے اور مقصود کاموں کو بتدریج کرنے کی تعلیم دینا ہے ورنہ قدرت تو دفعتاً پیدا کرنے کی بھی ہے۔ ابن جریر اور حاکمؒ نے مرفوع روایت تخریج کی ہے کہ یہود نے آنحضرت ﷺ سے زمین کی تخلیق کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے اتوار پیر کا روز بتلایا۔

العلمين اسم جنس ہونے کے باوجود انواع کی وجہ سے جمع لائی گئی اور جمع صحیح اس لئے لائی گئی کہ عاقل افراد کی رعایت کرنی ہے۔

وجعل مستانفہ کا مطلب معطوف ہے۔ ای خلقها وجعل الخ اور اجنبی سے مراد تجعلون ہے۔ کیونکہ اس کا عطف تکفرون پر ہے۔

من فوقها یعنی اگر پہاڑ زمین کے نیچے پیدا کئے جاتے تو یہ وہم ہوتا کہ زمین ٹکی ہوئی ہے۔ لیکن اوپر پیدا کرکے بتلا دیا کہ جس نے زمین کو باوجود ثقل طبعی کے اپنی قدرت سے تھام رکھا ہے، پہاڑوں کے اوپر ہونے کے بعد بوجھ اگرچہ اور بڑھ گیا مگر اس سارے ثقل کو اسی ایک نے تھام رکھا ہے۔

اربعة ايام. یعنی پہلے دو اور یہ ملا کر دو دن یہ کل چار دن ہوگئے۔ جیسے یوں کہا جائے۔ سرت من البصرة الى بغداد فى عشرة والكوفة فى خمس عشرة اى فى تتمة خمس عشر. یہ توجیہ ضروری ہے۔ ورنہ کل ایام تخلیق آٹھ ہو جائیں گے جو قرآن وحدیث

کے خلاف ہے۔حدیث میں آتا ہے کہ منگل کو پہاڑ اور بدھ کو سامان غذا پیدا کیا گیا۔

للسائلین. یہ متعلق ہے سواء کے۔لیکن بقول زمخشری اس کا متعلق محذوف ہے۔ای **هذا الحصر للسائلین**.

ثم استوٰی ان آیت سے زمین کی پیدائش پہلے اور آسمان کی بعد میں معلوم ہورہی ہے۔لیکن **والارض بعد ذٰلك** سے اس کے برعکس معلوم ہوتا ہے۔ابن عباسؓ، زمخشری اور اکثر مفسرینؒ کی رائے تو یہی ہے جو مفسرؒ نے اختیار کی ہے کہ زمین کی تخلیق تو مقدم ہے مگر (حویتی اس کا پھیلانا آسمان کی تخلیق کے بعد ہوا ہے۔رہا یہ کہ اس آیت کی رو سے آسمانوں کا وجود، پہاڑوں اور سامان رزق کے بھی بعد ہوا ہے اور یہ دونوں زمین کے بعد ہیں۔پس آسمان زمین سے مؤخر ضرور ہوا۔علی ہذا آیت بقرہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ زمین اور زمینیات آسمان سے پہلے ہیں اور ظاہر ہے کہ زمین کی پیداوار زمین بچھنے کے بعد ہی ہوسکتی ہے۔پھر پہاڑ اور پیداوار آسمان سے پہلے اور بعد دونوں باتیں کیسے ہوسکتی ہیں؟

اس شبہ سے گلوخلاصی کی صورت یہ ہے کہ زمین کی طرح پہاڑوں اور پیداوار میں بھی دو درجے ماننے پڑیں گے ایک تو ان کا مادہ اور اصول جو اس آیت میں مراد ہے۔وہ آسمان کی تخلیق سے پہلے ہے۔پھر آسمانوں کی پیدائش پھر زمین کا پھیلانا پھر پیداوار کا برآمد ہونا ہوا ہوگا۔

اور بعض نے خلق کے معنی تقدیر کے لئے ہیں اور بعدیت سے بعدیت رتبی مراد لی ہے اور بعض نے **دحاها** کو مستانفہ مانا ہے اور بعدیت کی بعدیت زمانی مراد لی ہے۔لیکن یہ سب تکلفات اسی لئے کرنا پڑے کہ حدیث مرفوع اور اکثر سلف سے زمین کا پہلے پیدا ہونا معلوم ہوتا ہے۔لیکن مقاتل، قتادہ اور سدیؒ سے آسمانوں کا زمین سے پہلے پیدا ہونا منقول ہے اور **ثم استوی** کو بیضاویؒ نے اس رائے پر تراخی رتبی پر محمول کیا ہے۔

ائتیا طوعاً. یہ تکوینی حکم ہے اور خطاب معہود ذہنی کو ہے جو علم الٰہی میں موجود ہے۔یا کہا جائے کہ یہ دونوں کو مجموعی خطاب زمین کے دعوے کے بعد ہوگا۔ورنہ آسمان، زمین سے دور دز بعد موجود ہوا اور **طوعاً** اور **کرهاً** محض تعبیر ہے امتثال حکم سے جیسے کوئی حاکم ماتحت سے کہے **تفعلن هذا شئت او ابیت بالتفعلته طوعاً او کرهاً** ورنہ امتناع تاثیر قدرت ظاہر ہے کہ محال ہے۔

فقضٰهن مفسر نے **صیرها** سے اشارہ کیا ہے کہ **سبع** **قضاهن** کا مفعول ثانی ہے۔معنی صیر کی تضمین کے بعد اور قضٰہن کے مفعول سے حال بھی ہوسکتا ہے۔

فی یومین. حدیث مسلم میں ہے کہ آدم کی تخلیق جمعہ کی عصر کے بعد ہوئی۔

واوحٰی. یہ وحی آسمانی فرشتوں کو ہوئی۔

امرها. میں اضافت ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے۔

حفظاً. مفعول مطلق فعل کا مقدر ہے۔

لانزل ملائکة. رسل اور بشر میں منافات سمجھتے تھے۔اس لئے ان جاہلانہ خیالات کا اظہار کیا۔

فاما عاد. اجمالی ذکر کے بعد یہاں سے تفصیلات شروع ہیں۔

من اشد. قوم عاد وثمود نہایت لمبے تڑنگے ڈیل ڈول کے تھے۔

نحسات. اکثر قراء کے نزدیک کسرہ حا کے ساتھ اور ابو عمروؒ و نافعؒ وابن کثیرؒ کے نزدیک سکون حا کی قرأت ہے تخفیف کی وجہ سے یا صعب کے وزن پر صفت ہونے کی وجہ سے۔

فهدیناهم. ہدایت کے معنی یہاں ادعوۃ طریق اور رہنمائی ہیں۔شیخ ابو منصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں کہ ہدایت کی نسبت خالق کی طرف ہو تو خلق اہتداء کے معنی ہوتے ہیں اور مخلوق کی طرف سے ہو تو بمعنی بیان ہے۔

ونجینا حضرت صالحؑ مع چار ہزار مسلمانوں کے عذاب کی زد سے محفوظ رہے۔

ربط آیات: اس سورت کے مضامین کا خلاصہ توحید و رسالت اور قیامت کا اثبات ہے۔ درمیان میں اور بھی مضامین ہیں لیکن توحید کا مضمون جس سے تمہید کے بعد سورت شروع ہو رہی ہے پچھلی سورت اسی مضمون پر ختم ہوئی تھی۔ پھر تم سورت کے قریب وما صاحبکم میں یہی مضمون ہے۔ دوسرا مضمون رسالت ہے جو اگلی شروع میں توحید سے بھی پہلے بطور تمہید ہے۔

پھر وقال الذین کفروا لا تسمعوا میں بھی یہی بیان ہے اور ساتھ ہی آیت صبر کی ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ پھر آیت ان الذین کفروا بالذکر میں تیسرا مضمون انکار توحید و رسالت پر سرزنش ہے۔ وویل للمشرکین اور فان اعرضوا اور ان یسجدون میں اور چند ان میں عذاب قیامت کا ذکر ہے اس مناسبت سے آیت ان الذی احیاھا لمحی الموتی اور الیہ یرد علم الساعۃ اور الا انھم فی مریۃ میں قیامت کی تحقیق ہے اور جو مقصد اور تمہید ہے اہل ایمان کے لئے کی تسلی پر مشتمل ہیں۔

روایات: مرفوع روایت ہے کہ

۱۔ ان الیھود اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسألت عن خلق السموات والارض فقال خلق اللہ الارض یوم الاحد والاثنین الخ وخلق الجبال وما فیھن من المنافع یوم الثلثاء وخلق یوم الاربعاء الشجر والماء وخلق یوم الخمیس السماء وخلق یوم الجمعۃ النجوم والشمس والملائکۃ وعن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم خلق یوم الثلثاء دواب البحر ودواب الارض ۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں ایک دوسرے کے ساتھ مذکور ہیں۔ اس سلسلہ میں جو روایات مختلف آئی ہیں ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ بعض کو اثر پر اور بعض کو اصل پر محمول کرتے ہوئے کہا جائے کہ ان میں تحقیق اس طرح ہوئی کہ کچھ حصہ ایک دن ہو گیا اور کچھ حصہ دوسرے دن پورا ہو گیا۔

۲۔ روی ان قریشا بعثوا عتبۃ بن ربیعۃ وکان احسنھم حدیثا لیکلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویبطل امرہ فاتاہ وھو فی الحطیم فلم یسأل شیئا الا اجابہ ثم قرأ علیہ السلام السورۃ الی قولہ مثل صاعقۃ عاد وثمود فناشدہ بالرحم وامسک علی فیہ ووثب مخافۃ ان یصیب علیھم العذاب فاخبرھم بہ وقال لقد عرفت السحر والشعر فواللہ ماھو بساحر ولا بشاعر فقالوا لقد صبأت اما فھمت منہ کلمۃ فقال لا ولم اھتد الی جوابہ فقال عثمان بن مظعون ذلک واللہ لتعلم انہ من رب العلمین ثم بین ما ذکر من صاعقۃ عاد وثمود

۳۔ قال ابن عباس ان اطولھم کان مائۃ ذراع واقصرھم کان ستین ذراعا

تشریح: قرآن پاک کی آیات کا مفصل ہونا لفظی عبارت کے لحاظ سے تو ظاہر ہے اور معنوی لحاظ سے یہ ہے کہ سینکڑوں قسم کے علوم و مضامین آیات میں الگ الگ بیان کئے گئے ہیں۔ پھر قرآن کے اول مخاطب چونکہ عرب تھے اور ان میں بھی شرفائے قریش سے جو ہیں جو افصح العرب سمجھے جاتے تھے اس لئے قرآن کریم نہایت اعلیٰ درجہ کی فصیح و بلیغ عربی زبان میں نازل فرمایا گیا تاکہ وہ بہت سمجھیں اور پھر پوری طرح دوسروں کو سمجھا سکیں۔ تاہم یہ کام بھی سمجھداروں ہی کا ہے۔ جاہل نادان کیا قدر و منزلت کر سکتا ہے۔

اوندھی سمجھ کے کرشمے: یہی وجہ ہے کہ ان نسخہ کیمیا کی طرف ایسے نادان لوگ کبھی دھیان بھی نہیں دیتے۔ سننا تو در بعد کا اور پھر سننا بھی دل کے اور قبولیت کے کانوں سے وہ تو بہت دور کی بات ہے اور صرف یہی نہیں کہ نصیحت پر کان نہیں دھرتے بلکہ کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر تو غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ اس لئے تمہاری کوئی بات وہاں تک نہیں پہنچتی اور ہمارے کان اونچے سنتے ہیں،

تمہاری باتیں پلے نہیں پڑتیں۔ ہمارے تمہارے درمیان پردہ پڑا ہوا ہے۔ اس لئے باہم مناسبت نہیں۔ بلکہ دشمنی کی جو دیواریں کھڑی ہوئی ہیں اور عداوت کی جو خلیج حائل ہے جب تک وہ نہیں ہٹے گی ایک دوسرے تک نہیں پہنچ سکیں گے اور یہ ناممکن ہے۔ پھر فضول کیوں اپنا سر کھپاتے ہو۔ ہر ایک کو اپنے اپنے کام میں لگنا چاہئے۔ ہمیں اپنے حال پر چھوڑ دو۔ اس کی امید نہ رکھو کہ ہم کبھی تمہاری نصیحت پر کان دھرنے والے ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے کفار کے یہ اقوال مذمت کے طور پر نقل کئے ہیں۔ یعنی ان کے یہ بہانے جھوٹے ہیں۔ حالانکہ دوسری آیات میں خود ان باتوں کو تسلیم کیا گیا ہے۔ جیسے سورۃ انعام، بنی اسرائیل، کہف میں فرمایا گیا ہے۔ وجعلنا علی قلوبهم اكنة وفى اذانهم وقرا۔ پس ان دونوں باتوں میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟

اس کے دو جواب ہیں۔ اول یہ کہ ان الفاظ کے دو معنی ہیں۔ کفار کا منشا تو یہ تھا کہ ہم میں بالکل استعداد نہیں ہے اور قطعاً صلاحیت نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کا یہ کہنا غلط ہے۔ چنانچہ یہاں اسی کی تردید کی جارہی ہے اور حق تعالیٰ نے ان کے دلوں پر غلاف اور کانوں پر ڈاٹ لگنے کو جو فرمایا ہے اس سے مراد قوی استعداد کا انکار ہے اور یہ صحیح ہے۔ پس کفار کا بہانہ بازی کرنا غلط اور حق تعالیٰ کا فرمانا بجا اور درست۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ ان باتوں کے کہنے سے کفار کی غرض تو کفر پر جمے رہنے کا اظہار تھا اور یہ برا مقصد ہے۔ یہاں رد اسی معنی کا ہے اور حق تعالیٰ کے فرمانے کا مقصد ان سے ہدایت کی توفیق کا سلب کر لینا ہے جو نتیجہ ہے خود ان کے اعمال بد کا۔ غرضیکہ کفار کے قوال کی تردید بلحاظ غرض ہو رہی ہے۔

پیغمبر کا انسان ہونا بڑی نعمت ہے: قل انما انا بشر یہ جواب کفار کی باتوں کا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ کہنا غلط ہے کہ میرے تمہارے درمیان کوئی رشتہ اور واسطہ نہیں۔ انسانی ناطہ، وطنی ناطہ، قرابتی ناطہ سب کچھ موجود ہے۔ ہاں! اگر میں خدا ہوتا یا فرشتہ اور جن ہوتا تو بلاشبہ اس وقت تمہارا کہنا درست ہوتا۔ مگر اس الٹی منطق کو کیا کروں کہ قابل عمل بات کو تو رد کر دیا ہے اور ناقابل عمل صورت کو تجویز کر رہے ہیں۔ بالفرض اگر خدا ہوتا تو زبردستی تمہارے دلوں کو پھیر سکتا تھا اور اپنی بات منوا سکتا تھا۔ پھر منت خوشامد کاہے کو کرتا۔ فرشتہ یا جن اگر ہوتا تو تم کہتے کہ یہ ناجنس ہے، ہماری مشکلات کیا سمجھے گا؟ ہماری اصلاح کیسے کرے گا؟ مگر اب کچھ نہیں۔ میں تم ہی میں کا ایک فرد ہوں۔ پوری طرح دیکھا بھالا ہوں۔ باہمی مناسبت موجود ہے۔ البتہ اتنا امتیاز رکھتا ہوں کہ خدا کی وحی کا مرکز ہوں۔ جسے خدا نے محض اپنی مہربانی سے اپنے آخری کلام کے لئے چن لیا ہے۔ کچھ بھی ہوجائے میں تو اس پیغام کو پہنچا کر رہوں گا۔ سب کا معبود برحق اللہ اکیلا ہے۔ اس کے سوا کسی کے لئے بھی بندگی سزاوار نہیں ہے۔ سب کے لئے ضروری ہے کہ ہر حال میں سیدھے اسی کی طرف رخ کرکے چلیں۔ ذرا ادھر ادھر قدم نہ ہٹائیں اور اپنی اگلی پچھلی خطائیں بخشوائیں۔ جو لوگ اللہ کا حق نہیں پہچانتے، عاجز مخلوق کو اس کا شریک گردانتے ہیں اور بندوں کی حق تلفی کرتے ہیں کہ اپنے روپے پیسے میں کسی بھی محتاج، مسکین اور فقیر کا حق نہیں سمجھتے اور چونکہ آخرت کو نہیں مانتے، اس لئے اپنے انجام سے قطعاً لاپرواہ اور بےفکر ہیں۔

دو شبہوں کا ازالہ: آیت لا یؤتون الزکوۃ میں دو شبہے ہیں۔ ایک یہ کہ کفار کو زکوۃ نہ دینے پر وعید کیسے کی جارہی ہے۔ جبکہ اعمال فرعیہ کے مکلف صرف مسلمان ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ سورت مکی ہے اور زکوۃ کا حکم مدینہ میں آیا ہے۔ پہلے شبہ کا جواب یہ ہے کہ اصل نفس زکوۃ کا خطاب تو صرف مسلمانوں کو ہے اور اس کے چھوڑنے پر عتاب بھی انہی کو ہوگا۔ یہاں یہ مراد نہیں بلکہ یہاں دوسری حیثیت سے گفتگو ہے۔ وہ یہ کہ زکوۃ وغیرہ احکام علامات ایمان ہیں۔ پس ان کا نہ ہونا ایمان نہ ہونے کی علامت ہوگی۔

اس لئے کفار پر زکوۃ نہ دینے پر ملامت کے یہ معنی ہوں گے کہ ایمان نہ لانے پر مذمت ہے۔ جس کی علامت زکوۃ نہ دینا ہے۔ پس اصلی مذمت ایمان نہ لانے پر ہوئی اور فرعی ملامت زکوۃ وغیرہ نہ ادا کرنے پر اور زکوۃ کی تخصیص اس لئے ہے کہ مال کی محبت بھی ایمان سے رکاوٹ کا سب سے بڑا سبب ہے۔

دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ زکوۃ کے دو معنی ہیں۔ ایک خاص شرعی اصطلاحی معنی۔ اس معنی میں زکوۃ یقیناً مدینہ میں واجب ہوئی تھی۔ لیکن یہاں وہ مراد نہیں کہ اشکال ہو۔ بلکہ دوسرے عام معنی مراد ہیں۔ مطلقاً صدقہ خیرات کرنا اور وہ حکم مکہ میں بھی تھا اور لفظ زکوۃ اس معنی میں پہلے سے ہی مشہور تھا۔

اور بعض سلف نے آیت **قد افلح من تزکّٰی** اور **قد افلح من زکّٰھا** اور **حنانا من لدنا و زکوٰۃ** پر نظر کرتے ہوئے زکوۃ سے مراد کلمہ طیبہ لیا ہے اور بعض نے ستھرائی اور پاکیزگی کے معنی لئے ہیں۔ یعنی یہ لوگ کلمہ، نماز، روزہ، زکوۃ وغیرہ سے خود کو پاک نہیں کرتے اور غلط نظریات و افکار اور گندے اخلاق سے اپنا دامن نہیں بچاتے۔ اس صورت میں یہ دونوں اشکال پیدا ہی نہیں ہوتے کہ جواب دہی کی نوبت آئے۔ ہاں جو لوگ کفار کے برخلاف ایماندار، نیکوکار ہیں، ان کے لئے اجر و ثواب بھی بے شمار ہے۔

اللہ کی کمال صناعی: ... مگر افسوس تو ان نابکاروں پر ہے جو اتنے بڑے قادر و محسن کے ساتھ کفران کرتے ہیں کہ جس نے کل چھ دن کی مقدار وقت میں یہ سارا کارخانہ بنا کر کھڑا کر دیا۔ کیا ٹھکانہ ہے اس کی صناعی اور کاریگری کا کہ مادہ نے اپنی وحدت سے جب قدم باہر دھرا تو حکم الٰہی سے کثرت نے کیا کیا رنگ اور تغیرات اختیار کئے اور اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ یہ قدم کہاں اور کب رکے گا۔ کائنات کے لئے اس تکوینی حکم کے بعد رضا اور غیر رضا کا تعلق ایسا ہی ہے جیسے بیماری اور موت کو غیر اختیاری ہونے کے باوجود کوئی اس پر راضی ہوتا ہے اور کوئی ناراض۔ اسی طرح پورے عالم میں یہ ان گنت تغیرات غیر اختیاری ہیں۔ صرف ایک کا اختیار چلتا ہے۔ ہر چیز کے خصوصی شعور و ادراک کی رو سے وہ چاہے خوش ہو یا ناخوش اسے ماننا ہی پڑتا ہے۔ یہاں شرعی اختیار کی بحث نہیں ہے کہ تکلف کیا جائے۔ نیز دن سے مراد بھی متعارف دن نہیں بلکہ محدود وقت مراد ہے۔ یا **ان یوما عند ربک کالف سنة مما تعدون** کی رو سے دن مراد ہو۔

آسمان و زمین کی پیدائش: ... **فقضھن سبع سموات**. آسمان کا مادہ جو ایک دھوئیں کی ہیئت میں تھا، سات حصوں پر پھیلا دیا اور پھر آسمان زمین کے ملاپ سے دنیا بسانے کا ارادہ کیا۔ اب یہ دونوں اپنی طبیعت سے میں یا زور سے میں۔ بہر حال دونوں کو ملا کر ایک نظام بنایا۔ چنانچہ اپنی طبیعت کی بناء پر آسمان سے سورج کی شعاع کی۔ گرمی پڑی، ہوائیں اٹھیں، ان سے گرد اور بھاپ اوپر اٹھی پھر پانی ہو کر مینہ برسا، جس کی بدولت زمین سے طرح طرح کی چیزیں پیدا ہوئیں اور زمین میں پیداواری صلاحیت رکھی۔

کائنات کو چھ روز میں پیدا کرنے کی تصریح تو قرآن و حدیث میں ہے۔ لیکن تعیین کے ساتھ کہ فلاں دن فلاں چیز پیدا کی۔ اس سلسلہ میں مرفوع روایات اگرچہ ہیں، لیکن کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

مسلم کی حدیث ابوہریرہؓ کے متعلق حافظ ابن کثیر **وھو من غرائب الصحیح** کہتے ہیں۔ البتہ اس آیت **ثم استوی الی السماء فسوّاھن سبع سموات** سے بظاہر جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساتوں آسمانوں کی پیدائش زمین کی تخلیق کے بعد ہوئی اور **والارض بعد ذٰلک** سے اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

ابو حیانؒ کی رائے اس بات میں ہے کہ لفظ ثم اور بعد ضروری نہیں کہ تراخی زمانی کے لئے ہوں، بلکہ ممکن ہے کہ اس سے مراد تراخی

رتبی یا تراخی فی الاخبار ہو۔ جیسے ثم کان من الذین امنوا اور عتل بعد ذلک زنیم میں یہ دونوں لفظ تراخی رتبی کے لئے ہے۔

زمین میں جو کچھ عجائب وغرائب عقل ونظر کو تھکا دینے والے ہیں، ان کو دیکھتے ہوئے کیا کوئی باور کرسکتا ہے کہ اتنے بڑے آسمان یوں ہی خالی پڑے ہوں گے۔ چاند اور سورج، ستارے کتنے عظیم کرے ہیں، ان میں کیا کچھ مخلوق اور عجائبات قدرت ہوں گے۔ دیکھنے میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سارے ستارے اسی آسمان میں جڑے ہوئے ہیں۔ رات کا منظر ان جھلملاتے چراغوں سے کیسا پر رونق اور خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ پھر آسمانوں کا نظام کتنا مضبوط ہے کہ کسی کو بھی دسترس وہاں تک نہیں۔

صرف فضاؤں میں انسان تیر رہا ہے یا فضائی کروں پر چھلانگ مار رہا ہے۔ فرشتوں کے زبردست پہرے لگے ہوئے ہیں۔ کوئی بھی طاقت اب تک اس نظام میں رخنہ اندازی نہیں کرسکی اور نہ جب تک خدا چاہے گا کرسکتی ہے۔

چار نکات علمی: ...... ۱۔ فی اربعة ایام کے سلسلہ میں مفسر علامؒ نے یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ رواسی اور اخوات کا ظرف نہیں ہے بلکہ ماقبل کو شامل کرکے ظرف ہے۔ جیسے محاورات میں کہا جاتا ہے کہ دو سال میں تو اس لڑکے کا دودھ چھڑایا اور چار سال میں پڑھنے بٹھلایا۔ ظاہر ہے کہ یہ چار سال پہلے دو سال سمیت مدت ہے یہ نہیں کہ دو سال علیحدہ اور چار سال الگ، ورنہ مجموعہ چھ سال ہوجائیں گے۔ اسی طرح یہاں اگر مجموعہ مراد نہ لیا تو چھ دن کی بجائے آٹھ دن ہوجائیں گے۔

۲۔ سواء کا نکتہ مفسر علامؒ نے یہ بتلایا کہ مکمل چار روز زمین اور زمینیات میں لگے۔ لیکن آسمانوں کی پیدائش پورے دو دن میں نہیں ہوئی بلکہ دو دن کی مقدار سے کم وقت میں ہوئی۔ آخری ساعت میں آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی برخلاف پہلے چار دن کے وہ مکمل تھے۔ اس لئے یہ نہیں کہا جائے گا کہ شاید کسر کو شمار کرکے مجازاً چار کہہ دیا ہو لیکن اس پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ انسان کی تخلیق تو آسمان وزمین کے ہزاروں لاکھوں سال بعد ہوئی ہے۔ پھر کیسے کہا گیا کہ جمعہ کی آخری ساعت میں آدم پیدا ہوئے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ انسان بھی اسی ہفتہ کے آخر میں پیدا ہوا، حالانکہ پہلے جنات زمین پر آباد ہوئے۔ انہوں نے جب کفر وطغیان کیا تو پھر انسان کی تخلیق ہوئی اور اس کو خلافت ملی۔

تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہؒ نے اس کا حل یہ فرمایا ہے کہ آدمؑ کی تخلیق جمعہ کی آخری ساعت میں ہوئی۔ مگر اسی ہفتہ کا جمعہ مراد نہیں بلکہ ہزاروں لاکھوں برسوں بعد جب تخلیق آدم قدرت کو منظور ہوئی ہوگی تو جمعہ کی آخری ساعت تھی۔

۳۔ للسائلین کا تعلق صرف ارضیات سے ہے سموات سے نہیں۔ کیونکہ عام مخاطبین کے ذہن میں آسمانوں کے مقابلہ میں زمین اور اس کی مخلوق کم ہے۔ مدت تخلیق زیادہ یعنی چار دن صرف ہوئے اور آسمان اور صرف کی مخلوق کے بننے میں باوجود بڑے ہونے کے مدت کم لگی۔ یعنی دو روز بلکہ دو سے بھی کم۔ اس لئے عام فہم ہونے کی وجہ سے سوال کی تخصیص پہلے کے ساتھ کردی گئی سہل الفہم ہونے کی وجہ سے۔

۴۔ ائتیا طوعا کا تکوینی ارشاد ایسے وقت کیوں ہوا جب کہ زمین تو برابر ہوچکی تھی اور آسمان ابھی برابر نہیں ہوا تھا؟ جواب یہ ہے کہ زمین کی ہمواری کے بعد بھی چونکہ اس میں بے شمار تغیرات ہونے والے تھے، برخلاف آسمان کہ ان میں جو کچھ تغیر ہونا تھا وہ ہوچکا تھا۔ پس زمین کی حالت تغیر کے بعد بھی گویا ایسی ہی قابل تغیر رہی۔ جیسی کہ آسمان کی حالت تغیر سے پہلے تھی۔ اس اعتبار سے گویا دونوں مساوی ہوگئے۔ اس لئے دونوں کو ایک ساتھ خطاب ہوا۔

کج فہم اور کج طبع لوگوں کا انجام: فان اعرضوا. کفار مکہ اگر ایسی عظیم الشان آیات سن کر بھی نصیحت قبول نہیں کرتے اور توحید واسلام کا راستہ اختیار کرنے سے اعراض کر رہے ہیں تو آپ فرما دیجئے کہ تمہارا انجام بھی عاد وثمود کی طرح ہوسکتا ہے۔ تمہیں ڈرتے رہنا چاہئے۔ اگلے پچھلے نبیوں سے مراد یا تو عام انبیاءؑ ہیں اور یا خصوصیت سے ہود وصالح علیہم السلام مراد ہیں اور یا اگلے

پیچھے سے مراد ماضی و مستقبل کے حالات و احکام ہیں جو انبیاء کرام بتلاتے رہے ہیں۔ مگر مخالفین سے مشورہ سب میں وہ وہی فضول باتیں بنا دیں۔ ان کی عام ذہنیت ہمیشہ یہی رہی کہ خدا کا رسول بشر کیسے ہو سکتا ہے۔ آسمانی فرشتہ ہی اس کام کے لئے موزوں ہو سکتا ہے۔ پس جو لوگ اپنے کو پیغمبر بتلا کر خدا کی طرف سے کچھ باتیں ہم سے بیان کرتے ہیں، ہم کسی طرح ان کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

آگے فاما عاد قوم عاد کی بدکاری کا ذکر ہے کہ وہ لوگ بڑے قد آور اور نہایت ڈیل ڈول کے تھے۔ انہیں اپنی طاقت و قوت کا نشہ تھا۔ اس لئے ڈینگیں مارا کرتے تھے۔ بھلا اللہ تعالیٰ کو کبر کب گوارا ہوتا۔ یکی مار پڑی کہ یاد ہی کرتے ہوں گے۔ چنانچہ مسلسل ایک ہفتہ ہولناک ہوا میں چلیں، بڑے بڑے جھکڑ چلے، درخت، مویشی، مکان، انسان سب تباہی کی نذر ہو گئے۔ گویا ان کے حق میں وہ وقت بڑا منحوس ثابت ہوا۔ فی نفسہ زمان و مکان نہ سعد ہوتے ہیں نہ نحس۔ مگر اچھے برے کاموں کی نسبت ان کو متصف کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک ہی جگہ اور ایک ہی وقت ایک شخص کی نسبت سعد ہوتا ہے اور دوسرے کی نسبت نحس۔ "جہاں بجتے ہیں نقارے وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں"۔

بہرحال کسی جگہ یا وقت کو فی نفسہ منحوس سمجھنا غیر اسلامی خیال ہے اور توہم پرست قوموں کا شعار ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے لاطیرۃ ولا ھامہ البتہ تقویت خیال کے لئے ان کو اچھا سمجھنے اور نیک فال کی گنجائش ہے۔

ایک قوم کی مصیبت دوسروں کے لئے عبرت ہے۔ قوم عاد کی تباہی تو دنیا کی رسواکن سزا تھی۔ لیکن آخرت کی بربادی اس کا تو کیا ٹھکانہ ہے۔ نہ کسی کو ٹالے ٹلے گی اور نہ کسی کی مدد پہنچ سکے گی۔ ہر شخص کو اپنی ہی پڑی ہوگی۔ قوم ثمود کی کہانی بھی اسی طرح کی رہی۔ انہیں راہ نجات دکھلائی گئی۔ مگر انہوں نے تباہی کی راہ پسند کی۔ اللہ نے بھی ان کو اپنی اختیار کردہ روش پر رہنے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زلزلہ آیا اور کان پھاڑ دینے والے دھماکوں اور گرج چمک سے ان کے جگر شق ہو گئے اور سب ڈھیر ہو گئے۔ البتہ اللہ کے دوست اس صدمہ سے بالکل محفوظ رہے اور ان کا بال تک بیکا نہ ہوا۔ اہل عرب چونکہ شام و یمن کا سفر کرتے رہتے تھے اور قوم عاد و ثمود کی بستیاں سر راہ ہی پڑتی ہیں۔ اس لئے خصوصیت سے ان کے واقعات سے عبرت دلائی گئی۔

اور رسل جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا۔ حالانکہ مشہور صرف ہود و صالح علیہم السلام کی تشریف آوری رہی۔ لیکن ممکن ہے کہ اور انبیاء بھی ذیلی طور پر تشریف لائے ہوں۔ یا تعظیماً صرف دو پر جمع کا لفظ بول دیا گیا۔ یا ان دونوں نے بڑے عظیم کام انجام دیئے۔ اس لئے وہ ایک جماعت کے قائم مقام ہو گئے۔ یا چونکہ تمام انبیاء کی دعوت مشترک رہی۔ اس لئے یہ دونوں پیغمبر پچھلے تمام پیغمبروں کے علمبردار تھے۔ اس معنی سے کسی ایک نبی کی تصدیق و تکذیب سب کی تصدیق و تکذیب کے مترادف ہوتی ہے۔

لطائف سلوک: ان الذین امنوا یہ آیت چونکہ بوڑھے اور ان بیماروں کے سلسلے میں نازل ہوئی جو بڑھاپے یا بیماری کے باعث کمال طاعت سے عاجز رہ جاتے ہیں۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ سالکین اگر کسی عذر کی وجہ سے پورا عمل نہ کر سکیں تو مشائخ ان کو تسلی دے سکتے ہیں۔

قالتا اتینا طائعین میں جمادات کے لئے بھی ادراک و شعور کا ثبوت ہو رہا ہے۔ کیونکہ رغبت بغیر ادراک نہیں ہو سکتی۔

فارسلنا علیھم ریحاً صرصراً سے عرفی سعد و نحس کا غلط ہونا معلوم ہوا۔ ورنہ کوئی دن بھی سعد نہیں رہے گا۔ کیونکہ پورا ہفتہ ان پر عذاب رہا ہے، بلکہ ان کے حق میں منحوس ہونا مراد ہے اور چونکہ عذاب مستمر رہا اس لئے اس نحس کو بھی ان کے حق میں مستمر کہا گیا ہے۔

و اذكر **يوم يحشر** بالياء والنون المفتوحة وضم الشين وفتح الهمزة **اعدآء الله الى النار فهم يوزعون** ﴿۱۹﴾ يساقون **حتى اذا ما** زائدة **جآءوها شهد عليهم سمعهم وابصارهم وجلودهم بما كانوا يعملون** ﴿۲۰﴾ **وقالوا لجلودهم لم شهدتم علينا قالوا انطقنا الله الذى انطق كل شىء** اى اراد نطقه **وهو خلقكم اول مرة واليه ترجعون** ﴿۲۱﴾ قيل هو من كلام الجلود وقيل هو من كلام الله تعالى كالذى بعده وموقعه قريب مما قبله بان القادر على انشائكم ابتداء واعادتكم بعد الموت احياء قادر على انطاق جلودكم واعضائكم **وما كنتم تستترون** عند ارتكابكم الفواحش من **ان يشهد عليكم سمعكم ولا ابصاركم ولا جلودكم** لانكم لم توقنوا بالبعث **ولكن ظننتم** عند استتاركم **ان الله لا يعلم كثيرا مما تعملون** ﴿۲۲﴾ **وذلكم** مبتدأ **ظنكم** بدل منه **الذى ظننتم بربكم** نعت والخبر **اردكم** اى اهلككم **فاصبحتم من الخسرين** ﴿۲۳﴾ **فان يصبروا** على العذاب **فالنار مثوى** مأوى **لهم وان يستعتبوا** يطلبوا العتبى اى الرضى **فما هم من المعتبين** ﴿۲۴﴾ المرضيين **وقيضنا** سببنا **لهم قرناء** من الشياطين **فزينوا لهم ما بين ايديهم** من امر الدنيا واتباع الشهوات **وما خلفهم** من امر الآخرة بقولهم لا بعث ولا حساب **وحق عليهم القول** بالعذاب وهو لاملئن جهنم الآية **فى** جملة **امم قد خلت** هلكت **من قبلهم من الجن والانس انهم كانوا خسرين** ﴿۲۵﴾ **وقال الذين كفروا** عند قراءة النبى صلى الله عليه وسلم **لا تسمعوا لهذا القرآن والغوا فيه** ائتوا باللغط ونحوه وصيحوا فى زمن قراءته **لعلكم تغلبون** ﴿۲۶﴾ فيسكت عن القراءة قال الله تعالى فيهم **فلنذيقن الذين كفروا عذابا شديدا ولنجزينهم اسوا الذى كانوا يعملون** ﴿۲۷﴾ اى اقبح جزاء عملهم **ذلك** اى العذاب الشديد واسوأ الجزاء **جزآء اعدآء الله** بتحقيق الهمزة الثانية وابدالها واوا **النار** عطف بيان للجزاء المخبر به عن ذلك **لهم فيها دار الخلد** اى اقامة لا انتقال منها **جزآء** منصوب على المصدر بفعله المقدر **بما كانوا بايتنا** القرآن **يجحدون** ﴿۲۸﴾ **وقال الذين كفروا** فى النار **ربنآ ارنا الذين اضلنا من الجن والانس** اى ابليس وقابيل سنا الكفر والقتل **نجعلهما تحت اقدامنا** فى النار **ليكونا من الاسفلين** ﴿۲۹﴾ اى اشد عذابا منا **ان الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا** على التوحيد وغيره مما وجب عليهم **تتنزل عليهم الملئكة** عند الموت ان اى بان **لا تخافوا** من الموت وما بعده **ولا تحزنوا** على ما خلفتم من اهل

وولد فنحن نخلفكم فيه **وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ** ﴿۳۰﴾ **نَحْنُ اَوْلِيٰٓـؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** اي نحفظكم فيها **وَفِي الْاٰخِرَةِ** ج اي نكون معكم فيها حتى تدخلوا الجنة **وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ** ﴿۳۱﴾ ط تطلبون **نُزُلًا** رزقا مهيأ منصوب بجعل مقدرا **مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ** ع ﴿۳۲﴾ اي الله

ترجمہ:.......... اور (یاد کیجئے) اس دن کو جب جمع کرے (یحشر یا اور نون مفتوحہ اور ضمہ شین اور فتحہ ہمزہ کے ساتھ ہے) لائے جائیں گے خدا کے دشمن دوزخ کی طرف، پھر وہ کھینچے (کھینچ) جائیں گے۔ حتی کہ جب (ما زائدہ ہے) وہ اس کے نزدیک لائے جائیں گے تو ان کے کان اور آنکھیں اور بدن کی کھال ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گی اور وہ لوگ اپنے اعضاء سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی۔ وہ جواب دیں گے کہ ہم کو اس نے گویائی دی جس نے ہر چیز کو گویائی دی (گویائی کا ارادہ کیا) اور اس نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اور اسی کے پاس پھر لائے گئے ہو (بعض کی رائے ہے کہ یہ گفتگو اعضاء کی ہے اور بعض کے نزدیک یہ اللہ کا کلام ہے جیسا کہ اگلا کلام بھی اسی کا آرہا ہے اور پہلے کلام سے اس کا ربط یہ ہوگا کہ جو ذات تمہیں پہلی بار پیدا کرنے اور دوسرے بار جلانے پر قدرت رکھتی ہے وہی تمہاری کھالوں اور اعضاء کو بلوانے پر بھی قدرت رکھتی ہے) اور تم اس بات سے تو اپنے کو چھپا ہی نہیں سکتے تھے (گناہ کرتے وقت) کہ تمہارے کان اور آنکھیں اور کھالیں تمہارے خلاف گواہی دیں (کیونکہ تمہیں قیامت کا یقین نہیں تھا) لیکن تم اس گمان میں رہے (چھپتے وقت) کہ اللہ کو تمہارے بہت سے اعمال کی خبر بھی نہیں اور یہی (مبتداء ہے) تمہارا گمان ہے (مبتداء کا بدل ہے) جو تم نے اپنے پروردگار کے ساتھ کیا تھا۔ (یہ بدل کی صفت ہے اور خبر یہ ہے) اسی نے تم کو برباد (ہلاک) کیا۔ پھر خسارہ میں پڑ گئے۔ سو اگر یہ لوگ (عذاب پر) صبر کریں۔ تب بھی دوزخ ہی ان کا ٹھکانہ (مقام) ہے اور اگر وہ عذر کرنا چاہیں گے (معافی یعنی خوشنودی چاہیں گے) تب بھی قبول نہ ہوگا (ان سے رضامندی نہ ہوگی) اور ہم نے مقرر کر رکھے تھے (ذریعہ بنایا تھا) ان کے لئے کچھ ساتھ رہنے والے (شیاطین) سو انہوں نے ان کی نظر میں مستحسن بنا رکھے تھے ان کے اگلے اعمال (دنیا کے کام اور خواہشات کی پیروی) اور پچھلے احوال (آخرت کی باتیں، ان کا یہ کہنا کہ نہ قیامت ہوگی اور نہ حساب کتاب) اور ان کے حق میں بھی اللہ کی بات پوری ہو کر رہی (عذاب کے متعلق لاملان جھنم الخ کا ارشاد) ان لوگوں کے ساتھ جو ان سے پہلے ہو گزرے (ہلاک ہوگئے) یعنی جن وانس بے شک یہ سب خسارہ میں رہے اور کافر (آنحضرت ﷺ کی قرأت کے وقت) کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی مت اور اس کے بیچ میں غل مچا دیا کرو (شور کر دیا کرو اور پڑھنے کے وقت چیخا کرو) شاید تم ہی غالب رہو (اس طرح کہ آپ پڑھنے سے رک جائیں۔ ان کے جواب میں ارشاد خداوندی ہے) سو ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھا دیں گے اور ان کو ان کے برے کاموں کی سزا دیں گے (یعنی ان کے اعمال کے بدلہ سے بڑھ کر) یہی (یعنی سخت عذاب اور بدترین بدلہ) سزا ہے اللہ کے دشمنوں کی (دوسری ہمزہ کی تحقیق اور اس کو واؤ سے بدلنے کے ساتھ) یعنی دوزخ (یہ جزاء کا عطف بیان ہے اور خبر ہے **ذلک** کی) ان کو وہاں ہمیشہ رہنا ہوگا (یعنی وہاں سے نکلنے کی نوبت نہیں آئے گی) اس بات کے بدلہ میں (فعل مقدر کا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے) کہ وہ ہماری آیات (قرآن) کا انکار کرتے تھے اور کفار کہیں گے (دوزخ میں) کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو وہ دونوں شیطان اور انسان دکھلا دیجئے جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا (یعنی ابلیس اور قابیل جنہوں نے کفر وقتل کی رسم جاری کی) ہم ان کو اپنے پیروں تلے روند ڈالیں (دوزخ میں) تاکہ وہ خوب ذلیل ہوں (یعنی ہم سے بڑھ کر سزا پائیں) جن لوگوں نے اقرار کر لیا کہ اللہ ہمارا رب ہے پھر وہ اس پر جمے رہے (توحید وغیرہ ضروری احکام پر) ان پر (مرنے کے وقت) فرشتے اتریں گے کہ نہ تم اندیشہ کرو (مرنے اور مرنے کے

بعد کے حالات کا) اور نہ رنج کرو (اپنے اہل وعیال کا جوتم نے بعد میں چھوڑے ہیں۔ کیونکہ ہم تمہاری طرف سے ان کے رکھوالی ہیں) اور تم اس جنت سے خوش رہو۔ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ ہم تمہارے رفیق تھے، دنیوی زندگانی میں بھی (یعنی وہاں ہم تمہاری حفاظت کرتے رہے) اور آخرت میں بھی رہیں گے (یعنی جنت میں جانے تک ہم تمہارے ساتھ رہیں گے) اور تمہارے لئے اس میں جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا ملے گی اور جس چیز کی فرمائش (خواہش) کرو گے وہ بھی مہیا ہوگی۔ یہ بطور مہمانی ہوگا۔ (نزلا۔ تیار شدہ کھانا حعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے) غفور رحیم (اللہ) کی جانب سے۔

تحقیق وترکیب:

اعداء اللہ اس سے مراد اصحاب الحلود فی النار ہیں۔

یوزعون بیضاوی نے یہ معنی لکھے ہیں کہ اگلوں کو روکے رکھا جائے تاکہ پچھلوں سے مل کر اکٹھے ہو جائیں۔ لیکن مفسر علام نے برعکس یہ کہا ہے کہ پچھلے لوگوں کو ہنکایا جائے گا۔ تاکہ اگلوں سے مل کر اکٹھے ہو جائیں اور ایک ساتھ قدم اٹھائیں۔

شہد علیہم اس شہادت کی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ ان اعضاء کو سچ مچ کی زبان دے دے اور وہ اسی طرح بولیں جیسے زبان بولتی ہے۔ دوسرے یہ کہ ان اعضاء میں سے آوازیں نکلیں گی کہ جن سے کلام کا مفہوم سمجھ میں آ جائے گا۔ تیسرے یہ کہ ان اعضاء سے ایسی حرکات وسکنات اور احوال ظاہر ہوں گے جو اعمال کی علامات سمجھے جائیں گے۔ جیسے تغیرات عالم سے اس کا حادث ہونا اور حادث کے لئے محدث کا ہونا معلوم ہو رہا ہے۔ پہلی دو صورتیں دلالت لفظیہ طبعیہ کی ہیں اور یہ آخری دلالت عقلی ہے۔

وجلودهم اگر عام اعضاء مراد ہوں تو عطف عام علی الخاص ہوگا اور خاص شرمگاہ بطور کنایہ اگر مراد ہو تو پھر زبان کی شہادت مقصود ہوگی۔ گویا اس میں زنا پر وعید شدید ہوگی۔ پہلی توجیہ اقرب ہے۔

لم شہدتم وجہ تعجب ظاہر ہے کہ دنیا میں یہ اعضاء گناہ میں ان کے معاون رہے اور یہاں مخالفانہ رول ادا کر رہے ہیں۔ اور چونکہ شہادت دینا اہل عقل کا کام ہوتا ہے اس لئے خطاب میں صیغہ عقلاء استعمال کیا گیا ہے۔

انطق کل شئ آیت وان من شئ الا یسبح بھی اس کی مؤید ہے اور بولنے کے لئے اگر کہا جائے کہ زبان ہونا شرط ہے تو زبان کے لئے بھی زبان ہونی چاہئے۔ وھلم جرا فیتسلسل ورنہ جہاں تک گوشت پوست کی حقیقت ہے وہ سب اعضاء میں مشترک ہے اور یکساں ہے۔ پھر زبان کیوں بولتی ہے، دوسرے اعضاء کیوں نہیں بولتے۔ معلوم ہوا کہ یہ محض قدرت الٰہی کا کرشمہ ہے۔ آخر گراموفون جیسی مشین یا ٹیپ ریکارڈ کیسے بولتے ہیں۔ حالانکہ ان میں زبان نہیں ہوتی۔ پھر عالم آخرت کو اس عالم مادیت پر قیاس کرنا ہی سرے سے غلط ہے۔

وھو خلقکم۔ یہ کلام الٰہی ہے یا اعضاء کی گفتگو ہے۔

ذلکم ظنکم اللہ سے نیک گمان یہ ہے کہ نیکی کر کے اس سے امید احسان رکھے۔ حدیث میں ہے۔ انا عند ظن عبدی بی اور بدگمانی یہ ہے کہ اس کی ذات، صفات، افعال میں نقصان سمجھے۔ لیکن برائیاں کر کے اچھی امید رکھنا حسن ظن نہیں کہلائے گا۔ بلکہ ایسا ہی سمجھا جائے گا جیسے کوئی ببول کا درخت لگا کر آم اور سیب کھانے کی توقع رکھے۔

فان یصبروا تقدیری عبارت اس طرح ہے فان یصبروا اولا یصبروا فالنار الخ یہاں صبر کے مقابل عدم صبر کو مبالغہ کے لئے حذف کر دیا کہ جب صبر کا ٹھکانہ جہنم ہوگا تو بے صبری کا ٹھکانہ بدرجہ اولی دوزخ ہوگی۔

یستعتبوا. عتبی کے معنی رجوع اور معافی کے ہیں۔

اسوأ یعنی مضاف محذوف ہے اول یا اوسط میں۔

النار عطف بیان یا بدل ہے جزاء کا۔ اور مبتدا بھی ہو سکتا ہے اور لہم الخ اس کی خبر یا مبتداء ہے یا مبتداء محذوف کی خبر

ہو سکتا ہے۔

لہم فیہا دار الخلد یعنی [illegible] جہنم میں ان کے لئے فی ہذہ اور دار الخلود

من الجن والانس [illegible] کیونکہ معصیت [illegible] لکن من عدو

من الانس والجن یعنی صدور لنس من تحتنا والناس [illegible]

ثم استقاموا [illegible] استقامت [illegible]

الاستقامۃ ان یستقیم علی الامر والنہی ولا یروغ روغان الثعلب [illegible] الاستقامۃ فوق لکرامۃ

نسرل [illegible] میں فرشتے [illegible] بشارت [illegible]

نحن اولیاؤکم [illegible]

نزلا [illegible] ہو ان [illegible] مہمانی [illegible]

من غفور محذوف سے متعلق ہے نزلا کی صفت ہو جائے گی اور [illegible] مستقل [illegible] ای نسقرلکم من جہۃ

غفور رحیم

ربط آیات آیت قل ائنکم لتکفرون میں [illegible] فان اعرضوا سے [illegible]

عذاب [illegible] ولعذاب الاخرۃ اکبر میں عذاب [illegible] آیات [illegible] ثمود [illegible]

[illegible] حتی اذا ما جاؤہا [illegible] ویوم یحشر [illegible]

عذاب میں [illegible] فرمایا [illegible] تفصیل [illegible]

اور چونکہ ابتداء سورت میں قرآن [illegible] کا مضمون تھا اس لئے آیت وقال الذین کفروا سے منکرین ومخالفین کا [illegible]

اور [illegible] ارشاد فرمائی جا رہی ہے۔

پھر آیت ان الذین قالوا الخ میں مومنین کا [illegible] اخلاق و عمل حسنہ کا حکم اور ترغیب

[illegible] اضافہ [illegible]

شان نزول وروایات ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کعبۃ اللہ پر دو ثقفی [illegible] تین آدمی

[illegible] چنانچہ ایک [illegible]

[illegible] ہیں یا اللہ [illegible] اگر [illegible] تیسرے نے کہا [illegible]

[illegible] حضرت ابن مسعود نے آنحضرت ﷺ سے جا کر یہ واقعہ عرض کیا۔ اس پر آیت وما کنتم تستترون نازل

ہوئی۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ آیت ان الذین قالوا ربنا اللہ صدیق اکبرؓ کے بارے میں نازل ہوئی۔

تشریح ویوم یحشر [illegible] جنہیں دوزخ کے قریب روک کر اکٹھا کیا

جائے گا۔ جیسا کہ آیت وقال الذین کفروا [illegible]

اعضاء کا ٹیپ ریکارڈ حتی اذا ما جاؤہا [illegible] آیت [illegible] کانوں [illegible]

[illegible] اعمال کا یہ سارا ریکارڈ

[illegible] ہر چند کفار زبان سے انکار کریں گے مگر حکم ہوگا کہ خود ان کے

اعضاء کی شہادت دیں۔ چنانچہ ایک ایک عضو بول پڑے گا، دشمن سے پھر زبان بھی بول اٹھے۔ اس طرح سب اعضاء مل کر زبان کی بات جھٹلا دیں گے۔ اس وقت یہ کافر بھکا بکا رہ جائیں گے اور چلا کر اعضاء سے کہیں گے کہ کم بختو! تمہیں بچانے کے لئے ہی تو جھوٹ بول رہا تھا۔ اب تم خود ہی جرموں کا اعتراف کرنے لگے، جاؤ دور ہو جاؤ۔ آخر یہ کیا آفت آ رہی تھی کہ میں تو تمہاری خاطر رلانے کی کوشش کر رہا تھا اور تم ہو کہ بولے چلے جا رہے ہو۔ آخر یہ بولنا کس نے سکھلایا؟ اس پر بھی اعضاء چپ نہیں رہیں گے، بلکہ ترکی بہ ترکی جواب دیں گے کہ جس ذات نے ہر بولنے والی چیز کو بولنے کی قدرت دی، اسی نے آج ہمیں بھی گویا کر دیا۔ جب وہ قادر مطلق بلوانا چاہے تو کس کی مجال ہے کہ نہ بولے۔ جس نے زبان میں بولنے کی صلاحیت رکھی کیا وہ دوسرے اعضاء میں صلاحیت پیدا نہیں کر سکتا۔

جیسے حضرت ابوہریرہؓ سے کسی نے ونحشرهم على وجوههم کے متعلق پوچھا کہ قیامت میں لوگ سر کے بل کیسے چلیں گے؟ فرمایا کہ جو پاؤں سے چلا سکتا ہے وہی سر سے چلا سکے گا۔ یعنی اسی طاقت اور اسی قدرت کا تعلق سر سے یا اس جیسی طاقت وہاں پیدا کر دے تو کیا اشکال ہے۔

جو اعضاء دنیا میں تمہارے مطیع اور فرمانبردار معاون بنے ہوئے ہیں، محشر میں تحقیق کر کھل جائے گا کہ ہمارے نہیں بلکہ اصل خالق کے تابع ہیں۔ بظاہر ہمارے ہیں لیکن حقیقت میں سب اسی کے ہیں۔ دنیا میں دوسروں سے تو چھپ کر گناہ کرتے تھے، مگر یہ خبر نہ تھی کہ اعضاء سے بھی پردہ کرنا ہے، ورنہ یہ سب پکڑے گئے۔ یہ سب ہر غرض کرنا بھی چاہتے تو کس کی قدرت کہاں تھی؟

اور فرماتے ہیں کہ بات در اصل یہ ہے کہ تمہاری نظروں میں یہ بات پوشیدہ ہے کہ گویا تمہیں اس کا یقین ہی نہ تھا کہ خدا کو سب کچھ معلوم ہے۔ تم سمجھتے تھے کہ جو چاہے کرتے رہو کون دیکھتا ہے۔ اگر تمہیں پورا اور پکا یقین ہوتا کہ خدا کے علم سے کوئی چیز بھی باہر نہیں اور اس سے ہماری پوری مسل محفوظ ہے تو ہرگز ایسی جرأتیں نہ کرتے۔ آج تم اپنے ہاتھوں غارت ہوئے ہو۔

فان يصبروا یعنی دنیا میں جس طرح بعض دفعہ صبر کرنے سے مشکل آسان ہو جاتی ہے اور صابر پر ترس آ جاتا ہے اور بعض دفعہ رونے چلانے سے اور شور کرنے سے کام چل جاتا ہے۔ اسی طرح بعض منت خوشامد سے مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ مگر آخرت کا حال ایسا نہیں جو فیصلہ ہو چکا وہ اٹل ہوگا اور یہ سب تدابیر فیل ہو جائیں گی۔

برے ساتھی برے وقت پر ساتھ نہیں دیتے: وقيضنا لهم یعنی اصل قصور تو خود انسان ہیں جو بدکرداری میں غرق رہتے ہیں لیکن رہی سہی کسر برے دوست، حبیب اور رفیق ساتھی پوری کر دیں گے۔ ہمیشہ وہ غلط تاویلیں کر کے برائیوں کو اچھائیوں کا رنگ دیں گے۔ ایسی غلط نظر اور غلط فکر اور بدکردار، نا اہل ساتھی شیطان ہوں یا انسان کبھی سنبھلنے نہیں دیتے۔ خود بھی خراب ہوتے ہیں، دوسروں کو بھی خراب کرتے ہیں۔ انسان پر جب ادبار آتا ہے تو اس کے لئے یہی سامان ہو جاتے ہیں اور فی الحقیقت برے ساتھی یا برے ماحول کا ملنا بھی خود ایک درجہ میں اپنی ہی برائی کا نتیجہ ہوتا۔ ومن يعش عن ذكر الرحمن نقيض له شيطانا فهو له قرين ورنہ برا آدمی اچھے ساتھیوں اور اچھے ماحول میں رہ ہی نہیں سکتا۔ اس کے اندر کی برائی ہی نے تو باہر برائی ڈھونڈ نکالی ہے۔

قرآن کی بانگ درا کے آگے مکھیوں کی بھنبھناہٹ کیا کر سکتی ہے۔ وقال الذين كفروا. قرآن کریم کی آواز چونکہ بجلی کی طرح سننے والوں کے دلوں پر اثر انداز ہوتی تھی، جو سنتا فریفتہ ہو جاتا۔ سر دھننے لگ جاتا۔ مخالفین کو اس بے اثر بنانے کی یہ تدبیر سوجھی کہ جب کہیں قرآن پڑھا جائے تو اتنا گل غپاڑہ مچاؤ کہ اس میں قرآن پڑھنے والے کی آواز دب کر رہ جائے اور کسی طرح کسی کو سننے یا غور کرنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ لیکن حق و صداقت کی کڑک مکھیوں اور مچھروں کی بھنبھناہٹ سے کہاں دب سکتی ہے۔

ہے یہ سب تدبیریں دھری رہ جاتی ہیں اور حق کی آواز دلوں کی گہرائیوں تک اترتی چلی جاتی ہے۔

چنانچہ آیت فسیذیقنهم سے ایسے ناقدروں کو چونکایا جا رہا ہے کہ یاد رکھو تمہاری ان بدتدبیروں کا وبال خود تم پر پڑے گا۔ جو شخص نہ خود نصیحت پر کان دھرے اور نہ دوسروں کو سننے دے، بلکہ سننے والوں کو بھٹکائے اس سے بڑھ کر اور کون پاجی ہوگا۔ ایسے شریر چاہے دل میں صحیح سمجھتے ہوں مگر ضد اور عناد سے ہٹ دھرمی ہی کرتے رہتے ہیں۔ خدا کے یہاں ان کے ساتھ بھی کچھ نرم برتاؤ نہیں ہوگا۔

اپنے خداؤں کو پاؤں تلے رونڈ الیں گے: وقال الذین کفروا۔ یعنی کافروں کا حال دوزخ میں بھی دیکھنے کے قابل ہوں، دنیا میں جس طرح اپنا لیا دوسرا پر دھرا کرتے تھے وہاں بھی اس کج نگاہی کی بہار نظر آئے گی۔ چنانچہ گوہر افشانی کرتے ہوئے اللہ میاں کی جناب میں عرض گذار ہوں گے کہ جن جنوں اور آدمیوں نے ہمیں بہکا بہکا کر یہاں تک پہنچایا ہے انہیں ذرا ہمارے سامنے کر دیجئے۔ پھر دیکھئے کس طرح ہم انہیں اپنے پاؤں تلے رونڈ ڈالتے ہیں اور دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں پوری ذلت وخواری سے دھکیلتے ہیں۔ اس انتقام سے کچھ تو ہمارا دل ٹھنڈا ہوگا۔

ان الذین قالوا قرآن کریم اپنی عادت کے مطابق نیکی، بدی اور نیک وبد کا ذکر اکثر ساتھ ساتھ کیا کرتا ہے۔ چنانچہ یہاں کفار کے بعد ایمانداروں کا ذکر ہے کہ جو دل سے اللہ کی ربوبیت والوہیت کو مانتے ہیں اور مرتے دم تک اسی پر ڈٹے رہتے ہیں۔ وہ برابر سی پر جمے رہے، بال برابر فرق نہیں آنے دیا۔ زبان سے جو کچھ کہا، اسی کے مطابق اعتقاد اور عمل رہا۔ ایسے مستقیم الحال لوگوں پر رحمت کے فرشتے اترتے ہی رہتے ہیں۔ دنیا میں عام اور خاص حالات میں بھی یا نزع کے وقت اور قبروں میں اور پھر قبروں سے اٹھنے کے وقت بھی وہ تسکین وتسلی دیتے ہیں اور جنت کی بشارتیں سناتے ہیں اب تمہیں ڈرنے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ دنیا کے سب غم مٹ گئے اور عقبیٰ کا اندیشہ نہیں رہا۔ اب ہر قسم کے عیش وعشرت، راحت ومسرت سے ہمکنار رہنا اور جنت جس کے وعدے پیغمبروں کی زبانی کئے گئے تھے، وہ اب تمہارے لئے پورے کئے جانے والے ہیں۔ اس لئے کوئی رنج وملال تمہیں قریب بھی نہیں بھٹک سکتا۔

اللہ یا فرشتوں کی طرف سے بشارت: .... نحن اولیاء کم اکثر حضرات کے نزدیک یہ فرشتوں ہی کا مقولہ ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے مقرب بندوں کے پاس دنیا میں وحی والہام اور تسکین واطمینان کے لئے آتے رہتے ہیں۔ جیسے بدکاروں کے پاس شیاطین کی آمد ورفت رہتی ہے۔ تنزل علی کل افاك اثيم يلقون السمع واكثرهم كاذبون. لیکن بعض حضرات کے نزدیک یہ کلام الٰہی مزید اکرام اور بشارت کے لئے ہے اور کہا جائے گا کہ جس چیز کی یہاں تمنا اور خواہش دل میں ہوگی وہ سب آئے گی اور زبان سے جس کا اظہار کرو گے سب پورا کیا جائے گا۔ اللہ کے خزانوں میں کس چیز کی کمی ہے، بس سمجھ لو کہ تم غفور رحیم کے مہمان ہو۔

لطائف سلوک: ان الذین قالوا ربنا الله الخ آیت کے عام الفاظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ظاہری یا باطنی امتحان کے اوقات میں خاص لوگوں پر فرشتے سکینہ اور برکات لے کر اترتے ہیں اور غیر انبیاء سے بھی بالمشافہ کلام کرتے ہیں اور استقامت چونکہ عام ہے، اس لئے تمام مراتب استقامت کو شامل ہے۔ عوام کی استقامت ظاہری تو اوامر ونواہی میں پختگی ہے اور باطنی ایمان میں پختگی ہے اور خواص کی استقامت ظاہری دنیا سے بے رغبتی اور باطنی استقامت جنت کی رغبت اور لقائے رحمٰن کا شوق ہے اور اخص الخواص کی استقامت ظاہری جان ومال حوالے کرتے ہوئے حقوق بیعت کی رعایت کرنا اور باطنی استقامت فنا اور بقاء ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ اي لا احدٌ احسنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ بالتوحيد وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ في جُزئِيّاتِهما لِاَنَّ بعضَها فوقَ بعضٍ اِدْفَعْ اي السيّئة بِالَّتِيْ اي بالخصلةِ الّتي هِيَ اَحْسَنُ كالغضب بالصبر والجهل بالحلم والإساءة بالعفو فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ اي فيصيرُ عدوُّك كالصديق القريب في محبّته اذا فعلت ذلك فالّذي مبتدأٌ وكانّه الخبرُ واذا ظرفٌ لمعنى التشبيه وَمَا يُلَقّٰهَآ اي يُؤتى الخصلة التي هي احسن اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ ثوابٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِمَّا فيه ادغامُ نون اِنِ الشرطية في ما الزائدة يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ اي ان يَصرِفك عن الخصلة وغيرها من الخير صارفٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ جوابُ الشرط وجوابُ الامر محذوفٌ اي يدفعه عنك اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ للقول الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾ بالفعل وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اي الآيات الاربع اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا عن السجود لله وحده فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ اي الملائكة يُسَبِّحُوْنَ يُصَلُّون لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْــَٔـمُوْنَ ﴿۳۸﴾ السجدة لا يملّون وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً يابسة لا نبات فيها فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ تحرّكت وَرَبَتْ ۭ انتفخت وعلت اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ من الحد ولحد فِيْٓ اٰيٰتِنَا القرآن بالتكذيب لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۭ فنجازيهم اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۴۰﴾ تهديدٌ لهم اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ القرآن لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۚ نجازيهم وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴿۴۱﴾ منيعٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ اي ليس قبلَه كتابٌ يُكذّبه ولا بعدَه تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿۴۲﴾ اي الله المحمود في امره مَا يُقَالُ لَكَ من التكذيب اِلَّا مثلَ مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ للمؤمنين وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۴۳﴾ للكافرين وَلَوْ جَعَلْنٰهُ اي الذكر قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا هلّا فُصِّلَتْ بُيّنت اٰيٰتُهٗ ۭ حتّى نفهمها ءَاعْجَمِيٌّ قرآنٌ وَّ نبيٌّ عَرَبِيٌّ ۭ استفهامُ انكارٍ منهم بتحقيق الهمزة الثانية وقلبها الفًا باشباعٍ ودونه قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى من الضلالة وَّشِفَاۗءٌ ۭ من الجهل وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ ثقلٌ فلا يسمعونه وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ فلا يفهمونه اُولٰۗىِٕكَ

يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾ اي هم كالمنادي من مكان بعيد لا يسمع ولا يفهم ما ينادي به وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التوراة فَاخْتُلِفَ فِيْهِ بالتصديق والتكذيب كالقرآن وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ بتاخير الحساب والجزاء للخلائق الى يوم القيمة لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ في الدنيا فيما اختلفوا فيه وَاِنَّهُمْ اي المكذبين به لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾ موقع الريبة مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ عمل وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا اي فضرر اساءته على نفسه وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾ اي بذي ظلم لقوله تعالى اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ

ترجمہ: اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے (یعنی کسی کی نہیں) جو خدا کی (توحید کی) طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں اور نیکی بدی برابر نہیں ہو سکتی (یعنی نیکی بدی کی جزئیات چونکہ وہ ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں) آپ (برائی کو) ٹال دیا کیجئے۔ نیک برتاؤ (طرزِ عمل) سے (مثلاً غصہ کو صبر سے اور جہل کو بردباری سے اور برائی کو معافی سے) پھر یکایک آپ میں اور اس شخص کے درمیان جس میں عداوت تھی ایسا ہو جائے گا جیسے کوئی دلی دوست ہوا کرتا ہے (یعنی تمہارا دشمن تمہارا دوست بن جائے گا بلحاظ محبت کے اگر تم نے یہ طریقہ اپنا لیا۔ اس میں الذی مبتدا ہے اور کانہ خبر ہے اور اذا ظرف ہے بمعنی تشبیہ) اور یہ بات (یعنی اچھی عادت) انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے مستقل مزاج ہیں اور یہ بات انہی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب (ثواب) ہو اور اگر (اِن شرطیہ کا ما زائدہ میں ادغام ہو رہا ہے) آپ کو شیطان کی طرف سے کچھ وسوسے آنے لگے (یعنی اگر آپ وغیرہ خصلت وغیرہ خیر کی باتوں سے کوئی چیز ہٹانے لگے) تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے (یہ جواب شرط ہے اور جواب امر محذوف وغیرہ خیر کی باتوں سے کوئی چیز ہٹانے لگے) تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے (یہ جواب شرط ہے اور جواب امر محذوف ہے۔ یعنی اللہ اس وسوسہ کو آپ سے دفع فرما دے گا) بلاشبہ وہ خوب سننے والا ہے (بات کو) خوب جاننے والا ہے (عمل کو) اور منجملہ اس کی نشانیوں کے رات ہے اور دن ہے اور سورج اور چاند ہے۔ تم لوگ نہ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو، اور خدا کو سجدہ کرو جس نے ان (چاروں) نشانیوں کو پیدا کیا۔ اگر تمہیں اللہ کی عبادت کرنا ہے، پھر اگر یہ لوگ (ایک دوسرے کو سجدہ کرنے سے) تکبر کریں تو جو (فرشتے) آپ کے رب کے مقرب ہیں وہ دن رات اس کی پاکی بیان کرتے ہیں (نماز پڑھتے ہیں) اور وہ اکتاتے (تھکتے) نہیں اور منجملہ ان کی نشانیوں کے ایک یہ ہے کہ تو زمین کو دیکھتا ہے بنجر ہے (خشک جس میں کوئی سبزی نہیں) لیکن جب اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ لہلہا اٹھتی ہے (ابھرتی ہے) اور پھول جاتی ہے (پھٹ کر اوپر اٹھ آتی ہے) جس نے اس زمین کو زندہ کر دیا وہی مردوں کو جلا دے گا۔ بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یقیناً جو لوگ کفر کرتے ہیں (الحاد الحد اور لحد سے ماخوذ ہے) ہماری آیتوں میں (قرآن کا انکار کر کے) وہ لوگ ہم پر مخفی نہیں ہیں (ہم ان کو سمجھیں گے) بھلا جو شخص آگ میں جھونکا جائے وہ اچھا ہے یا وہ شخص جو قیامت کے روز امن وامان کے ساتھ آئے جو جی چاہے کرو۔ وہ تمہارا کیا ہوا سب کچھ دیکھ رہا ہے (ان لوگوں کے لئے دھمکی ہے) جو لوگ اس ذکر (قرآن) کا انکار کر دیتے ہیں جبکہ وہ ان کے پاس پہنچتا ہے۔ (ان کی ہم خبر کر لیں گے) اور یہ بڑی باوقعت (بے مثال) کتاب ہے۔ جس میں غلط بات نہ اس کے سامنے سے آتی ہے اور نہ اس کے پیچھے کی طرف سے (یعنی نہ پہلے کسی کتاب نے اس کی تردید کی اور نہ آئندہ کوئی تکذیب کر سکے گی) یہ خدائے حکیم محمود کی جانب سے آئی ہے (یعنی اس اللہ سے جو ہر کام میں محمود ہے) آپ کو (جھٹلانے کی) وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو (جیسی کہ) آپ سے پہلے رسولوں کو کہی

گئی ہیں۔آپ کا پروردگار (مومنوں کی) بڑی مغفرت کرنے والا (کافروں کو) دردناک سزا دینے والا ہے اور اگر ہم اس کو (یعنی ذکر کو) عجمی قرآن بناتے تو یہ کہتے کہ اسکی آیتیں صاف صاف کیوں نہیں بیان (واضح) کی گئیں (تا کہ یہ سمجھ میں آ جاتا) یہ کیا بات کہ (قرآن) عجمی اور (نبی) عربی (استفہام انکاری ہے۔دوسری ہمزہ کی تحقیق اور اس کی الف سے بدل کر اشباع کے ساتھ اور بغیر اشباع کے) آپ کہہ دیجئے کہ یہ قرآن ایمان والوں کے لئے تو رہنما ہے (گمراہی سے) اور شفا ہے (جہالت سے) اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے،ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے (بہرا پن ہے وہ اس کو نہیں سن سکتے) اور ان کے حق میں نابینائی ہے (اس لئے وہ اس کو سمجھ نہیں سکتے) یہ لوگ کسی بڑی دور جگہ سے پکارے جا رہے ہیں (یعنی ان کا حال ایسا ہے جیسے کسی کو دور سے پکارا جائے۔نہ وہ سنے اور نہ سمجھے کہ کیا کوئی آواز لگائی جا رہی ہے) اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (توریت) دی تھی۔سو اس میں بھی اختلاف ہوا (قرآن کی طرح تکذیب و تصدیق کی گئی) اور اگر ایک بات نہ ہوتی آپ کے رب کی طرف سے جو طے ہو چکی ہے (قیامت تک مخلوق کے حساب اور بدلہ کے متعلق) تو (دنیا ہی میں ان کے اختلاف کا) فیصلہ ہو چکا ہوتا۔اور یہ لوگ (قرآن کو جھٹلانے والے) ایسے شک میں ہیں جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا ہے۔جو شخص نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے نفع کے لئے (عمل کیا) ہے۔اور جو شخص برا عمل کرتا ہے،اس کا وبال اسی پر ہوگا (یعنی اس کی بدعملی کا نقصان خود اسی پر ہے) اور آپ کا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے (یعنی ظالم نہیں ہے۔جیسا کہ ارشاد ہے۔ان اللہ لایظلم مثقال ذرۃ)

تحقیق وترکیب: **ممن دعا الی اللہ** داعی کی کئی قسمیں ہیں۔ایک داعی توحید قولی جیسے اشاعرہ ماتریدیہ اور ایک داعی عملی جیسے مجاہدین اور غازی اور ایک داعی احکام شرعیہ۔جیسے ائمہ مجتہدین۔اور ایک داعی توحید حقیقی و معرفت قلبی جیسے مشائخ صوفیاء۔آنحضرت ﷺ میں یہ سب اقسام چونکہ اکمل طریقہ پر جمع ہیں۔اس لئے اصل مخاطب آپ ہیں اور آپ سے یہ اوصاف امت کی طرف منتقل ہوئے۔

ولا تستوی الحسنۃ اخلاق نتیجہ ہیں اعمال کا اور اعمال نتیجہ ہیں علوم کا۔لا ثانیہ تاکید کے لئے زائد ہے **لاتستوی** کی طرح۔

ادفع بھی مستانفہ ہے۔**فاذا الذی** یہ ثمرہ ہے بھلائی کا ذریعہ برائی کی مدافعت کا۔**الحسنۃ** اور **السیئۃ** سے مراد ان دونوں کی جنسیں ہیں۔یعنی نیکی ایک جنس ہے جس کی بے شمار جزئیات ہیں اور سب میں فرق مراتب ہے۔اسی طرح بدی کا حال ہے کہ اس کی تمام جزئیات یکساں نہیں ہیں۔مگر اس صورت میں لا زائد نہیں رہتا۔کیونکہ دونوں کی نفی الگ الگ مقصود ہوگی۔لیکن **"ادفع بالتی"** جملہ اس توجیہ کی تائید نہیں کرتا۔بہرحال یہ دو تفسیریں ہوئیں۔ایک میں تو نیکی اور بدی میں باہمی فرق بتلانا مقصود ہے اور دوسری یہ کہ ان دونوں جزئیات میں فرق مراتب بتلانا ہے۔پہلی صورت میں لائے ثانیہ تاکید نفی کے لئے زائد ہوگا اور دوسری صورت میں تاسیس کے لئے ہوگا۔

ولی حمیم اس طرز عمل سے دشمن بھی دوست بن جاتا ہے۔

خلقھن غیر ذوی العقول حکم میں مؤنث کے ہوتے ہیں۔اگرچہ ستارہ پرست قومیں چاند،سورج کی پوجا تو کرتی ہیں اور دن و رات کی پرستش نہیں کرتیں۔لیکن یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ چاند سورج بھی دن و رات کی طرح لائق سجدہ نہیں ہیں۔چاروں کو ایک ہی لڑی میں پرو دیا گیا ہے کہ جب یہ سب ایک دوسرے سے وابستہ ہیں پھر تم بندگی میں فرق کیوں کرتے ہو۔

یسبحون اگر تسبیح سے مراد عام معنی ہوں تب تو سب فرشتے اس کا مصداق ہیں اور نماز کے معنی اگر بقول مفسرؒ ہوں تو پھر مخصوص فرشتوں کی جماعت مراد ہوگی اور نماز بھی ان کے شایان ہوگی وہ اسی کے لئے وقف رہتے ہوں گے اور وہی ان کے لئے غذا کا کام دیتی ہے۔اس لئے اکتاہٹ کا کوئی سوال ہی نہیں۔

خاشعۃ اس کے معنی تذلل کے ہیں۔لیکن قحط اور خشک سالی میں زمین حقیر اور بے رونق رہتی ہے۔اس لئے استعارہ ہو گیا۔

بلحدون قبر کی لحد بھی چونکہ ایک طرف مائل ہوتی ہے۔ اس لئے حق سے باطل کی طرف میلان کو بھی الحاد کہا جاتا ہے۔
ام من یاتی ام من یدخل الجنة کہنا چاہئے تھا۔ لیکن امن وامان کی تصریح کے لئے عبارت تبدیل کر دی گئی ہے۔
استفہام تقریری ہے۔
ان الذین کفروا. اس کی خبر میں کئی احتمال ہیں۔
۱۔ اولئک ینادون خبر ہو۔
۲۔ محذوف ہو یعنی معذبون وغیرہ۔ چنانچہ کسائی کی رائے بھی یہی ہے کہ مفعول ماقبل کو خبر کہا جائے گا۔
۳۔ ان الذین کفروا ان الذین یلحدون کا بدل ہو اور لایخفون علینا اس کی خبر ہو۔
۴۔ لایاتیه الباطل خبر ہو جس میں عائد محذوف ہو تقدیر عبارت اس طرح ہو۔ لایاتیه الباطل منهم. جیسے کہا جائے السمن منوان بدرهم ای السمن منوان منه یا کوفیوں کی رائے پر الف لام کو ضمیر کا بدل کہا جائے۔ اصل عبارت اس طرح ہوگی۔ ان الذین کفروا بالذکر یاتیه باطلهم.
۵۔ خبر مایقال لک ہو اور اس میں بھی عائد محذوف ہو۔ ای ان الذین کفروا مالذکر ما یقال لک فی شانهم الا ماقد قیل الح
عزیز. فعیل بمعنی فاعل یعنی فکر وخیال سے بالاتر ہے اور بے مثال ہے۔
لایاتیه الباطل مفسرؒ نے مقاتلؒ کی تفسیر اختیار کی ہے اور قتادہؒ باطل سے مراد شیطان لیتے ہیں۔ تفسیری عبارت میں لف ونشر غیر مرتب ہے۔ لیس قبله کا تعلق من خلفه کے ساتھ ہے اور و لا بعده کا تعلق لما بین یدیه سے ہے۔
مایقال. بیضاویؒ کی رائے ہے کہ مایقال معنی میں مایقول کے ہے اور ضمیر کفار کی طرف راجع ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مایقول لک الله الا مثل ماقاله لهم کی تقدیر ہو۔ البتہ دوسری صورت میں مفعول سے مراد وحی الٰہی ہوگی جس میں مسلمانوں کے لئے وعدۂ مغفرت اور کفار کے لئے دوزخ کی وعید ہے۔
الا ما قد قیل. یعنی پچھلے انبیاءؑ کو جس طرح مجنون اور جادوگر کہا گیا، ان کو جھٹلایا گیا، آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا جارہا ہے۔
لو جعلناه قرانا یہ جواب ہے کفار کے اس اعتراض کا هلا انزل القران بلغة العجم
لو لا فصلت یعنی صاف عربی زبان میں قرآن کیوں نہیں اترا۔
ءاعجمی و عربی. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اعجمی خبر ہے مبتداء محذوف قرآن کی اور عربی خبر ہے مبتدائے محذوف نبی کی اور عجمی و عربی دونوں صفتیں ہیں موصوف محذوف کی۔ اعجمی میں احمری کی طرح یا زائد ہے مبالغہ کے لئے ہمزہ ثانیہ کی تحقیق حفصؒ کے علاوہ اہل کوفہ کی قرأت ہے اور الف اشباع کی قرأت باقی قراءؒ کی ہے اور ہشامؒ کے نزدیک بغیر اشباع کے ہے اور لفظ اشباع کہنا یہاں تسامح ہے۔ کیونکہ دونوں ہمزہ کے درمیان الف اور بغیر الف کی دو قرأتیں ہیں۔ اسی کو اشباع اور ترک اشباع سے تعبیر کیا ہے۔
و الذین لایؤمنون یہ مبتداء ہے اور فی اذانهم خبر ہے اور وقر فاعل ہے یا فی اذانهم خبر مقدم اور وقر مبتداء مؤخر ہے۔
من مکان بعید یعنی قیامت میں بہت دور سے برے نام لے لے کر پکارا جائے گا۔ مفسرؒ نے استعارہ تمثیلیہ پر محمول کیا ہے۔
فلنفسه۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ جار مجرور فعل محذوف کے متعلق ہے اور مبتداء مضمر کی خبر بھی کہا جاسکتا ہے۔ ای فالعمل الصالح لنفسه

ظلام لـلـعـبـیـد ظلام مبالغہ کا لفظ ہے۔ اس کی نفی سے اصل ظلم کی نفی چونکہ نہیں ہوتی اس کے جواب کی طرف مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ یہ مبالغہ کے لئے نہیں ہے، بلکہ تمار اور خباز کی طرف محض نسبت کے لئے اور ظلم دراصل کہتے ہیں دوسرے کی ملک میں بے جا تصرف کرنے کو۔ اس سے حقیقۃً خدا کے لئے ظلم کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ لیکن یہاں مجازاً ظلم کہہ کر اس کی نفی کی گئی۔

ربط آیات:............ آیت ان الذین قالوا میں مسلمانوں کے حسن حال کا ذکر تھا۔

آیت میں ومن احسن قولا الخ سے مسلمانوں کے حسن اعمال کا بیان ہے۔

آیات ومن ایاتہ الیل الخ سے پھر توحید کا تذکرہ ہے اور پھر زمین کی سرسبزی جو اس کی زندگی ہے اس کا ذکر ہے اور اسی مناسبت سے مردوں کو جلا دینے کا بیان اور نہ ماننے والوں کی دھمکی ہے۔

اور آیت ان الذین یلحدون سے توحید ورسالت کے منکروں کے لئے سخت وعید ہے۔

اس کے بعد آیت ان الذین کفروا بالذکر سے قرآن کے متعلق اور اسی کے ضمن میں رسالت کو موضوع بحث بنایا گیا ہے اور اس سلسلہ میں کفار کی بعض باتوں کا جواب اور آنحضرت ﷺ کو تسلی ہے۔

روایات:............ بعض حضرات کی رائے ہے کہ آیت ومن احسن قولا کا مصداق اصلی آنحضرت ﷺ ہیں اور آپ ہی داعی اعظم ہیں۔ آیت ولو جعلناہ قرانا الخ کا شان نزول یہ ہے کہ کفار مکہ کہتے تھے۔ **ھلا انزل القران بلغة العجم** اور منشاء یہ ظاہر کرنا تھا کہ قرآن کا عجمی ہونا زیادہ واضح معجزہ ہے کہ آپ عجمی زبان سے واقف نہیں پھر عجمی کتاب لائے۔ معلوم ہوا کہ یہ کتاب الٰہی ہے اس کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

﴿تشریح﴾:............ داعی حق کیسا ہونا چاہئے:............ آیت ان الذین قالوا ربنا اللہ. میں مقربین کا حسن حال بیان ہوا۔ اسی ذیل میں آیت "ومن احسن" سے ان کے حسن اعمال کو بیان فرمایا جا رہا ہے کہ بہترین شخص وہی ہے جو اللہ کا ہو رہے اور اپنے قول وعمل سے دوسروں کو بھی اسی کا ہو رہنے کی دعوت دے اور دنیا کو اس کا کامل بندہ بن کر دکھلا دے۔ اس کے قول میں اس کے عمل سے جان پیدا ہو۔ نیز گفتار کا غازی نہ ہو بلکہ سرتاپا کردار ہو۔ اس کا طغرائے قومیت صرف اسلام ہو اور اس میں نہ شرمائے نہ جھجکے۔ ہر قسم کی تنگ نظری اور فرقہ واریت سے یکسو ہو کر اس عالمگیر حقیقت کی منادی کر دے جس کے لئے آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور آپ کے سچے پیروکاروں نے اس کو تھاما اور **لاتزال طائفة من امتی ظاھرین علی الحق لایضرھم من خالفھم حتی یاتی امر اللہ وھم علی ذلک** کا مصداق بنے۔

حسن اخلاق کی اہمیت:............ آیت ولا تستوی الحسنة الخ حسن اخلاق کی تلقین ہے جس کا داعی کو حامل ہونا چاہئے۔ حاصل یہ ہے کہ علم وعمل کا اصل نچوڑ اخلاق ہیں۔ یہ نہیں تو کچھ نہیں۔ جہاں آپ نے **انما بعثت معلما** فرمایا وہیں **انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق** بھی فرمایا۔ ظاہر ہے کہ نیکی اور بدی اپنے نتائج وثمرات کے لحاظ سے برابر نہیں ہوسکتیں۔ دونوں کی تاثیرات جداگانہ ہیں بلکہ نیکی نیکی اور بدی بدی میں بھی فرق ہے۔ جیسے آدمی آدمی انتر، کوئی ہیرا کوئی پتھر، اس لئے ایک داعی حق کو اخلاق کا مکمل نمونہ ہونا چاہئے۔

خلق کے تین درجے ہیں۔ ایک یہ کہ نیکی کا جواب نیکی سے اور بدی کا جواب بدی سے ہو۔ یہ خلق حسن ہے۔ **دناھم کما دانوا**۔ دوسرے یہ کہ برائی کا جواب برائی سے نہیں بلکہ عفو ودرگزر اور تسامح سے دیا جائے۔ اس کو خلق کریم کہا جاتا ہے۔ **واعف عمن ظلمک**۔ اور تیسرے یہ کہ برائی کا جواب بھلائی سے اور نقصان کا جواب احسان سے دیا جائے جو بڑا مشکل مرحلہ ہے۔ اس کو خلق عظیم کہنا چاہئے۔ احسن الی من اساء الیک. یہ خلق عظیم آنحضرت ﷺ کا شرف امتیازی ہے۔ **انک لعلی خلق عظیم**. جس میں آپ کے متبعین بھی آپ کے متبع ہی ہیں۔ بہرحال جہاں تک ہوسکے برائی کے مقابلہ میں بھلائی سے اور سختی کے مقابلہ میں نرمی سے، غصہ کے جواب میں بردباری سے، گالی کے جواب میں تہذیب اور شائستگی سے پیش آئے۔

اخلاق حسنہ کی تاثیر: ....اس طرز کا کرشمہ یہ ہوگا کہ سخت سے سخت دشمن بھی ڈھیلا پڑ جائے گا۔ شرافت اور سلامت طبع کے جو ہر لطیف سے کوئی محروم ہو جائے یا ہوش وحواس ہی کھو بیٹھے یا عقل کے پیچھے ڈنڈا لے کر پھرنے لگے یا فطری طور پر کوئی بچھو صفت ہو تو وہ دوسری بات ہے۔ ورنہ انسانیت اور شرافت اگر چھو بھی جائے تو یہ ناممکن ہے کہ اخلاق سے مخالف متاثر نہ ہو اور بعض حالات میں اگر فوری اثر بھی نہ ہو تو بعد میں کبھی نہ کبھی ٹھنڈے دل سے سوچنے سے پانی پانی ہونا پڑے گا۔ دھار دار تلوار لوہے کی زرہ کاٹ سکتی ہے۔ مگر وہی تلوار ریشم پر کند ہو جاتی ہے اور بالفرض اگر دشمنی دوستی میں تبدیل نہ بھی ہوئی تو دشمنی کا رنگ یقیناً پھیکا تو پڑ ہی جائے گا اور عجب نہیں کہ کچھ دنوں میں ہی اس کا دل بھی متاثر ہو جائے اور دشمنی یکسر نکل جائے۔

البتہ یہ عالی ظرفی اور بلند حوصلگی کوئی معمولی کھیل نہیں۔ کہنے اور کرنے میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ ہر ایک کو یہ مقام حاصل نہیں ہوتا۔ یہ دولت ونعمت بڑے ہی خوش نصیب اور سعادت مند کو میسر آتی ہے۔

شیطان صفت دشمن کا علاج: ....یہاں تک تو ایسے مخالف سے نمٹنے کا طریقہ بتلایا جو حسن اخلاق سے متاثر ہو کر خود اپنے میں تبدیلی کر لینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ لیکن اگر کوئی دشمن اس حد سے گزرا ہوا ہو اور وہ شیطان کا ہم پلہ ہو کہ نہ اس پر کوئی نرمی اثر انداز ہوتی ہو اور نہ خوشامد۔ وہ کسی حال میں بھی دشمنی چھوڑنے کو تیار نہیں۔ بلکہ ہر وقت در پے آزار رہتا ہے۔

آیت اما ینزغنک سے اس کا علاج بتلایا جا رہا ہے کہ اس کے زہر سے بچنے کی صرف یہی ایک تدبیر ہے کہ اللہ کی پناہ میں آ جاؤ۔ یہ ایسا مضبوط قلعہ ہے جس میں ہر طرح محفوظ رہ سکتا ہے بشرطیکہ اللہ کو پکارنا پورے اخلاص اور مکمل سپردگی سے ہو۔ وہ ہر ایک کی پکار سنتا بھی ہے اور جانتا بھی ہے کہ پکارنے والا مخلص ہے یا غیر مخلص اور اخلاص ہے تو کتنا؟

آگے ومن ایاته الیل سے اپنی قدرت کے نشانات بتلائے جا رہے ہیں۔ تاکہ اخلاق پر کاربند مگر دشمن سے عاجز کے لئے اللہ کی پناہ جوئی کی ترغیب ہو اور غصہ اور انتقام میں اندھے بنے ہوئے دشمن کے لئے دھمکی اور تخویف ہے اور ساتھ ہی دعوت توحید اور دوبارہ زندگی کے اعتقاد کی تقویت ہو جائے۔ گویا داعی حق کی تائید میں چاند سورج، رات دن بھی ہم آواز ہیں اور زبان حال سے سب اللہ کی طرف بلا رہے ہیں اور یہ اشارہ دے رہے ہیں جیسے رات کے اندھیرے کے بعد دن کا اجالا آ جاتا ہے۔ اسی طرح بداخلاقی کی اندھیریوں میں پھنسے ہوئے اشخاص اور قومیں کیا عجب ہے کہ دعوت واخلاق کے اجالے میں آ جائیں اور ان کی کایا پلٹ ہو جائے۔

مشرکین کا عذر لنگ: ....شرک کی دلدل میں پھنسی ہوئی قومیں اگرچہ اپنے شرک کا جواز پیدا کرنے کے لئے کہتی ہیں کہ اصل میں تو ہم اللہ کی پرستش کرتے ہیں۔ لیکن ان کو واضح ہو جانا چاہئے کہ یہ تاویلیں خیالی باتوں کو حقیقت کا روپ نہیں دے سکتیں۔ پرستش کے لائق صرف ایک ہستی ہے۔ اس میں دوسروں کی شرکت کسی درجہ میں بھی اگر ہوگی تو وہ گوارا نہیں ہے۔ ہاں! اگر اس راستہ میں غرور وگھمنڈ سد راہ بنا ہوا ہے تو انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ یہ خود اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ اللہ کے یہاں کس بات کی کمی ہے؟ فرشتے اس کی عبادت کے لئے کیا کچھ کم ہیں؟ جن کی اصل غذا ہی تسبیح وتہلیل اور طاعت وبندگی ہے جس سے کبھی وہ اکتائے نہیں اور نہ انہیں جھوٹی شیخی ستاتی ہے۔ پھر خواہ مخواہ اپنا نقصان کیوں کرتے ہو اور جھوٹی شیخی اور اتراہٹ میں گرفتار کیوں ہو۔

زمین کی خاکساری سے سبق سیکھو: ....زمین کی خاک سے پیدا ہوئے مگر اس کی خاکساری نہیں دیکھتے کہ بیچاری چپ چاپ بچھی پڑی ہے۔ ذلیل وخوار، بوجھ میں دبی ہوئی اور پیروں سے پامال رہتی ہے۔ خشکی کے وقت دیکھو تو ہر طرف خاک دھول اڑتی

نظر آتی ہے۔ لیکن جہاں بارش کا ایک چھینٹا پڑا، پھر اس کی تازگی شادابی، رونق اور ابھار ایک بہار کا ساماں پیدا کر دیتی ہے۔ آخر یہ کایا پلٹ کس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ پھر کیا جو خدا ہر وقت اپنی قدرت کا تماشہ زمین پر دکھلاتا رہتا ہے۔ وہ کیا دوبارہ مردہ انسان کو جلا نہیں سکتا؟ یا وہ مردہ دلوں کو دعوت حق کی تاثیر سے از سر نو حیات تازہ عطا نہیں کر سکتا۔

ان الذین یلحدون. یعنی جو لوگ اللہ کی تنزیلی اور تکوینی آیات دیکھ کر بھی اپنی کجروی سے باز نہیں آتے اور سیدھی باتوں کو توڑ مروڑ کر غلط سلط رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ اور ان میں خواہ مخواہ اشکالات اور شبہات نکالتے ہیں یا جھوٹے حیلے بہانے تراش کر آیات الٰہی کا انکار کرتے ہیں اور طرح طرح کی ہیرا پھیری کرتے ہیں ایسے کجرو لوگوں کو اللہ خوب جانتا ہے اور ان سے نمٹنا بھی جانتا ہے۔ ایسے لوگ دھوکہ میں نہ رہیں۔ اللہ سے ان کی چالاکیاں چھپی ہوئی نہیں۔ فی الحال اس نے ڈھیل دے رکھی ہے۔ کیونکہ مجرم کو وہ ایک دم نہیں پکڑتا۔ مگر ایک وقت آئے گا کہ وہ سب دیکھ لیں گے تمہاری ساری حرکتیں اللہ کی نظر میں ہیں۔ ایک دن اکٹھا ان کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

مسخ شدہ فطرت کے لوگ اپنا نقصان کرر ہے ہیں:......... اب تم خود سوچ لو کہ شرارتوں کی بدولت آگ میں گرنا پسند کرتے ہو یا سلامتی اور شرافت کی بدولت امن وامان میں رہنا چاہتے ہو۔ ان دونوں میں کون بہتر ہے۔ یقیناً جو لوگ کج فہم، کج طبع ہوتے ہیں، اپنی فطرت کے مطابق وہ ایک صاف واضح کتاب میں جھگڑے نکالنے کی سعی کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ خدائی کتاب ہے اس میں جھوٹ آئے تو کدھر سے اور اس کی حفاظت کا ذمہ دار وہ خود ہے۔ پھر باطل کے پھٹکنے کا کیا سوال، کوئی احمق یا شریر ہی ایسی کتاب کا انکار کر سکتا ہے۔ ایسے بدبختوں کی پہلے بھی کمی نہیں رہی۔ مگر اللہ نے ان کے مقابلہ میں حق پرستوں کو بھی بے مثال صبر وہمت عطا کی تھی۔ موذی لوگ اپنے کام میں لگے رہے اور پیغمبر اپنے مشن میں جتے رہے، آپ بھی ہمت وصبر سے کام لیجئے اور اپنے کام سے کام رکھئے۔ جن کی قسمت میں ہوگا وہ آہستہ آہستہ راہ راست پر آجائیں گے اور جو بدبخت ہوں گے وہ اپنی آخرت خود تباہ کریں گے۔ بھلا اس بدبختی کا کچھ ٹھکانہ ہے، خوئے بدرا بہانہ بسیار۔ کام نہ کرنے کے سو بہانے۔

مکہ کے ہٹ دھرمی اور قرآن پر ان کا اعتراض:......... اور کچھ نہیں سوجھا تو مکہ کے ہٹ دھرم کہنے لگے کہ ہم محمد (ﷺ) کا معجزہ قرآن کو تو جب سمجھتے جب قرآن عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں ہوتا۔ کیونکہ اس وقت یہ بات خود بخود ہو جاتی کہ یہ اللہ ہی کا کلام ہے۔ کیونکہ محمد (ﷺ) تو اس زبان سے واقف نہیں۔ لیکن عربی زبان میں ہونے سے تو ہم بھی سمجھتے ہیں کہ یہ ان کا اپنا بنایا ہوا کلام ہے۔ اللہ کا کلام نہیں ہے۔

اس کے جواب میں فرمایا جارہا ہے کہ اگر ہم اس الزام سے بچنے کے لئے ایسا کر دیتے تو اس وقت اور اعتراض کھڑے ہو جاتے کہ میاں پیغمبر تو عربی اور قوم بھی عربی۔ مگر اس کے لئے جو کتاب لے کر آئے وہ عربی نہیں ہے۔ اس لئے اس کو کیسے سمجھیں۔ ایک حرف بھی ہمارے پلے نہیں پڑتا۔

قرآن کی زبان میں اصل اصول کی رعایت کی گئی ہے:......... یہ کیسی بے جوڑ اور بے تکی بات ہے۔ اس وقت یہ شور اور ہنگامہ مچاتے۔ غرض ایسے لچر اور پوچ اعتراضات اور نکتہ چینیوں کا سلسلہ تو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ اصل اصول یہ ہے کہ لانے والے اور جن کے پاس قرآن بھیجا گیا ان کی زبان چونکہ عربی ہے۔ اس لئے قرآن کے لئے اسی ایک زبان کا انتخاب کیا گیا ہے جب اچھی طرح دین کو یہ پہلی جماعت تھام لے گی تو پھر عالم کے لئے اس کے پھیلانے کا کام سہل ہو جائے گا اور تراجم کے ذریعہ دوسری قوموں کی ضرورت بھی پوری ہو سکتی ہے۔

اب رہ گیا قرآن کا معجزہ ہونا سووہ عربیت میں زیادہ واضح ہے بہ نسبت دوسری زبانوں کے۔ کیونکہ تم خود جواہل زبان ہو کھرے کھوٹے کو پرکھنے کا سلیقہ رکھتے ہو اس لئے تمہیں جانچ پڑتال کے بعد کھلے گا کہ یہ انسانی کلام نہیں بلکہ فوق البشر کسی قادر الکلام کا کمال ہے۔

اللہ کا کام جیسے بے مثال ہے اس کا کلام بھی بے نظیر ہے: .... وہ جس طرح اپنے کام میں بے نظیر ہے اپنے کلام میں بھی بے مثال ہے برخلاف دوسری زبان کے اس کا الٹا بھی تمہیں ناواقفیت کے باعث سیدھا ہی معلوم ہوتا۔ اس صورت میں زیادہ خلط ہو جاتا۔ اس لئے ہم نے تمہیں مطمئن کرنا مصلحت سمجھا۔ یہ تجربہ اب تمہارے سامنے ہے کہ یہ کتاب مقدس اپنے اوپر ایمان لانے اور عمل کرنے والوں کو کیسی عجیب ہدایت وبصیرت اور سوجھ بوجھ عطا کرتی ہے اور ان کے قرنوں صدیوں کے روگ مٹا کر کس طرح ان کو صحت منداور تندرست بنا دیتی ہے۔

ہاں جو دل کے روگ اور جنم کے اندھے ہیں ان کی مثال تو شپرک جیسی ہے۔ جس کی آنکھیں دن کی روشنی اور سورج کی چمک سے چندھیا جاتی ہے۔ ان منکرین کو بھی قرآن کی روشنی میں کچھ نظر نہیں آتا۔ اس میں قرآن کا کیا قصور۔ انہیں اپنی آنکھوں کا علاج کرنا چاہئے۔

یا یوں سمجھو جیسے کسی کو دور سے آواز دی جائے تو وہ نہیں سنتا یا کچھ سنتا ہے تو سمجھتا نہیں اور کچھ سمجھتا بھی ہے تو پوری طرح سمجھ نہیں سکتا۔ یہی حال صداقت کے ان بہروں کا ہے۔ قرآن کی آواز یا تو ان کے دل کے کانوں تک نہیں پہنچتی۔ اور پہنچتی ہے تو سمجھنے سے عاری ہیں۔

ولقد اتینا آج قرآن سننے والوں کا جو حال ہو رہا ہے۔ کبھی تورات سننے والوں کا حال بھی ایسا ہی ہو چکا ہے کہ کچھ نے مانا اور کچھ نے نہیں مانا۔ مگر اس اختلاف کا انجام کیا ہوا۔ تم خود اپنا انجام سوچ لو۔ اگر ہم پہلے سے یہ طے نہ کر چکے ہوتے کہ اصل فیصلہ آخرت میں ہوگا تو ہم ابھی تمہیں دکھلا دیتے کہ فیصلہ کیسے ہوتا ہے۔

اصل بات یہی ہے کہ ان کے دلوں میں شکوک وشبہات کے کانٹے چبھ رہے ہیں۔ وہ جب تک نہیں نکلیں گے انہیں سکون میسر نہ ہوگا۔ اب آگے تم سوچ لو۔ ہر آدمی کے سامنے اس کا اپنا عمل آئے گا۔ جیسا کرے گا ویسا ہی بھرے گا۔ جو بوئے گا وہی کاٹے گا۔ نہ کسی کی نیکی ضائع جائے گی اور نہ کسی کی بدی دوسرے پر ڈال دی جائے گی۔ اللہ کے ہاں کسی طرح کا ظلم وجور نہیں ہے۔

لطائف سلوک: .... **ومن احسن قولا** میں اس طرف اشارہ ہے کہ داعی الی اللہ اور شیخ کو خود بھی باعمل ہونا چاہئے۔ ورنہ ان کی تعلیم وتربیت میں برکت نہیں ہوگی۔

ادفع بالتی ھی احسن اور **مایلقاھا الا الصابرون** اور **واما ینزغنك** ان تینوں آیات کے مجموعہ سے تین باتیں ثابت ہوئیں۔ اول اخلاق کی تعلیم، دوسرے اخلاق میں مجاہدہ کی ضرورت، تیسرے کاملین کے لئے بھی وسوسہ پیش آنا ممکن ہے۔ لیکن اللہ سے پناہ جوئی کی صورت میں وہ مضر نہیں رہتا۔

اور **فاستعذ باللہ** میں اس طرف اشارہ ہے کہ کسی وقت بھی بے فکر نہیں رہنا چاہئے۔ کیونکہ شیطان ظاہر وباطن میں کوئی بھی خرابی پیدا کرسکتا ہے۔ مثلاً: کینہ، حسد، غصہ، ریا وعجب، جھوٹ، گالی، ناحق مار دینا وغیرہ۔ پس اللہ کی پناہ مانگنا ضروری ہے۔ کیونکہ تم خود شیطان کو دفع کرنے پر قادر نہیں ہو۔

ان الذین یلحدون کے مفہوم میں وہ غالی صوفیاء بھی داخل ہیں جو آیات کی غلط تفسیریں کیا کرتے ہیں۔

﴿الحمدللہ کہ پارہ **فمن اظلم** (۲۴) کی تفسیر مکمل ہوئی﴾